ملفوظات خواجہ بندہ نواز گیسو درازؒ

جوامع الکلم

مرتبہ

سید محمد اکبر حسینی

قدس سرہ العزیز

نفیس اکیڈمی
اسٹریچن روڈ
کراچی ۱

ملفوظاتِ خواجہ بندہ نوازؒ گیسو درازؒ

جوامعُ الکلم

مرتبہ

سیّد محمّد اکبر حسینی

قدّس سرّہ العزیز

ترجمہ

پروفیسر معین الدین دردائی

ایم، اے علیگ

نفیس اکیڈمی

اسٹریچن روڈ۔ کراچی ۱

فہرست مضامین

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ملفوظات خواجہ بندہ نواز گیسو دراز

(از چودھری محمد اقبال سلیم گاھندری)

پیشِ نظر کتاب جوامع الکلم حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز سید محمد حسینی چشتی قدس اللہ سرہ العزیز کے ملفوظات کا مجموعہ ہے جسے ان کے بڑے صاحبزادے سید حسین المعروف بہ سید محمد اکبر حسینی قدس اللہ سرہ العزیز نے تقریباً ایک سال کے عرصہ میں مرتب فرمایا تھا۔ مشائخ کے یہاں ملفوظات کی بہت اہمیت رہی ہے اس لیے کہ یہ ان کی تعلیمات اور تبلیغ کا بہت بڑا ذریعہ رہا ہے۔ مریدین، معتقدین اور طالبین کے درمیان مخصوص اوقات میں ان کے سوالات کے جواب دے کر ان کے شکوک اور الجھنوں کو دُور کرنے، اپنی تعلیمات کو پھیلانے اور تبلیغ و اشاعت دین کا یہ بہت ہی کامیاب طریقہ تھا۔ مشائخ چشت اور مشائخ فردوسیہ نے اس سے بڑے بڑے کام لیے ہیں۔ حضرت مخدوم شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری فردوسیؒ کے ملفوظات معدن المعانی، خوان پر نعمت، راحت القلوب، فح المعانی، مونس المریدین، گنج لایفنی، فوائد الغیبی، مغز المعانی، تحفہ غیبی نے برصغیر کے مسلمانوں میں اسلامی روح پھونک دی تھی۔ مشائخ چشت میں بھی تقریباً ہر شیخ نے اپنے ملفوظات چھوڑے ہیں۔ جوامع الکلم بھی اسی طرح حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کی ایک معتبر اور اہم ملفوظات کی کتاب ہے۔ اس کی سب سے بڑی اہمیت یہ ہے کہ اس کو آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت محمد اکبر حسینیؒ نے مرتب کیا ہے جو نہ صرف مشائخ چشت میں ایک بلند مرتبہ رکھتے ہیں بلکہ اپنے والد بزرگوار کے بہت محبوب فرزند بھی تھے اور حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز نے بارہا اپنے ان فرزند پر فخر کرتے ہوئے خدا کا شکر ادا کیا ہے۔ ان ملفوظات کو مرتب کر کے کئی بار حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو درازؒ کے سامنے پیش کر کے تصحیح بھی کرائی ہے۔

اس لیے اس کی صحت اور معتبر ہونے کے بارے میں کسی کو شبہ نہیں ہو سکتا۔

اس کتاب کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں زیادہ تر شرعی مسائل کو قصوں اور حکایات کے انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور ساتھ ہی قرآن مجید اور بہت سی احادیث کی تفسیر و تشریح بھی کی گئی ہے۔ یہ دلچسپ بھی ہے اور مفید و اہم بھی۔ یہ کتاب فارسی زبان میں تھی اور اس سے بہت کم لوگ مستفید ہو سکتے تھے اس لیے میرا ادارہ جس کا مقصد ہی بزرگان دین کے حالات زندگی اور تعلیمات و ملفوظات کو عوام کے سامنے پیش کرنا ہے۔ اس کو سلیس، رواں اور عام فہم اُردو میں ترجمہ کرا کر شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ اس کتاب سے پہلے اسی طرح کی بہت سی اہم کتابوں مثلاً طبقات الاولیا، سفینۃ الاولیا، تعلیم غوثیہ، اسرار الاولیا، سیر الاقطاب، خاتمہ، کو شائع کر کے اہل علم طبقہ سے داد تحسین حاصل کر چکا ہے۔

خوش قسمتی سے ہمارے ادارے کو پروفیسر محمد معین الدین دردائی کا مکمل تعاون بھی حاصل ہے جو برصغیر پاک و ہند کے ایک مستند محقق، ادیب اور مترجم مانے جاتے ہیں اور جن کی درجنوں مذہبی، علمی اور تصوف کے اوپر لکھی گئی کتابوں سے علما، صلحا، صوفیا، اُدبا اور تمام اہل علم طبقے کے لوگ مستفیض ہو رہے ہیں۔ خود ہمارا ادارہ اب تک اس کتاب جوامع الکلم سے پہلے آپ کی متعدد تصانیف اور ترجمے جیسے اسرار الاولیا، سیر الاقطاب، خاتمہ جیسی اہم کتابوں کو شائع کر کے ذی علم طبقہ سے داد تحسین حاصل کر چکا ہے۔

پروفیسر دردائی نہ صرف ایک صاحب طرز ادیب، مستند محقق، اور دلکش مترجم ہیں بلکہ علم سلوک اور تصوف کے رموز و نکات سے بھی آشنا ہیں، زبان کی لطافت، سلاست بے ساختگی اور شگفتگی کے لیے اپنے معاصرین میں بہت مشہور اور ممتاز ہیں۔ چنانچہ اس کتاب کے ترجمے میں بھی آپ کی یہ تمام خوبیاں نمایاں ہیں۔ تصوف کے بعض گنجلک اور غیر دلچسپ بیان کو بھی انھوں نے اپنے قلم کی سحر کاری سے حد درجہ دلکش اور دلچسپ بنا دیا ہے اسے پڑھنے کے وقت کہیں بھی ابہام کا پتا نہیں ملتا۔ پڑھنے والا اس میں اس طرح محو ہو جاتا ہے جیسے کوئی قصہ پڑھ رہا ہو اور ختم کرنے کے بعد وہ علم و آگاہی کا مخزن اپنے سینوں میں محفوظ پاتا ہے۔

ذی علم طبقہ کی اسی طرح ہمت افزائی شامل حال رہی تو انشاءاللہ ہمارا ادارہ زیادہ

سے زیادہ علم و دین، مذہب و تصوف، اور صوفیا کی تعلیمات سے متعلق کتابیں شائع کرتا رہے گا۔

وما توفیقی الا باللہ

مقدّمہ

دربیان تصوّف

حامداً ومصلیاً

حضرت مخدوم شرف الدین یحییٰ منیری قدس سرہ العزیز اصل تصوف کے بارے میں بائیسویں مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ قاعدہ تصوف دیرینہ است واعمال انبیاء و صدیقان بودہ است۔ حضرت کے زمانہ میں تصوف سے لوگ اسی طرح بدعقیدہ تھے جس طرح کہ آج کل نظر آتے ہیں بلکہ آج کل یہ زیادتی ہے کہ تصوف کا ماخذ ہندوؤں کے جوگ اور مصری و یونانی فلسفہ کو بتلایا جاتا ہے۔ مخدوم صاحب قدس سرہٗ صوفیوں کو عین اہل حدیث کہتے ہیں جن میں علم و عمل دونوں جمع ہیں۔ اسی بناء پر آپ اہل حدیث کے نام سے ان کی تین قسمیں بیان فرماتے ہیں ایک صوفی۔ دوسرا متصوف اور تیسرا متشبہ اور صوفی کی تعریف یہ کرتے ہیں کہ از خود فانی شدہ باشد و بحق باقی گشتہ واز قبضہ طبائع رستہ و بحقیقت حقائق پیوستہ" پس تصوف سے فنا فی اللہ اور بقاء باللہ مراد ہے۔ یہ نعمت طبیعت کی عادتوں سے نجات حاصل کرنے اور حقیقت حقائق کے منکشف ہونے سے حاصل ہوتی ہے۔ مخدوم صاحبؒ فرماتے ہیں کہ "ہر کہ در طلب ایں راہ بود باید کہ سرمایہ از شریعت سازد۔ تا از شریعت در طریقت راہ یابد۔ وچوں در طریقت راہ یافت از طریقت بہ حقیقت قدم تواند نہاد۔" پھر آپ فرماتے ہیں کہ جس نے ابھی تک شریعت ہی کو نہ جانا۔ وہ طریقت سے کیا آگاہ ہو سکتا ہے اور جسے طریقت سے آگاہی نہ ہوئی وہ حقیقت سے کہاں بہرہ اندوز ہو سکتا ہے گویا جڑ شریعت ہے۔ اور باطن طریقت اور باطن در باطن حقیقت یہ صفت عمل سے حاصل ہوتی ہے بشرطیکہ نیت درست ہو ورنہ اس کی حالت "متشبہ" کی سی ہوتی ہے جس نے جاہ وحظِ نفس کے لیے

اپنے آپ کو صوفیوں کے مانند بنالیا ہے۔

مخدوم صاحب قدس سرہٗ العزیز فوائد رکنی میں فرماتے ہیں کہ اس عالم میں پہلے صوفی حضرت آدم علیہ السلام تھے حق تعالٰے نے مادۂ روح انہیں عطا فرمایا اور ان کے دل میں چراغ عقل روشن فرمایا اور حکمت کا نور دل سے زبان پہ پہنچایا۔ اور ابتدائے خلافت میں ملائیکہ کا سجدہ نصیب ہوا۔

یہ نعمت تصوف اس وقت تک نہیں نصیب ہوتی جب تک کہ کسی صاحب دولت کا دامن نہ تھاما جائے تاکہ وہ دنیا کی مکاری وغداری اور نفس کی رہزنی پہ آگاہ کرے اور آفت سے بچائے۔

اس راہ میں جامۂ وتن پاک ولقمہ حلال اور حواس خمسہ کو معصیت وخلاف سے پاک صاف رہنے کی ضرورت ہے۔ دل تمام اوصاف ذمیمہ حرص وہوس بخل حسد غرور ونخوت اور غیض وغضب وغیرہ سے پاک رہنا چاہیے اگر مرید کو مجاہدوں کی ضرورت ہوگی تو پیر مجاہدے کرائے گا۔ آپ فرماتے ہیں کہ جب پاکی تن وجامہ حاصل ہو جائے تو مرید نے راہ دین میں ایک قدم آگے بڑھایا۔ اس وقت اس پر توبہ کی حقیقت منکشف ہوئی اس کو گردش کہتے ہیں اسے اسلام کا جمال جہاں آرا نظر آنے لگے گا اور معرفت کا دروازہ اس کے سینہ میں کھول دیا جائے گا۔ بلاتشبیہ مرید کو حضرت صدیق اکبرؓ کے مانند اور پیر کو حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے مانند ہونا چاہیے تاکہ "ماصب اللہ شیئًا فی صدری الا وقد صببت فی صدر ابی بکر" کا مصداق حال ہو۔ جب یہ حال ہوگا تو مقصود اصلی حاصل ہوگا۔ مقصود اصلی کیا ہے۔ ترک ماسوی اللہ بزرگوں نے کہا ہے کہ

ے انچہ مقصود تست معبود تست اگر تو ہزار بار بزبان گوئی لاالہ اللہ جہ سود

ے گر ہمہ عالم ثواب تو بود تا تو می باشی عذاب تو بود

"یہاں خودی" کو مٹانا ضروری ہے وہ "خودی" نہیں جسے اقبال سراہتا ہے۔ وہ تو غیرت نفس اور عمل صالح کی بنیاد ہے۔ یہاں وہ "خودی" مراد ہے جو انانیت ہے یعنی ہم بھی کچھ ہیں گو ہوں کچھ بھی نہیں۔ یہ نفس کے مرادف ہے جو اس راہ میں بت وزنار ہے۔ اس خودی کو فنا کرنے کی ضرورت ہے۔ اِس "خودی" کا تعلق "بقا باللہ"

سے ہے۔ فنا ہونے کی چیز نہیں "اس خودی" کی تائید دنیوی بوالہوسی سے اور اُس "خودی" کی تائید عشق سے ہوتی ہے۔ حضرت مخدوم صاحب علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اے برادر عشق مرکبے ہست کہ بیک تگ از دو عالم بیرون شود و جولان در لامکاں کند۔

بعض قدما نے جن میں ابن جوزی و ابن قیم وغیرہ ہیں تصوف کے صحیح مفہوم پر غور ہی نہیں فرمایا مثلاً ابن جوزی صفۃ الصفوہ میں لکھتے ہیں کہ تصوف کی اضافت بڑے لوگوں مثلاً خلفائے راشدین وغیرہ کی طرف کی جاتی ہے حالانکہ انہیں تو تصوف کی خبر ہی نہ تھی۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ تصوف ایک ایسا مذہب ہے جو اہل تصوف کے نزدیک زہد و عبادت پر ختم نہیں ہو جاتا بلکہ اس کی بعض صفتیں ماورئی مذہب بیان کی جاتی ہیں۔ ان صفات کو شریعت کے علاوہ کچھ اور سمجھا گیا ہے۔ یہ غلط فہمی سی ہے اور اصلاحات کو دیکھ کر شاید یہ لوگ اشتباہ میں پڑ گئے ہوں دراصل تصوف "احسان" کا مرادف ہے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہٗ العزیز بدور البازغہ" میں لکھتے ہیں کہ "عبادت کے دو رُخ ہیں۔ اول یہ کہ قلب میں تعظیم امر اللہ جاگزین ہو جائے اور تعظیم کے ساتھ الفت بھی ملی ہوئی ہو، اور ساتھ ہی اپنے نفس کی ذلت بھی ملحوظ خاطر رہے۔ دُوسرا رُخ یہ ہے کہ سوائے اللہ کے کسی کو حاجت روا نہ سمجھے اور کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلائے یہی سب "احسان" کی صفتیں ہیں جو بالفاظ دیگر "تصوف" کی صفتیں ہیں اب مسلمان ان صفتوں کو حاصل کر لیتا ہے تو اس میں بعض خصوصیتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ جو تا وقتیکہ پختگی کے درجہ کو پہنچیں "حال" کہلاتی ہیں اور جب پختہ اور استوار ہو جاتی ہیں، تو "مقام" ہو جاتی ہیں دراصل یہ بات "جوگ یا تھیوسونی" میں نہیں۔ روحانی ترقی بعض دوسرے مذاہب والوں نے بھی کی ہے۔ اس لیے کہ ان کے عقیدہ میں روح داخل ہے اور اس کی ترقی کے طریقے یہی ہیں جو کسب و اعمال ہیں مگر عالم قدس تک ان کی رسائی ہو سکے۔ یہ محال ہے۔ بغیر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر ایمان لائے یہ نعمت نہیں حاصل ہو سکتی۔ یہ کلمہ جنت کی کنجی ہے اور جنت کیا ہے "وصال حبیب" و رضوان حبیب" اور یہ سب عالم قدس کی باتیں ہیں۔ اس مرتبہ تک پہنچنے کے لیے ضروری ہے جیسا کہ حضرت مخدوم صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اعتقاد صحیح ہو۔ کتاب و سنت و آثار سلف کا سالک پیرو ہو۔ دوسری جگہ آپ فرماتے ہیں کہ "شریعت کی ایک صورت ہے اور ایک حقیقت۔ صورت تو وہ ہے کہ جس کا بیان علمائے ظاہر کا کام ہے

اور حقیقت وہ ہے کہ جس سے اہل تصوف ممتاز ہیں۔" آپ فرماتے ہیں کہ" انچہ بر ما فقیران لازم است دوام ذل است و افتقار و انکسار و تضرع و التجا و ادا و وظائف عبودیت و محافظت حدود شرعیہ و متابعت سنت سنیہ" اس سوال کے جواب میں کہ تصوف کیا ہے شیخ ابونصر سراج رحمۃ اللہ علیہ قرآن پاک کی یہ آیت پڑھتے ہیں۔ شھد اللہ انہ لا الٰہ الا ھو والملائکۃ والوالعلم قائما بالقسط۔ یعنی کتاب اللہ و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل و متابعت صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین و اتباع اولیا اور ورثۃ الانبیاء ہمارے لیے لازم ہے جب تک یہ عمل نہ ہوگا۔ تصوف کی ہوا بھی نہیں لگ سکتی۔ ان امور میں اہل حدیث فقہا اور صوفیا میں سے کوئی بھی اختلاف نہیں کر سکتا۔ لیکن آگے چل کر شیخ علیہ الرحمۃ (کتاب اللمع میں) فرماتے ہیں اس کے بعد اہل تصوف طرح طرح کی عبادت کر کے اور حقائق طاعات کو پہنچ کر اور اخلاق جمیلہ سے آراستہ ہو کر درجات عالیہ پر ترقی کرتے ہیں۔ ترقی کرتے جاتے ہیں اور ایسے احوال شریفہ و منازل رفیعہ انہیں حاصل ہوتے ہیں کہ کسی کو اُن احوال شریفہ و منازل رفیعہ کے معانی و مراتب تک رسائی نہیں ہوتی۔ وہ فرماتے ہیں کہ صوفیا کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ وہ" مالا یعنی" کو ترک کر دیتے ہیں اور تمام علائق جو اُن کے مقصود کے مابین حائل ہوتے ہیں۔ انہیں قطع کر دیتے ہیں اور سوائے ذات وحدہٗ لاشریک لہٗ کے ان کا کوئی اور معبود و مقصود و مطلوب نہیں ہوتا۔ لا مطلوب الا اللہ و لا مقصود الا اللہ اس سے ان کی زندگی پر جو اثر پڑتا ہے وہ یہ ہے کہ دل کی ملمع سازی و سیمیائی نمود سے ان کی آنکھیں خیرہ نہیں ہوتیں۔ وہ دنیا کو بھی دین کے رنگ میں رنگ دیتے ہیں اور مخالفت نفس و ہوا کی مدد سے ان بیماریوں میں مبتلا نہیں ہوتے جن میں آجکل کے عام مسلمان مبتلا نظر آتے ہیں۔ قرآن پاک میں اہل تصوف کے لیے مختلف الفاظ استعمال فرمائے گئے ہیں۔ مثلاً صادقین و صادقات۔ قانتین و قانتات۔ خاشعین موقنین۔ مخلصین محسنین خائفین۔ عابدین۔ صابرین۔ متوکلین۔ مخبتین۔ ابرار۔ مقربین مسارعین الی الخیرات وغیرہ وغیرہ حضرت شیخ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ایک قول کے مطابق صوفی در اصل صفوی تھا۔ کثرت استعمال سے صوفی ہوگیا۔ دوسرے کہتے ہیں کہ یہ لفظ صفا سے مشتق ہے اور اہل صفا پر اس کا اطلاق ہوتا ہے یعنی وہ لوگ جو کدورت بشریت سے پاک و صاف کر دیے گئے ہیں۔ بعض لوگ" صوف" سے اس لفظ کو مشتق سمجھتے ہیں اور

پشمینہ پوشی صوفیوں کی خصوصیت سمجھتے ہیں ممکن ہے کہ یہ خصوصیت ان کے زمانہ میں راست ہو بعض یہ کہتے ہیں کہ درویش صفت باش وکلاہ تتری دار علیٰ ہذا القیاس اس لفظ کے اشتقاق کی متعدد وجہیں بیان کی گئی ہیں جن کی تصریح کی یہاں ضرورت نہیں مگر یہ سمجھ لینا چاہیے کہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ جو اس طریقہ کے امام تھے وہ صاف کہتے ہیں کہ ہمارا یہ سارا علم احادیث نبوی سے مستنبط ہے۔ حضرت شیخ علی الہجویری فرماتے ہیں کہ صوفی وہ ہے جس کا قلب دنیاوی کدورتوں سے خالی ہو اور ایسے لوگ جو اہل تصوف کے نام سے پکارے جاتے ہیں وہی ہیں جن کی شان میں قرآن مجید میں آیا ہے۔" عباد الرحمٰن الذی یمشون علی الارض ھونا و اذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلاماً اور" للفقراء الذین احصروا فی سبیل اللہ لایستطیعون ضرباً فی الارض یحسبھم الجاھل اغنیاء من التعفف۔ اور وہ لوگ کہ تتجافی جنوبھم عن المضاجع یدعون ربھم خوفاً وطمعا۔ یہ صفتیں کبھی پیدا ہی نہیں ہوسکتیں تاوقتیکہ اخلاص ونیت راست کے ساتھ عرصہ تک آدمی نے عمل نہ کیا ہو اور نفس کے دھوکوں سے اس کی حفاظت نہ کی گئی ہو۔ علم جس کے حصول کی یہ بزرگوار تعلیم دیا کرتے ہیں اور جس کے نہ جاننے والے کو جاہل کہتے ہیں اُسے علم من اللہ[1]۔ علم مع اللہ[2] اور علم باللہ[3] کے نام سے موسوم فرماتے ہیں۔ علم من اللہ[4] سے شریعت مراد ہے علم مع اللہ سے طریقت اور علم باللہ سے معرفت حق سبحانہ تعالیٰ اور یہ تمام علوم قرآن پاک ہی کے علوم ہیں ان علوم کا نہ جاننے والا کبھی "ولی" یا "صوفی" نہیں ہوسکتا۔ امام قشیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں کہ اہل سنت کے ایک طبقہ خاص نے جو ذکر الٰہی میں مشغول اور غفلتوں سے دُور رہتا تھا۔ اپنے لیے اہل تصوف کی اصطلاح قائم کی۔ یہ لوگ اہل سنت والجماعت سے کوئی علیحدہ جماعت نہیں مگر یہ عوام اہل سنت کے درجہ میں نہیں ہیں بلکہ اس طبقہ کے خواص اکابر میں سے ہیں۔ بڑے پیر صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں (فتوح الغیب) کہ تصوف کی بنیاد آٹھ خصلتوں پر ہے یعنی سخاوت ابراہیم رضائے اسحاق وصبر ایوبؑ ومناجات ذکریا۔ غربت یحییٰ۔ خرقہ پوشی موسیٰ۔ سیاحت عیسیٰ وفقر محمد علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ آپ فرماتے ہیں کہ شرک محض بت پرستی کا نام نہیں ہے بلکہ خواہش نفس کی پیروی کرنا اور خدا کے علاوہ غیر خدا کی طلب کرنا یہ سب شرک ہے۔ ان سے بچنے والا صوفی ہوتا ہے اور جو علم وعمل اس طرف رہنمائی کرتا ہے وہی

حقیقی تصوف ہے۔

حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردیؒ عوارف المعارف میں احوال صوفیہ کی صفت اور ان کے حالات کی شرح اس ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے ہیں کہ اے فرزند اگر ہو سکے تو ایسے حال میں صبح و شام کر کہ تیرے قلب میں کسی کی طرف سے بالکل میل نہ ہو اے فرزند یہ میری سنت ہے جس نے میری سنت کو زندہ کیا (یعنی اس پر عمل کیا اور رواج دیا) اس نے گویا مجھے زندہ کیا (یعنی میرا بول بالا کیا) اور جس نے مجھے زندہ کیا (یعنی میرا بول بالا کیا) وہ میرے ساتھ جنت میں رہے گا۔ اس کے بعد مقامات تصوف کو اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ تمہارے دین کی اصل اصول ورع ہے اور خوف خدا راس الحکمۃ ہے۔ تصفیہ قلب و تزکیہ نفس تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے نتائج ہیں اور علوم تفسیر و حدیث و فقہ و کلام و معانی و بیان و لغت وغیرہ تصوف کے خلاف نہیں بلکہ اس کے مقدمات و مبادی ہیں اور صوفیوں کی شان یہ ہے کہ یستمعون القول فیتبعون احسنہ اولئک الذین ھداھم اللہ واولئک ھم اولوا الباب۔

سلطان الاولیاء محبوب الٰہی حضرت نظام الدین بدایونی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظ میں ہے کہ کچھ لوگ ایسے ہیں جن کا ظاہر آراستہ اور باطن خراب ہے کچھ کا باطن آراستہ اور ظاہر خراب۔ بعض کا ظاہر و باطن دونوں خراب اور بعض ایسے ہیں جن کا ظاہر و باطن دونوں آراستہ ہوتے ہیں آپ انہیں آخر الذکر کو مشائخ و فقراء کے لفظ سے تعبیر فرماتے ہیں۔

چونکہ اسلام کی تعلیم بہت سیدھی سادھی تھی اس لیے جو علوم اس سے مستنبط ہوئے ان کے بارے میں بعض لوگوں نے یہ سمجھا کہ ان میں فلسفہ و جوگ وغیرہ کی آمیزش ہے یہ خطرہ متقدمین کو بھی تھا اس لیے انہوں نے آمیزش کے شبہ کو دور کرنے اور فلسفہ و مذاہب غیر سے حقیقت حال کو ممیز کرنے کے لیے تصوف کے میدان میں قلم اٹھایا اور ان احوال کو سپرد قلم کیا اور اس کیفیت کو جو کامل اتباع احکام شرعیہ سے بطور نتیجہ وارد ہوتی ہے۔ عبارات و اشارات میں بیان کرنا شروع کیا تاکہ طالب کو التباس واقع نہ ہو اور جب یہ کیفیتیں اس پر بھی وارد ہوں تو وہ دھوکے میں نہ آئے اور ان کی حقیقت کو سمجھ سکے اور اس دھوکے سے محفوظ رہے کہ فلسفہ اور مذاہب باطلہ میں بھی یہی باتیں ہیں یعنی چونکہ حق و باطل کا امتیاز واضح کرنا ضروری تھا۔ اس لیے خدائے عزوجل نے

جماعت صوفیا حقہ کو پیدا کیا جس نے اسلامی عبادات و ریاضات کے انوار مثلاً وحدت وجود و وحدت شہود وغیرہ کو عبارت کے لباس میں ظاہر کیا اور سمجھا دیا کہ ان کا اسلامی تصور و مفہوم یہ ہے اور دونوں میں جو فرق ہے وہ اس طرح پر واضح ہے اور حب دنیا تمام مفاسد کی جڑ ہے۔

حب دنیا ذوق ایمانت ببرد — آرزویش پرتو جانت ببرد

چیست دنیا آشنائی حرص و آز — مانده از فرعون واز نمرود باز

کار دنیا چیست بیکاری ہمہ — چیست بے کاری گرفتاری ہمہ

ہست دنیا آتشے افروختہ — ہر زماں خلقے دگر را سوختہ

دنیا کے اس رخ کو اہل صوفیا نے نفرت سے دیکھا ہے اور اسے ترک کرنے کی تعلیم دی ہے تاکہ مرید رجال لا تلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ کا مصداق ہو جائے اور اذکروا اللہ ذکرا کثیرا۔ اس کا شعار ہو اور فی مقعد صدق عند ملیکٍ مقتدر اس کا مقر قرار پائے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو صوفی کہلاتے ہیں اور جن کے بارے میں یہ بشارت آئی ہے" الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون۔ الذین اٰمنوا وکانوا یتقون لھم البشریٰ فی الحیاۃ الدنیا وفی الاخرۃ لا تبدیل لکلمات اللہ ذالک ھو الفوز العظیم ط

خاکسار

محمد حامد صدیقی غفرلہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہ

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

حضرت خواجہ بندہ نوازؒ

پیشوائے اہل علم وتحقیق ۔ مقتدائے اہل فکر وتدقیق ۔ حجت اہل شریعت و طریقت دلیل اہل حق وحقیقت امام العارفین ۔ قدوۃ السالکین حضرت سید محمد ابن سید یوسف حسینی خواجہ بندہ نواز گیسودراز رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلویؒ کے خلیفہ اعظم تھے ۔ حضرت شیخ عبدالحق دہلویؒ اخبار الاخیار میں لکھتے ہیں کہ آپ سیادت وعلم کے جامع تھے ۔ اور علم و ولایت میں بڑی شان اور بلند مرتبہ رکھتے تھے ۔ اور مشائخ چشت رضوان اللہ علیہم اجمعین میں آپ کا ایک خاص مشرب اور اسرار حقیقت کے بیان میں آپ کا ایک مخصوص طریقہ تھا ۔

آپ سادات حسینی سے تھے ۔ آپ کے جدِّ اعلیٰ ابوالحسن جنیدی رحمۃ اللہ علیہ ہرات سے دہلی تشریف لائے یہیں قیام فرمایا جہاد میں شرکت فرمائی شہید ہوئے اور مسجد ایاز دہلی میں دفن ہوئے ۔ خواجہ صاحب قدس سرہ العزیز کا شجرہ نسب بائیس واسطوں سے حضرت سیّدنا علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہ سے جا ملتا ہے ۔ وھو اھذا

نسب سید محمد حسینی بن یوسف بن علی بن محمد بن یوسف بن حسین بن محمد بن علی بن حمزہ بن داؤد بن زید بن ابوالحسن جنیدی بن حسین بن ابوعبداللہ بن محمد بن عمر بن یحییٰ بن حسین بن زید مظلوم بن امام زین العابدین بن سیدنا امام حسین شہید کربلا بن سیدنا علی بن ابی طالب رضوان اللہ علیہم اجمعین [1]

---

[1] در از سیر محمدی ۱۲

آٹھویں صدی ہجری کے آغاز میں جب سلطان محمد تغلق نے دیوگری کو اپنا دار السلطنت بنانا چاہا اور دولت آباد کے نام سے آباد کیا تو دہلی کے عمائدین فضلاء، علما اور مشائخ کو وہاں منتقل ہونے کا حکم دیا۔ اسی سلسلہ میں ایک جماعت کے ساتھ آپ کے والد ماجد سید محمد یوسف المعروف بہ سید راجہ حسینی رحمتہ اللہ علیہ[1] نے دولت آباد کا ارادہ فرمایا اور ۷۲۵ھ میں وہاں پہنچ کر غارہائے ایلورہ کے اوپر ایک مکان میں جہاں اب حضرت کا مزار مبارک ہے قیام فرمایا آپ کو حسب صراحت جوامع الکلم و سیر محمدی حضرت شیخ الاسلام شیخ نظام الدین اولیاءؒ سے بیعت تھی۔

تاریخ ولادت و عمر مبارک

میر محمد علی سامانی سیر محمدی میں لکھتے ہیں کہ میں ۸۱۸ھ میں گلبرگہ شریف میں تھا میں نے دیکھا کہ خواجہ احمد دبیر مولانا ابو الفتح - قاضی سیف الدین وغیرہ جو حضرت کے بڑے مرتبہ کے مرید تھے آستانہ مبارک پر حاضر ہوئے تاکہ سالگرہ مبارک کی تہنیت پیش کریں۔ میں نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ خواجہ صاحبؒ کو آج پورے ننانوے سال ہوئے ہیں۔ قاضی علیم الدین بھروچی بھی اپنے مرتبہ ملفوظات میں یہی تاریخ لکھتے ہیں کہ ۸۱۱ھ صفر کا مہینہ تھا اس وقت خواجہ صاحب قدس سرہٗ العزیز نے اپنی زبان مبارک سے فرمایا کہ میری عمر نوے برس ہونے کے لیے اور چار مہینے باقی ہیں پس اس حساب سے آپ کی ولادت رجب ۷۲۱ھ میں قرار پاتی ہے۔ میر محمد علی سامانی خود بھی لکھتے ہیں کہ خواجہ صاحب کی ولادت باکرامت دہلی میں چوتھی رجب المرجب ۷۲۱ھ کو ہوئی۔ اس کی تائید لطائف اشرفی سے بھی ہوتی ہے جو ابتدائے نویں صدی ہجری کی تصنیف ہے اس میں آپ کی عمر ایک سو چار سال اور انیس یوم درج ہے اور وفات کی تاریخ ۱۶؍ ذیقعدہ ۸۲۵ھ ہے۔

طفلی صاحب سیر محمدی[2] لکھتے ہیں کہ دولت آباد میں ایک بزرگ شیخ بابو[?] رہا کرتے تھے۔

---

[1] بعد میں سید راجہ کے بجائے راجو قتال مشہور ہوئے۔ قتال سے مراد قتال نفس ہے ۱۲

[2] صاحب سیر محمدی کو حضرت خواجہ صاحب کی اور آپ کے خلفا اور اصحاب کی بہت صحبت نصیب ہوئی تھی کچھ اپنے ذاتی علم اور کچھ ان بزرگوں سے سُن کر ۸۳۱ھ میں بعض اعزہ کے اصرار سے انہوں نے یہ کتاب تحریر فرمائی جس کا مکمل نسخہ دستیاب نہیں ہوا البعض نامکمل نسخے ملے جن سے ۱۳۴۷ھ میں مولوی نذیر احمد (باقی صد ۳۳ پر)

خواجہ صاحبؒ کے والد ماجدؒ اُن کی ملاقات کو ایک مرتبہ تشریف لائے۔ شیخ بابلو کو سماع سے بڑا شوق تھا۔ جب مجلسِ سماع میں بیٹھتے اور سماع شروع ہوتا تو انہیں بے خبری سی طاری ہو جاتی ہے منہ سے کف نکلنے لگتا۔ اس حالت میں جو کچھ زبان مبارک سے نکلتا وہی ہوتا خواجہ صاحب اس وقت کم سن تھے مگر بایں ہمہ آپ کی حضرت شیخ علیہ الرحمہ نے بہت تعریف کی اور بہت اچھے کلمات فرمائے جو سب خدائے عزوجل کے حکم سے ظاہر ہوئے۔ صاحب سیر محمدی لکھتے ہیں کہ حضرت مخدوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب آٹھ برس کے ہوئے تو نماز، وضو اور دوسرے دینی کاموں میں بہت اہتمام فرمانے لگے۔ چھوٹے چھوٹے بچے آپ کے پاس جمع ہو جاتے اور بہت ہی ادب قاعدہ سے اٹھتے اور بیٹھتے۔ آپ کے لیے گھڑے میں پانی بھر دیتے اور خواجہ صاحبؒ انہیں مشائخؒ کے طریقے کے مطابق کچھ تبرک عطا فرماتے اور کچھ تعلیم بھی فرماتے[1]۔

واقعہ سفر دہلی از دولت آباد

خواجہ صاحبؒ کے ماموں ملک الامراء سید ابراہیم مستوفی بادشاہ کے ایک جلیل القدر مقرب تھے اور دولت آباد ہی میں رہا کرتے تھے۔ آپ کی والدہ صاحبہ سے اور اُن سے باہم کچھ ناخوشی واقع ہو گئی بہن اس قدر مکدر اور دل برداشتہ ہوئیں کہ بھائی سے خفا ہو کر خواجہ صاحب کو اور ان کے بڑے بھائی سید حسین عرف سید چندن رضی اللہ عنہما کو ہمراہ لے کر دہلی چلی آئیں۔ اس وقت خواجہ صاحب کی عمر پندرہ سال کی تھی۔ اور حضرت سلطان نظام الدین اولیاءؒ کے سلسلہ میں مرید ہونے کی بڑی خواہش تھی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ اس سلسلہ مبارک کے پیر دستگیر حضرت خواجہ نصیر الدین اودھی چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا آستانہ مبارک طالبان حق کے لیے ملجا و ماوا بنا ہوا تھا۔ اور دہلی آپ کے رشد و ارشاد کا مرکز تھا۔

واقعہ بیعت و تعلیم علوم ظاہری و باطنی

خواجہ صاحبؒ سولہویں سال آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے بھائی سید چندن کے ساتھ شرف بیعت حاصل کیا یہ استفتاح کا دن تھا۔ صاحب سیر محمدی

(بقیہ حاشیہ صد ۳۲) صاحب الہ آبادی نے ایک نسخہ مرتب کر کے با ترجمہ طبع کر دیا ہے۔

[1] از سیر محمدی ۱۲

لکھتے ہیں کہ سولہویں رجب روز استفتاح حضرت خواجہ اور آپ کے بڑے بھائی سید چندن رض نے شیخ الاسلام حضرت نصیر الدین محمود اودھی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیعت کی۔ سید چندن تو دنیاوی مشاغل میں مشغول ہو گئے مگر حضرت خواجہ صاحب رضی اللہ عنہ نے حضرت شیخ الاسلام نصیر الدین محمود کی خدمت گذاری اختیار کی اور مجاہدہ، ریاضت، ذکر، مراقبہ اور دیگر ارشادات حضرت شیخ کی بجا آوری میں مشغول ہوئے علوم ظاہری کی تعلیم بھی جاری رکھی چند کتابیں سید شرف الدین کیتھلی سے پڑھیں۔ پھر بعض کتابیں مولانا تاج الدین بہادر سے پڑھیں اور کچھ کتب مولانا قاضی عبد المقتدر صاحب سے پڑھی تھیں اور کمسنی میں ہی قرآن پاک بھی حفظ فرما لیا تھا۔"

تربیت پیر دستگیر و فضائل حضرت خواجہ

حضرت خواجہ بندہ نواز رحمۃ اللہ کے حال پر شیخ الاسلام نصیر الدین محمود رحمۃ اللہ علیہ کو جو شفقت تھی اس کا حال حضرت کے ملفوظات جوامع الکلم میں حضرت کے بڑے صاحبزادے آپ ہی کی زبانی اس طرح بیان فرماتے ہیں۔

"پہلے میں نے چاہا کہ جلد جلد قدمبوسی کے لیے حاضر ہوا کروں لیکن میرے پاس نذرانہ نہ تھا اور اپنے ہمراہ اپنے بھائی کو بھی لے جاتا تھا اور وہ بہت دیر کر دیتے تھے ایک مرتبہ حضرت بندگی مخدوم نے ارشاد فرمایا کہ تم جب میرے پاس آتے ہو تو بے وقت آتے ہو۔ میں اس وقت ملول رہا کرتا ہوں میرا جی چاہتا ہے کہ میں تم سے بات چیت کیا کروں۔ اس زمانہ میں میری عمر پندرہ سولہ برس کی تھی میں نے بے تعجبانہ اپنے دل میں کہا سبحان اللہ حضرت خواجہ مجھ سے باتیں کرنا چاہتے ہیں۔ زہے دولت۔"

جوامع الکلم ہی میں ہے کہ بندگی شیخ نے شروع شروع میں آپ سے اس طرح ریاضتیں بتدریج کرائیں کہ طبع مبارک پر گرانی نہ ہو۔ ایک مرتبہ کا ذکر حضرت خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ علیہ الرحمۃ نے مجھ سے پوچھا صبح کی نماز کے لیے جو وضو کرتے ہو وہ بعد طلوع آفتاب باقی رہتا ہے میں نے عرض کیا "صدقہ خواجہ" باقی رہتا ہے فرمایا اچھا ہو جو اسی وضو سے دوگانہ اشراق بھی پڑھ لیا کرو میں نے عرض کی جی بہت خوب پھر فرمایا کہ دوگانہ شکر النہار و استخارہ و استعاذہ بھی پڑھ لیا کرو۔ جب چند روز اس کی پابندی رہی تو حضرت نے ارشاد فرمایا کہ اگر اسی میں نماز چاشت کی چار رکعتیں

ملا دیا کرو تو نماز چاشت بھی ہو جایا کرے گی ۔ میں نہیں کہتا کہ دوسرے کسی وقت پڑھو بعد اشراق اُسی وقت چاشت پڑھ لیا کرو تو چاشت بھی ہو جایا کرے گی میں ہمیشہ رجب میں روزے رکھا کرتا تھا آپ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ تم رجب میں روزے رکھا کرتے ہو ۔ میں نے عرض کیا جی ہاں ! استفسار فرمایا کہ شعبان میں بھی ؟ میں نے گزارش کی کہ شعبان میں نو روزے ۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر اکیس دن اور رکھ لیا کرو تو تمہارے پورے تین ماہ کے روزے ہو جایا کریں گے میں رمضان کے بعد شش عید کے روزے بھی رکھا کرتا تھا ۔ انہی ایام میں قدمبوسی کے لیے حاضر ہوا ۔ ارشاد فرمایا کہ ہمارے خواجگان صوم داؤدی نہیں رکھا کرتے تھے بلکہ صوم دوام رکھا کرتے تھے ۔ تم بھی صوم دوام رکھا کرو ۔

غرضکہ اس شفقت و محبت سے حضرت پیر دستگیرؒ نے آپ کی تعلیم فرمائی[لے] جوامع الکلم میں شنبہ ۲۳ ؍ رجب ۸۰۲ھ کے ملفوظ میں آپ بیان کرتے ہیں کہ رجب کے پہلے شنبہ کی رات کو اوّل وقت حضرت بندگی خواجہ نصیر الدین محمود قدس سرہٗ دستر خوان پر تشریف لائے اور ہر شخص اپنی اپنی مقررہ جگہ بیٹھا تھا کہ کمال رحمت و نوازش سے مجھے اپنے پاس دوسری جگہ بیٹھنے کی عزت بخشی ۔ میرے اور شیخ علیہ الرحمتہ کے درمیان صرف مولانا برہان الدین بجنوری تھے جو اک دانشمند مرد صالح اور حضرت کے قدیم یاروں میں سے تھے ۔ دستر خوان پر دوسرا طباق میرے ہی سامنے تھا ۔ یہی دستور تھا ۔ شیخؒ کے سامنے تین طباق رکھے جاتے تھے ایک مجھے عطا فرماتے تھے دوسرا قاضی مقتدرؒ کو اور تیسرا نوکروں کے ہاتھ کہیں بھجوایا کرتے تھے ۔

خلوت و ریاضت حضرت پیر دستگیرؒ نے آپ کو مجاہدہ کی نہایت شفقت و آسانی سے تکمیل کرائی تھی چنانچہ جب حضرت نے طے کے روزے رکھائے تو برکت کی یہ حالت تھی کہ باوجود پے درپے روزہ ہائے طے کے آپ میں اس قدر قوت رہتی تھی کہ دہلی کے راستوں پہ دھوپ میں برابر آتے جاتے تھے[ٹے] سید محمد سامانی

لے ۳۰ ؍ رجب المرجب ۸۰۲ھ جوامع الکلم

ٹے سیر محمدی ص ۳۶

لکھتے ہیں کہ جب حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ پر مشغولیت کی لذت زیادہ ہوئی اور گھر میں تنہائی و فراغت حاصل نہیں ہوتی تھی تو آپ نے حظیرہ شیر خاں جہاں پناہ میں ایک جگہ مقرر کر لی۔ وہاں ایک حجرہ تھا دس برس تک حضرت مخدومؒ وہاں مشغول رہے۔ مولانا علاؤالدین بھی وہاں حضرت مخدوم کے ساتھ برابر رہتے تھے۔ حضرت وہیں سے مولانا قاضی عبدالمقتدرؒ کی خدمت میں حضرت شیخ الاسلام کے حکم سے تعلیم حاصل کرنے جایا کرتے تھے پھر وہاں سے ہر روز پابوسی کے لیے حاضر ہوا کرتے تھے اور ارشاد و تربیت و تعلیم سلوک حاصل کیا کرتے تھے کبھی عرض کرتے کہ اگر حکم ہو تو علوم ظاہری کی تعلیم اب چھوڑ دوں۔ اتنی مقدار حاصل ہو چکی ہے کہ کافی ہے اور ہمہ تن علم باطنی کی تعلیم حاصل کرنے میں مشغول ہو جاؤں۔ حضرت شیخ الاسلام ارشاد فرماتے تھے کہ ابھی ہدایہ، بزدوی، رسالہ شمسیہ، کشاف، مفتاح، ان کتابوں کو پڑھ لو اور ٹھکانے سے پڑھو تم سے ایک کام اور بھی لینا ہے[1]۔ حضرت خواجہؒ نے ان کتابوں کو بالترتیب پڑھ کر حضرت شیخ الاسلام کی خدمت میں گزارش کی۔ حضرت شیخ الاسلامؒ بے حد خوش ہوئے اس کے بعد حضرت خواجہ نے بالکل یکسو ہو کر علم باطن کی طرف توجہ کرنی شروع کی مجاہدہ، ریاضت۔ طے کے روزے پنجگانہ۔ دہ گانہ۔ پانزدہ گانہ رکھے۔ اور مکاشفات و تجلیات پر فائز المرام ہوئے۔ اپنے واقعات و واردات حضرت شیخؒ کی خدمت میں پیش کرتے تھے تو حضرت شیخ ارشاد فرماتے کہ ستر برس کے بعد ایک لڑکے نے پھر مجھ میں شوریدگی پیدا کر دی اور پہلے زمانے کے واقعات یاد دلا رہے ہیں۔ حضرت شیخؒ بڑی مہربانی آپ پر فرمایا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ حضرت شیخ الاسلامؒ کے معتقدوں میں سے ایک بزرگ کی وفات پر جب حضرت شیخ اُن کی زیارت کے لیے گھر سے باہر تشریف لے گئے تو زیارت کے بعد فرمایا کہ سید محمد (ابقاہُ اللہ تعالیٰ) کہاں مشغول رہا کرتے ہیں آؤ انہیں چل کر دیکھیں وہاں سے قصد فرمایا اور حظیرہ شیر خاں میں حضرت خواجہؒ کے دیکھنے کے لیے تشریف لائے نیز تھوڑے روپے ساتھ لائے تھے اور اپنی زبان مبارک سے فرمایا کہ یہ میری نذر ہے سید محمد کے لیے لایا ہوں اس دن سے حضرت خواجہ کا نام بہت مشہور ہوا اور طائفہ مشائخ میں یہاں تک شہرت ہوئی کہ باکمال حضرات صوفیا یک زبان ہو کر فرمایا کرتے تھے کہ اس شخص کو جوانی

---

[1] یعنی تصنیف و تالیف کا کام لینا ہے۔

ہی ہیں پیران واصل اور مقتدایانِ کامل کا درجہ حاصل ہے جب حضرت خواجہ کی کچھ اوپر تیس سال کی عمر ہوئی تو آپ صحرا و خلوت میں زیادہ وقت گزارنے لگے اور مخلوق خدا سے بالکل ہی منقطع ہو گئے اور سلوک کی سیر تمام و کمال فرمانے لگے اور انتہائی مقامات پر پہنچ گئے۔ کہ اس سے زیادہ سیر کی جگہ نہیں[1]

آپ کی والدہ ماجدہ اصلاً اس پر راضی نہ تھیں کہ آپ اتنی ریاضتوں اور مشقتوں کی صعوبت برداشت کریں۔ خود آپ جوامع الکلم میں فرماتے ہیں کہ میں نے اس کا گلہ خود حضرت شیخ الاسلام کے سامنے کیا۔ شیخؒ نے مولانا فخر الدین رازی کا واقعہ بیان کیا کہ ان پر بھی ایسا ہی ایک واقعہ گذرا تھا اور اُن کی والدہ صاحبہ بھی مجاہدہ اور ریاضت سے بالکل راضی نہ تھیں اور اُن کے پیر نے یہ کل واقعات سُن کر ان کی ماں کو سلام کہلا بھیجا تھا اور ایک جائے نماز اپنی طرف سے ان کی خدمت میں پیش کی تھی اور پیام کہلا بھیجا تھا کہ جس طرح آپ اُن کی نسبتی ماں ہیں اسی طرح میں دینی باپ ہوں جس طرح آپ کا حکم ماننا واجب ہے اسی طرح میرا حکم ماننا بھی واجب ہے۔ فخر الدین کی والدہ یہ سُن کر خاموش ہو گئیں اور پھر کچھ نہ بولیں۔ حضرت شیخ نصیر الدین قدس سرہٗ نے یہ حکایت بیان کر کے خود بھی ایک جانماز میرے ہاتھ میری والدہ ماجدہ کی خدمت میں بھجوائی جب میں نے اُن کو یہ جانماز دی تو ہائے ہائے کر کے رونے لگیں اور کہنے لگیں میں جانتی ہوں کہ شیخؒ نے جانماز اس لیے بھیجی ہے کہ میں تجھے ترک کر بیٹھوں۔ اچھا اب میں تمہیں کوئی زحمت نہ دوں گی۔ جو کچھ حضرت شیخؒ فرمائیں اس کی تعمیل کیا کرو[2]

سرفرازی خلافت و واقعہ علالت

صاحب سیر محمدی تحریر فرماتے ہیں کہ جب حضرت خواجہ رحمتہ اللہ علیہ کی عمر شریف ۳۷ برس کو پہنچی تو اسی سال دہلی میں وبا پھیلی حضرت خواجہ کو اُس وقت خلہ[3] کی بیماری لاحق ہوئی اور منہ سے خون آنے لگا اور کھانسی بھی شدید ہو گئی اور اُس کے ساتھ ہچکی بھی شروع ہو گئی تمام خانقاہ میں شور برپا ہو گیا کہ سید محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جان خطرہ میں ہے

---

[1] از سیر محمدی [2] جوامع الکلم غرہ رمضان ۸۰۲ھ [3] خلہ ایک بیماری کا نام ہے جس میں اتنا شدید درد ہوتا ہے جیسے کوئی سوئیاں چبھو رہا ہے۔

حضرت شیخ نے مولانا صدر الدین طبیب و مولانا علاؤ الدین کو حضرت خواجہ کی تیمار داری کے لیے بھیجا۔ مولانا صدر الدین نے نبض دیکھی جس سے معلوم ہوا کہ اضطراری کیفیت ہے اور حالت متغیر ہو چکی ہے۔ یہ لوگ وہاں افطار تک ٹھہرے رہے۔ اتنے میں حضرت شیخ نے روغن خشت بھیجا اور اس کو درد کی جگہ ملا گیا جس سے مرض میں تخفیف ہو گئی۔ مولانا صدر الدین کی واپسی پر جب حضرت شیخ نے دریافت فرمایا کہ سید محمد طال عمرہ کیسے ہیں تو مولانا نے کہا کہ اچھے ہیں اور روغن خشت سے بہت فائدہ ہوا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ زین الدین تھوڑا روغن خشت اور بھیج دو۔ غرضکہ ہر روز ایک آدمی بندگی شیخ الاسلام کا فرستادہ حضرت خواجہ کی کیفیت مزاج دریافت کرنے آتا تھا۔ حتیٰ کہ حضرت خواجہ کو بفضلہ تعالیٰ صحت کامل ہو گئی اور آپ بندگی شیخ کی قدمبوسی کے لیے ۷۵۸ھ ہجری میں چہار شنبہ کے دن اشراق کے وقت خانقاہ تشریف لے گئے۔ مولانا زین الدین اور خانقاہ کے دیگر اصحاب مکان جا چکے تھے۔ البتہ خواجہ بشیر موجود تھے۔ انہوں نے حضرت شیخ سے اطلاع کی۔ حضرت شیخ بہت خوش ہوئے اُسی وقت بلوا لیا جیسے ہی حضرت شیخ کی نظر با اثر حضرت خواجہ پر پڑی با آواز بلند فرمایا۔ الحمد للہ۔

حضرت خواجہ مودبانہ قریب گئے۔ حضرت شیخؒ نے فرمایا کہ سید تم کو کیا مرض ہو گیا تھا۔ حضرت خواجہؒ نے عرض کیا خلہ میں مبتلا تھا خون تھوکتا تھا ہچکی آتی تھی۔ فرمایا بڑی سخت بیماری تھی اللہ تعالیٰ کا فضل ہوا کہ تمہیں صحت ہو گئی۔ حضرت خواجہ نے عالم واقعہ میں جو کچھ ملاحظہ فرمایا تھا اُسے عرض کرنے کے واسطے کھڑے ہو گئے تو حضرت شیخ نے ارشاد فرمایا کہ آفتاب بلند ہو گیا ہے۔ مجھے اشراق پڑھنی ہے۔ تم بھی جاؤ اشراق پڑھ لو اُس کے بعد آؤ اور بیان کرو۔ حضرت خواجہ باہر گئے اور حضرت شیخ اشراق میں مشغول ہو گئے اسی اثنا میں قاضی عبد المقتدرؒ و شیخ محمود درویش اور چند دیگر حضرات قدمبوسی کے واسطے حاضر ہوئے جن کی اطلاع خواجہ بشیر نے دی حضرت شیخ نے فرمایا کہ ان لوگوں کو آنے دو اور سید محمد سے کہہ دو کہ جہاں ہیں وہیں بیٹھے رہیں۔ یہ حضرات حاضر ہوئے آپ نے اور سب کو جلد ہی رخصت کر دیا۔ قاضی صاحبؒ اور شیخ صاحب بیٹھے رہے۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ سید محمدؒ کو خلہ کی بیماری ہو گئی تھی اور منہ سے خون آتا تھا اللہ تعالیٰ نے بڑا فضل فرمایا کہ سید محمد طال عمرہ کو صحت ہوئی۔ تھوڑی دیر تک یہ حضرات حاضر رہے پھر ارشاد

ہوا کہ آپ لوگ جاتے ہوئے سید محمد کو میرے یہاں بھیجتے جائیں ۔ یہ حضرات باہر تشریف لائے اور قاضی صاحب نے فرمایا کہ سید تم کو اندر طلب فرماتے ہیں ۔ ہم لوگوں کو باہر جانے کا حکم ہوا ہے تم جاؤ حضرت خواجہ حاضر خدمت ہوئے اور اپنی کیفیت عرض کرنے لگے ۔ کہ میں نے اس بیماری میں یہ دیکھا مجھے ایک جامہ پہنایا گیا اور کہا گیا کہ اسے پہنو یہ جامہ ولایت ہے ۔ پھر کہا کہ اتار دو میں نے اتار دیا تو دوسرا جامہ لائے اور کہا کہ یہ جامہ نبوت ہے اسے پہنو میں نے پہن لیا پھر اتارنے کو کہا میں نے اتار دیا ......

...... پھر تیسرا جامہ

رسالت لائے پہنایا اور پھر اتروایا پھر جامہ اتحاد لائے اُسے پہنایا اور پھر اتروایا ۔ اسی طرح ربوبیت ، الوہیت ، ہوئیت کے لباس لائے اور میں نے ہر ایک کو پہن لیا میں یہ عرض کر رہا تھا اور حضرت شیخ کا چہرہ خوشی سے چمک رہا تھا اور فرماتے جاتے تھے کہ ہاں ، ہاں پھر میں نے عرض کیا کہ بعد ازاں میں نے تمام مختلف چیزوں کو ان کی مختلف صورتوں کے ساتھ ہی ایک حقیقت کی طرف لوٹتے ہوئے دیکھا اس پہ حضرت شیخ بہت خوش ہوئے ۔ دست مبارک اپنے چہرہ پر پھیرا اور فرمایا کہ الحمد للہ رب العالمین ۔ اور پھر چند کلمات اس قسم کے فرمائے کہ جن سے معلوم ہوتا تھا کہ حضرت شیخ کی عمر اب آخر ہوتی دکھائی دیتی ہے پھر اپنا کمبل سامنے سے اٹھا کر حضرت خواجہ کے دونوں ہاتھوں پر رکھ دیا اور آپ کا ہاتھ مضبوط پکڑ کر فرمایا کہ " جو کوئی کسی کے واسطے محنت کرتا ہے تو کسی چیز کے ہی لیے کرتا ہے " سید محمد ! اس کام کو میری جانب سے قبول کرو ۔ یعنی لوگوں سے بیعت لیا کرو ۔ حضرت خواجہ نے سر جھکا لیا اور خاموش بیٹھے رہے آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم نے قبول کر لیا حضرت خواجہ نے عرض کیا کہ میں نے قبول کیا ۔ پھر ارشاد فرمایا کہ قبول کیا حضرت خواجہ نے عرض کیا جی ہاں قبول کیا اس کے بعد آپ نے دو وصیتیں فرمائیں ایک تو یہ کہ اپنے ظاہری اوراد ترک نہ کرنا اور دوسرے میرے متعلقین کے ساتھ رعایت ملحوظ رکھنا ۔ اس کے بعد مولانا زین الدین آئے تو ان سے فرمایا حلوا تیار کر کے دسترخوان پر لانے کے لیے کہہ دو جب مولانا چلے گئے تو حضرت شیخ نے اپنا نہالچہ نکال کر حضرت خواجہ کی طرف پھینکا اور ارشاد فرمایا کہ سید اس نہالچہ کا غلاف لے لو اور آستین میں رکھ کر چلے جاؤ ۔

واقعہ وفات حضرت پیر دستگیر شیخ الاسلام مولانا نصیر الدین محمود چراغ دہلوی رح

پندرھویں رمضان ۷۵۷ھ شب سہ شنبہ کو حضرت شیخ الاسلام کو بیماری شروع ہوئی اسی بیماری میں چند اصحاب نے عرض کیا کہ ہر شیخ نے اپنی مراجعت (وصال) کے وقت چند لوگوں کو اپنا خلیفہ مقرر فرمایا ہے۔ اور ان میں سے ایک کو ممتاز بنا کر اپنی جگہ مقدر فرمایا ہے۔ اگر یہ عمل کیا جائے تو خواجگان کے طریقے سے بعید نہ ہوگا۔ حضرت شیخ نے ارشاد فرمایا کہ اچھا ان لوگوں کے نام لکھ کر لاؤ۔ آپس کے مشورہ کے بعد مولانا زین الدین نے اک فہرست پیش کی اُس فہرست میں حضرت خواجہ کا نام نہ تھا۔ جب شیخ نے اُسے دیکھا تو فرمایا کہ یہ کیا ڈھیلے پتھر باندھ کے لائے ہو ان سب سے کہہ دو کہ اپنے ایمان کی فکر کریں پھر مولانا زین الدین نے اُسی فہرست کو مختصر کر کے پیش کیا تو ارشاد ہوا کہ پڑھو۔ جب اُس میں حضرت خواجہ کا نام نہ آیا تو ارشاد فرمایا کہ سید محمد کا نام تم نے نہیں لکھا؟ سب تھرتھرانے لگے اور فہرست لے کر واپس ہوئے اور حضرت خواجہ کا نام لکھ کر لائے حضرت شیخ الاسلام نے اپنے قلم سے صادر فرمایا اٹھارہویں رمضان ۷۵۷ھ شب جمعہ کو حضرت شیخ الاسلام نصیر الدین محمود نے دار فانی سے رحلت فرمائی اُس وقت حضرت شیخ کی عمر بیاسی[۱] برس کی تھی جوامع الکلم میں ہے کہ جو نعمت حضرت شیخ قدس سرہٗ کے پاس تھی وہ چار شخصوں کو ملی۔ ان میں سے ایک حضرت خواجہ تھے دوسرے ایک عورت تیسرے ایک صندوق ساز چوتھے ایک کلال (کمہار) تھے بقیہ تین شخصوں کا جب انتقال ہو گیا تو وہ نعمت بھی آپ ہی کے پاس لوٹ آئی۔ حضرت شیخ کی زیارت سوم کے بعد حضرت خواجہ سجادہ ولایت پر جلوہ افروز ہوئے اور اپنا ہاتھ بیعت کے لیے دیا اور طالبان حق کو تلقین وارشاد فرمانے لگے[۲]

شادی

جب حضرت خواجہؒ کی عمر مبارک چالیس سال سے تجاوز ہوئی تو آپ کی والدہ صاحبہ نے جنہیں بی بی رانی[۳] کہا کرتے تھے۔ آپ کی شادی کے لیے اصرار فرمایا چنانچہ آپ

۱؎ سیر محمدی و جوامع الکلم ۲؎ سیر محمدی ۳؎ راجا رانی کا لقب بعض صحیح النسب مسلمانوں کے خاندانوں میں بھی اس زمانہ میں رائج تھا۔ یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ جنہیں رانی کہا جاتا ہے وہ کوئی دیہاتی ہوں (ص ۱۲ ہم)

نے تعمیل حکم فرمائی اور آپ کا نکاح سید احمد پسر مولانا جمال الدین مغربی کی صاحبزادی رضا خاتون سے ہوا۔ خود مولانا جمال الدینؒ جن کا مزار حضرت خواجہ صاحبؒ کی درگاہ شریف کے احاطہ میں ہے آپ کے فیضیابوں میں سے تھے گو عمر کا بہت فرق تھا مگر مولانا آپ کی نہایت تعظیم و تکریم فرمایا کرتے تھے اُن سے بھی حضرت خواجہ صاحبؒ کا سلسلہ جاری ہوا جس میں سلسلہ چشت کے مشائخین بیجاپور حضرت میراں جی شمس العشاق اور ان کے سلسلہ کے بزرگوار ہیں۔

مسلک آپ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کے پیرو تھے چنانچہ جوامع الکلم میں کئی جگہ ارشاد فرمایا ہے کہ میں متعدد مرتبہ نہایت وثوق اور تاکید اکید کے ساتھ بیان کر چکا ہوں اور میرا عقیدہ راسخ یہ ہے کہ افضل صحابہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں ان کے بعد سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور اُن کے بعد سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے بعد سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں[1]۔ آپ عشق حقیقی اور محبت کی شان رکھتے ہوئے۔ شریعت بیضا کے پورے پورے پابند تھے[2] اور آپ نے کتاب خاتمہ آداب المریدین میں صاف صاف ارشاد فرمایا ہے کہ میں حنفی ہوں فقہ حنفی کی پابندی کرتا ہوں۔ نیز آپ نے حضرت امام اعظمؒ کی خوبیاں اور بہت تعریف بھی بیان فرمائی ہے[3]

سفر دکن حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ دہلی میں ۸۰۱ھ تک مسند رشد و ارشاد پر متمکن رہے۔ جب آپ کی عمر شریف اسی سال کی ہوئی تو اُسی سال ساتویں ربیع الاول ۸۰۱ھ کو دہلی سے بقصد دکن باہر تشریف لائے۔ یہ وہ وقت تھا کہ امیر تیمور دہلی میں داخل ہو رہا تھا۔ آپ تمام اہل خانہ کو ہمراہ لیے ہوئے بہیلسہ دروازہ سے شہر پناہ سے باہر تشریف لائے۔ مصنف سیر محمدی بھی آپ کے ہمرکاب تھے وہ لکھتے ہیں کہ جب حضرت خواجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دونوں مرید ملک محمد علی افغان اور مولانا بہاؤ الدین خواجہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۰) نومسلم بی بی تھیں بلکہ یہ تو ایک صحیح النسب سیدانی تھیں۔ جن کے جد مولانا جمال الدین طرابلس الغرب سے ہندوستان آئے تھے۔

[1] جامع الکلم مجلس ماہ رجب ۸۰۲ھ [2] جوامع الکلم مجلس جمعہ ۲۰ شعبان ۸۰۲ھ

[3] جوامع الکلم مجلس روز یکشنبہ غرہ ذی حجہ ۸۰۲ھ

صاحب کے استقبال کے لیے نکلے اور آپ کے لیے قصبہ کے اندر مکانات خالی کروائے اور آپ کو وہاں ٹھہرایا حضرت مولانا بہاء الدین کو حضرت خواجہ رضی اللہ عنہ نے اپنا وکیل مقرر فرمایا تاکہ جو کوئی خواجہ کا مرید ہو مولانا بہاؤالدین حضرت کی طرف سے ٹوپیاں دے دیا کریں۔ وہاں سے اٹھارھویں ربیع الثانی سنہ مذکور کو آپ نے مولانا علاؤالدین گوالیری کے نام جو آپ کے مرید صادق۔ مشغول حق تارک الدنیا عالم باعمل تھے اور تقریبًا دس برس تک مغلوں کے ہنگامہ سے پہلے دہلی میں حضرت خواجہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر رہ کر ارشاد و تلقین حاصل کر چکے تھے گوالیر فرمان بھیجا اور یہ تحریر فرمایا۔ فرزند دینی مولانا علاؤالدین گوالیری محمد حسینی الحسنی کی دُعا کے بعد مطالعہ کرو کہ تقدیر سے اتفاق ایسا پیش آیا کہ ہم شہر دہلی سے حادثہ کی وجہ سے باہر نکلے ہیں وہ حادثہ تقریر و تحریر سے باہر ہے۔ ہمارا قصد گوالیر آنے کا ہے میرے فرزند تم ایسا کرو کہ مرید خان کو ساتھ لے کر مقام کی حد تک جگہ ہمارے لینے کو آجاؤ شرف افلح سے بھی میرے آنے کا حال کہہ دینا۔ اگر اُن کو موقع ملے تو وہ بھی آنے کا ارادہ کریں سبحان اللہِ العظیم عجب زمانہ ہے کہ میں لوگوں سے احسان چاہتا ہوں کہ میں تمہارے پاس آتا ہوں میری امداد کرو۔ یفعل اللہ مَا یَشَاءُ پیٹھ کو پیٹ کی طرف اور پیٹ کو پیٹھ کی طرف وہی اُلٹا پلٹتا رہتا ہے۔ اس کے بعد پھر اہتمام کیا جائے گا اب موقع دیر کرنے اور سوچنے کا نہیں ہے علیك بالعَجَل العَجَل تم پر عجلت لازمی ہے۔

بہادر پور سے بیسویں ماہ مذکور کو گوالیر کی طرف روانگی فرمائی۔ تقریبًا بیس ہی کوس باقی رہ گیا ہوگا کہ گوالیر کے ایک سپاٹ میدان جنگل میں پہنچے جہاں مفسدین بہت سے جمع ہو گئے تھے اور قریب تھا کہ لوٹ مار شروع کر دیں۔ ساتھیوں کے ہاتھ پیر پھول گئے اور تسبیح و تہلیل تکبیر و تمجید میں مصروف ہو گئے۔ ناگاہ ایک فوج گوالیر سے آتی ہوئی دکھائی دی۔ ساتھیوں میں عجب ہلچل و اضطراب پڑ گیا اور خیال ہوا کہ کچھ فوج مفسدوں کی کمک کے لیے آرہی ہے۔ جیسے ہی آنے والی فوج کی نظر حضرت خواجہ پر پڑی سب کے سب گھوڑوں سے اُتر پڑے اور حضرت خواجہ کی تعظیم و تکریم کی۔ مخدوم زادوں نے اور ساتھیوں میں سے مولانا ابوالمعالی مولانا محمد اور مولانا محمد معلم۔ مولانا شیخو۔ سید تاج الدین اور مولانا محمد سنگ تراش نے پہچانا کہ مولانا علاؤالدین گوالیری استقبال کو آئے ہیں۔ سب کے سب

باغ باغ ہو گئے اور غیر مسلم لوگ جو لوٹنے کے لیے جمع ہوئے تھے وہ سب مقہور و مردود ہو کر بھاگ گئے۔ بائیسویں ماہ مذکور کو آپ گوالیار پہنچے۔ مولانا علاؤ الدین نے اپنا مکان خالی کر رکھا تھا وہاں آپ جلوہ افروز ہوئے مولانا علاؤ الدین نے فاتحہ کندوری ملازمت و قدمبوسی حاصل ہونے کی خوشی میں کی۔ دوسرے دن فہرست بنائی جس میں اپنا نام اپنے فرزندوں کا نام اپنے اہل خانہ کا نام لکھ کر پیش کیا کہ ہم سب غلام ہیں آپ فروخت فرمائیں اور اس کے علاوہ تمام لونڈی غلام گھوڑے گائے بیل جس قدر گھر میں غلہ تھا وہ سب اور نقد روپیہ اور کتابیں سب پیش کر دیں منجملہ ان اشیاء پیش کردہ شدہ کے نقد و غلہ و گھوڑے اور کچھ کتابیں آپ نے قبول فرمائیں اور مولانا علاؤ الدین پر بہت توجہ فرمائی بغل گیر ہوئے سینہ سے سینہ لگایا اور اپنا سینہ ان کے سینہ سے ملا۔ اور ارشاد فرمایا تمہاری اولاد میری اولاد ہے مولانا علاؤ الدین کے صاحبزادہ مولانا ابو الفتح جو مغلوں کے ہنگامہ سے پہلے مرید ہو چکے تھے انہوں نے پھر دوبارہ گوالیر میں تجدید بیعت کی۔

حضرت خواجہ رضی اللہ عنہ، جمادی الآخر کی سترھویں سنہ مذکورہ کو بھاندیر کی طرف روانہ ہوئے۔ اسی دن مولانا علاؤ الدین کو جامہ خلافت پہنایا۔ اور مولانا حمید الدین مفتی دہلی سے جو حضرت مخدومؒ کے مریدوں میں سے تھے اور ساتھ ہم رکاب تھے۔ خلافت نامہ لکھوایا۔ مولانا حمید نے گذارش کی کہ اس وقت تک آپ نے کسی کو خلافت عطا نہیں فرمائی ہے حتیٰ کہ مخدوم زادوں کو بھی خلافت عطا نہیں فرمائی ہے۔ سب سے پہلے مولانا علاؤ الدین کو کیوں خلافت عطا ہو رہی ہے۔ ارشاد فرمایا کہ مولانا حمید کو کیا میں خود خلافت دیتا ہوں مجھ سے کہا گیا ہے کہ مولانا علاؤ الدین کو خلافت دو اس لیے میں خلافت دے رہا ہوں۔ اگر میں دل کی خواہش سے خلافت دیتا تو پہلے میں اپنے لڑکوں کو دیتا اس کے بعد مولانا حمید نے خلافت نامہ لکھا۔ حضرت خواجہ بولتے جاتے تھے اور وہ لکھتے جاتے تھے۔ اس کے بعد آپ گوالیر سے بھاندیر جلوہ افروز ہوئے پھر بھاندیر سے ایرچہ تشریف ارزانی فرمائی۔

جب آپ بھاندیر میں جلوہ افروز تھے مولانا ذو القرنین نامی ایک دانشمند بزرگ نے جو شیخ الاسلام نصیر الدین محمود اودھی رضی اللہ عنہ کے مرید تھے۔ اُن کے لڑکوں اور بہت سے افغانوں نیز اس مقام کے لوگوں نے اور وہاں کے فیل داروں نے آپ سے بیعت کی اور اس مقام کا حاکم جس کو ضابطہ کہتے تھے مظہر خاں نام حاضر خدمت ہوا اور جب حضرت

ایرچہ تشریف لائے۔ تو بہت مخلوق خواتین، شاہزادے، علماء، مشائخ نے آپ کا استقبال کیا اور سب قدمبوسی کے لیے حاضر ہوئے مثلاً سید اکرام سید مہمان مولانا امیرالدین۔ قاضی برہان الدین سید احسن شیخ خوندمیر ایرچہ کے شیخ الاسلام کے صاحبزادے اپنے سب بھائیوں کے ساتھ مرید ہوئے۔ وہاں سے پھر حضرت نے چھتڑہ کو شرف اندوز فرمایا۔ وہاں بھی بہت سی خلق خدا مرید ہوئی مثلاً قاضی اسحاق۔ محمد رکن الدین مفتی چھتڑہ ان کے سب بھائی قاضی سلیمان اور دوسرے بھائیوں نے بیعت کی۔ قاضی القضاۃ قاضی منہاج مدرس وہاں کے حاکم کے لڑکوں نے بھی بیعت کی اور بہت سے قصباتیوں نے جو وہاں تھے اور جن میں سے بعض بڑے بزرگ تھے سب نے بیعت کی۔ پھر وہاں سے حضرت چندیری تشریف لے گئے شیخ نصیرالدین نے جو کہ خواجہ یعقوب چندیری کے صاحبزادے تھے استقبال کیا اور اپنے گھر لاکر ٹھہرایا۔

وہاں پر مفتی چندیری کے صاحبزادے جو دانشمند ذی علم بزرگ تھے جن کو لوگ قاضی خواجگی کہتے تھے اور دوسرے لوگوں نے بیعت کی شیخ نصیرالدین چندیری نے ذکر کے تلقین کی خواہش کی حضرت مخدوم نے ارشاد فرمایا کہ ذکر کے تلقین میں میری ایک خاص روش ہے اور وہ یہ ہے کہ طالب ذکر اپنے سر پر جنگل سے لکڑی لائے اُس وقت میں ذکر کی تلقین کرتا ہوں۔ تم خود شیخ اور شیخ زادہ ہو۔ یہاں کے صدر ہو۔ لکڑی جنگل سے نہ لا سکو گے جس شغل میں مشغول ہو اُسی شغل میں رہو۔ پھر آپ نے وہاں سے روانگی اختیار کی اور میاں دھار ہوتے ہوئے بڑودہ آئے۔ بڑودہ آپ عید کی رات ۸۰۱ھ کو پہنچے۔ بالائے حوض قیام فرمایا۔ آدم خاں اور اُن کے لڑکے اور دوسرے لوگوں نے بہت زیادہ خاطر تواضع کی چند روز کے بعد ظفر خان نثار خان نے صرفۂ زادِ راہ پیش کیا پس ذیقعدہ کو آپ نے کنبھایت کو مشرف فرمایا۔ ظفر خان نے تقریباً چھ کوس آگے آکر استقبال کیا۔ بہت زائد فتوح و سامان کندوری دعوت لایا تھا۔ ظفر خان کو فرمان ہوا کہ اس وقت کوئی ایسا ہے جو تمہارے منہ پر تمہارا حال بیان کرے اور تم کو اس سے اطلاع دے۔ قاضی سلیمان اس کے مقربوں میں ایک شخص تھا اُس نے کہا کہ خوند خاں کا کیا کہنا ہے وہ کسی خلاف شرع بات کے پاس بھی نہیں بھٹکتے ہیں حضرت مخدوم نے ارشاد فرمایا کہ میں نہیں کہتا تھا کہ یہ سب تیری خاطر و رضا جوئی کرنے والے ہیں؟ ظفر خاں اور اس کے سب ساتھیوں نے سر نیچا کر لیا۔

پھر تھوڑے دنوں تک آپ نے گجرات میں قیام فرمایا۔ کنبھایت اور دوسرے مقامات پر مولانا نظام الدین سری نے جو پہلے سے بیعت تھے۔ اور وہاں کے دوسرے لوگ حاضر خدمت ہوئے شیخ عمر شیخ سعید کنبھایتی کے صاحبزادے جو شیخ علاؤ الدین الندیؒ کے مرید تھے وہ بھی برابر خدمت اقدس میں حاضر ہوتے تھے اور ان کا ایک لڑکا تھا اُسے بھی برابر ساتھ لایا کرتے تھے وہاں سے پھر آپ نے دوبارہ بڑودہ تشریف لے جانے کا قصد فرمایا اور سلطان پور سے گزرتے ہوئے دولت آباد کی طرف ارادہ فرمایا۔ دولت آباد میں آپ نے اپنے والد ماجد حضرت سید یوسف کی زیارت فرمائی۔ جب آپ فتح آباد عرف دیوگری پہنچے تو عضد الملک جو اس جگہ کا حاکم تھا فیروز شاہ سلطان گلبرگہ کی طرف سے نذر لے کر حاضر ہوا سلطان فیروز نے سنا تھا کہ حضرت خواجہ رضی اللہ عنہ اس طرف تشریف لا رہے ہیں اُس نے حاکم کو پہلے سے لکھ دیا تھا کہ میری طرف سے نذر لے کر حاضر ہونا۔

دیوگری سے آپ نے دار السلطنت احسن آباد گلبرگہ کا قصد فرمایا۔ سلطان فیروز شاہ لشکر کے ساتھ استقبال کے لیے شہر سے باہر آیا۔ راستہ میں قدمبوس ہوا۔ حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ سے اُس نے اصرار کیا کہ آپ گلبرگہ ہی میں قیام فرمائیں[1]۔ حضرت خواجہ نے بہت سی گفتگو کے بعد اس کی درخواست قبول فرمائی اور یہاں گلبرگہ میں سکونت اختیار فرمائی اولاً آپ کا قیام خانقاہ میں رہا جو قلعہ کے پس پشت ہے ایک روز فیروز شاہ بہمنی نے اپنے فرزند اکبر حسن شاہ کو ولی عہد کر کے حضرت خواجہ سے دعا کی درخواست کی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اپنے فرزند کو ولی عہد بنا دینے کے بعد اب میری دعا کا کیا محل ہے جب بادشاہ نے بار بار اصرار فرمایا اور کئی مرتبہ دعا کی درخواست کی تو حضرت خواجہ نے اس راز کا انکشاف فرمایا کہ کارخانہ قضا و قدرت نے تاج شاہی کا حق دار تمہارے بھائی احمد شاہ بہمنی کو قرار دیا ہے اس پر فیروز شاہ بہمنی بے لطف ہوا اور اس نے اپنی جانب سے حضرت کو یہ کہلوا بھیجا کہ آپ کے پاس مریدین و متوسلین وقت بے وقت آتے ہیں لہٰذا اپنے قیام کے لیے کسی دوسری جگہ کو منتخب فرمالیں تو اچھا ہے چنانچہ آپ وہاں سے اُٹھ گئے اور اس مقام کو جہاں حضرت کا اب مزار مبارک واقع ہے اختیار فرما کر وہیں مدت العمر قیام فرمایا تھوڑے ہی

---

[1] از سیر محمدی

عرصہ کے بعد بادشاہ کو نوشتہ تقدیر پیش آیا اور دونوں بھائیوں میں چند بد اندیش مصاحبوں کی وجہ سے مخالفت کی نوبت آگئی لیکن جب کہ عامۃ المخلوق اور فوج نے احمد شاہ کا ساتھ دیا تو فیروز شاہ نے بھی اپنے فرزند کو منازعت سے منع کر کے بشاشت کے ساتھ احمد شاہ کے سر پہ تاج شاہی رکھا۔ احمد شاہ بھی نہایت تواضع وانکساری سے اپنے بھائی کے ساتھ پیش آیا اور اپنے بھائی فیروز شاہ کی زندگی میں ہی اُس کے انتقال سے دس روز قبل ۵ر شوال ۸۲۵ھ کو سریر آرائے سلطنت ہوا اور اس طرح حضرت خواجہ صاحب کی پیشین گوئی صحیح ہوئی [1]

آپ کا قیام تقریبًا بائیس سال گلبرگہ شریف میں رہا اور اس عرصہ میں علم وفنون ارشاد و تلقین تصنیف وتالیف کے ذریعہ عظیم الشان فیوض وبرکات جاری رہے اور جب آپ کی عمر مبارک ایک سو چار سال چار ماہ بارہ یوم کی ہوئی تو دوشنبہ کے روز نماز اشراق وچاشت کے درمیان ۱۶ر ذیقعدہ ۸۲۵ھ کو اس جہانِ فانی سے دار البقاء کی طرف سفر آخرت فرمایا اور جسدِ عنصری کی قید سے آزاد ہو کر اپنے محبوب حقیقی سے واصل ہوئے۔

حضرت خواجہ صاحب قدس سرہ العزیز کے خادم خاص قاضی سراج الدین حضرت خواجہ کے خلیفہ حضرت شیخ ابو فتح کو اس سانحہ روح افزا کی اطلاع اپنے خط کے ذریعہ اس طرح دیتے ہیں۔

واقعہ صبعی زاد شانزدہم ماہ ذیقعدہ اول وقت چاشت روز دوشنبہ سنہ خمس و عشرین وثمانمایہ حضرت قطبی بہ حضرت اعلیٰ رجعت فرمودند چہ صبر چہ چارہ واویلا مصیبتنا۔ این مصیبت دین است۔ اینجانب مخدوم زادہ خرد و میاں سفیر اللہ ومیاں ید اللہ و جملہ اعزہ دیگر بہ صحت وسلامت اند و حضرت قطبی قدس اللہ سرہٗ میاں خرد را در مقام خویش بجائے خود نصب کردند ایشان ہم در خانقاہ بجائے مخدوم میباشند و دست بیعت می دہند و میاں سفیر اللہ مجاورت حضرت قطبی می کنند ہم در حظیرہ منبر کہ سکونت کردہ اند باقی اصحاب گرد میاں خرد می باشند اللھم احشرنا فی زمرتہ وزمرۃ جدہٖ بکرمک یا اکرم الاکرمین۔

اوقات ومشاغل مبارک

حضرت خواجہ کی روش یہ تھی کہ آپ شریعت کے حد درجہ پابند تھے اور حضور انور

[1] تاریخ مختار الاخیار

صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر پورے پورے گامزن تھے چنانچہ سیر محمدی میں ہے۔ کہ آپ پانچوں وقت کی نماز برابر با جماعت ادا فرماتے تھے۔ کسی وقت تنہا یا صرف ایک آدمی کے ساتھ آپ نے نماز نہیں پڑھی۔ جوامع الکلم میں ہے کہ حضرت اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی کی خدمت میں کامل سترہ برس تک حاضر باش رہے اور جب تک کہ حضرت خواجہ بندگیؒ مخدوم کی خدمت میں رہے۔ تو آپ کا معمول یہ تھا کہ آپ نصف شب سے بیدار ہوتے پہلے خود وضو کرتے پھر حضرت شیخ کو وضو کراتے اور جب حضرت شیخ حجرہ میں داخل ہو کر مشغول بہ حق ہوتے تو آپ بھی نماز تہجد ادا کر کے حجرہ کے باہر ذکر و شغل میں مصروف ہو جاتے نماز فجر جماعت کے ساتھ ادا کرتے۔ اور جب تک حضرت شیخ اوراد میں مشغول رہتے آپ طالبوں کو راہِ سلوک کی تعلیم دیتے رہتے۔ اور جب حضرت شیخ کی مجلس منعقد ہوتی تو آپ بھی حاضر ہو جاتے۔ پھر بعد نماز چاشت قدرے قیلولہ فرماتے۔ بعد میں تلاوتِ قرآن کے واسطے بیدار ہوتے اور نماز ظہر با جماعت ادا کرنے کے بعد اپنے حجرہ میں مشغول وظائف ہو جاتے تھے۔ اور سہ پہر کے وقت حضرت شیخ کی مجلس میں حاضر رہتے اور نماز عصر کے بعد سے مغرب تک پھر تسبیح و تہلیل میں مصروف ہوتے اور بعد نماز مغرب نوافل اور سنن سے فراغت کے بعد طالبانِ راہ کی تعلیم میں مصروف ہو جاتے تھے بعد نماز عشاء کسی قدر طعام نوش جان فرمانے کے بعد استراحت فرماتے تھے اور ہر نماز کے وقت حضرت شیخ کو وضو کراتے تھے۔ اس کام کے لیے آفتابہ اور سلپچی آپ کے پاس موجود رہتی تھی۔

جب سے آپ گلبرگہ میں فروکش ہوئے تو مولانا بہاؤ الدین[1] امامت کرتے تھے۔ حضرت خواجہ نماز فرض مسجد کے اندر اور سنتیں وغیرہ باہر ادا فرماتے تھے آپ ہر روز حضرت شیخ کے اوراد پڑھتے تھے نماز اشراق۔ چاشت۔ زوال اوابین۔ تہجد ہمیشہ پابندی کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ جب بوجہ ضعف و پیرانہ سالی کھڑے ہو کر ادا کرنے کی طاقت نہ رہی تو بیٹھ کر ادا فرماتے تھے۔ اپنے مریدین کو بھی علاوہ دیگر اوراد شیخ کے نماز اشراق کی چھ رکعتیں ضرور بتلاتے تھے بعد نماز اشراق حضرت اپنے صاحبزادوں کے ساتھ کھانا تناول فرما کر علوم تفسیر و حدیث و فنون کے سبق پڑھانے میں مشغول ہو جاتے تھے۔ اور کبھی کبھی

---

[1] ان کا مزار درگاہ شریف کے بائیں حصہ میں ہے۔

علم کلام اور علم فقہ کا بھی سبق پڑھاتے تھے۔ دوپہر میں قیلولہ فرماتے تھے اور بعد نماز ظہر تلاوت قرآن پاک فرماتے تھے۔ آخیر عمر میں آپ کے سامنے حضرت سید شاہ یداللہ حسینی اور بعد میں مولانا بہاؤالدین صاحب امام تلاوت کرتے تھے اور حضرت سماعت فرماتے تھے۔

بعد نماز ظہر تلاوت کے بعد درس بھی ہوتا تھا اور اکثر اس وقت معتقدین کو کلمات طیبات بھی ارشاد فرماتے تھے۔ بعد نماز عصر دعائے استفتاح پڑھتے تھے اخیر عمر میں حضرت سید شاہ یداللہ پڑھ کر سنایا کرتے تھے۔ نماز مغرب اور صلوٰۃ اوابین و نوافل کے بعد بھی طالبانِ راہ کی تعلیم میں مصروف رہتے تھے بعد نماز عشاء صوفیائے کرام و معتقدین جمع رہتے تھے اور اُس وقت دسترخوان (کندوری) چنا جاتا تھا جس پر تقریباً چالیس آدمی ہوتے تھے۔ ہر شخص کے سامنے چار چار روٹیاں اور ایک ایک پیالہ آش کا رکھا جاتا تھا۔ اور ایک گہری رکابی میں سالن رکھا جاتا تھا۔ جس کو دو دو آدمی شریک ہو کر کھاتے تھے۔ حضرت کے سامنے جو پیالہ ہوتا تھا اس میں سے تھوڑا تناول فرمانے کے بعد مریدین میں سے جس پر زیادہ عنایت ہوتی تھی عطا فرما دیتے تھے اور اسی طرح بوٹیاں اور حلوہ بھی تقسیم کر دیتے تھے۔

بعد فراغت طعام تھوڑی دیر مریدین سے گفتگو فرما کر استراحت فرماتے اور نصف شب کو بیدار ہو جاتے تھے اور بعد نمازِ تہجد ذکر و شغل اور مراقبہ میں مشغول ہوتے تھے۔ آپ کا ارشاد ہے کہ جس شخص کو فتح باب ہوا۔ ذکر و مراقبہ کی ہی بدولت ہوا۔

جوانی کے زمانہ میں صوم دوام اور طے کے روزے بھی رکھتے تھے۔ اخیر عمر میں صرف ایام بیض اور مخصوص دنوں میں روزہ رکھتے تھے اور نماز باجماعت کی پابندی ہمیشہ تھی اور اس کی تاکید مریدین کو بھی فرماتے تھے نیز شریعت کی پابندی کا یہاں تک اہتمام تھا کہ آپ نے سلطان احمد شاہ بہمنی کو وصیت فرمائی تھی کہ میرے لوگوں میں جو شریعت کا پابند ہو اس کی رعایت کرنا اور مخالف شریعت کی مخالفت کرنا۔ حضرت خواجہؒ جب مسجد میں فروکش ہوتے تھے تو تنہا لچہ پر بیٹھتے تھے اور سوائے بادشاہ کے کسی کی تعظیم کو کھڑے نہ ہوتے تھے اور فرماتے تھے چونکہ وہ اولی الامر ہے اس لیے اس کی تعظیم کو اٹھتا ہوں[1]۔ بادشاہ جب آتے تو پہلے ایک روز قبل اطلاع دیتے تھے۔ اور حضرت کے فرمانے کے بموجب معینہ وقت پر آتے دسترخوان

---

[1] سیر محمدی باب دوم

بچھایا جاتا تو بادشاہ کھانا کھاتے تھے اور تبرک اپنے ساتھ لے جاتے تھے[1]

طریق بیعت و ارشاد

حضرت خواجہؒ بیعت کرتے وقت اپنا سیدھا ہاتھ مرید کے ہاتھ پر رکھ کر ارشاد فرماتے تھے کہ تم نے اس ضعیف اور اس ضعیف کے خواجہ اور خواجہ کے خواجہ اور تمام مشائخ طبقات سے عہد کیا ہے کہ ہمیشہ نگاہ کی اور زبان کی حفاظت کروگے اور طریقہ شریعت پر قائم رہوگے تم نے اس کو قبول کیا۔ مرید عرض کرتا جی ہاں میں نے قبول کیا۔ آپ فرماتے الحمد للہ رب العالمین پھر قینچی دست مبارک میں لیتے۔ تکبیر پڑھتے ہوئے تھوڑے سے بال داہنی جانب سے کان کے قریب کے کاٹ دیتے اور کچھ بال بائیں جانب کے بھی پھر تکبیر فرماتے اور چار گوشہ والی ٹوپی مرید کے سر پر رکھ دیتے تھے جب اس طرح مرید کرکے کلاہ چوگوشی پہنا چکتے تو کہتے جاؤ دوگانہ پڑھو جب واپس آتا تو سب سے پہلے ہدایت یہ ہوتی کہ پنج وقتہ نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنا اور نماز جمعہ و غسل جمعہ کو سوائے شرعی عذر کے کبھی قضا نہ کرنا۔ نیز ارشاد فرماتے کہ ہر روز بعد مغرب چھ رکعتیں تین سلام سے اوابین کی پڑھا کرو اور ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ اخلاص (قل ہو اللہ احد) تین مرتبہ پڑھنا چاہیے۔ اور اس کے بعد ایک دوگانہ حفظ ایمان کا پڑھنا چاہیے۔ جس کی رکعتوں میں بعد سورۂ فاتحہ کے سورہ اخلاص سات سات بار اور قل اعوذ برب الفلق و قل اعوذ برب الناس ایک ایک بار پڑھی جائے اور سلام کے بعد سجدہ میں جاکر تین مرتبہ "یا حیّ یا قیوم ثبتنی علی الایمان" پڑھو اور ہر روز عشاء کی نماز کے بعد وتر سے پہلے ایک دوگانہ پڑھو جس میں سورہ فاتحہ کے بعد دس مرتبہ سورہ اخلاص پڑھا کرو اور سلام کے بعد ستر بار یا وھاب یا وھاب پڑھا کرو۔ نیز ہر مہینہ میں ۱۳-۱۴-۱۵ تاریخوں کو روزے رکھا کرو[1] اس کے بعد حضرت شیخ کے اوراد و وظائف اور نماز چاشت کی چار رکعتیں و اشراق کی چھ رکعتیں اور تہجد و ذکر اور مراقبہ کی تلقین فرماتے تھے[2]

عورتوں کو مرید کرتے وقت چادر درمیان میں ڈالی جاتی تھی اور ایک بڑے پیالے

---

[1] جوامع الکلم مجلس بست و نہم رجب سنہ ۳ ہجری [2] سیر محمدی باب سوم

میں پانی لایا جاتا تھا حضرت خواجہ اُس پیالہ میں شہادت کی انگلی کا صرف ایک درہم کے برابر حصہ ڈبو دیتے تھے (اور اوپر تھوڑا سا کپڑا بھی لپیٹتے تھے) اسی طرح مرید ہونے والی عورت بھی صرف ایک درہم کے برابر انگلی اس پیالے میں ڈبو دیتی تھی اور باقی تمام ہاتھ اور انگلیاں آستین سے چھپائے رکھتی تھی اور اُس کے بعد مندرجہ بالا کلمات ارشاد فرماتے تھے اور آخر میں مکرر یہ کلمات دہراتے تھے کہ زبان کو فحش کلامی اور بدگوئی سے محفوظ رکھنا اور زیادہ تر یا وھاب یا وھاب اور استغفر اللہ پڑھا کرنا۔

سماع سماع میں حضرت خواجہ صاحب قدس سرہٗ العزیز کا مشرب کیا تھا خود اُن کے ملفوظات اور تصنیفات سے واضح ہے۔ جوامع الکلم اور سیر محمدی دونوں میں منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت خواجہؒ و مولانا صدر الدین و مولانا علاؤ الدینؒ نے آپس میں اتفاق کیا کہ ایک مرتبہ ایسا سماع سنیں کہ جس کے ساتھ تمام قسم کے مزامیر بجائے جائیں چنانچہ اس کام کے لیے مولانا صدر الدین کا مکان اختیار کیا گیا۔ تمام مزامیر جمع کیے گئے اور دروازہ بند کر کے کامل سماع ہوتا رہا۔ اس کی خبر حضرت شیخ مولانا نصیر الدین چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی ہو گئی۔ جب حضرت خواجہ قدمبوسی کے لیے حاضر ہوئے تو ارشاد فرمایا کہ اس طرح سماع مت سُنا کرو۔ حضرت خواجہ فرماتے ہیں کہ وہ دن ہے اور آج کا دن میں نے پھر مزامیر کے ساتھ سماع نہیں سنا۔[۳][۴]

جوامع الکلم میں اسی بیان کے ذیل میں درج ہے کہ حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی ہرگز مزامیر نہیں سنتے تھے اور اگر کوئی آکر گانے لگتا تو خاموش رہتے اور بہت جلدی کچھ دے کر رخصت فرما دیتے تھے۔ اور ایک جگہ سماع میں پنج مسکک نامی مزمار بجایا جا رہا تھا تو آپ اس کی آواز سُن کر واپس چلے آئے نیز کبھی آپ دف زن کا گانا بھی سوائے کسی شادی اور مہمانی کے مجبوری کے نہ سنتے تھے۔ اور فرمایا کہ خود حضرت شیخ نظام الدین اولیا کے اصحاب بھی سوائے مولانا برہان الدین غریب کے کوئی مزامیر نہیں سنتے تھے اور میں نے بھی صرف ابتدا حال میں سنا تھا لیکن جب معلوم ہوا کہ حضرت شیخ منع فرماتے ہیں تو میں نے اُس وقت سے مزامیر نہیں سنے۔[۵]

---

[۲] جوامع الکلم مجلس بروز پنجشنبہ ۱۱ محرم سنہ ۸۰۲ [۳] سیر محمدی باب سوم [۴] جوامع الکلم روز شنبہ ۱۲ ذیقعدہ سنہ ۸۰۲ھ

حضرت خواجہ بندہ نواز رحمتہ اللہ علیہ کے یہاں بھی کبھی کبھی سماع ہوتا تھا۔ اور خصوصاً ایصال ثواب کے مواقع پر جس کی تفصیل آگے آتی ہے اکثر سماع ہوتا تھا۔ مگر آپ نے اپنے پیرومرشد کے ارشاد کے بعد پھر کبھی مزامیر کے ساتھ نہیں سماعت فرمایا[1] آپ نے سماع کے لیے بہت سے آداب و شرائط ارشاد فرمائے ہیں اور درگاہ شریف میں اب بھی مخفی طور پر خاص اوقات میں مخصوص اصحاب کی اور حضرت فضیلت مآب سجادہ نشین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ کی موجودگی میں حضرت خواجہ بندہ نواز رحمتہ اللہ علیہ کے طریقے کے موافق سماع ہوتا ہے۔ جس میں نہایت ادب کے ساتھ دو تین فارسی دان خدام فارسی کے ابیات پڑھتے ہیں اور بعض اشعار کے ساتھ چھوٹے چھوٹے دفوں کی آواز شامل کی جاتی ہے اور تمام حاضرین و متوسلین درگاہ شریف اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت خواجہ صاحب کے زمانہ میں جو سماع ہوتا تھا وہ اسی انداز سے ہوتا تھا۔ اور یہ بات اسی وقت سے سینہ بہ سینہ چلی آتی ہے۔ میں نے خود اس قسم کے سماع میں تبرکاً کئی مرتبہ عزت شرکت حاصل کی ہے۔ حاضران مجلس دست بستہ موجود رہتے ہیں۔ اس قسم کے سماع میں سوائے دف کے اور کوئی مزامیر استعمال نہیں کیے جاتے ہیں۔ حضرت خواجہ قدس سرہ العزیز نے سماع کے متعلق فرمایا ہے کہ اگر سماع مخلوق کی توجہ اور اُن کی پیروی کی چیز بن جائے اور لوگوں کی عادت اور مروت کی قید میں داخل نہ ہو جائے تو اس سے بھی مرد صوفی کو کچھ بہرہ ور ہونا چاہیے[2]۔ اور فرمایا کہ حالت سماع میں از خود رفتہ ہونا چاہیے۔ بلکہ اس وقت جو کچھ کرے دیکھ کر اور سمجھ بوجھ کر اور جان کر کرے۔ البتہ اس پر کوئی حالت طاری ہو تو یہی چاہیے کہ وہ اس حالت میں از خود رفتہ نہ ہو جائے تاکہ شیخ جو قابل عظمت ہے اُس کی عزت و عظمت ہے میں وہ حال مانع نہ ہو اور ان سب باتوں کے ساتھ ہوش ایسا قائم رہے کہ جو کچھ کرے اسے سمجھ کر کرے[3]۔ سماع سے مقصود خیالات کا یکسو کرنا اور دل کو صرف ایک ذات کی طرف متوجہ کرنا ہے اور اس قسم کا سماع محبوب حقیقی تک پہنچانے کے طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے آپ نے ارشاد فرمایا کہ صوفی کا ذوق موسیقار کے ضربات کے ادا کرنے پر منحصر نہیں ہے اس کی نظر اس پر نہیں ہوتی بلکہ اس کو اپنے خدا کے

---

[1] سیر محمدی باب سوم [2] جوامع الکلم مجلس ۱۲ رجب ۸۰۲ھ [3] جوامع الکلم مجلس چہار شنبہ ۹ رمضان ۸۰۲ھ

ساتھ معاملہ کی تکمیل کی فکر رہتی ہے اور ایک لفظ ہو یا ایک سُر یہ جو اس کے حال کے موافق ہو ذوق و خوشی حاصل کرتا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت مولانا علاؤ الدین اور مولانا جمال الدین مغربی[1] سماع کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے مولانا مغربی کا قول تھا کہ صوفیائے کرام کا ہاتھ پیر ہلانا ہذیان کی صورت رکھتا ہے نیز بغداد کے صوفیوں کا حال بھی بیان فرمایا جا رہا تھا کہ وہ لوگ بالکل حرکت نہیں کرتے ہیں بلکہ اللہ اللہ کہتے ہیں اور آنسو آنکھوں سے جاری رہتے ہیں۔ اس گفتگو پر حضرت خواجہ بندہ نواز نے ارشاد فرمایا کہ رقص کا بیان مجھ سے سنیے میں سماع میں صرف آہ سرد بھرتا ہوں اور میری مراد اس آہ سے یہ ہوتی ہے ھو اللہ ملیح "یعنی اللہ ہی مخزن ملاحت و جمال ہے۔" اور دونوں ہاتھوں کو کھول کر ایک دوسرے پر رکھتا ہوں اس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ دنیا میں سوائے ایک شئے واحد کے دوسری شئے کا وجود ہی نہیں ہے۔ دونوں ہاتھوں کے اشاروں سے دونوں جہاں کو لپیٹ کر ایک گوشہ میں رکھتا ہوں اور سب کو ترک کر کے اپنے مطلوب واحد ذات حق کی طرف رجوع کرتا ہوں[2]۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میرے معاملات کی کشاد زیادہ تر تلاوت کلام اللہ اور سماع کی وجہ سے ہوئی ہے۔

اولاد امجاد حضرت خواجہ بندہ نواز رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی ایک ہی زوجہ محترمہ حضرت بی بی رضا خاتون صاحبہ تھیں جو حضرت مولانا جمال الدین مغربی رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی تھیں ان کے بطن سے دو صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں متولد ہوئیں۔

(۱) بڑے صاحبزادے حضرت سید حسین عرف سید محمد اکبر حسینی بڑے فاضل اور عالم متبحر تھے اور علم تصوف کے زبردست امام تھے۔ چنانچہ جوامع الکلم کے ملفوظات آپ کے ہی تحریر کیے ہوئے ہیں جن کو دیکھ کر حضرت خواجہ صاحب نے ارشاد فرمایا کہ تم نے ایسا لکھا ہے کہ گویا

---

[1] یہ ہر دو حضرات خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب میں سے ہیں۔

[2] جوامع الکلم سہ شنبہ ۲۴ شعبان ۸۰۲ھ۔

میں نے یہی لکھا ہے ۔ جس کا ایک ایک حرف صحیح ہے[1] نیز حضرت خواجہؒ ان کی بزرگی اور ولایت کا اکثر ذکر فرماتے تھے اور بعد وفات ہر چہار شنبہ کو مثل بزرگوں کی زیارت کے ان کی زیارت فرماتے تھے آپ کے علوم ظاہری کے استاد بھی حضرت خواجہ بندہ نوازؒ تھے شروع میں درسی کتابیں دہلی میں مولانا نصیر الدین قاسم عمرانی مولانا خواجگی نحوی ۔ مولانا عبد المقتدر صاحب ۔ سے بھی آپ نے پڑھی تھیں جو مشہور زمانہ سے آپ نے سلوک کے تمام مراتب حضرت خواجہ کے پاس طے کیے تھے آپ کو حضرت خواجہ صاحب نے ۸۰۱ھ میں خلافت عطا فرمائی تھی اور اپنے مسند پر بٹھایا مگر افسوس کہ آپ کی عمر نے وفا نہ کی اور حضرت خواجہ صاحب کی سامنے ہی آپ نے بتاریخ پندرہ ماہ ربیع الثانی ۸۱۲ھ یوم چہار شنبہ وفات پائی حضرت خواجہ صاحب نے خود اُن کو غسل دیا ۔ حضرت خواجہ صاحب ہر سال آپ کا عرس فرماتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ یہ بھی ان عظیم الشان بزرگوں میں سے ہیں کہ جو پیر سے برتر ہو گئے تھے ۔ اگر یہ میرے فرزند نہ ہوتے تو میں ان کی خدمت کرتا اور یہ بلحاظ بزرگی درحقیقت اس کے مستحق تھے آپ بھی حنفی عقائد و فقہ کے پابند تھے اور اسی موضوع پر ایک کتاب بھی تحریر فرمائی ہے جس کا نام عقیدہ ہے علاوہ ازیں عربی و فارسی میں گیارہ تصنیفات آپ نے فرمائی ہیں ۔ آپ کا روضہ مبارک حضرت خواجہ صاحب کے روضہ اقدس کے بالکل سامنے ہے جو حضرت کے سامنے ہی تیار کیا گیا تھا ۔ اور ۸۵۵ھ میں برکلس اس گنبد پر حضرت خواجہؒ کے گنبد سے اتار کر چڑھایا گیا[1] آپ کی شادی حاتم خان برادر سلطان علاؤ الدین خلجی کے نواسے ملک پجھو کی دختر نیک اختر سے ہوئی تھی آپ کے ایک صاحبزادے میاں سید سفیر اللہ حسینی اور دوسری صاحبزادی بی بی رقیہ صاحبہ تھیں رجن کا عقد سید شاہ کلمۃ اللہ سے ہوا تھا جو حضرت خواجہ صاحبؒ کے نواسے اور حضرت کی دختر سوم بی بی بتولؒ کے فرزند تھے[2]

(۲) دوسرے صاحبزادے حضرت سید یوسف عرف سید محمد اصغر حسینی بھی بڑے عالم فاضل اور مثل برادر معظم کے حضرت خواجہ صاحبؒ کے ہی شاگرد و خلیفہ تھے ۔ تصوف میں ان کا بھی درجہ بہت بلند تھا ۔ اور اکثر و بیشتر تنہائی میں مشغول بحق رہتے تھے اور آپ کی شان زیادہ تر استغراق کی تھی ۔ حضرت خواجہ صاحب کی وفات کے بعد حسب الحکم آپ ہی صاحب سجادہ ہوئے ۔ صاحب سیر محمدی خود بھی اس مسند نشینی کے جلسہ میں موجود تھے ۔ آپ کی شادی سید

---

[1] مقدمہ جوامع الکلم [2] سیر محمدی باب سوم ۔

علاؤالدین کی دختر سے ہوئی جو دہلی کے جلیل القدر سادات میں سے تھے ۔ آپ کے سات فرزند
اور ایک صاحبزادی رضا خاتون صاحبہ تھیں (جن کا عقد حضرت کے بڑے پوتے میاں سید
سفیر اللہ صاحب سے ہوا تھا وہ لاولد رحلت فرما گئی تھیں) ساتوں فرزندوں کے نام
علی الترتیب یہ ہیں ۔ فرزند اوّل میاں سید شاہ یداللہ عرف قبول اللہ حسینی (۲) یمین الرحمان
(۳) میاں یمین اللہ (۴) میاں للّٰہ (۵) میاں باللہ (۶) میاں من اللہ (۷) میاں صبغۃ اللہ جن کا
مزار مبارک حضرت خواجہؒ کے روضہ مبارک میں بجانب مشرق واقع ہے آپ کی وفات ۱۲ محرم ۸۳۲ھ
کو واقع ہوئی ۔ رحمۃ اللہ علیہ ۔

(۳) پہلی صاحبزادی بی بی فاطمہ عرف ستی بی بی میاں ابن رسول یعنی حضرت کے برادر بزرگ
حضرت سید چندنؒ کے منجھلے صاحبزادے سے منسوب تھیں اُن کے ایک صاحبزادے میاں
مثال اللہ تھے جن کی شادی نصیر خان کی دختر سے ہوئی تھی اُن کے کوئی نرینہ اولاد نہ تھی البتہ
چار لڑکیاں تھیں[1] آپ کا انتقال گلبرگہ میں ہوا اور آپ کا مزار چھوٹے روضہ کے احاطہ
میں سید شاہ یداللہ حسینی کے قبۂ مبارک کے سامنے گنبد میں ہے[2]

(۴) دوسری صاحبزادی بی بی بتولؒ تھیں جن کی کتخدائی سید سالار لاہوری سے ہوئی
تھی ۔ آپ کے دو فرزند اور تین لڑکیاں تھیں فرزند اوّل سید شاہ کلیم اللہ دوم سید شاہ
روح اللہ (۳) دختر خونجہ حجت اللہ (۳) بی بی علام اللہ (۴) اہلیہ[3] سید شمس الدین آپ کی وفات
کا سن کتب معتبرہ سے معلوم نہ ہو سکا وہ تیسری صاحبزادی بی بی ام الدین کی شادی مولانا
بعض رسولؒ پسر چہارم سید چندن سے ہوئی تھی جن کی صرف ایک دختر تھی ۔

خلفاء حضرت خواجہ بندہ نواز قدس سرہ العزیز

(۱) حضرت شیخ علاؤالدین گوالیری جن کا مزار مبارک کالپی میں ہے سنہ وفات آخر محرم
۸۲۴ھ ہے (۲) قاضی نورالدین اجودھی (۳) مولانا معین الدین توہانی (۴) شیخ صدرالدین
خوندمیر ساکن ایرچہ (۵) قاضی اسحاق محمد ساکن قصبہ جھترہ (۶) قاضی سلیمان محمد برادر قاضی

---

[1] سیر محمدی باب ششم [2] تاریخ محمدیہ [3] ان کا نام کسی کتاب سے معلوم نہ ہو سکا ۔

اسحاق محمد (۷) قاضی علیم الدین بن شرف الدین جن کا مزار مبارک پٹن شریف میں ہے (۸) مخدوم زادہ بزرگ حضرت سید حسین عرف سید محمد اکبر حسینیؒ جن کا قبہ مبارک حضرت خواجہ بندہ نواز کے گنبد مبارک کے سامنے ہے (۹) حضرت سید ابوالمعالی بن سید احمد بن سید جمال الدین مغربی قدس سرہ العزیز جن کا مزار مبارک حظیرہ خواجہ بندہ نواز میں ہے (۱۰) خواجہ احمد جو کہ سلطان فیروز بادشاہ گلبرگہ کے دبیر تھے (۱۱) شیخ ابوالفتح ابن مولانا علاؤالدین گوالیری خلیفہ اول (۱۲) حضرت سید شاہ کلمۃ اللہ عرف کمتو بن سید سالار لاہوریؒ (۱۳) مخدوم زادہ خرد میاں سید یوسف المعروف محمد اصغر حسینی جن کا مزار مبارک حضرت کے گنبد میں بجانب مشرق واقع ہے (۱۴) مخدوم زادہ میاں ید اللہ عرف قبول اللہ حسینی صاحب روضۂ خرد (۱۵) مخدوم زادہ میاں سید سفیر اللہ حسینی جو کہ بڑے صاحبزادے حضرت سید محمد اکبر حسینیؒ کے فرزند تھے جن کا مزار مبارک گنبد حضرت خواجہؒ میں بجانب مغرب واقع ہے (۱۶) میاں عبداللہ پسر سید ابوالمعالیؒ (۱۷) قاضی راجہ گلبرگوی (۱۸) شیخ شہاب الدین فرزند شیخ سلیمان گلبرگوی (۱۹) مولانا بہاءالدین دہلوی (۲۰) قاضی سراج الدین (۲۱) قاضی سیف الدین لکھنوی (۲۲) ملک زادہ عزیز الدین (۲۳) ملک زادہ شہاب الدین ہر دو فرزندان ملک قطب الدین (۲۴) صوفی شیخ حمید الدین اجودھنی (۲۵) ملک زادہ عثمان بن جعفرؒ [1]

دیگر خلفاء جن کی خلافت تبصرۃ الخوارقات سے ثابت ھے

(۱) مولانا علاؤالدین الندی قدس سرہ (۲) مولانا جمال الدین مغربی (۳) مولانا قطب الدین دولت آبادی (۴) سید روح اللہ حسینی نسبیہ حضرت بندگی مخدومؒ (۵) سید اصغر بن سید احمد (۶) مولانا نصیر الدین قاسم دہلوی (۷) مولانا حسن دہلوی (۸) مولانا حسن بذتراش (۹) قاضی بہاءالدین (۱۰) مولانا کمال الدین خواہر زادہ حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلویؒ (۱۱) سید شاد (۱۲) مولانا محمود مینائی (۱۳) مولانا سعدالدین (۱۴) مولانا کبیر سارنگ پوری (۱۵) مولانا

---

[1] ماخوذ از سیر محمدی باب ہفتم

چکن سارنگ پوری۔

سیر محمدی سے اخذ کر کے حضرت خواجہ بندہ نواز قدس سرہ العزیز کے خاندان کا شجرہ منسلک ہذا ہے۔

الحمد للہ والمنہ کہ مختصر و مفید و ضروری حالات حضرت خواجہ بندہ نواز رحمتہ اللہ علیہ اور آپ کے اولاد و احفاد کے اختتام کو پہنچے۔ اس تالیف کے جمع کرنے میں سیر محمدی۔ جوامع الکلم تبصرۃ الخوارقات تاریخ محمدیہ۔ سیرت بندہ نواز۔ اور دیگر کتب تواریخ و سیر سے امداد لی گئی ہے۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو حضرت خواجہ بندہ نواز رحمتہ اللہ علیہ کے مسلک حسنہ پر جو کہ اُسوہ حسنہ آنحضرت سردار دو عالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہے عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

خاکسار محمدؐ حامد صدیقی

سید یوسف حسینی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ
= بی بی رانی صاحبہ

- سید چندن حسینی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ
  - سید احمد
    - سید اصغر
  - ابن الرسول عرف منجھلا حسینی
    = بی بی فاطمہ*
  - پیر رسول
  - بعض ربضعۂ الرسول
  - بنت رسول
  - تاخاتون
- خواجہ بندہ نواز سید محمد حسینی قدس سرہٗ العزیز
  = بی بی رضا خاتون بنت سید احمد بن مولانا جمال الدین مغربی
  - سید حسین المعروف بہ سید محمد اکبر حسینی مخدوم زادہ بزرگ
    = دختر ملک چھجو
    - میاں سفیر اللہ حسینی
      = بی بی رضا خاتون دختر ⊗ مخدوم زادہ خرد (الاولد)
      = بی بی رانی صاحبہ دختر احمد شاہ بہمنی
      - میاں سید ید اللہ حسینی عرف قبول اللہ حسینی قدس سرہٗ العزیز
        = بی بی حجتہ اللہ بنت سید سالار لاہوری
        = بی بی تجیل بنت شیخ محمود
        - سید کلمتہ اللہ حسینی
          = بی بی رقیہ
        - روح اللہ المخاطب بہ دولت خاں
        - بی بی حجتہ اللہ
          - بی بی منتہ اللہ
            = شاہ محمود ۵
        - دختر
          = شمس الدین
        - بی بی علام اللہ
          = میاں عبد اللہ پسر سید ابو المعالی خسر پورہ حضرت مخدوم
      - میاں یمین الرحمن
        = دختر قاضی احمد
      - میاں یمین اللہ
      - میاں للہ
      - میاں باللہ
      - میاں من اللہ
      - میاں صبغتہ اللہ
      - بی بی رضا خاتون ⊗
        - شاہ محمود ۵
    - بی بی رقیہ
      = میاں کلمتہ اللہ حسینی
  - سید یوسف المعروف بہ سید محمد اصغر حسینی مخدوم زادہ خرد
    = بی بی فاطمہ عفا دختر سید علاء الدین دہلوی
  - بی بی فاطمہ ستی*
    = میاں ابن الرسول
    - میاں منال اللہ
      = دختر نصیر الدین خاں
    - دختر
      = زین العابدین
    - دختر
      = سید عبد الحکیم
    - دختر
      = سید فضل اللہ بن شاہ علی برج العشاق
      - شاہ محمود ۵
    - دختر
      = یکے از فرزندان سید رسول
  - بی بی بتول
    = سید سالار لاہوری
  - بی بی ام الدین
    = میاں بعض رسول
    - دختر
      - سید فخر الدین
      - سید کبیر الدین

تحقیق منسوب است کہ از اولادِ حضرت خواجہ بندہ نواز ۵

(نوٹ :۔ اس علامت = سے مراد محل یا شوہر ہے ۱۲)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

حمد و نعت

الحمد للہ الذی خصّص عامۃ نوع الانسان بخاصۃ حسن الملفوظ واعطاہ العقل اللحاظ فی کلّ ما یمکن فیہ اللحوظ ہ ثمّ جحّظلہٗ جظاء اللظی کیلا یکون جواظًا فی شناظ معرفتہٖ فرعظ و عظعظ وھو عنہ مبھوظ نسبحان من الظ العجز الملظ فی معرفتہٖ وھو غایۃ القصوٰی ومدیٰ امد العلماء وحظھم الکامل المحظوظ ہ و ذالک ھو نوز من ھوا لمصطنع لنفسہٖ المتخذ لاجلہٖ لعد ان تفسخ اجعیناظ جیفۃ نفسہٖ بالکاظۃ الشدیدۃ وبکل مکروہٍ مشظوظ لا الاجعیناظ الغلیظ الغنظ الجیاظ الملفوظ ہ ولذالک نصب الادلہ واوضح البراھین عند کلّ سالم ومشھوظ ہ ولعث الانبیاء والمرسلین والعلماء الدّاعین لیھدوا الیٰ ھذ العزیز الشان المحمیٰ المحفوظ ہ فیھدی کلّ من ھو فی طلبہٖ مدّوظ ہ و فی ظھرہٖ مفروظ ہ وفی شد ایدہٖ مکظوظ ہ کیلا یسلبہٗ القیوظ ہ وھو عن مطلبہٖ ومھواہٗ مدلوظ ہ ویتفی بہٖ قیظ الکبد الجری المغنوظ ہ واتّھم سلام اللہ علیھم اصابوا فی دعوتھم الکظ الملظوظ ہ وقد فرض بہٖ حق اللہ تعالیٰ محمدٌ سیّد کلّ معصومٍ ومرادٌ محفوظ ہ بقولہٖ لا احصیٰ ثناءً علیک انت کما اثنیت علیٰ نفسک وانت حکیم الصنایع حتیٰ تدانی طرق الطرف والجحوظ فصلوٰۃ اللہ علیہ وعلیھم وعلیٰ اٰلہٖ المتبتتل عن غیر اللہ وفیہ المغموظ ہ المنعظ بھم ھٰذہٖ الدّعوۃ فی الاکناف الیٰ کلّ مصنوعٍ وّموعوظ وصحابتہٖ المفصح عنہ افضلھم بقولہٖ العجز عن درک الادراک ادراکٌ فیاحسرتیٰ علیٰ من اجنلظ فی ھاویۃ الضّلال وقفیٰ علیہ القیوظ ہ وقال اسبقھمۃً من عرف

نفسہ فقد عرف ربہٗ وھو اسد اللہ الکاظم الغیوظہ ما ادنیٰ مدنا و کیظ الموکوزہ

(ترجمہ) حمد و ثنا کے لائق وہی ذات گرامی صفات ہے جس نے بنی نوع انسان کو زیور حسن گفتار سے آراستہ فرما کر قابل فہم امور کے ملاحظہ کے لیے جوہر عقل عطا فرمایا۔ پھر ہمہ دانی کے غرور سے بچانے کے لیے نکتہ چیں اور عیب جو طبیعت عطا فرما کر ادعائے معارف الٰہی کا دل فریب جادو اس کی نظر سے ہٹایا۔ جس سے خود بینی کے ہتھیار ٹوٹ گئے۔ اور دریائے معرفت کی شناوری میں اس کے حواس عجز و انکسار کا اعتراف کرنے لگے۔ بے شک وہ ذات جملہ عیوب سے منزہ ہے جس کی انتہائے معرفت عجز اور جس کی شناخت کی غایت اقرار قصور ہے۔ اور یہی علم کی آخری حد اور علما کا کمال مقصد ہے اور درحقیقت یہی غایت درجہ کی کامیابی ہے جس کو انسان اپنے نفس کی اصلاح اور تکمیل کے لیے اس وقت بھی عمل میں لا سکتا ہے جب کہ فربہ اور مردار نفس پراگندہ خیالات اور ناپسندیدہ افعال کی شدت و کثرت سے خراب و خستہ ہو چکا ہو۔ بشرطیکہ وہ فربہی اس کی استعداد کے موافق دلائل و براہین قائم کیے اور انبیاء و رسل اور علماء ربانین کو مبعوث فرمایا کہ اس کی بارگاہ عالی شان اور حظیرہ قدس تک رہنمائی کریں اور جو لوگ اس کی طلب میں سرگرداں و پریشان اور شدت مصائب سے دوچار ہیں ان کی ہدایت فرمائیں تاکہ گرمی طلب ان کی عقلوں کو مسلوب نہ کر دے۔ اور وہ اپنے مطلوب و مقصود سے دُور نہ جا پڑیں اور ان کے سوختہ جگر کی حرارت کو وعدہ وصل سے ٹھنڈا کریں چنانچہ انبیا علیہم السلام نے دعوت توحید و معرفت میں سخت ترین مصائب برداشت کیے اور سردار انبیاء محبوب کبریا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے لا احصر ثناء علیك انت کما اثنیت علیٰ نفسك و انت حکیم الصنائعُ (یعنی میں تیری تعریف کا احاطہ نہیں کر سکتا ہوں بلکہ تو ویسا ہی ہے جیسا کہ تو نے خود اپنی ثنا فرمائی ہے اور تو حکمت کے ساتھ کل کائنات کا موجد ہے) کے قول سے اس کی بندگی کے حق کو اپنے اقرار اور عجز کے ساتھ ادا فرما کر معرفت کے بعید راستے آنکھوں کے لیے قریب کر دے۔ حق تعالیٰ قیامت تک آپ پر اور کل انبیاء پر رحمت کاملہ نازل فرمائے اور آپ کی آل پر بھی جنہوں نے دنیا سے ترک تعلق کر کے خداوند تعالیٰ سے رشتہ قائم کیا اور انبیا علیہم السلام کے طریقوں پر کاربند ہو کر ان کی تعلیم کو چار دانگ عالم میں ہر مخلوق تک پہنچایا۔ اور آپ کے اصحاب

پرجن میں سے افضل ترین شخص اس کی معرفت سے عجز کا اعتراف کرتے ہیں - اور العجز عن درک الادراک کے مقولہ سے اپنے قلب کو اطمینان دلائے دیتے ہیں - اور جن میں کے سابق ترین شخص حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے قول " من عرف نفسہٗ فقد عرف ربہٗ سے اس کی معرفت میں اپنی کوتاہ نظری کا اقرار کرتے ہیں - اب زیادہ تعجب وافسوس ان لوگوں پر ہے جو اس کے برعکس کمال دمعرفت کا دعویٰ کرکے گمراہی کے بھنور میں پھنس گئے ہیں اور غرور وگھمنڈ کی آگ میں جل کر ہلاک ہورہے ہیں)

نفس مضمون کی طرف اشارہ

اما بعد - یہ باتیں، الفاظ، حروف اور جملے جو اسرار الٰہی کے مخزن، لامحدود علوم کے معدن، لطائف ربانی کے مجموعے اور حقائق خفائی پر مشتمل ہیں - اس کتاب کا ہر جملہ العلم نقطۃٌ کی طرف اشارہ کناں ہے اور اس کا ہر کلمہ اوتیت جوامع الکلم کو واضح کرتا ہے - اس میں معرفت صفات الٰہی کے خزانے ہیں، اس کے پڑھنے سے کفر نیست ونابود اور دین مستحکم ہوگا - اس کتاب کے مضامین اہل علم وتحقیق کے لیے پیشوا، اہل فکر وتدقیق کے لیے رہبر، اہل شریعت و طریقت کے لیے حجت، معالم سالک کے لیے معلم، مظاہر الٰہی کا مظہر، اور علوم لدنی کا دریا ثابت ہوں گے - یہ اہل توحید کا محرم راز، اہل تفرید کا مونس جان، طالبان صادق کا ہادی، عارفان حاذق کا قدوۃ، گرفتاران بلا کا کارکشا، مجبوروں کا مددگار، دردمندوں کی دوا ہے - یہ ان زخمیوں کے زخم کا مرہم ہے جن کے دود سینہ سے چاند بھی داغ دار ہے، اور یہ اس اُجڑے اور خانہ خراب دل کو آسائش پہنچاتا ہے - جن کی بربادی اور تیرگی حال سے رات تاریک ہے یہ کلمات گوش جہاں بانی کو خواب غفلت سے بیدار کرنے والے ہیں ؎ رباعی

زمانہ کے مطابق زندگی گزارنا ہی ہے + چاہے یہ آتا ہو یا نہ آتا ہو!

تمہارا استاذ زمانہ چابک ہاتھ میں لیے ہوئے ہے + وہ تمہاری کھوپڑی پر اتنی ضرب لگائے گا کہ سب آجائے گا

اس کتاب میں ایسی تعلیمات ہیں جن کی کہنیات اور اشارات میں خلق سرتاسر مکر و فریب نظر آتی ہے اور ان میں وہ آگاہی اور معرفت ہے جن کا تعلق مالک دوجہاں سے ہے - اور یہ سب ایسے تقدس مآب شخص کے قلم وزبان سے نکلا ہے جس کی نظیر اور مثال گردش کرنے والے آسمان کے نیچے سننے میں نہیں آئے گی میری مراد سلطان عاشقاں، رحمت عالمیاں، طالباں سالک کے ماویٰ اور عارفاں واصل کے ملجا حضرت سید محمد حسینیؒ سے ہے جن کا سایہ ہم لوگوں کے سر پر

سورج کے طلوع و غروب ہونے، زمین کے برقرار رہنے، پہاڑ کے قائم رہنے اور ستاروں کے روشن رہنے تک اللہ قائم رکھے ؎

آں کس کہ خطاب او مقرر — ہم صادق و ہم ولی اکبر
آں راحت جاں پاک حیدر — آں گلشن سینۂ پیغمبر
آں مرشد حق و پیر پیراں — پیرے نہ بود چناں بہ کشور
نطق شکر نیش راحت جاں — خاک در اوست تاج افسر
آں عالی ہمت و قوی دل — کونین بہ پیش او محقر
آں قرۂ دیدۂ محمدؐ — مسعود جہاں و صاحب امر
بر عارض او دمے نظر کن — ماہے نہ بود چناں منور
اے دشمن او بہ خاکِ پامال — اے مخلص او بہ دہر سرور
خوش باد و را حیات خوش باد — با اہل و ولد غلام و چاکر

زبان مبارک سے جو کلمات سنے گئے دین کی ہیبت اور عقل و سمجھ نے روا نہیں رکھا کہ ان کو یوں ہی قلمبند کیے بغیر چھوڑ دیا جائے چنانچہ وقتاً فوقتاً، دن بدن، ماہ بہ ماہ، سال بہ سال تمام کلمات کو جمع کر لیا گیا۔ لیکن ان کو فصل، جنس اور صنف میں منقسم نہیں کیا گیا۔ تاکہ صادق اور طالب کی نظر جس مجلس پر پڑے اس کو اس میں ہر قسم کے معارف، حقائق، لطائف اور اسرار نظر آئیں۔ بہت ممکن ہے کہ ان حروف عشق آمیز کے مطالعہ سے کسی کا ویران اور اُجڑا ہوا دل آباد ہو جائے۔ اور کوئی شکستہ جاں ان شوق انگیز الفاظ کو پڑھ کر اپنی منزل تک پہنچ جائے کیونکہ ان کلمات ربانی کو پڑھ کر طالب مطلوب سے مل جائے گا۔ اور کوئی سوختہ ساماں کا مقصد نکل جائے گا، ان کلمات سے دردمند کو دوا، بے قرار کو قرار اور بدقسمت کو خوش بختی میسر آجائے گی۔ شاید کہ ان ملفوظات کے جمع کرنے سے حضرت مخدوم جہانیاں کی نظر التفات اس بندہ ضعیف محمد اکبر حسینی پر جو حضرت کے کمترین خدمت گزاروں اور شاگردوں میں سے ہے کچھ زیادہ ہو جائے اور اس کی منقوش آنکھیں روشن اور مستفیض ہو جائیں۔ ان ملفوظات کو حضرت مخدوم جہانیاں نے حرفاً حرفاً اور سبقاً سبقاً نظر مبارک سے مشرف فرمایا ہے۔ اور اگر کسی جگہ تقاضائے بشری سے کوئی غلطی اور بھول چوک ہو گئی ہے تو اس کو اپنے قلم مبارک سے درست فرما دیا ہے۔ اور ہر جزو پر صحت کا نشان لگا کر اس ضعیف پر کرم فرمایا

ہے۔ اور ایک موقع پر یہاں تک ارشاد فرمایا کہ صحت اور تحقیق و تدقیق کے لحاظ سے یہ ملفوظات اتنے معتبر ہیں کہ گویا میں نے اپنے ملفوظات کو خود اپنے قلم سے لکھا ہے۔

اگرچہ حضرت مخدوم جہانیاں کی صفات اور محامد کو ضبط تحریر میں لانا انسانی طاقت سے باہر ہے۔ اور اس سلسلے میں انسانی زباں گنگ اور قلم کند ہے۔ اس اعتراف عجز اور قصور فہم کے باوجود چند عربی اور فارسی اشعار پیش کرنے کی جسارت کی ہے۔ امید ہے بے ادبی معاف ہوگی۔ وہ چند اشعار یہ ہیں :۔ (فارسی)

او مظہر نور مصطفیٰ ہست	او نور دو چشم مرتضیٰ ہست
او نسخہ صورت خدا ہست	او مشہد و منظر خدا ہست
او گنج معارف الٰہی است	او وارث علم انبیا ہست
او زبدۂ آل جد خویش است	او سرور دین مصطفیٰ ہست
آں خواجۂ خواجگاں محمدؐ	او مرشد خلق و رہنما ہست
آں سرور سرداراں ابو الفتح	او راحت جاں و دلکشا ہست
مخدوم جہاں و صدر دین است	او قدوہ اہل اقتدا ہست
از خورد و بزرگ جملہ عالم	در ہر نفسے وریں دعا ہست
دارد بہ جہاں خدائے او را	تا ذرہ ریگ و مہر و ماہ است

(عربی اشعار)

(۱) وھو الذی جاد المحاسن والعلیٰ وھو الجانب عن شقاق والدنیٰ

(ترجمہ) وہ ایسے شخص ہیں جو اعلیٰ مراتب اور محاسن کی بے انتہا صفات سے متصف ہیں، اور اخلاق ذمیمہ اور اختلافات سے بہت دور رہنے والے ہیں۔

(۲) شھد العقول شھادۃ مقبولۃ بمکارم فی خلقہ سادالوریٰ

(ترجمہ) تمام عقلیں اس بات کی صحیح شہادت دیتی ہیں کہ مکارم اخلاق میں وہ اپنے عہد کے سردار ہیں۔

(۳) وھو الورث کابراً عن کابر علماً وحلماً باالتورع والتقیٰ

(ترجمہ) جو نسلاً بعد نسلاً اپنے بزرگوں سے علم و حلم تقوےٰ اور پرہیزگاری کے وارث ہوتے آئے ہیں۔

(۴) ھو نور قدس طاھر متطھر وھو ابن آدم صورۃ فی ما یریٰ

(ترجمہ) جو درحقیقت ایک پاکیزہ اور مظہر نور لطیف ہیں۔ اگر صورت کے لحاظ سے سرسری نظر میں انسان دکھلائی دیتے ہیں۔

(۵) ھو سید ھو جید ھو راشد ھو رشد ھو نور عین المصطفیٰ

(ترجمہ) وہ سردار کامل اور ایسے مرشد ہیں کہ جن کو نور چشم مصطفیٰ ہونے کا فخر حاصل ہے۔

(۶) متمثل بمثالہ متخلق بخصالہ نادعلی علم الھدیٰ

(ترجمہ) جو آپ کی صورت کا مجسم اور آپ کے اخلاق کا نمونہ ہیں۔ اور کوہِ ہدایت کی چوٹی پر مخلوق کو بلانے والے ہیں۔

(۷) فمن استفاد بہ یکون المھتدیٰ کسفینۃ نوح فھلک من عدیٰ

(ترجمہ) وہ مثل سفینہ نوح کے ہیں کہ جس نے استفادہ کیا ہدایت یاب ہوا اور جس نے بُعد اختیار کیا وہ ہلاکت کے گڑھے میں گر گیا۔

(۸) ھو مرشد للعالمین معلماً ومکمل ومشفع لاولی الھویٰ

(ترجمہ) وہ سارے جہاں کے لیے مرشد کامل اور کمال تک پہنچانے والے معلم ہیں اور گنہگاروں کی شفاعت کرنے والے ہیں۔

(۹) اللہ یعلم والبریۃ کلھا ھو خیر من ابنائہٖ قد اعتریٰ

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے اور تمام مخلوق پر بھی روشن ہے کہ وہ سادات عہد میں ایسی امتیازی شان رکھتے ہیں۔

(۱۰) کالراس للانسان فی اعضائہٖ کالبدر من بین الکواکب فی الدجیٰ

(ترجمہ) جیسے کہ انسان کے اعضاء میں سر اور شب تاریک کے ستاروں میں چاند فوقیت رکھتا ہے۔

(۱۱) انی ومن ھو عاقل متدین یدعولہ رب الاراضی والسماء

(ترجمہ) میں اور سب عاقل و دین دار زمین و آسمان کے پروردگار سے دُعا کرتے ہیں کہ

(۱۲) اللہ یبقاہ ویبقی نسلہٗ مادامت الدنیا ومافیھا البقیٰ

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ انہیں اور ان کی نسل کو تاقیامت سلامت و برقرار رکھے۔

چونکہ ان کلمات میں بہت سے معانی اور بے شمار اسرار ظاہری و باطنی ہیں اور ان کا مصدر

مشکوٰۃ نبی کے قندیل سے اور ان کا مخزن اسرار علیؓ سے ہے اس لیے ان ملفوظات کا نام جوامع الکلم رکھا گیا۔ تاکہ اسم بامسمیٰ ثابت ہو اور اللہ تعالیٰ حضرت کا سایہ ہم لوگوں کے اور تمام عالم کے سر پر قائم دائم رکھے۔ اور اس کمترین کو خدمت گزاری کا شرف اور ملازمت کی سعادت حاصل ہو۔ اور ان ملفوظات کو جمع کرنے کی توفیق بخشتا رہے۔ ؎

حسینی خستہ و مسکیں ضعیفی ندارد جز درت دیگر پناہے
ہمیشہ سر نہادہ بر درتست بکن لطفے بحالش گاہے گاہے

اللھم وفقنا لاتمامہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۵

روز دوشنبہ ۱۸ رجب المرجب ۸۰۲ھ

یہ کمترین اپنے بھائی اور دوسرے ہم سبق دوستوں کے ساتھ خدمت اقدس میں حاضر تھا اس آیت کریمہ ان المسلمین والمسلمات .... تا لھم مغفرۃً واجراً عظیماہ کی تلاوت کے وقت حضرت بندگی مخدوم نے فرمایا کہ رئیس الطائفہ حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ المومن من یحبّ لاخیہ ما یحبّ لنفسہٖ - یعنی مومن جب نفس اور دل کے قید و بند سے چھٹکارا حاصل کر لیتا ہے اور عارف اپنے مالک کو پہچان لیتا ہے اور جنس و یگانگی کے رابطہ سے باخبر ہو جاتا ہے - تو پھر وہ ہر ایک کو ایک ہی ذات سمجھتا ہے - اور اسی کے تحت وہ جو اپنے لیے پسند کرتا ہے وہی دوسروں کے لیے بھی پسند کرتا ہے - اور اس کا کمال اس وقت دیکھنے میں آیا جب حضرت شبلیؒ ایک چرواہے کے اپنی گائے کو چابک مارنے پر چیخ اٹھے تھے - اس چرواہے نے حضرت شبلیؒ سے خفا ہو کر کہا کہ آپ تو ایسا چیخ اُٹھے جیسے چابک آپ ہی کی پشت پر مارا گیا ہو - حضرت شبلیؒ نے اپنی پشت کھول کر دکھلائی کوڑے کا نشان آپ کی پشت پر نمایاں تھا -

بنی آدم اعضائے یک دیگر اند

ایک عاشق تھا - اس کے معشوق کو جو کہیں دوسرے مقام پر تھا - بچھو نے ڈنک مار دیا - اس کا عاشق پیر پٹخ کر فریاد کرنے لگا کہ مجھے اس جگہ بچھو نے ڈنک مارا ہے اور شدید تکلیف ہے - لوگوں نے بہت دوا دارو کیا لیکن اس کی تکلیف میں کوئی کمی نہیں ہوئی - پھر بعد میں پتا چلا کہ اس کو نہیں بلکہ اس کے معشوق کو بچھو نے کاٹا تھا اور اسی جگہ پر تکلیف اور درد عاشق کو ہو رہا تھا -

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ لیلۃ المعراج کی حدیث بیان کرتے وقت حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :- "انا نائمٌ فی الحطیم وربما قال فی الحجر مضطجعاً اذا تانی اٰت فشق ما بین ھذہٖ الیٰ ھٰذہٖ یعنی من ثغرۃ نحرہٖ الی شعرتہٖ فاستخرج قلبی ثم اوتیت بطشتٍ من ذھب مملوا ایمانًا فغسل قلبی ثم حشی ثم اعید الحدیث۔

(ترجمہ) ایک مرتبہ میں حطیم کعبہ میں سویا ہوا تھا اچانک کوئی شخص آیا اور اس نے میرے سینے کو شروع سے لے کر ناف تک چاک کیا۔ پھر میرے سامنے ایک ایمان سے بھرا ہوا سونے کا طشت لایا گیا اور میرے قلب کو دھو کر ایمان سے معمور کر دیا گیا۔

اس حدیث کو سننے کے بعد حضرت نے فرمایا کہ "ایمان" تو عرض ہے یعنی اپنے وجود میں دوسرے کا محتاج ہے جیسے سفیدی، سیاہی وغیرہ، پھر ایمان سے بھر دیا گیا کے کیا معنی۔ علماء فرماتے ہیں کہ یہ طریقہ بیان ہے۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ہر موجود چیز صورت اور معنی رکھتی ہے۔ جیسا کہ ایک سونے والے نے خواب میں دیکھا کہ ایک خوبصورت عورت نے شکر، پانی اور کھانا اس کو دیا۔ تو اس عورت سے مراد دنیا اور شکر، پانی اور کھانا وغیرہ دینے سے مراد دنیا کی لذتیں ہیں۔ اس خواب کی تعبیر ہو گی کہ اس شخص کو دنیا کی لذتیں اور نعمتیں حاصل ہوں گی۔ پیغمبر علیہ السلام نے طشت میں جو چیز دیکھی تھی وہ ایمان کے درجات کی مناسبت سے تھی۔

ایک دن میں نے اپنے خواجہ کی خدمت میں عرض کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ گھاس اپنے لعاب مبارک سے تر کر کے آپ میرے منہ میں ڈال رہے ہیں۔ حضرت خواجہ بندہ نوازؒ نے فرمایا کہ میری دنیا سے بھی تمہیں کچھ حصہ ملے گا۔

حضرت علیؓ کی فضیلت بیان کرنے میں مبالغہ درست نہیں

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کی فضیلت کے سلسلے میں بات چھڑ گئی۔ حضرت نے فرمایا کہ بہت سے لوگ حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کی فضیلت کے بارے میں مبالغہ سے کام لیتے ہیں۔ کوئی انہیں نبی اور خدا تک کہہ دیتا ہے۔ اور اس طرح غرابیہ، صحابیہ، نصریہ، صابیہ، بہت سے گروہ پیدا ہو گئے ہیں۔ ہر ایک کے بارے میں تفصیل بیان کرنا تو بہت طویل

بات ہے لیکن حق مذہب یہ ہے کہ امیر المومنین ابوبکرؓ صحابہ کرام میں افضل ہیں ان کے بعد عمرؓ ان کے بعد عثمانؓ ان کے بعد علیؓ ہیں اور ان کے بعد تمام صحابہ اور اولیا کرام اور اس کے علاوہ جو کچھ توہمات اور پراگندہ خیالی ہے وہ گمراہی ہے۔

جنگ صفین کا واقعہ

پھر حضرت نے فرمایا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دشمنوں میں چار نام آتے ہیں۔ بنی امیہ، یزیدیہ، مروانیہ، خوارجیہ۔ جب صفین کی جنگ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا پلہ بھاری ہوا تو معاویہؓ نے عمر بن عاص سے مشورہ کیا کہ حضرت علیؓ کی فتح قریب ہے اب کیا کیا جائے اور کس حیلہ سے کام لیا جائے۔ عمر بن عاص نے کہا کہ سوائے اس کے اور کوئی تدبیر نہیں کہ مصحف شریف کو نیزہ کے اوپر باندھ لیا جائے اور لوگوں کے پوچھنے پر اعلان کیا جائے کہ ہم نے اپنے اور علیؓ کے درمیان قرآن مجید کو حکم بنایا ہے۔ یہ منظر دیکھ کر تیس ہزار جوان حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے گرد جمع ہو گئے اور کہا بے شک یہ تو انہوں نے انصاف کی بات کہی ہے۔ چنانچہ عمر بن عاص معاویہ کی طرف سے اور ابوموسیٰ اشعریؓ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف سے حکم بن کر آئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حکم بنانے کے وقت تحریر میں امیر المومنین علی بن ابی طالب لکھا۔ ان لوگوں نے کہا کہ اگر ہم آپ کو امیر المومنین تسلیم کر لیتے تو پھر جنگ کس بات کی ہوتی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے رضامندی ظاہر کی کہ امیر المومنین کا لفظ ہٹا کر علی بن ابی طالب لکھا جائے۔ جس طرح جنگ حدیبیہ کے موقع پر صلح نامہ لکھنے کے وقت حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے "محمد رسول اللہ" لکھنے پر کفار نے اعتراض کیا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "رسول اللہ" کو ہٹا کر محمد بن عبداللہ لکھنے کا حکم حضرت علی رضی اللہ عنہ کاتب صلح نامہ کو دیا تھا۔ حکم میں مکر و فریب سے کام لیا گیا حضرت علی کرم اللہ نے اس مکر و فریب کے خلاف احتجاج کیا اور راضی نہ ہوئے۔ نتیجہ میں تیس ہزار کوفی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے خلاف نکل کھڑے ہوئے۔ یہ خوارج کہلائے۔ ان سے گھمسان کی جنگ ہوئی۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے سب کا قلع قمع کر دیا۔ معاویہ کو تیاری کرنے اور مضبوط ہونے کا موقع مل گیا۔ اس کے بعد حضرت بندگی مخدوم نے فرمایا کہ "الحب بتوارث والبغض بتوارث" حدیث شریف ہے۔ غور کرنے کی بات ہے معاویہؓ کی فوج حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی فوج سے زیادہ تھی۔ اور امیر المومنین حضرت حسین علیہ السلام کے ساتھ تو صرف پچاس افراد تھے جب

یزید کے ساتھ سارے لوگ نظر آتے تھے۔ اہل بیت کے دشمن ان کے دوست سے زیادہ نظر آتے ہیں۔ اہل بیت کے درمیان امامت پوشیدہ طور پر جاری تھی۔ اور لوگ پوشیدہ طور پر ان سے بیعت کرتے تھے۔ اور خراج بھیجتے تھے۔ حضرت جعفر صادق رضی اللہ کے ایک صاحبزادے حضرت اسماعیل اعرج تھے جن کو اپنے بعد انہوں نے امام بنا دیا تھا۔ وہ مشیت الٰہی سے ان کی زندگی ہی میں انتقال کر گئے۔ ان کے بعد امامت حضرت موسیٰ کاظم کو تفویض ہوئی۔ حضرت اسماعیل اعرج کے یوم وفات کو کاغذ پر لکھ لیا گیا اور شرفائے مدینہ نے اس پر اپنے دستخط ثبت کیے کہ یہی اس وقت کا ضابطہ اور طریقہ تھا۔ چند دنوں کے بعد حضرت اسماعیل اعرج کوفہ کے بازار میں ظاہر ہوئے۔ ساری خلقت نے دیکھا کہ وہ اندھے کو آنکھ والا، لنگڑے کو پیر والا، بیمار کو صحت مند اور مردہ کو زندہ کر رہے تھے۔ خلقت اسمٰعیل اسمٰعیل کا نعرہ لگاتے ہوئے ان کے پیچھے دوڑی۔ یکایک وہ نظروں سے غائب ہو گئے۔ یہ واقعہ حاکم وقت کے کانوں تک پہنچ گیا حکومت نے حضرت امام جعفر صادق کو بلا کر پوچھا کہ تم لوگوں نے ان کی موت کی خبر دی تھی اور ضابطہ کے مطابق سب کام مکمل کیا تھا۔ حضرت امام جعفر صادق نے جواب دیا کہ جی ہاں یہ سب ہوا تو تھا۔ حاکم نے سوال کیا پھر اس طرح کے واقعہ کے کیا معنی۔ آپ نے جواب دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد ایسی ہی باکرامت ہوتی ہے۔

حضرت نے ارشاد فرمایا کہ حضرت علی رضؓ کا مشہد مقدس اس جگہ سے علیحدہ ہے جہاں وہ شہید کیے گئے تھے۔ اس لیے کہ مشہد مقدس شہر کوفہ سے باہر ہے اور ان کی جائے شہادت کوفہ کے اندر ہے۔ جب آپ کا وصال ہوا تو امیر المومنین حسنؓ اور حسینؓ نے انہیں غسل دے کر نماز جنازہ پڑھ کر دشمنوں کے خوف سے گھر کے اندر چھپا دیا۔ جب رات ہوئی تو دونوں پوشیدہ طور پر شہر سے باہر نکلے اور لاش کو دفن کر دیا۔ پھر زمین کو برابر کر دیا کہ کچھ پتا نہ چلے۔ سالوں تک مشہد مقدس یعنی مزار مبارک کا کسی کو پتا نہ تھا۔ امام جعفر صادق علیہ السلام رات کو گھر سے صحرا کی طرف نکل جاتے اور اس جگہ بیٹھتے۔ ایک مرتبہ اس جگہ بیٹھ کر کسی سے یہ واقعہ بیان کر دیا۔ یہ قصہ حکومت کے کانوں تک پہنچ گیا۔ حضرت امام جعفر صادق نے فرمایا کہ جی ہاں صحیح ہے اس جگہ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ دفن ہیں۔ وہ جگہ کھودی گئی۔ تین مزار اس جگہ سے نکلے۔ ان میں سے ایک کے لوح پر حضرت آدم صفی دوسرے

پر نوح نبی علیہ السلام اور تیسرے پر حضرت علیؓ لکھا ہوا تھا۔ زمین کو ہموار کر کے اس جگہ گنبد اور قبہ وغیرہ بنوا دیا گیا۔ اور پھر اس روز سے مشہد علیؓ کو لوگوں نے جان لیا اور اس کی شہرت ہوئی۔

وعظ و نصیحت کے لیے شرائط

دوسری نماز کے وقت کچھ لوگ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ وعظ و نصیحت کی بات چھڑ گئی۔

ابو عثمان نے ابو حفص سے لوگوں سے ملنے جلنے اور بات کرنے کی اجازت طلب کی۔ شیخ نے پوچھا ملنے جلنے سے تمہارا مقصد کیا ہے۔ انھوں نے جواب دیا: مخلوق خدا پر شفقت اور محبت کرنا چاہتا ہوں ابو حفص نے اجازت دے دی۔ ایک دن ابو عثمان عوام میں وعظ و نصیحت فرما رہے تھے۔ ابو حفص اس طرف سے گزرے ان کو ابو عثمان کے عہد کے بارے میں تجسس اور آزمائش کا خیال پیدا ہوا۔ وہ مسجد کے اندر چلے گئے اور ایک ستون کے پیچھے کھڑے ہو گئے۔ اس دوران میں ایک سائل آیا اور اس نے ابو عثمان سے ان کا پیراہن مانگا۔ ابو عثمان نے فوراً پیراہن اپنے جسم سے اتار کر دے دیا۔ شیخ ابو حفص ستون کے پیچھے سے باہر نکلے اور زور سے فرمایا کہ اے عہد شکن جلد نیچے اُتر۔ وہ ممبر سے نیچے اتر گئے اور دست بستہ عرض کیا کہ مجھ سے کیا خطا سرزد ہوئی؟ ابو حفص نے فرمایا کہ تم نے کیا عہد نہیں کیا تھا کہ خلق خدا پر شفقت کریں گے۔ ابو عثمان نے جواب دیا مجھ سے کیا بے شفقتی ظاہر ہوئی۔ ابو حفص نے کہا کہ ایک سائل نے تم سے پیراہن مانگا تھا تم نے اس کے دینے میں تاخیر کیوں نہیں کی کہ وہ مسلمان بھی تمہاری نصیحت سے فیض یاب ہو لے۔ اتنی جلدی کیوں کی۔

حضرت اقدس نے ارشاد فرمایا کہ شبلیؒ ایک جگہ وعظ و نصیحت فرما رہے تھے۔ حضرت جنیدؒ اس طرف سے گذرے اور فرمایا کہ "اے ابوبکر! جس چیز سے تم سیراب ہوتے ہو اسی سے دوسرے کو بھی سیراب کرتے ہو۔" یہ سُن کر وہ اسی وقت ممبر سے نیچے اتر آئے۔

حضرت نے پھر فرمایا کہ میں نے اپنے خواجہ سے سُنا ہے کہ ایک واعظ تھے جن کے وعظ و نصیحت کو سُن کر خلقت ذوق و لذت سے سرشار ہو جاتی تھی۔ ان کی مجلس وعظ میں بعض کپڑے چاک کر کے نکل جاتے تھے، بعض ہوش و حواس، اور بعض جان ہی گنوا بیٹھتے تھے وہ حج خانہ کعبہ کے لیے تشریف لے گئے۔ اور کئی سال کے بعد زیارت کعبہ کی سعادت سے فیضیاب ہو کر واپس آئے۔ خلقت ان کے استقبال کے لیے ٹوٹ پڑی۔ اور سبھوں نے بہت آرزو اور

اشتیاق سے وعظ کہنے کی درخواست کی۔ انہوں نے وعظ فرمایا لیکن اس بیان اور وعظ و نصیحت میں وہ پہلی سی بات نہ تھی۔ لوگوں نے اس کا سبب پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ مجھ سے اور تو کوئی خطا نہیں ہوئی۔ البتہ صرف ایک مرتبہ میں جماعت سے نماز نہیں پڑھ سکا تھا۔ کچھ دیر ہوگئی تھی۔ غیب سے آواز آئی کہ اے شخص تو نے میرے کام میں غفلت برتی ہے میں اور تو تجھے کوئی سزا نہیں دوں گا البتہ تیرے زبان و بیان کی شیرینی اور لذت تجھ سے چھین لوں گا۔

فراغ دلی اور حضوری بڑی نعمت ہے

ایک اور موقع پر حضرت بندگی مخدوم نے فرمایا کہ سفر میں اگر انتشار قلب نہ ہو تو بہت بہتر ہے۔ ورنہ یوں تو صوفیا کا سرمایہ ہی سوائے فراغ دلی اور خاطر جمعی کے اور کچھ نہیں ہے۔ فراغ دلی کے ساتھ اگر کسی کو اپنے اللہ سے ایک ساعت کی حضوری میسر ہو جائے تو اس ایک ساعت پر اگر وہ آٹھ بلکہ اسی ہزار بہشت کو نثار کر دے پھر بھی وہ نقصان میں نہیں رہے گا۔ یہ فرماتے ہوئے آپ کی آنکھیں پرآب ہوگئیں اور یہ دو شعر زبان مبارک سے نکلے: ؎ رباعی

ملک طلبش بہر سلیماں نہ دہند   منشور غمش ہر دل و جاں ندہند

درماں طلباں ز درد او محروم اند   کایں درد بہ طالباں درماں نہ دہند

(ترجمہ) طلب اور عشق کی سلطنت ہر سلیمان کو نہیں عطا ہوتی۔ ہر دل اور جاں کے لیے غم والم کی دولت نہیں ہے درماں طلب کرنے والے درد کی لذت سے محروم ہیں۔ کیونکہ درماں طلب کرنے والوں کو یہ درد کی نعمت عطا ہی نہیں ہوتی)

ایک عاشق صادق کا واقعہ

ایک اور موقع پر بندگی مخدوم نے فرمایا کہ دولت آباد میں مولانا اختیار الدین نام کے ایک واعظ تھے۔ صفر کے مہینہ میں ان کے وعظ کی مجلس میں جاتا تھا۔ ان کی تمام مجالس سے ایک حکایت مجھے یاد رہ گئی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ میرا گھر پرانی دلی میں بالم دروازہ کے قریب تھا۔ وہیں پر لونڈیوں کی خرید و فروخت کرنے والا ایک سوداگر بھی رہتا تھا۔ اس کے پاس ایک لونڈی تھی خوش جمال، اتفاق سے وہ باہر نکلی ایک نوجوان کی نظر اس پر پڑی اور وہ اس کا دلدادہ ہوگیا۔ کبھی کبھی دونوں میں ملاقات بھی ہو جاتی تھی۔ لونڈی کے اس سوداگر کو یہ خبر ملی تو اس نے لونڈی کا باہر نکلنا بند کر دیا۔ وہ نوجوان کئی روز تک اس کے گھر کے چکر کاٹتا

رہا۔ لیکن عشق کا تیر اس کا جگر گھائل کر چکا تھا اور اس کا گھائل زیادہ دیر کھڑا نہیں رہ سکتا۔
بالآخر ذی فراش ہوگیا۔ طبیب و حکیم اور چارہ گروں کو جمع کیا گیا لیکن کسی کی بھی سمجھ میں مرض
نہ آیا۔ متفقہ طور پر ان لوگوں نے کہا کہ اس کے نبض سے کسی طرح کی بیماری کا پتا نہیں چلتا۔
کوئی اور ہی خارجی وجہ ہوسکتی ہے۔ اس کی ماں نے بڑی محبت اور شفقت سے اس کا حال
پوچھا اور اطمینان دلایا کہ اس سے دل کی حالت بے جھجک بیان کرے۔ بہت سمجھانے اور
دلاسا دینے پر اس نے بتایا کہ اس کا دل فلاں سوداگر کی کنیز پہ آگیا ہے اور اس کے بغیر
زندگی مشکل ہے۔ لوگوں نے سمجھایا اس میں پریشانی کی کیا بات ہے وہ تو سوداگر ہے اس
کا تو کام ہی خریدنا اور بیچنا ہے ہم لوگ اس سے اس کنیز کو خرید لیتے ہیں۔ سوداگر کے
پاس خریداری کا پیغام بھیجا تو اس نے انکار کر دیا۔ اور منہ مانگی قیمت پر بھی دینے کو راضی نہ
ہوا۔ نوجوان کی حالت اور زیادہ خراب ہوگئی۔ اس درمیان میں اس کنیز کو بھی مرض دق لاحق
ہوگیا۔ تب اس کے دوستوں نے اسے سمجھایا کہ تو سوداگر ہے تجھ کو اپنے نفع نقصان کا خیال
رکھنا چاہیے۔ اب تو یہ کنیز تیری بکنے والی نہیں ہے جو کچھ قیمت ملے اس کو فروخت کر دے
لینے والا موجود ہی ہے۔ سوداگر کی سمجھ میں بات آگئی اس نے اس کنیز کو اس جوان کے ہاتھ
بیچ دیا۔ کنیز کو جب اس ذی فراش نوجوان کے سامنے لے جایا گیا تو گھر کے تمام عزیز و اقربا
اس تماشا کو دیکھنے جمع ہوگئے کہ دیکھیں اپنی معشوقہ کو پاکر اس نوجوان کا کیا حال ہونا ہے
وہ آنکھیں بند کیے پڑا تھا۔ لوگوں نے اسے بتایا کہ اس کی معشوقہ آرہی ہے تو اس نے
آنکھیں کھولیں۔ اور تمام لوگوں کو وہاں سے چلے جانے کا اشارہ کیا۔ پھر اپنی معشوقہ کی طرف
دیکھا اور دونوں ہاتھ اٹھا کہ اسے سینے سے لگ جانے کا اشارہ کیا۔ وہ کنیز شرمائی تو
لوگوں نے اس کو قریب لے جا کر ذی فراش نوجوان کے سینہ پر ڈال دیا۔ اس نے سینہ سے
لگا کر بھینچا۔ تھوڑی دیر تک لوگ انتظار کرتے رہے۔ جب وہ نہ اٹھی تو لوگ اس کو اٹھانے
کے لیے بڑھے تو دیکھتے ہیں کہ جوان، جان جان آفریں کو سپرد کر چکا تھا۔ اس حکایت کو بیان
کرتے ہوئے حضرت مخدوم بندگی کی آنکھیں نم ہوگئیں اور فرمایا ایسے ہی عاشقوں کے بارے
میں کہا گیا ہے کہ انجام بخیر ہوا۔ پھر یہ شعر پڑھا: ؎

این طرفہ نگاہ کہ مرا با ساقی ہست یار آں ہمہ از مے و من از ساقی مست

روز چہار شنبہ ۲۰ ماہ رجب ۸۰۲ھ

صوفیا کی جتنی ملامت کی جاتی ہے ان کے درجات بڑھتے ہیں۔

یہ کمترین اور دوسرے ہم سبق احباب خدمت اقدس میں حاضر تھے۔ حضرت نے فرمایا کہ جتنی ملامت لوگ صوفیا کو کرتے ہیں اسی قدر ان کے درجات بڑھتے جاتے ہیں۔ غلام الخلیل کچھ عرصہ تک صوفیوں کے حلقہ میں شامل رہا آخر میں بد اعتقادی کے ساتھ اس گروہ سے نکل گیا۔ اور بادشاہ کا تقرب حاصل کر لیا۔ یہاں تک کہ وہ وزیر کے درجہ تک پہنچ گیا۔ وزیر ہونے کے بعد اس نے صوفیوں کو اذیت اور تکلیف دینا شروع کیا۔ وہ کہتا تھا کہ یہ لوگ اچھا کھاتے ہیں خوب سوتے ہیں اور کفر اور بے دینی کی باتیں کرتے ہیں۔ ایک دن وہ حضرت عطارؒ کے صاحبزادے کے ساتھ جھگڑ پڑا۔ شیخ نے بھی اس کو سخت جواب دیا۔ اس نے حکم دیا کہ ان کو جوتے سے مار مار کر ختم کر دیا جائے۔ اس تشدد کے درمیان حضرت عطارؒ کے صاحبزادے نے فرمایا کہ خیر میں تو مر ہی رہا ہوں لیکن یاد رکھ کہ اسی جگہ پہ تیرا ہاتھ پیر کاٹا جائے گا، آنکھیں نکالی جائیں گی۔ اور تیرے جسم کو ٹکڑے ٹکڑے کیا جائے گا۔ کچھ دنوں کے بعد بادشاہ نے غلام الخلیل پر حرم کی طرف بری نظر سے دیکھنے کا الزام لگایا اور غصہ میں حکم دیا کہ اس جگہ پہ لے جا کر اس کی آنکھیں نکال دی جائیں۔ ناک کان کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے اس وقت کے صوفیوں نے ابن عطار کو الزام لگایا کہ یہی تو ایک شخص تھا جو ہم لوگوں کو برا بھلا اور ملامت کیا کرتا تھا اور اس کی وجہ سے ہم لوگوں کے درجے بڑھتے تھے۔ ان کی بد دعا کی وجہ سے اس کا تو حشر بُرا ہوا ہی لیکن ہم لوگوں کے درجے میں اضافہ بھی رُک گیا۔

غلام کی بد اخلاقی آقا کی خوش اخلاقی کی دلیل ہے

ایک مرتبہ حضرت مخدوم بندگی کے حضور اچھے اور بُرے اخلاق کے بارے میں گفتگو چھڑ گئی۔ حضرت نے فرمایا کہ حضرت امیر المومنین علی رضؓ

نے اپنے ایک غلام کو آواز دی - غلام نے جواب نہیں دیا - تیسری مرتبہ بھی جواب نہ دینے پہ حاضرین میں سے ایک نے کہا کہ یہ آپ کا کیسا غلام ہے کہ جواب ہی نہیں دیتا - حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا غلام کی بد اخلاقی آقا کی خوش اخلاقی کی دلیل ہے -

دنیا اور دنیا والوں کی مذمت میں

ایک مرتبہ دنیا اور دنیا والوں کی مذمت میں بات چھڑ گئی - حضرت بندگی مخدوم نے فرمایا کہ اگر کسی سے پوچھا جائے کہ دنیا اچھی ہے یا آخرت تو وہ فوراً جواب دے گا کہ آخرت - لیکن اگر اس کے چند درہم کھو جائیں تو وہ اتنا مغموم اور متاسف ہوگا کہ اس کی آنکھیں حلقے میں چلی جائیں گی - زبان خشک ہو جائے گی - گال پچک جائے گا - لیکن اگر کبھی اس کی نماز چھوٹ جائے گی تو وہ غایت مافی الباب اگر بہت دین دار ہوگا - تو ایک دو بار استغفر اللہ کہہ کر رفت وگزشت کرے گا - گناہ سرزد ہونے پہ کوئی افسوس نہیں کرتا - اور نہ کوئی اس کی پرواہ ہی کرتا ہے - اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ سب محض زباں سے ہے دل سے نہیں - لوگوں نے مذہب کو رسم و عادت کی وجہ سے اختیار کر لیا ہے اللہ تعالیٰ نے شراب اور سور کو حرام کر دیا ہے - شراب سے بچے رہنا آدمیوں کے لیے بہت دشوار ہے لیکن سور سے تو ہم لوگ رسم و عادت کی وجہ سے اسی طرح پرہیز کرتے ہیں جس طرح ہنود گائے کے گوشت سے پرہیز کرتے ہیں - افسوس ، صد ہزار افسوس !

روز پنجشنبہ ۱۲ ر رجب ۸۰۲ سنہ

تجارت اور مذہب

خدمت اقدس میں کئی سوداگر حاضر تھے - سوداگری اور دین میں اس سے فائدے اور نقصان کا ذکر چھڑ گیا - حضرت مخدوم نے فرمایا کہ اگر سوداگر کی دلی توجہ اور مشغلہ مال کی حفاظت اور اس کے جمع کرنے پہ نہیں ہے تو بہت اچھا ہے - اللہ تعالیٰ نے ظاہری طور پہ دو چیز انسان کو دی ہے - ایک بہت نازک اور لطیف ہے اور دوسرا بہت سخت اور کثیف - اور یہ دونوں آنکھیں اور پیر کے تلوے ہیں - آنکھ میں اگر کوئی چیز پڑ جاتی ہے تو جب تک وہ نکل نہ جائے قرار نہیں ملتا - لیکن پیر کے تلوے کے نیچے کوئی چیز آجائے تو اسے اثر نہیں ہوتا - شہر دولت آباد میں ایک

قوم بستی ہے کہ اس کو وڈر کہتے ہیں - ان کے تلوے بس اگر کانٹا چبھ جائے تو یہ اسے نہیں نکالتے - اور نہ کبھی جوتا پہنتے ہیں - اور اس پر فخر بھی کرتے ہیں -

اسی طرح باطن میں بھی اللہ تعالیٰ نے انسان کو دو چیزیں عطا کی ہیں - ایک دل اور دوسرے نفس - دل اتنا لطیف اور نازک ہوتا ہے کہ ایک چیز سے زیادہ کا متحمل نہیں ہوتا لیکن نفس پر جتنا بھی بوجھ رکھ دو وہ متحمل ہو جاتا ہے پھر حضرت نے ایک "تاریخی واقعہ بیان کیا کہ ایک سوداگر تھا جو کوفہ سے مصر اور مصر سے کوفہ غلہ اپنے مختار اور شریک دار کے ذریعہ بھیجا اور منگوایا کرتا تھا - ایک مرتبہ اس کے مختار نے کئی روز تک غلہ روک لیا - غلہ اتفاق سے گراں ہو گیا - اس نے غلہ کے مالک کو خوش خبری لکھ بھیجی - اس نے جواب میں لکھا کہ اے بے انصاف، تو نے میرا غلہ گراں ہونے کے خیال سے کیوں روک لیا - میں تو ذخیرہ اندوز ہو گیا - خبردار تم اسی جگہ میرے تمام غلے کو خیرات کر دو تاکہ میرا دوسرا مال اس سے مل کر خراب نہ ہو جائے - پھر حضرت مخدوم نے میری طرف اشارہ کر کے سوال کیا کہ تمہارا کیا خیال ہے - درویشی اور توکل میں مشہور ہونا اچھا ہے یا کسی پیشہ کے ذریعہ اپنی روزی حاصل کر کے فراغت دل کے ساتھ اپنے خالق کے حضور میں حاضر رہنا - میں نے عرض کیا اپنی روزی خود حاصل کر کے فراغت دلی کے ساتھ اللہ کے حضور حاضر رہنا زیادہ بہتر ہے -

ایک قصہ دوست کے پتا چلانے کا

ایک مرتبہ حضرت بندگی خواجہ سے شرف ملاقات کے لیے بہت لوگ آئے - اور ملاقات کرتے رہے یہاں تک کہ قیلولہ کا وقت ہو گیا - بوریا سمیٹ کر نہالچہ کو تہہ کر کے پلنگ بچھا دیا گیا - شیخ اس پر دراز ہو کر قیلولہ کرنا ہی چاہتے تھے کہ مولانا زین الدین مجھ کو حضرت کے پاس لے گئے اور کہا سید صرف قدمبوسی کرنا چاہتا ہے حضرت نے فرمایا کہ بوریا پھر بچھا دیا جائے - اور خود اپنی جگہ پر بیٹھ گئے - اس دن اس کمترین کو مخصوص عنایات سے نوازا گیا - اس میں خاصی دیر ہو گئی خدام بھی ادھر ادھر ہو گئے - حضرت نے چند طویل قصے سنائے - ان میں سے ایک قصہ جو کسی غائب آدمی سے منسوب کر کے کہہ رہے تھے، لیکن مجھے ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ وہ خود اپنا واقعہ بیان کر رہے ہوں، یہ تھا کہ بزرگوں میں سے کسی ایک بزرگ کے دل میں یہ بات پیدا ہوئی کہ وہ خود اللہ سے

دریافت کرے کہ اس کا دوست کون ہے پھر وہ ان ہی محب الٰہی کی صحبت میں برابر حاضر رہے - اس کے لیے جو مخصوص دُعا اور نماز تھی اسے پڑھ کر وہ سو گئے - خواب میں انہیں بشارت ہوئی کہ صبح کی نماز کے وقت امام کے دائیں تمہارے نزدیک دائیں ہاتھ کو تحریمہ باندھ کر جو کھڑا ہو میرا دوست وہی ہے - وہ بزرگ بہت خوش ہوئے - صبح ہوئی - صبح کی دعا سنت اور ورد وظائف پڑھ کر مصلّٰے کاندھے پر ڈال کر مسجد میں پہنچ گئے - نماز کا تحریمہ باندھ کر انتظار کرنے لگے - امام کے دائیں ایک شخص تحریمہ باندھ کر کھڑا ہو گیا - سلام کے بعد جب انہوں نے اس کی طرف دیکھا تو وہ اپنے محلہ کے نیل گر کاشت گر دتھا - وہ بزرگ بہت غمگین ہوئے اور افسوس و صدمہ کے بعد انہوں نے دل میں سوچا کہ میں نے پریشان خواب دیکھا تھا - دوسری رات کو انہوں نے پھر اسی طرح نماز اور مخصوص دُعا پڑھی اور سو گئے - اور وہی خواب دیکھا - اور سب کچھ اسی طرح ہوا - تیسری شب کو بھی وہی خواب دیکھا تو انہوں نے کہا کہ میرے عمل میں خرابی اور فتور واقع ہو گیا ہے - جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ میری دُعا قبول نہیں کر رہا ہے - اور میں پریشان خواب دیکھ رہا ہوں - اس شرمندگی اور خفت میں وہ شہر سے باہر نکل گئے تاکہ شہدا اور صلحا کی زیارت کریں - اس سفر کے دوران طوفان اُٹھا، بجلی چمکنے لگی، برق و باد نے ان بزرگ کو ایک ٹاپو بیابان میں پہنچا دیا - جہاں نہ کوئی راستہ کا پتا تھا نہ راستہ چلنے والے کا - ان کے وہاں تھوڑی دیر پہنچنے کے بعد ظہر کی نماز کا وقت ہو گیا، وہ سوچ ہی رہے تھے کہ آج ان کی جماعت کی نماز گئی یکایک اذان کی آواز سنائی دی - اس اذان کی آواز کی طرف وہ بڑھے تو کیا دیکھتے ہیں کہ اس ویرانے میں ایک چھوٹی سی مسجد موجود ہے - وضو کے لیے مشک میں پانی بھی بھرا ہوا ہے - اور ایک شخص مسجد کی چھت پر کھڑا اذان دے رہا ہے - وہ بزرگ بہت خوش ہوئے کہ باجماعت نماز نصیب ہوئی - اور اس آدمی سے شہر کا راستہ بھی معلوم ہو جائے گا - انہوں نے جلدی سے وضو کیا - یکایک ایک ایک دو دو کر کے لوگ آنے لگے - ان میں کچھ دلق پوش درویش تھے اور کچھ عمامہ باندھے بزرگ صورت افراد بھی - اس طرح تقریباً دو سو افراد آ گئے - ان بزرگ نے اپنے دل میں کہا کہ یہ سب اللہ کے دوست معلوم ہوتے ہیں جن کو اللہ مجھے دکھانا چاہتا ہے - اور یہ سب میری اس دعا اور نماز کا اثر ہے جو میں نے اس کام کے لیے پہلے پڑھا تھا - غرض مؤذن نے جب تکبیر کہہ کر صف دُرست کی

توسب لوگ کسی شخص کے انتظار میں دروازے کی طرف دیکھنے لگے۔ان کی جماعت میں ایک ہل چل سی پیدا ہوئی۔اور سامنے سے وہی محلے کے نیل گر کا شاگرد کاندھے پر مصلّے لیے ہوئے نمودار ہوا۔سب لوگ مؤدب کھڑے ہوگئے۔اس چھوٹی سی مسجد میں سب کی گنجائش بھی نکل آئی اور وہ شخص آگے بڑھ کر امامت کے لیے کھڑا ہوگیا۔نماز کے بعد ان بزرگ نے امام کا دامن پیچھے سے کھینچا۔امام نے دو انگلیوں سے خاموشی کا اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ جلدی سے نماز سنت ادا کر کے دروازے پر کھڑے ہو جائیں اور ان بزرگوں میں سے ہر ایک کی دست بوسی اور قدمبوسی کریں کیونکہ یہ سب ابدال، اوتاد، نجبا اور نقبا میں سے ہیں۔ پھر ان بزرگ کو قریب بُلا کر پوچھا کہ تمہیں میرے بارے میں اتنا شک وشبہ کیوں تھا۔اور مجھ سے بداعتقادی کیوں تھی۔ان بزرگ نے شرمساری کے ساتھ جواب دیا کہ میں یہ سب کچھ نہیں جانتا تھا۔ان امام نے کہا کہ ہاں ٹھیک ہے تم صحیح کہہ رہے ہو تمہیں کیا معلوم تھا اس کے بعد وہ بزرگ مسجد کے دروازہ پر کھڑے ہو کر سب کی دست بوسی اور قدمبوسی کرتے رہے۔پھر ان امام سے کہا کہ مجھے سینے سے لگائیے۔انہوں نے معانقہ کیا اور کہا کہ آنکھیں بند کر لو۔پھر کھولنے کے لیے کہا۔آنکھیں کھولیں تو اپنے کو اپنے محلے میں مکان کے قریب کھڑا پایا۔تھوڑی دیر کے بعد ان بزرگ کو خیال ہوا کہ میں کھڑا کیا ہوں مجھے اس نیل گر کے شاگرد کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا سر ان کے قدموں پر رکھ دینا چاہیئے۔ اور ان پر اپنے کو قربان کر دینا چاہیے۔وہ اس ارادے سے نیل گر کے گھر کی طرف بڑھے۔ان کے دروازے پر دیکھا کہ لوگوں کا ہجوم لگا ہوا ہے۔پوچھنے پر لوگوں نے بتایا کہ نیل گر کا شاگرد ابھی باہر سے آیا، دو رکعت نماز ادا کی اور سر سجدہ میں رکھتے ہوئے جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔یہ قصہ سنانے کے بعد حضرت مخدوم کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور یہ دو شعر زبان مبارک سے نکلے :

آں بہ کہ نظر باشد و گفتار نہ باشد	تا مدعی اندر پس دیوار نہ باشد
خواہم کہ بہ معشوق زمینی و زمانے	من باشم و او باشد و اغیار نہ باشد

بیت المقدس کی تباہی کا واقعہ

ایک مرتبہ حضرت مخدوم کی خدمت میں بیت المقدس کے خراب ہونے کی بات چھڑ گئی۔حضرت نے فرمایا کہ جب اللہ کو یہ منظور ہوا کہ اُرمیا(خواجہ خضر علیہ السلام) کو پیغمبر بنا کر بھیجا جائے تو

اُس پر خواجہ خضر علیہ السلام بہت مشکل سے راضی ہوئے اور فرمایا کہ اے معبود حقیقی میں اس شرط پر پیغمبر بننے کے لیے راضی ہوں گا کہ آپ وعدہ فرمائیں کہ جب تک میں نہ کہوں آپ بیت المقدس کو تباہ و برباد نہ کریں گے۔ حکم باری ہوا کہ تم جیسا چاہتے ہو ویسا ہی ہو گا مگر تم پیغمبر بننے پر راضی ہو جاؤ۔ جب اس شہر میں فسق و فجور اور گناہ بہت زیادہ پھیل گیا تو آدمی کی صورت میں ایک فرشتہ حضرت خضر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ اے پیغمبر خدا، ظلم و جور کی حد نہیں ہے لوگ ایک دوسرے پر ظلم کر رہے ہیں۔ اُرمیا نے جواب دیا اللہ رحم کرنے والا ہے بخش دے گا۔ اور ان کی توبہ قبول کرے گا۔ جس روز حضرت یحییٰ علیہ السلام کو لوگوں نے قتل کیا اس وقت پھر فرشتہ آدمی کی صورت میں اُرمیا کی خدمت میں نمودار ہوا اور کہا کہ لوگوں نے حضرت یحییٰ علیہ السلام پیغمبر خدا کو قتل کر دیا ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا اللہ ان کی توبہ قبول کرے گا۔ یہاں تک کہ ایک شخص نے محرم عورت پر مجرمانہ حملہ کیا۔ اس پر پھر فرشتہ نمودار ہوا اور واقعہ سے آگاہ کیا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے کہا وہ اپنی برائی کا بدلہ خود پائے گا۔ اس کے بعد ہی اللہ تعالیٰ نے بخت نصر کو اس قوم کی سزا کے لیے اس قوم پر مسلط کیا اور اس کو طاقت بخشی اس نے اس قوم کو زیر کر کے بیت المقدس کو تہہ و بالا کر دیا۔ حضرت خضر علیہ السلام سر بہ سجدہ ہو کر خدا سے فریادی ہوئے کہ اے قادر مطلق! تو نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا کہ بغیر میری رضا کے بیت المقدس کو تباہ نہیں کروں گا۔ غیب سے آواز آئی، تم نے جب رضا دی تب ہی تو ہوا۔ خضر علیہ السلام نے متعجب ہو کر پوچھا میں نے کب رضامندی ظاہر کی۔ آواز آئی کیا تم نے نہیں کہا تھا کہ وہ اپنی بدی کا بدلہ خود پالے گا۔

عورتوں کا گانا سننا جائز ہے یا ناجائز

اسی درمیان میں ہندی عورتوں کے گانے کی آواز آئی تو گفتگو اس کے جائز اور ناجائز پر چھڑ گئی۔ حضرت بندگی مخدوم نے فرمایا کہ پیغمبر علیہ السلام ایک مرتبہ قریش کی لڑکیوں کی طرف سے گزر رہے تھے۔ وہ سب جاہلیت کے دور کے اشعار گا رہی تھیں اور رقص کر رہی تھیں۔ پیغمبر علیہ السلام کو دیکھ کر وہ یہ شعر گانے لگیں "ہم میں ایسا نبی آیا ہے جو کل کی بات جانتا ہے۔" پھر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان الفاظ کو چھوڑ دو بلکہ وہی کہو جو پہلے گا رہی تھیں۔

حضرت بندگی مخدوم نے یہ دو شعر پڑھ کر :-

بیروں شدہ ز خویشتن می باید ، برخواستہ ز جاں و تن می باید

در ہر گامے ہزار افزوں است ، زیں کرم او بند شکن می باید

آہ کھینچی اور فرمایا تمام پابندیاں آسان ہیں لیکن شرع کی پابندیاں بہت مشکل ہیں - ایک شخص نے مجھ سے وعدہ کیا کہ فلاں مسجد میں تم سے ملاقات کروں گا - میں وعدہ کے مطابق گیا - انتظار دیکھتا رہا - وقت گزر جانے پر واپس ہو گیا - راستہ میں ایک صاحب جمال عورت کو خراب آوارہ لوگوں کے ساتھ واہیات باتیں کرتے ہوئے دیکھا اس نے مجھ سے بھی کچھ باتیں کرنی چاہی -
میں سر جھکائے گزر گیا اور اپنے گھر چلا آیا - تھوڑی دیر کے بعد وہ شخص آیا - میں نے اس کی خلاف وعدگی کی شکایت کی - اور وجہ پوچھی - اس نے کہا راستہ میں جو عورت تمہیں ملی تھی وہ میں ہی تھا - لیکن تم کو پتا نہیں چلا - میں نے جواب دیا اگر میں جان لیتا کہ وہ عورت تم ہی تھے تو میں تمہاری عزت کی خاطر اپنے سر کو اور زیادہ جھکا لیتا -

روز شنبہ ۲۳ ماہ رجب ۸۰۲ھ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان اختلاف کے بارے میں گفتگو چھڑ گئی - حضرت اقدس نے فرمایا کہ انس مالک سے روایت ہے کہ جب ہم نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مزار مبارک کی مٹی کو برابر کر دیا اسی وقت سے ہمارے دلوں نے انکار کرنا شروع کر دیا - ہم جو کچھ تھے نہ رہے اور نہ ہیں - اپنے مرض الموت میں رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میرے پاس کاغذ لاؤ تاکہ میں تم کو گمراہی سے بچانے کے لیے ایک تحریر لکھ دوں" -
امیر المومنین عمر رضی اللہ نے فرمایا - "ہمارے لیے قرآن شریف کافی ہے اس وقت چونکہ حضرت پر مرض اور درد کی شدت ہے -" اور کاغذ نہیں دیا اور نہ رسول اللہ سے کوئی حکم لکھوایا -
حاضرین میں سے ایک نے عرض کیا کہ بدعت اور گمراہی جو کہ رسول اللہ کے بعد ظاہر ہوئی اس کی وجہ بھی صحابہ کرام کا آپس کا اختلاف ہی ہے -

صحابہ کرامؓ کی افضلیت پر گفتگو درست نہیں

حضرت بندگی مخدوم نے فرمایا کہ مسائل کلامیہ میں صحابہ کرام کی

فضیلت سے متعلق میں کبھی بحث شروع نہیں کرتا اس لیے کہ ان کی شان میں بدتہذیبی کا امکان ہے۔ پھر اس کمترین اور اپنے گھر والوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اگر کسی وقت میں نے بہت اصرار اور لوگوں کے شدید قسم دلانے پر اس طرح کی بات بھی کی ہے تو وہی کی ہے جو میرے عقیدہ پر مبنی ہے یعنی صحابہ میں افضل حضرت ابوبکرؓ ہیں پھر حضرت عمرؓ، پھر حضرت عثمانؓ، پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔

پھر حضرت نے فرمایا کہ علما کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ مسلمان کے لیے موت بہتر ہے یا حیات۔ بعضوں نے زندگی کو بہتر بتایا ہے اور بعضوں نے موت کو۔ لیکن میری رائے یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارک میں زندگی بہتر تھی اور اس کے بعد موت بہتر ہے۔

پھر حضرت نے ایک واقعہ بیان کیا کہ شنبہ کی رات اول شب ہمارے خواجہ اللہ کی مہربانی سے خود دسترخوان پر موجود تھے۔ اور ہر ایک شخص اپنی اپنی جگہ پر بیٹھا ہوا تھا میری جگہ حضرت شیخ سے دوسرے نمبر پر تھی۔ میرے اور شیخ کے درمیان مولانا برہان الدین بجنوری تھے۔ اور وہ یار قدیم، پیر دانش مند اور مرد صالح تھے۔ دوسرا طباق دسترخوان پر میرے سامنے تھا۔ حضرت شیخ کے سامنے ہمیشہ تین طباق رکھے جاتے تھے۔ ان میں سے ایک مجھے عطا ہوا، دوسرا قاضی عبدالمقتدر کو اور تیسرے طباق کے بارے میں خادموں کو اشارہ کیا گیا کہ اس جگہ لے جاؤ۔ اس جگہ سے حضرت شیخ کی مراد کیا تھی یہ مجھے آج تک نہیں معلوم ہوا۔ دوسری رات کو حضرت شیخ خود نہیں بیٹھے لیکن حکم دیا کہ نہالچہ صدر میں بچھا دیا جائے۔ ہر ایک شخص اپنی اپنی جگہ نہالچہ کے گرد بیٹھا۔ تیسری رات کو وہ ضابطہ بھی نہ رہا اور دسترخوان بچھنے کے بعد لوگ ہر طرف سے دوڑے اور جس کو جو جگہ پسند آئی بیٹھ گیا میرا طباق خدام نے ملک صدرالدین نائب رئیس کو دے دیا۔ اس کے بعد ساتھیوں میں اختلاف اور نفرت اتنی پیدا ہوئی کہ اس کی حد نہیں۔

اس کے بعد حضرت نے مولانا سراج کے شرح مشارق سے یہ حدیث پڑھی:-

لونترکته بین (ترجمہ) اس کی ماں اس کو باز نہ رکھتی تو وہ ضرور بیان کرتا۔

تشریح اس کی یہ ہے کہ رسول اللہ صلعم خرما کے درخت کی پناہ میں کھڑے ہوئے تھے کہ اس تسکاری اور غیب کی بات بتانے والوں کی بات سنیں۔ لیکن اس کو پتا چل گیا اور وہ

رک گیا۔ اسی پر سحر اور فال نکالنے اور علم نجوم کی بات نکل آئی۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ ایک روز سلطان فیروز دہلی سے جاجنگر روانہ ہوا۔ شہر کے درویشوں اور منجموں نے متفق ہو کر کہا کہ اب سلطان کی سلامتی کے ساتھ واپسی مشکل ہے۔ ایک دن حضرت بندگی خواجہ نے مجھ سے پوچھا کہ لوگ بادشاہ کے بارے میں کیا قیاس آرائی کر رہے ہیں۔ میں نے کوئی تفصیل نہ بتائی۔ پھر خود ہی فرمایا کہ لوگ ایسی ایسی باتیں نہیں کر رہے ہیں۔ میں نے کہا جی ہاں، دوسرے روز انہوں نے ایک آدمی خان جہاں کے پاس بھیجا کہ فوراً ہی بادشاہ کے پاس کسی کو بھیج کر مطلع کرے کہ ہر رات کو چار من روٹی سرہانے رکھ کر سوئے اور صبح اٹھ کر اس کو فقرا میں تقسیم کر دے۔ بادشاہ خیریت اور سلامتی کے ساتھ واپس آ گئے تو اس کمترین کے پرنانا مولانا جمال الدین جو کہ حضرت بندگی مخدوم کے مخلص دوستوں میں تھے اور علم نجوم میں اچھا دسترس رکھتے تھے اور پہلے تمام نجومیوں کے ساتھ کہتے تھے کہ بادشاہ کا سلامتی کے ساتھ واپس آنا مشکل ہے اب کہنے لگے کہ سلطان کا بخیریت واپس آنا ضروری تھا۔ علم نجوم ظنی علم ہے۔ جس برج میں کہ سلطان محمد باہر نکلے تھے۔ وہ برج خود ہی باہر نکل چکا تھا۔

ایک حدیث نبوی کی وضاحت

ایک مرتبہ حضرت اقدس نے اس حدیث شریف کی لو تترکتہ مازال قائماً الی یوم القیٰمۃ کی وضاحت اس طرح فرمائی کہ ام مالک کے پاس ایک برتن تھا جس میں رکھ کر انہوں نے روغن حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تحفہ پہنچایا تھا۔ اس برتن کی خاصیت یہ ہو گئی کہ جتنی مرتبہ بھی ان کے لڑکے روغن مانگتے وہ اس برتن میں سے دے دیتیں اور روغن اس میں سے کبھی کم نہیں ہوتا۔ ایک مرتبہ غلطی سے انہوں نے سب گھی انڈیل دیا۔ اور لڑکوں کو دے دیا۔ اس وقت سے پھر روغن اس برتن میں نہیں رہا۔ اسی پر رسول اللہ صلعم نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم اس میں سے روغن سب نہ انڈیل دیتیں بلکہ تھوڑا سی گھی چھوڑ دیتیں تو وہ قیامت تک اسی طرح باقی رہتا اور استعمال میں آتا رہتا۔

حضرت نے فرمایا کہ ایک درویش نے مجھ کو ایک خرما بھیجا کہ اس کو شیرینی کے برتن میں رکھ دیا جائے۔ وہ برتن شیرینی سے کبھی خالی نہ ہو گا۔ واقعی ایسا ہی ہوا اور وہ برتن جس میں خرما رکھ دیا گیا تھا کبھی شیرینی سے خالی نہ ہوتا۔ پھر میں نے دل میں سوچا کہ یہ تو بڑی بات

ہے۔ میرے حال کے مناسب نہیں میرے لیے تو یہ بہتر ہے کہ کبھی خالی ہو اور کبھی بھرا ہوا۔ میں نے یہ سوچ کر اس برتن سے خرما نکال کر کسی لڑکے کو دے دیا۔ پھر میری طرف متوجہ ہو کر حضرت نے فرمایا کہ میرا ایک دوست تھا اس کو ایک درویش نے ایک چیتل (نام سکہ) دیا تھا کہ اس کے رکھنے سے تھیلی کبھی خالی نہ ہوگی۔ ایک مرتبہ اس کی تھیلی میں جو کچھ تھا میں نے سب لے لیا اور اس سے کہا کہ بیٹھ جاؤ دیکھو وہ تھیلی خود بہ خود کسی طرح بھر جائے گی۔ اچانک اس کا ایک معتقد اس جگہ پہنچ گیا۔ اس نے آتے ہی میرے دوست کا پیر چوما اور پانچ سونے کا ٹنکہ اس کے سامنے نذر گزارا۔

پھر حضرت اقدس نے فرمایا کہ ہمارے خواجہ کے دوستوں میں سے ایک صاحب مولانا مودود نام کے کیتھل سے تشریف لائے۔ انہوں نے فرمایا کہ روزانہ ایک شخص میرے دروازہ پر آکر سلام کرتا اور فوراً چلا جاتا۔ اور گھر کے طاق میں سے جس جگہ میں نماز پڑھتا تھا مجھے روزہی ہاتھ ڈالنے سے ریزگاری (یعنی دوانی، چوانی وغیرہ) مل جاتی تھی۔ ایک مرتبہ حسب دستور جب انہوں نے میرے در پر آکر سلام کیا۔ تو میں نے کہا کہ حضرت یہ کیسی بات ہے آپ دروازہ ہی سے واپس ہو جاتے ہیں اور مجھے ملاقات کا شرف نہیں بخشتے۔ اس کے بعد سے نہ وہ آدمی ہی کبھی دروازہ پر آئے اور نہ مجھے طاق سے خوردہ (ریزگاری) ملا۔ حاضرین میں سے ایک نے کہا کہ ان بزرگ کی برکت سے ریزگاری کم نہیں ہوتی تھی۔

حُبِّ الٰہی کی وضاحت

تھوڑی دیر کے بعد حُبِّ الٰہی کے سلسلے میں بات چھڑ گئی حضرت اقدس نے فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت ذوالنون مصریؒ وعظ کہہ رہے تھے۔ حاضرین میں سے ایک شخص اٹھا اور اس نے محبت کے بارے میں سوال کیا۔ حضرت ذوالنون مصریؒ نے فرمایا کہ بیٹھ جاؤ اور انتظار کرو یہاں تک کہ دریائے محبت جوش میں آجائے۔ پھر میں تمہیں جواب دوں گا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک اور شخص اٹھا اور اس نے اللہ سے محبت کے بارے میں سوال کیا۔ حضرت ذوالنون مصریؒ پر ایک کیفیت طاری ہوگئی۔ آپ نے فرمایا محبت دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک تو مخلوق کی محبت مخلوق کے ساتھ اور دوسری مخلوق کی محبت خالق کے ساتھ۔ مخلوق کی محبت مخلوق کے ساتھ تو تم نے اکثر دیکھا اور سنا ہے، باقی رہی مخلوق کی محبت خالق کے ساتھ یہ کہہ کر ہاتھ گریبان تک لے گئے۔ خرقہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ سینہ پر ہاتھ مارا اور نعرہ

لگا کر کہا یہ ہے مخلوق کی محبت خالق کے ساتھ اور اس سے زیادہ میں نہیں کہہ سکتا۔ یہ کہہ کر حضرت اقدس آب دیدہ ہو گئے اور فرمایا حضرت ذوالنون مصریؒ خوش بیان تھے جو کچھ کہا خوب کہا اور سچ یہ ہے کہ اس سے زیادہ اور کیا کہہ سکتے تھے۔

روز دوشنبہ ۲۴ رجب ۸۰۲ھ

ایک مرتبہ دستر خوان بچھنے کے وقت ایک گویا آگیا۔ اور گانے لگا۔ میں اس کو لے کر حضرت کے سامنے آگیا اور عرض کیا کہ یہ مطرب عجیب وقت شناس ہے حضرت نے تبسم فرمایا اور قصہ بیان کیا کہ صوبہ اودھ میں شہر سے باہر ایک درزی رہتا تھا اس کی عادت یہ تھی کہ جہاں کسی کے یہاں دستر خوان بچھا وہ موجود ہو گیا۔ یہاں تک کہ لوگ دستر خوان بچھا کر اس کے آنے کا انتظار کرنے لگے تھے کہ اب وہ آچلا اور ٹھیک وہ اسی وقت پہنچ جاتا تھا۔ ایک بزرگ نے فرمایا بڑا صاحب کشف تھا۔ وہیں پر ایک طالب علم بھی موجود تھا اس نے کہا بھئی یہ تو خوب کشف ہے۔ حضرت خواجہ نے یہ سن کر تبسم فرمایا۔

ظالم حاکم سے ملک کی بربادی یقینی ہے

اسی روز عشاء کی نماز کے وقت ظالموں کے ظلم وجور کی کثرت کی وجہ سے ملک کی بربادی کی بات نکل آئی حضرت اقدس نے فرمایا ایک سال کے بعد میرانبار محصول ولایت کے ساتھ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ساتھ میں بہت سے فاضل تحفے بھی حضرت علی رضؓ کے لیے لایا۔ حضرت علی رضؓ نے سوال کیا کہ یہ تو ولایت کا مال ہوا لیکن یہ اتنے سارے تحفے تو کہاں سے لایا؟ تو نے عوام پر ظلم وجور نہ کیا تو پھر یہ دولت تجھے کہاں سے ملی؟ تمہیں گورنری سے معزول کیا جاتا ہے میرانبار نے کہا اے علی رضؓ یہی وجہ ہے کہ معاویہؓ نے آپ سے مقابلہ اور سرتابی کی۔ اس لیے یہ تو معلوم ہے کہ اللہ تعالےٰ نے دنیا کو دو ستون پر قائم کیا ہے۔ ایک سچائی کا ستون ہے اور دوسرا باطل کا۔ آپ چاہتے ہیں کہ ساری دنیا کو ایک حق کے ستون پر قائم رکھیں۔ پھر وہ کس طرح ٹھہرے گا۔ حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا تو نے بڑی حکمت اور دانائی کی بات کہی اسی وجہ سے گورنری تجھ کو واپس کرتا ہوں۔ لیکن آئندہ سے ایسی حرکت ہرگز نہ کرنا۔

تو غرض جس طرح حضرت علیؓ ساری دنیا کو ایک حق کے ستون پر قائم رکھنا چاہتے تھے اسی طرح آج کے ظالم اور جفاکش لوگ چاہتے ہیں کہ ساری دنیا کو ایک باطل کے ستون پر قائم رکھا جائے اور اسی وجہ سے صحیح طور پر کام انجام نہیں پاتے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دوستوں کے اوصاف

اسی سلسلے میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور ان کے اصحاب کی فضیلت کے بارے میں بات نکل آئی۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ایک شخص نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ان کے دوستوں کی بابت دریافت کیا کہ آپ اپنے اصحاب کے اوصاف ہم سے بیان فرمائیے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا کہ کس کے متعلق پوچھتے ہو۔ ان لوگوں نے کہا کہ حضرت عمارؓ کے متعلق۔ ارشاد ہوا کہ وہ ایسا مومن ہے کہ ایمان اس کے منہ تک بھرا ہوا ہے۔ ان لوگوں نے پھر پوچھا۔ اچھا سلمانؓ کے بارے میں کیا خیال ہے؟ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اس کے پاس دنیا و آخرت دونوں کا علم ہے۔ ان لوگوں نے پھر پوچھا اور حذیفہؓ کے بارے میں، حضرت علیؓ نے فرمایا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راز دار ہے۔ اور منافقین کا علم بھی رکھتا ہے۔ آخر میں ان لوگوں نے سوال کیا کہ اور آپ یا امیر المومنین۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ہاں میں سمجھ گیا تم یہی پوچھنا چاہتے تھے لوگوں نے کہا جی ہاں بجا ارشاد ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میں جو کچھ مانگتا ہوں وہ مجھے ملتا ہے اور خاموش رہتا ہوں تو وہ خود مجھ سے کلام فرماتا ہے کہ میں کچھ اس سے مانگوں۔ قوت القلوب میں لکھا ہے کہ یہی محبوب کا مقام ہے۔

رقص و سرود کی صلاحیت اور اچھی صورت ذلیل آدمیوں کو عطا ہوتی ہیں۔

پھر بات گانے اور اچھی صورت کے بارے میں نکل گئی۔ حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں چیزیں ذلیل آدمیوں کو عطا کی ہیں۔ اور دونوں چیزوں سے سرِّ الٰہی ظاہر اور نمایاں ہیں لیکن وہ خود ان سے محروم رہتے ہیں۔ گانا ذلیل اور فرومایہ لوگوں کو عطا ہوتا ہے اور اچھی صورت ایسے بدکار اور آوارہ لوگوں کو ملتی ہے جن کو نظر بھر کر دیکھا بھی نہیں جا سکتا۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں کہ اگر روپیہ نجاست اور گندگی میں ڈال کر ان سے کہا جائے کہ دانت سے نکال لو تو وہ نکال لیں گے۔ جو چند پیسوں کے لیے منہ کو گندگی سے بھرلے اس کو

عقل، مروت، ہمت، دین اور شرم وغیرہ سے کیا واسطہ اور اس میں اچھائی کہاں سے ہوسکتی ہے

وفاداری بشرط استواری اصل ایمان ہے

پھر حضرت مخدوم نے فرمایا کہ حضرت شیخ فرید الدین عطار کے پیر شیخ امین الدین ؒ سات سو مریدوں کے ساتھ شہر سے باہر سفر کے لیے نکلے۔ راستہ میں ان کی نظر ایک نصرانی لڑکی پر پڑ گئی۔ وہ اس کے پیچھے لگ گئے۔ رفتہ رفتہ سات سو مریدوں میں سے ہر ایک منتشر ہو گئے۔ اور کبیدہ خاطر ہو کر ادھر ادھر ٹل گئے۔ وہ فرنگن لڑکی روزانہ سور چرانے کے لیے باہر نکلتی تھی۔ اور شیخ اس کے ساتھ ہو جاتے تھے اور اس سے کھیل تفریح کرتے تھے۔ حضرت خواجہ فرید الدین عطار کو جب یہ واقعہ معلوم ہوا تو وہ اپنے پیر کی خدمت میں آئے۔ دیکھا کہ پیر فرنگن لڑکی کے ساتھ کھیل تفریح میں مشغول تھے۔ حضرت عطار نے یہ دیکھ کہ دور ہی سے سر زمین پر رکھ دیا۔ اور پر انے ادب و احترام پر قائم رہے۔ شیخ امین الدین کچھ دنوں میں اس فرنگن لڑکی کے ساتھ ایسا گھل مل گئے کہ قریب تھا کہ وہ عیسائی مذہب قبول کر لیں۔ اور اس لڑکی کو حاصل کرنے کے لیے اپنے مذہب سے بھی پھر جائیں۔ حضرت فرید الدین عطار کو بہت سخت تشویش لاحق ہو گئی کہ اب وہ کیا کریں جس دوسری صبح کو شیخ امین الدین کو عیسائی بنانا تھا اس شب کو حضرت فرید الدین عطار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ وہ تشریف لا رہے ہیں۔ حضرت رسالت پناہ صلعم نے جواب دیا کہ امین الدین کی مدد کے لیے آیا ہوں۔ اس بیان سے ظاہر ہو گیا کہ شیخ امین الدین کا انجام بخیر ہی ہو گا۔ صبح کے وقت جائے متعینہ پر سب لوگ جمع ہوئے کہ عیسائی بنانے کی رسم پر عمل کیا جائے اور شیخ امین الدین کو عیسائی مذہب میں شامل کیا جائے کہ یکایک خواجہ فرید الدین عطار آگے بڑھے کہ جو کچھ میرے شیخ کے ساتھ تم لوگ کرنا چاہتے ہو میرے ساتھ بھی کرو۔ کیونکہ یہ میرے پیر ہیں۔ جو کچھ یہ ہوں گے وہی میں بھی ہوں گا۔ لوگ ان کی بات سن کر بہت پیچ و تاب میں پڑ گئے اور کہنے لگے کہ جس قوم میں ایسی وفاداری ہے اسے کوئی ان کے مذہب سے روگرداں نہیں کر سکتا۔ اور پھر اس فرنگن لڑکی کو بلا شرط ان کے حوالہ کر دیا۔ وہ مسلمان ہو کر ان کے ساتھ رہنے لگی۔ درویشوں کی درویشی کا معاملہ سمجھ میں نہیں آتا۔

روز دوشنبہ ۲۵ رجب ۸۰۲ھ

اہل بیت کی فضیلت

ایک سید حضرت مخدوم کی خدمت میں حاضر ہوئے - اہل بیت کی فضیلت پر بات چھڑ گئی حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ایک رات حضرت خواجہ حسن بصری حرم سے متصل کعبہ میں عبادت میں مشغول تھے - کعبہ کی چھت سے کسی کی آواز آرہی تھی - کعبہ کی چھت پر چونکہ کوئی آ جا نہیں سکتا اس لیے ان کو خیال آیا کہ پتا چلانا چاہیے کہ کون شخص اوپر موجود ہے اس خیال کے تحت وہ چھت پر گئے دیکھا کہ ایک آدمی زمین سے چمٹا اس طرح پڑا ہوا ہے جیسے زمین پر کوئی پانی سے بھیگا کپڑا پڑا ہوا ہو - اور وہ زار زار رو رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ اے خداوند کریم! مجھے نہیں معلوم کہ میرا انجام کیا ہوگا، میرے اس معدہ کو دوزخ کی آگ سے بھر دیا جائے گا یا نہیں - اس جسم کو دوزخ کی آگ میں جلایا جائے گا یا نہیں، ان آنکھوں کو دوزخ کی آگ دکھلائی جائے گی یا نہیں، اور اس حلق کو دوزخ کے تھوہڑ کا مزا چکھائے گا یا نہیں - اور اسی طرح کی باتیں کہہ کہہ کہ اللہ کے حضور نالہ وزاری کر رہا ہے - خواجہ حسن بصریؒ نے اپنے دل میں کہا کہ پتہ نہیں کون گنہگار اور بدکردار شخص ہے جو موقع نکال کہ اس طرح گریہ وزاری کر رہا ہے - اوپر جانے کے بعد وہ کھڑے رہے اور یہ سوچ کر کہ اس شخص کی گریہ وزاری میں مخل نہیں ہونا چاہیے - واپس ہو گئے کہ جب یہ خود سے نیچے اترے گا دیکھ لیں گے کہ یہ کون شخص ہے - جب وہ شخص چھت سے نیچے اترا تو حسن بصریؒ آگے بڑھے دیکھا کہ یہ تو امیر المومنین حضرت حسین علیہ السلام ہیں - وہ چیخ مار کر ان کے قدموں سے لپٹ گئے - اور عرض کیا کہ اے فرزند رسول خدا! آپ کی عظمت اور بزرگی تو اتنی زیادہ ہے کہ بیان نہیں کی جا سکتی - اور اگر یہ نہ بھی ہوتی تو کیا فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کے لیے کافی نہیں ہیں، علیؓ کافی نہیں ہیں، خود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کافی نہیں ہیں؟ یہ سن کر امیر المومنین حسین علیہ السلام کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو گئیں اور فرمایا - اے حسن! سنو، جس روز کہ یہ آیت وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ[1] نازل ہوئی

---

[1] ڈراؤ اپنے قریبی رشتہ داروں کو - یعنی تبلیغ کرو۔

پیغمبر علیہ السلام نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلا کر فرمایا کہ "اے فاطمہ بنت رسول! اپنے نفس کو دوزخ سے خود بچا۔ اس لیے کہ میں اللہ کے معاملے میں تیرے واسطے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں۔ یعنی میرا رسول اللہ ہونا کل قیامت کے دن تجھے کوئی فائدہ نہ پہنچا سکے گا۔" پھر امیرالمومنین امام حسین علیہ السلام نے فرمایا کہ اے حسن! جب باپ محمدؐ کی رسالت فاطمہ رضی اللہ عنہ کو فائدہ نہ پہنچا سکی تو علی رضی اللہ عنہ کے باپ ہونے اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ماں ہونے سے مجھے کب فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ یہ سُن کر خواجہ حسن بصریؒ زار زار رونے لگے کہ جب فاطمہ کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسے باپ اور حسین علیہ السلام کو علیؓ اور فاطمہؓ جیسے ماں باپ سے فائدہ نہیں پہنچ سکتا تو حسن لولوی کس شمار میں ہے اور اس کا کہاں ٹھکانا ہے

خوف الٰہی اور عبادت و ریاضت میں غلو اہل بیت کا طرہ امتیاز ہے۔

پھر حضرت مخدوم نے فرمایا کہ اہل بیت میں دو چیزیں عام طور پر پائی جاتی ہیں اور ان سے کسی کو بھی خالی نہ دیکھو گے ایک تو خوف خدا، دوسرے عبادت و طاعت الٰہی۔ اس میں کوتاہی ان میں سے کسی میں نہیں دیکھی جاتی۔

اپنے نفس کی سرکشی سے کبھی بے خوف اور غافل نہ رہو

پھر حضرت مخدوم نے فرمایا کہ اپنے نفس سے کسی شخص کو بے خوف نہیں ہونا چاہیے چنانچہ اس بارے میں امیرالمومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ایک عجیب واقعہ منسوب ہے۔ ایک روز وہ اپنے گھر کے دروازے کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ ہوا بہت گرم چل رہی تھی۔ لوگوں نے ان سے عرض کیا کہ امیرالمومنین آپ گھر کے اندر کیوں نہیں چلے جاتے۔ آپ نے جواب دیا کہ "بچوں کی ماں گھر میں نہیں ہیں۔ اور میری لڑکی گھر میں تنہا ہے۔ میں مناسب نہیں سمجھتا کہ گھر میں لڑکی کے تنہا ہوتے ہوئے میں اندر جاؤں۔" اس قصہ کی تہہ تک پہنچنا بہت مشکل ہے۔ لیکن اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ بہت محتاط اور نفس سے خائف رہنے والے انسان تھے۔

عشاء کی نماز کے وقت حضرت شیخ جلال الدین تبریزیؒ کا ذکر نکل آیا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ وہ مرد کامل اور ایک کامل شیخ کے مرید بھی تھے۔ ان کے پیر ابوسعید تبریزیؒ تھے اور وہ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے ساتھ بھی بہت صحبت رکھتے تھے۔ انہوں نے گرچہ

گمنامی ،مسکینی اور گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی لیکن وہ جہاں کہیں جاتے کوئی نہ کوئی کرامت ان سے ضرور ظاہر ہو جاتی ۔ سید علاؤ الدین چنوری کا بیان کردہ واقعہ مولانا شہاب الدین ، امام شیخ نظام الدین کی زبانی میں نے سنا ہے کہ ایک دن وہ شیخ الاسلام حضرت قطب الدین کی زیارت کے لیے گئے اور شیخ کے مزار اقدس کے پاس بیٹھے ۔ قبر سے آواز آئی کہ اے سید مجھ کو تم مردہ سمجھ رہے ہو اگر میں زندہ ہوتا تو کیا تم اس طرح بیٹھ سکتے تھے ۔ وہ فوراً قبر سے ہٹ کر بیٹھ گئے اور دل میں بہت متاثر ہوئے کہ مجلس مشائخ میں ان کے بیٹھنے کی کوئی جگہ نہیں ہے ۔

اس کے بعد حضرت مخدوم نے یہ قصہ بیان کیا کہ ایک مجلس میں حضرت شیخ قطب الدین بختیار کاکیؒ ، مولانا حمید الدین ناگوریؒ ، شیخ فرید الدین گنج شکرؒ اور شیخ جلال الدین شریک تھے ۔ مجلس سماع جمی ہوئی تھی ۔ شیخ قطب الدین پر بہت زیادہ کیفیت طاری تھی ۔ وہ بار بار دالان سے صحن میں آجاتے تھے اور مولانا حمید الدین ناگوری شیخ کے قدموں پر بچھے جاتے تھے ۔ شیخ نے بابا فرید الدین گنج شکر کی طرف اشارہ کیا انہوں نے جلدی سے مولانا کا سر اٹھا لیا ۔ شیخ جلال الدین پر بھی وجدانی کیفیت تھی وہ دالان کی ایک دیوار سے دوسری دیوار تک اس طرح دوڑ رہے تھے کہ کسی کو درمیان سے گزرنے کی مجال نہ تھی ۔ ابھی حضرت مخدوم قصہ یہاں تک کہہ پائے تھے کہ کھانے کا وقت آگیا اور دسترخوان بچھ گیا ۔ لیکن سب لوگ کھانا چھوڑ کر شیخ کی طرف متوجہ رہے ۔ حضرت مخدوم کو جیسے ہی یہ بات معلوم ہوئی آپ نے فرمایا جاؤ کھانا کھاؤ ، غرض وہ قصہ پورا نہ ہو سکا اور سب لوگ تشنہ رہے لیکن خاص عنایت اور مہربانی جو اس کمترین پر حضرت مخدوم کو تھی اس بنا پر کھانا کھانے کے بعد خلوت خاص میں حضرت مخدوم نے وہ قصہ مجھے سنایا لیکن کچھ سوالات کرنا رہ گئے اور اس کی مجال نہ تھی ۔

روز سہ شنبہ ۲۶ رجب المرجب ۸۰۲ھ

باپ کے شیخ ہونے سے بیٹا شیخ نہیں ہو سکتا اس کو اپنا عمل درکار ہے ۔

ظہر کی نماز کے وقت یہ کمترین خدمت اقدس میں حاضر تھا ۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ مشائخ کے فرزندوں سے

بھی عجیب حرکت ہوتی ہے۔ صرف باپ کے انتقال کر جانے سے وہ شیخ بن جاتے ہیں۔ لیکن یہ نہیں جانتے کہ اس مرحوم باپ نے کتنی بھوک پیاس برداشت کی ہوگی اور صحرا میں تنہا رہ کر عبادت وریاضت اور مجاہدہ کیا ہوگا تب اس مرتبہ پر پہنچے ہوں گے، اس دولت سرمدی سے ہم کنار ہوئے ہوں گے۔ اور ان کو خلافت اور اجازت ملی ہوگی۔ اگر وہ شیخ بھی بغیر اس ریاضت اور مجاہدہ کے شیخ ہوئے تو ان کو بھی شیخ نہیں کہا جا سکتا۔ صرف چند رکعت نفل تہجد، اشراق اور چاشت کی نماز پڑھ لینے سے کوئی شیخ نہیں ہو جاتا بلکہ اور تاریکی میں چلا جاتا ہے۔ صرف باپ کی وجہ سے شیخ ہو جانا تو عجیب شیخی نظر آتی ہے۔

پھر فرمایا کہ سلوک کی بعض کتابوں میں الذی یاکل ولیشرب خیر من الذی لا یاکل ولا یشرب (ترجمہ۔ جو کھاتا پیتا ہے وہ نہیں کھانے پینے والے سے زیادہ اچھا ہے) آیا ہے لیکن یہ کام مرشد کامل اور آزمودہ کار سالک کا ہے۔ بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ کوئی طالب حق اچھا کھانے، اچھا پہننے، آرام سے سونے اور مختلف نوع کی نعمتوں سے متمتع ہونے کے باوجود صوفیا کے بلند مقامات اور مقاصد تک پہنچ جاتا ہے۔ لیکن صحیح راستہ یہی ہے کہ مجاہدہ اور ریاضت کے بعد منزل تک پہنچے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی کا اول ہی حال میں دل روشن اور ہوا وہوس کی کدورت سے نفس پاک ہوتا ہے۔ اور تھوڑے ہی مجاہدہ اور ذکر ومراقبہ سے وہ کامیاب ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ مجاہدہ کا مقصد بھی تو صفائی دل اور تزکیہ نفس ہی ہے جب دل صاف اور نفس پاک ہے تو پھر بہت زیادہ مجاہدہ کی ضرورت نہیں رہتی۔ اور اگر اس کے باوجود کوئی مجاہدہ اور ریاضت کامی کرتا رہے تو کیا کہنے ہیں۔

راہ سلوک میں نااہل کا گذر نہیں اس میں صادق ہی کامیاب ہو سکتے ہیں۔

پھر حضرت مخدوم نے فرمایا کہ اگر کوئی نااہل اس راہ سلوک میں قدم رکھ دیتا ہے تو اسے بڑی فضیحت ہوتی ہے اور وہ اس میں کامیاب نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس راہ میں صادق ہی کامیاب ہو سکتا ہے۔ صوفیا کے یہاں کچھ علامتیں مقرر ہیں جن سے وہ اہل اور نااہل کی تمیز کر لیتے ہیں۔ ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں ایک آدمی کو زہد وتقوے اور باطنی صفائی میں بہت شہرت حاصل تھی ابو یزیدؒ

اس کو دیکھنے کے لیے گئے اتفاق سے وہ آدمی اپنے گھر سے مسجد جا رہا تھا چلتے چلتے قبلہ کی طرف منہ کر کے اس نے تھوک دیا۔ ابو یزیدؒ نے فرمایا" جس کے اعضا و جوارح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں اور آداب کے ساتھ خوگر اور عادی نہیں ہوئے ہیں وہ اپنے دعویٰ بزرگی میں کیسے صادق ہو سکتا ہے۔" اور اسی جگہ سے وہ بلا ملاقات کیے واپس چلے گئے۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی کے ملنے کا طریقہ۔

پھر حضرت مخدوم نے فرمایا کہ حضرت شیخ قطب الدین کا لوگوں سے ملنے کا طریقہ کار یہ تھا کہ وہ دروازہ اور اپنا منہ بند کر کے کار الٰہی میں غرق ہو جاتے تھے۔ آنے والوں کا جب ہجوم بہت زیادہ ہو جاتا تھا تو خدام بہت دشواری سے آپ کو اشارے سے خبر کرتے تھے کہ لوگوں کا ہجوم شرف ملاقات کے لیے بہت زیادہ ہو گیا ہے۔ پھر وہ اشارہ ہی سے اندر آنے کی اجازت دے دیتے تھے۔ جب مشتاقان دید سامنے آکر کھڑے ہو جاتے تو وہ ایک نظر سب پر ڈال کر خادم کو ایک کوزہ میں پانی لانے کے لیے فرماتے۔ اس پانی کو کوئی پی پاتا کوئی نہیں پیتا پھر فوراً فاتحہ کے لیے ہاتھ اٹھاتے اور اس کے بعد اشارے ہی سے لوگوں کو رخصت کر دیتے۔

ایک آیت کی تفسیر

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ جب آیت اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ (ترجمہ جس شخص کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لیے کھول دیا وہ اپنے پروردگار کے عطا کیے ہوئے نور پر ہے) نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شرح صدر مذکور کا حال پوچھا گیا کہ یہ کیا چیز ہے تو حضرت نے ارشاد فرمایا کہ وہ ایک نور ہے جو دل میں ڈال دیا جاتا ہے۔ پھر پوچھا گیا کہ اس نور کی علامت اور نشانی کیا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ اس کی نشانی جہان پر غرور سے الگ رہنا اور ملک آخرت کی طرف رجوع کرنا، اور مرنے سے پہلے موت کے واسطے تیار رہنا ہے۔

عارف صادق کے تمام معاملات کا سرچشمہ تجلیات ہے

پھر حضرت مخدوم نے فرمایا کہ عارف

صادق کے تمام معاملات کا سرچشمہ تجلیات ہے۔ جو کرنیکی کے راستے پر سینہ تان کر چلتا ہے وہ کسی اور ہی تجلی سے دوچار ہوتا ہے اور جو مسکینی، عاجزی اور گمنامی میں سر جھکا کر چلتا ہے اس کے تجلی کا مصدر کچھ اور ہی ہوتا ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے تمام غلاموں کو جمع کر کے عزیمت اور اہتمام سے پوچھا کہ میرے عیوب کو میرے منہ پر بیان کرو ان لوگوں نے ان کی بڑی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ آپ میں سب بات تو اچھی ہے لیکن ایک عیب ہے جس کو ہم بیان نہیں کر سکتے۔ حضرت امام جعفر صادق نے فرمایا بتاؤ وہ کیا ہے۔ ان لوگوں نے کہا آپ میں تھوڑا غرور کا مادہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تم لوگوں نے صحیح کہا مجھ میں غرور تھا لیکن اب وہ غرور ختم ہو گیا اور اس کی جگہ حق کی بڑائی نے لے لی۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے سوال کیا کہ حق تعالیٰ کہتا ہے الکبریاءُ ردائی والعظمت ازاری فمن نازعنی فیھا ادخلتہ النار۔ حضرت مخدوم نے فرمایا سبحان اللہ امام جعفر صادقؒ نے فرمایا ہے کہ میرا غرور چلا گیا اس کو منازعت سے کیا نسبت۔

عشاء کی نماز کے وقت بھی اسی موضوع پر بات چھڑی۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ حضرت ابو سعید ابو الخیرؒ نے ابو محمد جوی اشعریؒ کی عیادت کے لیے جانے کا ارادہ کیا حضرت کے خادم خاص حسن مؤدب نے عرض کیا کہ ان کو آپ سے اعتقاد نہیں ہے شاید آپ کے سامنے وہ نامناسب بات زبان سے نکال دیں۔ اس درخواست کے باوجود حضرت نے ارادہ فسخ نہیں کیا۔ اور پالکی میں سوار ہو کر روانہ ہو گئے۔ حسن مؤدب نے احتیاطاً ایک آدمی کو ابو محمد جوی اشعری کے پاس آگے بھیج دیا کہ انہیں اطلاع ہو جائے کہ شیخ ان کی مزاج پرسی کے لیے تشریف لا رہے ہیں۔ اطلاع ملتے ہی انہوں نے کہا کہ اس ملحد (یعنی ابو سعید ابو الخیرؒ) کو کہو کہ میرے پاس کیوں آ رہا ہے گرجا گھر جائے۔ حسن مؤدب نے ابو محمد جوی اشعری کے الفاظ شیخ تک پہنچا دیے۔ شیخ نے فرمایا کہ پالکی کو کلیسا کی طرف موڑ دو۔ ساتھی اور خدام یہ سن کر حیران رہ گئے۔ شیخ نے کلیسا میں جا کر عیسےٰ علیہ السلام کے مجسمہ کی طرف دیکھ کر فرمایا "کیا تم نے لوگوں سے کہا ہے کہ معبود حقیقی کو چھوڑ کر مجھے اور میری والدہ کو خدا بناؤ۔ اور اگر تم نے ایسا نہیں کہا تھا تو خدا کو ابھی سجدہ کرو۔" تمام مجسمے دیوار سے زمین پر گر گئے۔ اور قبلہ رو ہو کر سجدہ ریز ہو گئے۔ راہبوں میں سے سات سربرآوردہ راہب نے اسی وقت شیخ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ حضرت ابو سعید ابو الخیرؒ نے اپنے ساتھیوں کی طرف

مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم لوگوں نے دیکھ لیا نا! میں نے بزرگی کا لحاظ رکھا اس سے کیسی خیر و برکت ظاہر ہوئی۔

اس کمترین نے عرض کیا کہ آج شب معراج ہے

شب معراج میں پڑھنے کی نمازیں اور وظائف

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ اس موقع پر ایک سلام سے بارہ رکعت نماز پڑھی جاتی ہے۔ اور یہ میرے خواجہ نے مجھ سے کہا تھا۔ اگرچہ کنز میں لکھا ہے کہ ایک سلام سے آٹھ رکعتوں سے زیادہ پڑھنا مکروہ ہے۔ لیکن بعض کتابوں میں اس سے زیادہ بھی آیا ہے چنانچہ مسبوط میں دیکھو اور مولانا ظہیر الدین نے اپنے قلم سے جو حاشیہ میں مکتوب لکھا ہے اس کو دیکھو لکھا ہے کہ "مصلی کے لیے آٹھ رکعتوں سے زیادہ کو ایک سلام سے پڑھنا مستحب ہے جس قدر چاہے زیادہ کرے۔" لیکن اس کمترین نے دیکھا کہ ماہ رجب کی اول شب جو کہ جمعہ کی رات تھی۔ حضرت مخدوم نے نماز لیلۃ الرغائب ادا کی۔ اور وہ روزہ سے نہیں تھے۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ مجھے اپنے خواجہ کی خدمت میں بھی ایسا اتفاق ہوا تھا۔ ماہ رجب کے اول شب جمعہ کو نماز کے لیے شب بیداری کی جاتی ہے۔ اور اس موقع پر روزہ ضمنی ہے۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے وظائف کی کتاب کے کئی نسخے ملتے ہیں لیکن ان میں صحیح اور قابل اعتماد نسخہ حضرت مخدوم کے پاس موجود ہے اس میں روزہ کا ذکر بالکل نہیں ہے۔

اسی درمیان میں خواجہ التماس، جنہیں حضرت مخدوم سے عقیدت اور محبت تھی لیکن وہ مرید دوسرے سے تھے، شرف قدمبوسی کے لیے آئے۔ ان کے سامنے حضرت مخدوم نے یہ قصہ بیان کیا کہ مولانا احمد اور ان کے ایک دوست حضرت خواجہ سے دوسری مرتبہ مرید ہوئے اور حضرت خواجہ کو معلوم نہ تھا کہ یہ دونوں مولانا برہان الدین کے خلیفہ مولانا زین الدین دولت آبادی سے مرید ہو چکے تھے۔ لیکن اب مرید ہونے کے بعد معلوم ہونے سے کیا ہوتا ہے یہ وہ رشتہ نہیں ہے کہ ایک مرتبہ قائم ہونے کے بعد فسخ ہو جائے۔

اس درمیان میں حضرت سیدی ابو المعالیؒ نے اس کمترین کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ مولانا شمس الدین یحییٰ کی تصنیف شرح مشارق میں لکھا ہے کہ کسی نبی کو جماہی نہیں آتی تھی۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ دوسری انسانی کمزوریاں جو اس سے زیادہ خراب اور قبیح ہیں جیسے بول و براز کرنا ان سے جب وہ مبرا نہیں تھے تو پھر یہ کیونکر ممکن ہے۔ لیکن جب

آپ روایت بیان کر رہے ہیں تو پھر میں کیا بول سکتا ہوں۔ پھر فرمایا کہ ہمارے خواجہ کو شب بیداری کی وجہ سے جمائی سے بہت تکلیف ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ مولانا برہان الدین غریب کے خلیفہ سید نصیر الدین کے گھر میں ہمارے خواجہ سماع سُن رہے تھے اس اثنا میں ان کو جمائی آتی رہی اور وہ اس حال میں بھی سنتے رہے۔

روز چہار شنبہ ۲۷ رجب ۸۰۲ھ

ایک آیت کریمہ کی تفسیر

اس آیت کریمہ یاایّھا الذین آمنو لا تکونو کالّذین آذو موسیٰ۔ کی تفسیر بیان کرتے وقت حضرت مخدوم نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کو منجملہ اور ایذا کے ایک اذیت یہ بھی پہنچائی گئی کہ ان پر ہارونؑ کے قتل کا اتہام لگایا گیا اور اس کا قصہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ پہاڑ کے کنارے ایک لشکر نمودار ہوا۔ دونوں بھائی پہاڑ کے اوپر چڑھ گئے۔ وہاں ایک اونچی مسطح اور آرام دہ جگہ ان کو مل گئی۔ ہارون علیہ السلام نے وہاں لیٹنا چاہا اور موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ خیال رکھیے گا یہاں دشمن نہ آجائے جو ہم لوگوں کی تکلیف کا باعث ہو۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا میں خیال رکھوں گا تم آرام اور سکون سے لیٹو۔ ہارون علیہ السلام اس جگہ لیٹ گئے۔ غایت [illegible] اور خوشی کی وجہ سے ان کی حرکت قلب بند ہوگئی اور وہ انتقال کر گئے۔ فرشتوں نے بچھاون سمیت ہارون علیہ السلام کو آسمان پر پہنچا دیا۔ موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم میں واپس آگئے اور یہ قصہ بیان کیا۔ بنی اسرائیل چونکہ ہارون علیہ السلام کو ان کی مروت اور تواضع کی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ پسند کرتے تھے اس لیے ان لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام پر الزام لگایا کہ تم نے ہارون کو قتل کر دیا ہے اور پھر ان سے جنگ کرنے کے لیے بھی تیار ہوگئے۔ ان لوگوں نے ان کو تین روز کی مہلت دی۔ تیسرے روز فرشتے ہارون علیہ السلام کو زندہ ان کے سامنے لے آئے۔ اور ہارون علیہ السلام نے اپنی زبان سے کہا کہ مجھے آسمان پر لے جایا گیا

لہ (ترجمہ) اے ایمان والو ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اذیت دی تھی۔

ہے۔ موسیٰ نے نہیں مارا ہے۔ ایک دوسری روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ فرشتے ان کو اسی طرح مردہ حالت میں زمین پر لے آئے اور موسیٰ کی قوم نے اچھی طرح معائنہ کرنے کے بعد فیصلہ کیا کہ یہ اپنی فطری موت سے مرے ہیں کسی نے انہیں مارا نہیں ہے۔

بہترین صدقہ وہ ہے جو دل کے غنا کی وجہ سے ہو

اس حدیث خیر الصدقة ما کان عن ظہر غنیٰ

(بہترین صدقہ وہ ہے جو دل کے غنا کی وجہ سے ہو) کو بیان کر کے حضرت مخدوم نے فرمایا کہ خواجہ ابوسعید ابوالخیر کو ایک رات وقفہ[1] ہو گیا تھا۔ انہوں نے بارگاہِ ایزدی میں منت مانی کہ اگر آج کی رات وقفہ زائل ہو جائے تو صبح کو جو کچھ فتوحات آئیں گے میں خیرات کر دوں گا۔ خوش قسمتی سے دُعا قبول ہوئی اور وقفہ زائل ہو گیا۔ صبح سویرے ایک شخص ایک ہزار دینار فتوح کے طور پر لایا۔ شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ نے اس کو روک لیا۔ حسن مؤدب خادم خاص نے چاہا کہ اس میں سے کچھ لے کر قرض ادا کر دے اور کچھ دوسرے ضروری خرچ میں لائے۔ لیکن شیخ نے اجازت نہ دی۔ اور تھوڑی دیر کے بعد فرمایا کہ اس کو لے جاؤ اور سب سے پہلے تمہاری ملاقات جس شخص سے ہو اس کو یہ سب دے دو۔ حسن مؤدب باہر نکلے۔ نکلتے ہی ان کی نظر ایک اندھے پر پڑی جو حجام سے بیٹھا خط بنوا رہا تھا۔ حسن مؤدب اس کے پاس آئے اور وہ سب دینار اس کے حوالہ کرتے ہوئے کہا کہ حضرت خواجہ شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ نے یہ سب تمہارے لیے بھیجا ہے۔ اندھے نے حجام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ اے بھائی! میں نے تم سے کہا تھا کہ اللہ کے واسطے میرا خط بنا دو۔ تم نے اللہ کے واسطے میرا یہ کام کر دیا۔ اب غیب سے یہ تمہارے لیے تحفہ آیا ہے۔ اسے لے لو۔ خواجہ حسن مؤدب نے کہا اے جناب! یہ ہزار دینار سونے کے ہیں۔ حجام نے کہا کہ جناب والا! آپ ہی بتائیے، کیا یہ مناسب ہوگا کہ جس کام کو تم نے خالصتاً للہ کیا ہو اس کو ہزار دینار لے کر مکدر کر دیں۔ خواجہ حسن مؤدب نے کہا تمہاری نیت تمہارے ساتھ ہے یہ مزید تمہارے لیے فتوح آیا ہے۔ وہ اندھا کھڑا ہو گیا اور اسی وقت اس زمین کو جس پر وہ بیٹھا ہوا تھا خرید کر اس پر حمام تعمیر کروایا اور اللہ کے نام

---

[1] تصوف کی اصطلاح میں اس کو کہتے ہیں جو راہِ سلوک میں ایک جگہ ٹھہر جائے۔ آگے نہ چل سکے۔

پر اس کو وقف کر دیا۔

اسی درمیان میں قوالوں نے گانا شروع کیا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ہمارے مشائخ صوفیائے عاشق مزاج تھے۔ لیکن شیخ شہاب الدین اور ان کے پیرو کار، بزرگان، عارف تھے۔ لیکن عشق کی دنیا کچھ اور ہی چیز ہے۔ ایک مرتبہ اپنے خواجہ کی خانقاہ میں میں تھا۔ بالاخانہ پر سوائے خواجہ حسن، مولانا شہاب الدین کنتوری اور محمد کار مطرب کے طائفہ کے اور کوئی نہ تھا خواجہ اس طرح رقص کر رہے تھے کہ پوری چھت ہل رہی تھی جب سماع سے فارغ ہوئے تو مجھے اپنے پاس بلایا تمام حاضرین کو رخصت کیا۔ اور فرمایا میں اس سے زیادہ نہیں کہہ سکتا تھا۔

روز پنجشنبہ ۲۸ ماہ رجب سنہ ۸۰۲ھ

رسول اللہ صلعم اور اہل بیت کا فقر اور ان کی سادہ زندگی۔

عشاء کی نماز کے وقت یہ کمترین خدمت اقدس میں حاضر تھا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیلولہ فرما رہے تھے۔ حضرت سلمان ان کی نگہبانی کر رہے تھے۔ عمر رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔ سلمان نے کہا رسول اللہ قیلولہ فرما رہے ہیں۔ وہ واپس چلے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر تشریف لائے۔ سلمان نے وہی جواب دیا۔ صحابہ کو ایک گھنٹہ بھی بغیر رسول اللہ کے قرار نہیں ملتا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر تشریف لائے سلمان نے وہی جواب دیا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اب میں کیا کروں مجھے تو رسول اللہ صلعم کو دیکھے بغیر ایک گھڑی بھی صبر نہیں آتا۔ ان دونوں میں یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیلولہ سے بیدار ہو گئے۔ اور اپنی جگہ پر بیٹھ گئے۔ پھر فرمایا: سلمان دروازہ پر کون ہے سلمان نے جواب دیا عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ان کو اندر بھیج دو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھجور کے پتے کی چٹائی پر قیلولہ فرما رہے تھے۔ اور چونکہ اس پر دری یا کوئی کپڑا اچھا ہوا نہ تھا اس لیے، پوری پیٹھ اور پہلو پر آنحضرت صلعم کے نشان ہو گیا تھا۔ ایک کونے میں نصف صاع جو رکھا ہوا تھا۔ یہ حالت دیکھ کر عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف دیکھ کر فرمایا کس بات پر رو رہے ہو عمر؟

عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ قیصر و کسریٰ جو دشمنانِ خدا ہیں ان کو تو دنیا کی ساری

نعمتیں میسر ہیں اور آپ۔ جو کہ اللہ کے حبیب اور نبیوں میں افضل ترین ہیں وہ اس حال میں ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابن خطاب! کیا تم اس سے راضی نہیں ہو کہ ان کے واسطے دنیا فانی ہے اور ہمارے واسطے آخرت ابدی ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ میں راضی ہوں یا رسول اللہ۔

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ رسول اللہ کے گھر میں دو چیز بہت زیادہ تھی۔ ایک خدا ترسی اور دوسرے خدا پرستی۔ پھر حضرت مخدوم نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت یہ تھی کہ جب وہ سفر کے لیے نکلتے تو سب سے آخر میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ سے رخصت ہوتے اور جب سفر سے واپس آتے تو سب سے پہلے مسجد میں جا کر دو رکعت نماز پڑھتے۔ اور پھر فاطمہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات کرتے۔ ایک مرتبہ وہ سفر سے واپس آئے اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں داخل ہوئے تو ان کے گھر میں دیوار گیر لگا ہوا دیکھ کر فوراً واپس ہو گئے۔ یہ دیوار گیر بطور سجاوٹ کے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے والد بزرگوا کے آنے کی خوشی میں لگائے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ اس طرح واپس ہونے سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا زار و زار رونے لگیں کہ معلوم نہیں مجھ سے کیا جرم سرزد ہو گیا کہ بابا جان بے رخی سے، واپس ہو گئے۔ ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں دو زانو بیٹھ کر انگلیوں کو گھما کر زمین پر مارتے تھے اور فرماتے تھے مالی وللدنیا۔ مالی وللدنیا۔ اس درمیان میں رسول اللہ کے ایک غلام رافع ابن حذیفہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے یہاں اتفاق سے پہنچے۔ انہوں نے فاطمہؓ کو روتا دیکھ کر اس کا سبب پوچھا۔ فاطمہؓ نے کہا کہ رسول اللہ ابھی میرے گھر تشریف لائے تھے اور بغیر بات کیے اُلٹے پاؤں واپس ہو گئے۔ رافع بن حذیفہ نے کہا ان دیوار گیروں کو بھی حضورؐ نے دیکھا تھا، فاطمہؓ نے جواب دیا ہاں دیکھا تھا رافع ابن حذیفہ نے پوچھا آپ نے پہلے بھی کبھی دیوار گیر لگایا تھا۔ فاطمہؓ نے جواب دیا موقع کہاں تھا رافع ابن حذیفہ نے کہا آپ رسول اللہ کی بیٹی ہیں آپ کو ان زیبائش اور عیش دنیا سے کیا مناسبت۔ فاطمہ نے فرمایا اس کو رسول اللہ کی خدمت میں لے جاؤ اور کہو کہ فاطمہؓ نے درخواست کی ہے کہ اسے بیچ کر راہ خدا میں خیرات کر دیا جائے۔ رافع نے اس دیوار گیر کو مسجد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لا کر رکھ دیا اور کہا کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے درخواست کی ہے کہ اسے بیچ کر راہِ خدا میں ضرورت مندوں کو دے دیا جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہو گئے اور فرمایا "بے شک فاطمہ نے ویسا ہی کیا جیسا کہ میں خیال کرتا تھا۔ آخر میری بیٹی ہی ہے۔" اور پھر اسے بیچ کر راہِ خدا میں خیرات کر دیا۔ ایک بار اور بھی ایسا ہی واقعہ ہوا تھا۔ وہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہؓ کے ہاتھ میں چاندی کا کنگن دیکھ لیا۔ فوراً اُلٹے پاؤں فاطمہ کے گھر سے واپس ہو گئے۔ اور مسجد میں بیٹھ کر مالی وللدنیا کہنے لگے۔ اس موقع پر بھی رافع ابن خدیفہ ہی فاطمہ کے گھر پہنچ گئے تھے اور جب انہیں معلوم ہوا کہ فاطمہ کے ہاتھ میں کنگن دیکھ کر رسول اللہ صلعم رنجیدہ ہو کر واپس ہو گئے ہیں تو پھر حضرت فاطمہ رضؓ کے کہنے کے مطابق انہوں نے وہ کنگن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا دیا کہ اسے فاطمہؓ نے بیچ کر ضرورت مندوں کے درمیان تقسیم کر دینے کے لیے بھیجا ہے۔ اس موقع پر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی جملہ فرمایا تھا یعنی فاطمہؓ نے وہی کیا جیسا میں خیال کرتا تھا۔ کیوں نہ ہو وہ میری بیٹی ہی تو ہیں۔ اور پھر اس کنگن کو بیچ کر غربا میں تقسیم کر دیا۔ لیکن ہم لوگوں کا اس کے برخلاف عجیب حال ہے۔ چاہتے ہیں کہ ہماری لڑکیاں سونے چاندی اور موتی میں غرق رہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی صاحبزادی کے ساتھ یہ نورو یہ تھا اور ہم لوگوں کا اس کے برخلاف ایسا۔ پھر دونوں کا مقابلہ کیا۔

رسول اللہ صلعم کے زمانے میں دین چراغ کی طرح تھا

دین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک ایسے چراغ کی طرح تھا جس کے چاروں طرف لوگ سب کچھ صاف اور کشادہ دیکھتے تھے، جب رسول اللہ صلعم کا وصال ہوا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا تو وہ چراغ ایک قدم دُور ہو گیا اور پھر عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اس سے بھی زیادہ دُور ہو گیا یہاں تک کہ نوبت یہ پہنچ گئی کہ سب لوگ دُور سے چراغ کو جلتا دیکھتے تھے لیکن اس چراغ سے نزدیک ہونے اور اس سے روشنی لینے کی خواہش کسی کے دل میں نہیں ہوتی تھی۔

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ اگر کسی کو دوست رکھتے ہو تو ہمیشہ اس کی رضا جوئی، خدمت اور اطاعت میں رہو۔ اور جو چیز تم کو اس سے دُور کر دینے والی ہو اس سے دُور رہو۔

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ کے پاس پیغام بھیجا۔ انہوں نے انکار کیا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے

قسم کھا کر یقین دلایا کہ یہ پیغام از دواج شہوت کی بنا پر نہیں ہے بلکہ میں ابو بکر رضؓ کے اندرون خانہ احوال سے واقف ہونا چاہتا ہوں۔ پھر وہ راضی ہو گئیں۔ جب یہ دونوں یک جا ہوئے تو عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ ابو بکر رضؓ گھر میں رات کس طرح گزارتے تھے۔ زوجہ محترمہ نے جواب دیا کہ وہ تہائی رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گزارتے تھے اس کے بعد گھر آتے کچھ پڑھتے اور عبادت کرتے پھر تھوڑی دیر میری طرف مخاطبت فرماتے اور مجھے وقت دیتے۔ آدھی رات سے اُٹھ کر وضو کرتے اور گھر کے صحن میں نماز میں مشغول ہو جاتے۔ اس وقت ایسی خوشبو پھیلتی جو گلاب و عنبر، مشک اور کافور میں بھی نہیں پائی جاتی۔ جب صبح ہوتی تو وہ ایک آہ کھینچتے اور اس وقت ایسی بو محسوس ہوتی جیسے سڑے ہوئے گوشت کے ٹکڑے سے پیدا ہوتی ہے عمر رضی اللہ عنہ رونے لگے اور فرمایا تمام رات وہ اپنے محبوب حقیقی کے ساتھ مشغول رہتے اور جب صبح ہوتی تو ان کا سروکار عوام اور مخلوق خدا سے ہو جاتا۔ اس وقت آہ فراق کھینچنے سے جگر سوختہ کی بو پھیلتی ہو گی۔

خواجہ عبداللہ مبارک کے تائب ہونے کا واقعہ

خواجہ عبداللہ مبارک کے توبہ کرنے کے بارے میں دو قصے مشہور ہیں۔ حضرت مخدوم نے ان میں سے ایک کو اس طرح بیان فرمایا کہ خواجہ عبداللہ تمام دن دوستوں کے ساتھ شراب و کباب اور لہو و لعب میں مشغول رہتے تھے۔ اتفاق سے ایک مرتبہ شراب ختم ہو گئی۔ خواجہ عبداللہ تمام دوستوں میں زیادہ ہوشیار تھے اس لیے شراب لانے کے لیے سبھوں نے ان ہی کو کہا۔ وہ روانہ ہو گئے۔ راستہ میں ان کی معشوقہ کا گھر ملتا تھا انھوں نے وہاں پہنچ کر مخصوص آواز میں اس کو پکارا۔ وہ گھر کے دروازہ پر آگئی اور دونوں راز و نیاز میں مشغول ہو گئے۔ اچانک مؤذن نے اذان دی۔ خواجہ عبداللہ نے چونک کر کہا بہت ناوقت ہو گیا۔ عشاء کی نماز کا وقت ہو گیا۔ میرے دوست سب میرے منتظر ہوں گے۔ معشوقہ ہنسی اور بولی کہ اے احمق یہ صبح کی اذان ہو رہی ہے عشاء کی اذان نہیں ہے۔ ان کے دل میں اچانک یہ بات آئی کہ اگر یہ انہماک اور مشغولیت جو دنیا سے مجھے ہے اے کاش یہ خدا تعالیٰ سے ہوتی تو کتنا اچھا ہوتا۔ اور پھر انھوں نے اسی جگہ اسی وقت صدق دل سے توبہ کی اور اللہ کی طرف مشغول اور متوجہ ہو گئے۔

زمانہ قدیم میں سلوک آسان تھا اب بہت مشکل ہے

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ زمانہ قدیم میں سلوک بہت آسان تھا۔ اس لیے کہ تمام پیشہ ور، کاریگر اور دوکان دار اللہ کی طرف متوجہ رہتے تھے۔ اور راہ حق کے سالکوں میں سے ہوتے تھے۔ خواجہ سری سقطیؒ اگرچہ پنساری کی دوکان رکھتے تھے لیکن ساتھ ہی سبزی بھی بیچتے تھے۔ اور یہی حال خواجہ ابوالحسن نوری کا بھی تھا ایک مرتبہ خواجہ سری سقطیؒ نے دو رطل حلوا ساٹھ درم میں خریدا۔ اور پانچ درم اپنے نفع کا رکھ کر انہوں نے اس کی قیمت پینسٹھ درم رکھی۔ ایک دلال اس کو خریدنے کے لیے پہنچا۔ اس نے اس کی قیمت ستر درم لگائی اور کہا کہ میں اسے ستر درم میں خریدنے کو تیار ہوں۔ خواجہ سری سقطیؒ نے فرمایا کہ میں نے اس کی قیمت پینسٹھ درم رکھی ہے۔ اس دلال نے کہا کہ یہ تو سستا ہے۔ آج کل اس کی قیمت ستر سے کم نہیں ہے۔ اس لیے اتنا سستا یعنی پینسٹھ درم میں کس طرح خرید لوں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نہ خواجہ نے ستر درم میں اس کو بیچا اور نہ اس دلال نے پینسٹھ میں خریدا۔ اور وہ دلال واپس ہو گیا۔ خواجہ سری سقطیؒ کے لیے تو خیر پانچ درم کوئی وزن نہیں رکھتا تھا لیکن اصل دیکھنا تو دلال کو ہے کہ اس زمانہ میں خریدنے والوں اور بیچنے والوں کا کیا حال تھا۔ قوت القلوب میں ہے کہ ایک وہ زمانہ بھی تھا جب لوگ بازار آتے تو شحنہ اور بازار کے عہدے داروں سے پوچھتے کہ دوکان داروں میں کس کے ساتھ معاملہ کروں۔ سب یک زبان ہو کر کہتے تھے کہ جس کے ساتھ چاہو کاروبار اور معاملہ کرو۔ یہ سب کے سب دیانت دار اور ایمان دار لوگ ہیں۔ پھر وہ زمانہ آیا کہ وہی لوگ پوچھنے پر بتاتے کہ سب سے معاملہ کر سکتے ہو صرف فلاں فلاں سے نہ کرنا۔ یہ دور بھی گزر گیا اور پھر وہی بازار کے عہدے دار ہدایت کرنے لگے کہ سوائے فلاں فلاں شخص کے علاوہ کسی کے ساتھ معاملہ نہ کرو۔ پھر وہی بزرگوار آگے چل کر لکھتے ہیں کہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ زمانہ نہ آجائے جس میں لوگ کہیں کہ کسی کے ساتھ قطعی معاملہ نہ کرو۔ پھر حضرت مخدوم نے فرمایا کہ افسوس یہی وہ زمانہ ہم لوگوں کا ہے۔ جس میں سلوک بہت مشکل ہے۔ اور گناہوں سے بچنا بہت زیادہ دشوار۔ دین اسلام اپنے پورے جمال و کمال پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں تھا۔ اس کے بعد خلفائے راشدین نے بھی اس راستہ پر قدم جمائے رکھا۔ یہاں تک کہ تابعین اور تبع تابعین تک کچھ کچھ یہ سلسلہ رہا۔ لیکن ان کے بعد دین جو در حقیقت تھا، نہ رہا۔ آج کل ہم جو دین اور

اہل دین کا قصہ بیان کرتے ہیں تو لوگ اس کو افسانہ اور کہانی کی طرح سنتے ہیں، اور صرف ہائے ہائے کرتے ہیں۔ لیکن کسی کے دل میں یہ توفیق نہیں ہوتی کہ ہمیں بھی کچھ کرنا چاہیے اور اس طرح رہنا چاہیے۔ پھر کھانے کا وقت آ گیا۔ کھانے کے بعد حضرت مخدوم نے اپنا ہاتھ تلوے پر ملا اور فرمایا کہ امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ہم لوگوں کا رومال اور تولیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں پیر کا تلوا تھا۔

روز جمعہ ۲۹ ماہ رجب ۸۰۲ھ

یہ کمترین نماز کے بعد خدمت اقدس میں حاضر تھا۔ دنیا کی خراب حالت اور اس کے انجام کی خرابی پر بات چھڑ گئی۔ حضرت مخدوم نے فرمایا "دنیا میں کوئی خوبی نہیں اس کے ترک کرنے میں خوبی ہے۔" دنیا میں کوئی کام بھی جو انسان کرتا ہے وہ بغیر جزا اور ثواب کے نہیں ہوتا۔

یہ اور بات ہے کہ آج نبی صلی اللہ علیہ وسلم موجود نہیں ہیں جو اس کی خبر دیں۔ ایک مرتبہ امیر المومنین حسن رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیادت کے لیے تشریف لائے اور علی اور فاطمہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ تم لوگ نذر مانو کہ اگر حسن علیہ السلام صحت یاب ہو جائیں تو تم لوگ تین تین روزے رکھوگے۔ حضرت فاطمہ رض، امیر المومنین علی رض، امام حسن اور حسین علیہ السلام اور ان لوگوں کی ایک لونڈی فضہ ان پانچوں نے نذر مانی کہ صحت ہونے پر ہم لوگ تین تین روزے رکھیں گے۔ اللہ کی مہربانی سے صحت ہو گئی صحت کے بعد پہلے روز جو ان لوگوں نے روزہ رکھا تو گھر میں افطار کے لیے کچھ نہ تھا۔ امیر المومنین علی رض نے نصف صاع جو قرض لایا۔ اور ان کی پانچ روٹیاں پکائیں اور ہر ایک کے سامنے ایک ایک رکھ دی گئی۔ افطار کے وقت روٹی کا ٹکڑا منہ میں ڈالنا ہی چاہتے تھے کہ یکایک ایک سائل نے دروازہ پر آواز لگائی کہ اللہ ایک مسکین کو کھانا کھلانے والے پر رحم کرے گا۔ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے اپنی روٹی اس کو دے دی۔ ان کی پیروی میں بقیہ چاروں نے بھی اپنی اپنی روٹی اس سائل کے حوالے کر دی۔ دوسرے دن پھر ان پانچوں نے روزہ رکھا۔ افطار کے لیے نصف صاع جو قرض لایا، پانچ روٹیاں پکائیں۔

یہ لوگ نوالہ منہ میں ڈالنا ہی چاہتے تھے کہ ایک سائل نے سوال کیا کہ ایک یتیم کو کھانا کھلانے والے پر اللہ رحم کرے گا۔ امیر المومنین علیؓ نے اپنی روٹی اس کو دے دی اور پھر چاروں نے ان کی پیروی کی۔ تیسری رات کو بھی یہی واقعہ ہوا یعنی روزہ افطار کرنے کے وقت ایک سائل نے آواز لگائی کہ ایک قیدی کو کھانا کھلانے والے پر اللہ رحم فرمائے گا۔ پانچوں نے پھر اپنی روٹیاں اس کو دے دیں۔ چوتھے دن صبح کو حضرت علیؓ بچوں کی صحت کی خبر دینے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف روانہ ہوئے تین روز کے مسلسل فاقہ کی وجہ سے چلنے کی طاقت نہیں رہی تھی قدم ڈگمگا رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھ کر اس ناتوانی کا سبب پوچھا۔ آپ نے سب واقعہ بیان کر دیا۔ رسول اللہ نے فرمایا کہ بشارت ہو تم لوگوں کو کیونکہ ابھی ابھی جبرئیل علیہ السلام یہ آیت کریمہ بطور وحی لے کر آئے تھے ویطعمون الطعام علی حبہ مسکیناً و یتیماً و اسیراً۔ (ترجمہ وہ لوگ خدا کی محبت میں غریب اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں) فضہ کنیز نے بھی ان لوگوں کی پیروی میں یہ فضیلت پائی کہ اس کا ذکر قرآن مجید میں آگیا۔ غرض جو شخص کوئی کام کرتا ہے اس کو اس کی جزا ملنا ضروری ہے۔ یہ اور بات ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم موجود نہیں ہیں جو خبر کریں۔

حضرت مخدومؒ کے بیعت لینے کا طریقہ

اسی درمیان میں ایک شخص نے مرید ہونے کی درخواست کی۔ حضرت مخدوم نے اس کی درخواست منظور کی۔ بیعت لینے کا طریقہ یہ ہوا کہ حضرت مخدومؒ نے اپنے دائیں ہاتھ کو اس کے ہاتھ پر رکھ دیا اور اپنے پنجہ سے اس کا پنجہ پکڑ لیا۔ حضرت مخدوم کا ہاتھ اوپر تھا اور طالب کا نیچے۔ پھر حضرت مخدوم نے فرمایا کہ اس ضعیف، اس ضعیف کے خواجہ اور خواجہ کے خواجہ اور سلسلے کے تمام مشائخ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے عہد کرو کہ تم اپنی آنکھ اور زبان کو قابو میں رکھو گے۔ شرع پر عمل پیرا ہو گے۔ کیا تمہیں یہ عہد کرنا منظور ہے۔ اس نے کہا جی ہاں قبول ہے۔ پھر حضرت نے الحمد للہ رب العالمین کہہ کر قینچی اٹھائی۔ اللہ اکبر کہہ کر دائیں کان کے نیچے سے اور کچھ بائیں کان کے نیچے سے بال تراش لیا۔ پھر اللہ اکبر کہہ کر چار گوشہ والی ٹوپی سر پر رکھ دی۔ اور فرمایا کہ دو رکعت نماز ادا کرو۔ جب وہ نماز پڑھنے لگا تو آپ نے فرمایا کہ اس آدمی نے اگر صدق دل سے توبہ کی ہے تو اس کا نام توبہ کرنے والوں

کی فہرست میں اللہ کے نزدیک لکھا جائے گا اور کل روز محشر میں ان لوگوں کے درمیان یہ اٹھایا جائے گا اور اس کو جزائے خیر عطا ہو گا اس میں کوئی شبہ نہیں جب وہ نماز پڑھ چکا تو سب سے پہلے آپ نے پانچوں وقت باجماعت نماز ادا کرنے کی ہدایت کی۔ پھر جمعہ کی نماز اور جمعہ کے روز غسل کرنے کی تاکید کی۔ کہ سوائے عذر شرعی کے کبھی ترک نہ ہو۔ پھر مغرب کی نماز کے بعد چھ رکعت نماز تین سلام کے ساتھ اس ترکیب کے ساتھ پڑھنے کی ہدایت فرمائی کہ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد تین بار سورہ اخلاص پڑھا جائے۔ اس کے علاوہ دو رکعت نماز تحفظ ایمان کے لیے پڑھی جائے اس طرح کہ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سات مرتبہ سورہ اخلاص ایک بار قل اعوذ برب الفلق اور ایک بار قل اعوذ برب الناس پڑھا جائے۔ سلام پھیرنے کے بعد سر بہ سجود ہو کر تین بار یا حیّ یا قیوم ثبتنی علی الایمان کہا جائے اور ہر عشاء کی نماز کے بعد دو رکعت نماز اس ترکیب سے پڑھی جائے کہ رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد دس بار سورہ اخلاص پڑھا جائے۔ اور سلام کے بعد ستر مرتبہ یا وھّابُ یا وھّابُ یا وھّابُ پڑھا جائے۔ اور ہر مہینہ کی تیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخ کو روزہ رکھا جائے۔ یہ پہلی ہدایت ہے جو دی جا رہی ہے۔ اسے ذہن نشین کر لو۔ اگر کوئی شخص فوجی ہونا چاہتا ہے تو اس کو زرہ بکتر، قبا، کمان اور ڈھال تلوار رکھے بغیر چارہ نہیں ہے۔ اسی طرح طالب علم کے لیے دوات، قلم اور کاغذ رکھنا ضروری ہے اور صوفی ہونے کے لیے بھی ضروری ہے کہ کسی صوفی کا دامن تھام لے اور کوئی ایسی حرکت نہ کرے جو پشیمانی اور ندامت کا سبب ہو۔

روز شنبہ ۳۰ ماہ رجب ۸۰۲ھ

اس کمترین کو حضرت مخدوم کی مجلس میں حضوری کا شرف حاصل تھا۔ اس آیت کریمہ کو وسخرنا لسلیمان الریح غدوّھا شھرٌ ورواحھا شھرٌ (ترجمہ۔ ہم نے سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا کو تابع کر دیا تھا اس طرح کہ صبح کو ایک ماہ کے راستہ کی مقدار چلتی تھی اور اسی طرح شام کو ایک ماہ کے راستہ کی مقدار) کو پڑھ کر حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ان کی روح چونکہ پر شوق تھی اور دل طلب کی قوت کے ساتھ پرواز کرتا تھا اس لیے ایک ساعت میں وہ عرش تک پہنچ جاتے تھے۔ جیسا کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کے دوران

معراج ہوا تھا۔ وہ جب واپس آئے تو اس وقت تک لوٹے میں پانی کی حرکت ختم نہیں ہوئی تھی۔

پھر حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ایک دن شیخ الاسلام حضرت نظام الدین اولیا کو دس بار سے زیادہ غنودگی آئی اور بعض روایت میں ہے کہ تیرہ بار غنودگی آئی۔ امیر خسروؒ خدمت اقدس میں حاضر تھے۔ حضرت نظام الدینؒ اولیا نے فرمایا کہ خسروؔ میں ہر مرتبہ غنودگی کے دوران عرش پر جاتا رہا ہوں۔ میں نے ادب سے عرض کیا کہ امیر خسرو پر حضرت کی ایسی بے کراں عنایت ہے کہ اس طرح کی باتیں بھی ان سے کہہ دیتے ہیں۔ حضرت نے جواب دیا کہ ہاں ان کے ساتھ میرے مخصوص معاملات ہیں۔ اور وہ میرا پرانا یار ہے۔

حضرت مخدومؒ نے اپنے پیر کی شفقت کا ذکر فرمایا

ظہر کی نماز کے وقت حضرت مخدومؒ نے شیخ نصیر الدین چراغ دہلویؒ کی ان شفقتوں کا ذکر کیا جو وہ حضرت مخدوم کے ساتھ فرماتے تھے۔ بیان فرمایا کہ ابتدا میں میری خواہش ہوتی تھی کہ میں جلد جلد ملاقات کے لیے جاؤں لیکن نذرانہ کے لیے کچھ نہ ہونے کے باعث رک جاتا تھا اس لیے کہ بغیر نذرانہ کے پیر کی خدمت میں حاضر ہونا مناسب نہیں ہے۔ یہ بات میں نے اپنے والد سے سُنی تھی جو کہ حضرت شیخ نظام الدین اولیا کے دوستوں میں تھے اور حضرت نظام الدین اولیاؒ کے عقیدت مند احباب اکثر ان کے پاس آیا بھی کرتے تھے۔ میرے بڑے بھائی بھی عقیدت مند تھے۔ ان کو میں تکلیف دیتا تھا کہ وہ ملاقات کے لیے چلیں۔ ان کو چلنے میں دیر ہو جاتی تھی۔ ایک مرتبہ شیخ نصیر الدینؒ نے فرمایا کہ تم لوگ برابر دیر کر کے آتے ہو۔ اور مجھے افسوس ہوتا ہے۔ میں آج چاہتا ہوں کہ تم کو ایک قصہ سناؤں۔ میں پندرہ سولہ سال کا تھا۔ مجھے یہ سن کر بہت تعجب ہوا اور میں نے اپنے دل میں کہا سبحان اللہ اس سے بڑھ کر کیا خوش قسمتی ہو گی کہ خواجہ ہم سے کچھ قصہ بیان کرنا چاہتے ہیں۔ ایک بار اشراق کے بعد قدمبوسی کے لیے حاضر ہوا۔ حضرت خواجہ نے فرمایا کہ صبح کی نماز کے لیے جو وضو کرتے ہو وہ آفتاب طلوع ہونے تک باقی رہتا ہے۔ میں نے جواب دیا۔ جی ہاں! حضرت خواجہ کے صدقہ میں قائم رہتا ہے۔ حضرت خواجہ نے فرمایا بہت اچھی بات ہے اسی وضو سے اشراق بھی پڑھ لیا کرو۔ میں نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ حضرت خواجہ کے صدقہ میں پڑھتا ہوں۔ خواجہ نے فرمایا کہ ساتھ ہی دو رکعت شکر النہار و استعاذ اور استخارہ بھی پڑھ لیا کرو۔ میں برابر پڑھتا رہا۔ ایک دن حضرت خواجہ

نے فرمایا کہ دو رکعت اشراق کی نماز ادا کرتے ہو۔ میں نے جواب دیا جی ہاں۔ بلاناغہ ادا کرتا ہوں۔ حضرت خواجہ نے فرمایا اگر چار رکعت چاشت کی نماز بھی اس میں شامل کر لو تو بہتر ہو۔ میں برابر رجب کے مہینہ میں روزہ رکھتا تھا حضرت خواجہ نے ایک مرتبہ پوچھا کہ رجب کے ماہ میں روزہ رکھتے ہو۔ میں نے عرض کیا جی ہاں پورا مہینہ۔ پھر فرمایا شعبان میں بھی رکھتے ہو۔ میں نے عرض کیا نو دن۔ حضرت خواجہ نے فرمایا اکیس روزہ اور رکھ لو تو پورے تین ماہ کا تمہارا روزہ ہو جائے گا۔ میں نے عرض کیا خواجہ کے صدقہ میں میں رکھوں گا۔ یہ بات میں نے اپنی والدہ سے کہی وہ اس وقت تک شیخ سے مرید نہیں ہوئی تھیں وہ بہت خفا ہوئیں اور مجھے بہت کچھ بُرا بھلا کہا۔ میں نے عرض کیا آپ کے جو جی میں آئے کہیے لیکن یہ میرے شیخ کا حکم ہے میں اس سے پھر نہیں سکتا ہوں۔ رمضان کے بعد میں نے شش عید کا روزہ رکھا۔ اسی دوران میں میں قدمبوسی کے لیے گیا۔ حضرت خواجہ نے فرمایا کہ ہمارے خواجگان داؤدی روزہ نہیں رکھتے تھے ان لوگوں نے برابر صوم دوام رکھا ہے۔ تم بھی صوم دوام رکھو۔

دوا بذاتہ کوئی اثر نہیں رکھتی شافی حقیقی اللہ ہے۔

ایک مرتبہ مجلس میں بات دوا دارو پر نکلی۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ دوا بذاتہ کوئی اثر نہیں رکھتی۔ البتہ اللہ تعالیٰ مریض کے مقدر کی مناسبت سے اس دوا میں اثر پیدا کر دیتا ہے۔ اس طرح وہ دوا کارگر ہو جاتی ہے اور مریض صحتیاب ہو جاتا ہے۔ ورنہ دوا قسمت کے لکھے میں کوئی تبدیلی نہیں لا سکتی۔ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے ایک مرتبہ پوچھا کہ دوا علاج تقدیر میں تبدیلی لا سکتی ہے یا نہیں۔ جواب ملا نہیں۔ دوا نوشتہ تقدیر نہیں بدل سکتی۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا پھر طبیبوں کا حال کیا حال ہے۔ جواب ملا وہ اپنا رزق کھاتے ہیں اور میرے بندوں کے دلوں کو خوش کرتے ہیں۔ شیخ سعید کنبھایتی کے صاحبزادے مولانا عمر اس مجلس میں حاضر تھے انہوں نے عرض کیا کہ دوا علاج کرانا اچھا ہے یا نہ کرانا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ یدخل من امتی الجنۃ رجال بغیر حساب لا یتداوون ولا یکتوون وعلیٰ ربھم یتوکلون۔ یعنی میری امت میں سے وہ لوگ بے حساب جنت میں داخل ہوں گے جو دوا دارو نہیں کراتے اور اپنے رب پر بھروسا کرتے ہیں۔ حضرت مخدومؒ نے

فرمایا جو رسول اللہ نے کیا اور اس پر عمل پیرا رہے وہی بہتر ہے۔ کیونکہ بیان کیا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حالت میں وفات پائی کہ دوا کی ہانڈی جوش کھا رہی تھی۔ اس لیے اگرچہ ایک گروہ ترک دوا کو بہتر سمجھتا ہے لیکن ہم لوگوں کے لیے وہی بہتر اور مناسب ہے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل رہا۔

نبوت کے لیے شرافت اور اعلیٰ خاندان ضروری ہے ولایت کے لیے نہیں۔

عشاء کی نماز کے وقت غلام خواجہ قدم بوسی کے لیے حاضر ہوئے وہ بہت مخلص، معتقد اور معتبر آدمی تھے۔ حضرت مخدوم نے انہیں دیکھ کر فرمایا کہ نبوت سوائے شریف اور اصیل خاندان کے اور کسی میں نہیں رہی لیکن ولایت کے لیے اصیل اور شریف خاندان کی قید نہیں ہے۔ ہر گروہ اور ہر شریف خاندان میں تم اسے پاؤ گے۔ ولایت نبوت کا خلاصہ ہے۔ ہر نبی پہلے ولی اللہ ہوتا ہے پھر نبی ہوتا ہے۔ ابدال کے گروہ سے اگر ملاقات ہو تو تم دیکھو گے کہ ان میں دانشمند، دانش مند زادہ، شیخ اور شیخ زادہ وغیرہ نہیں ہوتے شاید ہی ان میں کوئی سید ہو۔ بلکہ ان میں زیادہ تر کپڑا سینے والے، چابک بنانے والے، کلال اور درزی ہوتے ہیں۔

عبداللہ مبارک کے تائب ہونے کا ایک دوسرا واقعہ

حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ عبداللہ مبارک کے توبہ کا سبب ایک یہ واقعہ بھی بتایا جاتا ہے کہ ایک غلام کو انھوں نے بازار سے معقول قیمت میں خرید کر گھر لایا اور اس سے کہا کہ اے غلام! تم کوئی کام کاج کر کے کچھ پیسے مجھے روز دے دیا کرو۔ اس غلام نے کہا کہ اے حضور! اگر آپ اپنی خدمت سے مجھ کو باز رکھیں اور ہر وقت خدمت میں حاضر رہنے کی پابندی میرے ساتھ نہ لگائیں تو میں روزانہ مغرب کی نماز کے وقت آپ کو ایک سونے کا دینار دے دیا کروں گا۔ خواجہ عبداللہ نے خوش ہو کر کہا مجھے اس سے زیادہ اور کیا چاہیے۔ اور پھر اسے اپنی خدمت سے معاف کر دیا۔ وہ غلام علی الصباح غائب ہو جاتا تھا اور روز مغرب کی نماز کے وقت ایک دینار اپنے آقا کے سامنے لا کر رکھ دیتا تھا۔ اس طرح کچھ روز گزر گئے۔ گھر والوں کو اس پر شبہ ہونے لگا۔ گھر والوں میں سے ایک نے آخر کہہ ہی دیا کہ یہ غلام چور ہے تمام دن غائب رہتا ہے اور رات کو گھر

آتا ہے۔ اور پھر جیسے ہی گھر والے سو جاتے ہیں وہ گھر سے نکل جاتا ہے اور پھر مغرب کی نماز کے وقت آجاتا ہے اور ایک دینار مالک کے ہاتھ پر رکھ دیتا ہے۔ ....

...... مالک کو بھی اس پر کچھ شبہ ہوا۔ اور وہ ایک رات کو حقیقت کا پتا لگانے کے لیے تیار ہو گیا۔ ظاہری طور پر تو وہ سو گیا لیکن دراصل وہ جاگتا رہا۔ غلام حسب معمول اٹھا اور دروازہ کی طرف بڑھا۔ خواجہ نے بھی اس کا پیچھا کیا۔ دیکھا کہ دروازہ کا تالا خود بہ خود کھل گیا اور غلام باہر نکل گیا۔ مالک بھی اس کے ساتھ باہر نکل گیا۔ دونوں کے نکلتے ہی دروازہ خود بہ خود بند ہو گیا اور پہلے کی طرح اس میں تالا بھی لگ گیا۔ مالک نے دل میں سوچا کہ غلام تو جادوگر معلوم ہوتا ہے۔ وہ دبے پاؤں اس کے پیچھے پیچھے چلتا رہا یہاں تک کہ غلام آبادی سے نکل گیا۔ مالک نے اپنے دل میں سوچا کہ معلوم ہوتا ہے یہ اپنے دوسرے چور ساتھیوں کے پاس جا رہا ہے۔ یہاں تک کہ وہ غلام ایک قبرستان میں پہنچ گیا۔ وہاں ایک قبر کے اندر گھس گیا۔ مالک نے گمان کیا معلوم ہوتا ہے یہاں اس نے خزانہ چھپا کر رکھا ہے۔ تھوڑی دیر تک وہ باہر کھڑا رہا پھر تجسس میں نزدیک آیا تو دیکھا کہ وہ قبر حجرہ کی طرح ہے اور اس میں ایک قندیل نورانی لٹکا ہوا ہے اور غلام کھڑا ہوا نماز پڑھ رہا ہے۔ اور اپنے خدا کے حضور ایسا غرق ہے کہ اسے تن بدن کا ہوش نہیں۔ مالک دبے پاؤں واپس ہو گیا اور دل میں اس نے خیال کیا کہ وقت برباد کرنے کا کیا فائدہ جب صبح ہوگی تو آجائیں گے۔ اور اس کے قدموں پر گر کر اپنی غلطی کی معافی چاہیں گے۔ صبح کے وقت مالک آہستہ آہستہ اس جگہ پہنچا دیکھا کہ وہ دربار ایزدی میں ہاتھ اٹھا کر اس طرح عرض کر رہا ہے۔ "خداوندا تو نے ایک کو میرا آقا بنا دیا ہے وہ مجھ سے روزانہ ایک دینار مانگتا ہے۔ میں کہاں سے لاؤں تو مجھے ایک دینار دے دے تاکہ میں اس کو دے دوں۔ اچانک ایک سونے کا دینار ہوا میں اڑتا ہوا اس کے ہاتھ پر رکھا گیا۔ مالک نے جب یہ معاملہ دیکھا تو وہ دوڑ کر اس کے قدموں سے پٹ گیا اور پوچھا کہ "تم کون ہو؟" اس نے جواب دیا "آپ کا غلام"۔ پھر اس نے مالک سے کہا "آپ نے سب کچھ دیکھ لیا؟" مالک نے کہا "ہاں، میں تمہاری حالت کی جستجو میں تھا اور میں نے سب کچھ دیکھ لیا۔" اس غلام نے کہا "اچھا تھوڑی دیر آپ مجھ سے علیحدہ ہو کر ٹھہریئے تاکہ میں اللہ کے دربار میں سجدہ شکر بجا لاؤں۔" اور پھر سجدہ میں گیا اور جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ٥ خواجہ

عبداللہ مبارک نے اسی وقت صدق دل سے توبہ کی اور اپنے اللہ کا فرماں بردار ہوگیا۔

روز یک شنبہ یکم شعبان ۸۰۲ھ

عمرؓ کے مشرف بہ اسلام ہونے کی دو روایتیں مشہور ہیں

ایک مرتبہ مذہب اسلام قبول کرنے کے سلسلے میں بات اس پر چل نکلی کہ اوائل حال میں جو شخص اپنے قبیلہ، خاندان، عزیز و اقربا ماں باپ اور احباب و انصار کی مخالفت اور عداوت کے باوجود اسلام قبول کرتا ہے وہ افضل ہے یا وہ جو مسلمان کے گھر پیدا ہوا، جس کے ماں باپ مسلمان تھے اور جس کو اسلام وراثت میں ملا حضرت مخدوم نے اس کو سمجھانے کے لیے امیر المومنین عمرؓ کے اسلام لانے کے واقعہ کو بیان فرمایا۔ حضرت نے فرمایا کہ عمر رضی اللہ عنہ کے مشرف بہ اسلام ہونے کے بارے میں دو روایت مشہور ہے ایک تو یہ کہ ایام جاہلیت میں وہ بہت شرابی اور جوا کھیلنے والے تھے۔ ایک روز شراب خانہ میں گئے تو شراب نہیں ملی ختم ہوگئی تھی۔ پھر جوا خانہ میں آئے تو جوا کھیلنے والے ساتھیوں کو نہیں پایا۔ جھلا کر انہوں نے کہا کہ میں آج بتوں اور اور اپنے اسلاف کا انتقام محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے لوں گا۔ وہ حرم کعبہ میں رات کو روز آتے ہیں اور اپنے خدا سے راز و نیاز اور عبادت میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ اندھیری رات میں میں وہاں پہنچ کر تلوار سے کام تمام کردوں تو کون جانے گا کہ کون تھا اور کس نے تلوار سے کام تمام کیا۔ چنانچہ ایک رات تلوار بغل میں لیے حرم کعبہ میں پہنچ گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت وہاں عبادت میں مشغول تھے۔ وہ کھڑے ہوگئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرآن پڑھنے کی آواز ان کے کان میں آئی اور وہ بہت اچھی معلوم ہوئی آواز اتنی پیاری اور لطیف تھی کہ جادو کی طرح کانوں کے ذریعہ ان کے دل میں اترتی چلی گئی پھر جو آیت کریمہ وہ پڑھ رہے تھے وہ خود نہایت فصیح و بلیغ تھی۔ اسی درمیان میں یکایک بجلی چمکی اور عمرؓ کی نظر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے مبارک پر پڑ گئی انہوں نے رسول اللہ صلعم کے چہرہ مبارک میں وہ جمال دیکھا کہ وہ اس جمال کے دلدادہ ہوگئے۔ اپنے دل میں انہوں نے کہا "خدا کی قسم ایسی دلکش آواز، فصیح کلام اور پیاری موہنی صورت والا

کبھی جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ وہ آدھی رات تک اپنے خدا کے حضور گریہ و زاری کرتا ہے۔ یہ سب کام واہیات اور بے ہودہ نہیں ہو سکتے۔" دل اسلام کی طرف مائل ہو گیا اور چاہا کہ اسی وقت جلد سے جلد قدموں پر گر کر مشرف بہ اسلام ہو جائیں۔ لیکن پھر سوچا کہ میں ان کا وقت کیوں خراب کروں معلوم نہیں وہ کس عالم میں ہیں۔ تھوڑی دیر انتظار کر لوں جب وہ خود فارغ ہو جائیں۔ اس وقت ان کے ہاتھ پر ایمان لاؤں۔ چنانچہ رسول اللہ صلعم جب فارغ ہوئے تو عمرؓ بھی ان کے پیچھے پیچھے چلے۔ راستہ میں رسول اللہ صلعم کے گوش مبارک میں کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ ان کو عمرؓ اور ابوجہل سے برابر کھٹکا لگا رہتا تھا اس واسطے کہ یہ دونوں اکابرین میں سے بھی تھے اور سخت دشمن بھی۔ رسول اللہ صلعم نے رک کر پوچھا "کون ہے؟" جواب ملا "میں ہوں عمر یا رسول اللہ"۔ عمرؓ کا نام سننے سے رسول اللہ صلعم کو کچھ کھٹکا تو ہوا لیکن لفظ رسول اللہ کے کہنے سے وہ کچھ جھجکے اور کھڑے ہو گئے۔ عمرؓ سامنے آ گئے اور کہا کہ آپ حق پر ہیں اے رسول اللہ۔ اور جو کچھ آپ فرماتے ہیں صحیح اور حق ہے۔ مجھے آپ اپنے دین میں شامل کر لیجیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے اور اسلام کی دعوت دی اور عمرؓ مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

ایک دوسری روایت ان کے اسلام لانے کی اس طرح بیان کی جاتی ہے کہ ابوجہل نے عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اے عمرؓ تم اتنے بہادر دلیر اور باحمیت ہو لیکن وہ تمام حمیت جو تم کو اپنے آباؤ اجداد اور بتوں سے ہے محمدؐ کے سامنے کہاں چلی گئی۔ عمرؓ نے طیش میں آکر کہا کہ آج وہ دن ہے کہ میری تلوار اور محمدؐ کی گردن ہو گی۔ چاہے جو کچھ ہو جائے لیکن میں اب ان کو مار کر رہوں گا۔ وہ وہاں سے سیدھے اپنے والد خطاب کے پاس پہنچے اور اپنے اس ارادے کا اظہار ان سے کیا۔ انہوں نے کہا ہاں یہی بہتر ہے۔ اس کے علاوہ ان سے چھٹکارے کی اور کوئی صورت نہیں۔ عمرؓ اس کام میں تعاون حاصل کرنے کے لیے اپنے داماد کے پاس گئے۔ وہ عمرؓ کی لڑکی یعنی اپنی بیوی کے ساتھ رسول اللہ پر ایمان لا چکے تھے۔ عمرؓ سے پوشیدہ زید حارثہ اس وقت آئے ہوئے تھے اور سورہ طٰہٰ کی چند آیتیں جو ابھی نازل ہوئی تھیں ان لوگوں کو پڑھا رہے تھے۔ عمرؓ کے وہاں آ جانے سے ان لوگوں نے اس کاغذ کے ٹکڑے کو چھپا لیا۔ اور ایک دوسرے سے علیحدہ ہو گئے۔ عمرؓ سمجھ گئے کہ یہ لوگ کچھ کام کر رہے تھے اور مجھ کو دیکھ کر جدا ہو گئے ہیں۔ انہوں نے فوراً پوچھا تم لوگ کیا کام کر رہے

تھے - ان لوگوں نے انکار کیا اور کہا کہ ہم لوگ کچھ نہیں کر رہے تھے - جب وہ بہ ضد ہو گئے تو پھر ان لوگوں کو کہنا ہی پڑا کہ چند آیتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ کی طرف سے ابھی نازل ہوئی ہیں زید حارثہ ہم لوگوں کو ان کی تعلیم دے رہے تھے - عمرؓ نے پوچھا کیا تم لوگ مسلمان ہو گئے ہو - ان کے داماد نے کہا جی ہاں، ہم لوگ مشرف بہ اسلام ہو چکے ہیں - یہ سنتے ہی عمرؓ غصہ سے پاگل ہو گئے اور اپنے داماد کو ٹپک کر اتنا مارا اتنا مارا کہ سر اور چہرہ سب زخمی ہو گیا اور سر سے پیر تک وہ خون میں نہا گئے - عمرؓ نے تھوڑا دم لیتے ہوئے زخمی داماد سے پوچھا کہ بتاؤ ابھی بھی تم اس دین کو چھوڑ کر اپنے باپ دادا کے دین میں واپس آنے کے لیے تیار ہو یا نہیں - انہوں نے جواب دیا - اے عمرؓ یہ دین وہ دین نہیں جو مصائب سے گھبرا کر لوگ اسے ترک کر دیں - تم مار رہے ہو اور میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہو رہی ہے کہ کاش میں تمہارے ہاتھ سے اسی دین پر مر جاتا - یہ سن کر عمرؓ کا ہاتھ رک گیا اور وہ دل میں سوچنے لگے کہ یہ عزم و استقامت کسی بے ہودہ اور واہیات کام میں پیدا ہو ہی نہیں سکتا - پھر انہوں نے اپنی لڑکی سے کہا کہ وہ کاغذ کا ٹکڑا مجھے دو میں پڑھ کر دیکھوں - ان کی صاحبزادی نے فرمایا کہ ابا جان، ہم لوگوں کے درمیان یہ طریقہ ہے کہ اس کاغذ کو بغیر وضو کے ہاتھ نہیں لگاتے - آپ کفر کی نجاست میں ڈوبے ہوئے ہیں میں آپ کو یہ کیسے دوں - اس بات سے بھی وہ بہت زیادہ متاثر ہوئے کہ اتنی سخت اور کھری بات میرے منہ پر میری لڑکی نے کہہ دی جو کبھی زبان نہیں کھولتی تھی - برداشت کر کے انہوں نے پھر پوچھا کہ اے لڑکی، وضو کیا ہوتا ہے - صاحبزادی نے بتایا کہ ہاتھ منہ اور پیر کو پانی سے دھونا اور سر کا مسح کرنے کو وضو کہا جاتا ہے - عمرؓ نے فرمایا اچھا تم ہی پڑھو میں سنوں گا - انہوں نے تلاوت شروع کی اور عمرؓ سنتے رہے - یکایک چیخ اٹھے "خدا کی قسم یہ انسان کا کلام نہیں ہے - محمدؐ کہاں ہیں مجھے ان کے پاس لے چلو تاکہ میں ان پر ایمان لاؤں کیونکہ ان کا دین برحق ہے -" ان لوگوں نے بتایا کہ وہ زید ارقم کے گھر میں اپنے صحابہ کے ساتھ بیٹھے کچھ باتیں کر رہے ہوں گے - عمرؓ اسی طرف روانہ ہوئے - وہ راستہ ہی میں تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر مل گئی کہ عمرؓ تلوار بغل میں دبائے چلے آرہے ہیں حضرت حمزہؓ نے اپنی تلوار نیام سے کھینچ کر سامنے رکھ دی اور فرمایا اگر وہ صلح صفائی کے ساتھ آرہے ہیں تو فبہا ورنہ عمرؓ کی گردن اور میری یہ تلوار ہو گی - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا۔ چچا جان! آپ اپنی تلوار نیام میں کر لیں۔ آپ عمرؓ سے نہ اُلجھیں میں جا لوں اور وہ جائیں۔ عمرؓ سامنے نمودار ہوئے، رسول اللہ نے ان کا استقبال کیا۔ اور اپنا دست مبارک عمرؓ کے سینے پر پھیرا۔ عمرؓ نے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک کو دیکھ کر فرمایا "خدا کی قسم یہ چہرہ کاذبوں جیسا ہرگز نہیں ہے۔" اور اس کے بعد فوراً وہ مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اندر لایا اور تمام صحابہ کے ساتھ بٹھلایا۔ اسی وقت جبرئیل علیہ السلام آئے اور فرمایا کہ اے رسول اللہ! آپ عمرؓ سے خدا کا یہ پیغام کہہ دیجیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو عمرؓ سے خوش ہوا میں بھی اس سے خوش ہوں اور جو ان کا مخالف ہوا بھی اس سے مخالف ہوں۔

پیر کی زندگی میں کسی دوسرے پیر کے پاس استعانت کے لیے جانا جائز ہے کچھ شرط کے ساتھ۔

ظہر کی نماز کے بعد حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ایک دن انہوں نے اپنے پیر حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلویؒ سے پوچھا کہ کیا مرید کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے پیر کی زندگی میں کسی مہم یا کام کے لیے اپنے پیر کو چھوڑ کر دوسرے پیر کے پاس جا کر اپنی حاجت بیان کرے۔ حضرت خواجہ نے فرمایا کہ اس کا تعلق اعتقاد سے ہے۔ یہ جائز تو ہے لیکن مرید کو چاہیے کہ جو نعمت بھی اس کو اس شیخ سے پہنچے وہ سب کو اپنے پیر کی طرف منسوب کرے اور دل میں خیال رکھے کہ یہ سب اپنے پیر........ .... ہی کے توسط اور سبب سے ہوا ہے۔ پھر حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلویؒ نے فرمایا کہ ہمارے شیخ خواجہ نظام الدینؒ فرماتے تھے کہ جب ہمارے پیر نے مجھ کو لوگوں سے بیعت لینے کی اجازت دی تو ہم شہر میں چلے آئے اور شیخ رسنؒ کے مقبرہ میں حوض رانی کے دروازہ سے باہر چلہ کش ہو گئے۔ اس روز ایک خدا کا بندہ اس جگہ پہنچا اور اس نے نیم کی ایک شاخ شیخ رسنؒ کے مزار کے کنارے لگا دیا۔ حضرت خواجہ نے جب چلہ پورا کیا تو اس وقت تک اس شاخ میں پتے اور چھوٹی چھوٹی شاخیں پھوٹ گئی تھیں۔ آخری روز خواجہ نظام الدین اولیاؒ نے تضرع و زاری کے ساتھ فرمایا کہ "اے حضرت! آپ کے قدموں کے نیچے جو درخت لگایا گیا تھا۔ چالیس روز میں اس درخت کے اندر پتے اور کونپل نکل آئے لیکن نظام الدینؒ کو وہ مقصد

حاصل نہ ہوا جس کے لیے وہ حاضر ہوا تھا اس کے بعد وہ واپس ہو گئے۔ راہ میں ان کی مڈ بھیڑ ایک مستانہ سے ہو گئی۔ وہ خواجہ کی طرف بڑھا لیکن وہ دوسری طرف نکل گئے۔ دوسری مرتبہ وہ مستانہ پھر بڑھا اور خواجہ نے پھر اس سے کاوا کاٹ لیا۔ تیسری مرتبہ جب وہ پھر بڑھا تو وہ کھڑے رہ گئے۔ وہ مستانہ بڑھا اور شیخ سے لپٹ کر ہم کنار ہو گیا پھر بولا اس سینہ سے محبت الٰہی کی بو آتی ہے۔ اس مست میں مستوں کی سی بو اور کیفیت نہ تھی۔ حضرت نظام الدین اولیا فرماتے ہیں کہ اس وقت تو مجھے کوئی نئی بات نہیں محسوس ہوئی لیکن آدھی رات کو مجھے اثرات ظاہر ہونے لگے۔ شیخ فرید الدین گنج شکر نے جو نعمت خواجہ نظام الدین کو بھیجی تھی، وہ شیخ رسنؒ اولیا کے واسطہ اور توسط سے بھیجی تھی۔ آخر میں فرمایا کہ کوئی کام بھی پیروں پر اعتقاد رکھے بغیر نکل نہیں سکتا۔ سب چیزوں سے اوّل اعتقاد میں پختگی ہونی چاہیے حضرت شبلیؒ کے پاس ایک دانشمند مرید ہونے کے لیے آیا۔ حضرت شبلیؒ نے فرمایا کہ میں جو کچھ کہوں گا تم اس کے مطابق کرو گے؟ اس نے کہا جی ہاں کروں گا۔ آپ نے فرمایا کہ ایک حجرے میں چالیس روز تک بیٹھ کر زور زور سے لا الٰہ الا اللہ شبلی رسول اللہ کہو۔ وہ مرد دانشمند چالیس روز تک اسی زور سے کہتا رہا۔ چالیس روز کے بعد حضرت شبلیؒ نے اس سے کہا کہ میں تمہارے اعتقاد کو آزما رہا تھا۔ کیونکہ کوئی کام بغیر اعتقاد کے نہیں ہوتا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم رسول اللہ برحق ہیں۔ ہم لوگ تو صرف اولیا اللہ میں سے ہیں اس کے بعد اس کو لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنے کے لیے کہا۔ اور پھر اس کو تعلیم و تلقین کیا۔ اور وہ دانشمند اپنے مقصد اور مراد کو پہنچا۔

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ایک صوفی ہمارے خواجہ کے حضور میں روتا ہوا آیا اور بیٹھ کر روتا رہا۔ ہمارے خواجہ نے پوچھا کیوں روتے ہو۔ اس نے اپنا مقصد اور مطلوب بیان کیا۔ ہمارے خواجہ کو اس کی بات میں بے انتہا ذوق محسوس ہوا۔ آپ نے فرمایا جب تک تم زیر تعلیم و تربیت ہو تمہیں تمہارا مطلوب نہیں دیا جائے گا تعلیم و تربیت سے فارغ ہونے کے بعد وہ مطلوب تم کو مل جائے گا۔

کمترین بندگان کاتب الحروف عرض کرتا ہے کہ یہ سب واقعات حضرت مخدوم نے بہ سبب حاضران مجلس بہ طریقہ غائب فرمایا ہے مشائخ اکثر اوقات اپنے احوال کے بیان میں اسی طرح کام لیتے ہیں۔

۶

طالبوں کے مقصود اور مطلوب کی انتہا نہیں ہے

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ طالبوں کے مقصود اور مطلوب کی کوئی انتہا نہیں ہے ہر شخص سے اسے کیا ملے گا۔ سلطان ابویزید فرماتے ہیں کہ میں سات سو مشائخ اور پیروں کی خدمت میں رہا اور ہر ایک سے اپنے مطلوب کو بیان کیا لیکن سبھوں نے یہی جواب دیا کہ طیفور سختیؒ (یعنی بایزید بسطامیؒ) تم جو کچھ کہتے ہو ہم لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتا۔ پھر آخر میں جب امام جعفر صادقؓ کے حضور میں نے اپنے مطلوب کو بیان کیا تو وہاں سے میرا مطلوب مجھے مل گیا۔ حضرت سید امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ ہمارے خاندان کے علاوہ دوسری جگہ نہیں ملے گا۔

روز دوشنبہ ۲ر شعبان المعظم ۸۰۲ھ

بے دلی کے ساتھ کسی پر بخشش کرنے کی برائی کے سلسلے میں بات چھڑ گئی۔ حضرت مخدوم نے فرمایا قال علیہ السلام خیر الصدقۃ ما کان عن ظہر غنی (ترجمہ بہترین صدقہ وہ ہے جو غذائے دل سے ہو اور جس کے دینے میں انقباض و تردد نہ ہو) درویشوں کے درمیان متمول اور دنیا داروں میں سے صرف چند مخصوص حضرات گزرے ہیں۔ مثلاً سلطان ابراہیم ادھم شہزادے تھے، خواجہ ابوعثمان خیری تاجر کے لڑکے اور حضرت شبلی خاص حاجب کے صاحبزادے تھے جو والد کی جگہ مسند پر بھی بیٹھتے تھے اور ان کی نیابت کرتے تھے۔ ایک خواجہ عبداللہ انصاریؒ جن کے بارے میں بہت سی باتیں مشہور ہیں۔ اور کچھ اور ورنہ زیادہ تر درویشوں کی جماعت میں ہم پیشہ وروں اور صنعت گروں کے لڑکوں اور فقیر زادوں ہی کو پاتے ہیں۔ کوئی فقیہہ اور فقیہہ زادہ، دانشمند اور دانشمند زادہ درویشوں کی جماعت میں کمتر ہی پایا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ پانچ طرح کے لوگ کم پائے جاتے ہیں۔ ایک تو توبہ کرنے والا اور صالح جوان۔ دوسرے شکر کرنے والا فقیر جو اپنے فقر پر شاکر ہو اور اس پر فخر کرے۔ لولا شرف التواضع لکان من حق الفقیر ان یتبختر فی مشیۃ (ترجمہ۔ اگر خاکساری اور فروتنی کو شرف اور ترجیح نہ ہوتی تو فقیر کا حق یہ تھا کہ رفتار میں بھی فقر کو ظاہر کرتا)

تیسرے متواضع غنی یعنی ایسا دولت مند اور غنی جو اپنی غنا پر نازاں نہ ہو اور نہ اس پر فخر اور غرور کرے۔ چوتھے فقیہہ صوفی یعنی جو پہلے فقیہہ ہو اور پھر صوفی ہوگیا ہو۔ پانچویں ایسا شریف سنی جو اپنے آباؤ اجداد کی طرف زیادہ متوجہ نہ ہو اور دوسروں کو ان پر افضل سمجھے۔

حضرت ابوسعید ابوالخیر کی خواجہ لقمان سرخسی سے ملاقات۔

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ابوسعید ابوالخیرؒ ابتدا میں جب تعلیم حاصل کرنے کے لیے نکلے تو راستہ میں انہوں نے خواجہ لقمان سرخسی کو ایک پرانے کپڑے پر بیٹھ کر خرقہ سیتے دیکھا۔ آفتاب ان کے سر پر چمک رہا تھا۔ اور وہ انتہائی مشغولیت میں سر نہیں اٹھا رہے تھے۔ ابوسعید ابوالخیرؒ ان کے نزدیک کھڑے ہو گئے تاکہ آفتاب کی تمازت شیخ پر نہ پڑے اور سایہ ہو جائے۔ خواجہ لقمان سرخسیؒ نے ان کی طرف دیکھ کر فرمایا۔ "ابوسعید، ایک بخیہ میں تیرے نام کا بھی لگا دیتا ہوں۔" ابوسعید ابوالخیر نے کہا "زہے قسمت و سعادت" خواجہ نے ایک بخیہ لگا کر کہا کہ ایک تیرے نام کا ہے۔ اور ان کا ہاتھ پکڑ کر ابوالفضل کے پاس لائے اور ان سے فرمایا کہ یہ بچہ میرا ہے تم ان کی تربیت اور تعلیم دو۔ اور پہلے روز اپنے ساتھ رکھا جو خود کیا ان سے بھی کرایا۔ اشراق کا وقت ہوا تو فرمایا ابوسعید، میں نماز اشراق ادا کرتا ہوں تم بھی ادا کرو۔ اسی طرح چاشت کا وقت آیا تو فرمایا میں کھاتا ہوں تم بھی کھاؤ۔ دوسرے دن صبح کو ابوسعید نے کہا کہ شیخ میں تعلیم حاصل کر رہا ہوں اگر اجازت ہو تو پڑھنے کے لیے جاؤں پھر حاضر ہوں گا۔ میں تفسیر اور حدیث پڑھتا ہوں۔ اور اگر آپ اجازت نہ دیں گے تو میں نہیں جاؤں گا اور شیخ ہی کی خدمت میں رہوں گا۔ شیخ نے فرمایا تعلیم حاصل کرنے کے لیے جاؤ۔ وہ امام محمد جوینی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کا سبق جب اس آیت کریمہ پر پہنچا قل اللہ ثم ذرھم فی خوضھم یلعبون۔ (ترجمہ۔ اللہ کا نام لو اور سب کو چھوڑ دو) استاد نے کہا۔ اے ابوسعید! بہت افسوس کی بات ہے کہ اس کام سے اس کام میں آئے ہو اسی لیے اللہ تعالیٰ تمہیں اس کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ اللہ کا نام لو اور سب کو چھوڑ دو۔ خواجہ ابوسعید ابوالخیر فوراً ہی ابوالفضل کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پڑھنا چھوڑ کر شیخ کی خدمت میں حاضر رہ کر روحانی تربیت حاصل کرنے لگے۔ اس درمیان میں خواجہ ابوالفضل کا وصال ہوگیا۔ ابوسعید حد کمال تک نہ پہنچ سکے۔ اس طرح کچھ روز گزر گئے۔ اچانک ایک روز جمعہ کی نماز

میں شیخ آل یٰسینؒ کو دیکھا - اپنے والد سے عرض کیا کہ مجھے شیخ کے قدموں پر ڈال دیں - ان کے والد ان کو ساتھ لے گئے اور شیخ کے قدموں پر ڈال دیا - شیخ نے فرمایا - ابوسعید ابوالخیر اپنے پیر کو گھر لے چلو - وہ ان کو گھر لے گئے - شیخ نے فرمایا کہ اس طاق میں کوئی چیز رکھی ہوئی ہے لاؤ ابوسعید نے اس طاق میں ہاتھ دیا تو دو گرم گرم روٹیاں ملیں - وہ حضرت آل یٰسین کے سامنے لاکر رکھ دیا - انہوں نے ابوسعید کو بڑی نعمتوں کی بشارت دی - وہ شیخ کے ساتھ رہنے لگے اچانک شیخ کو اس شہر سے باہر جانے کی ضرورت لاحق ہوئی - ابوسعیدؒ نے کہا میں بھی شیخ کے ساتھ جاؤں گا - شیخ نے فرمایا تمہارے ماں باپ موجود ہیں - میرے ساتھ کس طرح جا سکتے ہو ابوسعید اپنے والد کے پاس گئے اور کہا کہ آپ مجھے شیخ کے ساتھ جانے کی اجازت دے دیں ورنہ میں کنوئیں میں گر کر جان دے دوں گا - ان کے والد ان کو لیے ہوئے شیخ آل یٰسین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا خدا کے لیے حضرت آپ اس جوان کو اپنے ساتھ لے جائیں ورنہ یہ جان دے دے گا - شیخ نے منظور کر لیا - اور اپنے ساتھ رکھ لیا - شیخ نے ایک جنگل میں دریا کے کنارے قیام کیا اور ابوسعیدؒ کی غذا اچنار اور کرڑ کی پتیاں وغیرہ تجویز کیا - اور فرمایا کہ میں ہفتہ میں ایک بار تمہارے پاس آیا کروں گا اور تمہارے حالات اور کوائف سے آگاہ ہوتا رہوں گا - قصہ یہیں تک کہہ پائے تھے کہ یکایک فرمایا میں کہاں کی بات لے بیٹھا، کہاں وہ اور کہاں اس طرح کی گفتگو - پھر میں نے عرض کیا کہ حضور نے ہم لوگوں کو تعلیم دی ہے اس کمترین نے اور بھائی نے تعلیم تو حاصل کر لی ہے تعریف، تفسیر، حدیث، سلوک، اور رسالہ شمسیہ کا تکرار نہیں ہو سکا ہے - حضرت مخدوم نے فرمایا مجھ کو اسرار احادیث مشارق کے بیان سے کیا نسبت - بس اللہ مجھ سے کہلا دیتا ہے کہ لیتا ہوں - اسی زمانہ میں حضرت مخدوم اشارات مشارق کو قوم کی مروجہ زبان میں تصنیف کر رہے تھے -

حضرت مخدوم نے ایک قصہ بیان فرمایا کہ حضرت ابویزید بسطامیؒ ایک مرتبہ اپنے استاد سے سبق پڑھ رہے تھے - جب اس آیت کریمہ پر پہنچے وقضیٰ ربک ان لا تعبدوا الا ایاہ و بالوالدین احسانا - (ترجمہ - تمہارے پروردگار نے حکم فرمایا ہے کہ صرف خدا کی ہی عبادت کرو اور والدین کے ساتھ احسان اور نیکی کرو -) تو فوراً اٹھ گئے اور روتے ہوئے ماں کے پاس پہنچے اور فرمایا " امی جان ، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میری عبادت اور پرستش کرو اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو - تو میرے پاس تو صرف ایک ہی دل ہے - دو مالکوں کی خدمت کیسے کر سکتا ہوں یا تو آپ مجھے خدا تعالیٰ کے کام سے آزاد کرا دیں یا پھر مجھ کو خدا ہی کے کام کے لیے چھوڑ دیں"۔

ماں نے جواب دیا "بیٹے! ہم لوگ تمہیں خدا کے کام سے تو آزاد نہیں کرا سکتے البتہ خدا کے کام کے لیے چھوڑ دیتے ہیں۔ اور اپنے حقوق تم کو بخش دیتے ہیں۔ تم دل و جان سے اللہ کی عبادت اور رضا جوئی میں لگ جاؤ۔" اس کے بعد حضرت ابو یزید بسطامیؒ نے جنگل کا رخ کیا اور تیس سال تک وہیں عبادت میں مشغول رہے صرف کئی رکعت نفل نماز پڑھ لینے اور نفل روزہ رکھ لینے سے انسان سالک نہیں ہو جاتا پھر آہ کے ساتھ یہ اشعار پڑھے ؎

بودن اندر مشک و عنبر کار ہر نازک زن است
مرد باید خویش را در گرد میدان بر ورد

اندریں دریا نہنگ می باید بود
بر سر صحرا پلنگ می باید بود

مردانہ و مرد رنگ می باید بود
ورنہ بہ ہزار ننگ می باید بود

دلا تا کے دریں زنداں فریب ایں و آں بینی
یکے زیں چاہ ظلمانی بروں شو تا جہاں بینی

جہانے کاندرو ہر دل کہ یابی بادشاہ یابی
جہانے کاندریں ہر جاں کہ بینی شادماں بینی

بابا فرید الدین گنج شکرؒ کے فرزندوں کے ساتھ حسنِ سلوک کا پھل۔

عشاء کی نماز کے بعد شیخ الاسلام حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کے فرزندوں کے ساتھ مراعات کی بات چل نکلی۔ حضرت مخدوم نے فرمایا پہلی مرتبہ جب میں شیخ کی زیارت کے لیے گیا تو ان کے فرزندوں کے ساتھ بہت زیادہ رعایت اور محبت کا انداز نہیں اختیار کیا نتیجہ میں حضرت شیخ کے دربار سے مجھے بھی عام ہی آدمیوں کی طرح فیض پہنچا۔ دوسری مرتبہ جب گیا تو ان کے فرزندوں کی میں نے بہت خاطر داری اور رضا جوئی کی اور پھر مجھے شیخ کے دربار سے سب کچھ ملا جو میں نے چاہا۔

حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ کل روز محشر (آمنّا و صدقنا) پیغمبر علیہ السلام کے روبرو ان کی تمام امت صغیر و کبیر، وضیع و شریف، شرمسار ہو گی اس لیے کہ ان کی امت میں سے کسی نے بھی ان کے فرزندوں کے ساتھ شایان شان سلوک نہیں کیا اور جیسا چاہیے ان کی تعظیم و تکریم بجا نہیں لایا۔ آج اگر کوئی شخص کسی سید کی عزت کرتا ہے تو وہ اس وجہ سے کہ وہ یا تو دانش مند ہے، یا صالح ہے یا کوئی دوسری فضیلت رکھتا ہے۔ محض سید ہونے کی بنا پر

میں نے کسی کو سیّد کی عزت اور خاطر داری کرتے نہیں دیکھا۔

بابا فرید الدین گنج شکرؒ اور محمود قلندرؒ

پھر قصہ بیان فرمایا کہ مشائخ میں حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ جیسے شیخ پہلے بھی بہت کم گزرے ہیں اور آج بھی بہت کم نکلیں گے۔ ایک مرتبہ شیخ الاسلام اپنے پیش دروازہ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے۔ محمود نام کے ایک قلندر نے آکر درخواست کی کہ حضور سے میں مرید ہونا چاہتا ہوں اور جب تک مرید نہ ہو لوں گا واپس نہیں جاؤں گا۔ حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ نے فرمایا کہ "محمود، ایک مرتبہ جس صورت کو اختیار کرلیا جاتا ہے اس سے لوگ پھر واپس نہیں ہوتے۔" محمود نے پھر اصرار کیا تو حضرت بابا نے فرمایا "محمود! تم نے کس کس شہر کا سفر کیا ہے اور کن کن مشائخ کو دیکھا ہے کچھ ان کے بارے میں سناؤ۔" محمود نے جواب دیا "میں نے فلاں فلاں خانقاہ دیکھا، فلاں فلاں شہر دیکھا، فلاں فلاں خانقاہ میں لوگوں کا اتنا ہجوم تھا جس کی کوئی حد نہیں۔" پھر شیخ الاسلام حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ نے کوٹھے والیوں کی طرف اشارہ کرکے فرمایا میرے بارے میں ان بیواؤں سے بھی تو کچھ پوچھو! محمود نے جاکر دریافت کیا ان لوگوں نے بڑی شکایت کی۔ جب وہ واپس ہوئے تو دیکھا کہ شیخ مسجد میں نہیں ہیں۔ تھوڑی دیر تک انتظار کرتے رہے کہ آجائیں گے اسی جگہ کہیں گئے ہوں گے۔ یکایک مسجد کے اندر پیر کے چاپ کی آواز سنائی دی۔ اُٹھ کر دیکھا تو حضرت شیخ بابا فرید الدین گنج شکرؒ سر سے پیر تک گرد سے اٹے ہوئے نظر آئے۔ حضرت شیخ الاسلام سامنے آتے ہی بولے۔ محمود، میں نے تمہارے شیخوں کو دیکھ لیا۔" یہ قصہ بیان کرکے حضرت مخدوم نے فرمایا "شہباز شیخ فرید الدین گنج شکر! یہ باتیں صرف آپ ہی کہہ سکتے ہیں۔ یہ آپ ہی کو زیب دیتا ہے۔"

حازم، جازم اور غافل مچھلیوں کا قصہ

عشاء کی نماز کے بعد حضرت مخدوم نے ایک قصہ بیان کیا کہ ایک تالاب تھا اس میں بہت سی مچھلیاں تھیں۔ ایک مچھیرے کا اس تالاب کی طرف سے گزر ہوا دیکھا کہ اس میں کافی مچھلیاں ہیں جو پانی کے اوپر آکر اچھل کود رہی ہیں مچھیرے نے دل میں کہا کہ اس میں مچھلیاں تو بہت ہیں کسی روز آکر ان کا شکار کیا جائے۔ اس تالاب میں تین قسم کی مچھلیاں تھیں حازم، جازم اور غافل، حازم تو وہ ہوئیں جو حادثہ واقع ہونے سے پہلے ہی نجات اور محفوظ ہونے کی تدبیر نکالتی ہیں۔ اور الحزم سوء الظن یعنی احتیاط بدگمانی میں ہے پر عمل درآمد کرتی

ہیں - حازم وہ ہوئیں جو ٹھیک خطرے کے وقت نکل بھاگنے اور بچنے کی کوشش کرتی ہیں اور پہلے سے کوئی فکر نہیں کرتیں - اور غافل وہ ہوئیں جو حادثہ واقع ہونے کے وقت یا پہلے کبھی بھی خلاصی اور بچنے کی تدبیر نہیں سوچتیں اور ان کا انجام سوائے ہلاکت کے اور کچھ نہیں - چنانچہ اس تالاب میں حازم قسم کی جو مچھلیاں تھیں انہوں نے سوچا کہ مچھیرا ہم لوگوں سے اب واقف ہو چکا ہے وہ ہم لوگوں کی طرف ایسی بری نظر سے دیکھ رہا تھا کہ اس میں خیر کی کوئی توقع نہیں ہو سکتی - وہ کسی روز بھی آئے گا اور جال ڈال کر ہم لوگوں کو شکار کرے گا - اس لیے بہتر یہ ہے کہ اس تالاب سے دوسرے تالاب میں ہم لوگ منتقل ہو جائیں - چنانچہ اچھل کر وہ سب دوسرے تالاب میں چلی گئیں - کئی روز کے بعد واقعی مچھیرا جال لیے ہوئے آ پہنچا اور شکار کرنے لگا - حازم قسم کی مچھلیوں نے کہا کہ عقل مندی تو اس میں تھی کہ اس حادثہ کے وقوع پذیر ہونے سے پہلے ہی بچنے کی کوئی صورت ہم لوگ نکال لیتیں لیکن اب تو حماقت اور بھول ہو چکی جو وقت تھوڑا قبضہ میں ہے اس سے فائدہ اٹھا کر جان بچانے کی صورت نکالنی چاہیے اور اس کو ضائع نہ کرنا چاہیے چنانچہ وہ سب مردہ بن گئیں اور اُلٹی چت ہو کر پانی کے اوپر آگئیں - مچھیرے نے دیکھا کہ یہ مری ہوئی مچھلیاں پانی کے اوپر آگئی ہیں - یہ کس کام کی ان کو چھوڑ دینا ہی بہتر ہے - وہ آگے بڑھ گئے - لیکن جو غافل قسم کی مچھلیاں تھیں وہ سب کی سب جال میں پھنس گئیں اور ہلاک ہوئیں -

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں نے پوچھا کہ آیت کریمہ افمن شرح اللہ صدرہٗ للاسلام فھو علیٰ نور من ربہٖ (ترجمہ - جس شخص کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے واسطے کھول دیا ہے پس وہ نور الٰہی پر مشتمل ہے) میں شرح صدر سے کیا مراد ہے - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ " وہ ایک نور ہے جو مومن کے دل میں ڈال دیا جاتا ہے - پھر لوگوں نے سوال کیا کہ " اے رسول اللہ ! جس دل میں روشنی ڈالی جاتی ہے اس کی علامت کیا ہے - " فرمایا کہ دار غرور (یعنی دنیا) سے دُور ہونا اور سرائے جاودانہ (یعنی آخرت) کی طرف واپس ہونا اور موت آنے سے پہلے موت کے لیے تیار رہنا ہے - یہی موت سے پہلے موت کے لیے تیار رہنا حازم کی صفت ہے - اور رسول اللہ صلعم نے من شرح اللہ صدرہٗ للاسلام میں اسی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس سے مراد دین کے کام میں حازم ہونا اور اس سے غافل نہیں رہنا ہے

حضرت ابو سعید اور ان کے والد ابو الخیر کے قصہ کی تکمیل

عشاء کی نماز کے بعد یہ کمترین جو حضرت

مخدوم کی خدمت میں ہر وقت حاضر رہتا تھا اور دل سے قریب بھی تھا۔ ملتجی ہوا کہ ابو سعید اور ان کے والد ابو الخیر کے قصہ کو مکمل فرمائیں کہ ان کے ساتھ کیا ہوا۔ حضرت مخدوم نے مرحمت مخصوص کی بنا پر میری درخواست منظور فرمالی اور یوں بیان فرمایا کہ "ابو سعید کی جدائی میں ان کے ماں باپ کی حالت بہت زیادہ خراب ہو گئی۔ والد دیوانوں کی طرح جنگل جنگل ابو سعید کو تلاش کرنے لگے، ماں قریب المرگ ہو گئیں۔ شیخ آل لیٰسین نے ابو سعید کو جنگل میں رکھ کر فرمایا تھا کہ تمہارا کھانا پینا برگ چوب کرٹ سے ہے۔ یکایک حضرت ابو الخیر اس جنگل کے قریب آگئے جس میں حضرت ابو سعید مقیم تھے۔ شیخ آل لیٰسین کو پتا چلا تو وہ فوراً حضرت ابو سعید کے پاس آئے اور فرمایا کل تمہارے والد تمہارے پاس آئیں گے اور اگر انہیں معلوم ہوا کہ تم کرٹ کے پتے پر گذر بسر کرتے ہو تو وہ بہت مغموم ہوں گے اس لیے کل تمہارے لیے غیب سے ایک خوانچہ کھانے کا آئے گا جس میں سفید شہد، سفید روٹیاں، قلیہ، حلوا اور مختلف قسم کے لذیذ کھانے ہوں گے۔ جب تمہارے والد پوچھیں کہ اے فرزند! اس جنگل میں تم کیا کھاتے پیتے ہو تو تم جواب دینا کہ غیب سے کھانا آتا ہے میں کھاتا ہوں۔ اور اگر تمہیں وہ ساتھ لے جانا چاہیں کہ تمہاری ماں جدائی میں قریب المرگ ہو رہی ہیں تو تم ان کے ساتھ چلے جانا۔ میں نے تمہارا کام مکمل کر دیا ہے۔ صبح کے وقت حضرت ابو الخیر اس جنگل میں پہنچے۔ بیٹے پر نظر پڑی تو دوڑ کر گلے سے لگا لیا اور بے قرار ہو کر پوچھا کہ "بیٹے! تمہارا کیا حال ہے؟ اس گھنے تاریک جنگل میں تم کھاتے پیتے کیا ہو؟ اور تمہارے کھانے پینے کا ذریعہ کیا ہے۔" حضرت ابو سعید نے جواب دیا کہ "ابا جان! میں بہت اچھی طرح ہوں۔ کھانا مجھے غیب سے آتا ہے وہی کھاتا ہوں۔ ابھی کوئی دم میں آہی چلا۔ آپ بھی ساتھ کھائیں گے اور دیکھیں گے کہ کیسا اچھا لذیذ کھانا ہوتا ہے" یکایک غیب سے ایک خوانچہ کھانے کا پہنچا اور اس میں تقریباً وہی سب کھانے تھے جو شیخ آل لیٰسین نے بتائے تھے۔ باپ بیٹے دونوں نے سیر ہو کر کھایا۔ کھانے سے فراغت کے بعد شیخ ابو الخیر نے کہا۔ "بیٹے! تمہاری ماں قریب المرگ ہو رہی ہیں اگر تم ان پر رحم کر کے میرے ساتھ چلو تو بہت اچھا ہو۔" شیخ ابو سعید نے کہا کہ "ابا جان! مجھے شیخ نے اجازت دے دی ہے۔ میں ضرور ساتھ چلوں گا۔"

جس روز کہ یہ دونوں شہر میں پہنچیں گے اس سے ایک رات پہلے تمام شہر میں مشتہر ہو گیا کہ کل ابو سعیدؒ آرہے ہیں ان کا جی کھول کر استقبال کیا جائے۔ تمام لوگ صبح ہی سے ان

کے استقبال کے لیے باہر نکل پڑے۔ اور جیسے ہی باپ بیٹے نمودار ہوئے عوام نے بہت عزت اور احترام سے ان کو شہر میں لایا۔

دنیا اور اس کی برائیاں

رات کے کھانے کے بعد دنیا اور اس کی برائی کے اوپر بات چھڑ گئی۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ دنیا ایسی چیز ہے کہ یہ بھائیوں، ماں باپ، فرزندوں اور عزیز و اقارب کے درمیان دشمنی اور اختلاف پیدا کرا دیتی ہے۔ حضرت داؤد کے ایک فرزند اُبیّا نام کے طالوت کی لڑکی کے بطن سے تھے۔ حضرت داؤد سے پہلے بنی اسرائیل کے بادشاہ طالوت تھے۔ جب حضرت داؤد سے ایک لغزش ہوئی اور وہ توبہ استغفار میں مشغول ہوئے تو ان کا ملک تباہ ہونے لگا۔ بنی اسرائیل جمع ہو کر ابیّا کے پاس آئے اور سبھوں نے متفقہ طور پر ان کو اپنا بادشاہ بنالیا۔ ابیّا کے وزراء اور مشیروں نے ان کو رائے دی کہ جب تک آپ اپنے والد کو مار نہ ڈالیں گے آپ کا ملک مستحکم نہ ہوگا۔ اور آپ کو ہمیشہ اس کے چھن جانے کا خطرہ لگا رہے گا۔ اُبیّا نے ایسا کرنے سے انکار کیا۔ لیکن تردّد ہر وقت ان کو لگا رہا کہ کیا کرے اور کیا نہ کرے۔ حضرت داؤد کو جب اس کی خبر ملی تو انہوں نے اپنے بیٹے کو کہلا بھیجا کہ آج تک کبھی تم نے سُنا ہے کہ بیٹے نے باپ کو قتل کیا ہو۔ لڑکے نے جواب دیا کہ کبھی آپ نے سُنا ہے کہ کسی پیغمبر نے لغزش کا ارتکاب کیا ہو اور اس کی توبہ قبول نہ ہوئی ہو۔ لڑکے نے بہت نامناسب اور تلخ جواب کہلا بھیجا تھا۔ حضرت داؤد کو اس سے بہت تشویش ہوئی۔ اس درمیان میں بارگاہ ایزدی سے ان کی توبہ قبول ہوگئی۔ اپنے مددگار اور عمائدین سلطنت کو انہوں نے لکھا کہ میری توبہ قبول ہوگئی ہے تم لوگ میرے پاس حاضر ہو کہ میں ملک کی اصلاح کے لیے نکلوں۔ سب لوگ ان کے گرد جمع ہوگئے۔ لیکن اُبیّا باپ کا مخالف ہوگیا۔ یہاں تک کہ دونو کے درمیان جنگ چھڑ گئی۔ جنگ میں ابیّا کو شکست ہوئی۔ وہ بھاگا۔ حضرت داؤد نے اس کے تعاقب میں اپنے آدمیوں کو روانہ کیا اور حکم دیا کہ اس کو زندہ گرفتار کر کے لایا جائے۔ ابیّا کے بال بڑے لامبے تھے بھاگنے کے دوران وہ کسی درخت کی شاخ سے اُلجھ گئے۔ تعاقب کرتے ہوئے لوگ اس جگہ پہنچ گئے۔ ایک شخص نے بڑھ کر تلوار اس کی گردن پر مار دی اور اس کو قتل کر دیا۔ جب اس کی لاش حضرت داؤد کے سامنے لائی گئی تو وہ زار زار رونے لگے اور فرمایا کہ میں نے تو زندہ گرفتار کرنے کے لیے کہا تھا۔ کس کے حکم سے یہ قتل کیا گیا۔ اور پھر قصاص میں قاتل کو بھی قتل کر دیا گیا۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ ملکی مصلحت کی بنا پر

حضرت داؤد نے خود اس کو نہیں قتل کرایا بلکہ مرنے کے وقت حضرت سلیمان علیہ السلام کو وصیت کی کہ اُبیا کے قتل کے قصاص میں اس کو مار ڈالنا۔

روز چہار شنبہ ۴ر شعبان ۸۰۲ھ

ایک جملہ کی وضاحت

دوسری نماز کے وقت یہ کمترین خادم، اور حضرت مخدوم کے بڑے بھتیجے سید السادات سید احمد اور سید ابو المعالی حضرات مخدوم کے حضور میں حاضر تھے۔ حضرت مخدوم نے فرمایا اس ترکیب کے کیا معنی ہوئے۔ غار الغاران غار ذو الغیران۔ سب لوگ متحیر ہو گئے کسی کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ سید احمد کی درخواست پر حضرت مخدوم نے فرمایا اس کا ترجمہ یہ ہوا "گوشہ نشین لوگوں نے یہ دو غار یعنی شکم اور شرم گاہ کو غارت کر دیا ہے۔ پہلا غَارَ ماضی کا صیغہ ہے اور غاران سے شکم اور فرج مراد ہے۔ تیسری مرتبہ جو غار آیا ہے اس کے معنی آدمیوں کی جماعت ہے اور غیران غار کی جمع ہے۔ اور وہ غار دو پہاڑوں کے درمیان ہے۔ تاج الاسامی میں اس طرح لکھا ہے۔

روز پنجشنبہ ۵ر ماہ شعبان ۸۰۲ھ

بی بی فاطمہ سام کا قصہ اور ان کے فضائل

کھانا کھانے کے وقت حضرت بی بی فاطمہ سام رح کی فضیلتوں کا ذکر آ گیا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ وہ ایک شخص سے بیان کر رہی تھیں۔ میں نے عرض کیا زندگی میں یا مرنے کے بعد۔ حضرت مخدوم نے فرمایا مرنے کے بعد۔ کہ ایک دن وہ اپنے عہد کے مطابق درگاہ رب العزت میں جا رہی تھیں۔ راہ میں فرشتوں سے ملاقات ہوئی۔ ان لوگوں نے روکا اور پوچھا کہ تم کون ہو؟ کیا چاہتی ہو؟ بڑی بے باکی سے جا رہی ہو۔ انہوں نے اسی جگہ بیٹھ کر قسم کھائی کہ جب تک خود اللہ تعالیٰ نہیں بلائے گا وہ یہاں سے آگے نہیں بڑھیں گی۔ تھوڑی ہی دیر ہوئی ہوگی کہ اس جگہ حضرت بی بی خدیجہ اور حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہما تشریف لائیں۔ انہیں دیکھ کر وہ فوراً ان کے قدموں پر گر پڑیں۔ ان دونوں نے فرمایا کہ اے فاطمہ! آج تیری قسمت

قابل رشک ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تجھ کو بلانے کے لیے ہم دونوں کو بھیجا ہے۔ بی بی فاطمہ سام نے عرض کیا " میں آپ لوگوں کی لونڈی ہوں۔ اس سے بڑھ کر میری اور کیا خوش قسمتی ہو سکتی ہے کہ آپ دونوں مجھے بلانے کے لیے تشریف لائی ہیں۔ لیکن چونکہ میں نے قسم کھائی ہے کہ جب تک خود اللہ تعالیٰ بلا واسطہ مجھے نہیں بلائے گا میں یہاں سے آگے نہیں بڑھوں گی۔ اس لیے آپ مجھے معاف فرمائیں گی۔" یہ سن کر دونوں واپس گئیں۔ اور اللہ کے حضور میں عرض پرداز ہوئیں کہ خداوندا! تو بہتر جانتا ہے لیکن فاطمہ سام کہتی ہے کہ میں نے قسم کھائی ہے جب تک خود باری تعالیٰ بلا واسطہ نہیں بلائے گا میں یہاں سے نہیں ہٹوں گی۔ اللہ کا حکم ہوا۔ فاطمہ سام صحیح کہتی ہے۔ تم لوگ ہٹ جاؤ اور پھر اُدِ اِلَیَّ اِلَیَّ کہہ کر بلایا۔ میں یہ آواز سن کر اٹھی اور اللہ کے حضور حاضر ہوئی۔ پھر میں نے کہا کہ خداوندا! تیرے حضور ایسے بے ادب فرشتے بھی موجود ہیں جو تیرے دربار میں آنے والوں کو نہیں پہچانتے۔" یہ کہہ کر ایک آہ بھری۔

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ حضرت شیخ الاسلام فریدالدین گنج شکرؒ فرماتے تھے کہ اگر کوئی شخص عورت کی شکل میں مرید کو دیکھنا چاہتا ہے تو وہ فاطمہ سام کو دیکھے۔ حضرت نظام الدین اولیاؒ ہر مہینے ان کی زیارت کے لیے آتے تھے۔ پھر فرمایا کہ شیخ الاسلام حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مقبرہ کی طرح بی بی فاطمہ سامؒ کا مقبرہ بھی کبھی ابدال سے خالی نہیں رہتا تھا۔ اور زندگی میں بھی ان کے گرد عوام کا ہجوم رہتا تھا۔ اور لوگ ہمیشہ اس طرف متوجہ رہتے تھے۔ اس دور کے مشائخ حضرت بی بی فاطمہ سام کے پاس اسی طرح آ کر بیٹھا کرتے تھے۔ جیسے حضرت رابعہ بصریؒ کے پاس ان کے دور کے مشائخ اور صوفیا بیٹھتے تھے۔

محب صادق کی علامت کیا ہے

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت رابعہ بصریؒ بیمار ہوئیں۔ حضرت خواجہ حسن بصریؒ، سلطان ابراہیم ادھمؒ اور ذوالنون مصریؒ ان کی عیادت کے لیے گئے۔ حضرت رابعہ بصریؒ نے پوچھا کہ " دوست اور محب صادق کی کیا علامت ہے۔" خواجہ حسن بصریؒ نے جواب دیا کہ " جو اپنے محبوب کی مار پر صبر نہ کرے اور اس کی طرف سے دی گئی تکلیف کو برداشت نہ کرے وہ دوست نہیں ہو سکتا۔" حضرت رابعہ بصریؒ نے فرمایا یہ تو کچھ نہ ہوا۔ پھر خواجہ ذوالنونؒ نے کہا کہ " جو اپنے محبوب کی مار پر شکر نہ کرے وہ صادق نہیں۔" حضرت رابعہ بصریؒ

نے کہا کہ شکر بھی صبر ہی کے قریب ہے - پھر سلطان ابراہیم ابن ادھمؒ نے کہا کہ "جو اپنے محبوب کی مار سے لذت نہ پاوے وہ صادق نہیں -" حضرت رابعہ بصریؒ نے فرمایا کہ بات تو خوب ہے لیکن اس سے انا کی بو آتی ہے - پھر سب لوگوں نے کہا کہ بی بی رابعہ آپ ہی کچھ بتائیے کہ محب صادق کی کیا علامت ہے - حضرت رابعہ بصریؒ نے فرمایا کہ "صادق دوست وہ ہے جس کو محبوب کی مار مار ہی نہ معلوم ہو اور بالکل محسوس ہی نہ ہو -" سبھوں نے اس کو پسند کیا اور اس کی تائید کی -

ایک مرتبہ شیخ جمال الدین ہرالؒ کو کسی آدمی نے مہمان بلایا - وہ نہ گئے - پھر اور لوگوں کی منت وسماجت اور سفارش پر وہ اس کے یہاں تشریف لے گئے - نعلین پہنے ہوئے تھے - پیر پھسل گیا اور ٹخنہ کی ہڈی ٹوٹ گئی - بی بی فاطمہ سامؒ نے ان کو کہلا بھیجا کہ جب آپ جانتے تھے کہ آپ کو اس شخص کے گھر جانا ضروری ہے پھر پہلی ہی مرتبہ اس کی درخواست اور دعوت پر کیوں نہ گئے - اس بدبختی کے باعث آپ کا پیر ٹوٹا -

ایک مرتبہ حضرت بی بی فاطمہ سامؒ کی خدمت میں ایک شخص آیا اور درخواست کی کہ لڑکے کی پیدائش کے لیے دعا فرمائیں - آپ نے اس کو تعویذ دیا - اللہ کی مہربانی سے لڑکا تو ہو گیا لیکن اپاہج - اس لڑکے کا باپ پھر بی بی کے پاس آیا اور گریہ وزاری کرنے لگا کہ حضرت بی بی آپ کی دعا سے لڑکا تو ہو گیا لیکن اس ہیئت کذائی کا - بی بی فاطمہ سامؒ نے اس سے فرمایا کہ جاؤ اور اپنے گھر میں مہمانی کا انتظام کرو - اور مجھ کو بھی بلاؤ - میں دعا کروں گی - تمہارے لڑکے کو پیر ہو جائے گا - اس لڑکے کے باپ نے ایسا ہی کیا - اس نے اس وقت کے مشائخ کو اپنے یہاں مدعو کیا اور حضرت بی بی کو بھی لے گیا - حضرت بی بی وہاں گئیں اور صدر مجلس میں بیٹھیں - کھانے سے فراغت کے بعد آپ نے اس اپاہج لڑکے کو بلایا اور چوگان اور گیند لانے کو کہا - جب گیند اور بلّا آ گیا تو آپ نے بلّا اس لڑکے کے ہاتھ میں دیا اور گیند اس کے سامنے رکھا - پھر اس کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر کھڑا کر کے فرمایا کہ گیند کو مارو - اس لڑکے نے بلّے سے گیند کو مارا - گیند دور چلا گیا - پھر آپ نے فرمایا دوڑ کر جاؤ اس گیند کو بلّے سے مار کر ادھر لے آؤ - لڑکا اٹھا اور بالکل صحیح طور پر دوڑتا ہوا گیا اور اس گیند کو بلّے سے مار کر ادھر تمام لوگوں کے سامنے لے آیا -

حضرت مخدوم نے ایک اور قصہ بھی بی بی فاطمہ سامؒ کا ان ہی کی زبان سے اس طرح بیان فرمایا کہ "ماں باپ نے بچپن میں میری شادی کر دی - وہ جنگ پر گئے اور شہید ہو گئے - لوگوں نے پھر میری دوسری شادی کرنی چاہی میں نے انکار کیا کہ اگر میری قسمت میں شوہر ہوتا تو وہی زندہ

رہنا اب میں دوسری شادی نہیں کروں گی۔

حضرت مخدوم نے پھر فرمایا کہ حضرت بی بی فاطمہ سامؒ کے مقبرہ میں راکھو نام کا ایک دیوانہ نوکر تھا۔ وہ سانپ کو لنگوٹہ اور دستار میں رکھتا تھا اور اس کو عصا کے طور پہ ہاتھ میں بھی رکھتا تھا۔ ایک دن میں نے اس کو غزنین دروازہ کے نزدیک ایک ویرانہ میں دیکھا۔ میں نے اس سے پوچھا تم کہاں ہو۔ اس نے کہا اس کھنڈر (خرابہ) میں سانپ بہت ہیں۔ اور لوگ کبھی کبھی ادھر آجاتے ہیں میں یہاں آگیا ہوں کہ ان لوگوں کو منع کروں اور ہوشیار کروں کہ کسی کو صدمہ نہ پہنچے میں نے پوچھا کہ کیا یہ تمہارا کام ہے اس نے کہا جی ہاں! یہی کام میرے سپرد ہوا ہے۔

لوطیوں کی سزا ایک مرتبہ بات اس پر چھڑ گئی کہ لوطیوں (لونڈے بازوں) کے لیے شرع میں کیا سزا مقرر کی گئی ہے۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ حضرت امیر المومنین علیؓ کے حوالے سے اس کی تین سزائیں مقرر ہیں۔ اول تو یہ کہ دونوں کو پہاڑ پر سے نیچے پھینک دیا جائے۔ دوسرے یہ کہ زندہ دفن کر دیں۔ تیسرے یہ کہ سنگسار کر دیں۔ اور یہ سب قرآن شریف سے ماخوذ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قوم لوط کو اٹھا کر زمین کے دوسرے طبق پہ پٹک دیا تھا اس سے ایک تو بلندی سے پٹکنا ظاہر ہوتا ہے دوسرے زندہ زمین میں دفن کر دینا اور تیسرے سنگساری بھی۔

روز جمعہ ۶ر شعبان ۸۰۲ھ

دوسری نماز کے بعد مغرور لوگوں کی برائی کا ذکر چھڑ گیا جو دنیا کی لذتوں میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ گل سیوتی اور چنپا جیسے خوشبودار پھول سامنے پڑے ہوئے تھے۔ حضرت مخدوم نے فرمایا یہ پھول ہیں۔ اس وقت شاداب اور تر و تازہ ہیں ان کو ہم لوگ سر آنکھ، ناک اور سینہ کے پاس رکھتے ہیں۔ لیکن چند گھنٹوں کے بعد جب ان کی شادابی اور تازگی چلی جائے گی تو ہم لوگ جھاڑو سے اٹھا کر انہیں کچرے کے برتن میں ڈال دیں گے۔ پس اس تھوڑے سے موہومی اور غیر یقینی وقت کے واسطے گناہوں کا ارتکاب کر کے عذاب الٰہی میں مبتلا ہونا مناسب نہیں ہے۔ ع عاقل نہ دہد سر الٰہی بہ ملاہی۔ (ترجمہ۔ عقل مند آدمی سرِ الٰہی کو لہو و لعب میں ضائع نہیں کرتا)

خواجہ مشکی کا قصہ حضرت مخدوم نے پھر ایک قصہ اسی وقت اس طرح بیان فرمایا کہ ایک

بزرگ تھے جن کو لوگ خواجہ مشکی کہہ کر پکارتے تھے۔ اس لیے کہ ان کے بدن اور کپڑوں سے مشک کی بہت تیز بو آتی تھی۔ لوگوں نے ان سے پوچھا کہ "خواجہ! کتنا مشک آپ روزانہ اپنے جسم پر ملتے ہیں۔" انہوں نے جواب دیا کہ مشک جسم پر ملنے کی مجھ میں استطاعت اور صلاحیت نہیں ہے لیکن میرے جسم سے جو مشک کی خوشبو آتی ہے اس کا واقعہ اس طرح ہے کہ ایک روز میں کہیں جا رہا تھا۔ راستہ میں مجھے سخت پیاس لگی۔ ایک گھر کے دروازہ پر جا کر میں نے پانی مانگا۔ ایک کنیز نے اندر سے پانی لایا اور مجھے گھر کے اندر بلالیا۔ میں پانی پینے کے لالچ میں اندر چلا گیا۔ اور پانی لے کر پینے لگا۔ اس نے اس درمیان میں جھٹ سے دروازہ بند کر دیا۔ اس کے گھر کی مالکہ جو مجھے کہیں سے چھپ کر دیکھ رہی تھی فوراً سامنے آگئی۔ اور مجھ سے بری بات کی درخواست کی۔ میں نے جب اس کی ہم بستری کی خواہش رد کر دی تو اس نے دھمکی دی کہ اب تو میں عریاں ہو ہی چکی اور میری بدنامی مقدر ہے۔ اگر تم نے میری خواہش پوری کر دی تب تو ٹھیک ہے ورنہ میں تمہیں یہاں سے زندہ نہیں جانے دوں گی کہ تم میری بدنامی کرتے پھرو۔ اب تو میں بے بس ہو گیا اور گھبرا گیا۔ پھر میں نے اس سے کہا کہ ٹھیک ہے تمہاری خواہش کی تعمیل میں کروں گا لیکن اس سے پہلے مجھے بیت الخلا بتاؤ کہ میں فارغ ہو لوں۔ اس نے بیت الخلا بتا دیا۔ میں نے اندر جا کر سوچا کہ اپنے جسم اور کپڑے کو اس غلاظت سے آلودہ کر لینا زیادہ بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ خدا کی نافرمانی اور عصیاں سے اپنے کو ملوث اور نجس کر کے عذاب الٰہی کا سزاوار ٹھہروں۔ چنانچہ میں نے ہاتھ اس میں ڈال کر جسم، کپڑے اور سر چہرے پر اس نجاست کو خوب اچھی طرح مل لیا اور اسی ہیئت کذائی میں باہر آیا۔ وہ عورت دیکھ کر پیچھے ہٹی اور افسوس کرتے ہوئے مجھ کو جلدی سے باہر نکال دیا۔ میں نے دریا کے کنارے آکر خوب اچھی طرح غسل کیا اور اپنے جسم، سر، داڑھی اور کپڑوں کو اچھی طرح دھویا۔ اسی وقت سے میرے جسم سے برابر مشک کی بو آتی رہتی ہے۔ اور جتنا میں جسم اور کپڑوں کو دھوتا ہوں مشک کی خوشبو اتنی ہی تیز ہو جاتی ہے اس واقعہ کو کئی سال ہو گئے اور وہ بو مجھ میں برابر باقی ہے۔

روز شنبہ ۷؍ شعبان ۸۰۲ھ

غزنین کے ایک قاضی کا قصہ | کھانا کھانے کے وقت حضرت شیخ سنائیؒ کی فضیلتوں کا ذکر

چھوٹ گیا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ غزنین میں ایک قاضی تھے جو قاضی ہونے کے لائق تو نہ تھے لیکن وراثتاً ان کو قضاء کا عہدہ مل گیا تھا۔ ہر شخص نے بادشاہ سے شکایت کی کہ قضا کے کام کے لیے علم درکار ہے اور وہ قاضی صاحب علم سے بالکل بے بہرہ ہیں پھر یہ عہدہ ان کے لیے کس طرح موزوں ہو سکتا ہے۔ چونکہ قاضی کا عہدہ ان کو سلف سے وراثت میں ملا تھا اس لیے بادشاہ ان کے ساتھ رعایت اور تامل سے کام لے رہا تھا۔ لوگوں کے بہت زیادہ شکایت کرنے پر بادشاہ نے ان لوگوں سے کہا اچھی بات ہے میں ایک روز قاضی صاحب کو کہوں گا کہ وہ خطبہ دیں۔ ظاہر ہے وہ خطبہ نہ دے سکیں گے پھر میں ان سے کہہ دوں گا کہ میں کیا کر سکتا ہوں۔ آپ کے پاس علم بالکل نہیں ہے اور قضا کا عہدہ بغیر علم کے درست نہیں۔ اور پھر دوسرے کو یہ عہدہ سپرد کر دوں گا۔ قاضی صاحب سے جب یہ بات کہی گئی تو انہوں نے اپنی جھینپ اور شرمندگی چھپانے کے لیے قبول کر لیا۔ اور گھر حیران و پریشان لوٹے۔ اور سوچنے لگے کہ یا اللہ اب کیا کروں فضیحت اور ذلّت قسمت میں جو لکھی ہے وہ ٹل نہیں سکتی۔ غزنین میں ایک پہاڑ ہے اس پر چشمہ بہتا ہے اور وہاں بہت سے بزرگوں کی زیارت گاہ ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ عبد العزیز علمدار رسول اللہ کا حظیرہ اس جگہ ہے۔ قاضی صاحب وہاں پہنچ کر بارگاہ رب العزت میں سر بسجود ہو کر گریہ وزاری کرتے رہے اور دُعا مانگتے رہے کہ خداوندا اس ذلت اور فضیحت سے مجھ کو بچا لے۔ اسی سر بسجدہ ہو کر گریہ وزاری کے دوران ان کو نیند آگئی۔ خواب میں انہوں نے حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ وہ تشریف لائے اور منہ کھولنے کو کہا۔ جب انہوں نے منہ کھولا تو رسول اللہ صلعم نے اپنی انگلی کو اپنے لعاب دہن سے تر کر کے ان کی زبان پر لگا دیا۔ قاضی صاحب اتنے میں بیدار ہو گئے۔ اور بیدار ہونے کے بعد انہوں نے اپنے سینہ میں جملہ علوم کے سمندر کو موجیں مارتے دیکھا۔ جمعہ کے دن پروگرام کے مطابق شہر کے تمام لوگ قاضی صاحب کا وعظ سننے کے لیے جمع ہو گئے۔ ان میں زیادہ تر ایسے لوگ تھے جو قاضی صاحب کی ذلّت وخواری کا تماشا دیکھنے آئے تھے۔ شیخ سنائیؒ ہمیشہ شہر سے باہر قبرستان میں رہتے تھے۔ قاضی صاحب آئے اور انہوں نے ممبر پر چڑھ کر ایسا فصیح و بلیغ، شاندار اور پر مغز خطبہ دیا کہ سارے حاضرین دنگ رہ گئے۔ پھر قرآن شریف کی چند آیتیں پڑھ کر قاضی صاحب نے ایسی عمدہ تفسیر بیان کی کہ لوگوں کی گردن عقیدت سے جھک گئی۔ اپنے خطبہ میں مختلف علوم و فنون میں اپنی دسترس کا انہوں نے ایسا مظاہرہ کیا کہ بہت کم دانش منداس بلندی تک پہنچ سکتے تھے۔ ہر طرف سے تعریف وتحسین کا شور بپا ہو گیا لوگ

عزت و احترام سے ان کی طرف دیکھنے لگے۔ اسی درمیان میں اچانک حضرت شیخ سنائیؒ باہر سے اس مجلس میں وارد ہوئے اور یہ شعر پڑھ کر کسی طرف کو چلے گئے:

اے کردہ نبی در دہنت آب دہن — او ختم نبی آمد تو ختم سخن!

(ترجمہ۔ اے وہ شخص جس کے منہ میں حضرت رسالت مآب صلعم نے اپنا لعاب دہن ڈالا ہے ان پر نبوت ختم ہوئی اور تجھ پہ کلام)

قاضی صاحب یہ شعر سن کر زار زار رونے لگے اور بے قراری کے عالم میں نعرہ لگاتے ہوئے ممبر سے اتر گئے۔ لوگ کہتے ہیں کہ روح الارواح ان ہی قاضی صاحب کی تصنیف ہے۔

صوفیائے کرام کے محاسن

مغرب کی نماز کے بعد صوفیائے کرام کے محاسن کا ذکر چھڑ گیا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ایک مرتبہ امام شافعیؒ اور امام احمد حنبلؒ کسی رہ گزر پر بیٹھے ہوئے تھے اس طرف سے شیبان راعی جا رہے تھے۔ امام شافعیؒ نے کہا کہ میں شرع کا ایک مسئلہ اس عامی صوفی سے پوچھتا ہوں۔ امام احمد حنبلؒ نے کہا چھوڑیئے بھی یہ لوگ عجیب قوم ہیں اس طرح کی باتیں ان سے نہ کی جائیں تو بہتر ہے۔ امام شافعیؒ نے کہا میں تو ضرور پوچھوں گا۔ پھر انھوں نے شیبان راعی کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اے صوفی! اگر کسی شخص کی پانچ وقت کی نمازوں میں سے کسی ایک وقت کی نماز چھوٹ گئی ہے اور اسے یاد بھی نہیں ہے کہ کون سے وقت کی نماز چھوٹی ہے تو وہ کیا کرے شیبان راعی نے جواب دیا وہ غافل انسان ہے۔ اس کی غفلت کی اس کو سزا ملنی چاہیے اس کو چاہیے کہ پانچوں وقت کی نماز دوبارہ ادا کرے۔ امام شافعیؒ ہائے ہائے کر کے رونے لگے اور فرمایا اس گروہ کے عام آدمیوں کا تو یہ حال ہے ان کے خواص اور علمار کا کیا حال ہوگا۔

حضرت سمنون محبؒ کا قصہ

حضرت مخدوم نے ایک اور قصہ بیان فرمایا کہ غلام الخلیل جب بدعقیدہ ہو کر صوفیوں کی جماعت سے نکل گئے تو ان لوگوں کی ایذا رسانی کے لیے بادشاہ کی قربت حاصل کر لی۔ یہاں تک کہ وزیر کے عہدے تک پہنچ گئے۔ وہ بادشاہ کے سامنے ہمیشہ صوفیوں کا تذکرہ بہت برے انداز میں کرتے کہتے ہیں یہ عجیب قوم ہیں۔ عجیب عجیب باتیں کرتے ہیں۔ اچھا کھاتے ہیں اچھا پہنتے ہیں تہہ خانے میں آرام فرماتے ہیں اور ہمیشہ خوش رہتے ہیں۔ کفر کے کلمات زبان سے نکالتے ہیں۔ زندیقوں اور ملحدوں کی زندگی گزارتے ہیں۔ بادشاہ ان کی باتوں کو سنی ان سنی کر دیتا

اور کوئی جواب نہ دیتا۔ حضرت سمنون محبؒ کے گھر میں حضرت جنیدؒ، شبلیؒ، ابوالحسن نوریؒ، رقامؒ اور ابو حمزہ خراسانیؒ برابر جمع ہوا کرتے تھے اور وہاں حب الٰہی اور دوسرے تصوف کے مسائل پر باتیں ہوا کرتی تھیں۔ حضرت سمنونؒ بہت خوب صورت اور ملیح جوان تھے اور ہمیشہ عشق الٰہی میں سرشار رہتے تھے۔ اہل محبت ہونے کی وجہ سے ان کی باتیں بھی بڑی دلکش اور شیریں ہوتی تھیں۔ ان لوگوں کی مجلس میں ان کی زبان سے اللہ رسول کی باتیں سننے کے لیے ایک عورت بھی آتی تھی۔ ایک روز حضرت جنیدؒ اور دوسرے اصحاب حضرت سمنونؒ کے گھر کسی وجہ سے نہ آسکے صرف وہ عورت آگئی۔ حضرت سمنونؒ گھر میں تنہا تھے۔ اس نے ہم بستری اور نکاح کے لیے زور دیا۔ حضرت سمنونؒ بہت خفا ہوئے اور کہا کہ اے بدبخت عورت! گویا تیرے یہاں آنے کا مقصد یہی تھا۔ اس عورت نے ڈھٹائی سے جواب دیا کہ ہاں یہی تھا۔ حضرت سمنونؒ نے فرمایا کہ اس طرح کی خیانت اور بدکرداری ہم ہرگز نہیں کریں گے۔ عورت نے کہا کہ اے سمنون، اگر تم نے مجھ سے نکاح نہ کیا تو میں ایسا فساد برپا کروں گی کہ دنیا کو یاد رہے گا۔ حضرت سمنونؒ نے کہا تیرا جو جی چاہے کر، میرا اللہ میرے لیے کافی ہے۔ پھر وہ عورت حضرت خواجہ جنیدؒ کے پاس گئی اور کہا اے جنید! سمنون کو میرے ساتھ نکاح کے لیے آمادہ کر دو۔ میں اس کے پاس گئی تھی لیکن وہ راضی نہیں ہوتا۔ حضرت جنیدؒ نے اس عورت کو سمجھایا کہ اے عورت! اس طرح کی باتیں ہم لوگوں کے درمیان خیانت اور بدکرداری شمار کی جاتی ہیں۔ اس لیے سمنون محبؒ ہرگز اس کو منظور نہیں کریں گے۔ اس عورت نے پھر دھمکی دی کہ اے جنید! اگر میری بات نہ مانی گئی تو میں ایسی شورش اور مصیبت کھڑی کر دوں گی کہ دنیا یاد کرے گی۔ حضرت جنیدؒ نے کہا اے عورت! تیرا جو جی چاہے کر۔ ہم لوگوں کی حفاظت کرنے والا اللہ ہے۔ پھر وہ عورت اسی طرح حضرت شبلیؒ، حضرت ابوالحسن نوریؒ اور حضرت ابو حمزہ خراسانیؒ کے پاس باری باری گئی اور وہی بات کہی جو اس نے حضرت جنیدؒ سے کہی تھی اور سبھوں نے وہی جواب دیا جو حضرت جنیدؒ نے اس کو دیا تھا۔ آخر میں وہ غلام الخلیل کے پاس گئی اور شکایت کی کہ یہ لوگ بہت ہی عجیب اور برے لوگ ہیں۔ خوب اچھا کھاتے پہنتے ہیں اور بے دینوں کی باتیں کرتے ہیں ان لوگوں کے پلے ایک مرتبہ میں پڑ گئی تھی ان لوگوں میں سے ہر ایک نے باری باری سے میرے ساتھ ہم بستری کی۔ غلام الخلیل کو اور کیا چاہیے تھا اس سے زیادہ اچھا موقع ان کی ایذا رسانی کا اور کیا مل سکتا تھا وہ فوراً اس عورت کو لیے ہوئے بادشاہ کے پاس گیا اور تمام

واقعات بیان کیا۔ بادشاہ نے کہا تم جیسا مناسب سمجھو کرو۔ اس نے اجازت لینے کے بعد حضرت سمنون رحؒ، جنیدؒ، شبلیؒ، ابوالحسن نوریؒ، حضرت رقامؒ، اور حضرت ابو حمزہ خراسانیؒ سب کو دربار میں بلا بھیجا۔ مقدمہ قائم ہوا اور آخر سب کے لیے قتل کا حکم صادر ہوا۔ قتل گاہ میں جب یہ سب لائے گئے تو سب سے پہلے جلاد نے حضرت جنید کو پکڑا کہ ان کی گردن اڑا دی جائے۔ حضرت ابوالحسن نوری فوراً آگے بڑھے اور کہا اے جلاد! پہلے مجھے قتل کر۔ جلاد نے کہا اے آدمی تمہیں پتا بھی ہے تم کس چیز کی درخواست کر رہے ہو۔ یہ موت کی درخواست ہے انہوں نے جواب دیا میں خوب جانتا ہوں۔ لیکن ہمارے مذہب میں ایثار کا بہت بڑا درجہ ہے زندگی کیا ہے رہی رہی نہ رہی۔ گرچہ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ ہمارے مذہب میں ایک گھنٹے کی دنیا کی زندگی بہشت کی چار ہزار سال کی زندگی سے بہتر ہے لیکن ایثار کا کچھ اور ہی درجہ اور مقام ہے۔ چنانچہ ان میں سے ہر ایک نے ایثار کے طور پر قتل ہونے میں دوسرے سے سبقت کرنی چاہی۔ ہوتے ہوتے یہ خبر بادشاہ تک پہنچی۔ بادشاہ نے فوراً آدمی کو دوڑایا کہ ان لوگوں کو قتل نہ کیا جائے اور میرے دوسرے حکم کا انتظار کیا جائے۔ اس کے بعد بادشاہ نے ان کے مقدمہ کو قاضی القضات کے حوالہ کر دیا۔ کیونکہ وہ بہت لائق اور اصول فقہ کے ماہر النسان تھے۔ قاضی القضات تفتیش مقدمہ کے سلسلے میں سب سے پہلے شبلیؒ کے پاس آئے کیونکہ اپنے ساتھیوں میں سب سے زیادہ دیوانہ صفت وہی تھے۔ قاضی القضات نے پوچھا اے صوفی! اگر کسی آدمی کے پاس بیس درم جمع ہو گیا ہے تو وہ کتنا اس میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرے۔ حضرت شبلیؒ نے جواب دیا کہ تیس درم۔ قاضی القضات نے کہا یہ کس طرح؟ حضرت شبلیؒ نے جواب دیا کہ ہماری شریعت میں یہی ہے کہ جو کچھ ہاتھ میں آئے فوراً خرچ کر دو۔ اس لیے بیس درم تو فوراً راہ خدا میں دے دینا ہے۔ اور دس درم جرمانہ کے طور پر دینا ہے۔ اس لیے کہ شرع میں تو ہے کہ خدا کی راہ میں مال خرچ کرو اور یہ بیس درم جو پورا سال رہ گیا اس کا جرمانہ دینا ضروری ہے تاکہ اس کا کفارہ ہو سکے۔ اس کے بعد قاضی القضات جنیدؒ کے پاس گئے۔ اور ان سے پوچھا۔ حضرت جنیدؒ نے حقائق و معارف، توحید و ذات و صفات باری پر ایسی اچھی تقریر کی اور ان کی وضاحت کی کہ قاضی القضات حیران رہ گئے کہ یہ کیسے قابل قدر اور گراں بہا کلمات توحید، ذات و صفات باری پر بیان کیے گئے ہیں۔ انہوں نے قلم اور کاغذ اٹھایا کہ ان کے اسلام اور عقائد کے بارے میں اپنی رائے لکھیں۔ اس درمیان میں خواجہ ابوالحسن نوریؒ اٹھے اور کہا کہ اے

قاضی ! آپ نے اپنے بارے میں تو ہم لوگوں سے پوچھ لیا لیکن ہم لوگ کیا ہیں ۔ یہ آپ نے نہیں پوچھا
قاضی نے قلم کاغذ رکھ دیا اور پوچھا تم لوگ کیا ہو ۔ اپنے بارے میں بتاؤ ۔ انہوں نے جواب دیا کہ
ہم لوگ جیسے بھی ہیں ان باتوں کے باوجود اگر ایک لمحہ بھی مشاہدہ حق کے بغیر ہم لوگوں کا گزر جاتا
ہے تو ہم لوگ اپنے ہوش میں نہیں رہتے ۔ قاضی القضات یہ سُن کر زار زار رونے لگے ۔ اور
اور اپنے فیصلہ میں لکھا کہ یہ لوگ پکے مسلمان ہیں اور اگر یہ لوگ مسلمان نہیں ہیں تو پھر دنیا میں
کوئی مسلمان نہ تھا ، نہ ہے اور نہ ہو گا ۔ اس فیصلہ کے بعد بادشاہ نے ان لوگوں سے معذرت کی
اور بہت عزت اور احترام سے ان کو دربار میں بلا بھیجا ۔ اور کہا کہ تم لوگ جو مانگنا چاہتے ہو
مانگو میں انشاء اللہ پورا کروں گا ۔ حضرت جنید نے کہا کہ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ آئندہ سے
نہ آپ کبھی میری صورت دیکھیں اور نہ میں آپ کی دیکھوں ۔

زمانہ قدیم میں بیعت لینے کا طریقہ

کھانا کھانے کے وقت یہ ذکر چھڑ گیا کہ آج کل کی طرح زمانہ قدیم میں مشائخ کے درمیان
بیعت کا یہ طریقہ رائج نہ تھا ۔ حضرت جنیدؒ نے ایک سے بیعت حاصل کی تھی اور تربیت بہتوں
سے لی تھی ۔ پھر حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ابو عثمان حضرت یحیٰی معاذؒ کے دست مبارک پر
بیعت حاصل کر کے کچھ روز تک ان کی خانقاہ میں مشغول عبادت رہے ۔ ایک مرتبہ شاہ
شجاع گھومتے ہوئے حضرت یحیٰی معاذ کی خانقاہ میں پہنچ گئے ۔ کچھ دنوں تک وہاں قیام کیا ۔
شاہ کی بعض روش اور معاملات ابو عثمان کو پسند آ گئے ۔ انہوں نے شاہ کے ساتھ جانا چاہا ۔
پھر اس کو دبایا اور دوسری جگہ جانے کا ارادہ کیا ۔ یحیٰی معاذ شاہ شجاع کو رخصت کرنے کے
لیے کچھ دُور تک گئے ۔ ابو عثمان نے زیادہ تیاری کرنی شروع کر دی جیسے وہ طویل سفر پر جا
رہے ہوں ۔ یحیٰی معاذ نے ابو عثمان سے پوچھا کہ تم شاہ کے ساتھ جانا چاہتے ہو ۔ انہوں
نے کہا اگر شیخ کا حکم ہو تو ضرور جاؤں ۔ حضرت یحیٰی معاذ نے کہا مبارک ہو تمہارا جانا ۔ ضرور
جاؤ ۔ چنانچہ وہ شاہ کے ساتھ روانہ ہو گئے ۔ کچھ دنوں تک شاہ کی صحبت میں رہ کر ان سے
تربیت حاصل کرتے رہے ۔ اس درمیان میں ابو حفص حداد گھومتے ہوئے شاہ شجاع کی خانقاہ
میں پہنچ گئے ۔ اور کچھ دنوں تک قیام فرما رہے ۔ ابو عثمان ان کی روش اور طریقوں کو دیکھ کر
ان پر فریفتہ ہو گئے اور ان کے ساتھ جانا چاہا ۔ ابو حفص حداد کو رخصت کرنے کے لیے شاہ
شجاع نے چاہا کہ کچھ دُور تک ان کے ساتھ جائیں اس مرتبہ بھی ابو عثمان طویل سفر کی تیاری

کرنے لگے اور کمر وغیرہ کس کر تیار ہو گئے۔ شاہ نے پوچھا تم ابوحفص کے ساتھ جانا چاہتے ہو۔ ابو عثمان نے کہا کہ اگر شیخ کا حکم ہو تو جاؤں۔ شاہ نے کہا بہت مناسب ہے۔ جاؤ۔ چنانچہ ابو عثمانؒ ابو حفص حدادؒ کے ساتھ چلے گئے۔ اور ان کی خدمت میں رہے۔ ابو حفص حداد برابر ابو عثمان سے کہتے کہ یحییٰ معاذ رازی رضا میں بہت بڑا مقام رکھتے ہیں۔ اور تم نے رضا ہی کی گود میں پرورش پائی۔ اب میں تمہارے لیے مزید کیا کر سکتا ہوں۔ ابو عثمان نے یحییٰ معاذ رازی کو مشائخ کبار میں شمار کیا ہے۔ اور ان کا قول نقل کیا ہے کہ منذ ثلثین سنۃ ما اقامنی اللہ علیٰ حالٍ وکرھتہٗ یعنی تیس برس تک میرے خدا نے مجھ کو جس حال میں رکھا میں راضی برضا رہا کسی پر کراہت نہ ظاہر کی۔ اس طرح کی ان کی بہت سی باتیں رضا کی ہوتی تھیں رضا مقامات سے ہے احوال سے نہیں۔

روز یکشنبہ ۸ر شعبان ۸۰۲ھ

حضرت بندگی مخدوم نے فرمایا کہ انسان کی بنیاد اختلاف پر ہے۔ اس کے لیے ممکن نہیں ہے کہ وہ ایک گھنٹہ ایک حال پر قائم رہ جائے۔ وہ ہر ساعت اپنی ہر نشست و برخاست میں متردد اور مختلف ہوگا۔ اور انسان کا باطن ظاہر سے مختلف ہوتا ہے۔ وہ کبھی بھی ایک چیز پر قرار نہیں پکڑتا ہے۔ ہمیشہ مشوش اور پریشان رہتا ہے۔ اگر کسی کا دل ایک چیز پر اس طرح قرار حاصل کر لے کہ دوسرے کی اس میں گنجائش نہ ہو تو اس کے لیے خود مشکل ہو جائے۔ ایک شخص غیب کی بات بتاتا ہے اگر وہ شعبدہ باز، نجومی اور جادوگر ہے تو وہ دین اور اہل دین سے خارج ہے۔ لیکن ایک دوسرا ہے جو اپنے دل سے صحیح خبر دیتا ہے۔ اور وہ محبت، رغبت، تیقن، آخرت، اور عدم وجود سے خبر دیتا ہے۔ لیکن وہ بھی ہم لوگوں کے گروہ میں شامل نہیں ہے۔ سالک کو راہ سلوک کے بارے میں اس طرح خبر دینا چاہیے جیسے کوئی مسافر راستے میں واقع کانٹے، نشیب و فراز درخت اور دریا وغیرہ کی خبر دوسرے راستہ چلنے والوں کو دیتا ہے۔

سورہ ہود کی ایک آیت نے مجھے بوڑھا بنا دیا

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ یہ آیت کریمہ فاستقم کما امرت

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تو آپ کے تین موئے مبارک خوف الٰہی سے سفید ہو گئے۔ صحابہ نے آپ سے جب اس بال کے سفید ہونے کا حال پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ سورہ ہود کی آیت فاستقم کما امرت نے مجھے بوڑھا بنا دیا تمام چیزوں کی اصل استقامت ہے اگر یہ دولت کسی کو ہاتھ آجاتی ہے پھر وہ تمام سعادتوں کا خزانہ ہے۔ اتنا فرمانے کے بعد حضرت تھوڑی دیر تک خاموش رہے پھر فرمایا عام طور پر لوگ کہتے ہیں کہ ہمارا عقیدہ ہے کہ جو کچھ ہم کرتے ہیں اللہ دیکھتا اور جانتا ہے اور جو کچھ بولتے ہیں وہ سنتا ہے۔ لیکن یہ بہت مشکل کام ہے یہ صرف لوگ اپنے دل میں ایسا سوچتے ہیں لیکن اس پر عمل بہت کم لوگ کرتے ہیں پھر یہ شعر پڑھا ؎

حق حاضر و ناظر است پیوست تو خفتہ گہے جنب گہے مست

یہ شعر پڑھنے کے بعد حضرت مراقبہ میں چلے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھایا اور یوں مخاطب ہوئے۔ آدمی کو چاہیے کہ دن بھر جو کچھ اس نے کیا اس کو رات کے وقت سوچے اور رات کو جو کچھ اس نے کیا ہے اس کا صبح اٹھ کر محاسبہ کرے اور غور کرے کہ اس نے کیا کیا کیا ہے۔ اگر اس نے کوئی اچھا اور دین کا کام کیا ہے تو اس کے لیے اللہ کا شکر گزار ہو۔ اور اس پر استقامت کرے۔ اور اگر (خدا محفوظ رکھے) اس نے کوئی خراب اور دین کے خلاف کام کیا ہے تو صدق دل سے توبہ کرے اور پھر اس کام کے نزدیک نہ جائے۔ اور جہاں تک ممکن ہو اس کا تدارک کرے۔ جو شخص ایسا کرے گا کل قیامت کے دن وہ حساب سے بے خوف رہے گا۔ اس سے کوئی حساب کتاب نہیں ہوگا اور اگر ہوگا بھی تو بہت کم اور آسان طور پر کیونکہ وہ اپنا محاسبہ دنیا میں برابر کرتا رہا ہے۔ اب اس سے کیا حساب کتاب ہوگا۔ مرد مومن سے اگر کوئی گناہ سرزد ہو جاتا ہے تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی مضبوط آدمی بڑے اہتمام اور مستعدی کے ساتھ راستہ طے کر رہا ہے اور برابر دھیان رکھے ہوئے ہے کہ اس کا پیر نہ پھسلے۔ ان سب باتوں کے باوجود اگر اس کا پیر اچانک پھسل جاتا ہے اور وہ گر جاتا ہے لیکن وہ گرتے ہی پھر بدن جھاڑ کر کھڑا ہو جاتا ہے اور اپنے احباب اور عزیزوں سے شرماتا ہوا اس سے دس گونہ زیادہ ہمت کے ساتھ ارادہ کرتا ہے کہ اب وہ نہیں گرے گا یہاں تک کہ وہ سلامتی کے ساتھ منزل پر پہنچ جاتا ہے اور پھر راستہ میں نہیں گرتا ہے تو وہ اس کا گرنا گرنا نہیں شمار ہوگا اور نہ وہ اس کے لیے قابل ملامت سمجھا جائے

گا۔ ان ہی لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اولئک یبدل اللہ سیاٰتہم حسنات یعنی ان لوگوں کی برائی کو نیکی سے بدل دیا جائے گا۔ برائی برائی ہی نہیں رہے گی۔ اگر بے اختیاری میں کوئی گر جاتا ہے اور اس پر توبہ استغفار کرتا ہے اور پھر عزم کرتا ہے کہ اس طرف رُخ نہیں کرے گا تو وہ برائی برائی نہیں۔ لیکن جو شخص چلنے میں اپنے پیر کو مضبوطی سے نہیں رکھتا ہے۔ اور جب پھسلتا ہے تو گرتے ہی اُٹھ کر کھڑا نہیں ہو جاتا اور نہ اپنے احباب سے شرماتا ہے۔ اور نہ آئندہ سلامتی سے جانے کا قصد کرتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی کیچڑ اور دلدل میں پھنسا ہوا آدمی جو اس سے باہر نکلنے کی خواہش نہیں رکھتا ہو اور اسی کیچڑ اور گندی جگہ میں رہنا اس کو اچھا معلوم ہوتا ہو۔ اس کا انجام ویسا ہی ہوگا اور یہ مومن کا طریقہ نہیں ہے۔

روز دوشنبہ ۹ر شعبان ۸۰۲ھ

سخاوت اور ایثار خواجگان چشت کا شیوہ تھا

ظہر کی نماز کے وقت سخاوت اور ایثار پر گفتگو چھڑ گئی

حضرت مخدوم نے فرمایا یہ شرف خاص کہ ہمارے خواجگان کو حاصل تھا۔ مشائخ یوں تو سب ہی دوست کے کام آتے ہیں لیکن ہر ایک کا طریقہ کار مختلف ہوتا ہے۔ ہمارے خواجہ کے خادم مولانا زین الدین کے انتقال کے وقت خواجہ کے مقبرہ میں خواجہ احمد خادم موجود تھے وہ فلاں ابن فلاں کے حوالہ سے قصہ بیان کرتے تھے کہ ایک شخص شیخ بہاؤ الدین کے ہمسائے ملازمین اور معتقدین میں سے تھا۔ وہ جب مرنے لگا تو اس نے اپنے لڑکے کو وصیت کی کہ اس کا جنازہ شیخ بہاؤ الدین کے دروازے پر لے جایا جائے اور ان ہی سے نماز جنازہ پڑھانے کی درخواست کی جائے۔ لیکن چونکہ میرے ذمہ ان کے بتیس ۳۲ تنکہ باقی ہیں اس لیے وہ ممکن ہے نماز پڑھانے کے لیے تیار نہ ہوں۔ اس نے اپنے لڑکے کو وصیت کی کہ وہ فوراً اس بتیس تنکہ کے قرض کو اپنے ذمہ لے لے اور اس کی ادائیگی کا یقین دلا دے تاکہ شیخ نماز پڑھائیں۔ یہ کہہ کر وہ آدمی مر گیا۔ اس کے جنازہ کو اس کی وصیت کے مطابق لوگ شیخ بہاؤ الدین کے دروازہ پر لے گئے۔ شیخ نے باہر نکل کر کہا کہ اس شخص کے ذمہ میرے بتیس تنکے نکلتے ہیں اس کا کیا ہوگا۔ اس کے لڑکے نے اس قرض کو اپنے سر لیا اور ادا کرنے کا وعدہ

کیا پھر شیخ نے نمازہ جنازہ پڑھائی۔

ایک دن خواجہ اقبال نے ایک خراسانی کو جس پر خانقاہ کے سات سو تنکے واجب الادا تھے قید کر دیا۔ خواجہ اقبال کے خوف سے کسی شخص کی ہمت نہیں پڑتی تھی کہ وہ اس کا تذکرہ شیخ بہاؤ الدین کے حضور کرے۔ اور وہ خراسانی چاہتا تھا کہ کسی طرح شیخ کو خبر پہنچ جاتی اتفاق سے ایک مرتبہ اقبال قیلولہ کے لیے گھر گیا۔ اس خراسانی نے زور لگا کر قید خانہ سے نکلنے کی کوشش کی۔ دربانوں نے روکا۔ اس ہنگامہ میں زنجیر کی آواز شیخ کے کان تک پہنچ گئی۔ انہوں نے پوچھا دروازہ پر کیا ہنگامہ ہے۔ اس درمیان میں خراسانی ان کے سامنے پہنچ گیا۔ شیخ غصہ سے کانپنے لگے اور پوچھا کہ تجھ کو کس نے پا بہ زنجیر کیا ہے؟ خراسانی نے جواب دیا کہ خواجہ اقبال نے سات سو تنکہ کے عوض جو خانقاہ کے میرے ذمہ واجب الادا تھے مجھے قید کر دیا ہے۔ شیخ نے کسی کو بھیج کر اقبال کو بلوایا اور کہا کہ لالہ یہ تم نے کیا حرکت کی ہے۔ مال خدا کا، ملک خدا کا اور بندے بھی سب خدا کے ہیں۔ کچھ تم نے کھایا۔ کچھ میں نے کھایا، کچھ اس بے چارے نے کھایا پھر تم نے کس جرم میں اس کو قید کر دیا ہے۔ پھر فوراً لوہار کو بلوایا اور اپنے سامنے اس کی ہتھکڑی بیڑی کٹوا کر اس کو رہا کیا۔

ایک دن شیخ بہاؤ الدین کی خدمت میں کسی شخص نے سونے کا سو تنکہ نذر پیش کیا۔ وہ نماز کا وقت تھا۔ شیخ نے فرمایا لالہ اس کو رکھ دو۔ کل دوستوں میں تقسیم کر دوں گا۔ اس وقت ناوقت ہو گیا ہے۔ صبح کے وقت شیخ اس تنکہ کو بھول گئے۔ آخر وقت میں شیخ پر نسیان کا غلبہ ہو گیا تھا۔ اقبال نے سمجھا کہ حضرت شیخ ہمیشہ کے لیے اس تنکہ کو بھول گئے ہیں۔ اطمینان سے اپنے گھر لے گیا اور خرچ کر دیا۔ کچھ دنوں کے بعد شیخ کو یاد آیا، اور اقبال سے طلب کیا۔ اقبال ادھر ادھر دیکھنے لگا اور تمام طاق میں تلاش کرنے لگا۔ شیخ نے دیکھ کر معلوم کر لیا کہ یہ خود لے گیا ہے کیونکہ دوسروں کی یہاں آمد و رفت نہیں ہے۔ شیخ نے اقبال کو مخاطب کر کے کہا کہ لالہ چلے آؤ۔ چھوڑ دو۔ چاشت کے وقت میں نے چاہا تھا کہ اس کو کئی آدمیوں میں تقسیم کر دوں لیکن اللہ نے اس کو ایک ہی کے حصہ کا بنا دیا۔ اتنا دوا دوش سے کیا فائدہ۔

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی کے گھر میں اجناس کئی لاکھ من تھے۔ ایک مرتبہ غلہ بہت گراں ہو گیا۔ شیخ نے انبار کھول دیا۔ لوگ خریداری کے لیے لوٹ

پڑے۔ فی من ایک چیتل قیمت میں اضافہ کر دیا گیا اور لوگ لیتے رہے۔ اس کمترین نے عرض کیا کہ کیا ان کے یہاں خرچ نہیں تھا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ آمدنی کی مناسبت سے خرچ کم تھا آمدنی بہت زیادہ تھی۔

حضرت خواجہ نظام الدینؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ شیخ بہاؤالدین نے اپنے گھر کے معلم سے خوش ہو کر فرمایا تھا کہ میں اس کا منہ چاندی سے بھر دوں گا اور پوچھا تھا کہ ایک آدمی کے منہ میں کتنا آئے گا۔

حضرت شیخ بہاؤالدینؒ نے ایک مرتبہ کسی کو غلّہ کا ایک ڈھیر ہی دے دیا۔ اس ڈھیر کے اندر چاندی کے ٹنکہ سے بھرا ایک مٹکا بھی رکھ دیا۔ اس شخص نے گھر سے اس مٹکے کو لاکر واپس کیا۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ میں نے یہ تجھ کو جان کر دیا ہے۔ اور میرے ہی حکم سے یہ ٹنکے سے بھرا مٹکا انبار میں رکھا گیا تھا۔ لے جاؤ۔

حضرت شیخ بہاؤالدین کے گھر کے خانساماں خواجہ اسماعیل خاں جہانی محمود کے دادا بیان کرتے تھے کہ میں نے اپنے والد سے اور انہوں نے اپنے والد سے سُنا تھا کہ سونے چاندی کے علاوہ میری تحویل میں ایک کروڑ اسّی لاکھ تنکہ تھا۔ شیخ رکن الدین سے لوگوں نے کہا کہ آپ کی زوجہ محترمہ اسّی ہزار تنکہ کی جوتیاں پہنے ہوئے ہیں۔ شیخ رکن الدینؒ نے جواب دیا کہ کوئی حرج نہیں عورتوں کے لیے جائز ہے۔

دوسری نماز کے وقت شیخ الاسلام کی فضیلتوں کا ذکر چھیڑا۔ مولانا ظہیر الدین بھکری کے شاگردوں میں سے ایک مولانا شمس الدین تھے۔ یہ اپنے استاد سے پہلے حضرت شیخ الاسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مولانا ظہیر الدین کو یہ معلوم ہوا تو ناگوار گزرا کہ مجھ سے ملاقات کیے بغیر وہاں حاضر ہوا۔ تین دن کے بعد زیارت شیخ قطب الدین اور شہر میں بعض اساتذہ سے ملاقات کی اجازت چاہی۔ حضرت شیخ نے اجازت دے دی۔ شیخ قطب الدین کی زیارت کے بعد مولانا ظہیر الدین کی ملاقات کے لیے آئے۔ اس وقت مولانا شمس الدین عرقچینی پہنے ہوئے تھے۔ مولانا ظہیر الدین ان کی طرف متوجہ نہیں ہوئے اور سبق پڑھانے میں مشغول رہے۔ تھوڑی دیر کے بعد کہا یہ کون ہے جو مجھ سے سرکش ہو کر میری مجلس میں بیٹھا ہوا ہے۔ ہم جہالت سے نکالتے ہی آدمی بناتے ہیں اور یہ دوسروں کے پاس چلے جاتے ہیں ان کے غلام اور مرید ہو جاتے ہیں اور مجھ سے ملاقات بھی نہیں کرتے۔ اسی طرح خفا ہوتے رہے پھر غصہ دفع ہوا۔ کچھ روز کے بعد

مولانا شمس الدین یحییٰ نے مولانا ظہیر الدین کو شیخ سے ملاقات کے لیے آمادہ کر لیا وہ گئے۔ شیخ نے ان کی بہت تعظیم و تکریم کی اور اس مجلس میں روپیہ، کپڑا، شیرینی وغیرہ قسم کے جو کچھ فتوحات آئے ان کو ان کے حوالہ کیا۔ اور بہت مہربانی سے پیش آئے۔ مولانا ظہیر الدین کو ان کی یہ مہربانیاں بہت پسند آئیں۔ کچھ دیر کے بعد رخصت ہوئے۔ اور چار سو تنکہ ساتھ لائے۔ اس مجلس میں مولانا کو بھی جو کچھ ملا تھا وہ بھی انھوں نے اپنے استاد ہی کو دے دیا۔ مولانا ظہیر الدین ان کی تعریف میں رطب اللسان ہو گئے کہ ایسے لوگ دنیا میں بہت کم ہوتے ہیں۔ مولانا شمس الدین سے کہا کہ تم حق بہ جانب تھے۔ میں غافل تھا۔

ایک مرتبہ مولانا ضیاء الدین کے بھائی مولانا زاہد سنامی آئے۔ جب واپس گئے تو اپنے بھائی سے کہا کہ ان حضرت کو دیکھ کر تو مجھے اپنی محرومی قسمت کا احساس ہوتا ہے۔ ان کے بارے میں تفصیل سے کہنا مشکل ہے مولانا ضیاء الدین کو یہ بات پسند نہیں آئی۔ ایک مرتبہ مولانا ضیاء الدین کے ایک مرید نے بھی حضرت شیخ سے ملاقات کی اجازت چاہی۔ مولانا ضیاء الدین نے اجازت دے دی لیکن اجازت دینے کے بعد پشیمان ہوئے اور اپنے حجرے میں جا کر خوب روئے۔

مولانا وجہ الدین کو خواجہ خضر علیہ السلام سے خصوصی قربت اور مصاحبت حاصل تھی۔ وہ حوض سلطان پورہ کے اوپر ہر جمعرات کو ان سے ملاقات کرتے تھے۔ ایک بار مولانا پروگرام کے مطابق گئے تو خواجہ خضر کے آنے میں بہت دیر ہو گئی۔ مولانا وجہ الدین نے ان سے پوچھا بڑی دیر لگائی کہاں تھے۔ خواجہ خضر نے جواب دیا کہ میں شیخ نظام الدین کے پاس گیا ہوا تھا۔ مولانا وجہ الدین نے ان سے پوچھا آپ کی ان سے ملاقات ہے۔ خواجہ خضر نے کہا۔ ہاں۔ میری ان سے روز ملاقات ہوتی ہے۔ مولانا وجہ الدین کو ان سے اعتقاد ہو گیا۔ اور وہ ان سے مرید ہو گئے۔ اسی درمیان میں ایک شخص دوسری نماز کے بعد آیا اور اس نے مرید ہونے کی درخواست کی۔ حضرت نے فرمایا مرید ہونے کے بعد دو رکعت نفل نماز پڑھنا ہے اور دوسری نماز کے بعد امام سے پہلے دوگانہ نہیں ہے۔ اور صبح صادق سے صاف ہونے تک اگر رات کے نوافل سے کچھ چھوٹ گیا ہے تو فوت کے مطابق ادا کرنا جائز ہے مکروہ نہیں ہے۔ شیخ الاسلام کے بعض احباب نے حضرت نظام الدینؒ کو دیکھا کہ اگر ان کی دوسری نماز کی سنت فوت ہو جاتی تو وہ گوشہ میں چلے جاتے اور دوسری نماز کے بعد سنت ادا کرتے اور یہ لوگ اکابرین اور پیران کہن میں سے گزرے ہیں۔

صوفیا سے علما اور فقہا کا اختلاف

اسی سلسلے میں صوفیا سے علما اور فقہا کے اختلاف کی بات چھڑ گئی۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ان لوگوں کے درمیان عجیب طرح کا اختلاف ہے۔ بظاہر سب ایسی قوم ہیں جن کے کلام کی بنیاد استدلال اور اجتہاد پر ہے۔ اگر دلیل اور حجت مستقیم اور صحیح ہے تو اصل مسئلہ بھی صحیح ہوگا۔ لیکن صوفیا کے مسائل اور گفتگو کسی چیز کو دیکھنے اور سننے کے بعد ہوتی ہے۔ اور اگر ان لوگوں کی دلیل بظاہر درست نہیں ہو تو مسئلہ بھی آگے نہیں بڑھ سکتا۔ اس لیے کہ ان لوگوں کی دلیل اثبات مسئلہ کے لیے نہیں ہے۔ ان لوگوں کی دلیل لوگوں کے سمجھانے کے لیے ہے۔ اگر صحیح ہو تو ٹھیک ہے ورنہ اصل میں نقصان نہیں ہوتا۔ اس طرح کی جماعت سے علماء اور فقہاء کا اختلاف کس طرح ہوتا ہے اور یہ اچھی بات نہیں بری بات ہے حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ایک مرتبہ ہمارے خواجہ پر بواسیر کا سخت حملہ ہوا۔ ایک آدمی نے ایک بو یام معجون کا لایا اور کہا کہ میں نے اسے بہت خرچ کر کے بنوایا ہے اور اس میں الکحل وغیرہ قسم کی کوئی چیز بھی نہیں شامل کی گئی ہے اور بہت قسم کھا کر اس کا یقین دلایا۔ سونے کے وقت نصف کوزہ کھانے سے بہت فائدہ ہوگا۔ حضرت شیخ نے فرمایا بہت اچھا۔ آدھی رات کے وقت شیخ نے دستک دی۔ بشیر نامی ایک غلام آپ کا خادم خاص تھا وہ فوراً آیا۔ حضرت شیخ نے فرمایا جاؤ فلاں شخص کو بلا لاؤ۔ وہ خادم اسی وقت اس آدمی کے گھر گیا اور ان کو بلا لایا۔ حضرت نے ان کو اسی وقت سامنے بلایا اور کہا بشیر اس معجون کو لاؤ۔ وہ لے آیا۔ حضرت شیخ نے فرمایا مولانا کو دو۔ اس نے ان کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ حضرت شیخ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ کسی جگہ زمین میں کھود کر اس کو دفن کر دو۔ وہ کچھ جھجکے حضرت شیخ نے فرمایا میں جو کچھ کہتا ہوں اسی طرح کرو۔ وہ بالآخر روانہ ہوگئے اور حکم کے مطابق اس دوا کو دفن کر کے خانقاہ چلے آئے۔ وہ گھر بھی نہیں جا سکتے تھے کہ حضرت خفا ہوگئے ہیں۔ وہ خانقاہ میں بیٹھے رہے۔ یہاں تک کہ اشراق کا وقت ہوگیا۔ عقیدت مندان قدم بوسی کے لیے آنے لگے۔ جب وہ سب قدم بوسی کے لیے بالا خانہ پر گئے تو وہ بھی ان کے ساتھ چلے گئے۔ واپسی کے وقت وہ کھڑے ہو کر بہت قسمیں کھانے لگے کہ اس معجون میں الکحل وغیرہ نہیں شامل کیا گیا تھا۔ حضرت مجھ سے خفا نہ ہوں۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ مولانا سنو، میں تم سے صحیح کہتا ہوں کہ ہر رات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میری ملاقات معمولات میں ہے۔ مگر آج ملاقات نہ ہوئی۔ میں نے سوچا کہ میں نے سوائے اس

معجون کو گھر میں رکھنے کے اور کچھ تو نہیں کیا ہے۔ اس لیے یہی منحوس ہے۔ اس لیے مجبوراً اس کو ہٹا دیا اور دفن کرا دیا۔

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ مولانا نصیر الدین سالار پوری جن سے میں نے مصابیح پڑھا تھا دن رات میں کئی بار بلاناغہ رسول اللہ صلعم سے ملاقات فرماتے تھے اور بات کرتے تھے۔ حضرت شیخ سے وہ بھی مرید ہونے کے خواہش مند تھے اور بات کرتے تھے۔ اور شیخ ان پر مہربانی بھی بہت فرماتے تھے لیکن شرف بیعت ان کو حاصل نہ ہو سکا۔ ایسے لوگ جو خدا اور رسول کو باطن کی آنکھوں سے دیکھتے ہیں ان سے مخالفت جہالت کے سوا اور کیا ہے۔

خواجہ نظام الدینؒ اولیا کا ایک حدیث کی وضاحت کرنا

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ حضرت شیخ نظام الدین نے ایک مرتبہ فرمایا کہ محدثین اس حدیث کو "من قبل دنیا کم نجد رائحۃ الجنۃ" غلط بتاتے ہیں۔ اور میری سمجھ کے مطابق اس کے معنی بالکل صاف ہیں اس لیے کہ قیامت کے دن جب بہشت کی خوشبو پھیلے گی جن لوگوں کو وہ خوشبو پہنچے گی ان پر حساب آسان ہو جائے گا۔ اور جن کو اس کی خوشبو نہیں پہنچے گی ان کے لیے حساب دینا مشکل ہو جائے گا۔ یہ کہتے کہتے شیخ پر کیفیت طاری ہو گئی۔ انہوں نے کہا کہ شیخ کے خرقہ کے طفیل میں وہ خوشبو اس وقت بھی اس مجلس میں موجود ہے اور یہ شعر پڑھا ؎

بادے کہ سحرگہ ز سر کوئے تو آید جانہاش فدا باد کزو بوئے تو آید

شیخ پر کیفیت بڑھتی گئی یہاں تک کہ وہ کھڑے ہو گئے ہاتھ اٹھا دیا اور چاروں طرف گردش کرنے لگے۔ اور آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ اس مجلس میں بہت سے مخصوص احباب جیسے مولانا وجہ الدین بابلی، مولانا حسام الدین ملتانی، مولانا محی الدین کاشانی، اور مولانا رکن الدین کاشانی، اور مولانا رکن الدین چنغم وغیرہ اور دوسرے مشائخ اور علماء موجود تھے۔ اسی گردش کے دوران حضرت شیخ نے دوات اور قلم لانے کا اشارا کیا۔ اقبال نے دوات اور قلم لا کر ہاتھ میں دیا۔ انھوں نے گھومتے میں کچھ لکھا اور اس کاغذ کو تھوڑی دیر تک ہاتھ میں لیے گردش کرتے رہے۔ جب کیفیت میں کمی ہوئی تو شیخ میں طاقت باقی نہیں رہی تھی۔ چہرے پر زردی اور جسم ضعیف و نزار معلوم ہونے لگا۔ بے قابو ہو کر وہ گرے اور اس کاغذ کو اقبال کے ہاتھ میں دے دیا۔ اقبال نے فوراً اس کو منہ میں رکھ لیا اور چبا کر کھا گیا۔ کچھ پتا نہیں چلا کہ اس میں کیا لکھا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ اپنے حواس میں

آئے تو اقبال کو مخاطب کر کے فرمایا کہ لالا، آج جو کچھ اس گھر میں ہے مجھ پر لٹا دو۔ چنانچہ اس روز حجرہ میں جھاڑو دے دی گئی۔ اور جو کچھ وہاں تھا شیخ پر نچھاور کر دیا گیا۔

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ بہت زیادہ رونے کی وجہ سے شیخ کے رخسار میں زخم ہو گئے تھے شیخ کے احباب بیان کرتے ہیں کہ ایک گھنٹہ کے لیے بھی ان کی آنکھ خشک نہیں ہوتی تھی۔ ہمیشہ آنسو جاری رہتا تھا۔ اور بعض مرتبہ تو آنسو تیزی سے بہنے لگتا تھا۔ اسی لیے ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ جب تک رہے روتے رہے جب گئے تو روتے گئے۔ رسول اللہ صلعم بھی ہمیشہ مغموم اور گریاں رہتے تھے۔

خواجہ نظام الدینؒ یکتائے روزگار تھے

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ شیخ نظام الدینؒ یکتائے روزگار جوان تھے۔ ایک مرتبہ حضرت شیخ فریدالدین گنج شکر کی زندگی میں اجودھن اور ملتان والوں کے درمیان سمدھیانہ قائم ہوا شیخ کے صاحبزادے نے آکر عرض کیا کہ ان میں کافی پڑھے لکھے لوگ ہیں ہم لوگوں کے ساتھ بھی کچھ ذی علم لوگوں کو ہونا چاہیے۔ شیخ نے فرمایا کہ تو اپنے باپ کو لے لے اور نظام الدینؒ کو بلا لے۔ تیرا باپ صوفیوں کے لیے کرامت نفس کے لحاظ سے اور نظام الدینؒ علما کے ساتھ بحث مباحثہ کے لیے کافی ہے۔ مجلس نکاح میں لوگ ایک جگہ جمع ہوئے۔ ان لوگوں کے ساتھ ایک شیخ زادہ تھا جو اپنی بیوی پر قابو نہ حاصل کر سکا تھا اور وہ ابھی تک باکرہ تھی۔ مولانا بدرالدین نے اس کی طرف دیکھ کر اس کو بلایا اور کہا کہ سوئی دھاگا رکھتے ہو؟ اس نے کہا ہاں رکھتا ہوں۔ کہا جا کر لے آؤ۔ جب وہ لایا تو اس کے ایک ہاتھ میں سوئی دی اور دوسرے میں دھاگا۔ اور کہا کہ دیکھتے ہو یہ سوئی ہے اور یہ دھاگا۔ دھاگا کو سوئی کے سوراخ میں ڈال دیا اور اس کے ہاتھ میں دے دیا اور کہا جاؤ۔ اسی رات کو وہ عورت اس کے قبضہ میں آگئی۔ تمام ملتانی حیران رہ گئے۔ ملتان کے علماء کی سمجھ میں فقہ کا ایک مسئلہ نہیں آرہا تھا۔ وہ ان کو بہت مشکل معلوم ہو رہا تھا۔ وہ لوگ آپس میں بحث مباحثہ کر رہے تھے لیکن حل نہیں ہو رہا تھا نکاح کی مجلس میں بھی اس مسئلہ پر بڑی بحث ہوئی لیکن سلجھا نہیں۔ حضرت نظام الدینؒ خاموش بیٹھے سن رہے تھے۔ کچھ بول نہیں رہے تھے بہت بحث و مباحثہ کے بعد انہوں نے فرمایا کہ آپ لوگ خاموش رہیں تو میں کچھ عرض کروں۔ اس کے بعد پھر جو سوال آپ لوگ چاہیں مجھ سے کریں۔ یہ کہہ کر حضرت نظام الدین نے ایک پر مغز اور مدلل تقریر کی جس سے اس مسئلہ کی ساری

گتھیاں سلجھ گئیں۔ اور کوئی مشکل ہی باقی نہیں رہی۔ سب لوگ اس علمی مہارت پر دنگ رہ گئے اور ہر طرف سے تحسین و آفرین کی صدا بلند ہوئی کہ واہ کیا علم ہے۔

حضرت مخدوم نے ایک اور قصہ بیان فرمایا کہ حضرت شیخ کے احباب میرے گھر میں اکثر جمع ہوتے تھے میں اس وقت بچہ تھا۔ آپس میں وہ لوگ جو گفتگو کرتے تھے وہ میری سمجھ میں نہیں آتی تھی سوائے اس کے کہ وہ لوگ خدا کو دیکھتے ہیں۔ اس سے باتیں کرتے ہیں۔ اور اس کی آواز سنتے ہیں۔ میرے دل میں کبھی بھی یہ بات نہ گذری تھی کہ صوفی دنیا میں رویت باری تعالیٰ کا منکر ہو سکتا ہے۔ یہاں تک کہ شیخ کا وصال ہو گیا۔ شیخ کے انتقال کے بعد میں نے تعرف دیکھا تو حیران رہ گیا۔ کہ صوفی بھی رویت باری کا منکر ہوتا ہے۔ سبحان اللہ سالہا سال میں شیخ کی خدمت میں رہا ان سے مختلف مسائل پر باتیں ہوئیں لیکن کبھی ان سے یہ نہیں ظاہر ہوا کہ وہ رویت کے منکر ہیں۔

روز سہ شنبہ ۱۰ شعبان ۸۰۲ھ

چاشت کے وقت بھی صوفیوں کے ساتھ فقیہوں کی مخالفت کی بات نکل آئی۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ صوفیوں کی گلو خلاصی اس گروہ سے اسی صورت میں ممکن ہے کہ وہ اپنے کو ان ہی جیسا بنا لیں اور ان کے درمیان ان ہی کی طرح رہیں جیسا کہ ہمارے خواجہ کرتے تھے۔ وہ ایک دانش مند صالح اور دبیر کی طرح نظر آتے تھے۔ مولانا برہان الدین بجنوری کئی سال تک شیخ کی خدمت میں رہے تھے۔ ایک مرتبہ میں نے ان سے اپنے شیخ کے بارے میں کوئی بات کہی انہوں نے تردید کر دی۔ اور کہا کہ آپ کو معلوم ہے کہ شیخ کی صحبت اور ملازمت کا جتنا مجھے موقع ملا ہے بہت کم لوگوں کو نصیب ہوا ہوگا۔ میں نے کہا آپ صحیح فرما رہے ہیں۔ انہوں نے کہا میں سچ کہتا ہوں شیخ نے مجھ کو تلقین ذکر کی نہیں کی ہے لیکن مجھ کو ان سے قرابت داری تھی۔ انھوں نے جس طرح ایک واقعہ بیان کیا ہے اسی طرح میں بھی کہہ رہا ہوں۔ ایک روز میں نے دیکھا کہ میری دیوار روشن ہو گئی ہے۔ اس کو دیکھ کر اچھے اچھے دانش مند مرید ہو گئے۔ لیکن ان کو سوائے روزہ نماز کے اور کسی طرح کی تعلیم نہ دی۔ دانش مندوں کی صحبت صوفیوں کے لیے مناسب نہیں ہے۔ یہ لوگ ہر وقت تشویش اور تعلق میں رہتے ہیں اور یہ لوگ ناسودہ

اور غیر مطمئن لوگ ہیں۔ جو ان کے ساتھ رہے گا وہ بھی ناسودہ رہے گا۔

خواجہ فضیل عیاض نے ایک مرتبہ گھر کرایہ لینے کے لیے خادم کو بھیجا اس سے کہا کہ کوشش کرنا کہ ہمسایہ دانش مند اور اسکالر وغیرہ نہ ہوں۔

شیطان چور کی شکل میں

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ایک مرتبہ کچھ صدقہ کا غلہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دکھنے کے لیے دیا تھا۔ رات کو ایک شخص اس میں سے چوری کرنے کے ارادے سے آیا۔ ابو ہریرہؓ جاگ گئے اور انھوں نے اس کو پکڑ لیا۔ اس چور نے کہا میں فقیر اور بال بچے والا ہوں۔ فاقہ سے مجبور ہو کر ایسا کیا۔ مجھ کو چھوڑ دیجیے دوبارہ نہیں آؤں گا۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے اس کو چھوڑ دیا۔ صبح کو انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ واقعہ کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کا انتظار کرو آج رات کو بھی وہ آئے گا۔ ابو ہریرہ منتظر رہے۔ دوسری رات کو وہ پھر آیا۔ ابو ہریرہ نے اس کو پکڑ لیا۔ اس نے پھر وہی حیلہ اور عذر کر کے اپنے کو چھڑا لیا۔ رسول اللہ صلعم نے صبح کو پوچھا "کل رات تمہارے قیدی نے کیا کیا۔" ابو ہریرہؓ نے پھر پورا قصہ سنا دیا۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا آج رات کو بھی وہ آئے گا۔ ابو ہریرہؓ منتظر رہے وہ آیا۔ انہوں نے اس کو پکڑ لیا۔ اور کہا یہ تیسری بار ہے اب میں تجھے نہیں چھوڑوں گا۔ اس نے کہا اگر قرآن مجید کی آیتوں میں سے کوئی آیت تمہیں ایسی سکھلا دوں جس کو اگر تم رات کو سونے کے وقت پڑھ لوگے تو خدا کی حفاظت میں رہوگے اور تمام آفات اور شر سے بے خوف ہو جاؤ گے۔ انہوں نے کہا اچھی بات ہے بتاؤ۔ اس نے بتایا کہ یہ آیت الکرسی ہے۔ ابو ہریرہؓ نے اس کو چھوڑ دیا۔ صبح کو رسول اللہ نے پھر پوچھا۔ ابو ہریرہؓ نے پورا قصہ سنا دیا۔ رسول اللہ نے فرمایا صدق وھو کذوبٌ۔ یعنی اس نے صحیح کہا آیت الکرسی میں یہ اثر ہے لیکن وہ بہت جھوٹا اور دروغ گو ہے۔ رسول اللہ صلعم نے کہا اے ابو ہریرہ تمہیں معلوم ہے وہ کون تھا؟ انہوں نے کہا نہیں یا رسول اللہ۔ آپ نے فرمایا وہ شیطان تھا۔ اس موقع پر حضرت مخدوم کے بھتیجے سید احمد نے پوچھا کہ شیطان کو آیات قرآنی کے خواص کی اطلاع ہوگئی حضرت مخدوم نے فرمایا کہ وہ بدبخت لعین عارف، عاشق اور اسرار الٰہی کا بڑا واقف کار ہے۔

ایک مرتبہ راستہ میں عبداللہ تستری سے ملاقات ہوئی ان کے ساتھ بیٹھا اور اسرار الٰہی سے متعلق باتیں کرنے لگا۔ عبداللہ تستری نے کہا سبحان اللہ، کیا اسرار ہیں کہ تمام عارفوں کا جگر خون

ہوتا ہے۔ تم نے خیال نہیں کیا وہ کیا کہتا ہے۔ آپ کی عزت کی قسم میں نہیں چاہتا کہ کوئی آپ تک پہنچے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم لوگوں میں سے کسی سے کچھ نہ ہوسکے تو ہر رات کو قرآن مجید کا تین حصہ پڑھ لیا کرے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ثلث قرآن ہر رات کو پڑھنا کس طرح ممکن ہے۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا قل ہو اللہ احد ثلث قرآن کے برابر ہے۔

سورہ اخلاص ثلث قرآن ہے

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ قرآن مجید میں تین چیزیں ہیں۔ توحید، احکام اور قصص۔ قل ہو اللہ احد توحید ہے اس لیے یہ ثلث قرآن کے برابر ہے۔ اور ہمارے مشائخ کا قول ہے کہ جو شخص ہم لوگوں کے درمیان آجاتا ہے صوفی ہو جاتا ہے۔ سب سے پہلے اس کو ایک ہزار مرتبہ سورہ اخلاص پڑھنے کی ہدایت کی جاتی ہے۔ حضرت شیخ قطب الدینؒ ہر رات کو چار ہزار مرتبہ درود شریف اور چار ہزار مرتبہ سورہ اخلاص پڑھتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے ایک عورت سے نکاح کیا اس رات کو آپ اس کے ساتھ مشغول رہے۔ درود شریف کے معمولات میں کچھ کمی ہوگئی۔ حضرت شیخ کے خادموں میں سے ایک نے خواب دیکھا کہ بہت بلند و بالا اور شاندار مکان ہے اور اس کے دروازہ پر ایک شخص بیٹھا ہوا ہے وہ حاجب کی طرح کبھی اندر جاتا ہے کبھی باہر آتا ہے۔ لوگوں سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا دربار ہے اور وہ شخص جو دروازہ پر حاجب کی طرح کھڑے ہوئے ہیں عبداللہ بن مسعودؓ ہیں۔ اندر سے آکر عبداللہ بن مسعودؓ نے اس خادم کو کہا کہ رسول اللہ صلعم نے حضرت قطب بختیارؒ کو سلام کے بعد یہ پیغام دیا ہے کہ ہر رات کو تمہارا تحفہ جو مجھے ملا کرتا تھا آج رات کو نہیں ملا۔ اللہ کرے اس کا سبب بہتر ہی ہو۔ یہ پیغام تم اپنے مالک تک پہنچا دینا۔ خادم نے صبح کو وہ خواب حضرت شیخ سے کہہ سنایا حضرت شیخ نے فرمایا۔ صحیح ہے۔ کل کی رات درود شریف کے پڑھنے میں مجھ سے کچھ کمی ہوگئی تھی۔ اس کے بعد وہ فوراً اُٹھے۔ اس عورت کا مہر اس کو دیا اور معذرت کے ساتھ اس کو طلاق دے دی۔

مرگِ سفید مرگِ سُرخ اور مرگِ سیاہ کی تشریح

حضرت مخدوم نے ایک قصہ بیان کیا کہ خواجہ محمود نقایا مولانا برہان الدین غریب کے دوستوں میں سے تھے۔ ان کا مکان اندرون دہلی حضرت شیخ قطب الدینؒ

کے مقبرہ کے راستہ میں پڑتا تھا۔ مجھ کو تاکید کی کہ شیخ کی زیارت کے لیے مقبرہ پر ضرور جاؤ۔
اور جب شیخ کی زیارت سے واپس ہو تو میرے گھر آؤ رسالہ قشیری سے کچھ پوچھوں گا تم مجھے بتانا۔
میں اس وقت کم سن تھا۔ میں نے منظور کر لیا۔ اور حسب وعدہ ان کے گھر گیا۔ خواجہ محمود آکر
بیٹھے۔ کتاب میں ایک جگہ حاتم اصمؒ کا یہ قول آیا کہ جب تک کوئی شخص تین موت کا مزا نہ چکھ
لے گا منزل پر نہیں پہنچے گا۔ اور وہ تین موت مرگ سفید، مرگ سرخ، اور مرگ سیاہ ہے۔ مرگ
سفید سے مراد مرگ گرسنگی ہے، مرگ سرخ سے مراد تحمل اور مرگ سیاہ سے مراد فقر ہے۔
خواجہ نے امتحان کے طور پر مجھ سے پوچھا کہ کس مناسبت سے مرگ سفید، مرگ سرخ اور مرگ
سیاہ کہا گیا۔ میں نے عرض کیا کہ بھوک سے صفائی قلب و روح ہوتی ہے اس لیے وہ مرگ
سفید ہوا۔ اور تحمل میں خون جگر پینا پڑتا ہے اس لیے کہ غصہ میں انتقام کے وقت خون کا غلبہ
ہوتا ہے اور تحمل میں اس غصہ کو پی جانا اور ٹھنڈا کرنا پڑتا ہے اس لیے وہ مرگ سرخ ہوا اور
فقر کے بارے میں رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے الفقر سواد الوجہ فی الدارین۔ لوگوں
کے درمیان فقیر شرمندہ، خجل اور منکسر ہوتا ہے اس لیے فقر مرگ سیاہ ہوا۔ حضرت خواجہ نے
میری باتوں کو غور سے سُنا۔ سر جھکائے رہے۔ کچھ بولے نہیں۔

روز چہار شنبہ ۱۱ر شعبان ۸۰۲ھ

افعال باری تعالیٰ کے لیے غرض اور علت کی ضرورت نہیں

ظہر کی نماز کے وقت مولانا عمر شیخ سعید کنبھائیتی حضرت مخدوم کی خدمت میں حاضر تھے۔ انہوں نے پوچھا کہ افعال باری
تعالیٰ کے لیے غرض اور علت کی ضرورت تو نہیں پھر داؤد علیہ السلام نے خدا تعالیٰ سے یہ کیوں
پوچھا۔ یا رب لما ذا خلقت الخلق ہ فقال رب تعالیٰ کنت کنزاً مخفیاً فاحببت
ان اعرف فلذا خلقت الخلق (ترجمہ۔ اے خالق کائنات تو نے کائنات کو کیوں
پیدا کیا۔ اللہ نے فرمایا کہ میں راز سربستہ تھا بس جب میں نے چاہا کہ ظاہر ہو جاؤں تو
میں نے مخلوق کو پیدا کیا۔) اس میں "لما" اور اس کے جواب سے بیان علت و غرض کے
علاوہ اور کیا ظاہر ہوتا ہے حضرت مخدوم نے وضاحت فرمائی کہ افعال باری تعالیٰ اور اس

کے تقدس کے لیے کوئی سبب اور علت کی ضرورت نہیں ہے۔ اور اللہ کا کوئی فعل عبث اور بے فائدہ بھی نہیں ہوتا ہے۔ وہ حکیم ہے۔ اور حکیم کا کوئی فعل عبث اور بے کار نہیں ہوتا ہے اس کا ہر فعل حکمت اور مصلحت کے تحت ہوتا ہے سب حکمت اور بے مصلحت نہیں ہوتا۔ اب وہ حکمت ہماری طرف رجوع ہو یا باری تعالیٰ کی طرف۔ اور داؤد علیہ السلام کا سوال تخلیق کی حکمت کے سلسلے میں تھا۔ اور اس کا جواب اللہ نے دیا کہ میں راز سربستہ تھا۔ خود بخود ، متوحد بہ وحدت خویش تھا میں نے چاہا کہ اپنی عظمت اور عزت کو کائنات میں شناسا کراؤں اس لیے ضروری تھا کہ ظاہر ہو اور سب پہچانیں۔ معرفت خود بہ خود نہیں ہو سکتا۔ اس لیے ہم نے مخلوق کو پیدا کیا۔ اور بعض روایت میں ان اعرف بہ لفظ معروف بھی آیا ہے۔ یعنی میں علیم وخبیر بالقوہ تھا میں نے چاہا بالفعل ہو جاؤں۔ اس کے بعد مولانا عمر شیخ سعید نے پوچھا کہ اس طرح تو تغیر و حدوث صفات باری میں سمجھا جاتا ہے۔ حضرت مخدومؒ نے جواب دیا صفات کی تین قسمیں ہیں اول صفات ذاتی جیسے جہات و قدرت۔ دوم صفات فعلی جیسے خلق و رزق۔ سوم صفات اضافی جیسے علیم وخبیر اس لیے تغیر اور تبدل جو صفات فعلی و اضافی میں ہوتا ہے وہ ہم لوگوں کی نسبت سے ہوتا ہے۔ اللہ کی نسبت سے نہیں۔ کوئی نقص اور تغیر کی نسبت "الینا" نہیں بلکہ "الیہ" ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ازل میں بالفعل خالق نہیں تھا۔ جب اس نے بہ اختیار خویش خلق کیا تو خالق بالفعل ہو گیا اس لیے صفات فعلی اور اضافی میں تبدیلی اور تغیر "الینا" کی نسبت سے ہوتی ہے۔ اس کے صفات ذاتی میں کوئی تغیر اور تبدیلی نہیں ہوتی۔ وہ قادر مطلق ہے۔ رازق ہے بالفعل اور بالقوہ ہر طرح ازل الازال سے وہ مختار ہے وہ صاحب ارادہ ہے وہ جو چاہتا ہے۔ جس وقت چاہتا ہے اور جس طرح چاہتا ہے کرتا ہے اور جو نہیں چاہتا ہے نہیں کرتا ہے۔ اگر کسی طرح کی تبدیلی تغیر و تعین ہوتا بھی ہے تو وہ مخلوق کی طرف راجع ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے خلق اور رزق پر بالفعل بھی اور بالقوہ بھی۔ لیکن ان اوصاف کا ظہور شئے کے اختیارات و ارادت پر بر صفت وقت معین ہوتا ہے۔ تغیرات ہوتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ اپنی ذات و صفات سے تغیرات و حدوث نقص و زوال سے ہر طرح پاک و صاف ہے۔ اور اگر فرض کر لیا جائے کہ اس نے تخلیق نہ کیا یا رزق نہیں دیا۔ تو اس سے اس کی الوہیت اور عظمت میں اور رزاقی کی صفت میں کوئی نقص نہیں پیدا ہوتا۔ کسی صفت کا اس سے ظاہر ہونا اس کا تعلق ہم لوگوں سے ہے اس کی صفت سے نہیں۔ مولانا عمر شیخ سعیدؒ نے ایک دوسرا سوال کیا۔ کہ کیا صفات باری کی

مصلحت حاجت کی مقتضی ہے۔ حضرت مخدوم نے جواب دیا کہ نہیں باری تعالیٰ کے معاملہ میں مصلحت اس کی صفت مرضیہ ہے۔ جیسا کہ تم نے اللہ کا کلام اوپر پڑھا کہ میں نے بلا اکراہ و احتیاج محض اپنے اختیار اور ارادے سے پسند کیا کہ میں پہچانا جاؤں۔ میں نے اپنی مرضی کے تحت تخلیق خلق کیا۔ پس اللہ تعالیٰ فاعل مختار ہے واجب الوجود ہے ممتنع العدم ہے۔ وہ موجب بذات نہیں ہے یعنی وہ ایسی ذات نہیں ہے کہ اس سے بلا ارادہ افعال ہوتے ہیں جیسا کہ معتزلہ یا بعض فلسفی کہتے ہیں اور اس بناء پر اس کی صفات کی نفی کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ چشمہ چاہے یا نہ چاہے پانی اس سے نکلتا ہی رہے گا اسی طرح آگ بلا ارادہ جلاتی ہی رہے گی اور پانی ڈوبا تا ہی رہے گا۔ حق مذہب یہ ہے کہ باری تعالیٰ کے صانع ہونے کے لیے کوئی ایسا سبب نہیں ہے جو اس کو مضطر اور مجبور کرے وہ جو چاہتا ہے اور جس طرح چاہتا ہے باختیار خود بلا احتیاج و اضطرار کرتا ہے یعنی اس کے فعل کا سبب سوائے اس کے اختیار اور ارادے کے اور کچھ نہیں۔ اگر وہ چاہے تو بہ اختیار خویش کچھ نہ کرے اس سے کسی طرح کا نقص اس پر لاحق نہیں ہوتا ہے۔ اس کو کسی چیز کی حاجت نہیں ہے۔ یفعل مایشاء و یحکم مایرید۔

حدیث کُلُّ مُسْکِرٍ حَرَامٌ کی توضیح

اس حدیث کُلُّ مُسْکِرٍ حَرَامٌ میں اشارہ اس طرف کیا گیا ہے کہ مرشد اور پیر کو نہیں چاہیے کہ مرید اور مسترشد پر تمام مواہب اور موارد کی ایک ساتھ بارش کر دے کیونکہ اگر اس کے حوصلہ اور صلاحیت سے زیادہ ہوا تو اس کے پلے کچھ نہیں پڑے گا اور سب ضائع ہو گا اور اس کو کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ اس لیے چاہیے کہ تھوڑا تھوڑا اس کے حوصلہ اور صلاحیت کے مطابق اس پر نعمتوں کی بارش کرے۔ تاکہ اس سے اس کو قوت حاصل ہو اور وہ اعلیٰ مقصد پر پہنچے۔ اور ابتدا سے انتہا تک تمام جزئیات سے لذت گیر ہو سکے۔ مذہب میں ریختن مسکر بقدر حوصلہ سے یہی مراد ہے۔

حضرت مخدوم نے پھر ایک قصہ سنایا کہ ایک دن میرے ماموں دوستوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے شراب پی رہے تھے۔ میں اس وقت سات آٹھ سال کا تھا۔ اتفاق سے ان کے گھر چلا گیا۔ انہوں نے مجھ کو بلایا اور ایک پیالہ دیا اور کہا گھر جاؤ۔ دوسری نماز کے وقت تک ان لوگوں کی وحشت اور ہوہڑپ جاری رہی۔ اور طرح طرح کی بے ضابطگی اور ناہنجاری کرتے رہے۔ میں خالہ کے گھر چلا گیا۔ خالہ نے مجھ کو اندر بلایا پیالہ شراب سے بھرا ہوا تھا۔

انہوں نے کہا کہ یہ لوگ گھر آکر پئیں گے تم پی لو اور چلے جاؤ۔ میں بچہ تھا۔ اس عورت نے مجھ کو تمام شراب پلادی۔ پینا شرط تھا کہ میں بے ہوش ہوگیا۔ کسی طرح لوگ گھر سے آئے۔ رات بھر قے کرتا رہا۔ اور بے چین رہا۔ جب صبح ہوئی تو میں چونکہ نماز کا عادی تھا فوراً اٹھ کر وضو کیا اور نماز پڑھی۔ شرم سے گردن جھک گئی۔ لوگ حال پوچھنے کے لیے آتے رہے اور میں شرمندہ ہوکر روتا رہا اور سر جھکائے بیٹھا رہا۔ اس کے بعد سے اللہ تعالیٰ نے کبھی بھی یہ روز بد نہ دکھلایا۔ مقصد یہ ہے کہ وہ مجھے میری صلاحیت اور حوصلہ سے زیادہ مل گیا اور اس کی وجہ سے مجھے سوائے تکلیف، رنج، بے ہوشی اور شرمندگی کے کچھ حاصل نہ ہوا۔

عارف کے لیے رسول اللہ کے قدم بہ قدم چلنا ضروری ہے

پھر حضرت مخدوم نے فرمایا کہ جب تک عارف رسول اللہ صلعم کے قدم بہ قدم نہ چلے اور ان کی پیروی نہ کرے خداوند تعالیٰ اس کو نہیں بخشے گا۔ ایک درویش نے بیان کیا کہ میں نے ایک درویش کو دیکھا کہ اس کا ایک پیر جانگ کے اوپر تک کٹا ہوا تھا۔ میں نے اس کا سبب پوچھا تو اس نے کہا کہ ہم رسول اللہ کے قدم بہ قدم نہ چلے تھے اس لیے خدا تعالیٰ نے میرا پیر ہی کاٹ دیا۔

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ایک دن ایک درویش کو ایک بزرگ کی زیارت کے لیے بھیجا اور کہا کہ جو کچھ ان کا حال دیکھو مجھ سے آکر کہو۔ وہ درویش گیا دیکھا کہ وہ بزرگ بہت عظمت اور عزت کے ساتھ آرام فرما ہیں لیکن ایک بڑا کالا سانپ ان کی قبر کے اندر ہے اس درویش نے کہا کہ میں نے ان بزرگ سے پوچھا کہ حضرت آپ کی بزرگی اور عظمت کے باوجود یہ کالا سانپ آپ کی قبر میں کیوں ہے۔ ان بزرگ نے جواب دیا کہ کیا بتاؤں اللہ تعالیٰ نے مجھ کو دنیا میں مال و متاع دنیاوی کافی دیا تھا اس کے خرچ میں مجھ سے کمی بیشی ہوئی اور اسی کی سزا میں اس سانپ کو میرا ساتھی بنا دیا گیا ہے کہ جب تک میں قبر میں رہوں یہ میرے ساتھ رہے۔ سبحان اللہ اتنے معارف اور مراتب کے باوجود یہ بازپرس اور سزا۔

قرآن مجید کے اندر کیے گئے تمام خطابات کا اپنے کو مخاطب سمجھے

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ سلوک کی کتاب میں ہے کہ آدمی قرآن مجید کے اندر کیے گئے تمام خطابات کا اپنے کو مخاطب سمجھے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ تواضع، انکساری اور ضبط نفس کے بارے میں جو کچھ ذکر آیا ہے اس کو اپنے اوپر محمول کرے ورنہ ظاہر

ہے کافروں کے زمرے میں اپنے کو کس طرح شامل کرے گا اور ان سے کیے گئے خطابات کا اپنے کو مخاطب کس طرح سمجھے گا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ایک مرتبہ مولانا زین الدین دولت آبادی خلیفہ مولانا برہان الدین غریب نے ہمارے خواجہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں دل کا مریض ہوں میرے لیے دعا فرمائیں۔ حضرت خواجہ نے انگشت شہادت منہ میں ڈال کر فرمایا مولانا دل کو مریض مت کہو، قرآن مجید میں دل کے مرض سے مراد شک اور نفاق لیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے والذین فی قلوبھم مَرَضٌ۔ یہاں پر دل کے مرض سے شک اور نفاق ہی مراد لیا گیا ہے۔

بچّوں کو سن رسیدہ نگراں کے حوالہ کرنا چاہیے

ایک شخص اپنے بچوں کو حضرت مخدوم کی قدمبوسی کے لیے لایا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ بچوں کو ان کے ہم عمر غلام اور کنیز کے سپرد نہیں کرنا چاہیے۔ اس لیے کہ ان میں وحشت ہوتی ہے وہ بچوں کو بھی اپنی خواہشات کے راستہ پر ڈال دیں گے بلکہ بہتر یہ ہے کہ ان کا نگران بوڑھا غلام یا کنیز کو مقرر کریں۔ بچوں کو قصے کہانیاں بہت پسند ہیں اس لیے ان کو بجائے افسانوں کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مولد و منشا اور بعثت و نبوت کے قصّے سنایا کریں۔ یا دوسرے انبیا سے متعلق قصے کہے جائیں تاکہ وہ ان کے دل میں جاگزین ہو جائیں۔ اور وہ ان سے واقف رہیں۔ حضرت مخدوم نے پھر اس خاکسار کاتب الحروف اور اس خاکسار کے بھائی کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ میں ان کے بچپن کے زمانے میں ان لوگوں کو برابر رات کو بلا لیا کرتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ ہم قصہ کہتے ہیں تم لوگ سنو۔ اور اس وقت پیغمبر صلعم کے مولد و منشا اور حالات زندگی سے متعلق قصہ کہا کرتا تھا۔ اور یہ کمترین جامع ملفوظات آج اعتراف کرتا ہے اور سچے دل سے گواہی دیتا ہے کہ پیغمبر صلعم کے حالات زندگی سے متعلق اس وقت جو کچھ واقفیت ہوئی وہ سب حضرت مخدوم کی صحبت کے طفیل میں ہوئی۔ اور اس وقت کی باتیں اس طرح دل میں بیٹھ گئی ہیں کہ ان کے بھولنے کا کوئی احتمال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

ایک عجیب تخم

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ اگر مجھ سے پوچھا جائے کہ کسی ایک ایسے تخم کا نام بتاؤ کہ اس کو ایک زمین میں لگایا جائے تو گندم پیدا ہو، دوسری زمین میں لگایا جائے تو جو، تیسری میں لگایا جائے تو سیب اور کسی میں کدو، کسی میں دھتورا کسی میں تونبا اور کسی میں زہر پیدا ہو یعنی بیج ایک ہی ہو لیکن طریقہ اور تربیت خاص کی وجہ

ماحصل اور پیداوار مختلف ہو تو میں کہوں گا کہ وہ تخم انسان ہے۔ وہی ایک ایسا تخم ہے جو تربیت طریقہ اور ماحول کے بدلنے سے کبھی پیغمبر، ولی، ابدال، اوتاد اور قطب کی شکل میں رونما ہوتا ہے اور کبھی کافر، فاسق، چور، اچکا، اور چنڈال کی شکل میں۔

انسان کی تربیت کا سبب اور تکمیل کا وقت کونسا ہے

پھر بات یہ نکل گئی کہ انسان کی تربیت اور قابلیت کا سبب اور تکمیل کا وقت کونسا ہے۔ حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ عمر کی بہار اور خلاصہ بچپن اور جوانی کا دور ہے۔ اکثر مشائخ مادر زاد صالح اور ولی اللہ پیدا ہوئے ہیں کچھ ایسے بھی ہیں جن کی جوانی دیوانی دنیاوی مشاغل میں گزری ہے اور وہ بعد میں تائب ہو کر یاد الٰہی کی طرف لوٹے ہیں جیسے کہ سلطان ابراہیم بن ادھمؒ، خواجہ ابوحفص حداد، خواجہ فضیل عیاض، حبیب عجمی، اور عبداللہ مبارک وغیرہ حضرت مخدومؒ نے پھر ایک قصہ بیان کیا کہ خواجہ جنیدؒ جب بارہ سال کے تھے ان کے ماموں حضرت سری سقطیؒ ایک رات عبادت میں مشغول تھے۔ یکایک اس وقت کھیل کرتے ہوئے وہ حضرت سری سقطیؒ کے پیچھے سے گزرے۔ حضرت سری سقطیؒ نے ان سے کہا، بچے کیا کرتے ہو۔ بیٹھ جاؤ۔ اور دل میں اللہ حاضری، اللہ ناظری، اللہ معی پڑھتے رہو۔ یعنی خدا حاضر ہے، دیکھنے والا ہے اور ہمیشہ میرے ساتھ ہے۔ حضرت جنیدؒ نے اس کو اپنے دل میں رکھ لیا اور مراقبہ میں بیٹھ گئے۔ حضرت سری سقطیؒ عبادت میں مشغول ہو گئے۔ صبح سویرے سر اٹھایا تو دیکھا کہ جنیدؒ سر جھکائے بیٹھے ہوئے ہیں۔ حضرت سری سقطیؒ نے پوچھا بچے! کس کام میں مشغول ہو۔ جنیدؒ نے جواب دیا: اللہ حاضری، اللہ ناظری، اللہ معی۔ جنیدؒ کو لوگ گھر کے اندر لے گئے۔ وہاں بھی وہ یہی پڑھے جا رہے تھے۔ اور سر نہیں اٹھاتے تھے۔ لوگوں نے کھانا پانی لایا تو انہوں نے کہا میں کس طرح کھاؤں خدا حاظر ہے مجھ کو دیکھ رہا ہے اور ہر وقت میرے ساتھ ہے۔ اگر میں پانی پیوں گا تو پیشاب پائخانہ کی حاجت ہو گی میں کس طرح کروں گا۔ گھر والے سخت حیران اور پریشان تھے کہ لڑکا زندہ کس طرح رہے گا۔ چونکہ جنیدؒ بچہ تھے ان کی ماں نے ان کی سمجھ کے مطابق ان کو سمجھایا کہ قضائے حاجت بشری کے وقت جس طرح اپنے اور تیرے درمیان پردہ ڈال دیتی ہوں کہ تجھے نہ دیکھوں اسی طرح پردہ ڈال دوں گی کہ اس وقت خدا تجھ کو نہیں دیکھے گا۔ اور یہ بات ان کی سمجھ میں آ گئی۔ اور وہ مان گئے۔

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ہمارے خواجہ فرماتے تھے کہ جب میں بارہ سال کا تھا قرآن مجید حفظ کرتا تھا اور پنج گنج اور حریری پڑھتا تھا۔ میرے دل میں یہ بات آئی کہ میں شیخ رکن الدین کا مرید ہوں گا۔ میرے ایک ماموں تھے۔ میں ان کو خواجہ خضر کہتا تھا۔ وہ شیخ الاسلام حضرت نظام الدین اولیا کے مرید تھے۔ میں ان کے بچوں کو پڑھاتا تھا۔ ایک دن ایک شاگرد نے مجھ سے پوچھا کہ نماز کے دوران اول سجدہ کرنے کے وقت پہلے زانو کو زمین پر رکھا جائے گا یا ہاتھ کو۔ اس وقت تک میں نے فقہ کی کوئی کتاب نہیں پڑھی تھی کہ اس مسئلہ کا جواب دیتا اور ان لوگوں سے یہ بھی نہیں کہنا چاہتا تھا کہ میں نہیں جانتا ہوں۔ میں نے کہا کتاب دیکھ کر تم کو بتاؤں گا۔ اور دل میں سوچا کہ چل کر یہ مسئلہ میں اپنے استاد سے پوچھ لوں گا۔ اور یہ ارادہ کر کے استاد کے پاس جانے کے لیے اٹھا مولانا نصیر الدین سالار پوری کی بات یاد آگئی کہ اس راہ میں ایک مسجد بھی ہے۔ میں اس مسجد میں چلا گیا۔ اور چاہا کہ چاشت کی نماز ادا کروں۔ اس زمانہ میں میں چاشت، اشراق، اور تہجد وغیرہ کی نماز کا عادی ہو چکا تھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک دراز قد وجیہہ صورت بزرگ، بڑی بڑی آنکھیں بڑا سا دستار سر پر باندھے عظمت و جلال کے ساتھ مسجد میں تشریف لائے اور فوراً نماز شروع کر دی۔ تھوڑی دیر قیام کے بعد جلدی سے رکوع میں گئے اور سجدہ میں جانے کے وقت پہلے زانو زمین پر رکھا اور اس کے بعد دونوں ہاتھ رکھے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ بزرگ غائب ہو گئے۔ میرے دل میں یہ بات آئی کہ کہیں یہ بزرگ شیخ نظام الدینؒ تو نہیں تھے۔ میں جب واپس ہوا تو ماموں جان اپنے گھر کے دروازہ پہ دوستوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے کہا آپ کے پیر کو میں نے دیکھ لیا۔ انہوں نے ہنس کر پوچھا تم نے کس طرح دیکھا۔ میں نے کہا فلاں مسجد میں میں چاشت کی نماز ادا کر رہا تھا ایک بزرگ کو میں نے دیکھا۔ میرے دل میں یہ بات آئی کہ یہی شیخ نظام الدین ہیں۔ انہوں نے پوچھا بزرگ کا حلیہ کیا تھا۔ میں نے پوری تفصیل سے بتایا۔ آنکھوں میں آنسو لاکر انہوں نے فرمایا ہاں یہ حلیہ ان ہی کا ہے۔ جب میں خود مرید ہونے کے ارادے سے شہر میں آیا تو میں نے حضرت کو بالکل اسی حلیہ کا پایا۔

حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ ہمارے خواجہ فرماتے تھے کہ میں جب بچہ تھا مسجد میں معلم سے قرآن مجید پڑھتا تھا۔ اس مسجد میں ایک درخت تھا جس پہ ایک کوّا آکر بیٹھتا تھا۔ وہ جو کچھ بولتا تھا میں اس کی بولی سمجھتا تھا۔

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ حضرت خواجہ نظام الدینؒ نے سوائے اپنے استادوں کے دروازے یا اپنے پیر شیخ فرید الدین گنج شکرؒ کے دروازہ کے اور کہیں قدم نہیں رکھا۔ وہ کہیں نہیں جاتے تھے اور وہ سوائے اللہ کی بندگی اور عبادت کے کوئی خواہش نہیں رکھتے تھے۔

حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ حضرت شیخ فرید الدین گنج شکرؒ قاضی سلیمان کھوتوال کے لڑکے تھے حضرت شیخ اس قصبہ میں قاضی کے دیوانے بچے کے نام سے مشہور تھے۔ کیونکہ وہ سوائے یاد الٰہی کے کسی کام کی طرف متوجہ نہ ہوتے تھے اور نہ کسی سے بات کرتے تھے۔ اور زیادہ تر وہ مسجد میں خاموش عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے تھے۔ جب شیخ کے والد کا انتقال ہوا تو ان کے چاروں بھائیوں نے کھوتوال کی زمین کو آپس میں تقسیم کر لینا چاہا۔ شیخ فرید الدین ادھر ادھر ٹل جاتے تھے۔ ایک مرتبہ ان کے بھائیوں نے ان کو پکڑا اور کہا کہ یا تو تم اپنا حصہ بانٹ کر لے لو یا خط ترک یعنی بازی دعویٰ لکھ دو۔ ہم لوگ تقسیم کر لیں گے۔ شیخ فرید الدین گنج شکرؒ نے اپنے حصہ سے باز آجانے اور چھوڑ دینے کی تحریر لکھ کر بھائیوں کے حوالہ کر دی۔ اور شان خدائی دیکھو کہ آج شیخ فرید الدین کے مقبرہ کی نگہداشت کے لیے جتنے گاؤں وقف ہیں ان میں ایک کھوتوال بھی ہے جس کو حضرت شیخ نے بھائیوں کے لیے چھوڑ دیا تھا۔

حضرت خواجہ قطب الدین اوشیؒ کو خواجہ خضر علیہ السلام نے معلم کے یہاں پہنچایا۔

حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ ہمارے خواجہ بیان کرتے تھے کہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشیؒ جب چار سال چار ماہ کے ہوئے تو ان کی والدہ نے کچھ شیرینی اور روپے دے کر ایک نگران کے ساتھ محلہ کے معلم کے پاس تعلیم کے لیے بھیجا۔ راستہ میں ایک آدمی سے ملاقات ہوئی۔ اس نے نگران بوڑھی عورت سے پوچھا کہ اس بچے کو کہاں لے جا رہی ہو۔ عورت نے کہا محلہ کے معلم کے پاس لے جا رہی ہوں تاکہ مسجد میں اسے پڑھنے کے لیے بٹھا دوں۔ اس آدمی نے کہا اے عورت دوسرے محلہ میں بہت اچھے استاد ہیں اگر اس بچہ کو لے کر میرے ساتھ آؤ تو میں ان کے پاس لے چلوں۔ خادمہ نے کہا جہاں تم بہتر سمجھتے ہو لے چلو۔ وہ لے کر دوسرے محلہ کے معلم کے پاس لے گیا۔ وہ معلم اس آدمی کو دیکھتے ہی دوڑتے ہوئے آئے اور سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ اس آدمی نے کہا اے مولانا! اس بچے سے مجھے بہت سا کام لینا ہے اس کی بہت اچھی طرح تعلیم کریں۔ یہ

کہہ کر وہ شخص واپس ہوگیا۔ معلم جب مسجد کے اندر اس بچے کو لے کر آئے تو انہوں نے پوچھا ان بزرگ سے تمہاری کہاں ملاقات ہوگئی۔ بچے نے جواب دیا راستہ میں۔ میں محلہ کے معلم کے پاس جا رہا تھا یہ ہم لوگوں کو آپ کے پاس لے آئے اور سپرد کر دیا۔ معلم نے پوچھا تم نے ان بزرگ کو پہچانا کہ یہ کون تھے۔ یہ خواجہ خضر علیہ السلام تھے۔

خواجہ قطب الدین اوشیؒ کی خواجہ خضرؑ سے ملاقات

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ حضرت خواجہ قطب الدین کا مکان اوش تھا اسی لیے ان کو اوشی کہا جاتا ہے۔ اوش ایک گاؤں کا نام ہے۔ اس میں مرغینال نام کا ایک قصبہ بھی ہے۔ شیخ قطب الدین اکثر قصبہ مرغینال میں بھی رہتے تھے۔ مرغینال سے باہر دہلی کے منارہ جیسا ایک بہت بڑا مینارہ تھا۔ لیکن صاف ستھرا نہ تھا اور نہ وہاں لوگوں کی آمد و رفت تھی۔ وہ بڑی گندی اور ڈراؤنی جگہ سمجھی جاتی تھی۔ ہر شخص کی جانے کی وہاں ہمت نہ تھی۔ لوگ کہتے تھے کہ وہاں خواجہ خضر رہتے ہیں۔ حضرت خواجہ قطب الدین اوشی کی عمر اس وقت سولہ سال کی تھی وہ ایک مرتبہ جمعہ کی رات کو وہاں گئے۔ اور خواجہ خضر علیہ السلام کی ملاقات کے لیے تمام رات عبادت کرتے اور دعا پڑھتے رہے۔ لیکن کسی سے ملاقات نہ ہوئی۔ وہ ناامید ہو کر واپس آرہے تھے کہ راستہ میں ایک بزرگ آدمی سے ملاقات ہوگئی۔ انہوں نے پوچھا، اے بچے! کہاں گئے تھے۔ حضرت خواجہ قطب الدینؒ نے جواب دیا اس منارہ کے نیچے۔ ان بزرگ نے کہا کہ وہ تو بہت خراب اور ہیبت ناک جگہ ہے۔ وہاں کس لیے گئے تھے۔ حضرت قطب الدین نے جواب دیا کہ میں نے سنا ہے کہ جو شخص جمعہ کی رات کو اس جگہ عبادت و ریاضت کرتا ہے خواجہ خضر علیہ السلام اس سے ملاقات کرتے ہیں۔ ان بزرگ نے پوچھا خواجہ خضر سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے جواب دیا نہیں۔ ان بزرگ نے پوچھا اگر ملاقات ہوتی تو کیا کرتے۔ انہوں نے جواب دیا: ان سے اللہ سے محبت کرنا سیکھتا۔ ان بزرگ نے کہا میرے ساتھ چلے آؤ۔ وہ بزرگ حضرت خواجہ کو آبادی میں لے آئے۔ اور ایک جولاہے کے گھر کے دروازہ پر جا کر کھڑے ہوگئے۔ اندر سے ان کو بلایا اور کہا اے جناب، یہ بچہ رات میرے یہاں گیا تھا۔ اور یہ بہت بڑی چیز کا طالب ہے۔ اور اس کی خواہش کو رد نہیں کیا جا سکتا ہے اس کپڑا بننے والے نے پوچھا کہ یہ بچہ کیا چاہتا ہے ان بزرگ نے کہا عشق الٰہی چاہتا ہے۔ اس جولاہے کی آنکھوں میں اللہ سے محبت کا ذکر سن کر آنسو آگئے۔ انہوں نے کہا میں ان کو

سکھا دوں گا۔ پھر ان کو کھڑا کر کے ان کے لیے عشق الٰہی میں سرشار ہونے کی دعا فرمائی۔

روز پنجشنبہ ۱۲ شعبان ۸۰۲ھ

مشائخ دوسروں کے مرید کو بیعت نہیں کرتے

رات کی نماز کے وقت دوسروں کے مرید کے بارے میں ذکر نکل آیا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ مشائخ دوسروں کے مرید کو بیعت نہیں کرتے اور نہ انہیں اپنے حلقہ میں شامل کرتے ہیں۔ میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ آخر یہ کیا بات ہوئی اللہ کے واسطے جس میں بھی جوہر قابل ہو اس کی تربیت کرنی چاہیے اور اگر دوسرے شیخ کے مرید کی تربیت نہ کی جائے تو کم از کم اپنے پیر کے مرید کی تو تربیت ضرور کرنی چاہیے۔ کیونکہ وہ تو پیر بھائی اور ہم خرقہ ہوا۔ اسی بنا پر اپنے پیر کے مریدوں میں سے تین کی میں نے تربیت کی۔ ان میں سے ایک مولانا علاؤالدین ہیں۔ ایک مرتبہ مولانا نصیر الدین سالارپوری نے مجھ سے کہا کہ فلاں شخص ملک حاجی کے قرابت مندوں میں سے ہے بہت قابل ہے اگر تمہاری صحبت میں رہے گا تو بہت کچھ مستفیض ہو گا۔ اور آدمی ہو جائے گا۔ میں نے مولانا علاؤالدین کو دیکھا اس وقت کمسن تھے لیکن قابلیت تھی۔ کئی روز تک وہ میرے ساتھ رہے۔ پھر وہ میرے بہت زیادہ گرویدہ ہو گئے اور ایک گھنٹہ بھی میرے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔ یہاں تک کہ اگر کبھی میں ورد و وظائف سے فارغ ہو کر علیحدہ لیٹ جاتا اور وہ کہیں دوسری جگہ لیٹے ہوئے ہوتے تو وہ یکایک خاموشی سے میرے پاس چلے آتے اور اپنی دونوں آنکھوں کو میرے پیر کے تلووں سے ملنے لگتے۔ یہ گرویدگی ان کی اتنی بڑھی کہ لوگ کہتے کہ ایسی محبت اور عقیدت بہت کم لوگوں میں ہوتی ہے۔ ایک مرتبہ انہوں نے میرے پیچھے میں حضرت شیخ سے کوئی بات پوچھی وہ خاموش رہے مولانا علاؤالدین نے سمجھا کہ ان کی بات صحیح تھی اسی لیے شیخ خاموش رہے ایک دوسری مرتبہ میرے سامنے میرے طریقہ پر اعتراض کیا۔ حضرت شیخ نے ان کی طرف دیکھا اور فرمایا ؏ :- "ایں جا نہ رسد زورق ہر سودائی" یعنی ہر شخص کی رسائی وہاں تک نہیں ہو سکتی۔ آخر کار وہ مجھ سے سرکش ہو گئے اور بطور تضحیک کہتے کہ تم میں کیا سرخاب کے پر لگے ہیں جو مجھ میں نہیں۔ دوسرا شخص جس کی میں نے تربیت کی وہ خضر درزی ہے۔

یہ ایک معمولی، فقیر، بازاری امیر خسروؒ کا مولانا زادہ ہے۔ اس نے مجھ سے تلقین کی درخواست کی۔ میں نے خیال کیا بے چارہ مسکین ہے، فقیر ہے درزی ہے۔ انکار کیا کروں۔ وہ دلیو پری میں گرفتار تھا میرے بڑے بھائی بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے سوچا اگر ان کے سامنے تلقین کروں گا تو وہ کہیں گے کہ یہ ایک باعزت کام کو ذلیل کرتا ہے کہ اس طرح کے آوارہ لوگوں کو تلقین کرتا ہے۔ میں نے اپنے خواجہ سے سیکھا تھا کہ وہ اس طرح کے کام پوشیدہ طور پر کرتے تھے۔ وہ ایک روز مجھے مراقبہ کی تلقین کر رہے تھے اور ان کی خواہش تھی کہ یہ تلقین مولانا زین الدین سے پوشیدہ کریں چنانچہ ان کو انہوں نے کام میں بھیج دیا۔ فرمایا زین الدین جاکر کہہ دو کہ آج حلوا بنایا جائے۔ وہ حلوا کی فرمائش کرنے کے لیے گئے اور انہوں نے اپنا کام کر دیا۔ وہی معاملہ اس وقت میرے سامنے بھی آیا۔ میں نے بھی وہی کیا۔ بھائی سے کہا کہ بھائی ذرا اندر کنیز کو کہہ دیجیے کہ حلوا تیار کرے۔ وہ حلوا کی فرمائش کرنے کے لیے گئے۔ ادھر میں نے پوشیدہ طور پر خضر کو تلقین کیا۔ شہر میں عزت، شہرت اور نام پیدا ہوتے ہی وہ مجھ سے برگشتہ ہو گیا۔ تیسری ایک بوڑھی عورت منہ بولی ماں تھی۔ وہ بہت نیک اور صالح تھی۔ میرے شیخ سے مرید تھی۔ اس کو بھی میں نے تلقین کی۔ اس نے خود ہی مجھے مشورہ دینا شروع کیا کہ مشائخ نے نابالغ بچے، عورت کو اور اپنی بیوی کو مرید کرنے سے منع فرمایا ہے۔ میں نے اپنے بھتیجے کو تلقین کی، وہ اس درجہ پر پہنچ گیا اور تصوف اور سلوک کے سلسلے میں وہ ایسی ایسی باتیں کرتا کہ بے ساختہ میری زبان سے نعرہ تحسین نکل آیا اور میں پکار اٹھتا کہ اے جنید! اے شبلی! تم لوگ کہاں ہو آؤ اس بچے کی بات سنو۔ یہ تم لوگوں کی دنیا کی کیسی کیسی نشان دہی کرتا ہے۔ اتفاقاً اس پر آفت آ گئی اور تمام باتیں اس سے سلب ہو گئیں۔ کوئی واقعہ تک اسے یاد نہ رہتا اگر یہ آفت اس پر نہ آتی تو وہ ایک دردمند اور سوختہ دل درویش ہوتا۔ عورت اور بچے کی تلقین کا حشر اور نتیجہ اوپر مذکور ہوا۔ اب رہا بیوی کو تلقین کرنے کا معاملہ تو چونکہ عورت اپنے شوہر کی کتنی ہی قدر کرے لیکن پیر کی جیسی قدر و منزلت نہیں کر سکتی اس لیے شوہر کو اپنی بیوی کو مرید نہیں کرنا چاہیے۔ میں نے کیا تو پشیمان ہوا۔ مشائخ اور پیر جو کچھ کہتے ہیں اس میں راز اور حکمت پوشیدہ ہوتا ہے۔ جو ان کے خلاف عمل کرے گا پشیمان ہو گا۔

رسول اللہ صلعم کی بعثت کے ابتدائی حالات۔ اور ہجرت کرنا

ایک مرتبہ رسول اللہ صلعم کی

بعثت کے ابتدائی حالات اور ہجرت کا ذکر چھڑ گیا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ رسول اللہ صلعم کا کوئی کام بھی خود بہ خود نہ ہوتا تھا۔ یعنی وہ اپنی مرضی سے کوئی کام نہ کرتے تھے بلکہ وہی کرتے تھے جو خدا کی مرضی اور حکم ہوتا تھا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ دعوت اور تبلیغ شروع کرو انہوں نے دعوت شروع کر دی۔ حکم ہوا کہ مکہ میں رہو۔ مکہ میں رہے جب حکم ہوا کہ اب مکہ چھوڑ دو اور مدینہ ہجرت کر جاؤ وہ فوراً مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا پیغمبر علیہ السلام کو اس کی طاقت تھی کہ وہ تنہا مکہ کے تمام کفار کو ختم کر سکتے تھے۔ حضرت مخدوم نے فرمایا تمہارا کہنا صحیح ہے لیکن رسول اللہ صلعم کا کوئی فعل اللہ کے حکم اور مرضی کے بغیر نہیں ہوتا تھا۔ وہ خود سے کوئی کام نہیں کرتے تھے اللہ ان کو جو حکم دیتا تھا وہی کرتے تھے ان کی خود کوئی قوت نہ تھی۔ حضرت ابو طالب مکہ کے سردار تھے مکہ کے تمام لوگ ان کے فرمانبردار تھے ان کے زمانے میں کسی کی ہمت رسول اللہ صلعم کو ایذا پہنچانے کی نہیں ہوئی۔ جب حضرت ابو طالب کا انتقال ہو گیا کفار نے رسول اللہ صلعم کو تکلیف پہنچانی شروع کی۔ کفار مکہ نے ایک دن بیٹھ کر مشورہ کیا کہ اگر ہم لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مار دیں گے تو پورے بنی ہاشم دشمن ہو جائیں گے اور یہ لوگ بہت طاقت ور ہیں ان لوگوں کی دشمنی کا مقابلہ کرنا آسان نہیں اور اگر ہم لوگ خاموش رہتے ہیں تو یہ فتنہ بڑھتا ہی جائے گا۔ بہتر یہ ہے کہ ہم لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ دیں کہ آپ اپنے دوستوں کے ساتھ یہاں سے چلے جائیں نستریح منک وتستریح منا۔ یعنی ہم تم سے چھٹکارا پائیں اور تم مجھ سے چھٹکارا پاؤ۔ ٹھیک اسی وقت ابلیس آدمی کی صورت میں ان کے درمیان پہنچا۔ ان لوگوں نے پوچھا تم کون ہو اس نے کہا میں قبیلہ تہامہ کا ایک فرد ہوں۔ اور تہامہ رسول اللہ کے قبائل میں سے ایک قبیلہ کا نام ہے۔ رسول اللہ کی صفت میں مکی وقریشی تہامی اور ہاشمی آج تک لکھا جاتا ہے شیطان لعین نے ان لوگوں سے کہا تم لوگ کس کام میں مشغول ہو۔ ان لوگوں نے کہا کہ ہم لوگ محمدؐ کے اونٹوں کو بچوانے کی فکر میں ہیں اس نے پوچھا تم لوگوں نے ان کے بارے میں کیا طے کیا۔ ان لوگوں نے جواب دیا کہ ہم لوگوں نے طے کیا ہے کہ انہیں اپنی سرزمین سے نکال دیں شیطان نے کہا تم لوگوں کی یہ رائے صحیح نہیں ہے۔ اس لیے کہ وہ جہاں اور جس جگہ بھی جائیں گے وہاں فتنہ اور فساد پیدا کریں گے۔ اور دن بدن طاقت ور بھی ہوتے جائیں گے۔ بہتر یہ ہے کہ ان کو اس جگہ سے نکلنے نہ دو اور یہیں ان کا خاتمہ کر دو۔ اب رہی یہ بات کہ تم لوگوں کو بنی ہاشم کی

دشمنی کا خوف ہے تو اس کی بہترین صورت یہ ہے کہ عرب کے قبائل میں سے ہر قبیلہ سے ایک ایک آدمی کو اپنا مددگار اور ساتھی بنالو۔ بنی ہاشم سارے جہاں سے دشمنی کر کے نہیں جیت سکتے۔ اس پر سب کا اتفاق ہو گیا۔ جس دن ان لوگوں نے طے کیا کہ آج کی رات یہ کام کیا جائے گا اسی وقت جبرئیل علیہ السلام خبر لے کر آئے کہ آپ کے بارے میں کفار مکہ نے یہ منصوبہ بنایا ہے رسول اللہ صلعم نے ان سے پوچھا میں کیا کروں۔ اللہ کا کیا حکم ہے؟ جبرئیل علیہ السلام نے جواب دیا کہ آپ مدینہ چلے جائیں اس پر پیغمبر علیہ السلام نے ابوبکر اور علی رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا۔ رسول اللہ نے فرمایا کہ اگر اپنے بستر کو خالی چھوڑ کر ہم جاتے ہیں تو ان لوگوں کو پتا چل جائے گا اور وہ لوگ فوراً تعاقب کریں گے۔ اور مجھے بھاگنے کا موقع نہ ملے گا۔ حضرت علی رضی اللہ نے رائے دی کہ میں آپ کی جگہ آپ کے بستر پر لیٹ جاتا ہوں۔ وہ لوگ رات کی تاریکی میں آپ کو ڈھونڈھتے ہوئے آپ کے بستر تک پہنچیں گے اور آپ کے دھوکے میں مجھے مار دیں گے۔ اور مطمئن ہو کر چلے جائیں گے کہ آپ کا کام تمام کر دیا گیا۔ جب دن ہوگا اس وقت ان کو پتا چلے گا کہ اس بستر پر تو محمدؐ نہیں تھے علیؓ تھے۔ اس وقت تک آپ کہاں سے کہاں نکل جائیں گے۔ اور ابوبکرؓ آپ کے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہو گئے۔ چنانچہ محمد اور ابوبکرؓ مکہ سے نکل گئے اور علی رضی اللہ عنہ محمد کے بستر پر لیٹ گئے۔ اسی رات کو اللہ تعالیٰ نے جبرئیل اور میکائیل علیہ السلام کو بلا کر کہا کہ تم دونوں کی تخلیق ایک نور سے ہوئی ہے تم دونوں کے درمیان برادری کا تعلق ہے۔ میں نے تم میں سے ایک کو غیر معینہ مدت کے لیے دراز عمر عطا کیا اور دوسرے کو کوتاہ۔ اب تم دونوں مل کر فیصلہ کرو کہ تم میں سے کس کو طویل عمر دی جائے اور کس کو کوتاہ۔ تھوڑی دیر کے بعد دونوں بارگاہ ایزدی میں حاضر ہو کر بولے کہ خداوندا! ہم میں سے کوئی بھی کوتاہ عمر اختیار کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ فرمان باری ہوا کہ میں نے محمدؐ اور علیؓ کی شکل میں دو بھائی ایسے پیدا کیے ہیں کہ علیؓ اپنی زندگی کو محمد کی زندگی پر قربان کرنے کے لیے تیار ہو گئے ہیں۔ اب تم نے اپنے اوپر علیؓ کی فضیلت دیکھ لی آج ان کی پاسبانی کرو، دشمن مارنے کے لیے پروگرام کے مطابق آئے۔ فرشتوں نے علیؓ کو دشمنوں کی نظر سے غائب کر دیا۔ دشمنوں نے پیغمبر صلعم کے بستر کو خالی دیکھا تو دوڑے اور ان کا تعاقب کیا۔ رسول اللہ صلعم تمام رات چلتے رہے جب صبح ہونے کے قریب ہوئی تو پہاڑ ثور کے ایک تنگ غار میں چھپ گئے۔ کفار ان کے تعاقب میں اس

غار کے منہ تک آئے اور ابوبکر رض نے ان کا پیر دیکھا تو ڈر گئے رسول اللہ صلعم نے فرمایا " اے ابوبکر رض! فکر مند نہ ہو اللہ ہم لوگوں کے ساتھ ہے۔ مکہ میں اور راستہ میں عجب واقعات ہوئے لیکن اللہ کی مشیت میں کسی کو دم مارنے کی گنجائش نہیں ہے۔

کفار میں سے ایک نے کہا کہ غار کے اندر چل کر دیکھیں۔ اندر بڑھے تو دیکھا کڑے نے جالا تن دیا ہے۔ رک گئے۔ آپس میں بولے کہ اگر کوئی اندر جاتا تو مکڑے کا جالا باقی نہیں رہتا۔ اوپر نیچے، دائیں بائیں تلاش کیا پھر واپس لوٹ گئے۔ جب رسول اللہ صلعم اور ابوبکر رض نے دیکھا کہ کفار واپس ہو گئے اور کوئی نہیں ہے تو باہر نکلے اور تیزی سے مدینہ کی طرف بڑھے۔ اچانک انہوں نے دیکھا کہ سراقہ نام کا ایک شخص جو کہ کافروں میں سے تھا دوڑتا ہوا چلا آ رہا ہے اور تعاقب کر رہا ہے۔ رسول اللہ صلعم آگے آگے جا رہے تھے اور وہ پیچھے سے ان کا پیچھا کر رہا تھا۔ یہاں تک کہ وہ اتنا نزدیک پہنچ گیا کہ ہاتھ سے رسول اللہ صلعم کو پکڑ لے۔ یکایک اس کا پیر زمین نے پکڑ لیا۔ اور وہ وہیں پر رک گیا نہ ایک قدم آگے بڑھ سکتا تھا نہ پیچھے۔ رسول اللہ صلعم کو موقع مل گیا وہ آگے نکل گئے۔ قدرت اور مشیت الٰہی کو یہ منظور نہ تھا کہ رسول اللہ صلعم مکہ میں رہیں یا کفار نیست و نابود ہو جائیں۔ اور جب وہ تعاقب کریں تو یہ بھی اس کی مرضی تھی کہ ان کا قدم جم جائے۔ غرض اللہ کی مشیت اللہ ہی جانے انسانی عقل و خرد کی وہاں تک رسائی نہیں ہے۔ تیرہ سال تک رسول اللہ صلعم مکہ میں رہ کر اسلام کی دعوت دیتے رہے۔ دس سال مدینہ میں تبلیغ فرماتے رہے۔ دسویں سال رسول اللہ صلعم شان و شوکت اور قہر و جلال کے ساتھ تیس ہزار اور بعضوں کے مطابق بیس ہزار اور بعضوں کے مطابق دو ہزار سواران آہن پوش کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے۔ کسی کو ان کے سامنے جانے اور مقابلہ کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ رسول اللہ صلعم خود بھی زرہ پہنے ہوئے ننگی تلوار ہاتھ میں لیے بڑا سا عمامہ شملہ دراز کے ساتھ سر پر باندھے ہوئے تھے۔ ہیبت و جلال چہرہ سے ظاہر تھا۔ مکہ میں داخل ہوئے اور پھر ۱۴ ذی الحجہ کو مکہ سے مدینہ واپس ہو گئے۔ اس کے بعد ستر یوم سے چند ہی دن زیادہ بقید حیات رہے اور ربیع الاوّل کی پہلی سے بارہ تاریخ کے درمیان اپنے حبیب سے جا ملے۔ یوم وفات کے سلسلے میں اختلاف ہے۔ بعض پہلی، بعض تیسری، بعض پانچویں بعض نویں اور بعض بارہویں تاریخ کو وصال کی تاریخ بتاتے ہیں۔ بارہ سے زیادہ کسی نے نہیں لکھا ہے۔

ایک حدیث نبوی کی توضیح

ایک شخص نے حاضرین میں سے پوچھا کہ اس حدیث مابین قبری ومنبری روضۃ من ریاض الجنۃ کے کیا معنی ہیں۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ جو شخص اس جگہ جائے گا اور اس مقام کی تعظیم کرے گا اور رسول اللہ کی زیارت سے شرف یاب ہوگا وہ بہشت میں داخل ہوگا۔ اس حدیث کی وضاحت رسول اللہ صلعم نے ایک دوسری جگہ اس طرح فرمائی ہے۔ القبر اما روضۃ من ریاض الجنۃ او حفرۃ من حفرۃ النیران۔ یعنی منبر اور رسول اللہ کی قبر کے درمیان بہت قربت ہے۔ سو گز سے زیادہ نہ ہوگا۔ اور رسول اللہ کی قبر بلاشبہ ریاض الجنۃ کے درمیان ہے۔ اس نبی صلعم کے مقبرہ کا جوار بھی ریاض الجنۃ ہی میں ہو گا۔

میر کارواں اور پیر میں بڑی مماثلت ہے

مغرب کی نماز کے بعد ایک شخص مرید ہونے کے لیے آیا۔ حضرت مخدوم نے اس سے فرمایا کہ سفر میں تین طرح کے ساتھی اور ہم سفر ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ جو میر کارواں کی مدد کرتے ہیں۔ ساتھیوں کے ساتھ ہمدردی کرتے ہیں اُن سے قافلہ کو نفع پہنچتا ہے۔ دوسرے وہ جو نہ مدد کرتے ہیں نہ نقصان پہنچاتے ہیں۔ بس ساتھ ساتھ سفر کرتے ہیں۔ یہ بھی اچھے ہی لوگ ہیں کیونکہ یہ اپنا بوجھ دوسروں پر نہیں ڈالتے ہیں۔ تیسرے وہ جو اپنے ہم سفروں کو تکلیف پہنچاتے اور دق کرتے ہیں۔ بے وقت پہنچتے ہیں راستے میں بچھڑ جاتے ہیں۔ مسافروں کے بنائے ہوئے اصول پر سفر نہیں کرتے۔ میر قافلہ کوشش کرتا ہے کہ اس کے ساتھ سفر کرنے والے مسافر سلامتی کے ساتھ سفر کریں اور منزل تک پہنچ جائیں کسی کو کوئی نقصان نہ پہنچے اور ان میں سے کوئی مصیبت میں مبتلا نہ ہو۔ تیسرے قسم کے ہم سفر لوگوں سے میر قافلہ کو بہت پریشانی ہوتی ہے اور تکلیف پہنچتی ہے۔ مجھ سے مرید ہونے والوں کی مثال بالکل اسی طرح کے ہم سفروں کی ہے۔ ان میں سے بعض میری صحبت اختیار کرنے والے اور مجھ سے مرید ہونے والے میرے مددگار اور معاون ہوتے ہیں اور ان کی وجہ سے مجھے یہ فائدہ ہوگا کہ کل قیامت کے دن جب مجھ سے پوچھا جائے گا کہ اے شخص تو دنیا سے کیا لایا ہے تو میں ان کو بارگاہ ایزدی میں پیش کر دوں گا اور عرض کروں گا کہ خداوندا! میں کس لائق ہوں اور میرے اعمال ہی کیا ہیں جو تیرے حضور پیش کروں لیکن

یہ تیرے بندے ہیں ان کی میں نے رہبری کی اور دعوت اسلام دی ہے۔ اور تیری رضا جوئی کے لیے
ان کو آمادہ کیا ہے اسی کو میرا عمل سمجھ۔ میرے مریدوں میں سے دوسرے وہ لوگ ہیں جن کا بوجھ
مجھ پر نہیں ہے اپنے توبہ اور استقامت کے ذریعہ سلامتی کے ساتھ اپنی منزل تک پہنچ جاتے
ہیں۔ ان کا مجھ سے بیعت کر لینا اور اس پر استقامت اختیار کر لینا ہی ان کے لیے کافی ہے
تیسری جماعت میرے مریدوں میں ان لوگوں کی ہے جو میرے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں،
توبہ کرتے ہیں اور عہد کرتے ہیں لیکن اس پر قائم نہیں رہتے اور اس کو پس پشت ڈال دیتے
ہیں۔ وہ مصیبت میں گرفتار ہوتے ہیں اور تباہ ہو جاتے ہیں اور مجھے بھی پریشان کرتے ہیں
اس لیے ان کا بوجھ مجھ پر ہے اور میں چاہتا ہوں کہ یہ سلامتی کے ساتھ منزل تک پہنچ جائیں
ان کو نقصان نہ ہو اللہ ان پر رحم کرے اگر وہ میری مدد نہیں کرتے ہیں تو کم از کم مجھ پر بوجھ
بھی نہ ڈالیں لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ اس زمانہ میں زیادہ تر لوگ اسی طرح کے ہیں۔
عہد کرتے ہیں اور اس پر قائم نہیں رہتے۔ اس زمانہ میں سلوک بہت مشکل ہے۔ اس لیے
کہ توبہ کرنے والے اس دور میں کم پائے جاتے ہیں۔ پہلے زمانے کے بازاری اور کاروبار میں
مشغول رہنے والے سالک ایسے ہوتے تھے کہ اس دور میں مشائخ مشکل سے ہوں گے۔
قوت میں لکھا ہے کہ آش اور صبح کا ناشتہ عورتیں اور چھوٹے بچے بیچتے تھے اس لیے
کہ کھانا پکانے والے لوگ صبح کو مسجد میں عبادت و ریاضت میں مشغول ہوتے تھے۔ اور
چاشت سے پہلے فارغ نہیں ہوتے تھے۔

دین کا تخم توبہ ہے

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ دین کا تخم توبہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک
قانون بنا دیا ہے کہ اگر ایک شخص دس ہزار سال تک کفر و عصیان
میں آلودہ رہا ہو لیکن جیسے ہی وہ توبہ کر لیتا ہے اور لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ
صدق دل سے پڑھ لیتا ہے دس ہزار سال کے اس کے تمام کفر ایک لمحہ میں مٹ جاتے اور
ختم ہو جاتے ہیں گویا کہ وہ ابھی پیدا ہوا ہو۔ اسی طرح اگر کوئی فاسق اپنی ساری زندگی گناہ
و بدکاری میں مبتلا رہا ہو لیکن اگر اس نے کسی نیک ساعت میں اپنے گناہوں اور فسق و فجور
سے توبہ کر لیا تو اس کے تمام گناہ معاف ہو جائیں گے اور اس طرح دھل جائیں گے جیسے
کپڑا صابون سے دھل کر صاف ہو جاتا ہے۔ تمام انبیا اور اولیا کا سرمایہ یہی توبہ ہے۔ اس
لیے کہ انسان لغزش اور بھول سے مرکب ہے۔ توبہ ہی ان لوگوں کی پناہ گاہ ہے جیسے ہی

کہ وہ توبہ کر کے خدا کی طرف لوٹ جاتے ہیں پھر وہ بالکل صاف ستھرے اور روشن ہو جاتے ہیں۔ اگر توبہ نہ ہوتی تو کوئی بھی مقرب بارگاہ ایزدی نہ ہوتا۔ اولیا اور انبیا سب اپنے مقام پر اسی توبہ ہی کی وجہ سے پہنچے۔

روز جمعہ ۱۳ر شعبان ۸۰۲ھ

توبہ کی فضیلت

جمعہ کی نماز کے بعد پھر توبہ کی فضیلت اور اس کے جلد قبولیت کی بابت ذکر چھڑ گیا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا ہمارے خواجہ قدس اللہ سرہ العزیز فرماتے تھے ....

کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں ایک کافر تھا جس نے چار سو سال تک بت پوجا تھا ایک دن اس کو بخار ہوا۔ اس نے کہا چار سو سال تک میں نے بت کی پرستش کی ہے اور ہم نے اس سے کبھی کچھ نہیں مانگا آج مجھے بخار ہو گیا ہے چل کر اس سے دعا مانگوں۔ جو طریقہ عبادت اس کے یہاں رائج تھا اسی طریقہ پر وہ بت کے سامنے گیا اس کی پرستش کی اور اس سے دعا مانگی کہ چار سو سال تک میں نے تجھے پوجا ہے اور کبھی کچھ نہیں مانگا آج مجھے بخار ہو گیا ہے۔ اس کو دور کر دے اور مجھے صحت بخش۔ پتھر میں طاقت ہی کیا جو اس کی دعا قبول کرتا اس کا بخار دور نہیں ہوا۔ وہ اٹھا اور غصہ میں ایک لات اس کے منہ پہ ماری اور اسے یقین ہو گیا کہ بت میں کوئی طاقت نہیں۔ یہ باطل ہے۔ وہاں سے وہ بیت المقدس آیا اور فریاد کیا کہ اے موسیٰ کے خدا! غیب سے آواز آئی اے میرے بندے تو کیا چاہتا ہے۔ بتا۔ اس آدمی نے کہا کہ مجھے بخار ہو گیا ہے اس کو اچھا کر دے آواز آئی میں نے تجھے صحت بخشی۔ واقعی اس نے اپنا بدن چھو کر دیکھا تو ذرا بھی بخار نہ تھا۔ اب اسے موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کی صداقت کا یقین ہو گیا۔ اس نے دل میں کہا اب میں چل کر موسیٰ علیہ السلام سے پوچھوں کہ ایک شخص جس نے چار سو برس تک بت کی پرستش کی ہے اب وہ اس سے توبہ کرنا چاہتا ہے اور خدا کی طرف لوٹنا چاہتا ہے اس کی توبہ قبول ہو گی یا نہیں۔ چنانچہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور یہ بات پوچھی۔ موسیٰ علیہ السلام غیرت دار پیغمبر تھے۔ ان کو بڑی غیرت آئی۔ ڈنڈا اٹھا کر اس کے پیچھے دوڑے کہ چار سو سال تک بت پوجتا رہا

اور آج بہشت میں جانا چاہتا ہے وہ بے چارہ روتا ہوا موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے بھاگا۔ کیونکہ وسیلہ تو موسیٰ علیہ السلام ہی تھے اسی لمحہ جبریل علیہ السلام موسیٰؑ کے پاس اللہ کا فرمان لے کر پہنچے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سلام بھیجا ہے اور کہا ہے کہ اے موسیٰ! میرا بھٹکا ہوا بندہ چار سو سال کے بعد میرے حضور آنا چاہتا تھا تم نے اس کو میرے پاس پہنچنے سے کیوں روکا اور کیوں بھگا دیا۔ موسیٰ علیہ السلام ہائے واویلا کرتے ہوئے اس کے پیچھے دوڑے اور کہا کہ اے شخص واپس ہو۔ اللہ نے تیری توبہ قبول کر لی۔ اگرچہ ہمارے خواجگان قصہ بیان کرنے میں کم روتے تھے لیکن پھر بھی اثنائے بیان کے بعد ہمارے خواجہ رونے لگے اور اتنا روئے کہ ان کی بات بھی بہت مشکل سے سمجھ میں آئی۔

پیروں کی توجہ کے فوائد

مغرب کی نماز کے بعد پیروں کی توجہ کے فوائد اور اُن کے زیر پناہ آنے کے سلسلے میں بات چھڑ گئی۔ حضرت مخدوم نے فرمایا مسافروں کا ایک قافلہ جا رہا تھا جب وہ خرقان پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ آگے راستہ بہت خطرناک ہے۔ قافلہ والوں نے سوچا حضرت ابو الحسن خرقانیؒ کے پاس ہم لوگ چلیں اور ان کے پاس اپنی دشواریوں کو پیش کریں چنانچہ وہ لوگ آئے اور اپنی فکر مندیوں کو ان کے سامنے پیش کیا۔ شیخ ابو الحسنؒ نے فرمایا کہ جب تم لوگوں کو راہ میں کوئی آفت اور پریشانی آئے تو میرا نام لے لینا۔ قافلہ والوں میں سے بعض نے کہا کہ ابو الحسنؒ کیا خدا، رسول اور کلام اللہ سے بھی بالاتر ہو گئے ہیں ہم لوگ مصیبت کے وقت اللہ اور اس کے رسول کا نام کیوں نہ لیں اور سورہ فاتحہ اور آیۃ الکرسی پڑھ کر کیوں نہیں پناہ مانگیں۔ ان ہی قافلہ والوں میں سے بعض نے کہا کہ بھئی ہم تو شیخ ہی کے کہنے پر عمل کریں گے اور جو انہوں نے ہدایت کی ہے اسی پر عمل کریں گے۔ اللہ کی شان راستہ میں خطرات اور آفتوں سے ان قافلہ والوں کا سامنا ہو ہی گیا جن لوگوں نے اللہ اور اللہ کے رسول کا نام لیا اور فاتحہ اور آیۃ الکرسی پڑھ کر پناہ مانگی وہ نہ بچے، تباہ ہوئے اور مارے گئے۔ اور جن لوگوں نے شیخ کا نام لیا وہ ڈاکوؤں کی نظر سے پوشیدہ رہ گئے اور ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا اور نہ ان پر کوئی آفت آئی۔ یہ لوگ بہت متحیر ہوئے کہ ایسا کیوں ہوا یہ بات ان لوگوں کی سمجھ میں نہیں آئی۔ جب وہ لوگ واپسی میں خرقان سے گزرے تو ان لوگوں نے شیخ سے پورا حال کہہ کر اس کا سبب پوچھا۔ شیخ ابو الحسن خرقانی نے فرمایا کہ میری کیا حقیقت ہے، میں تو اللہ کے بندوں میں سب سے گنہگار ہوں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں سب سے کمتر اور حقیر ہوں لیکن میں نے اللہ اور اس کے رسول کو پہچان لیا ہے۔

اور تم لوگوں نے ابھی پوری طرح نہیں پہچانا ہے - انجان کسی انجان سے پناہ مانگے تو کیا فائدہ ہوگا ظاہر ہے اس کا کوئی اثر نہ ہوگا - لیکن جب تم لوگوں نے مجھ سے پناہ مانگی اور میں خدا اور اس کے رسول کو پہچانتا ہوں - تو میرا پناہ مانگنا ایک جانے پہچانے کا جانے پہچانے سے پناہ مانگنا ہوا اور اس کا یقینی فائدہ اور اثر ہوگا - اسی طرح پیر کی توجہ ہے کہ اس نے خدا کو پہچانا ہے اور اس راہ سلوک پر گامزن رہا ہے - وہ اس راہ کے خیر و شر سے واقف ہے، اسے اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور اس راہ سے گزرا ہے - وہ یقینی اپنے مرید کو پناہ دے گا، اس کی رہنمائی کرے گا - اور اس کو خیر و شر سے آگاہ کرے گا - وہ اس کو اللہ تعالیٰ کے سامنے، جس سے اس کو معرفت حاصل رہی ہے لے جائے گا اور اپنے وسیلہ سے اس کو متعارف کرائے گا - اگر کوئی شخص ایک گلی سے دوسری گلی میں جانے کا راستہ نہیں جانتا ہے - کبھی ادھر سے نہیں گزرا ہے اور وہ یکایک چاہتا ہے کہ چلا جائے - تمہارا کیا خیال ہے وہ اپنی منزل مقصود کو پہنچ جائے گا - بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم لوگ بھی نماز پڑھتے ہیں، روزہ رکھتے ہیں، مجاہدہ اور ریاضت کرتے ہیں - پیر لوگ اور کیا کرتے ہیں - ان کا کہنا بجا ہے وہ لوگ بھی یہی کرتے ہیں - لیکن ان کو یہ سوچنا چاہیے کہ جب آدمی اپنے مال و اسباب کے ساتھ دریا میں کشتی پر سفر کرتا ہے اس وقت ملاح کیا کرتا ہے - جب تک ملاح نہ ہو وہ کشتی سلامتی کے ساتھ کنارے تک نہیں پہنچ سکتی - اسی طرح پیر کی مثال ہے - مرید جو کچھ چاہے کرے لیکن شیطان کے وسوسوں اور خطرات سے اس کو پناہ صرف پیر کی تعلیم ہی سے مل سکتی ہے -

روز شنبہ ۱۴ ار شعبان ۸۰۲ھ

چاشت کے وقت ابدال اور اوتاد کا ذکر نکل آیا - حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ابدال دل کی صفائی کے لیے دودھ میں زعفران حل کر کے پلاتے ہیں - اور جن کو وہ اپنے درمیان شامل کرتے ہیں ان کو وہ ضرور پلاتے ہیں - اس کا خاصا اثر ہوتا ہے - ان لوگوں کے پاس چند درم کے وزن کے برابر پتھر سے ایک لطیف اور خوش گوار قسم کا عرق نکلتا ہے - اور وہ سفید، سرخ زرد اور سیاہ مختلف رنگ کا ہوتا ہے - اس کا سیاہ رنگ بہت خوبصورت اور چمک دار ہوتا ہے - اور اس میں ایسی خوشبو ہوتی ہے کہ کوئی خوشبو اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی - مزے

میں اس کے ایسی مٹھاس اور حلاوت ہوتی ہے کہ بہت کم چیز میں ہوگی، اس کے استعمال کے بعد خاص قسم کی فرحت بھی ہوتی ہے۔ ان لوگوں سے اگر پوچھا جائے کہ یہ چیز کیا ہے اور کہاں پایا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے جنگل میں ایک درخت ہوتا ہے یہ اسی درخت کا پھل ہے۔ اس درخت کی صفت اور خصوصیت یہ ہے کہ اس پر (شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے) اتنی مرتبہ تجلیات اور کشوفات ہوئے ہیں۔ اس میں کچھ چیز ہوتی ہے جس کو چوسنے سے کچھ پانی نکل آتا ہے۔ پھر اس کمترین خادم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت مخدوم نے فرمایا کہ یہ وہ پانی اور عرق ہے جو تیرے حلق میں ولادت کے بعد فوراً ٹپکایا گیا ہے۔ پھر جب نمک چشی تیری ہوئی تو سب سے پہلے وہی پانی تیرے منہ میں ڈالا گیا تھا۔ اور اس پر گھر کے تمام لوگ گواہ ہیں۔

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ احادیث میں کسی جگہ صراحت سے میں نے ابدال اور اوتاد کا ذکر نہیں دیکھا ہے۔ اخبار کے بارے میں ذکر ہے اور بہت جگہ ہے لیکن ان کی صفات میں اڑنے اور پلک مارتے یہاں سے وہاں چلے جانے کی صراحت مذکور نہیں ہے بعض احادیث میں ان کو خلاصہ امت کہا گیا ہے کتاب مجمع الابدال میں ایک قصہ لکھا ہوا ہے کہ رسول اللہ صلعم ایک جنگ میں شریک تھے اور ابدال کا ایک گروہ اس جنگ میں مسلمانوں کی مدد کر رہا تھا۔ اور ان کے جنگ کرنے کا طریقہ یہ تھا کہ وہ تلوار خود سے دشمنوں کو دے دیتے تھے۔ اور جب دشمن ان پر حملہ آور ہوتے تھے تو یہ ان کی نظر سے غائب ہو جاتے تھے۔ رسول اللہ صلعم نے اس کو محسوس کر کے حضرت علی رضؓ کو بھیجا کہ پتا چلائیں کہ یہ کون لوگ ہیں۔ اور ان لوگوں کو میرے پاس لیتے آئیں۔ حضرت علی رضؓ ان لوگوں کے پاس گئے اور پوچھا کہ تم کون لوگ ہو۔ ان لوگوں نے جواب دیا کہ ہم لوگ وہی گروہ ہیں جن کے لیے شب معراج میں رسول اللہ صلعم نے دعا مانگی تھی کہ اے اللہ میری امت میں ایسے لوگوں کو پیدا کر کہ میرے بعد میری امت کی اصلاح کرتے رہیں تاکہ میری امت قیامت تک قائم رہے۔ اور ان لوگوں کو آفت سے محفوظ رکھ۔ ہم لوگ چالیس سے کچھ زیادہ افراد ہیں اور ہم لوگوں کو آپ کی امت کی حفاظت کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ لیکن ہم لوگ آپ پر ایمان رکھتے ہیں اور آپ ہی کی امت میں شامل ہیں۔ آج ہم لوگوں نے دیکھا کہ آپ کا دشمنوں سے مقابلہ ہو رہا ہے اس لیے آپ کی مدد کے لیے ہم لوگ آگئے ہیں۔ پیغمبر صلعم نے فرمایا کہ علی رضؓ کہہ دو کہ یہ لوگ یہاں سے چلے جائیں۔ آج ہم لوگوں کے درمیان

صرف وہی رہ سکتا ہے جو تلوار کی ضرب کھائے اور مارے۔ لیکن ایسے آدمی کی ہمارے درمیان اس وقت کوئی جگہ نہیں ہے جو تلوار تو مارے لیکن خود ضرب نہ کھائے۔ یہ قصہ صرف اس میں لکھا ہوا ہے لیکن اور کسی جگہ نہ سنا گیا ہے اور نہ لکھا ہوا ملتا ہے۔ لیکن امتیان سلف اور خلف کا اس پر اتفاق ہے کہ ابدال اور اوتاد موجود ہیں۔ اور ان سے بزرگان دین کی ملاقات اور گفتگو ہوتی ہے۔ ان کے وجود میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ خواجہ ابو عثمان مغربی نے ان لوگوں کے حالات کی کافی نشان دہی کی ہے اور ان کے بارے میں بہت سے قصے بھی لکھے ہیں۔

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ہمارے خواجہ قصہ بیان فرماتے تھے کہ ایک دن میں شیخ قطب الدین بختیار اوشیؒ کی زیارت کے لیے گیا تھا۔ بداؤں کے دروازہ کی طرف نکل رہا تھا کہ ایک ضعیف آدمی نے مجھ سے مصافحہ کیا اور میرے ہی سامنے ہوا میں اُڑنے لگا۔ میں نے صاف دیکھا کہ وہ ہوا میں اڑتا ہوا جا رہا تھا یہاں تک کہ نظر سے غائب ہو گیا۔

قاضی شہر بالمی قصہ بیان کرتے تھے کہ ایک دن میں شیخ کی ملاقات کو گیا اور شیخ کے سامنے بیٹھا۔ شیخ نے مسکرا کر فرمایا کہ قاضی شہر! ابھی خضر علیہ السلام بھی آئے تھے اور جس جگہ تم بیٹھے ہو اسی جگہ بیٹھے تھے۔

ایک خرقہ پوش ہمارے شیخ کی ملاقات کو آیا ان کا ہاتھ پکڑ کر واپس ہو گیا۔ وہ ابھی بالاخانہ کے دروازہ تک گیا ہو گا کہ ہمارے خواجہ نے چاہا کہ اس کو کچھ تحفہ دیں انہوں نے حاجی کو پکارا۔ جب تک حاجی خادم آئے وہ آدمی سامنے سے غائب ہو چکا تھا۔

بیر کی دو گٹھلی

حضرت مخدوم نے بیان فرمایا کہ شیخ الاسلام کے خادم خواجہ احمد کہتے تھے کہ ایک درویش کو میں نے اپنے گھر مہمان ٹھہرایا وہ بہت خوش ہوئے اور کہا کہ تم نے میری خاطر داری کی ہے میں بھی تم کو کچھ دوں گا۔ اس کے بعد انہوں نے بیر کی دو گٹھلی دی اور کہا کہ یہ بیر کی گٹھلی بنی اسرائیل کے جنگل سے لائی گئی ہے جو شخص اس کو کھائے گا بلاشبہ اس کو لڑکا ہو گا۔ احمد خادم کہتے تھے کہ مجھ کو فرزند نہیں ہوتا تھا ایک گٹھلی کھائی ایک لڑکا ہوا پھر دوسری گٹھلی میں نے کھائی دوسرا لڑکا ہوا۔

پیران کہن سال کی خود عائد کردہ پابندیاں

پھر بات پیروں کے کہن سال ہونے کی حالت پر نکل آئی۔ حضرت مخدوم

نے فرمایا کہ بڑھاپے میں صوفیا اپنے اوپر کچھ پابندیاں عائد کر لیتے ہیں زندگی بھر تو وہ کم کھاتے کم پیتے اور کم سوتے ہی ہیں اور جب تک ان کی طبعی قوت ساتھ دیتی ہے ان کا کام ٹھیک طور پر چلتا رہتا ہے۔ لیکن بعض ان میں سے بڑھاپے میں بیس بیس روزہ یا ایک ماہ پر کچھ کھاتے ہیں اور کئی کئی سال تک زمین سے پیٹھ نہیں لگاتے ہیں اس وجہ سے ضعیفی میں ان پر غفلت اور نسیان کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ نسیان ان کی طبیعت ثانیہ ہو جاتی ہے۔ شیخ الاسلام حضرت نظام الدین نے چھ ماہ کی پابندی اپنے اوپر عائد کر دی تھی۔ پچھتر برس کی عمر میں پہنچے کے بعد وہ چھ ماہ پر کچھ کھاتے تھے اور ان کو یہ یاد نہیں رہتا تھا کہ کچھ کھایا ہے۔ وہ کچھ بولتے تھے پھر بھول جاتے تھے لیکن جب ریاضت اور مجاہدہ میں مشغول ہوتے یا وعظ و نصیحت اور تلقین کرتے تو پھر اتنے ہوشیار مستعد اور باصلاحیت نظر آتے کہ دنیا حیرت زدہ ہو جاتی۔ ہمارے خواجہ کی خود عائد کردہ پابندیاں آخر عمر تک باقی تھیں مگر ایک رات کو تراویح کے درمیان جب کہ میں شیخ سے دوسرے نمبر پر تھا اور درمیان میں مولانا برہان الدین بجنوری تھے میں نے دیکھا کہ شیخ دو تین رکعت کے بعد ایک ہی سجدہ کر رہے ہیں۔ میں بہت مغموم ہوا کہ ہائے ضابطہ باقی نہیں رہا۔ وہ چہار شنبہ کی رات تھی پنجشنبہ کی رات کو بیماری اور تکلیف شروع ہوئی اور دوسری پنجشنبہ کی رات کو انہوں نے انتقال فرمایا۔ بیماری کے دوران ضابطہ (خود عائد کردہ پابندی) بالکل قائم نہیں رہا۔ وضو کے لیے اشارہ کرتے تھے اور کہتے تھے کہ پانی لاؤ میں وضو کروں گا۔ پھر تحریمہ باندھ لیتے تھے اور زور سے اللہ اکبر کہتے تھے۔ تمام دن اور تمام رات یہی حال رہا۔ دوشنبہ کے دن جو کہ آخری مجلس تھی شیخ کے بعض احباب موجود تھے اس ضابطہ اور ہوشیاری سے باتیں کیں کہ کسی کو بے ضبطی کا ذرا وہم تک نہ ہوا یہاں تک یہ حدیث پڑھی المرجل لیجب ان یکون توبۃ حسنًا وفعلہ حسنۃ (یعنی انسان کو لازم ہے کہ اس کی توبہ درست اور افعال بہتر ہوں) پھر دوسری مجلس نہ ہوئی۔ چوتھے روز انہوں نے انتقال فرمایا۔

سالک کو طبقات دوزخ کی نمائش

ایک مرتبہ دوزخ کے طبقات کے سلسلے میں بات چھڑ گئی حضرت مخدوم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا برابر یہ طریقہ رہا ہے کہ سالک کو دوزخ کے طبقات اور اس کے عذابوں کو ضرور دکھلا دیا جائے۔ اس لیے دوزخ کے ہر طبقہ کو اسے دکھلا دیا جاتا ہے لیکن ایک ایسا مقام بھی ہے کہ جہاں تاریکی ہی تاریکی ہے اور وہاں ایسی وحشت اور خوفناکی ہے کہ سالک اندر جانے پر

آمادہ نہیں ہوتا لیکن اس کو دکھلانا بھی ضروری ہے اس لیے وہ فرشتہ جو یہ طبقات دکھانے پر متعین ہے برابر سے اس کو دھکا مارتا ہے اور وہ اندر گر جاتا ہے۔ لیکن چونکہ اس کی وحشت اور ہیبت ناکی کو برداشت کرنے کی قوت کسی میں نہیں ہے اس لیے اندر جاتے ہی فرشتہ اس کو نکال لیتا ہے اور وحشت اور ہیبت اس پر سالہا سال تک طاری رہتی ہے۔ اور جب وہ اس منظر کو یاد کرتا ہے رنجیدہ اور غمگین ہو جاتا ہے۔

پیغمبر صلعم کی پیدائش اور ابتدائی حالات

ظہر کی نماز کے بعد پیغمبر صلعم کی پیدائش اور ابتدائی حالات کا تذکرہ نکل آیا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ تاریخ کی کتابوں میں مرقوم ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب شکم مادر میں چار ماہ کے تھے کہ آپ کے والد ماجد حضرت عبداللہ کا وصال ہو گیا۔ ایک دوسری تاریخ میں ولادت باسعادت سے اٹھائیس روز پہلے آپ کے والد کے انتقال کے بارے میں لکھا ملتا ہے۔ آپ کے والد ماجد حضرت عبداللہ کا انتقال پچیس سال کی عمر میں ہوا تھا۔ پھر حضرت مخدوم نے فرمایا کہ چار ماہ تک آپ کی والدہ ماجدہ کو کسی طرح کی گرانی یا علامات حمل ظاہر نہیں ہوئے۔ یا اس طرح کی تکلیف جیسے سر کا بھاری ہونا، غذا کی طرف رغبت نہیں ہونا یا جی کا متلانا جو بالعموم آغاز حمل میں عورتوں کو ہوتی ہے آپ کی والدہ ماجدہ کو بالکل محسوس نہیں ہوئی۔ بلکہ ان کو یقین ہو گیا کہ شکم میں کوئی بیماری ہو گئی ہے اس خیال کے تحت وہ بہت مغموم اور افسردہ رہنے لگیں۔ یکایک ایک خوش بیان شخص آپ کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا اور بولا کہ اے خاتون! آپ مطمئن رہیں۔ ذرا فکرمند نہ ہوں آپ کے شکم سے ایک بچہ تولد ہونے والا ہے جو پیغمبر آخرالزمان ہو گا۔ جب اس بچہ کی پیدائش ہو تو آپ اس کا نام محمد اور احمد رکھیں۔ وہ بچہ جو چاہے گا وہی ہو گا۔ وہ آدمی اتنا کہہ کر نظر سے غائب ہو گیا۔ اس طرح سات ماہ گزر گئے۔ آپ کی والدہ ماجدہ کو پھر یہ وہم ستانے لگا کہ پیٹ میں لڑکا نہیں بلکہ کوئی بیماری ہو گئی ہے۔ پیٹ میں کوئی چیز حرکت تو کرتی ہے لیکن کسی طرح کی گرانی کا احساس یا پیٹ کا پھول جانا جو عام طور پر ہوتا ہے۔ بالکل نہیں پایا جاتا۔ یکایک وہ شخص پھر ظاہر ہوا۔ اور بولا کہ اے خاتون محترم! آپ بالکل فکرمند نہ ہوں۔ آپ کے شکم میں لڑکا ہی ہے اور وہ پیغمبر آخرالزماں ہونے والا ہے۔ اس کا نام محمد اور احمد

رکھیں گی۔ یہاں تک کہ ولادت ہو گئی اور وہی نام رکھا گیا۔ جب آپ بڑے ہوئے تو کوہ حرا میں عبادت وریاضت میں مشغول ہو گئے۔ اس کے بعد آپ کا نکاح خدیجہ بنت خویلدؓ سے ہوا۔ ایک مرتبہ آپ حسب عادت غار حرا میں عبادت میں مشغول تھے کہ ایک خوبصورت شخص جو جمال و عظمت کا پیکر معلوم ہوتا تھا ہوا میں اڑتا ہوا سامنے آ گیا۔ اور اس نے محمد صلعم کو خطاب کیا۔ محمد صلعم نے سر اوپر اٹھا کر دیکھا اور پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا میں جبرئیل خدا کا ایلچی ہوں جو آپ کے پاس بھیجا گیا ہوں اور آپ پیغمبر آخر الزماں ہیں۔ رسول اللہ صلعم گھبرائے ہوئے اور مغموم گھر واپس آئے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اتنے غمگین اور افسردہ کیوں ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ میں دو چیز سے ہمیشہ متنفر رہا ہوں ایک جادوگری اور دوسرے شاعری۔ میں ڈر رہا ہوں کہ کہیں میں جادوگر نہ ہو جاؤں۔ کیونکہ آج کوہ حرا میں جب میں عبادت میں مشغول تھا ایک شخص ہوا میں اڑتا ہوا میرے سامنے نمودار ہوا اور مجھے محمد کہہ کر مخاطب کیا۔ میں نے پوچھا "تم کون ہو؟ اس نے کہا" میں فرشتہ جبرئیل خدا کا بھیجا ہوا آپ کے پاس آیا ہوں اور آپ رسول آخر الزماں ہیں۔" میں ڈرتا ہوں کہیں وہ شیطان نہ ہو۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ "اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ایک اللہ کی پرستش کرتے ہیں۔ بتوں کے سامنے کا ذبیحہ آپ نہیں کھاتے، صلہ رحم آپ بجا لاتے ہیں اور خدا کی مخلوق کے ساتھ شفقت اور محبت بھی کرتے ہیں۔ ان صفات کے حامل آدمی کو اللہ تعالیٰ ہرگز اس بلا میں مبتلا نہیں کرے گا۔ بلاشبہ یہ کوئی مبارک چیز ہے جو آپ کے سامنے آئی ہے لیکن آپ نہیں جانتے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں وہ یہود کے بہت بڑے علماء اور دانشوروں میں سے تھا اور پیغمبر صلعم کی بعثت کی بابت بہت کچھ جانتا تھا۔ جب خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اس سے قصہ بیان کیا تو اس نے کہا سبحان اللہ جبرئیل وہ ناموس اکبر ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے پاس پیغام لے کر آتا تھا۔ تعجب نہیں کہ تمہارے ابن عم وہی پیغمبر آخر الزماں ہوں جن کا قدیم کتابوں میں ذکر آیا ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پھر حسب عادت کوہِ حرا پر گئے اور وہاں یاد الٰہی میں مشغول تھے کہ پھر وہی شخص ہوا میں اڑتا ہوا نمودار ہوا اور وہی سب باتیں کہیں اور آخر میں یہ آیت اقرا باسم ربک الذی خلق ...... تا۔ مالم یعلم۔ پڑھنے کو کہا۔ رسول اللہ صلعم نے کہا" میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔" جبرئیل نے سینہ سے لگایا اور

یہ کلمات پڑھائے۔ اور چلے گئے۔ رسول اللہ صلعم پھر وہاں سے افسردہ اور مغموم گھر پہنچے۔ اس واقعہ سے وہ اتنا مضمحل اور افسردہ ہو گئے تھے کہ گھر کے اندر گوشہ گیر ہو گئے۔ قریش نے جب دیکھا کہ وہ اس طرح خود فراموشی کے عالم میں گھر کے ایک گوشہ میں پڑے ہوئے ہیں تو آپس میں بولنے لگے کہ (نعوذ باللہ) محمد صلی اللہ علیہ وسلم خبط ہو گئے ہیں۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جو یہ حال دیکھا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑ کر گھر کے اندر لے آئیں اور پوچھنے لگیں کہ کیا واقعہ ہوا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر وہی آیا تھا اور اسی طرح کی مجھ سے باتیں کیں۔ میں ڈر رہا ہوں کہ کہیں میں شیطان کے قبضہ میں نہ چلا جاؤں یا شاعر نہ ہو جاؤں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پھر بندوبست کر کے ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں۔ اور پورا قصہ اس کو سنایا اس نے کہا سبحان اللہ جبرئیل ناموس اکبر ہے جو موسیٰ کے پاس بھی آتے تھے اور وہ سوائے پیغمبر کے کسی اور کے پاس نہیں آتے اگر تمہارے ابن عم صحیح کہتے ہیں تو مبارک ہو وہ بہت عظیم شخص ہونے والے ہیں اور ہماری قدیم کتابوں میں پیغمبر آخر الزماں کی بابت لکھا ہوا ہے کہ وہ عرب میں پیدا ہوں گے اور ان کا نام محمد اور احمد ہو گا۔ اور ان کے پیدا ہونے کا وقت بھی آگیا ہے تعجب نہیں کہ وہی ہوں۔ ان کو کہہ دو کہ وہ باہر نہ نکلا کریں۔ گھر ہی میں رہیں اگر ناموس اکبر کو آنا ہے تو وہ گھر اور باہر ہر جگہ آئیں گے اور جب وہ آئیں گے تو محمد کو کہہ دو کہ وہ تم کو خبر کر دیں تم آنچل سر سے ہٹا کر ان کے سامنے جاؤ۔ اگر وہ شیطان ہو گا تو بے شرمی سے تم کو دیکھتا رہے گا۔ غائب نہیں ہو گا اور اگر وہ فرشتہ جبرئیل ہو گا تو وہ شرم کی وجہ سے فوراً غائب ہو جائے گا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا وہاں سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس آئیں اور سب باتیں سنانے کے بعد کہا کہ آپ گھر سے باہر نہ نکلیں۔ اگر کسی کو آنا ہے تو وہ گھر میں بھی آئے گا۔ چنانچہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر ہی میں رہ گئے۔ ایک دن گھر کے اندر بھی وہ آیا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس گوشہ سے اس گوشہ کی طرف ہٹتے رہے لیکن وہ جدھر جاتے وہ شخص وہیں پہ سامنے آجاتا اور کہتا آپ رسول اللہ ہیں اور میں جبرئیل ہوں، اللہ نے مجھ کو آپ کے پاس بھیجا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر گھبرائے ہوئے خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچے۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان کو دیکھ کر فرمایا پھر کیا ہوا۔؟ رسول اللہ صلعم نے جواب دیا پھر وہی شخص آیا ہے۔ خدیجہؓ نے پوچھا کیا ابھی وہ موجود ہے رسول اللہ صلعم نے جواب دیا ہاں! پھر خدیجہ رضی اللہ عنہا سر سے آنچل ہٹا کر ادھر چلی

گئیں۔ وہ فوراً غائب ہو گیا۔ پھر آنچل سر پر رکھ لیا وہ پہنچ گیا۔ یہ معلوم کر کے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اسی وقت ایمان لے آئیں۔ اور کہا کہ میں ایمان لاتی ہوں کہ اللہ ایک ہے اور آپ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول ہیں اور یہ جبرئیل ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے پاس بھیجا ہے۔ جبرئیل علیہ السلام نے جو دور کھڑے تھے اسی وقت مبارک باد دی اور کہا کہ اے محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی امت آپ سے ملنے لگی مبارک ہو۔ اور اسی وقت دو رکعت نماز فرض ہوئی۔ جس کو رسول اللہ صلعم اور خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ادا کیا۔ اسی وقت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے اس وقت ان کی عمر دس برس اور بعض روایت میں چھ برس اور بعض روایت میں سولہ سال تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آتے ہی پوچھا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کیا کر رہے ہیں رسول اللہ صلعم نے جواب دیا کہ میں وہی کام کر رہا ہوں جو حضرت ابراہیمؑ اسماعیلؑ اور اسحٰق علیہ السلام نے کیا ہے۔ مجھ کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے میں کر رہا ہوں حضرت علیؓ نے پوچھا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا یہ کام ابراہیم، اسماعیل اور اسحٰق علیہ السلام نے بھی کیا ہے۔ آنحضرت صلعم نے جواب دیا۔ ہاں! یہ ان ہی لوگوں کا کام ہے پھر کہا اے فرزند! تم بھی اس میں شامل ہو جاؤ یہ بہت اچھا مذہب ہے علی رضی اللہ عنہ نے کہا میں اپنے والد سے پوچھ آؤں۔ رسول اللہ صلعم نے کہا اگر شامل ہونا ہے شامل ہو جاؤ ورنہ والد سے نہ پوچھو۔ علیؓ گھر سے باہر نکلے، دروازے سے پھر پلٹے اور کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں نے آپ کا دین اختیار کیا۔ جو کہیے کہوں اور کروں۔ والد سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے فرزند! کہو لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ علیؓ نے کلمہ پڑھا اور پھر پیغمبر صلعم، خدیجہ رضی اللہ عنہا اور علیؓ تینوں نے نماز ادا کی۔ زید بن حارثہ رسول اللہ صلعم کے غلام تھے انہوں نے جب دیکھا کہ یہ تینوں کچھ کر رہے ہیں تو انہوں نے پوچھا کہ آپ لوگ یہ کیا کر رہے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ ہم لوگوں کا اور ابراہیم، اسماعیل اور اسحٰق علیہ السلام کا دین ہے اسی کا کام کر رہے ہیں۔ زید بن حارثہ نے کہا کہ میں نے بھی آپ کا دین اختیار کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کہو لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ غرض زید بن حارثہ بھی مسلمان ہو گئے۔ یہ بات تمام لوگوں کے درمیان پھیلی کہ محمد کوئی دین لائے ہیں اور وہ اس کی دعوت دیتے ہیں اور لوگ اسے قبول بھی کر رہے ہیں۔ چنانچہ یہ سن کر ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے اور کہا اے محمد میں نے سنا ہے آپ کسی دین کی

دعوت دیتے ہیں۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ ہاں آپ نے صحیح سنا ہے ابو بکر نے پوچھا کہ وہ کون سا دین ہے۔ محمد صلعم نے جواب دیا کہ یہ ایسا دین ہے جس میں اللہ کو ایک، بتوں کو باطل اور مجھ کو اللہ کا رسول اور پیغمبر آخر الزماں بتایا گیا ہے۔ ابو بکرؓ نے برجستہ کہا آپ سچ کہتے ہیں۔ میں آپ پر ایمان لایا۔ بت سب واقعی باطل ہیں۔ اللہ ایک ہے اور آپ اللہ کے رسول ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اسلام میں دو شخص ایسے ہیں جنھوں نے بلا تامل ایمان لایا۔ ان میں ایک ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں اور دوسرے ابو موسیٰ اشعریؓ۔ حج کے زمانے میں ابو موسیٰ اشعری بارہ ہزار قبیلہ غطفان کے آدمیوں کے ساتھ مکہ آئے اور ہمیشہ بتوں کے مخالف نظر آتے وہ کہتے لا الہ الا اللہ۔ بلاشبہ اللہ ایک ہے یہ بتوں کی کثرت باطل ہے۔ صحیح اور حق نہیں۔ وہ قبیلہ غطفان کے سردار تھے۔ اور کفار عرب نے لوگوں کو چاروں طرف یہ خبر کرنے کے لیے پھیلا دیا تھا کہ ہم لوگوں کے درمیان ایک شخص ایسا پیدا ہوا ہے جو بتوں کو باطل کہتا ہے اور نیا دین لایا ہے۔ تم لوگ اس سے دھوکا نہ کھانا وہ ایک دیوانہ آدمی ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور بعثت کی خبر اس طرح بہت جلد عوام میں پھیل گئی۔ جو شخص کفار سے یہ بات سنتا کہتا ذرا میں ایک بار اسے دیکھ تو لوں وہ کیسا آدمی ہے اور کیا کہتا ہے۔ ابو موسیٰ اشعری نے بھی جب کفار سے یہ بات سنی تو وہ اپنے قبیلہ کے بارہ ہزار آدمیوں کے ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آکر کھڑے ہو گئے اور کہا کس بات پر آپ مبعوث ہوئے ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا "اس بات پر کہ اللہ ایک ہے بت سب باطل ہیں میں محمد خدا کا رسول ہوں ابو موسیٰ اشعریؓ نے فوراً کہا آپ سچ کہتے ہیں بت واقعی باطل ہیں، اللہ ایک ہے اور آپ پیغمبر آخر الزماں اسکے رسول ہیں ابو موسیٰ اسی وقت مسلمان ہو گئے۔ ان کے ساتھ بارہ ہزار آدمیوں نے کہا کہ اگر ہمارے نائلہ اور اسکاف آپ کو قبول کر لیں اور آپ کا اقرار کر لیں تو ہم لوگ بھی آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ رسول اللہ صلعم نے نائلہ اور اسکاف کے سامنے کھڑے ہو کر فرمایا کہ اے بتو! تم جانتے ہو کہ اللہ برحق ہے اور میں رسول آخر الزماں ہوں۔ اگر ایسا ہے تو فوراً اللہ کو سجدہ کرو۔ بت سب زمین پر گر گئے اور قبلہ کی طرف منہ کر کے سجدہ کیا۔ ان بارہ ہزار آدمیوں نے جب یہ منظر دیکھا تو سب رسول اللہ صلعم کے سامنے سجدہ میں گر پڑے۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا سجدہ صرف اللہ کے لیے ہے میں اس کے بندوں میں سے ایک بندہ ہوں۔ البتہ مجھے رسول بنا کر بھیجا گیا ہے کہ میں دین اسلام

کی دعوت دوں۔ بارہ ہزار آدمیوں میں سے ہر ایک اسی وقت مسلمان ہو گیا۔

روز یکشنبہ ۱۵ ماہ شعبان ۸۰۲ھ

شعبان میں شب پانزدہم کو نفل نماز کے بارے میں

چاشت کے وقت ماہ شعبان میں شب پانزدہم کو نفل پڑھنے کا ذکر آ گیا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ قوت القلوب میں لکھا ہے کہ حرم مکہ اور حرم مدینہ میں چار چار سو پانچ پانچ سو آدمی جمع ہوتے تھے۔ اور سو رکعت نماز شب برات کی پڑھتے تھے۔ نفل نماز جماعت سے پڑھنا صاحب قوت القلوب کے نزدیک مکروہ نہیں ہے انہوں نے لکھا ہے لا اکراہ النفل بالجماعت۔ لیکن بعض فقہا کے نزدیک مکروہ ہے اور اس رات کو بعض روایت میں سورہ یٰسین کا پڑھنا بھی آیا ہے لیکن شیخ شہاب الدین کے اوراد کے بہت کم نسخوں میں پایا جاتا ہے۔

سلطان ابراہیم بن ادھم کے فضائل اور محامد کے بارے میں

عشاء کی نماز کے بعد سلطان ابراہیم بن ادھمؒ کے فضائل اور صفات کا تذکرہ نکل آیا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ وہ کہتے تھے اعربنا فی الکلام ولحنا فی الاعمال لیتنا اعربنا فی الاعمال ولحنا فی الکلام (یعنی گفتار میں تو ہم بڑے فصیح اور تیز ہیں لیکن اعمال میں ناقص ہیں۔ کاش کہ ہم اعمال میں تیز ہوتے اور گفتار میں نازک ہوتے۔)

اسم اعظم کیا ہے

سلطان ابراہیم بن ادھمؒ سے اسم اعظم کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ یجیع بطنک واخری جسدک عن الحسد وکل اسم سمیتہ وھو الاسم اعظم (یعنی پیٹ کو اگر بھوکا رکھو اور جسم کو حسد سے پاک رکھو تو پھر جس اسم الٰہی کو تم پڑھو گے اسم اعظم ثابت ہو گا)

اگلے وقت کے لوگ کیسے صاف باطن اور سادہ دل تھے

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ہمارے خواجہ (نصیر الدین چراغ دہلوی) فرماتے تھے کہ ایک رات حضرت خواجہ نظام الدین

اولیاؒ کی جماعت میں رہنے کے بعد تھوڑی دیر کے لیے آنکھ لگ گئی۔ایک پہر رات باقی ہوگی میں اٹھ گیا اور چاہا کہ مراقبہ میں ہو جاؤں ایک صاحب آئے اور پوچھا کہ مولانا محمود کہاں ہیں مجھے اپنی فکر لگی کہ شاید کوئی شخص مجھ کو تلاش کر رہا ہو۔ایک شخص نے ان صاحب کو بتا دیا کہ مولانا محمود فلاں جگہ بیٹھے ہوئے ہیں۔وہ صاحب میرے پاس آئے۔میں نے تھوڑا سر اٹھا کہ ان کی طرف دیکھا شیخ قطب الدین منور کے والد مولانا برہان الدین ہانسویؒ تھے۔ وہ حضرت شیخ فریدالدین گنج شکرؒ کے مجاز تھے۔وہ میرے پاس آکر بیٹھ گئے میں بھی ان کے سامنے ادب سے بیٹھ گیا۔انہوں نے کہا میں آپ کے پاس ایک خوش خبری لایا ہوں۔ ابھی میں حضرت خواجہ (خواجہ فریدالدین گنج شکرؒ) کی خدمت میں حاضر تھا گفتگو میں سلطان الاولیا سلطان ابراہیم بن ادھمؒ کا ذکر نکل آیا۔حضرت خواجہ نے فرمایا میں بھی ابراہیم رکھتا ہوں۔میں سوچنے لگا کہ ہم لوگوں میں کون وہ خوش قسمت انسان ہے جس کو حضرت خواجہ نے سلطان ابراہیم کا مقام بخشا ہے۔تھوڑی دیر کے بعد خود ہی حضرت خواجہ نے فرمایا کہ وہ محمود اودھیؒ ہے۔میں نے حضرت خواجہ سے عرض کیا اجازت ہو تو یہ خوش خبری میں ان کو پہنچا دوں اور ان سے اپنے لیے بھی کچھ مدد و معاونت چاہوں۔اس کے بعد اپنی پگڑی سے مسواک نکال کر رکھ دی اور کہا کہ مجھے بھی اپنے دل میں رکھیں۔حضرت سید ابوالمعانی بھی اس وقت مجلس میں موجود تھے۔انہوں نے کہا کیا زمانہ تھا۔کیسے سچے لوگ تھے۔کہ شیخ نظام الدین کے ہم خرقہ اور شیخ فریدالدین گنج شکرؒ کے مجاز ہونے کے باوجود شیخ نظام الدین کے مرید کے سامنے آکر ایسی عقیدت کا اظہار کرنے میں نہیں جھجکتے تھے۔حضرت مخدوم نے فرمایا ہاں وہ سچے لوگوں کا زمانہ تھا۔آج کے جیسا زمانہ نہ تھا کہ ہر شخص خود غرض نظر آتا ہے اور اپنے نام اور شہرت کے لیے مرا جاتا ہے۔اس زمانے کے لوگوں میں اس طرح کی بزرگی اور بڑائی کا تصور دل میں نہ تھا۔وہ دینی کاموں میں استقامت رکھتے تھے اور حق ادا کرنے میں سب سے آگے تھے۔

کتاب ختم کرنے پر حلوا تقسیم کرنا

حضرت مخدوم نے قصہ بیان کیا کہ جب میں نے کتاب بزدوی ختم کی۔تو دو قاب حلوا کا کھانا کھانے کے بعد اپنے شیخ کے سامنے لاکر رکھ دیا کئی مخصوص آدمی اس وقت خدمت میں حاضر تھے۔ہمارے خواجہ نے دونوں قاب سب کے سامنے رکھ دیا۔لوگوں نے کھانا شروع

کیا۔ حضرت خواجہ نے پوچھا بابا سید یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا حلوا ہے۔ آپ کے صدقہ میں بزودی میں نے ختم کی ہے۔ حضرت خواجہ نے محبت سے فرمایا کام تو تم نے بڑا کیا۔ اور بڑی کتاب بھی ختم کی لیکن حلوا تھوڑا لایا۔ ہمارے رشتہ داروں میں ایک سید زادے تھے ان سے میرے اختلافات رہتے تھے۔ وہ بھی اس مجلس میں موجود تھے۔ مجھ پر طعنہ زن ہوئے یعنی شیخ نے مجلس میں میرا مذاق اڑایا۔ حضرت خواجہ نے بھی اس کو سمجھ لیا کہ یہ سید زادہ دل کا بخار نکال رہا ہے۔ حضرت خواجہ نے فرمایا یہ خرچ جو تم نے دو قاب حلوا تیار کرنے میں کیا ہے ہمارے زمانے میں ایک بڑی مجلس سماع اس میں ہو جاتی۔ قوالوں کو چھ چیتل دیا جاتا تھا۔ حسن مہندی جو مشہور قوال تھا سولہ چیتل (پیسہ) سے زیادہ نہیں لیتا تھا۔ آٹا چھ چیتل میں ایک من، گھی تین تنکہ میں ایک سیر اور اسی طرح شکر وغیرہ جب ہم لوگ کتاب ختم کرتے تھے تو تمام طالب علموں کو جمع کرتے تھے اور سماع کرتے تھے۔ اسی سید زادے نے پوچھا کہ طالب علم ساتھی سب مجلس سماع میں شریک ہوتے تھے۔ حضرت خواجہ نے فرمایا ہاں حاضر ہوتے تھے اور وجد میں آتے تھے، رقص کرتے تھے۔ یہاں تک کہ بعض کے کپڑے پھٹ جاتے تھے۔ اس سید زادے نے پوچھا تو پھر آج کل لوگ کیوں ایسے ہیں۔ حضرت خواجہ نے فرمایا کہ وہ لوگ شیخ فریدالدین گنج شکرؒ کے زمانے کے قریب تھے۔ زمانہ کی قربت کا اثر تھا۔ وہ سچے لوگوں کا زمانہ تھا۔ خود پرست، شیخی باز اور جاہ جو لوگوں کا زمانہ نہ تھا۔

روز دوشنبہ ۱۶ شعبان ۸۰۲ھ

مُردہ دل خاک جیا کرتے ہیں

چاشت کے وقت ایک دانشمند خدمت میں حاضر تھے۔ انہوں نے کہا کہ یہ مقام بہت آرام دہ اور زندگی بخش ہے۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ مولانا سنو! اگر دل خاطر جمعی سے اللہ کی طرف مشغول ہے اور اس کو مشاہدہ حق حاصل ہے پھر اس کے لیے ہر مقام بہشت ہے اور اگر (نعوذ باللہ) ایسا نہیں ہے تو خود اعلیٰ علیین بھی اس کے لیے دوزخ ہے۔ جو دل کہ مردہ ہے وہ نہ زندہ ہونے کے لائق ہے نہ مرنے کے لائق۔ کل قیامت کے دن تمام روح اور جسم کو اٹھایا جائے گا لیکن قلوب کو نہیں اٹھایا جائے گا اس لیے کہ اگر وہ زندہ ہے تو پھر کبھی بھی اس کے

ہے موت نہیں پھر وہ اٹھایا کس لیے جائے گا اور اگر وہ مردہ ہے تو پھر کسی حال میں زندہ نہیں ہوسکتا۔ پھر وہ اٹھایا کس طرح جائے گا۔ لوگ جو مثل مارتے ہیں کہ سر سویا ہوا اور دل بیدار وہ اسی معنی میں آتا ہے۔ لطائف قشیری میں لکھا ہے کہ سابق امتوں میں قلوب اجسدوں اور صورتوں کا مسخ جاری تھا۔ لیکن ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے اجساد اور صورتوں کا مسخ کرنا تو اللہ نے ختم کر دیا لیکن دلوں کا مسخ ابھی بھی جاری ہے۔ اور یہ مسخ قلوب بہت بڑی مصیبت ہے۔

دل زندہ کس طرح رہتا ہے

ان ہی مولانا نے پھر سوال کیا کہ دل زندہ کس طرح رہتا ہے۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ہمیشہ مرشد کی تلقین کے مطابق ذکر کرنے سے اور مرشد کی ہدایتوں پر عمل کرنے سے۔ وہ ترک بشریات مکمل طور پر کرنے کے لیے نہیں کہے گا لیکن اتنا ضرور کہے گا کہ جسم و جان کا رشتہ بھی قائم رہے اور دل میں کدورت اور گندگی بھی نہ آئے۔

سابق انبیا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں فرق

سابق نبیوں کے دین کی جڑ ان کے واصل بہ حق ہوتے ہی اکھڑ جاتی تھی صرف فروعات رہ جاتے تھے لیکن ہمارے پیغمبر صلعم کے دین کی جڑ ان کے وصال کے بعد بھی قائم ہے۔ خدا کی وحدانیت اور نبی کی نبوت پر ایمان بالکل اسی طرح ہے البتہ بڑے بڑے اختلافات ضرور پیدا ہوگئے ہیں۔ شاید ہی کوئی مسئلہ ایسا ہو جس میں اختلاف آراء نہ ظاہر ہوئے ہوں یہاں تک کہ اطلاق لفظی پر بھی اختلافات ہونے لگے ہیں۔ شیعہ علیؓ کو صلواۃ اللہ وسلامہ علیہ و صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں، بارھوں امام کو معصوم کہتے ہیں۔ اور ان کے نام کے ساتھ صلی اللہ علیہ وسلم و صلواۃ اللہ وسلامہ علیہ بھی لگاتے ہیں۔ اگرچہ یہ سب مختلف لفظ ہیں لیکن معنی سب کے تقریباً ایک ہی ہیں۔ اسی طرح عصمت اور حفظ دونوں ہم معنی لفظ ہیں۔ معنی کے لحاظ سے الفاظ میں فرق پیدا کرنے کے لیے اس قدر ہیر پھیر کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

اسی سلسلے میں حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ایک مسئلہ مجھ کو بہت مشکل معلوم ہوتا ہے کوئی اس کو حل کر دیتا۔ سنی اس مسئلہ پر اعتراض کرتے ہیں اور اپنے دعوے کے ثبوت میں منصوص اور معقولات کو پیش کرتے ہیں یہ بھی اپنے ثبوت میں منصوص اور معقولات ہی

پیش کرتے ہیں اور ان کے معقولات سے کاٹ کرتے ہیں یہ بھی سنیوں کے منصوص کی تاویل کرتے ہیں ۔ اور معقولات کی دوسری طرح تردید کرتے ہیں ۔ مثلاً وہ مسئلہ روئت باری کا لیجیے ۔ ہم لوگ اس آیت کے معنی وجوہٌ یومئذٍ ناظرۃٌ الیٰ ربّہا (معنی ۔ چند لوگ اس روز اپنے پروردگار کی طرف دیکھیں گے) معتزلہ ناظرہ سے الیٰ ثواب ربہا یعنی پروردگار کے عطا کردہ ثواب کی طرف مراد لیتے ہیں اور یہ لوگ تقلید فاسق کیلیے فجزاء جہنّم خالدًا فیہا (یعنی اسکی سزا جہنم ہے جسمیں وہ ہمیشہ رہیں گے) لاتے ہیں تم اس کی تاویل کرتے ہو کہ اس سے طوالت زمانہ مراد ہے ۔ اب یہ کیسے فیصلہ ہو کہ حقیقت کیا ہے اور باطل کون ہے تم سنی کہاں سے ہوئے اور وہ اہل بدع واہوا کہاں سے ہوئے ۔ یہ لوگ اپنے کو اہل عدل اور توحید کہتے ہیں اور ہم لوگوں کو حشویہ و مجبریہ پکارتے ہیں اور ہم اپنے کو اہل سنت اور جماعت کا نام دیتے ہیں ۔ اور ان کو معتزلہ اور قدریہ کہتے ہیں ۔ خلاصہ یہ کہ ہر ایک اپنے کو بزعم خود برحق اور دوسرے کو باطل کہتا ہے ۔ لیکن جس شخص کا دل الہام یافتہ ہو اور اللہ اور اللہ کے رسول کو پہچانتا ہو، اس کے حکم پر چلتا ہو اور سب کام اسی کے حکم اور اجازت سے کرتا ہو وہی حق مذہب پر ہے ۔ اور یہ صفت زندہ دلوں کی ہے ۔ یہ لوگ کبھی کبھی اپنے دل کا اندازہ لگاتے ہیں اس کو ٹٹولتے ہیں اور مشاہدۂ حق میں اگر کچھ زیادتی اور ترقی دیکھتے ہیں اسی پر چلتے ہیں اور اپنی آنکھ سے جو کچھ دیکھتے ہیں، اور کان سے سنتے ہیں صفات و ذات و افعال باری کے سلسلے میں اسی پر اعتقاد رکھتے ہیں ۔ اور اگر ان کے دل میں کچھ کدورت آجاتی ہے تو اس سے خبردار ہو جاتے ہیں ۔ اس سے توبہ و استغفار کرتے ہیں پھر کبھی بھول کر بھی اس کے گرد نہیں پھٹکتے ۔ ان کی ہمیں پیروی کرنی چاہیے ۔ یہ لوگ بلاشبہ دلیل قاطع اور برہان یقینی کے ساتھ حق پر ہیں ۔ ان کے عقیدہ اور ان کے کام میں غلطی، وہم اور خطا کا ذرا احتمال نہیں ہے ۔

نابینا اور بینا کے راستہ چلنے میں فرق

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ایک اندھا راستہ میں عصا کے سہارے چلتا ہے اور ایک آنکھ والا اپنی آنکھوں سے دیکھ کر چلتا ہے معلوم ہے دونوں میں کس قدر فرق ہے ۔ علی کرم اللہ وجہہ ایک دن کہیں جا رہے تھے ۔ آپ کے نعلین کے بند سے ایک چیونٹی زخمی ہو گئی وہ اسے دیکھ کر دیر تک کھڑے افسوس کرتے رہے یہاں تک کہ وہ چیونٹی اپنے سوراخ میں چلی گئی ۔ اسی رات کو انہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا وہ کہہ رہے ہیں:-

"کہ اے علیؓ! کل تم سے کیا غلطی ہوئی تھی جو اللہ تعالیٰ اور تمام فرشتے تم سے غصہ تھے۔" علیؓ نے کہا میں نے کیا کیا۔ مجھے نہیں معلوم۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے نعلین کے بند سے ایک چیونٹی کا پیر زخمی ہو گیا تھا۔ اور وہ چیونٹی اللہ کے صدیقوں میں سے تھی کیونکہ جب سے اللہ نے اس کو پیدا کیا ہے اس کی زبان ذکر الٰہی سے کبھی نہیں رکی سوائے اس ایک لمحہ کے جب کہ اس کا پیر زخمی ہوا۔ علیؓ نے پوچھا "یا رسول اللہ! میرا حال کیا ہوگا۔" محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے علی! ہوتا تو بہت بُرا لیکن اس چیونٹی نے تمہاری سفارش کی اور کہا کہ خداوندا! تو نے اعمال کا دار مدار نیت اور قصد پر رکھا ہے۔ اور علیؓ کا ایسا ذرا ارادہ نہ تھا۔ ان کی نیت ضرر پہنچانے کی ہرگز نہ تھی۔ تو بہتر جانتا ہے۔ اے اللہ ان کے عذر کو قبول کر۔"

روئیت کا انحصار عمل پر ہے

قولہ عزمن قال فمن یعمل مثقال ذرۃٍ خیرًا یرہٗ ومن یعمل مثقال ذرۃٍ شرًا یرہٗ۔

(معنی - کیا ہی بلند ترین ذات ہے کہ جس شخص نے ایک ذرہ برابر بھی نیکی کی ہے وہ اس کو قیامت کے دن دیکھے گا اور ایسے ہی ذرہ برابر بدی کرنے والا شخص بھی اس کو دیکھے گا) اس کلام سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ عمل سے ہی روئیت کی جزا ہوگی۔ صوفیا کا اس پر اتفاق ہے کہ عمل ہی سے روئیت ہوگی۔ یہ صفت زندہ دلوں کی ہے۔ تھوڑی کدورت جو ان لوگوں کے دل میں ہوتی ہے اس کو دُور کر دیتے ہیں اور اس سے خبردار ہو جاتے ہیں۔

نماز میں بھول قابل معافی نہیں

نماز میں بھول قابل معافی نہیں ہے اس لیے کہ نماز کی حالت مذاکرہ کی حالت ہے اسی طرح صوفیوں کا نسیان کسی حال میں قابل معافی نہیں ہے اس لیے کہ ان پر حالت مذاکرہ ہر وقت طاری رہتا ہے یہ لوگ ہمیشہ مشہد حق اور مظہر رب میں ہوتے ہیں۔ نماز میں غرق وہ مشاہدہ حق و تجلیات میں رہتے ہیں لیکن ظاہر میں ان کا کام طبیعت اور عادت کے مطابق ہوتا ہے جس طرح کوئی شرابی نشہ میں مست اپنے گھر صحیح طور پر پہنچ جاتا ہے اور راستہ گم نہیں کرتا ہے۔ اس طرح یہ صوفیا بھی جمال الٰہی کے نشہ میں مست ہونے کے باوجود نماز کے ارکان اور آداب میں غلطی نہیں کرتے۔ اور جس طرح شراب کے نشہ میں مست شرابی کے ہاتھ سے شراب کا پیالہ نہیں گرتا اور ہاتھ کانپنے کے باوجود جب وہ جام شراب بھرتا ہے تو اس بات کا پورا خیال اور اہتمام کرتا ہے کہ ایک قطرہ بھی شراب

کا زمین پر نہ گرنے پائے۔ صوفیا کی صورت حال نماز میں بھی یہی ہوتی ہے لیکن نماز بغیر حضور قلب نماز نہیں ہے بلکہ وہ نماز کے مشابہ کوئی چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے صورت نماز کو نماز کا حکم دیا لیکن منصب سے خارج کر دیا۔ لاصلوٰۃ الا بحضور القلب فقیہوں کے نزدیک نفی کمال ہے لیکن صوفیوں کے یہاں اصل جواز ہے۔

حضرت نصیر الدین چراغ دہلویؒ پر قاتلانہ حملہ

ایک مرتبہ حضرت شیخ الاسلام نصیر الدین چراغ دہلوی کا تذکرہ نکل آیا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا۔ تراپی ایک دیوانہ تھا۔ وہ اکثر شیخ کی خلوت میں بھی جایا کرتا تھا۔ حسب عادت ایک مرتبہ وہ شیخ کی خلوت میں چلا گیا۔ اس وقت شیخ تنہا تھے اس نے چاقو لے کر شیخ کو مارنا شروع کر دیا۔ شیخ نے خود جو واقعہ اس سلسلے میں بیان کیا ہے وہ ذرا طویل ہے مختصر یہ کہ اس نے پانچ وار چاقو کے کیے۔ وہ مارتا جاتا تھا اور شیخ کہتے جاتے تھے تراپی تجھ کو کیا ہوا۔ تیرا دست پیش کہاں ہے۔ تراپی دست پیش اٹھا کر لایا اور اس کو بھی پھینک کر مارا یہاں تک کہ شیخ کی تمام انگلیاں مجروح ہو گئیں۔ اور وہ برابر کے لیے رہ گئیں یعنی لکھنے میں اور نماز پڑھنے کے وقت قعدہ میں دشواری ہوتی تھی۔ باہر کے لوگوں کو اس وقت خبر ہوئی جب خون شیخ کے حجرہ سے بہہ کر صحن میں دس گز تک پھیل گیا۔ مطبخ کی طرف جہاں مولانا زین الدین اور دوسرے خدام بیٹھے تھے جب خون بہہ نکلا تو لوگ حجرہ کی طرف دوڑے۔ سب سے آگے مولانا زین الدین تھے۔ تراپی نے ان پر بھی حملہ کیا اور چاقو پھینک کر مارا۔ انہوں نے اپنے دست پیش سے وار روکا پھر بھی ہلکا زخم ان کے ہاتھ پر آ ہی گیا۔ آخر کار خواجہ بشیر نے اس کو پکڑ کر قابو میں کر لیا اور چھری اس کے ہاتھ سے چھین لی۔ حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلویؒ فرماتے تھے کہ اللہ کا بڑا کرم تھا کہ اس وقت مجھے ہوش تھا اور میں یہ کہہ سکا کہ تراپی کو اگر کسی نے مارا پیٹا تو مجھے رنج ہوگا۔ یہ اچھا ہی ہوا ورنہ اگر میں یہ نہ کہہ سکتا تو پتہ نہیں لوگ اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتے۔ شہر میں خبر آگ کی طرح پھیل گئی کہ حضرت شیخ کو کسی نے چھری ماری۔ کوئی کہتا جاں بحق ہو گئے کوئی کہتا ابھی بچ رہے ہیں۔ بازار میں، گھر میں جس نے یہ بری خبر سنی ننگے سر ننگے پیر گلی کوچوں سے روتے دھوتے نوحہ کناں دوڑا۔ چاقو چھوٹا تھا۔ زخم کاری نہ لگا۔ صرف پیڑو پر ایک زخم گہرا لگا تھا۔ عوام کے ساتھ بہت سے

طبیب ، قاضی صدر جہاں ، اور ملک تنتھو خاص حاجب بھی شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ملک تنتھو نے کہا بادشاہ کی طرف سے مجھے یہ عہدہ ہے کہ میں اسے گرفتار کروں۔ اس لیے تبرائی کو میرے حوالہ کرو۔ لوگوں نے اس کو حوالہ کر دیا۔ لیکن حضرت شیخ نے قاضی صدر جہاں سے کہا کہ زخمی میں ہوا ہوں اور ملزم کے ایک دو دوست ہوئے ہیں۔ میں نے اپنا حق بخش دیا۔ اسے معاف کر دیا۔ اور میرے ورثا جو یہاں پر کھڑے ہیں امید ہے وہ بھی بخش دیں گے پھر قاضی صدر جہاں نے ورثا سے مخاطب ہو کر پوچھا تم لوگوں نے بخش دیا۔ ان لوگوں نے کہا ہم لوگوں نے بھی بخش دیا۔ اب شرع کی رُو سے اس پر کوئی سزا نہیں لاگو ہوتی۔ صدر جہاں نے کہا میں جاتا ہوں۔ گورنر کو رپورٹ کرتا ہوں۔ وہ کیا کہتے ہیں۔ اس زمانہ میں اس عہدہ پہ ملک کبیر تھے۔ صدر جہاں ملک کبیر کے پاس گئے۔ انہوں نے کہا شرع کی رو سے تو اسے کوئی سزا نہیں دی جا سکتی۔ اس لیے اس کو رہا کر دو۔ اس وقت تک تبرائی ملک تنتھو خاص حاجب کے گھر میں مقید تھا۔ جس روز کہ وہ رہا ہونے والا تھا عوام کوچہ و بازار میں ہاتھوں میں پتھر لے کر کھڑے ہو گئے کہ جس وقت وہ ناہنجار چھوٹے گا ہم لوگ اسے سنگسار کر دیں گے۔ حضرت شیخ کو یہ خبر ملی تو انہوں نے ملک تنتھو کو بلوا بھیجا اور فرمایا کہ لوگ اس کو مار ڈالیں گے۔ پچاس سپاہی اس کے ساتھ کر دیے جائیں۔ اور وہ بھوکا بھی ہو گا دو تنکہ اس کو کھانے کے لیے دے دیا جائے۔ اور اپنے شہر سے باہر حفاظت سے لے جا کر چھوڑ دیا جائے۔ جب وہ باہر نکلا تو لوگ سنگسار کرنے کے لیے پتھر لے کر دوڑے لیکن جب سپاہیوں کو دیکھا کہ وہ اس کو دائیں بائیں حلقہ میں لیے ہیں۔ اور کسی کو وہاں تک پہنچنے نہیں دیتے تو پھر سب رُک گئے۔ دو سال کے بعد ملک کبیر نے حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ سلطان نے دریافت فرمایا ہے کہ تم لوگوں نے حضرت شیخ محمود نصیر الدین چراغ دہلویؒ کے قاتل کو کیا کیا۔ اب حضور فرمائیں میں کیا جواب لکھوں۔ حضرت شیخ نے جواب دیا کہ اگر سلطان کا اصرار ہی ہوا۔ تو میں جواب لکھ کر بھیجوں گا۔

رسول اللہ صلعم کی وفات کے حالات

ظہر کی نماز کے بعد مخدوم زادہ بنیہ خلیفہ عباسی قدم بوسی کے لیے حاضر ہوئے حضرت مخدوم نے فرمایا کہ عباس رضی اللہ عنہ کو ہمیشہ گورنری اور امارت کی خواہش رہی اور وہ اس کے لیے کوشاں رہے انہوں نے کئی بار رسول اللہ صلعم سے

کسی ملک کی گورنری کی درخواست کی لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سمجھا کر روکا کہ "چچا جان! آپ اپنا ہی بوجھ اُٹھانے پر اکتفا کریں عوام کا بوجھ اپنے اوپر نہ لیں۔"

مرض الموت میں جب رسول اللہ صلعم کی حالت زیادہ خراب ہوئی تو عباس امیرالمومنین علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا میں مرض کے آثار اچھے نہیں دیکھ رہا ہوں۔ آپ ان سے پوچھیے کہ ان کے بعد امیرالمومنین کون ہوگا۔ علی رضی اللہ عنہ نے کہا "چچا جان! یہ بات بڑی نازک ہے۔ میں نہیں پوچھوں گا۔ معلوم نہیں آنحضرت صلعم کیا خیال فرمائیں۔" عباس نے دوسری مرتبہ بھی کہا اور علی رضؓ نے یہی جواب دیا۔ تیسری مرتبہ جب عباس رضؓ نے زور دیا تو علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا "چچا جان! اگر آپ کے علاوہ اور کوئی شخص اس بات کو جا کر پوچھے تو مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔" بات جہاں کی تہاں رہ گئی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا اس وقت علی رضی اللہ عنہ حجرہ میں دیوار سے لگے بے ہوشی کے عالم میں بیٹھے تھے۔ اور تقریباً یہی حال عثمانؓ کا بھی تھا۔ دوسری طرف انصار کے سردار سعد عبادہ کے گھر میں صحابہ میں سے کچھ لوگ جمع ہو گئے تھے اور سعد عبادہ کے ہاتھ پر بیعت کر کے ان کو خلیفہ بنانے کے لیے تیار تھے۔ عمر رضؓ نے جب یہ خبر سنی تو انہوں نے ابوبکر رضؓ کے پاس جا کر سب حال بتایا۔ ابوبکر رضؓ نے کہا آئیے ہم لوگ اس جگہ چلیں۔ عمر رضؓ نے راستہ میں سوچا کہ ان لوگوں سے ہم کیا کہیں گے۔ ابوبکر رضؓ بھی یہی سوچ رہے تھے۔ ایک راہ گیر نے پوچھا آپ لوگ کہاں جا رہے ہیں۔ انہوں نے کہا ہم لوگ اس کام سے جا رہے ہیں۔ اس نے کہا انصار کی یہ بات اللہ اور اس کے رسول کو نہیں پسند ہوگی اس لیے کہ مہاجر کو انصار پر جو فضیلت حاصل ہے وہ سب پر عیاں ہے۔ پھر اسلام میں تقدم اور صحبت رسول میں بہت زیادہ دنوں تک رہنے کی فوقیت بھی مہاجرین کو حاصل ہے نہ کہ انصار کو۔ اس وقت حضرت ابوعبیدہ جراحؓ نے عمر رضؓ سے کہا کہ ہاتھ بڑھائیے میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو تیار ہوں عمر رضؓ نے رنجیدہ ہو کر کہا "اے ابوعبیدہ! جب سے آپ اسلام کے حلقے میں آئے ہیں میں نے کوئی گناہ آپ سے سرزد ہوتے نہیں دیکھا لیکن آج آپ کو کیا ہو گیا ہے کہ ابوبکر رضؓ کے ہوتے آپ بیعت کرنے کے لیے مجھے ہاتھ بڑھانے کو کہہ رہے ہیں۔ اور اس کے بعد انہوں نے ابوبکرؓ سے ہاتھ بڑھانے کو کہا اور جھٹ ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ پھر ابوعبیدہ جراح اور کئی دوسرے مسلمانوں نے بھی جو اس وقت موجود تھے بیعت کر لی۔ اور پھر اپنے اپنے گھر آ کر

بیٹھ گئے۔ رسول اللہ صلعم کے کفن دفن کی طرف کوئی مشغول نہ ہوئے۔ یہ بات جب عباس رضؓ کو معلوم ہوئی تو وہ عمر رضؓ کے گھر آئے دروازہ بند پایا۔ شکایت آمیز لہجہ میں بولے کہ "اے عمر! تم نے رسول اللہ کا وہ قول تو سنا ہوگا۔ "عم الرجل صنو ابیہ" یعنی چچا باپ کے درخت کی شاخ ہوتا ہے۔" یہ بالکل صحیح ہے۔ تم لوگوں نے زبردستی کیا ہے۔ عمر رضؓ دروازہ پر آئے اور جواب میں کہا کہ "اے عباس رضؓ آپ کا فرمانا بجا ہے۔ لیکن جو کچھ ہونا تھا ہو گیا۔ گفت و شنید کا اب کوئی موقع نہیں رہا۔ اس کے بعد ابوبکر رضؓ باہر آئے اور مسجد نبوی میں آکر خطبہ دیا کہ الا ان من کان منکم یعبد محمد فان محمداً قد مات ومن کان یعبد رب محمدٍ فھو حیٌّ لا یموت ابداً۔ یعنی اے مسلمانو! تم میں سے جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پوجتا تھا تو اسے معلوم ہو کہ محمد وفات پا گئے۔ اور تم میں جو محمدؐ کے اللہ کی پرستش کرتا تھا تو وہ اللہ زندہ ہے وہ کبھی نہیں مرے گا۔ المختصر طویل خطبہ کے بعد اسی جگہ عام بیعت شروع ہوئی اور امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کو بیعت خاص اور بیعت عام میں سے کسی کی بھی خبر نہ ملی۔ اس کے بعد سب لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کفن دفن میں مشغول ہو گئے۔ تجہیز و تکفین سے فراغت کے بعد علی رضؓ نے ابوبکر رضؓ سے پوچھا کہ اب بیعت کے سلسلے میں کیا کرنا چاہیے ابوبکر رضؓ نے کہا کہ یہ کام تو ہو چکا۔ علی رضؓ نے کہا وہ کس طرح مجھے خبر بھی نہ ہوئی۔ ابوبکر رضؓ نے کہا وقت تنگ اور نازک تھا۔ حالات کے بگڑنے کا اندیشہ تھا۔ اس لیے توقف کا موقع نہ تھا عباس رضؓ نے رنجیدہ ہو کر عرصہ تک بیعت نہ کی۔ فاطمہ رضؓ جب تک زندہ رہیں اہل بیعت میں سے کسی شخص نے بھی بیعت نہ کی۔ عباس رضؓ نے کچھ دنوں کے بعد جب بیعت کی تو اس وقت کہا تھا کیا کروں۔ میں تنہا ہوں۔ تم لوگ زیادہ ہو مجبوراً بیعت کر رہا ہوں۔ اسی روز سے مذہب میں اختلاف پیدا ہوا جس سے اسلام کی بنیاد میں خرابی پیدا ہوئی۔ جب امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کی نوبت آئی تو معاویہ رضؓ جنگ پر آمادہ ہو گئے۔ عمرو عاص ان کے وزیر بن گئے۔ ان کے لڑکے عبداللہ جو کہ پرہیزگار صحابہ میں سے ایک تھے باپ کی طرف سے جنگ کے لیے میدان میں نکل آئے جو لوگ کہ علی رضؓ عنہ سے جنگ پر آمادہ ہوئے۔ ان کی آخری زندگی افسوس ناک ہوئی اس لیے کہ علی رضؓ کو رسول اللہ صلعم سے اتحاد و یگانگت صوری و معنوی اور قربت غیر معمولی تھی۔ جب عمرو عاص کا آخری وقت آپہنچا اور ان پر جانکنی کا عالم طاری ہوا تو انہوں نے اپنے سر کے نیچے سے ایک صندوق نکال کر لڑکے کو دینا چاہا

تو لڑکے نے اُسے حقارت سے ٹھکرا دیا کہ یہ میرے کس کام کا ہے۔ میں لے کر کیا کروں گا۔ عمرو عاص نے کہا کہ یہ مال سے بھرا ہوا ہے۔ عبداللہ نے جواب دیا کاش کہ یہ فقر سے بھرا ہوا ہوتا۔ زر نہ لیا۔ لیکن علی رضؓ سے جنگ کیا۔

مرنے کے وقت عمرو عاص پر کیا گزری

آداب المریدین میں عمرو عاص کا واقعہ لکھا ہے کہ انہوں نے اپنے لڑکے سے کہا تھا کہ مرنے کے وقت جو حالات مجھ پر گزریں گے میں تم سے کہوں گا۔ لڑکے نے مرنے کے وقت عالم جان کنی میں پوچھا تو بتایا کہ میں سات طبق آسمان کو اپنے سینہ پر رکھا ہوا دیکھتا ہوں۔ سانس لینے اور باہر نکالنے میں سخت تکلیف ہو رہی ہے معلوم ہوتا ہے جیسے ہوا سوئی کے ناکہ سے باہر نکل رہی ہے۔ بہت سخت عذاب اور تکلیف میں مبتلا ہوں۔ آداب المریدین ہی میں یہ بھی لکھا ہے کہ ابو محمد دوم کو نزع کے وقت لوگوں نے کہا کہ لا الہ الا اللہ کہو۔ اس نے بجائے کہنے کے جواب دیا لا اُحسّ غیرہٗ۔ سوائے اس کے کسی کو محسوس نہیں کرتا ہوں۔ احساس کے لفظ سے سِرّ نہانی کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ جس کو اہل فہم ہی سمجھ سکتا ہے۔ یہ حال ہے امت محمد صلعم میں سے تابعین کا اور امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے بعد والوں کا۔ مشائخ کو علی رضی اللہ عنہ سے دلی تعلق ہے۔

روز سہ شنبہ ۱۷ رماہ شعبان ۸۰۲ھ

ایک حدیث کی وضاحت

چاشت کے وقت اس حدیث ایّما عبدٍ ذکرنی فی نفسہٖ ذکرتہٗ فی نفسہ وایّما عبدٍ ذکرنی فی ملاءٍ ذکرتہ فی ملاءٍ خیرٌ منہٗ (معنی۔ جس بندہ نے مجھ کو خلوت میں یاد کیا میں بھی اس کو اس طرح یاد کرتا ہوں کہ کوئی نہ جانے۔ اور اگر کوئی مجھ کو خواص اور سرداروں میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اس کو ایسے خواص میں یاد کرتا ہوں جو اس کے خواص سے بہتر ہیں) کے بارے میں حضرت مخدوم نے فرمایا کہ شارحین نے ملاء خیر سے مراد ملائکہ کے لیے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے ملاء کا انحصار ملائکہ پر نہیں ہے۔ انبیاء اور اولیا کی روحیں بارگاہِ باری میں اپنا وہ مقام رکھتی ہیں جہاں ملائک کی رسائی نہیں ہو سکتی اس لیے شارحین کا

ملاء باری کا انحصار ملائکہ پر کرنا صحیح نہیں ہے۔ اور شارحین پر یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ گویا ان کے نزدیک خواص بشر یعنی انبیاء اور اولیاء سے ملائک افضل ہیں۔ اور اس کو قبول نہیں کیا جا سکتا۔ علاوہ ازیں لفظ ملائک بہت سے انواع پر مشتمل ہے سالک کو سلوک میں اس جگہ لے جاتے ہیں جہاں خیمہ نصب کیا ہوا دیکھا جاتا ہے۔ لیکن وہ خیمہ نہ ریشم کا ہے نہ کمخواب کا نہ اور کسی کپڑے کا لیکن پھر بھی خیمہ نصب معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح اس کے دروازہ پر خوب صورت آدمی عصا ہاتھ میں لیے دربان کی وضع میں کھڑے نظر آتے ہیں اور پھر وہ لوگ درحقیقت نہ آدمی ہیں نہ فرشتہ لیکن نظروں میں ایسے ہی معلوم ہوتے ہیں۔ پیر مرید کو اس جگہ پہنچا دیتا ہے جہاں خیمے ہیں، دربان ہیں، اور سب کچھ ہیں اور اپنے مرید کے بارے میں وہ سب کچھ جانتے ہیں۔ اور جب وہ خیموں سے گزرتا ہے تو دربان بھی اس سے کچھ بولتے ہیں یہاں تک کہ طناب، میخ اور زمین تک کچھ رازدارانہ انداز میں اس سے ہم کلام ہوتے ہیں اور یہ سوائے فرشتہ کے اور کون ہو سکتے ہیں۔ ایسی حالت میں کس کو افضل اور کس کو مفضول کہا جائے سمجھ میں نہیں آتا۔ دوسرے فرشتے وہ ہیں جو روزی تقسیم کرتے ہیں اور زندگی اور موت بخشتے ہیں اور آسمان سے زمین پر آکر خبر اور پیغام پہنچاتے ہیں اور یہ سب کے سب اپنا ایک مخصوص مقام رکھتے ہیں۔ اس لیے پہلی تشریح کہ ملاء خیر سے مراد ملائکہ ہیں سب لوگوں کی فہم و ادراک سے باہر ہے بلکہ خیرٌ منہٗ کا اطلاق خویش یعنی فرشتہ اور بشر دونوں زیادہ صحیح ہوگا۔ اور اس میں کوئی قباحت نہیں ہوتی۔

ایک دوسری حدیث کی رباعی سے وضاحت

حضرت مخدومؒ نے اس حدیث لایزال العبد یتقرّب الیّ بالنوافل الیٰ قولہٖ فکنت سمعہُ الذی یسمع بہٖ وبصرہ الذی یبصر بہٖ (معنی۔ بندہ ہمیشہ نوافل کے ذریعہ سے خدا کا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ خدا ہی اس کے کان بن جاتا ہے جن سے وہ سنتا ہے اور خدا ہی اس کی آنکھ بن جاتا ہے جس سے وہ دیکھتا ہے) کو بیان کر کے بڑے ذوق و شوق سے یہ رباعی پڑھی اور فرمایا کہ میرے نزدیک کنت سمعہ الذی یسمع بہٖ کے معنی یہ ہیں :۔ رباعی

چشمے دارم ہمہ پر از صورت دوست ‌ ‌ با دیدہ مرا خوش است چوں دوست درست

از دیدہ و دوست فرق کردن نہ نکوست ‌ ‌ یا اوست بجائے دیدہ یا دیدہ ہمو ست

درازی عمر کے فوائد

ظہر کی نماز کے بعد درازی عمر کے فوائد پر بات نکل گئی حضرت مخدوم نے فرمایا کہ اگرچہ عمر کی درازی کے باعث تکلیف و مصائب بہت زیادہ جھیلنے پڑتے ہیں لیکن ساتھ ہی تجربات بھی بہت زیادہ حاصل ہوتے ہیں۔ اور انسان کو عارف باللہ اور معرفت حاصل کرنے کے مواقع ملتے ہیں۔ امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں وددت ان لما امت طفلاً حیث عرفت اللہ۔ یعنی میں کم عمری میں مرجانے کو پسند نہیں کرتا اس لیے کہ طویل عمری سے خدا کو پہچاننے اور معرفت کی جزئیات سے واقف ہونے کا موقع ملتا ہے۔

اللہ سے دُعا مانگنے کے سلسلے میں

پھر تھوڑی دیر بات اس پر نکل آئی کہ خدا سے کیا دُعا مانگی جائے۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ اللہ سے تھوڑی چیز انسان کیا مانگے۔ جب مانگتا ہے تو بڑی اور زیادہ مانگے۔ کیونکہ دُعا کی قبولیت کا وقت مقرر نہیں ہے ہوسکتا ہے کہ جس وقت وہ دُعا مانگ رہا ہے وہی وقت دعا کی قبولیت کا ہو۔ اور اللہ کی قدرت کے سامنے کم اور زیادہ چھوٹی اور بڑی سب چیزیں برابر ہیں۔ وہ سب کچھ عطا کرسکتا ہے۔ ایک گوّیے نے اللہ سے دُعا مانگی کہ پورا پہاڑ سونے کا ہوجائے۔ وہ وقت دعا کی قبولیت کا تھا پہاڑ سونے کا ہوگیا۔ جب اس نے دیکھا کہ پہاڑ سونے کا ہوگیا تو اس نے اپنے دل میں سوچا کاش کہ ہم اور بڑی چیز مانگتے۔ مطرب کی نظر میں سونے کے پہاڑ سے بڑی اور کیا چیز ہوسکتی تھی۔ اس نے کہا اس کی آنکھیں پھوٹ جائیں جس نے اللہ تعالیٰ سے تھوڑی چیز مانگی۔ اس کی آنکھیں پھوٹ گئیں۔

روز چہار شنبہ ۱۸ ماہ شعبان ۸۰۲ھ

الیاس علیہ السلام کا واقعہ

چاشت کے وقت اس آیت کریمہ وَ لَوۡ یُؤَاخِذُ اللہ الناس بما کسبوا ما ترک علیٰ ظھرھا من دابّۃٍ ولکن یؤخّرھم الیٰ اجلٍ مسمّی فاذا جاء اجلھم فان اللہ کان بعبادہٖ بصیرًا۔ (معنی۔ اگر اللہ تعالیٰ آدمیوں کو ان کے گناہوں کی گرفت کرتا اور سزا دیتا تو صفحہ زمین پر ایک آدمی بھی باقی نہ رہتا لیکن اس نے وقت معینہ تک آدمیوں کی جزا

دینے میں تاخیر کی ہے۔ جب وہ وقت آجائے گا تو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر نظر رکھے ہوئے ہے نیکوں کو نیکی کی جزا اور بروں کو برائی کی سزا دے گا) کو پڑھنے کے بعد حضرت مخدوم نے فرمایا کہ جب حضرت الیاس علیہ السلام اپنی قوم کے ہاتھوں بہت تکلیف اٹھا چکے اور ان میں سے کوئی بھی سلامت روی اور اطاعت کی طرف مائل نہیں ہوا۔ تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگی کہ اللہ تعالیٰ سات سال تک پانی برسانے اور نہ برسانے کا اختیار ان کے ہاتھ میں دے دے۔ فرمان ایزدی ہوا کہ "اے الیاس! ہمارے سب بندے ہلاک ہو جائیں گے سات سال بہت ہوتے ہیں اتنا نہیں دوں گا۔" پھر الیاس علیہ السلام نے چھ برس کے لیے درخواست کی وہ بھی منظور نہ ہوئی۔ پھر پانچ پھر چار یہاں تک کہ تین سال کے لیے درخواست کی۔ وہ منظور ہو گئی اور تین سال کے لیے بارش برسانے اور نہ برسانے کا اختیار اللہ نے ان کو دے دیا۔ الیاس علیہ السلام نے بارش روک دی۔ ایک سال گزرتے گزرتے صفحہ زمین پر ایک جاندار بھی باقی نہ رہا، جانور، مویشی سب مر گئے۔ دوسرے سال جو بچے تھے سب الیاس علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے قصور پر نادم ہوئے اور توبہ کی اور سبھوں نے اقرار کیا کہ ہم لوگ بعلبک کو چھوڑ کر آپ پر ایمان لاتے ہیں۔ آپ برحق ہیں اور بعلبک باطل ہے۔ اب آپ پانی دیجیے۔ چنانچہ بارش ہوئی۔ لیکن اب کسی کے پاس بیج نہیں تھا بوئیں کیا۔ پھر الیاس علیہ السلام کے پاس آئے۔ کہ ہم لوگوں کے پاس بیج نہیں ہے غلہ کس طرح اگائیں۔ فرمان باری ہوا کہ ان لوگوں کو شورہ بونے کے لیے کہدو۔ ان لوگوں نے شورہ لاکر بو دیا۔ تھوڑا چنا اس میں سے نکلا اور تین روز میں اس لائق ہو گیا کہ کھایا جا سکے۔ اور وہی شورگی ابھی تک چنا میں باقی ہے۔ جیسے ان لوگوں کے پیٹ میں اناج گیا اور کاشت کاری شروع ہوئی وہ قوم پھر حضرت الیاس علیہ السلام سے برگشتہ اور باغی ہو گئی اور اسی بعلبک بت کو پوجنے لگی۔ جب الیاس علیہ السلام نے اپنی قوم کا یہ حال دیکھا تو ان کی اصلاح سے عاجز آگئے اور اللہ سے دُعا مانگی کہ "اے اللہ مجھ کو اپنے پاس بلالے۔" غیب سے ایک گھوڑا آیا اور اس پر سوار ہو کر وہ ہوا میں اڑ گئے۔ یونس بن متی ان کے پاس کھڑے تھے جب ان کا گھوڑا مائل بہ پرواز ہوا تو انہوں نے پوچھا کہ اپنا کام آپ کس کے سپرد کر کے جا رہے ہیں۔ الیاس علیہ السلام نے جواب دیا کہ تمہارے سپرد کیا۔ یونس علیہ السلام نے کہا کچھ نشانی دیتے جائیے۔ چنانچہ ہوا میں اڑنے کے بعد اوپر سے ایک کپڑا

ان کے پاس بھیج دیا۔ اور خود زندہ آسمان کی طرف چلے گئے۔ آج کل جنگل، بیابان اور صحرا میں لوگ پریشانی کے عالم میں الیاس علیہ السلام سے ہی مدد مانگتے ہیں اور وہ رہبری کرتے ہیں۔ حاضرین میں سے کسی نے پوچھا کہ ولاتزر وازرۃ وزر اخرىٰ کے کیا معنی ہیں۔ کمترین نے جواب دیا کہ "کوئی شخص دوسرے کا بار نہیں اٹھائے گا" سے مفسرین نے آخرت میں بوجھ اٹھانا مراد لیا ہے۔ اور یہی عدل الٰہی ہے۔ کسی نے سوال کیا کہ بعض کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ جب دوزخ دوزخیوں سے نہیں بھرے گا تو پھر اور لوگوں کو پیدا کیا جائے گا اور دوزخ میں ڈالا جائے گا اس کا کیا مطلب ہوا۔ جواب دیا گیا کہ اس حدیث کے بارے میں ینادی الجحیم ربہ یوم القیمۃ ویقول یارب انک عاھدت الیٰ ان ملأنی من الخلق وما ملئت بعد فھل من مزید۔ ثم یدخل اللہ فیہ جمعًا من الناس فیقول ھل من مزید ثم یدخل اخر واخر وھو یقول من مزید فیضع الرب قدمہ فینزوی الیہ فیقول قطنی قطنی یارب۔ (قیامت کے دن دوزخ اللہ سے فریاد کرے گی کہ اے رب تونے وعدہ کیا تھا کہ تجھ کو آدمیوں سے بھر دوں گا۔ اللہ تعالیٰ آدمیوں کی بہت بڑی جماعت کو اس میں ڈال دے گا۔ پھر دوزخ سے ھل من مزید کی آواز بلند ہوگی۔ یہاں تک کہ تین مرتبہ اسی طرح آدمیوں کو اس میں ڈالا جائے گا اور ہر بار ھل من مزید کی آواز بلند ہوگی۔ اس کے بعد جب اللہ تعالیٰ اس میں قدم خویش کو وضع کرتا ہے تو دوزخ پکار اٹھتی ہے۔ کافی ہے اے اللہ بس کافی ہے) تفسیر زاہدی میں لکھا ہے کہ وضع قدم متشابہ ہے بعضوں نے اس کی تاویل کی ہے کہ نئی مخلوق کو اسی وقت پیدا کر کے اس میں ڈال دیا جائے گا یہاں تک کہ دوزخ بھر جائے گی اور قطنی یارب۔ قطنی یارب پکار اٹھے گی، کسی نے اس پہ اعتراض کیا کہ ان لوگوں نے کیا گناہ کیا تھا۔ جواب دیا گیا کہ وہ سب دوزخ ہی کے مماثل ہوں گے۔ وہ سب بھی آگ ہی سے پیدا کیے گئے ہوں گے اور وضع الشئی فی محلہ ظلم میں شمار نہیں کیا جاتا۔

اہل بیت کی خدا ترسی

حضرت مخدوم نے ایک قصہ بیان فرمایا کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ایک روز حضرت حسین علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ گھر کے ایک گوشہ میں بیٹھے زار زار رو رہے ہیں۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا جلدی سے ان کے پاس آکر ان کا منہ ہاتھ چومنے لگیں اور ان کو گود میں لے کر چپ کرنے لگیں۔ پوچھا بیٹے! کیوں رو

رہے ہو؟ بھوک لگی ہے؟ یا کسی نے کچھ کہا ہے؟ یا تمہیں کوئی مطلوب ہے جو نہیں مل رہی ہے؟"
امام حسین علیہ السلام نے جواب دیا یہ سب کچھ نہیں ہے۔ بلکہ میں ابھی نانا جان کے پاس گیا تھا۔
وہ ایک آدمی سے فرما رہے تھے کہ اگر کل قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مجھ کو اور بھائی عیسیٰ علیہ السلام
کو سزا دے گا تو وہ عدل کے مطابق ہوگا۔ ہم لوگوں کو تو یہ بھروسا ہے کہ وہ ہم لوگوں کی اللہ
سے سفارش کریں گے اور ان کی شفاعت سے ہم لوگ جہنم سے چھٹکارا پائیں گے اور جب وہ اپنے
ہی اوپر عذاب نازل ہونے کو قرین انصاف بتا رہے ہیں تو پھر ہم لوگوں کا کیا حال ہوگا۔
اتنا کہنے کے بعد حضرت مخدوم نے فرمایا کہ خدا ترسی اور خدا پرستی اہل بیت میں بہت زیادہ تھی
اوّل تو ان لوگوں سے گناہ سرزد نہیں ہوتا تھا اور اگر کبھی خدا نخواستہ کوئی لغزش ہو جاتی
تو اس پر توبہ استغفار کرتے اور جب تک توبہ قبول نہ ہو جاتی قرار نہیں لیتے۔

امام حسن علیہ السلام سے ایک لغزش

حضرت مخدوم نے امام حسن علیہ السلام سے ایک لغزش ہو جانے اور اس پر ان کی
گریہ وزاری اور توبہ و استغفار کا ایک واقعہ بیان کیا۔ امیر المومنین علیؓ اور امام حسن علیہ السلام
ایک مرتبہ ایک ساتھ کھانا تناول فرما رہے تھے۔ مغز دار ایک ہڈی پیالہ میں نکل آئی۔
امام حسن علیہ السلام نے اس کو نکال کر کھا لیا۔ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ "بیٹے! تم نے جو
کھایا اس سے مجھے خوشی ہوئی تم بیٹے ہو اور میں باپ ہوں تمہاری ہر خوشی سے مجھے راحت
اور سکون ملتا ہے۔ تم نے ابھی مغز استخواں کھایا مجھے اس سے راحت ملی لیکن تم فرزند رسول اللہ
ہو اتنا نہیں جانتے کہ ایک ساتھ کھانے کی وجہ سے ہم اور تم دونوں اس مغز میں شریک تھے
تم نے تنہا کیوں کھا لیا۔ امام حسن علیہ السلام نادم ہو کر کھڑے ہو گئے اور معافی مانگی۔ علی
رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ "اے میرے بیٹے! میں نے تم سے ابھی کہا اور پھر کہتا ہوں کہ تمہارے
اس مغز کے کھانے سے مجھے راحت ملی لیکن تم سے ایک غلطی سرزد ہو گئی ہے اس کے لیے
اللہ سے توبہ و استغفار کرو۔ شاید اللہ توبہ قبول کرے۔ امام حسن علیہ السلام حجرہ میں بند
ہو کر توبہ و استغفار اور گریہ وزاری میں مشغول ہو گئے۔ چالیس روز اسی طرح گزر گئے۔
چالیسویں روز ایک شخص کا گزر اس حجرہ کی طرف ہوا اس نے دیکھا کہ امام حسن علیہ السلام
ایک کونے میں بیٹھے ہیں اور بوریا ایک کنارے کر دیا گیا ہے کیونکہ حجرہ میں پانی ہی پانی
ہے۔ آنے والے نے پوچھا کہ "اے فرزند رسول! آپ نے وضو یا غسل حجرہ میں کیا ہے؟"

امام حسن علیہ السلام نے جواب دیا کہ "یہ غسل یا وضو کا پانی نہیں ہے بلکہ میرے آنسو ہیں۔" اسی رات کو امام حسن علیہ السلام نے رسول اللہ صلعم کو خواب میں دیکھا وہ فرما رہے ہیں کہ اے حسن! تم بہت مشکل میں پڑ گئے تھے اگر علیؓ کی شفقت پدری تمہاری مدد نہ کرتی تو بہت برا ہو جاتا۔ انہوں نے تم کو خبردار کیا اور تم نے توبہ اور استغفار کیا۔ اور اس وقت میں تمہیں خوش خبری دے رہا ہوں کہ اللہ نے تمہاری توبہ قبول فرمائی اور تمہاری خطا کو بخش دیا۔" غور کرو یہ تھی ان لوگوں کی لغزش اور یہ تھا ان لوگوں کا توبہ و استغفار۔

مشائخ کے خرقہ کی ابتدا کے بارے میں

ظہر کی نماز کے بعد شیخ سعید کے صاحبزادے مولانا عمر خدمت اقدس میں حاضر تھے۔ انہوں نے پوچھا کہ مشائخ کے خرقہ کی ابتدا کے بارے میں جو یہ روایت مشہور ہے کہ جبرئیل علیہ السلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اللہ کی طرف سے لائے تھے اور پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو عنایت فرمایا۔ کیا یہ صحیح ہے۔ حضرت مخدوم نے فرمایا "ہاں صحیح ہے۔ سلوک کی کتابوں میں لکھا ہے کہ شب معراج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہشت میں ایک حجرہ دیکھا۔ جس کا دروازہ اور تالا سب سونے کا تھا۔ رسول اللہ صلعم نے اندر جانا چاہا۔ انہوں نے جبرئیل علیہ السلام سے دروازہ کھولنے کے لیے کہا۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ اگر اللہ کی اجازت ہو تو دکھا دوں۔ رسول اللہ صلعم اللہ نے درخواست کی۔ حکم باری ہوا کہ میرے محبوب کے لیے دروازہ کھول دو۔ دروازہ کھل گیا۔ اندر گئے تو ایک بہت بڑا صندوق سونے کا دیکھا اس پر بھی تالا سونے کا لگا ہوا تھا۔ رسول اللہ صلعم نے جبرئیل علیہ السلام سے اس صندوق کا تالا کھولنے کے لیے کہا کہ اس کے اندر کیا ہے دیکھا جا سکے۔ جبرئیل علیہ السلام نے اللہ سے اجازت لے کر کھول دیا۔ اس صندوق کے اندر سے ایک دوسرا صندوق نکلا اس پر سونے کا تالا لگا ہوا تھا۔ رسول اللہ صلعم نے اس کو کھلوا کر دیکھنا چاہا۔ حکم باری ہوا کہ اس کو بھی کھول دو۔ اس دوسرے صندوق کے اندر بھی ایک چھوٹا صندوق رکھا ہوا تھا۔ اس میں بھی سونے کا تالا لگا ہوا تھا رسول اللہ صلعم کی خواہش پر وہ بھی کھولا گیا۔ اس چھوٹے صندوق کے اندر سے ایک اور صندوقچہ نکلا۔ وہ بھی اللہ کے حکم سے کھولا گیا۔ اس کے اندر خرقہ مشائخ رکھا ہوا تھا۔ رسول اللہ صلعم کی خواہش اس کو لینے کی ہوئی۔ انہوں نے جبرئیل علیہ السلام سے کہا کہ بھائی

جبرئیل! میں چاہتا ہوں کہ یہ خرقہ مجھے مل جاتا۔ اللہ سے درخواست کرنے پر جواب ملا کہ اے میرے محبوب! ہزاروں پیغمبر آج تک ہوئے میں نے کسی کو نہ دیا چونکہ میں نے یہ تمہارے لیے رکھا تھا۔ لو آج میں تمہیں عطا کرتا ہوں۔ پہنو۔ رسول اللہ صلعم نے پھر سوال کیا۔ الہ العالمین! یہ صرف میرے لیے مخصوص ہے یا اپنی امت میں سے کسی کو میں دے سکتا ہوں؟ جواب ملا کہ ایک سوال اور اس کا جواب میں تمہیں بتا دیتا ہوں۔ تمہارے چاروں یار میں سے جو بھی صحیح جواب بتائے اس کو دے سکتے ہو۔" جب وہ واپس دنیا میں آئے تو ایک روز اپنے چاروں صحابہ کو جمع کیا اور ان سے کہا کہ شب معراج میں یہ خرقہ مجھ کو عطا ہوا ہے۔ تم میں سے جو بھی میری بات کا صحیح جواب دے گا میرے بعد یہ خرقہ اسی کا ہوگا۔ حضرت ابوبکرؓ کھڑے ہوگئے رسول اللہ صلعم نے پوچھا کہ اگر تم کو یہ خرقہ ملے تو تم اس سے کیا کام لوگے ابوبکرؓ نے جواب دیا، صدق اور سچائی اختیار کروں گا۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا اجلس مکانک، اپنی جگہ بیٹھ جاؤ۔ پھر عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے ان سے بھی یہی سوال کیا گیا۔ انہوں نے جواب دیا۔ عدل و انصاف اختیار کروں گا۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا اپنی جگہ پر بیٹھ جاؤ پھر عثمان رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے رسول اللہ صلعم نے وہی سوال ان سے بھی کیا۔ انہوں نے جواب دیا عبادت، حیا اور شرم قبول کروں گا۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا تم بھی اپنی جگہ پر بیٹھ جاؤ۔ پھر علی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے۔ رسول اللہ صلعم نے ان سے بھی وہی سوال کیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں بندگانِ خدا کے عیوب کی پردہ پوشی کروں گا۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا انت لہٗ وھولک۔ یہ تمہارے لیے ہے اور تم اس کے لیے تم اس کو پہنو۔ یہی خرقہ مشائخ پیغمبر صلعم سے علی رضی اللہ عنہ کو اور ان سے ان کے سلسلے کے مشائخ کو پہنچا اسی لیے اولیا کے سردار علی کرم اللہ وجہہ ہیں۔ لیکن میں نے اس واقعہ کو کسی حدیث صحیحہ میں نہیں دیکھا ہے۔ پھر حضرت مخدوم نے فرمایا کہ خلافت دو قسم کی ہے۔ خلافت کبریٰ اور خلافت صغریٰ۔ خلافت کبریٰ خلافت باطنی ہے۔ اور خلافت صغریٰ ظاہری خلافت ہے۔ خلافت کبریٰ با اجماع امت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کے لیے مخصوص تھا۔ اور خلافت صغریٰ امت کے درمیان مختلف فیہ ہے۔ سنیوں کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ خلافت ابوبکرؓ کو ہے۔ شیعہ اور رافضی جماعت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

شیخ محی الدین ابن عربی کی تصانیف پر رائے

اس کے بعد محی الدین ابن عربیؒ کے کلام کے بارے میں ذکر چھڑ گیا حضرت مخدوم نے فرمایا جب سے میں خطیرہ شیر خاں سے اندرون دہلی آیا ہوں آخر رات میں گھر سے جامع مسجد چلا جاتا تھا اور ۱۲ بجے دن میں لوٹتا تھا تاکہ اول وقت کے آنے والوں سے نجات ملے۔ رمضان کا مہینہ تھا قاضی آدم، مولانا نصیر الدین تھانیسری اور خواجہ احمد خادم رمضان کے آخر عشرہ میں معتکف تھے۔ اتفاق سے میرا گزر اس طرف ہوا۔ ملاقات ہوئی۔ تھوڑی دیر ایک جا بیٹھ کر باتیں ہونے لگیں۔ قاضی آدم نے کہا کہ محی الدین ابن عربی کا رسالہ فتوحات مکی میرے پاس ہے۔ تم دیکھو گے۔ میں نے کہا ضرور۔ انہوں نے میرے ہاتھ میں دے دیا۔ میں نے اسے کھول کر دیکھا اور فوراً انہیں واپس کر دیا۔ خواجہ احمد خادم نے پوچھا کہ شیخ محی الدین ابن عربی کی کتابوں کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے دو تین بار ان کے پوچھنے پر بھی میں نے جواب دینے سے پرہیز کیا لیکن جب ان کا اصرار بہت زیادہ ہوا تو میں نے کہا کہ جب آپ ان کے بارے میں میرا عقیدہ پوچھتے ہیں تو سنیے میرے نزدیک وہ، ان کا کلام اور تصانیف سب ہی کج اور منحرف ہیں۔ ان سے کوئی خوش نہ تھا۔ مولانا عمر نے پوچھا کہ فتوحات مکی میں لکھا ہے۔ من توکل فقد اثبت الوهيت الاسباب (یعنی جس نے توکل کیا اس نے اسباب خدا کو مانا) اس کے کیا معنی ہوئے حضرت مخدوم نے فرمایا کہ توکل کے معنی اسباب سے قطع تعلق کر کے خدا پر بھروسا کرنا ہے اور جس چیز سے قطع تعلق کریں اس کو خیال میں رکھیں اور موجود جانیں یا معدوم سے پرہیز کریں یہ تو عجیب بات ہوئی۔ وہ باتیں تو بہت درویشانہ، صوفیانہ اور عارفانہ کہتے ہیں لیکن حقیقت کچھ اور ہے پھر اپنے یہ چند اشعار پڑھے : ؎

آنجا کہ منم نہ لاست نے جائے نعم	زیرا چہ ہمہ یکست نہ افزون است نہ کم
بیزارم از وصال واز ہجران ہم	بیکارم از وجود چہ لذات وچہ الم
نے وقت ماند و ذوق نے حال نے مقام	نے ماندہ من و نہ او ہمہ گشت عدم

صوفیوں کے لیے زیادہ بات کرنا مناسب نہیں ہے

عشاء کی نماز کے بعد صوفیوں کی سخن گوئی کی برائی پر بات نکل آئی۔ حضرت مخدومؒ نے فرمایا صوفیوں کو زیادہ بات کرنے سے کیا کام

ان کے لیے مشاہدہ محبوب میں ڈوبے رہنا اور مستغرق رہنا موزوں ہے اور ہر چیز سے ان کو پرہیز کرنا چاہیے پھر یہ دو شعر پڑھے :ـ

آں بہ کہ نظر باشد و گفتار نہ باشد ؎ تا مدعی اندر پس دلوار نہ باشد

می خواہم معشوق زمینی و زمانے ؎ من باشم و او باشد و اغیار نہ باشد

ایک درویش کا قصہ

حضرت مخدوم نے اسی سلسلے میں ایک قصہ بیان فرمایا کہ ایک درویش تھا جو بات نہیں کرتا تھا۔ لوگوں نے اس سے سبب پوچھا تو اس نے کہا میں بات کس سے کروں خالق سے یا مخلوق سے۔ خالق سے بات کرنے کا میرا منہ نہیں اور مخلوق میری بات کو سمجھنے کے لائق نہیں۔ اس لیے خاموش رہتا ہوں اور وہ مدت العمر خاموش رہا۔

روز پنجشنبہ ۱۹ر شعبان ۸۰۲ھ

جرجیس پیغمبر علیہ السلام کا قتل

عشا کی نماز کے بعد حضرت مخدوم نے فرمایا کہ میں نے بہت تجسس اور تحقیقات کی کہ کسی پیغمبر کو آگ میں جلا کر مارا گیا ہے یا نہیں۔ صرف ایک جگہ میں نے لکھا دیکھا کہ جرجیس پیغمبر علیہ السلام کو کئی بار مارا گیا اور وہ پھر زندہ ہو گئے یہاں تک کہ ان کے دشمنوں نے تانبہ کی ایک گائے بنائی اور ان کو اس کے پیٹ میں رکھ کر آگ میں ڈال دیا تب وہ مر گئے اور پھر زندہ نہ ہوئے۔ سبحان اللہ ان کے دشمنوں کے دل میں کس نے یہ بات ڈالی کہ اس طرح کیا جائے۔ اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اس کی مشیت میں کسی کو دم مارنے کی اجازت نہیں۔

روز جمعہ ۲۰ر شعبان ۸۰۲ھ

دوسری نماز کے بعد ایک شخص انگوٹھی لایا اور حضرت مخدوم سے اس کو پہننے کی التجا کی انہوں نے منظور کر لیا۔ اور دوسری انگوٹھی جو ان کے ہاتھ میں تھی اس کے بارے میں

فرمایا کہ یہ انگوٹھی ملک ابراہیم اسحاق ایک مقصد کے تحت لایا تھا جس کو میں نے پہن لیا۔ اس کے بعد دوسری انگوٹھی مقرب خاں لایا اور پہننے کی التجا کی۔ قطب خاں نے کہا کہ ازراہ مہربانی جو انگوٹھی کہ آپ کے ہاتھ میں ہے اس کو اتار دیں اور اس کو پہن لیں۔ میں نے کہا وہ غریب کسی مقصد اور مراد کے تحت اسکو لایا تھا اور میں نے اسی مقصد کے تحت اس کو پہن لیا ہے ہرگز نہیں اتاروں گا البتہ دوسرے ہاتھ میں تمہارے مقصد کے لیے پہن لیتا ہوں اور میں نے اس کو انگلی میں ڈال لی۔ لیکن وہ اُنگلی میں ٹھیک نہیں آئی۔ میں نے اسے نکال کر رکھ دیا۔ اور اس سے کہا کہ میری انگلی میں نہیں آتی ہے۔ میں کیا کروں۔ وہ بہت غمگین ہوا اور منت وسماجت کرنے لگا میں نے اس کی خاطر سے اس وقت پہن لیا۔ اور چونکہ وہ میری اُنگلی میں ٹھیک نہیں آتی تھی اس لیے بعد میں نکال کر کسی کے حوالہ کر دیا۔

صوفیا کو اپنی یاد دلانے کی ترکیب

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ لوگ صوفیا سے کہتے ہیں کہ اپنے مخصوص وقت میں مجھے بھی یاد رکھیں یہ عجیب سی درخواست لوگوں کی ہے۔ تم کون ہوتے ہو؟ جو وقت خاص میں یاد آؤ گے اور کس طرح یاد آؤ گے؟ ہاں اگر اس کی بہت تمنا ہے تو دو کام میں سے ایک کام کرو۔ ایک تو یہ کہ شب و روز ان کو یاد کرتے رہو۔ تمہارا ان کو یاد کرنا وہی اثر کرے گا جو ان کا تم کو یاد کرنا۔ یا دوسری صورت یہ ہے کہ ان کے لیے کوئی ایسا تحفہ لاؤ جو ہر وقت ان کے سامنے رہے اور اس کی وجہ سے وقتاً فوقتاً تمہاری یاد آتی رہے۔ اور تمہارا مقصد حاصل ہو۔ اس کے لیے ہاتھ میں انگوٹھی بہت مناسب رہے گی وہ لانے والے کی یاد دلاتی رہے گی۔

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ میرے پاس ایک انگوٹھی آباؤ اجداد سے وراثت میں چلی آرہی ہے۔ اکیسویں پشت میں میرا نسب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملتا ہے۔ ہمارے آباؤ اجداد اس کو تبرکاً پہنتے آرہے ہیں۔ ایک روایت کے مطابق اس کا نگینہ بھی اسی وقت سے چاندی کا تھا اور دوسری روایت کے مطابق عقیق کا تھا جو اَب نہیں ہے۔ اس انگوٹھی کو میں دائیں ہاتھ میں نہیں پہنتا ہوں اس لیے کہ اس سے رافضیوں کا تشبہ ہوتا ہے۔ مگر کسی مراد کے تحت مخصوص حالات میں پہنا جاتا ہے۔ پھر اس انگوٹھی لانے والے کی طرف مخاطب ہو کر حضرت مخدوم نے فرمایا کہ صبح کو آؤ تم کو پیرہن دوں گا۔ یہ کمترین اس آدمی کی خوش بختی پر متعجب ہوا۔ وہ انگوٹھی بنانے والا اور مروارید بیچنے والا تھا اور اس انگوٹھی کو خود بنا کر لایا تھا۔ میں نے یہ شعر پڑھا: ؎

انجیر فروش را چہ بہتر کانجیر فروشد اے برادر

قصہ ایک بڑھئی کا

حضرت مخدوم نے میری طرف دیکھ کر فرمایا کہ تم نے صحیح کہا اور پھر یہ قصہ کہا کہ ایک بڑھئی ایک روز بادشاہ کے محل کی طرف سے گزر رہا تھا۔ یکایک اس کی نظر بادشاہ کی لڑکی پر پڑ گئی۔ وہ بڑھئی اس کے عشق میں مبتلا ہوگیا۔ لیکن وہ بادشاہ زادی اور یہ ایک معمولی بڑھئی دونوں میں کوئی نسبت ہی نہ تھی اور اس لیے کامیابی کی بھی کوئی توقع نہ تھی۔ اس سوچ میں وہ بہت حیران و پریشان تھا۔ اسی درمیان میں ایک آدمی اس کے نزدیک سے یہی شعر پڑھتا ہوا گزرا۔ بڑھئی نے اپنے دل میں سوچا کہ یہ تو ٹھیک کہتا ہے۔ وہ گیا اور محل کے دروازہ کے سامنے بیٹھ کر لکڑی کی مورتیاں بنانے لگا۔ گھوڑا، ہاتھی اور اس طرح کی بہت سی چیزوں کی مورتی بہت خوب صورت بنانے لگا۔ حرم کی کنیزیں اندر سے آتی جاتی رہتی تھیں اس بڑھئی کی کاریگری کی خبر اندر بھی پہنچ گئی کہ ایک بڑھئی محل کے دروازے پر بیٹھا بہت خوب صورت مورتیاں بناتا ہے۔ چنانچہ وہ کنیزیں کچھ مورتیاں خرید کرنے گئیں۔ یہاں تک کہ ملکہ نے اس کو محل کے اندر بلا بھیجا کہ یہاں بیٹھ کر مورتیاں بنائے وہ محل کے اندر نہ صرف گیا بلکہ وہاں مستقل ملازم ہوگیا اور وہیں رہنے لگا اس کی دلی آرزو دیدار جاناں کی بھی پوری ہوگئی۔

روز شنبہ ۱۲ر شعبان ۸۰۲ھ

دانشوروں کی مذہب سے بے خبری

چاشت کے وقت اس دور کے جھوٹے دانشمندوں کا ذکر نکل آیا جنہوں نے دین کو پسِ پشت ڈال دیا ہے اور جو مذہب اور مذہب والوں سے بالکل بے خبر ہیں اور جنہوں نے ظلم وستم اور مسلمانوں اور غریبوں کا حق چھیننا اپنا دین اور شعار بنا لیا ہے اور اسے بڑی ہیالاکی اور دانائی سمجھتے ہیں حضرت مخدوم نے فرمایا کہ امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مغیرہ دمشق کا گورنر تھا اس نے چار انگل کے کاغذ پر عمرؓ کو خط بھیجا کہ میں آپ کی خدمت میں ملک کی کیفیت لکھنا چاہتا ہوں لیکن کاغذ نہیں رہنے کے باعث مجبور ہوں۔ حکم دیا جائے کہ ایک سال میں ایک تختہ کاغذ یا ہرن کی آدھی کھال بیت المال سے مجھ کو مل جایا کرے۔ امیر المومنین نے جواب لکھا کہ تمہارے

لیے بیت المال میں کاغذ اور ہرن کی آدھی کھال نہیں ہے۔ بلکہ تم خود اپنے قلم کو باریک اور مضمون کو مختصر کرلو۔ مغیرہ نے آنے والے سے پوچھا کہ امیرالمومنین عمرؓ میں سیرت رسول کے خلاف کوئی تبدیلی آئی ہے یا نہیں۔ آنے والے نے جواب دیا کہ ہاں تبدیلی آئی ہے۔ انہوں نے ایک رات دو انڈا یعنی ایک انڈے کی زردی اور سفیدی دونوں ایک ساتھ کھایا ہے اور سونے کے دو بستر استعمال کیے ہیں۔ مغیرہ نے کہا استغفراللہ مجھ کو عمرؓ کی گورنری نہیں چاہیے انہوں نے اپنے شہر کے لوگوں سے کہہ دیا کہ وہ صبح کو مدینہ جارہے ہیں۔ وداع وغیرہ کہنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ صبح ہوئی انہوں نے اونٹ پر پالان رکھا اور سوار ہوکر عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عمر رضی اللہ عنہ ان کے تیور میں تبدیلی دیکھ کر حیران ہوئے۔ پوچھا مالک یا مغیرہ۔ کیا بات ہے مغیرہ تم اپنی ولایت سے بہت بدلے ہوئے آرہے ہو؟ مغیرہ نے کہا سیرت رسول اللہؐ سے آپ بدل گئے ہیں اور منحرف ہوگئے ہیں۔ عمرؓ نے جواب دیا خدا کی قسم میں ذرا نہیں بدلا ہوں۔ مغیرہ نے کہا آپ نے دو انڈے کھائے اور سونے کے لیے دو بستر استعمال کیے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے وضاحت کی کہ ایک رات مجھے نزلہ زکام ہوگیا تھا طبیب نے ایک انڈا سفیدی اور زردی سمیت کھانے کی ہدایت کی تھی۔ وہ میں نے کھایا۔ اسی رات کو مجھے بخار آگیا تھا اس لیے ایک کمبل بچھانے کے لیے اور دوسرا اوڑھنے کے لیے میں نے استعمال کیا تھا۔

اس کے بعد حضرت مخدوم نے فرمایا کہ میرے لیے اس سے بڑھ کر اور کوئی مصیبت نہیں ہے کہ دینی امور سے متعلق جو بہت ضروری ہیں اور جن کے کیے جانے کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے میں کہانی اور قصہ کے طور پر بیان کرتا ہوں۔ اور کسی کے دل میں یہ بات نہیں آتی ہے کہ اس کا جاننا ضروری ہے۔

زمین، عورت اور گھوڑے کی نحوست کے بارے میں

اس حدیث الشوم فی ثلثۃٍ فی الدار والمرأۃ والخیل (یعنی۔ نحوست اگر ہوسکتی ہے تو ان تین چیزوں میں مکان، عورت اور گھوڑا) کے بارے میں حضرت مخدوم نے فرمایا کہ علم فراست میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص مکان کی نحوست اور مبارک ہونے کے بارے میں جاننا چاہتا ہے تو وہ ایک گز زمین صحن کی کھودے اور اس کو پھول سے بھر دیں اگر وہ گڑھا ان پھولوں سے بھر جاتا ہے تو نہ وہ زمین نحس ہے نہ مبارک۔

اور اگر نہیں بھرا تو نحس ہے۔ اور اگر بھر جانے کے بعد کچھ پھول بچ گیا تو وہ زمین مبارک ہے واللہ اعلم۔

شیخ محی الدینؒ ابن عربیؒ کے ایک قول کے خلاف دلائل

دوسری نماز کے وقت حضرت مخدوم نے فرمایا کہ شیخ محی الدین ابن عربی نے ایک جگہ لکھا ہے کہ ولی اللہ کو بعض وہ علم ہوتا ہے جو نبی کو نہیں ہوتا۔ اور اس پر استدلال اس واقعہ سے دیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مادہ خرما کے درخت کو نر خرما کے درخت کے ساتھ ملا کر کاشت کرنے کو ایک مرتبہ منع کیا تھا اس سال پھل بہت کم آیا۔ صحابہ نے یہ بات جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتائی تو رسول اللہ صلعم نے فرمایا انتم اعلم باموردنیاکم۔ یعنی تم لوگ دنیا کے معاملات کو مجھ سے زیادہ جانتے ہو جیسے پہلے کرتے تھے کرو۔ ہر شخص اس کے بارے میں کچھ نہ کچھ کہتا تھا لیکن میں نے اس کی تردید ایک دوسری دلیل سے کی ہے۔ وہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مامن نبی الا ولہ نظیرٌ فی امتی۔ (یعنی کوئی نبی ایسا نہیں ہے جس کی نظیر میری امت میں موجود نہ ہو) اور یہ حقیقت ہے کہ ہر نبی کو اللہ نے ایک نہ ایک مخصوص علم سے نوازا تھا جو دوسرے نبی میں نہ تھا۔ مثال کے لیے ابراہیم علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام وغیرہ کو پیش کیا جا سکتا ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں ہر ایک نبی کی نظیر موجود تھی۔

فضائل اہل بیت رسول اللہ صلعم

عشاء کی نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کے فضائل کا ذکر نکل آیا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا رسول اللہ کے اہل بیت میں سے کوئی بھی سیرت رسول سے روگرداں نہ ہوا۔ اور جب تک وہ رہے رسول اللہ صلعم کی سیرت کو پکڑے رہے۔ اور ہمیشہ اس راستہ پر گامزن رہے جس میں سیرت رسول سے ذرا بھی تبدیلی اور روگردانی کا شائبہ نہ تھا۔ اور ان کے دشمن ہمیشہ اسی وجہ سے ان سے خائف رہے کہ انہوں نے بُرے سے بُرے وقت میں بھی شریعت کی پابندی اور رسول اللہ کی سیرت کو نظر انداز نہیں کیا۔ اور ان کے دشمنوں نے اس کے برخلاف دین و مذہب سے ہٹ کر اور شرع کی پابندیوں سے قطع تعلق کر کے ہر طرح کے مکر و فریب سے کام لے کر ان کو زیر اور مغلوب کیا۔ اہل بیت دشمنوں

کی اذیت سہتے رہے، جان دیتے رہے لیکن شریعت الٰہی اور سیرت رسول سے وہ بال برابر منحرف نہ ہوئے انہوں نے شریعت اور سیرت پر قائم رہنے کے لیے اپنی جانیں قربان کر دیں۔ سب کو معلوم ہے ان پر کیا گزری لیکن بچے سے لے کر جوان اور بوڑھے تک کسی کا بھی جنگ و دشمنی کے وقت قدم نہ ڈگمگایا۔ پھر ان لوگوں کا کیا پوچھنا ہے جو جگر گوشگاں اور فرزندان رسول تھے ان سے کوئی کام شریعت اور سیرت رسول کے خلاف ہونے کا کیا امکان تھا۔ سید الشہداء کا قافلہ کوفہ کی طرف بڑھ رہا ہے۔ راستہ میں حُر جو امام حسین علیہ السلام کو مغلوب کرنے کے لیے متعین کیے گئے تھے ملتے ہیں اور امام حسین کے قدموں پر سر رکھ دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ گرچہ مجھے آپ سے لڑنے کے لیے یزید نے متعین کیا تھا لیکن اب میں آپ کا غلام ہوں اور ہم اور میرے دو ہزار سوار آپ کے قدموں پر جان نثار کرنے کو تیار ہیں۔ چنانچہ دو ہزار سوار حُر کے اور چار سو جانباز امام حسین علیہ السلام کے سبھوں نے ایک جگہ خیمہ لگایا۔ زہیر قیس نے جو حسین علیہ السلام کے ساتھ تھے کہا کہ دشمن جو جمع ہو رہے ہیں ہم لوگ انہیں ختم کر کے ہتھیار اور گھوڑوں پر قبضہ کر لیں اس سے ہم لوگ مضبوط ہو جائیں گے۔ امام حسین علیہ السلام نے کہا میرے نانا جان نے ایسا حکم نہیں دیا ہے کہ کسی مسلمان پر اس وقت تک حملہ کیا جائے۔ جب تک وہ حملہ آور نہ ہو۔ اور نہ میرے والد ماجد ہی نے کبھی ایسا کیا ہے۔ اس لیے ہم کبھی ایسا نہ کریں گے۔ زہیر قیس نے کہا اے امام حسین علیہ السلام یہ لوگ اسی طرح ہر روز جمع ہوتے رہیں گے یہاں تک کہ چند روز میں ان کی اتنی بڑی تعداد ہو جائے گی کہ ہم لوگوں کے لیے ان سے مقابلہ کرنا ناممکن ہو جائے گا۔ امام حسین علیہ السلام نے فرمایا رضینا بقضاء اللہ اللہ کی مشیت پر ہم راضی ہیں۔ لیکن ہم سے ایسا کبھی نہ ہوگا۔ یہاں تک کہ جنگ کی گھڑی آگئی اور اس وقت یزید کی فوج بے پایاں اور بہت زیادہ ہوگئی سارے لوگ اس کی فوج میں شامل ہوتے گئے اور ادھر امام حسین علیہ السلام کے ساتھیوں کی جماعت ایک ایک کر کے کم ہوتی گئی یہاں تک کہ صرف ستر نفوس رہ گئے۔ اس میں اٹھارہ افراد خاندان تھے۔ اور ان لوگوں نے بھی جنگ میں پہل نہ کی۔ جب امام حسین علیہ السلام میدان جنگ میں آئے تو یہ لوگ بھی میدان میں اترے۔ یہ اوصاف اور اخلاق تھے حضرت علی رضؓ اور امام حسن علیہ السلام کے بارھوں امام بھی اسی طرح کی سیرت اور اخلاق سے آراستہ تھے۔ نبی کا نور ان میں پیوست تھا ان لوگوں کا باطن اسی نور نبی سے منور تھا۔ سبحان اللہ امام زین العابدین علیہ السلام کسبے

سردار تھے۔ وہ ہر طرح کے اوصاف و محامد سے مزین تھے۔ اور سب سے بڑھ کر وہ فرزند حسین بن علی رضی اللہ عنہم تھے امام جعفر صادق کے کیا کہنے وہ ایک عظیم انسان تھے اسرار الٰہی اور معانی قرآن کو انہوں نے کتنے عمدہ انداز سے پیش کیا ہے۔ ان کا سینہ علم کا سمندر تھا۔ وہ بجا طور پر علوم و معارف میں امیر المومنین علی رضؓ کے مشابہ اور ثانی تھے۔ ان لوگوں میں ایسی سروری تھی جس کے بیان سے زبان قاصر ہے۔ ان کے فرزندوں میں جو ان کی صفات اور سیرت سے متصف نہیں وہ حسینی، علوی اور فاطمی کہلانے کا مستحق نہیں۔ قوت القلوب میں لکھا ہے کہ اخی رسول اللہ بین اصحابہ بین کل شکلٍ ومثلٍ فاخی بین ابی بکرٍ وعمر واخی بین عثمان و عبد الرحمٰن بن عوف واخی بینہٗ وبین علی۔ یعنی رسول اللہ صلعم نے اپنے صحابہ کے درمیان ہر ایک کو شکل اور سیرت میں مماثلت کی بنا پر ایک دوسرے کا بھائی بنا دیا تھا ابوبکرؓ کو عمرؓ کا، عثمانؓ کو عبد الرحمٰن بن عوفؓ کا بھائی بنا دیا تھا۔ اور علی رضی اللہ عنہ کو خود اپنی برادری کے لیے منتخب کیا تھا اس لیے کہ وہ آنحضرت صلعم سے بہت مماثلت رکھتے تھے اور ظاہر ہے یہ علی رضی اللہ عنہ کے فضائل میں بہت بڑی فضیلت ہے۔

روز یکشنبہ ۲۲ رشعبان سنہ ۸۰۲ھ

ارواح میں سونگھنے کا احساس باقی رہتا ہے

چاشت کے وقت ارواح کی خوشی و خرمی کا ذکر نکل گیا

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ارواح میں سونگھنے کا احساس باقی رہتا ہے۔ قبر پہ پھول رکھنے اور لوبان و عود جلانے سے ارواح کو خوشی ہوتی ہے۔ اور اس خوشبو سے وہ بہرہ مند ہوتی ہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔ تتنشام الارواح کما یتنشام الخیل۔ روحیں خوشبو سے اسی طرح بہرہ مند ہوتی ہیں جس طرح گھوڑی سونگھ کر اپنے بچھڑے کو پہچان لیتی ہے اور خوش ہوتی ہے۔ اسی طرح روحیں اپنے امثال اور اشکال کا بھی بو سے پتا چلا لیتی ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ روحیں کھاتی بھی ہیں اور بعض دوسری حدیثوں میں بھی اس کی طرف اشارہ ملتا ہے۔

دوسری نماز کے بعد حضرت مخدوم نے ایک قصہ بیان کیا کہ خواجہ جہاں اور سلطان

فیروز کے درمیان مخالفت واقع ہوگئی تھی - اس وقت چھ چیتل (پیسہ) میں ایک سیر غلہ ملتا تھا - ایک رات میرے لیے لوگوں نے بھات (خشکہ) گھی اور شکر لایا - اتفاق سے اسی وقت شیخ محی الدین ابن عربی میرے پاس آئے - معلوم نہیں کیا بات تھی کہ خلاف عادت میں نے اس وقت ان سے ملنے سے معذرت چاہی - وہ چلے گئے - اس کے بعد جب لوگوں نے کھانا پیش کیا تو مجھے اس میں ذرا مزا نہ ملا - ویسا بدمزہ کھانا اس کے بعد سے آج تک میں نے نہیں چکھا مجھے خیال آیا شاید مولانا محی الدین ابن عربی بھوکے ہوں وہ آئے تھے تو کھانا کھا کر خود سے جاتے - مولانا محی الدین ابن عربی سے معذرت مانگنے کی وہ پشیمانی اور شرمندگی اور کھانے کی بے مزگی آج تک میں نہیں بھولا ہوں اور نہ وہ میرے دل سے نکلتی ہے اور جب وہ یاد آتی ہے تو دل بے قرار ہو جاتا ہے -

روز دوشنبہ ۲۳ شعبان ۸۰۲ھ

طے کرنے یعنی فاقہ رہنے کا طریقہ

ظہر کی نماز کے وقت ایک صوفی نے پوچھا کہ اگر کوئی شخص "طے" کرنا یعنی فاقہ رہنا چاہے تو اسے کیا کرنا چاہیے حضرت مخدوم نے فرمایا کہ صوم دوام کی مداومت کرے - اس کے بعد مغرب کی نماز کے بعد افطار میں کچھ تاخیر کرے - مثلاً نماز اوابین کے بعد افطار کرے تھوڑی تھوڑی تاخیر کرتے ہوئے سحر اور پھر صبح تک اس تاخیر میں اضافہ کرے - پھر اس کی عادت کرلے اور ایک روز صبح سے پہلے کچھ نہ کھائے - پھر دور وزا اور ایک رات گزرنے پر کھائے یہ ایک "طے" ہوا - اسی طرح اپنی صلاحیت کے مطابق اپنے کو عادی بنائے - اور اگر کوئی توانا اور قوی آدمی ہے تو وہ ایک مرتبہ بھی کافی وقفہ دے سکتا ہے - یہ اس کی طبیعت پر منحصر ہے - پھر حضرت مخدوم نے فرمایا کہ میں زیادہ تر گرمی میں طے کرتا تھا - اس لیے کہ جاڑے کے زمانے میں دل میں خود ہی حرارت اور خشکی پیدا ہو جاتی ہے اور اس سے مقصد حاصل ہو ہی جاتا ہے - کبھی کبھی میں نے سات اور آٹھ روز کا بھی "طے" کیا ہے - اس دوران میں حضرت شیخ قطب الدین بختیار اوشیؒ اور حضرت شیخ نظام الدینؒ اولیا کی زیارت کے لیے میں چلا جاتا تھا - کبھی اپنے خواجہ کے حکم کے مطابق اپنے استاد کے گھر پڑھنے کے لیے چلا

جاتا تھا اور اپنے خواجہ کی خدمت میں تو ہر روز ہی حاضر ہوتا تھا۔ اور کبھی کسی کو یہ پتا نہیں چلتا تھا کہ میں بھوکا ہوں اور میں نے کئی روز سے کچھ نہیں کھایا ہے۔ اور جب میں "طے" کرتا تھا تو قوالوں کو بلا لیتا تھا اور سماع سنتا تھا۔ "طے" کرنے کے بعد کئی روز تک کھانا پینا تھا۔ اتنا کہنے کے بعد حضرت مخدوم نے فرمایا کہ مولانا سنو! ان باتوں کا اصل مقصد کیا ہے، کھانے پینے اور گفتگو میں کمی۔ اپنے مقصد کو حاصل کر لینے سے پہلے ہمت نہ ہارنا اعلیٰ ہمتی ہے۔ اور جس میں علو ہمتی نہیں ہے وہ طالب نہیں ہے۔

عشق الٰہی کے لیے عاشقان الٰہی کی صحبت ضروری ہے

حاضرین میں سے ایک دوسرے نے پوچھا کہ محبت الٰہی میں بندہ کی طرف سے کوشش کارآمد ہوتی ہے یا نہیں۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ بندہ کی طرف سے کوشش یہ ہے کہ وہ اللہ کے دوستوں اور عاشقوں کی صحبت اختیار کرے۔

ع "با عاشقاں نشیں وہمیں عاشقی گزیں۔" صحبت کا بڑا اثر ہوتا ہے۔ وہ ان لوگوں کی محبت کی باتیں سنے گا کیا عجب کہ اس کے دل میں محبت الٰہی کی رگ پھڑک اُٹھے۔ اور بہ تدریج وہ عاشقانِ سوختہ میں سے ہو جائے والاذن تعشق قبل العین۔ یعنی آنکھ سے پہلے کان کے ذریعہ عشق پیدا ہوتا ہے کسی خوبرو کے حسن کی تعریف سُن کر بغیر دیکھے بھی آدمی عاشق ہو جاتا۔ اس لیے جب وہ اللہ کے دوستوں اور عاشقوں کی صحبت میں بیٹھے گا اور ان کے شوق اور عشق کی بات سنے گا تو پھر اس کے دل میں بھی محبت پیدا ہو گی اور وہ اپنے کو طالبان صادق میں شامل کرلے گا۔ اور دن رات اس کی یہ کوشش ہو گی کہ محبوب کے جمال تک اس کی رسائی ہو۔ اور وہ اس کی طرف متوجہ ہو: ؎

اے دل نہ کند اگر قبولت خود را نہ بہ ستم بہ زلف او بند

جب وہ اس کے لیے جدوجہد کرے گا تو تعجب نہیں کہ اس کے دل میں غیب کا دروازہ کھل جائے اور جو کچھ دیکھنے کی ہے آنکھوں سے دیکھ لے اور سننے کی ہے سُن لے۔ اور پھر وہ عاشقان صادق اور کامل میں سے اللہ کے ہو جائے گا۔

ابو طالبؓ پر صحبت رسولؐ کا بہت اثر ہوا

اسی سائل نے پھر پوچھا کہ اگر صحبت میں اثر ہوتا تو پھر

ابو جہل کو بھی اثر ہونا چاہیے تھا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا ابو جہل پیغمبر علیہ السلام سے صحبت کب رکھتا تھا۔ پھر اس نے پوچھا کہ کیا ابو طالب کو صحبت سے اثر ہوا؟ حضرت مخدوم نے فرمایا۔ حضرت ابو طالب کو تو اتنا اثر ہوا کہ اس کی حد و حساب نہیں۔ انہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے دین کی حقیقت اور سچائی کا اقرار کیا۔ اور اس موضوع پر اشعار لکھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان کی دعوت اسلام میں مدد کی۔ رسول اللہ صلعم نے ان ہی کی قوت اور پشت پناہی سے تیرہ سال تک مکہ میں دعوت اسلام دی جب تک حضرت ابو طالب زندہ رہے کفار قریش میں سے کسی کی ہمت رسول اللہ کو ایذا رسانی کی نہ ہو سکی۔

تفسیر ام المعانی میں ایک عجیب بات لکھی ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی رضی اللہ عنہ کو کسی کام سے بھیج دیا تھا۔ جب علی کرم اللہ وجہہ اس کام سے فارغ ہو کر واپس آئے رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ اے علی! تم نے کچھ سُنا۔ اللہ تعالی نے کل رات میرے ساتھ کیا کرامت کی۔ علی رضؓ نے فرمایا میں نے کچھ نہیں سُنا یا رسول اللہ! رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ کل میں نے "حلقہ" کیا تھا اور اللہ سے اپنے ماں باپ اور ابو طالب کی مغفرت چاہی تھی۔ حکم باری ہوا کہ میرا یہ اٹل فیصلہ ہے کہ جو شخص میری وحدانیت اور آپ کی نبوت پر ایمان نہیں لاتا اور بتوں کو باطل نہیں کہتا اس کو بہشت میں جانے کی اجازت نہیں ہوگی۔ اور نہ اسے دوزخ سے رہائی ملے گی۔ آپ جائیں اور زمین کی فلاں بلندی پر کھڑے ہو کر ماں باپ اور ابو طالب کو پکاریں وہ سب زندہ ہو کر آپ کے سامنے آئیں گے آپ ان کو دعوت اسلام دیں وہ آپ پر ایمان لائیں گے پھر میں ان لوگوں کو عذاب سے بری کر دوں گا۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا اس بلندی پر جا کر یا اُمّاہ و یا ابّاہ، و یا عماہ کہہ کر پکارا۔ وہ تینوں سر سے گرد جھاڑتے پہنچے۔ میں نے ان سے کہا اب تو آپ لوگوں کو حقیقت معلوم ہو گئی ہو گی کہ میں اللہ کا فرستادہ نبی ہوں، اللہ ایک ہے اور بت باطل ہیں ان لوگوں نے کہا ہاں ہم لوگوں کو سب کچھ معلوم ہو گیا اور حقیقت ظاہر ہو گئی ہے کہ اللہ ایک ہے۔ بت باطل ہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مغفرت کر دی وہ سب خوش خوش اپنی قبر میں چلے گئے۔ صرف ام المعانی ہی میں یہ عجیب بات میں نے دیکھی لیکن اور کسی کتاب میں نہیں دیکھا۔ اس طرح کی مغفرت صرف ان لوگوں کے لیے مخصوص تھی اور کسی پر اس کا قیاس نہیں کرنا چاہیے۔ اس سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بلند مرتبہ کا اندازہ ہوتا ہے۔

ابولہب کے بارے میں عباسؓ کا خواب

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ قوت القلوب میں لکھا ہے کہ حضرت عباس اور ابولہب دونوں ایک ہی ماں کے بطن سے تھے۔ عباس برابر دل میں خیال کیا کرتے تھے کہ ابولہب نے رسول اللہ صلعم کو بہت تکلیف پہنچائی ہے اور اسی دشمنی کی حالت میں وہ مرا ہے معلوم نہیں اس پر کتنا عذاب ہو رہا ہوگا۔ دوشنبہ کی رات تھی خواب دیکھا کہ ابولہب سفید کپڑا پہنے بہت خوش کھڑا ہے۔ عباسؓ نے پوچھا کہ تم تو رسول اللہ صلعم پر زندگی بھر ظلم و ستم کرتے رہے ہو اور اسی دشمنی کی حالت میں مرے بھی ہو تم کو یہ خوشی کیسے میسر ہوئی۔ ابولہب نے کہا کہ اے عباس! پورا ہفتہ اللہ کی طرف سے جو عذاب اور سزا مجھ کو ہوتی ہے اس کو بیان نہیں کیا جا سکتا لیکن دوشنبہ کی رات اور دوشنبہ کے دن مجھ کو عذاب سے رہائی مل جاتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ دوشنبہ کی رات کو رسول اللہ صلعم کی ولادت ہوئی اور دوشنبہ کے دن کو میری کنیز ثویبہ کی پیدائش ہوئی تھی رسول اللہ صلعم کی پیدائش پر ثویبہ کو دودھ پلانے کے لیے لے گئے اس نے دودھ پلانے کے بعد میرے پاس آکر خوش خبری دی کہ تمہارے بھائی کے گھر لڑکا تولد ہوا ہے۔ میں بہت خوش ہوا اور خوشی میں اس کو آزاد کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے بس میری اسی خوشی کو قبول کر لیا اور ہر شب دوشنبہ اور روز دوشنبہ کو مجھے عذاب سے رہائی مل جاتی ہے اور میں خوش رہتا ہوں۔

کچھ موذی جانوروں کے بارے میں

تھوڑی دیر کے لیے گفتگو حیوانات، پرندے اور حشرات الارض کے بارے میں ہونے لگی۔

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ اس آیت بلدۃ طیبۃ ورب غفور کی تفسیر اس طرح بیان کی گئی ہے کہ بیت المقدس کی سرزمین کو طیبہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہاں مکھی، مچھر، کھٹمل اور چیچڑی وغیرہ بالکل نہیں ہوتی۔ پھر حضرت مخدوم نے فرمایا کہ اس کی بعض وادیوں میں ایک قسم کا سانپ ہوتا ہے اس کو سل کہتے ہیں۔ اس کی آنکھ میں ایسا زہر اللہ نے دیا ہے کہ جس جگہ یہ رہتا ہے وہاں نہ کوئی زندہ رہتا ہے اور نہ سبزہ اُگ سکتا ہے اس کے آس پاس کوئی جاندار نہیں ہوتا۔ اسی طرح وادی نمل میں بھی کہا جاتا ہے کہ اس کے اردگرد کوئی جاندار نہیں پایا جاتا۔ کتاب تعریف الحیوانات میں لکھا ہے کہ بادیہ نمل میں ایک چیونٹی ہے جو بکری کے برابر ہوتی ہے۔ جب تک میں نے اسے نہیں دیکھا تھا مجھے یقین نہیں آتا تھا۔

خلیفہ مامون الرشید کے سامنے سینگوں والی ایک چیونٹی کو لوگوں نے پیش کیا اس کو وزن کیا گیا تو ایک سو کئی درم ہوا۔

کھانا کھانے کے بعد بڑے بھتیجے سید احمد جن کے سپرد فاتحہ رسانی کا کام تھا حسب عادت فاتحہ کی تیاری کرنے لگے۔ ان کی عادت یہ ہے کہ قاب اور نمک دان کو اپنے ہاتھ میں لے لیتے ہیں اور اگر کوئی دوسرا آدمی موجود ہے تو قاب اس کو دے دیتے ہیں اور نمک دان اپنے ہاتھ میں لے لیتے ہیں سر جھکا لیتے ہیں اور منحنی انداز میں یعنی سر اور کمر کو ذرا سا خم کر کے ادب سے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ دائیں پیر کے انگوٹھے کو بائیں پیر کے انگوٹھے پر رکھ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ کی نعمتوں کے شکر میں فاتحہ کرتے ہیں۔ پھر کہتے ہیں حاجت مندوں کی نبست سے دوبارہ پڑھتے ہیں اور اس کے بعد حضرت مخدوم اگر کسی کی روح پر فاتحہ بھیجنا چاہتے ہیں تو فرماتے ہیں فلاں کی روح پر ایک مرتبہ اور فاتحہ پڑھو پھر بندگی خواجہ پر ختم کرتے ہیں۔ اس کے بعد ہاتھ سے چہرہ جھکانے کا اشارہ کرتے ہیں۔ خدام سر جھکا کر اُلٹے پاؤں واپس جاتے ہیں۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ہمارے خواجہ کے سامنے یہی طریقہ تھا۔ لیکن ہمارے خواجہ کے خواجہ شکر اللہ بھی کہتے تھے اور اس کے بعد نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے لیے فاتحہ پڑھتے تھے۔ اس کمترین نے عرض کیا کہ حضرت مخدومؒ نے کیوں ترک کیا۔ جواب دیا کہ سلطان محمد تغلق سے رنجش اور ملال کے نتیجہ میں اسّی تنکہ روزانہ مقرر ہوا۔ اس کے بعد شکر اللہ ملتوی کر دیا گیا۔ اور اس میں سے ایک چیتل بھی شیخ کی کندوری میں نہیں خرچ کیا جاتا۔ مولانا برہان الدین فاتحہ میں بڑے اہتمام سے کام لیتے۔ ہمارے خواجہ کے وقت سے اب تک وہی سلسلہ چل رہا ہے۔

حکما کو کسی پر اعتقاد کم ہوتا ہے

کچھ دیر گفتگو حکیموں کے بارے میں نکل آئی۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ حکما کو کسی پر اعتقاد بہت کم ہوتا ہے۔ ایک روز مولانا جمال الدینؒ یعنی اس کمترین کے پرنانا فرماتے تھے کہ تمہارے پیر کے پاس میں گیا تھا۔ انہوں نے مجھ کو دیکھتے ہی ملک الاطبا کہہ کر پکارا۔ میں کبیدہ خاطر اور منغض ہوا اور چاہتا تھا کہ کچھ جواب دوں لیکن پھر دل میں سوچا کہ میں تو واقعی طبیب ہوں یہ شخص اگر تعظیم کرتا ہے اور خدا کہتا ہے تو اس میں رنجیدہ ہونے کی کیا بات ہے شیخ روز بہان شیرازی صاحب طواسین، لطیفہ بیان کرتے تھے کہ ایک مرتبہ اللہ میاں نے مجھ کو پکارا کہ اے روز بہان! میں نے جواب دیا حاضر ہوا پروردگار! حاضر ہوا!

اللہ میاں نے کہا انا راضٍ منك فهل انت راضٍ منی۔ یعنی میں تو تم سے خوش ہوں تم بھی مجھ سے خوش ہو یا نہیں۔ روزبھان نے کہا لا یا رب۔ لا یا رب۔ نہیں میرے مالک نہیں۔ میں خوش نہیں ہوں۔ یہ لطیفہ وہ اکثر کہتے تھے اور خوب ہنستے تھے۔

عیسیٰ علیہ السلام اور جالینوس کا واقعہ

عیسیٰ علیہ السلام نے حکیم جالینوس کو اپنے مذہب کی دعوت دی۔ جالینوس نے پوچھا کہ اس نے کیا معجزہ لایا ہے۔ لوگوں نے جواب دیا کہ وہ مردہ پر پانی چھینٹ کر اسے زندہ کر دیتے ہیں۔ جالینوس نے پوچھا ٹھنڈا پانی چھینٹتے ہیں یا گرم۔ لوگوں نے کہا ٹھنڈا پانی۔ جالینوس نے کہا جاؤ تم لوگ اس پر ایمان لے آؤ۔ وہ بلاشبہ اللہ کا نبی ہے۔ اور خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جواب لکھا کہ "اے نبی اللہ! اور اے مکمل النفوس! آپ اللہ کی طرف سے تکمیل نفوس ناقصہ کے لیے مبعوث ہوئے ہیں۔ لیکن نفوس کامل کو آپ کی کوئی ضرورت نہیں ہے میں نفوس کاملین سے ہوں۔ مجھے آپ کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے۔"

پھر قرآن مجید کے حروف اور الفاظ کی عظمت کے بارے میں ذکر نکل آیا حضرت مخدوم نے فرمایا کہ شیخ علی کھتری پڑھنا لکھنا نہیں جانتے تھے بالکل جاہل جٹ تھے۔ ان کے سامنے لوگ فارسی، ہندی اور عربی حروف کے درمیان ایک دو آیت قرآن مجید کی بھی لکھ کر رکھ دیتے تھے وہ ان کو دیکھ کر فوراً آیات قرآنی پر انگلی رکھ دیتے تھے اور کہتے تھے یہ کلام اللہ ہے لوگوں نے ان سے پوچھا کہ شیخ! آپ حروف تو پہچانتے نہیں پھر قرآن شریف کے حروف کو کیسے سمجھ جاتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ قرآن مجید کے حروف پر زمین سے آسمان تک ایک نور چمکتا ہوا دیکھتا ہوں میں سمجھ جاتا ہوں کہ یہ آدمی کا کلام نہیں اللہ کا کلام ہے۔ اور جس حرف پر میں نور دیکھتا ہوں جان جاتا ہوں کہ یہ خدا کا کلام ہے۔

روز سہ شنبہ ۲۴ شعبان ۸۰۲ھ

جاریہ کی اولاد کے بارے میں

چاشت کے وقت تذکرہ جاریہ سے بچہ کی پیدائش پر نکل آیا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ عقل مند اور محتاط آدمی کو لونڈی سے بچہ نہیں پیدا کرنا چاہیے۔ جس عورت کا ایک گھنٹہ بھی ازار بند

بندھا نہ رہے اس کا کیا اعتبار۔ لونڈی سے جو بچہ ہوتا ہے اس میں ہزاروں شبہات ہوتے ہیں۔ امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے جو فرمایا ہے کہ علیکم بالسراری فانہ فی الولد یجتمع حمیۃ العرب ودھاء العجم۔ یعنی تم لوگ سُریہ سے اولاد پیدا کرو تاکہ تمہاری اولاد میں عرب کی حمیت اور عجم کی زیرکی اور چالاکی ایک جگہ جمع ہو جائے۔ تو ہماری ولائت میں وہ بیبیاں کہاں؟ اور اگر اس طرح کی کوئی عورت ہو تو وہ ہماری عورتوں کی سردار ہو حضرت ماریہ قبطی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سریہ تھیں۔ رسول اللہ صلعم کے زمانے میں عرب کے قبائل تاخت و تاراج کیے جاتے تھے۔ اور عرب کی لڑکیاں لونڈی بنالی جاتی تھیں اور عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں فارس اروم اور کسریٰ تاخت و تاراج کیے جاتے تھے اور ان کی لڑکیاں مال غنیمت میں آکر سریہ اور جاریہ بنتی تھیں۔ عمر خطاب اپنے زمانے اور اور اپنی ولائت کی کنیزوں کے بارے میں فرماتے ہیں۔ ہم لوگوں کی لونڈیاں جو کہ ہندوستان کے علاقہ کی ہیں بہت زیادہ خسیس اور ذلیل ہیں۔ نہ ان میں شرم ہے نہ ہمت و حمیت، اور نہ زیرکی اور دانائی ہی ہے۔ ان سے قربت حاصل کرنا عقل و ہمت کے خلاف ہے۔ لیکن اگر ضرورتاً ہو جس طرح کہ آدمی رفع حاجت کے لیے جاتا ہے تو مضائقہ نہیں۔ لیکن اس طرح کہ جاریہ کو بی بی کی حیثیت سے رکھنا اور اس سے بچہ حاصل کرنا نعوذ باللہ عقل مندوں، باہمت اور باعظمت و حشمت لوگوں کا شیوہ نہیں ہے۔ اس طرح جاریہ سے پیدا شدہ بچوں پہ بھروسا نہیں کرنا چاہیے۔ گھر بھی اس جاریہ سے نہیں سنور سکتا اور ہمیشہ آدمی مطعون خلائق رہتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے جتنی مخلوق پیدا کی ہے اس میں اچھائی اور برائی یکساں نہیں رکھی ہے۔ البتہ غالب اور اکثریت سے اندازہ لگایا جاتا ہے۔ حسینی سادات میں عرب کی حمیت اور عجم کی ذہانت اور زیرکی ایک جگہ جمع ہو گئی ہے۔ اس لیے کہ امام زین العابدین کی والدہ شہر بانو کسریٰ یزدگرد کی صاحبزادی تھیں اور یزدجرد آخری کسریٰ اور ایران کا آخری تاجدار تھا۔

کچھ زندیق کے بارے میں

تھوڑی دیر زندیق کے معنی پہ بحث چھڑ گئی۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ بعض لوگ زندیق دہریہ (بے دین) کو کہتے ہیں۔ اور بعض لوگ مشرک کو زندیق کہتے ہیں جو خدا کو نہ مانے۔ بعض لوگوں نے اس فرقہ کو مزدک سے منسوب کیا ہے جو کہ نوشیرواں عادل کے حکیموں میں سے ایک حکیم تھا۔ ایک روز اس نے نوشیرواں سے پوچھا کہ تمام دنیا سانپ کے کاٹے ہوئے لوگوں سے بھر جائے۔ ان میں

سے کسی کے پاس سانپ کی جھاڑ ہو اور کسی کے پاس نہ ہو تو آپ کیا حکم دیں گے کہ جس کے پاس سانپ کی جھاڑ ہو وہ ان لوگوں کو وہ جھاڑ دے دے جس کے پاس نہ ہو۔ نوشیرواں نے کہا ہاں میں حکم دے دوں گا۔ مزدک باہر آیا اور اعلان کر دیا کہ بادشاہ نے حکم دیا ہے کہ جس کے پاس عورت ہے وہ دوسرے مرد کو جس کے پاس عورت نہیں ہے اپنی عورت کو استعمال کرنے سے نہیں روکے۔ اس جواز نے جڑ پکڑ لی۔ یہ قصہ مشہور ہو گیا۔ نوشیرواں کو خبر ہوئی تو اس نے کہا کہ اس بے ہودہ اور بری بات کی کس نے بنیاد رکھی۔ لوگوں نے بتایا کہ مزدک نے ایسا اعلان کیا ہے اور چونکہ وہ نوشیرواں کا مقرب خاص ہے کسی نے اس کے حکم کی تعمیل میں تامل نہ کیا۔ نوشیرواں نے مزدک کو بلوایا۔ اور کہا کہ میں نے کب اس طرح کی بری بات کا اعلان کرنے کے لیے کہا تھا۔ مزدک نے کہا میں نے جہاں پناہ سے پوچھا تھا کہ اگر دنیا میں تمام لوگ مار گزیدہ ہو جائیں اور ان میں سے کسی کو سانپ کی جھاڑ آتی ہو تو عالی جاہ کا کیا حکم ہو گا آپ نے فرمایا کہ جو جھاڑ رکھتا ہو وہ ان لوگوں کو دے دے جن کے پاس جھاڑ نہ ہو۔ اور جہاں پناہ جانتے ہیں کہ نہ شہوت سے زیادہ خطرناک کوئی سانپ ہو سکتا ہے۔ اور نہ عورت سے بڑھ کر تیز جھاڑ کوئی ہو سکتی ہے۔ نوشیرواں خاموش ہو گیا اور نتیجہ میں وہ مذہب باقی رہ گیا۔ نوشیرواں کے مرنے کے بعد قباد تخت نشین ہوا۔ ایک روز قباد کی ماں کو قباد کے سامنے طلب کر لیا۔ قباد کو یہ بات بہت بری معلوم ہوئی۔ دوسرے روز دربار میں مزدک قباد کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔ قباد کو اس مجلس میں مزدک کی موجودگی کا علم نہ تھا۔ اس نے درباریوں سے کہا کہ مجھے کئی کام بہت ضروری کرنا ہیں جو ابھی تک نہیں کر سکا ہوں۔ اس میں ایک مزدک کو قتل کرنا ہے۔ مزدک اگرچہ حکیم تھا لیکن حقیقت میں وہ احمق تھا وہ فوراً اٹھ کر سامنے آ گیا اور بولا کہ مزدک کو اب قتل نہیں کیا جا سکتا اس لیے کہ وہ تنہا نہیں ہے۔ اس کے ساتھ ہزاروں جاں نثاران ہیں۔ قباد نے کہا تم نے میری ابھی کی بات کو سن لیا ہے۔ مزدک نے کہا ہاں میں نے سن لیا ہے قباد نے کہا جب تک ہزاروں جاں نثار جمع ہوں تو اس وقت تو میرے سامنے تنہا کھڑا ہے اور اسی وقت تلوار کے ایک وار سے اسے ختم کر دیا۔ اس کے بعد مزدکیوں سے جنگ شروع ہو گئی آخر میں فتح قباد کی ہوئی اور وہ فتنہ فرو ہوا۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ زندیق کا لفظ معرب ہے عربی نہیں ہے یہ زندقہ سے ماخوذ

ہے بعض لوگ زندقہ بے دین کو کہتے ہیں ۔ جیسا کہ جنید رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کل طریقتہٖ ردیتہ الشریعتہ فھو زندقتہ ۔ یعنی ہر وہ مسلک جس کو شریعت رد کر دے وہ بے دینی ہے ۔ کشف المحجوب میں ہے کہ زندی خدا کی قوم کو کہتے ہیں ۔ وقہ کے معنی عبادت کے ہیں ۔ یعنی اصل میں زندیق کے معنی خدا کی عبادت کرنے والا ہوتے ہیں لیکن بعد میں کثرت استعمال سے زندیق سے مراد وہ جماعت ہوگئی جو شرع کے مطابق اور نبی صلعم کی سنت کے مطابق عبادت نہ کرے ۔

صوفیا کے رقص وسماع کے اسرار پر کچھ باتیں

تھوڑی دیر کے لیے صوفیوں کے رقص اور سماع کے اسرار پر باتیں شروع ہوگئیں ۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ مولانا علاؤالدین نے بارہا مولانا جمال الدین مغربی سے کہا تھا کہ اگر میں نے سماع کی مجلس منعقد کی تو میں آپ کو بلاؤں گا ۔ مولانا جمال الدین نے کہا کہ میں ضرور آؤں گا لیکن صوفیا کا یہ ہاتھ پیر پٹک کر رقص کرنا ہذیان معلوم ہوتا ہے ۔ مولانا علاؤالدین نے کہا کہ اس کی کیا حقیقت ہے مجھے نہیں معلوم لیکن نغمہ البتہ ضروری شئے ہے اور اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا ۔ بغداد میں بعض صوفیا کو میں نے دیکھا کہ وہ باقاعدہ طور پر سماع سنتے ہیں اور اپنی جگہ سے ہلتے تک نہیں ۔ صرف زبان سے اللہ اللہ کہتے ہیں ۔ اور آنسو آنکھوں سے رواں رہتے ہیں ۔ کوئی بھی ایسی حرکت جو یہاں صوفیا کرتے ہیں ان لوگوں میں نہیں دیکھا ۔ پھر میں نے کہا کہ رقص کا بیان مجھ سے سنو ۔ ہم لوگ سماع کے دوران ٹھنڈی سانس لیتے ہیں اور پھر وہ سانس لے کر دکھایا ۔ انہوں نے کہا یہ مچھلی کی طرح کیا چیز ہے ۔ میں نے کہا ہم لوگوں کی مراد یہ ہے کہ اس طرح ھو کہیں ۔ انہوں نے کہا واللہ ملیحؒ ۔ میں نے دونوں ہاتھ کھول دیے ، اوپر کیے پھر گھمایا اور ایک ہاتھ پر دوسرا ہاتھ مارا ۔ انہوں نے کہا یہ کیا ہوا میں نے کہا دنیا میں سوائے شئے واحد کے کسی کا وجود نہیں ہے اور دونوں جہان کو میں نے لپیٹ کر ایک کونہ میں رکھ دیا اور ترک کر دیا ۔ بس اس کے علاوہ اور کوئی میرا مقصد نہیں ہے ۔ پھر دونوں ہاتھ کو سر پر مارتا ہوں اور دونوں کو ملا کر سر پر گھماتا ہوں پھر لپیٹتا ہوں ایک کو دوسرے پر مارتا ہوں یعنی دنیا کو میں نے ایک کونہ میں رکھ دیا ۔ میرا مقصود سوائے میرے خدا کے اور کوئی نہیں ہے ۔ مولانا جمال الدین حیرت زدہ ہوگئے ۔ اور کہا ہاں یہ آپ کا سماع ہوا ۔ یہ آپ کے

ساتھ مخصوص ہے۔ میں نے کہا میرا عقیدہ خدا کے بارے میں یہ ہے کہ ہمارے صوفی دوست اسی معنی پر فائز ہیں۔

روز چہار شنبہ ۲۵ شعبان ۸۰۲ھ

عشق اور اس کی بلائیں

چاشت کے وقت گفتگو عشق اور اس کی آفتوں کے بارے میں چھڑ گئی۔ حضرت مخدوم نے فرمایا ہر چیز میں کچھ نہ کچھ آفت پائی جاتی ہے۔ عشق میں دو آفتیں ہیں ایک شروع میں اور دوسری آخر میں۔ شروع کی آفت یہ ہے کہ عاشق کے اوپر معشوق کی طلب میں عشق کا درد و غم اتنا چھا جاتا ہے کہ وہ اسی میں گھر جاتا ہے اور اس کے اندر اسے لذت ملنے میں مدت درکار ہوتی ہے۔ اور محبوب سے وصال کی اس کی کوئی تدبیر سمجھ میں نہیں آتی۔ وہ جان لیتا ہے کہ اب میرے حصہ میں درد و غم کے سوا اور کچھ نہیں۔ اور وہ اسی پر صبر کر لیتا ہے۔ بہت عرصہ گزرنے پر بھی درد و غم اور مصیبت اس کی طبیعت ثانیہ بن جاتی ہے۔ اور پھر اس کو درد و غم میں لذت نہیں ملتی۔ وہ ہر طرف سے مارا جاتا ہے نہ اس کو لذت وصال ہی نصیب ہوتی ہے نہ ذوق ہجر و الم۔ اس کا سوز دروں بھی ضائع ہو جاتا ہے اور سرد پڑ جاتا ہے اور نتیجہ میں اس کو محرومی ہی محرومی نصیب ہوتی ہے۔ اس کی مصیبت کی انتہا تو یہ ہے کہ جب اسے محبوب کا وصال نصیب ہوتا ہے اور وہ اس کی لذت سے شاد کام ہوتا ہے اور ہجر و فراق کے الم سے بے پروا ہو جاتا ہے تو پھر کچھ دنوں کے بعد یہی چیز اس کی عادت اور طبیعت میں شامل ہو جاتی ہے اور وصال میں اسے کوئی لذت نہیں ملتی۔ اور دونوں حالت میں مقصود تو خوشی اور راحت محبوب سے حاصل کرنا ہے اور جب یہ مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے تو پھر ذوق و شوق کے بغیر وصال اور رنج و الم کی لذت کے بغیر فراق کس کام کا۔ آدمی میں زندگی کی حرارت ہی باقی نہیں رہتی۔ وہ از کار رفتہ ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس پر افسردگی اور بے کیفی طاری ہو جاتی ہے اور پھر عشق کی نعمت ہی سے وہ محروم ہو جاتا ہے۔ جمال یار کی موجودگی کے باوجود وہ لذت جمال سے محروم رہتا ہے۔ جلوہ یار ہر طرف ہوتا ہے لیکن وہ محسوس نہیں کر سکتا۔ اس لیے کامیاب عاشق وہ ہے جو شروع ہی سے لذت فراق، ذوق الم اور سوز ہجر سے مانوس رہتا

ہے اور آخر میں جتنا وصال اس کو حاصل ہوتا جائے گا اس کے ذوق وشوق میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ایسے ہی عاشق کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ کامیاب ہوا اور اس کا انجام بخیر ہوا۔ عشق کی بہترین حالت یہ ہے کہ ایام فراق اور روز وصال دونوں صورت میں اس پر اضطراب و بے قراری اور تردد و فکر طاری رہے۔ اگرچہ عارفوں نے اس کو نقصان دہ بتایا ہے لیکن کمال اور نقصان سے قطع نظر ذوق اسی کو کہتے ہیں۔

کچھ معلّمین کے بارے میں

عشاء کی نماز کے وقت ایک معلم قدمبوسی کے لیے حاضر ہوئے معلمین اور مدرسین کے بارے میں ذکر نکل آیا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ اپنی زندگی بھر ایک مدرس مسجد میں لوگوں کو پڑھاتا ہے سو دو سو لڑکے اس سے تعلیم حاصل کرتے رہتے ہیں۔ کیا عجب کہ ان ہی شاگردوں میں سے کوئی ولی اللہ بھی پیدا ہو جائے اور کل قیامت کے دن وہ اپنے استاد کی اللہ سے سفارش کرکے اس کی مدد کے لیے آگے بڑھے۔ اولیاء اللہ مکارم اخلاق سے متصف ہوتے ہیں ان کی دست گیری سے کوئی محروم نہیں رہتا اور خاص کر وہ آدمی جس نے کبھی اس کو فائدہ پہنچایا ہو وہ کیسے محروم رہ سکتا ہے۔ اسی پر حضرت مخدوم نے ایک قصہ بیان فرمایا کہ ہمارے محلہ میں مولانا محمود نام کے ایک معلم رہتے تھے بہت صالح اور نیک آدمی تھے۔ وہ حافظ قرآن کے ساتھ ہمارے خواجہ کے شاگرد اور مرید بھی تھے۔ وہ کبھی اپنے کسی شاگرد سے سہ ماہی اور جمعراتی کا پیسہ نہیں مانگتے تھے اور تحفہ لانے والے یا نہ لانے والے لڑکوں کے درمیان کوئی فرق یا امتیاز نہ برتتے تھے دونوں کو ایک ہی طرح شفقت اور محنت سے پڑھاتے۔ لوگ اپنے بچوں کو حصول برکت اور فیض کے لیے بھی ان کے پاس بٹھا دیتے تھے۔ میں نے بھی اپنے بچوں کو ان کے مکتب میں حصول برکت کے لیے کچھ دن بٹھایا تھا اور مکتب اور تختہ نویسی کی ابتدا ان ہی سے کرائی تھی۔ مولانا مذکور کی بیوی پر پریوں کا سایہ تھا۔ ایک بار ان کے یہاں لڑکی پیدا ہوئی۔ یکایک گہوارہ میں اس نے چلانا شروع کر دیا۔ لوگ دوڑے تو دیکھا کہ اس کے بازو اور بدن پر کسی کے دانت سے کاٹنے کے نشانات تھے۔ بچی کی ماں کے بازو پر بھی دانت سے کاٹنے کا نشان تھا۔ حضرت خواجہؒ (مخدوم نصیر الدین چراغ دہلویؒ) کے سامنے یہ واقعہ بیان کیا گیا تو انہوں نے ایک تعویذ دیا کہ عورت کے بازو پر باندھ دیا جائے۔ لوگوں نے باندھ دیا۔ صبح کو وہ تعویذ غائب تھا۔ پھر لوگ حضرت شیخ کے پاس آئے اور تعویذ کے غائب ہو جانے کا حال کہا۔

حضرت مخدومؒ نے فرمایا بہت اچھا۔ مولانا محمود گھر واپس آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہی پری آ کر گریہ وزاری اور فریاد و فغان کر رہی ہے۔ اور کہہ رہی ہے کہ خدا کے لیے جاؤ اور حضرت شیخ سے کہو کہ حوران نے توبہ کی، اب وہ دوبارہ اس گھر میں نہیں آئے گی لیکن اگر میرا بھائی حورم آئے تو مجھے خطاوار نہ ٹھہرایا جائے۔ کسی شخص نے پوچھا تم یہ کیوں کہہ رہی ہو۔ اس پری نے کہا میری حضرت خواجہ کے دربار میں پہنچنے کی مجال کہاں ہے۔ آج حکم ہوا ہے کہ حوران اور حورم (حوران کا بھائی) کو دروازہ پر چڑھنے نہ دو۔ میں جا رہی ہوں پھر میں تمہارے گھر نہیں آؤں گی تم لوگ بھی جا کر حضرت خواجہ کو خبر کر دو۔ مولانا حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سب حال کہہ سنایا۔ پھر جانے کی اجازت چاہی۔ حضرت خواجہ نے کہا بہت اچھا مولانا جائیے۔ پھر وہ واقعہ کبھی نہ ہوا۔

ایک آسیب زدہ عورت کا واقعہ

اسی طرح کا ایک اور واقعہ بھی حضرت مخدوم نے اپنا بیان فرمایا کہ مولانا برہان الدین بیاوی کے ساتھ میں ایک روز غیاث پور سے واپس ہو رہا تھا۔ مولانا نے مجھ سے دو قصے بیان کیے۔ ایک تو یہ کہ "ایک جوان میرے خاندان میں تھا نیک، تندرست اور توانا۔ اس کی شادی ہوئی بہت دن ہو گئے لیکن کبھی بھی اس کو اپنی بیوی کے ساتھ یکجا نہیں دیکھا گیا۔ گھر کے تمام لوگ حیران تھے کہ ایسا توانا، تندرست اور زندہ دل نوجوان آخر کیا بات ہے کہ زن وشو کے تعلقات اس سے سرزد ہوتے نہیں دیکھے گئے۔ اور شادی کے بعد اس کا چہرہ دن بدن زرد ہونے لگا۔ لوگوں نے اس سے سبب پوچھا۔ اس نے کہا مجھ پر ایک بلا مسلط ہے جو ہم بیان نہیں کر سکتے۔ پھر اس نے اپنے قریبی دوستوں سے کہا کہ جب رات کافی گزر جاتی ہے ایک آدمی آتا ہے اور میرے دونوں ہاتھ پیٹھ کی طرف سے باندھ دیتا ہے۔ اور میری بیوی کو اپنے قابو میں کر کے جو چاہتا ہے کرتا رہتا ہے۔ اگر کبھی میں اپنی بیوی سے قربت حاصل کرنا چاہتا ہوں تو وہ یکایک نمودار ہو جاتا ہے اور ایک زبردست طمانچہ مجھ کو رسید کرتا ہے جس کی وجہ سے کئی روز تک میرے سر میں درد رہتا ہے۔ اور اس کے بعد میرے ہاتھوں کو مضبوطی کے ساتھ پیچھے باندھ دیتا ہے اور خود اس عورت کے ساتھ لطف اٹھاتا ہے۔ میرے خاندان والے حضرت شیخ سے مرید تھے۔ اس واقعہ کو میں نے حضرت شیخ سے بیان کیا۔ حضرت خواجہ نے فرمایا کہ تمہارے خاندان میں کوئی ایسا آدمی ہے جو کشمیری دروازہ کے باہر سوئے۔ وہی

نوجوان جو اس بلا میں گرفتار تھا تیار ہو گیا اور اس نے کہا میں سوؤں گا۔ حضرت خواجہ نے ایک تحریر اس کے ہاتھ میں دی اور یکشنبہ یا سہ شنبہ کی رات مقرر کر کے فرمایا کہ اس جگہ رات گزارو۔ پہلے ایک خوف ناک آواز سنو گے پھر خوف ناک صورتیں جیسے عظیم الشان ہاتھی، بندر اور شیر وغیرہ کی سامنے آئیں گی۔ تم ان سے ہرگز نہ ڈرنا۔ اس کے بعد ایک آدمی سفید براق چہرے والا سفید کپڑا پہنے ہوئے گھوڑے پر سوار نمودار ہو گا۔ اس کے ساتھ کئی پیادے بھی سفید رنگت والے سفید کپڑوں میں ملبوس نمودار ہوں گے۔ تم کاغذ کو کھول کر ہاتھ میں لے لینا اور ان کو دکھلانا۔ وہ نوجوان رات کو حضرت شیخ کی ہدایت کے مطابق کشمیری دروازہ کے باہر شب کو قیام پذیر ہو گیا۔ تھوڑی رات گزری تھی کہ اسی طرح کی خوف ناک آواز آنے لگی۔ وہ سمجھ گیا کہ وہی آواز ہے جس کے بارے میں حضرت شیخ نے فرمایا تھا۔ پھر اسی طرح ہاتھی، بندر وغیرہ کی صورتیں نمودار ہوئیں وہ پڑا پڑا سب کو دیکھتا رہا۔
اس کے بعد ایک آدمی گوری رنگت والا سفید لباس میں ملبوس گھوڑے پر سوار نمودار ہوا اس کے ساتھ سفید رنگ والے سفید لباس میں ملبوس کئی پیادے بھی تھے۔ اس نے جب ان لوگوں کو دیکھا تو دُور سے کاغذ کھول کر ہاتھ میں لے لیا۔ اور ان کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ ان پیادوں میں سے ایک نے دیکھ لیا کہ ایک آدمی ہاتھ میں کاغذ لیے کھڑا ہے۔ اس نے بڑھ کر سوار سے کہا۔ سوار گھوڑا روک کر کھڑا ہو گیا۔ جوان کو بلایا اور کاغذ اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ اس تحریر کو پڑھتے ہی وہ گھوڑے سے اتر گیا غیاث پور کی طرف منہ کر کے سر جھکا دیا۔ اس کے بعد اس نے اس جوان سے کہا کہ تم اس ملزم کو پہچانتے ہو جو تمہارے اور تمہاری بیوی کے ساتھ یہ حرکت کرتا ہے۔ اس جوان نے کہا۔ جی ہاں میں دیکھ کر پہچان سکتا ہوں۔ اس نے حکم دیا کہ جتنے ابھی ادھر سے گزرے ہیں سب کو حاضر کیا جائے۔ اس جوان کے سامنے جب سب پیش کیے گئے تو اس نے کہا ان سبھوں میں وہ مجرم نہیں ہے پھر تحقیقات کرنے سے پتا چلا کہ ایک شخص رہ گیا ہے وہ نہیں آیا ہے۔ حکم ہوا اس کو بھی فوراً حاضر کرو۔ وہ کپڑے سے منہ چھپائے ہوئے سامنے آیا۔ اس سوار نے کہا چہرہ کھول۔ چہرہ کھولتے ہی اس جوان نے پہچان لیا کہ یہی وہ مجرم ہے۔ اس سوار نے اس سے کہا کہ سن لو! حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے غلاموں میں سے ایک غلام کا وہ گھر ہے تو اپنی اس حرکت سے باز آجا۔ اس نے کہا میں اس عورت پہ عاشق ہوں میں ہرگز باز نہ آؤں گا

سوار نے کہا اگر باز نہیں آئے گا تو گردن اڑا دی جائے گی۔ اس نے کہا اب صرف یہی ہو سکتا ہے اس لیے کہ جب تک میں زندہ رہوں گا اس فعل سے باز نہیں رہوں گا۔ سوار نے جلاد کو بلا کر حکم دیا کہ اس کا سر قلم کر دو۔ جلاد نے اس کی گردن اڑا دی۔ اس کے بعد اس سوار نے اس جوان سے مخاطب ہو کر کہا کہ اے جوان! جاؤ اور حضرت شیخ کی خدمت میں میرا سلام پہنچاؤ اور عرض کرو کہ آپ کے حکم کے ملتے ہی جس بدبخت نے آپ کے غلام کے گھر میں بے ادبی کی تھی اس کا سر قلم کر دیا گیا۔ پھر وہ جوان اپنے گھر میں اپنی بیوی کے ساتھ جیسے زن و شوہر رہتے ہیں رہنے لگا۔ اس نے حضرت خواجہ کے سامنے آ کر جب یہ واقعہ بیان کرنا چاہا تو حضرت خواجہ نے کہا مجھے سب معلوم ہو گیا۔ پھر فرمایا معلوم ہے یہ قوت کیسے حاصل ہوتی ہے؟ جو خدا کا ہو جاتا ہے اس کی ساری خدائی ہو جاتی ہے۔ اللہ کا تابع ہو جانے کے بعد نقصان کا کوئی خوف ہی نہیں رہتا۔ یہ وہ سودا نہیں ہے جس میں نقصان کا امکان ہو۔ بس فائدہ ہی فائدہ ہے۔ اور جو شخص اللہ کی خالصۃً للہ عبادت اور پرستش نہیں کرتا بلکہ دوزخ کے خوف اور بہشت کے لالچ میں پرستش کرتا ہے وہ حقیقت میں اللہ کی پرستش نہیں کرتا ہے احیاء العلوم میں ایک جگہ کلام قدسی پیش کیا گیا ہے کہ البغض عبادی الیٰ من عبدنی لخوف جحیم وبطمع جنّتہٖ۔ یعنی میرے بندوں میں میرا سب سے بڑا دشمن وہ ہے جو میری پرستش اور عبادت دوزخ کے خوف اور بہشت کے لالچ کی وجہ سے کرتا ہے۔ کیونکہ وہ دوزخ اور بہشت کا بندہ ہوا میرا بندہ نہیں ہوا۔

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ مجلس ابوعلی فارمدی میں میں نے لکھا دیکھا ہے کہ شیخ ابوعلی سیاح فرماتے تھے کہ اگر لوگوں کو اللہ سے فرار کا موقع مل جاتا ہے تو سب ہی کے سر میں فساد پیدا ہو جاتا اللہ کے نیک بندے بہت کم ہیں زیادہ تر لوگ اپنی خواہشات کے غلام ہیں۔ اللہ کے غلام اور بندے بہت کم ہیں۔

روز پنجشنبہ ۲۶ شعبان ۸۰۲ھ

حضرت شیخ یعنی خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی کی عادات و خصائل کے بارے میں — دوسری نماز کے وقت

حضرت شیخ کی نظافت اور لطافت مزاج کا ذکر آگیا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ جس مقام پر حضرت شیخ بیٹھتے تھے وہ بہت زیادہ صاف ستھری اور پاکیزہ ہوتی تھی۔ اس جگہ خس و خاشاک کا پتا نہ ہوتا تھا۔ وہ جمعہ کا جمعہ کپڑا بدلتے تھے لیکن جب دیکھیے معلوم ہوتا تھا ابھی کپڑا تبدیل کیا ہے صرف دامن اور آستین کے شکن سے معلوم ہوتا تھا کہ دو تین روز کا پہنا ہوا ہے۔ ایک دن اسی عظمت وجاہ اور صفائی و پاکیزگی کے ساتھ سجادہ شیوخت پر تشریف فرما تھے انواع و اقسام کے خوشبودار پھول دائیں بائیں انبار لگے ہوئے تھے۔ مجھ کو خراب و خستہ گریاں و پریشاں حالت میں کچھ لوگ سنبھالے ہوئے حضرت شیخ کے سامنے لے گئے۔ حضرت شیخ نے میری طرف دیکھ کر کہا یہ کون سا طریقہ سالکوں کا تم نے اختیار کیا ہے۔ پھر اپنی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔ میری طرف دیکھو اس وقار اور سکون کے باوجود جو تم مجھ میں دیکھ رہے ہو کسی وقت بھی مجھ کو سکون اور آرام نصیب نہ ہوا ہر وقت اضطراب و پریشانی اور تبدیلی میرے شامل حال رہی۔ لیکن جو کام میرے اختیار میں نہیں ہے اس کے بارے میں سوچنا کیا۔ پھر حضرت مخدوم نے فرمایا کہ وہ اونچی آواز سے نہیں بولتے تھے اور ہر شخص سے ہم کلام نہیں ہوتے تھے۔ اور ان کی زبان سے سوائے اعلیٰ پایہ کی گفتگو اور کلام کے اور کچھ نہیں نکلتے تھے بے وضعی اور خراب قسم کی بنی ہوئی کوئی چیز انہیں پسند نہ تھی۔ ایک مرتبہ کچھ مٹکے اور آبخورے ان کے سامنے لائے گئے۔ چھ سات سبو میں سے ایک پر ایک سیاہ داغ پڑا ہوا تھا اس پر نظر پڑتے ہی آپ نے فرمایا۔ زین الدین اس سبو کو میرے سامنے سے ہٹاؤ۔ اور یہ سب ان کا مزاج تھا۔ ایک دن فرمایا حاجی مجھ کو بھوک لگی ہے۔ کوئی چیز پکی ہوئی ہے۔ حاجی نے کہا بہت اچھا کوئی چیز پکی ہوئی نہیں ہے۔ حضرت خواجہ نے مسکرا کر فرمایا کہ جب کوئی چیز پکی ہوئی نہیں ہے تو خیر کہاں۔ ایک دن ایک معزز شخص شہر سے پہنچا۔ اس کو اپنے پاس بٹھا کر اس سے سفر اور اس ولائت کے مشائخ کے حالات پوچھتے رہے۔ اس نے کہا فلاں شیخ سے مجھ کو ایسا پیرہن ملا تھا۔ اور فلاں سے ایسا۔ اور ان سب کو ملا کر میں نے ایک خرقہ تیار کر لیا تھا سفر کے دوران راستہ میں چوروں نے مجھ سے وہ چھین لیا۔ اب میرے شیخ کا صرف یہ ایک پیرہن رہ گیا ہے جس کی میں بہت حفاظت کرتا ہوں اور یہ میرے لیے کافی ہے۔ حضرت شیخ نے فرمایا زین الدین دوسرا پیرہن لاؤ۔ اور پھر اپنا پیرہن اتار کر ان کے حوالہ کیا اور کہا اب کچھ نہ بولو جو کچھ چوروں نے تمہارے ساتھ کیا تم نے بھی میرے ساتھ اس سے کم نہیں کیا۔ خدام ہنسی کو ضبط نہ کر کے حجرہ

سے باہر نکل گئے۔

نئے نئے مذاہب پیدا ہونے لگے عشاء کی نماز کے بعد نئے نئے مذاہب کے پیدا ہونے کی بات چھڑ گئی۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ مذہب میں صرف ایک مسئلہ نے اختلاف پھیلایا اور زیادتی کی اور وہ ہے صحابہ کی ایک دوسرے پر فضیلت کا مسئلہ۔ حقیقت کیا ہے اور کون افضل ہے اور کون نہیں، یہ اللہ جانتا ہے انسان کو نہیں معلوم۔ ہم لوگوں کے پاس صرف دلائل ہی دلائل ہیں۔ اس مسئلہ پر گفتگو اور بحث کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ قوت القلوب میں ہے قال علیہ السلام اصدقکم ابو بکر واعدلکم فی دین اللہ عمر بن الخطاب و احلمکم عثمان و اقراکم اُبی و اعلمکم بالحلال والحرام معاذ بن جبل واقضاکم علی وھذہ خصلۃ جامعۃ بخصائل اجمع وھذا مقام المحبوب المراد۔ یعنی تم لوگوں میں زیادہ صدیق ابو بکر ہیں۔ اور تم لوگوں میں زیادہ عادل عمر ہیں اور تم میں سب سے حلیم اور بردبار عثمان ہیں۔ اور تم میں سب سے زیادہ پڑھے لکھے اُبیؓ ہیں۔ اور تم میں سب سے زیادہ دانا اور حلال و حرام کے جاننے والے معاذ بن جبل ہیں اور تم میں زیادہ لائق حاکم علیؓ ہیں۔ اور حاکم ہونے کے لائق وہی ہوتا ہے جو عادل بھی ہو صدیق بھی ہو، دانا بھی ہو اور پڑھا لکھا بھی ہو۔ اسی لیے اقضا اور حاکم کی صفت مجموعہ صفات ہے۔ اور یہ مقام محبوب کا ہے۔ جتنے صفات حمیدہ ہوتے ہیں ان کی ذات میں تمام و کمال موجود تھے۔

حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دین کے مسائل میں اختلاف اور مسلمانوں کا گناہ کی طرف میلان بالکل نہ تھا۔ یہ سب امام حسن بصری کے زمانے سے شروع ہوا۔ حسن بصری نے امیرالمومنین حسن بن علی رضی اللہ عنہ کو لکھا انتم اھل بیت رسول اللہ مثلکم مثل سفینۃ نوح من رکبھا نجا ومن تخلف عنھا غرق وتردی۔ یعنی آپ لوگ رسول اللہ صلعم کے اہل بیت ہیں آپ کی مثال سفینہ نوح جیسی ہے جو اس پر سوار ہو گیا اس نے نجات پائی اور جس نے اس سے فرار اختیار کیا اور سرکشی کی وہ غرق ہوا اور جس نے آپ لوگوں سے محبت کی گناہوں اور گمراہی کے دریا میں ڈوبنے سے بچا اور جس نے آپ سے مخالفت اور دشمنی کی وہ غرق اور ہلاک ہوا۔ اس لیے آپ اس بارے میں اپنے خیالات سے مستفید فرمائیں کہ حق کیا ہے۔ تاکہ ہم لوگ اسی پر عمل پیرا ہوں

اور اُس کے علاوہ سب کو باطل سمجھیں۔ امیر المومنین حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے تحریر فرمایا۔ جو مذہب اہل سنت والجماعت کا ہے وہی صحیح ہے۔ اسی طرح مسئلہ خلقت اور عدم خلقت قرآن کا وجود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہیں تھا بلکہ تمام مذاہب اور ملتیں رسول اللہ صلعم کی وفات کے بعد عالم وجود میں آئیں۔ اور وہی اسلام میں خرابی کا باعث بنیں۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں گناہوں کو اتنا بڑا اور کبیرہ سمجھا جاتا تھا اور اس سے بچنے کے لیے اتنا اہتمام کیا جاتا تھا کہ آج اس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ گناہوں کی ہیبت اور خدا کا خوف اہل بیت رسول اللہ صلعم اور صحابہ کرام کے دلوں میں اتنا زیادہ تھا کہ وہ چھوٹے سے چھوٹے گناہ پر غم و الم سے اس قدر بھر جاتے تھے اور اتنا پریشان ہو جاتے تھے جتنا کوئی مرتد اور دین سے خارج ہونے پر ہوتا ہے۔ امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ لوگوں نے کیا کیا۔ کس گناہ کبیرہ پر لوگوں نے انہیں شہید کر دیا۔ انہوں نے کونسا کفر اور گناہ کیا تھا سوائے اس کے کہ چند ایسی بدعتوں کو اختیار کر لیا تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہیں تھی۔ اس عہد کے لوگوں میں خشیت الٰہی لوگوں کے دلوں میں بہت تھی۔ اور وہ صغیرہ گناہوں سے کبیرہ گناہ کی طرح خوف زدہ ہو جاتے تھے۔ اور گناہ کبیرہ کو تو وہ کفر ہی سمجھتے تھے لیکن حقیقی مذہب وہی ہے جو امیر المومنین حسن رضی اللہ عنہ نے حسن بصریؒ کو لکھا تھا۔ حضرت مخدوم نے پھر فرمایا کہ واقعہ افک میں جب عائشہ رضی اللہ عنہا پر منافقوں نے بہتان لگایا تھا تو ان کے ساتھ ایک لونڈی تھی۔ علی رضی اللہ عنہ نے اس کو بلا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا اور کہا اے حبش! سچ بتا راستہ میں کیا ہوا تھا۔ اس جاریہ نے کہا کہ خدا کی قسم جب سے میں اسلام میں داخل ہو کر ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں رہی ہوں میں نے ان سے کبھی کوئی لغزش یا گناہ سرزد ہوتے نہیں دیکھا سوائے ایک گناہ کے۔ رسول اللہ صلعم نے پوچھا وہ گناہ کیا ہے۔ اس جاریہ نے کہا کہ ایک مرتبہ انہوں نے جَو کا آٹا خمیر کیا تھا کہ روٹی پھول جائے۔ سبحان اللہ اس وقت یہ فعل گناہ سمجھا جاتا تھا۔ پھر حضرت مخدوم نے آہ سرد بھری اور یہ شعر پڑھا:

گر عشق حق خویش طلب خواہد کرد ❊ پس مدعیاں را کہ ادب خواہد کرد

عائشہ رضی اللہ عنہا کا فقرا پر احسان

حضرت مخدوم نے پھر فرمایا کہ امیر معاویہؓ نے اپنے دور خلافت میں ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کو نوے ہزار درہم بھیجا کہ اپنے ہاتھ سے فقرا میں خیرات کر دیں ۔ وہ اس وقت روزہ سے تھیں ۔ اور سر کی اوڑھنی پھٹ کر پارہ پارہ ہو گئی تھی ، مغرب کی نماز کے وقت تک انہوں نے سارا درہم غریبوں میں تقسیم کرا دیا ۔ ان کی لونڈی آئی اس نے کہا بی بی اگر ایک پیسہ اپنے شام کے کھانے کے لیے اور ایک درم اپنی اوڑھنی خریدنے کے لیے رکھ لیتیں تو کیا مضائقہ تھا ۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا اے کنیز تو کہتی تو صحیح ہے لیکن میں کیا کروں مجھے یہ بات یاد ہی نہیں رہی ۔ تو نے کیوں نہیں یاد دلایا ۔ پھر انہوں نے فرمایا کہ اے کنیز ! سن مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اتریدین ان تلحقنی بی یوم القیامۃ قلت بلیٰ یا رسول اللہ قال فعلیک بعیش الفقراء ۔ یعنی اے عائشہ کیا قیامت کے دن تم مجھ سے ملنا چاہتی ہو ؟ میں نے کہا ہاں یا رسول اللہ ۔ میں ملنا چاہتی ہوں ۔ اس پر رسول اللہ صلعم نے فرمایا فقیروں پر احسان اور بھلائی کرو ۔

پیری صد عیب

تھوڑی دیر کے لیے ضعیفی اور بڑھاپے پر بات نکل گئی ۔ حضرت مخدوم نے فرمایا قال اللہ تعالیٰ ومن نعمرہ ننکسہ فی الخلق یعنی وہ پیری اور ضعیفی کیا جس میں حسرت نہ ہو ۔ ضعیفی کا اس سے بڑھ کر کون عیب ہو گا کہ ضعیفی کو لوگ عقل کی کمی اور چڑچڑاپن سے منسوب کرتے ہیں ۔ اگر کوئی شخص ایسا کام کرے جو سمجھ میں لوگوں کے نہ آئے یا کوئی کام بگڑ جائے تو لوگ فوراً کہیں گے فلاں پر ضعیفی آگئی ہے ، اس کی عقل رخصت ہو گئی ہے اور عارفوں کی معرفت عقل و ہوش کی زیادتی پر منحصر ہے ۔ الیٰ ان یبلغ المرءُ الخرف فیختل عقلہٗ یعنی جب آدمی بہت بوڑھا ہو جاتا ہے تو اس کی عقل میں خلل پڑ جاتا ہے ۔ اور معرفت کے اضافہ میں کمی ہو جاتی ہے ۔ پیری میں سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ ابناء ثمانین عتقاء اللہ جب قوت نہیں رہے گی اعضا اور اعصاب سست پڑ جائیں گے اور ہاتھ پیر بے کار ہو جائیں گے پھر وہ ضرور ہی غیر مکلف اور عتقاء اللہ ہو جائے گا ۔ اسیؔ برس کے سن میں ہوش و حواس میں فرق پڑ جاتا ہے ۔ اور پھر وہ پاگل ہی کے زمرے میں آجاتا ہے ۔ اور اس کو اللہ بھی آزاد کر دیتا ہے یعنی وہ غیر قابل گرفت سمجھا جاتا ہے ۔ پھر حضرت مخدوم نے انس سے ایک روایت بیان کی کہ کان

عمر رسول اللہ صلعم ثلاثا وستین سنۃ ولم یشب من لحیتہٖ الا اشعرتان اوثلاثا شعراتٍ۔ یعنی رسول اللہ صلعم کا ترسٹھ برس کی عمر میں بھی موئے مبارک سفید نہیں ہوا تھا۔ صرف دو یا تین بال سفید ہوئے تھے۔ کسی نے انس رضؓ سے پوچھا کیوں نہیں سفید ہوا۔ جب کہ رسول اللہ صلعم کی کافی عمر ہو چکی تھی۔ انہوں نے جواب دیا حق تعالیٰ نے ان کو عیب پیری سے بچا لیا۔ پوچھنے والے نے پوچھا کہ کیا پیری عیب ہے انس نے جواب دیا لیس کُلّہٗ یکرہ یعنی ایسی بات نہیں ہے کہ بڑھاپے میں ہر شخص مجہول اور ناگوار ہو جاتا ہے۔

پھر حضرت مخدوم نے فرمایا کہ رسول اللہ صلعم کے چاروں یار کی عمر قریب قریب ایک ہی تھی۔ کسی کی باسٹھ، کسی کی ترسٹھ، کسی کی پینسٹھ اور کسی کی ستر۔ غرض چاروں یار میں سے کسی کی عمر ستر برس سے زیادہ نہ تھی۔ اور یہ بھی مسلم ہے کہ قوت، تجربہ، پختگی اور عقل و فہم میں کمال پچاس سے ساٹھ برس یا غائت ستر برس تک میں ہو جاتا ہے۔ ستر برس سے اوپر ہوئے اور کمزوری، کجی، سستی اور پژمردگی جسم میں ظاہر ہو گئی۔ اور پھر اس سے کوئی کام نہیں ہوتا۔ وہ مجہول اور معذور ہو جاتا ہے۔ پھر حضرت مخدوم نے فرمایا سب سے پہلے جو بوڑھے ہوئے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے جیسے ہی ان کی نظر اپنے ایک سفید بال پر پڑی وہ خوف زدہ ہو گئے اور انہوں نے اللہ سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ اللہ سے جواب ملا ھذا الوقارُ یعنی یہ عزت و وقار ہے۔ تو پھر ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا اللّٰھم زدنی وقاراً یعنی اے اللہ میرے وقار میں زیادتی کر۔

حضرت مخدوم اتنا کہنے کے بعد تھوڑی دیر خاموش رہے اس کے بعد اس کمترین کی طرف رخ کر کے مجھے میرے مخصوص نام سے مخاطب کر کے فرمایا۔ "محمد! عوارف میں لکھا ہے کہ کامل کو سماع کا ذوق نہیں رہتا۔" کمترین نے عرض کیا کہ یہ کامل ہے کہ عشق کی آخری آفت اس پر نازل ہو جائے۔ اس سے ہر چیز چھین لی جائے۔ وصل حاصل کرنے کے بعد اس کا وہ عادی ہو جائے اور عادی ہونے کے بعد ذوق و اشتیاق ختم ہو جائے گویا کہ ساری خوشی اور آرام اس سے رخصت ہو جائے۔ بندگی مخدوم نے فرمایا کہ جیسا کہ چہارشنبہ کی مجلس میں ہم نے بتایا تھا کہ عشق میں دو آفتیں آئی ہیں ایک ابتدا میں دوسری انتہا میں۔ اس لیے تم صحیح کہتے ہو وہ بالکل بے حس اور چوپایہ کی طرح ہو جاتا ہے اور سب کچھ اس سے چھن جاتا ہے۔ سب سے اچھا ہے کہ وہ آفت سے دور رہے۔ اور اس شعر میں

اسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے : ؎

عجبے نیست کہ سرگشتہ بود طالب دوست عجب این است کہ من واصل و سرگردانم

روز جمعہ ۲۷ شعبان ۸۰۲ھ

چاروں یار کی افضلیت کے بارے میں

نماز سے فارغ ہونے کے بعد حضرت مخدوم نے فرمایا کہ کتاب شیخ الصحاح جس سے شرح آثار کے مصنف کی تصنیف مزین ہے اس میں ابن عمرؓ سے یہ قول نقل کیا گیا ہے۔ کنا فی زمان النبی علیہ السلام لا نعدل بابی بکرٍ احداً ثم عمر ثم عثمان ثم علی ثم نترک اصحاب رسول اللہ لا نفاضل بینھم۔ یعنی نبی علیہ السلام کے زمانہ میں ہم ابوبکرؓ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتا تھا۔ ان کے بعد عمر ان کے بعد عثمان ان کے بعد علی اور پھر بقیہ صحابہ کرام جن میں سے کسی کو ہم نے کسی پر افضلیت نہیں دی۔ وھذا یدل علی ان ابا بکر افضل ھذہ الامۃ ھو کان اوّل الرجال الاحرار اسلاماً۔ یعنی اس لیے کہ یہ مردوں، عورتوں، بچوں، غلاموں میں سب سے پہلے مسلمان ہوئے۔ قال الخطابی قولہ ثم نترک بین الصحابۃ لا نفاضل بینھم اراد بہ الشیوخ وذوا الاسنان وکان علی فی زمان رسول اللہ حدث السن ولا ینکر احدٌ فضل علی لعد عثمان وقال لعض السلف ھو افضل من عثمان و للمتاخرین فی ھذا مذاھب و لعضھم علیٰ تقدیم ابوبکر من جھۃ الصحابۃ وتقدیم علی من جھۃ القرابۃ وقال قومٌ لا تقدم لعضھم علی لعض وکان لعض المشائخ یقول ابوبکر خیرٌ و علی افضلُ قال باب الخیریۃ غیر باب الفضیلۃ وھذا کما یقول ان الحر الھاشمی افضل وقد یکون العبد الحبشی خیر من حرّ الھاشمی فی معنی الطاعت للہ تعالیٰ و المنفعہ للناس و باب الخیریۃ متعدیۃ و باب الفضیلۃ لازم۔ یعنی خطابی کہتے ہیں کہ لا نفاضل بینھم سے مراد بوڑھے اور بڑی عمر والے صحابہ رسول اللہ ہیں۔ حضرت علیؓ ان میں شامل نہیں ہیں۔ اس لیے کہ وہ رسول اللہ صلعم کے وقت میں جوان تھے۔

اس سلسلے میں حضرت مخدوم نے فرمایا کہ علاوہ اس کے ابن عمرؓ نے اوپر کہا ہے
ثم نشترک اصحاب رسول اللہ یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ صرف اصحاب میں نہیں ہیں بلکہ
وہ اہل بیت رسول اللہ میں شامل ہیں۔ اور یہاں پر فضیلت ان یاران دین کی بیان کی جارہی
ہے جو رسول اللہ صلعم کی صحبت سے مشرف ہوئے ہوں اور جن کو دینی قربت حاصل رہی ہو۔
علی رضی اللہ عنہ اس میں شامل نہیں ہے اس لیے کہ وہ یاران دین کے علاوہ داماد، فرزند، بھائی
سب کچھ ہیں ان کو صرف یاری اور صحبت کا شرف حاصل نہیں ہے بلکہ اہل بیت میں سے ہیں
اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے بادشاہ کے امراء میں سے کوئی شخص اس کے دوستوں کی
فضیلت کا تذکرہ دوسرے سے کرے تو ظاہر ہے اس سے بادشاہ کے لڑکے، بھائی اور داماد
کا تذکرہ نہیں سمجھا جائے گا۔ کیونکہ وہ سب بادشاہ کے دوستوں کے زمرے میں نہیں آتے
اسی طرح اگر کسی پیر کا مرید اپنے پیر کے دوستوں اور مریدوں کا ذکر کسی ضمن میں کرتا ہے
اور ان میں سے کسی کو افضل قرار دیتا ہے تو اس سے پیر کے اہل بیت اور گھر والے نہیں
سمجھے جائیں گے۔ پھر خطابی یہ بھی کہتا ہے کہ کوئی شخص تمام صحابہ میں علی رضی اللہ عنہ کی
فضیلت کا عثمان کے بعد منکر نہیں ہے۔ بلکہ اسلاف صالحین میں سے بعض علی رضی اللہ عنہ کو
عثمان رضی اللہ عنہ پر بھی فضیلت دیتے ہیں۔ متاخرین نے اس بارے میں مختلف رائے
قائم کی ہے بعض کہتے ہیں کہ علیؓ کو بہ لحاظ قرابت سب پر فضیلت ہے اور ابوبکرؓ کو
بہ لحاظ صحبت۔ بعض کہتے ہیں کہ ابوبکرؓ خیر الصحابہ ہیں اور علیؓ افضل الصحابہ۔ اور خیر ہونا
افضل سے بالکل جدا ہے۔ جیسا کہ ہم اگر کہیں کہ ایک آزاد ہاشمی حبشی غلام سے افضل ہے۔
لیکن اکثر ایسا ہوتا ہے کہ خدا کی عبادت اطاعت اور تقوئی میں اور مخلوق خدا کو فائدہ پہنچانے
میں وہ حبشی غلام آزاد ہاشمی سے خیر اور بہتر ہوتا ہے۔ فضیلت آدمی کی ذات سے وابستہ
ہے اور وہ دونوں لازم ملزوم ہیں لیکن خیر آدمی کے ساتھ نہیں بلکہ اس کے افعال سے وابستہ
ہوتا ہے یعنی ہر شخص متقی اور عبادت گزار تو ہو سکتا ہے لیکن ہاشمی نہیں ہو سکتا۔
شیخ الصحابہ میں ہے کہ ابن عباسؓ ایک دن مسجد سے عمرؓ کے ساتھ واپس ہوتے
ہوئے ان کے گھر چلے گئے۔ عمرؓ نے آبدیدہ ہو کر فرمایا کہ مجھے اپنی موت اب نزدیک معلوم
ہو رہی ہے ابن عباسؓ نے کہا امیر المومنین کی عمر دراز ہو۔ عمرؓ نے کہا میں خلافت کے کام
کے سلسلے میں متردد اور متفکر ہوں کہ کس کو سپرد کروں گا۔ ابن عباسؓ نے کہا عثمانؓ کے

بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ عمرؓ نے کہا وہ قرابت مندوں کی دوستی میں گرفتار ہیں۔ ابن عباسؓ نے پھر پوچھا ماتقول فی صاحبنا یعنی علیاً۔ یعنی ہمارے آقا علیؓ کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں، عمرؓ نے جواب دیا کہ اگر ان میں خوش طبعی اور ظرافت نہ ہوتی تو بے شک وہی لائق تھے۔

صحابہ کی خوش طبعی اور مزاح

اس کے بعد اسی سلسلے میں صحابہ کے مزاح اور خوش طبعی کی بات نکل آئی۔ حضرت مخدوم نے فرمایا رسول اللہ صلعم بھی مزاح فرماتے تھے لیکن حق اور سچائی سے مزاح کے دوران سر مو نہ ہٹتے۔ اور یہ خوش طبعی اور مزاح صحابہ میں بھی تھا۔ ایک دن ابن مکتوم نابینا نے راستہ چلتے ہوئے اپنے ساتھی خواط انصاری سے کہا مجھے پیشاب کی حاجت ہو رہی ہے کسی کونے میں مجھے بٹھا دو کہ میں فارغ ہو لوں۔ انہوں نے کھلے بازار میں بٹھا دیا اور خود ہٹ گئے۔ جب ابن مکتوم نابینا پیشاب کرنے کے لیے بیٹھے تو لوگوں نے ہنگامہ مچایا کہ یہ کیا ہو رہا ہے مگر اب چارہ کیا تھا۔ یہ ذلت تو ان کو سہنا ہی پڑی۔ لیکن جب پیشاب سے فارغ ہوئے تو انہوں نے قسم کھائی کہ خواط کی پیٹھ پر کسی روز جب موقع ملے گا ڈنڈا ضرور ماروں گا۔ ایک مرتبہ ابن مکتوم مسجد میں تھے اور عثمان نماز پڑھ رہے تھے خواط آئے اور ابن مکتوم کو عثمان کی طرف اشارہ کرکے بتایا کہ یہ ہیں خواطؓ اس جگہ نماز پڑھ رہے ہیں ابن مکتوم آئے اور ایک ڈنڈا عثمان کی پیٹھ پر جما دیا۔ اس درمیان میں خواط وہاں سے چلتے بنے۔ عثمان حیران اور ابن مکتوم سخت شرمندہ ہوئے۔

ایک مرتبہ رسول اللہ صلعم نے ایک جگہ جنگ میں ابوبکرؓ کے ساتھ خواط کو بھیجا ابوبکرؓ نے صحابہ میں سے کسی کو اشیائے طعام کا محافظ اور نگران بنا دیا تھا۔ خواط نے ان سے کچھ کھانے کو مانگا انہوں نے نہ دیا۔ خواط نے قسم کھا کر کہا کہ جب میں یہاں سے جانے لگوں گا تو تم کو بیچ کر جاؤں گا۔ ایک قافلہ سوداگروں کا آیا ہوا تھا خواط نے ان کے پاس جا کر کہا کہ میرے پاس ایک غلام ہے بہت ہی ملیح صورت اور فصیح اللسان۔ بہت ہی نیک اور باوقار اسے دیکھ کر کوئی اسے غلام نہیں کہہ سکتا۔ بس اسے تم لوگوں کے ہاتھ فروخت کرنا ہوں۔ سوداگروں نے خریدنا منظور کر لیا اور خواط کو سو دینار قیمت دے دی۔ خواط نے چلنے کے وقت یہ بھی کہہ دیا کہ وہ غلام بہت ہی زبردست بولنے والا اور جھگڑالو ہے وہ قسم کھا کھا کر تم کو یقین دلائے گا کہ وہ غلام نہیں ہے بلکہ قریشی ہے مگر تم لوگ اس کے بہلاوے میں نہ آنا اور اس کو پکڑ کر باندھ کر لے جانا۔ اس کے بعد ان لوگوں کو ساتھ

لے جا کر دُور ہی سے ان صحابی کو دکھلا دیا اور چلتے بنے۔ سوداگروں نے ان کو یکایک آکر پکڑ لیا کہ تم ہمارے غلام ہو خواط نے ہم لوگوں کے ہاتھ تم کو بیچا ہے۔ صحابی نے بہت ہنگامہ کیا۔ سمجھایا، خفا ہوئے لیکن وہ لوگ نہ مانے اور کہا کہ تمہارے پہلے آقا نے ہمیں بتا دیا ہے کہ تم بہت زبردست بولنے والے ہو ہم تمہارے فریب میں آنے والے نہیں ہیں۔ اور فوراً گلے میں غلامی کا طوق پہنا دیا۔ اور لے کر چلے۔ ابو بکر رضؓ کو یہ خبر ملی تو وہ بہت حیران ہوئے۔ لوگوں کو دوڑایا اور سوداگروں کو واپس بلوایا۔ ان لوگوں کا دینار واپس کیا۔ اور ان کو چھڑایا۔ اور اس خبر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سال تک جب خواط ان کے سامنے آتے تو اس قصہ کو یاد کر کے ہنستے۔

حضرت مخدوم نے خواط کا ایک اور واقعہ ایام جاہلیت کا جب وہ اسلام نہیں لائے تھے سنایا۔ فرمایا کہ ایام جاہلیت میں صحرا میں ایک عورت شہد سے بھرا دو مشک بیچ رہی تھی۔ خواط آئے اور کہا کہ مشک کھول کر دکھلاؤ کہ شہد کیسا ہے۔ اس نے کھول کر دکھلایا۔ چکھا۔ پھر کہا کہ دوسرا مشک بھی کھول کر دکھلاؤ۔ اور اس مشک کا منہ خود پکڑے رہے۔ اس عورت نے دوسرا مشک کھول کر ان کو شہد دکھلایا۔ یکایک انہوں نے کہا کہ میرا اونٹ بھاگا جا رہا ہے اس مشک کا منہ بھی سنبھال کر پکڑو تاکہ میں اس کا زانو باندھ دوں۔ پھر آکر خریدتا ہوں اس عورت نے دوسرے ہاتھ سے اس مشک کا منہ بھی پکڑ لیا۔ اس طرح اس کے دونوں ہاتھ پھنس گئے۔ اس وقت عورتیں ازار بند نہیں باندھتی تھیں۔ خواط نے اس کا ازار کھول دیا اور اس کے ساتھ بُرا کام کیا۔ فارغ ہونے کے بعد معذرت چاہی کہ بُرا نہ ماننا۔ اسلام لانے کے بعد جب یہ قصہ رسول اللہ صلعم کو معلوم ہوا تو وہ اکثر مسکرا کر خواط سے پوچھتے یا خواط مافعل جھلک زروا۔ یعنی اے خواط تمہارا بھاگا ہوا اونٹ کدھر گیا۔ تو خواط شرمندہ ہو کر جواب دیتے عقلہ الاسلام یا رسول اللہ۔ یعنی اسلام نے اس کا زانو باندھ دیا۔ اور اسے مقید کر دیا یا رسول اللہ۔ اب وہ نہیں بھاگ سکتا۔

ایک مرتبہ مقداد اسود نے رسول اللہ صلعم کے سامنے جو مسجد میں کئی صحابہ کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ خرما کا خوشہ پیش کیا۔ اور اس کے مالک کو دروازے پر ہی روک رکھا۔ رسول اللہ صلعم نے سمجھا کہ شاید مقداد اسود نے تحفتہ پیش کیا ہو۔ سبھوں نے سیر ہو کر کھایا جب سب کھا چکے تو اس کے مالک کو بلا کر سامنے کھڑا کر دیا کہ اس کی قیمت اس کو دے دیں۔ رسول اللہ صلعم

ہنسے اور فرمایا اس کی قیمت دے دی جائے۔ من احدیٰ مہالک یا مقداد یعنی یہ حرکت تمہارے گناہوں میں سے ایک شمار کی جائے گی اے مقداد! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب انسؓ کی بے وقوفی پر ان کو متنبہ کرتے تو ان کو لمبے لمبے کانوں والا کہہ کر مخاطب کرتے۔

روز شنبہ ۲۸ شعبان ۸۰۲ھ

ایک برہمن سے مکالمہ

چاشت کے وقت ایک برہمن قدمبوسی کے لیے حاضر ہوا اور بولا کہ اڑتالیس[۴۸] سال سے میں کسی ایسے شخص کی تلاش میں سرگرداں ہوں جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا ہو۔ اور تحقیق کر لیا ہو کہ کوئی چیز اس سے باہر نہیں ہے۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ایسا شخص وہ ہے جس نے دل پر دسترس حاصل کر لیا ہو اور دل پر قابو پانے کے لیے مخصوص عمل ہے۔ جس نے دل پر قابو پا لیا اس نے اپنے کو پہچان لیا۔ اور سمجھ لیا کہ کوئی چیز اس سے باہر نہیں ہے۔ برہمن نے کہا ایک بزرگ ہم لوگوں میں تھا جو چالیس روز تک کچھ نہیں کھاتا تھا اور نہ کسی کی صورت دیکھتا تھا کیا وہ بھی کسب دل کرتا تھا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا اگر چالیس روز کیا چالیس سال بھی وہ نہ کھائے یا ہمیشہ کے لیے ترک طعام کرے اور آنکھ بھی ہمیشہ کے لیے بند کرے یہ عمل جوارح میں شمار ہوگا ہم لوگ اس کو نیک کام کہتے ہیں لیکن یہ کسب دل نہیں ہے۔ اس سے دل قابو میں نہیں آتا۔ دل پر قابو پانے کے لیے دوسرا عمل ہے جو ان سب اعمال سے ماسوا ہے۔ پھر تھوڑی دیر اس حقیر کی طرف دیکھ کر فرمایا ان برہمنوں کا منتہاء سلوک یہ ہے کہ گناہ اور عبادت برابر ہو جائے۔ ان کے علماء کہتے ہیں کہ ان کے یہاں تناسخ ہے یعنی جو مر جاتا ہے وہ پھر دوسری شکل میں جنم لیتا ہے لیکن کس کے شکم سے پیدا ہوگا اور کس صورت میں پیدا ہوگا۔ کتا ہوگا۔ بندر ہوگا۔ سانپ ہوگا، بادشاہ ہوگا، فقیر ہوگا یہ کچھ نہیں معلوم۔ اگر اس نے نیک کام کیا ہے تو کسی کے شکم سے بزرگ آدمی کی صورت میں پیدا ہوگا ورنہ آدمی کے علاوہ کسی اور بری صورت میں جنم لے گا۔ ایک ہندو سے میں نے پوچھا کہ تم لوگ گوشت کیوں نہیں کھاتے ہو۔ اس نے کہا کہ میں کسی جانور کا گوشت کھاؤں اور اگر وہ آئندہ جنم میں آدمی کے شکم سے پیدا ہوا تو وہ مجھ سے دشمنی کرے گا اور اس کا بدلہ لے گا لیکن ان کے سالک اور صوفی اس خیال کے ہیں کہ کوئی

جب تک ہے، ہے، اور جب وہ چلا جاتا تو پھر ہمیشہ کے لیے چلا جاتا ہے۔ "آنا جانا" کے کوئی معنی نہیں ہوتے وہ قیامت، روز حشر، پھر دوبارہ پیدا کیے جانے اور اعمال کا حساب کتاب دینے کے بارے میں جیسا ہم مسلمانوں کا عقیدہ ہے بالکل بے خبر اور ناواقف ہیں وہ سرے سے اس کے قائل ہی نہیں ہیں۔ ان کے علما اور سالکوں نے کئی بار مجھ سے شرط باندھ کر بحث اور مناظرہ کیا کہ مباحثہ میں جو قائل کر دے گا دوسرا اس کے مذہب کو قبول کر لے گا۔ اس معاہدہ پر دستخط وغیرہ سب ہو گئے۔ میں نے اپنے فریق سے کہا پہلے تم۔ میں ان لوگوں کی مذہبی کتابوں اور سنسکرت زبان سے اچھی طرح واقف ہوں اور ان کے افسانے اور مذہبی کہانیاں پڑھ چکا ہوں میں نے ان کو بالتفصیل دلائل کے ساتھ بیان کیا۔ ان لوگوں نے اس کو تسلیم کیا کہ ہاں یہ سب صحیح ہے۔ پھر میں نے اپنے مذہب کی باتوں کو بیان کرنا شروع کیا اور ان کے مذہب سے اپنے مذہب کی باتوں کا مقابلہ کرتے ہوئے اسلام کی برتری ثابت کر دی۔ وہ سب حیران رہ گئے اور زار زار رونے لگے۔ اور جیسے اپنے بتوں کے سامنے سجدہ کرتے ہیں میرے سامنے زمین پر گر کر سجدہ کرنے لگے۔ میں نے کہا یہ سب فضول اور واہیات ہے۔ ہم لوگوں کے درمیان شرط تھی کہ جو ہار جائے دوسرے کے مذہب کو قبول کر لے گا۔ وہ ہونا چاہیے۔ ان میں کسی نے یہ کہہ کر راہِ فرار اختیار کی کہ میری بیوی اور بچے ہیں اور سارا کنبہ ہے میں انہیں چھوڑ کر کس طرح ادھر آجاؤں کسی نے کہا بات تو سب صحیح ہے لیکن میرے باپ دادا جس مذہب پر تھے اور جس پر مرے اس کو کس طرح چھوڑ دوں جوان کا تھا وہی میرا بھی رہے گا۔ ان لوگوں کا ایک مخصوص عالم اور مباحثہ کرنے والا سامانہ سے آیا۔ اور اس سے وہی شرط ہوئی جو پہلے والوں سے ہوئی تھی کہ جو ہارے وہ اپنا مذہب چھوڑ کر دوسرے کے مذہب کو قبول کرلے گا۔ معاہدہ پر دستخط وغیرہ ہو گئے۔ میں نے اپنے دلائل اس کے سامنے پیش کیے۔ دیر تک بحث کرنے کے بعد وہ آخر میرے دلائل سے قائل ہو گیا۔ میں نے اس کو تعلیم دی۔ صبح کے وقت میں نے دیکھا کہ وہ دروازہ کے باہر اپنا سر زمین پر رگڑ رہا ہے اندر آکر اس نے کہا کہ جس طرح آپ نے پڑھنے کے لیے کہا تھا میں نے اسی طرح پڑھا اور دل اس طرف لگایا۔ خواب میں میں نے دیکھا کہ میں ایک جھونپڑی میں ہوں جو بہت تنگ و تاریک اور خوف ناک ہے۔ اس میں ہاتھ پیر ہلانے کی بھی گنجائش نہیں۔ میرے چاروں طرف سانپ، بچھو، چھپکلی اور ہزار پایہ پھیلے ہوئے ہیں۔ اپنے ہی سامنے دوسری طرف میں نے بہت کشادہ، روشن، خوب صورت اور آراستہ ایک محل دیکھا جہاں آپ بیٹھے

ہوئے تھے۔ اس کی خوبصورتی کشادگی، لطافت اور پاکیزگی کو دیکھ کر میں نے آپ سے کہا کہ مجھے اپنے پاس بلا لیجیے اور اس تنگ و تاریک خوفناک جگہ سے رہائی دلائیے آپ نے کہا اس جھونپڑی کو توڑ کر میرے پاس آجاؤ۔ میں نے کہا اب کیا کہتے ہو۔ پس و پیش کیوں ہے۔ مسلمان ہو جاؤ۔ اس نے کہا میں پہلے سامانہ جاؤں گا۔ ابھی نئی شادی کی ہے اس کو لاؤں گا تب مسلمان ہوں گا۔ میں نے کہا تم معاہدے سے بھاگ رہے ہو۔ ہرگز مسلمان نہیں ہو گے۔ وہ گیا تو گیا پھر نہ آیا۔

ہندوؤں کی مذہبی داستانیں

پھر حضرت مخدوم نے فرمایا ہندوؤں کے پانچ دیوتا ہیں جو ان کے دین کے بانی مبانی ہیں ان کے نام جو دھشٹر، نکل، بھیم، ارجن اور سہدیو ہیں۔ پھر اسی ماں لیکن دوسرے باپ سے پنتھلی اور سیوراج دو اور ہوئے۔ اور ان میں سے کسی کے باپ کا پتا نہیں کہ کون ہے۔ ان کی ماں کا نام کنتی تھا۔ جب کنتی نے چھٹے بیٹے کو جنم دیا تو وہ بہت شرمندہ ہوئی کہ اس کے جوان لڑکے کیا کہیں گے کہ ان کی ماں ابھی تک اس کام سے باز نہیں آئی ہے۔ کنتی نے چھٹے بیٹے کا نام کرن رکھا تھا۔ شرم سے اس نے اس نئے بچے کو کپڑے میں لپیٹ کر کسی چیز پر رکھ کر دریا میں ڈال دیا۔ پانی کی موجوں نے اس کو راج محل کے کنارے پہنچا دیا۔ راجہ نے دیکھا اس نے ایک آدمی کو دوڑایا کہ دیکھے اس کپڑے میں کیا لپٹا ہے۔ لوگوں نے اٹھا کر لایا تو اس کپڑے میں ایک خوب صورت توانا تندرست بچہ لیٹا ہوا تھا۔ راجہ نے اس کو رکھ لیا اور اپنے بیٹے کی طرح اس کی پرورش کی۔ جب وہ بڑا ہوا۔ کوئی شخص اس سے مقابلہ میں جیت نہیں سکتا تھا۔ لوگوں نے کہا جیسی طاقت اور قوت تجھ میں ہے اس سے پتا چلتا ہے کہ تو اس بادشاہ کا لڑکا نہیں ہے۔ ایک کنکری دو انگلیوں سے پکڑ کر وہ پانی سے بھرے ہوئے تلسنے کے مٹکے پر مارتا تو وہ کنکری ایک طرف سے دوسری طرف نکل جاتی۔ لوگوں نے اس سے کہا تو یقینی کنتی کا بیٹا ہے۔ اور تیرے پانچ بھائی اور ہیں۔ اور وہ ان کی تلاش میں پڑے ہوئے پتہ پر اس شہر میں پہنچا۔ پہلے وہ ایک مندر میں جس کو لوگ مہربنی کہتے تھے آیا اور ایک تاریک جگہ پر بیٹھ گیا کہ جو کوئی یہاں آئے اس سے پوچھے۔ اتفاق سے پہلے اس کی ماں ہی بت کی پوجا کرنے کے لیے آئی۔ اس نے اس کا تہہ بند پکڑ لیا جیسے کوئی اس کو کھولنا چاہتا ہو۔ کنتی اپنا تہہ بند اس کے ہاتھ سے چھڑا کر باہر بھاگی۔ اور بھیم سے جا کر شکایت کی۔ بھیم نے ماں سے تہہ بند لے لیا اور اسے لے کر وہاں پر پہنچا۔ کرن نے پھر تہہ بند پکڑ

لیا۔ بھیم اس سے لپٹ گیا۔ کرن نے بھیم کو اٹھا کر زمین پر پٹک دیا۔ میں تجھے نہیں جانتا تھا اس لیے غفلت ہو گئی اگر دوبارہ تو مجھے زمین پر پٹک دے تو میں تجھے جانوں۔ دونوں پھر آپس میں گتھ گئے اس مرتبہ بھیم نے کرن کو پٹک دیا۔ اور اسی لمحہ اپنا کٹار اس کے سینے میں پیوست کر دیا۔ اس نے فریاد کیا اور کہا یہ تو نے برا کیا۔ میرے بھائی سب جو یہاں ہیں تجھ کو زندہ نہ چھوڑیں گے۔ بھیم نے پوچھا تیرے بھائی کون ہیں۔ کرن نے ان کا نام بتایا بھیم سیدھا ماں کے پاس آیا اور کہا سچ بتا ہم پانچ کے علاوہ تو نے کسی اور لڑکے کو بھی جنم دیا ہے بہت اصرار پر اس نے اقرار کیا۔ کہاں جنم دیا ہے۔ بھیم نے کہا تو نے جنا بھی تو ایسے آفت کو جنا۔ اس کو ٹھکانے لگا کر واپس آیا مگر یہ ان کے یہاں چونکہ بہت بڑا پاپ اور گناہ ہے جس کو یہ لوگ "کو ہیچ" کہتے ہیں۔ اس لیے اس کے دفعیہ کی کوئی صورت نکالنی تھی۔ اس طرح گناہ کرنے کے بعد جب تک وہ خطاکار بارہ روز و شب ننگا بدن بارش میں کھڑا نہ رہے یا بارہ سال تک سفر نہ کرے اس کا گناہ نہیں دھلتا اور وہ کسی مجلس میں نہیں بیٹھ سکتا اس نے ماں سے پوچھا کہ اب وہ کیا کرے۔ اس کی ماں نے کہا اگر تم بارش میں کھڑے رہو گے تو مر جاؤ گے اس لیے بہتر ہے کہ سفر ہی اختیار کرو۔ بھیم سفر پر روانہ ہو گیا اور شہر شہر گھومنے لگا۔ ایک شہر پہنچا۔ اس شہر کے راجہ نے مہمان خانہ بنایا تھا اور اس عمارت میں چار ستون لوہے کے تھے۔ لوہے کا تیر کمان اس پر رکھا ہوا تھا اور چھوہارے کی ایک گٹھلی بال سے بندھی لٹک رہی تھی۔ ارجن آئے یہ دیکھ کر انہوں نے کہا یہ تو میرے ہی لیے بنایا گیا ہے۔ سیدھے ہو کر کمان پکڑا اور تیر کمان میں رکھ کر چھوڑا اور اس گٹھلی کو مار گرایا۔ راجہ کو اس کے آدمیوں نے خبر کی۔ اس نے اپنی لڑکی ارجن کے حوالے کر دی۔ بھیم ماں کے پاس آیا اور بولا کہ ارجن کو بڑی اچھی اور خوب صورت بیوی مل گئی ہے۔ ماں نے حکم دیا کہ جاؤ پانچوں اس میں حصہ دار ہو جاؤ۔ چنانچہ وہ عورت پانچ بھائیوں کے درمیان رہی۔ باری باری سے سب اس کے پاس جاتے۔

صحابہ میں کیا کوئی شخص بزدلی سے منسوب ہوا ہے

عشاء کی نماز کے بعد خاکسار نے پوچھا کہ صحابہ میں کیا کوئی شخص بزدلی سے منسوب ہوا ہے؟ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ تواریخ میں آیا ہے کہ جب دشمنوں کی جماعت نے مدینہ کے چاروں طرف محاصرہ کر لیا تھا۔ ان کا ایک آدمی مدینہ کے اندر آگیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہ اس جگہ تھیں۔

انہوں نے حسّان کو کہا کہ اس کو مار دو۔ حسّان نے بزدلی دکھائی۔ اور اس کو نہ مار سکے۔ حضرت صفیہ نے بام پر سے اپنا نیزہ پھینک کر مارا اور وہ مرگیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُحد کی جنگ میں سعد وقاص سے فرمایا تھا ارم فداک ابی وامی یعنی اے سعد وقاص تیر چلاؤ میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں۔ حسّان بھی ساتھ تھے ان کو حکم دیا تھا اھجھم فان روح القدس معک۔ یعنی اے حسّان! تم دشمنوں کی ہجو بیان کرو۔ جبرئیل تمہارے ساتھ ہیں۔ اور تمہارے مددگار ہیں۔ غرض جو آدمی جس کام کے لائق ہوتا رسول اللہ صلعم اس سے اسی کام کے لیے فرماتے۔

شراب کی حرمت کے بارے میں

حدیث شریف میں آیا ہے کُلُّ مُسْکِرٍ حَرامٌ یعنی تمام نشہ آور چیزیں حرام ہیں۔ اس حدیث کو بیان کر کے حضرت مخدوم نے فرمایا کہ شراب حرام ہونے کی وجہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ اسے پی کر آدمی عقل کھو بیٹھتا ہے اور ہوش وحواس سے گزر جاتا ہے۔ اور جو شے عقل و ہوش کو ختم کر دیتی ہے اس کو حرام ہونا ہی ہے۔ خاکسار نے شراب کی تحریم کا سبب اور اس کا قصہ دریافت کیا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ایک دن حمزہؓ نے شراب پی کر فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اونٹنی کی چربی نکال دی۔ علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلعم سے شکایت کی۔ رسول اللہ صلعم اُٹھ کر حمزہؓ کے پاس گئے۔ وہ بالکل از خود رفتہ ہو رہے تھے۔ اور بہکی بہکی واہیات باتیں کر رہے تھے۔ اس وقت ان سے کچھ نہ بولے اور علیؓ سے فرمایا کہ علی! یاد رکھو کہ فاطمہ کی اونٹنی کا زخم ایک دن حمزہؓ کو بھی کوٹ کر رکھ دے گا۔ جب اُحد کی لڑائی میں حمزہ کی شہادت کے بعد ان کے لاش کی بے حرمتی ہوئی تو رسول اللہ صلعم نے آبدیدہ ہو کر فرمایا کہ تم نے دیکھ لیا علیؓ! فاطمہؓ کی اونٹنی کے زخم نے حمزہؓ پر کیا کیا۔

ایک مرتبہ مہاجرین اور انصار کی جماعت ایک جگہ بیٹھ کر شراب پی رہی تھی وہ سب شراب پی کر ایسے بدمست ہوئے کہ ہر ایک نے دوسرے سے لڑنے کے لیے تلوار کھینچ لی۔ زبردست خونریزی ہوتے ہوتے بچی۔ ان دو حادثات کے بعد تحریم شراب کی یہ آیت بہ حالت نماز نازل ہوئی۔ لاتقربوا الصلوٰۃ وانتم سکارا۔ صحابہ اور دانشوروں نے سوچنا شروع کیا کہ آیا شراب کا حرام ہونا صرف نماز کے وقت کے لیے ہے یا تمام وقت کے لیے۔ اس لیے کہ نماز تو پانچ وقت پڑھنی ہے اور ایک وقت بھی شراب پینے کے بعد پانچوں وقت اس کے

نشہ سے چھٹکارا کب مل سکتا ہے۔ صبح کی نماز کے بعد کوئی اگر شراب پی لے گا تو پھر اس کا اثر ظہر، عصر، مغرب تک رہے گا۔ اس لیے مکمل ہی طور پر شراب کی حرمت کا حکم سمجھنا چاہیے۔ اس کے کچھ دنوں بعد شراب کی تحریم مطلق اور اس کے نجس ہونے کی بابت آیت نازل ہوئی۔

روز یکشنبہ ۲۹ شعبان ۸۰۲ھ

ظہر کی نماز کے بعد مرض کے متعدی ہونے اور فال لینے کے بارے میں بحث ان احادیث

میں موافقت پیدا کرنے کے اوپر چھڑ گئی جو امراض کے متعدی اور لگ چھت ہونے اور پرندوں یا اور کسی چیز سے فال لینے کے سلسلے میں وقتاً فوقتاً وارد ہوئی ہیں۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث شریف میں ہے لا عدویٰ ولا طیرۃ فی الاسلام یعنی کوئی بیماری متعدی اور لگ چھت نہیں ہے یہ ایک کو دوسرے سے نہیں لگتی ہے۔ مذہب اسلام میں ایسا کہیں نہیں آیا ہے۔ اسی طرح پرندوں، چوپایوں یا اور کسی طرح سے فال لینا بھی اسلام میں منع آیا ہے۔ لیکن ہمارے خواجہ نے فرمایا ہے کہ یہ بات قطعی اور کلی نہیں ہے بعض احادیث میں میں نے دیکھا ہے کہ بعض مرض کو متعدی اور لگ چھت مانا گیا ہے۔ اور بعض احادیث میں نہیں بھی مانا گیا ہے۔ "لا عدویٰ فی الاسلام" کے معنی لا یضاف الحکم الی العدویٰ ہیں یعنی متعدی ہو یا نہ ہو سب کام خدا کے حکم سے ہوتا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے انبت اللہ الربیع البقل موسم ربیع پر اُگنے کی سند مجازی ہے۔ کیونکہ حقیقت میں انبت اللہ البقل ہے یعنی اللہ نے موسم ربیع میں یہ خاصیت رکھی ہے کہ اس میں ساگ پات اور سبزیاں اُگیں۔ اس طرح موسم ربیع میں ساگ پات اور سبزیاں اگانے کی خاصیت مجازی ہے۔ پھر ایک دوسری حدیث نبوی ہے فرّ من المجذوم کما تفرّ من الاسد۔ یعنی جذامیوں سے تم اس طرح بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہو۔ یہاں پر بھی مرض جذام کو متعدی ہی ظاہر کیا گیا ہے۔ یا یہ حدیث الشوم فی ثلاثٍ فی المرأۃ والدار والفرس۔ یا یہ حدیث اتانا یالعناک قارح ان سبھوں سے عدویٰ یعنی مرض کا متعدی اور لگ چھت ہونا اور نحوست اور مبارک کا شگون لینا ثابت ہوتا ہے۔ جنت میں داخل ہونے کی اضافت عمل صالح سے اور بیماری سے صحت پانے

کی اضافت داؤں سے بھی یہی مراد لیا جاتا ہے یعنی جنت میں داخل ہونا اور بیماری سے شفا پانا سب اللہ کے فضل و کرم سے ہے ورنہ عمل صالح اور دوائیں محض مجازی اضافت اور سند ہے۔ جیسا کہ میں نے ابھی کہا قولہ علیہ السلام الشراب فی ثلثة انفاسٍ امرا و اشفی و اشھی وابرا ۔ یعنی تین سانس میں پانی پینا زیادہ اچھا صحت بخش اور خوش گوار ہے۔

پھر حضرت مخدوم نے فرمایا کہ میرے پاس شیشہ کا ایک کوزہ تھا تقریباً ایک جرعہ پانی اس میں آتا تھا۔ صوم دوام کے موقعہ پر افطار میں اسی کے پانی سے کرتا اور ایک مرتبہ بھر لینے سے وہ پانی مجھے ایک ہفتہ تک کفایت کرتا۔ زیادہ تر فاقہ میں گرمی کے زمانے میں کرتا تھا اور اس میں میں اپنا سب کام بھی کرتا تھا۔ روزانہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشیؒ اور خواجہ نظام الدین اولیاؒ کی زیارت، ہفتہ میں کئی بار اپنے شیخ کی قدمبوسی، روزانہ تعلیم کے لیے بھی جانا اور اس کے علاوہ دوسری مصروفیات اور مشاغل بھی جاری رہتے تھے۔ اور مجھے بھوک پیاس نہیں لگتی تھی۔

روز دوشنبہ ۳۰ شعبان ۸۰۲ھ

حضرت خواجہ نظام الدینؒ کی داد و دہش اور فتوحات کے بارے میں

چاشت کے وقت حضرت خواجہ نظام الدین قدس سرہ العزیز کے فتوحات اور خاص و عام بندگان الٰہی کے ساتھ بخشش اور شفقت کا ذکر نکل آیا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ خسرو خاں کو جب سلطان تغلق سے تعلق ہوا تو وہ برابر خانقاہ میں شیخ کے لیے ایک لاکھ تنکہ اور پچاس ہزار سید حسین کے لیے تیس ہزار دوسرے خدام کے لیے اور بیس ہزار شیخ زادہ کے ملازمین کے لیے بھیجا کرتا تھا۔ ایک دن خواجہ اقبال کے گھر میں بچہ تولد ہوا تو اس نے حضرت شیخ کے سامنے خانقاہ میں جو سماع منعقد کرایا تھا اس میں پچاس ہزار تنکہ خرچ کیا تھا اور ایک سماع اس نے اپنے گھر میں بھی کرایا تھا اس میں بھی پچاس ہزار تنکہ خرچ ہوا تھا۔ اگر شیخ کسی کو کوئی چیز دینا یا دلانا چاہتے تو فرماتے اقبال اس کو دے دو۔ اقبال اپنا ہاتھ ہتھیلی میں لے جاتے اور اس کی قسمت سے جو دس، پانچ، دو، چار سونے یا چاندی کا تنکہ نکل آتا وہ دے دیتے۔ ایک شخص کی معرفت

حضرت شیخ نے اپنے کسی دوست کو دو سو خرما بھیجنا چاہا۔ خواجہ اقبال کو انہوں نے حکم دیا انہوں نے اس لے جانے والے آدمی کو میوہ کے توشہ خانہ میں بھیج دیا اور کہا کہ جتنا تم لے جا سکتے ہو لے جاؤ دو سو وہاں پہنچا دینا اور باقی تم خود اپنے لیے رکھ لینا۔ وہ توشہ خانہ میں گیا تو اس میں ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک خرما کا انبار لگا ہوا تھا۔ اس میں سے جتنا اٹھا سکا اس نے لے لیا دو سو جہاں لے جانا تھا وہاں پہنچا دیا اور بقیہ اپنے گھر لے گیا۔

حضرت شیخ نظام الدین جب شیخ الاسلام خواجہ قطب الدین بختیار اوشی کی زیارت کے لیے تشریف لے جاتے تو راستہ میں سماج سے نکالی فاحشہ عورتیں خیمہ لگا کر بیٹھی رہتیں۔ آپ ان سے کسی آدمی کو بھیج کر کہلواتے کہ جاؤ سایہ میں بیٹھو۔ اس روز تمام فاحشہ عورتیں سلام کرنے کے لیے راستہ میں کھڑی ہو جاتیں اور حضرت شیخ نے سب کے لیے کچھ نہ کچھ وظیفہ مقرر کر دیا تھا۔ عرس کے موقع پر بھی ان لوگوں کے لیے کھانا اور کچھ رقم بھیج دیتے۔ کسی کے لیے دو خوان کھانا اور دو تنکہ اور کسی کے لیے ایک خوان اور ایک تنکہ بھیجتے۔

خواجہ اقبال کے بزرگوں میں ایک شخص خواجہ الو نامی تھے۔ وہ کہتے تھے کہ ایک دن خواجہ اقبال نے مجھ کو ایک خوان کھانا اور ایک تنکہ چاندی کا دیا کہ فلاں فاحشہ کو جو کہ فلاں مقام پر برہنہ زن ہو کر بیٹھ گئی ہے دے دو۔ میں نے لے جا کر اس کو پہنچا دیا۔ اس نے میرا دامن پکڑ کر روک لیا کہ میرا وظیفہ دو خوان اور دو چاندی کا تنکہ ہے۔ درمیان سے تم نے ایک لے لیا ہے۔ میں نے قسم کھا کر اسے یقین دلایا کہ خواجہ اقبال نے ایک ہی دیا ہے لیکن اس کو یقین ہی نہیں آتا تھا۔ آخر بہت مشکلوں سے میں نے اس سے اپنی جان چھڑائی۔ وہاں سے میں خواجہ اقبال کے پاس آیا اور اس سے سارا قصہ کہہ سنایا۔ میری بات حضرت شیخ نے بھی بالاخانہ سے سن لی۔ انہوں نے وہیں سے آواز دی لالا الو کیا کہہ رہا ہے۔ خواجہ اقبال نے بتایا کہ وہ کہہ رہے ہیں کہ فلاں فاحشہ اپنا وظیفہ دو خوان کھانا اور دو تنکہ نقرئی کہہ رہی ہے۔ اور یہ لے کر گئے تھے تو ان سے کہہ رہی ہے کہ ایک تنکہ اور ایک خوان تم نے درمیان سے مار لیا ہے۔ حضرت شیخ نے فرمایا وہ صحیح کہہ رہی ہے اس کا دو نالہ اور دو تنکہ نقرئی ہی وظیفہ مقرر ہے۔

جمنا کے کنارے کنوئیں سے پانی کیوں لے جاتی ہے

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ایک دن حضرت

شیخ نے دیکھا کہ جمنا کے کنارے ایک کنواں ہے ایک عورت اس سے پانی نکال کر لے جا رہی ہے آپ نے اس سے پوچھا کہ اے عورت! تو جمنا کے کنارے کنوئیں سے پانی نکالنے کی زحمت کیوں اٹھاتی ہے۔ اس عورت نے جواب دیا میں کیا کروں میرا شوہر بہت غریب آدمی ہے ہمارے پاس کھانے کے لیے بہت کم ہوتا ہے۔ اور جمنا کا پانی پینے سے بھوک زیادہ لگتی ہے اس لیے جمنا کا پانی نہیں پیتی ہوں۔ اور کنویں کا پانی لے جاتی ہوں کہ بھوک کم لگے حضرت شیخ نے یہ بات سنی تو ان کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ اور فرمایا۔ لالا ہمارے غیاث پور میں ایک عورت کے گھر میں اتنا افلاس ہو کہ وہ بھوک کم لگنے کے خیال سے جمنا کا پانی نہیں پیے۔ اس سے جلدی پوچھو کہ تیرے گھر میں کتنا خرچ ہے اور کتنے تنکہ میں ضرورت پوری ہو جایا کرے گی۔ اس سے پوچھنے کے بعد آپ نے فرمایا کہ اس عورت سے کہہ دو کہ اتنا وظیفہ ہر ماہ مجھ سے لے لیا کرے اور جمنا کا پانی پیے۔

غیاث پور میں آتشزدگی کے بعد وہاں کے لوگوں کی دل جوئی اور بخشش۔

ایک مرتبہ غیاث پور میں آگ لگ گئی بہت سخت گرمی کے موسم میں حضرت شیخ بالاخانہ کی چھت پر دھوپ میں ننگے پاؤں صرف طاقیہ سر پر رکھے کھڑے رہے اور جب تک آگ بجھ نہ گئی وہاں سے نہیں ہٹے۔ اس کے بعد فوراً خواجہ اقبال کو بلایا اور فرمایا جاؤ آگ لگنے سے جتنے گھر جلے ہیں سب کو شمار کر کے ہر گھر میں دو تنکہ نقرئی اور دو خوان کھانا اور ایک مٹکا ٹھنڈا پانی پہنچا دو۔ فوراً شیخ کا بھیجا مصیبت زدوں کو سب کچھ پہنچ گیا۔ اس زمانہ میں دو تنکہ نقرئی سے بہ اطمینان سارا سامان خانہ داری کا خریدا جا سکتا تھا بلکہ خریداری کے بعد کچھ بچ ہی جاتا تھا۔ اور دو خوان پورے دن تمام گھر والوں کے لیے کافی تھا۔ اور اس گرمی میں ٹھنڈا پانی تو ایک نعمت ہی تھا۔

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ حضرت شیخ فرماتے تھے کہ کبھی کبھی کسی ماہ میرے سرہانے ایک خوبرو اور خوش جمال لڑکا نمودار ہو کر مجھے اس طرح مخاطب کرتا وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین۔ میں شرمندہ سر جھکا لیتا اور کہتا یہ کیا کہتے ہو یہ خطاب حضرت پیغمبر صلعم کے لیے مخصوص ہے۔ یہ بندہ نظام کس شمار میں ہے جو اس کو اس طرح مخاطب کیا جائے۔

دنیا اور اہل دُنیا کی مذمت میں

کچھ دیر کے لیے بات دنیا اور اہل دنیا کی مذمت کے بارے میں نکل آئی حضرت مخدوم نے فرمایا حاتم اصم بہت زیادہ سفر کرتے تھے۔ بغداد میں ایک تاجر تھا وہ مسافروں کو اپنے یہاں مہمان ٹھہراتا اور ان لوگوں کی خاطر تواضع کرتا تھا کبھی کبھی ان کے جماعت خانہ میں بھی جاکر ان کی مزاج پرسی کرتا تھا۔ ایک روز حاتم اصم نے دیکھا کہ وہ تاجر افسردہ اور مغموم گھر سے باہر جارہا ہے۔ حاتم نے پوچھا کہ آپ اتنا مغموم اور پژمردہ کیوں ہیں۔ تاجر نے جواب دیا کہ قاضی محمد مقاتل ایک ممتاز دانش مند، دین دار اور انصاف آدمی ہیں وہ بیمار ہوگئے ہیں ان کی عیادت کو جارہا ہوں۔ حاتم نے کہا کہ جب وہ ایسے دین دار بزرگ ہیں تو مجھے بھی ان کو دیکھنے کے لیے جانا چاہیے۔ چنانچہ وہ بھی تاجر کے ساتھ ہوگئے۔ قاضی صاحب کے مکان کے پھاٹک پر پہنچے تو دیکھا وہ بہت بلند، شان دار پتھر اینٹ اور چونے سے بنایا گیا ہے مکان کے اندر پہنچے تو اس کو دری قالین اور فرنیچر سے سجا ہوا دیکھا۔ ہر طرح کے لوگ وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ آگے بڑھے تو ایک دوسرا دروازہ اور صحن دیکھا وہ بھی بہترین دری اور قالین سے آراستہ تھا۔ بڑے بڑے لوگ قاضی صاحب کے تخت کے چاروں طرف بیٹھے ہوئے تھے اور قاضی صاحب لیٹے ہوئے تھے۔ تاجر آگے بڑھا اور قاضی صاحب کا ہاتھ پکڑ کر اس نے ان کی مزاج پرسی کی۔ قاضی صاحب نے ان کو ایک جگہ بیٹھنے کا اشارہ کیا حاتم نہیں بیٹھے۔ کھڑے رہے۔ قاضی صاحب نے پھر بیٹھنے کے لیے کہا تو حاتم نے کہا میں جناب سے ایک مسئلہ پوچھنا چاہتا ہوں۔ قاضی صاحب نے کہا پوچھو۔ حاتم نے کہا ایک شرعی مسئلہ ہے آپ اٹھ کر بیٹھیں تو پوچھوں۔ قاضی صاحب تکیہ کے سہارے بیٹھ گئے۔ حاتم نے پوچھا: رسول اللہ صلعم سے آپ کو یہی ہدایت ملی ہے کہ آپ اپنا گھر پتھر اینٹ اور چونے سے بہت شان دار تعمیر کرائیں اور گھر کے اندر بہترین فرش، قالین، غالیچہ وغیرہ بچھا کر آراستہ کریں۔ قاضی صاحب نے کہا استغفر اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہ یہ دور تھا اور نہ یہ سب سامان۔ حاتم نے کہا اے علمائے بد سیرت اور بد عمل! تم لوگوں نے فرعون اور قارون کی پیروی کی ہے یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے صحابہ کرام کی۔ تم لوگوں نے دین محمد کا راستہ نہیں اختیار کیا ہے بلکہ تم لوگ دین محمد میں خلل ڈالنے والے ڈاکو ہو۔ عوام، امرا اور سلاطین سمجھتے ہیں کہ تم لوگ علماء ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتے ہوگے، یقینی رسول اللہ صلعم نے بھی اسی طرح زندگی گزاری ہوگی۔ اور اس طرح تم عوام خواص

سبھوں کو گمراہ کرتے ہو۔ اور خود تم سب سے زیادہ گمراہ ہو۔ یہ کہہ کر وہ فوراً واپس چلے گئے اور زفاشی صاحب کا مرض بڑھ گیا صدمہ سے ان کی طبیعت زیادہ خراب ہوگئی۔ یہ قصہ پورے بغداد میں مشہور ہوگیا۔ کسی ایک شخص نے حاتم اصم سے کہا کہ جس طرح کا تم آدمی ڈھونڈ رہے ہو وہ حضرت زفاشی ہیں۔ وہ شہر رے میں رہتے ہیں۔ بغداد سے رے کی مسافت بہت طویل ہے۔ لیکن حاتم نے پھر بھی وہاں کا سفر کیا اور زفاشی کی خانقاہ میں پہنچے۔ زفاشی نے اندر بلوا بھیجا۔ حاتم نے کہا میں ایک شرعی مسئلہ پوچھنے کے لیے آیا ہوں فوراً واپس ہو جاؤں گا۔ اندر آنے کی کیا ضرورت ہے۔ آپ ہی باہر تشریف لے آئیں۔ زفاشی باہر آئے دونوں میں سلام کلام ہوا۔ حاتم نے کہا حضرت میں آپ سے وضو کرنے کا طریقہ سیکھنے کے لیے آیا ہوں ایک لوٹا پانی لایا گیا۔ حاتم نے ہاتھ دھوئے۔ تین مرتبہ کُلّی کی۔ پھر چوتھی مرتبہ کلی کرنا چاہتا تھا کہ زفاشی نے منع کیا کہ یہ مستوں کی عادت ہے۔ حاتم نے کہا یہ کیوں۔ زفاشی نے جواب دیا کہ چونکہ یہ اسراف یعنی بے جا میں داخل ہے۔ حاتم نے کہا اے شیخ! کلی کرنے کو آپ اسراف بتا رہے ہیں اور یہ جو کمخواب، ریشمی فرجینی کپڑوں کے ملبوسات آپ کے جسم پر ہیں اور یہ فرش و فروش، بہترین قالین دری وغیرہ سے جو تمام کمرے سجے ہوئے ہیں یہ اسراف نہیں ہے۔ پانی سے ایک مرتبہ زیادہ کلی کر لینا اسراف میں شامل ہے۔ زفاشی شرمندہ ہو کر اندر چلے گئے۔ اور دروازہ لگا کر بیٹھ گئے۔ اور ایک ماہ یا چالیس روز تک اپنی صورت کسی کو نہ دکھائی پھر تارک الدنیا اور گوشہ نشین ہوگئے۔

دعاؤں کی تاثیر کے بارے میں

اس کے بعد تھوڑی دیر تک دعاؤں اور اس کے اثرات کے بارے میں گفتگو ہوتی رہی حضرت مخدوم نے فرمایا کہ دعا کوئی بھی بے اثر نہیں اس میں شبہ کرنا غلط ہے لیکن پڑھنے والا ہونا چاہیے جو پڑھنے کی تمام شرائط کو پورا کر کے پڑھے امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ عشا کی نماز کے بعد مسجد سے گھر واپس جا رہے تھے ایک ہاتھ کٹا آدمی ان کے سامنے آ کر رونے لگا۔ امیر المومنین علی رضؓ کو اس پر ترس اور رحم آگیا انہوں نے اس کا کٹا ہوا ہاتھ کٹی ہوئی جگہ پر رکھ کر کچھ دعا پڑھی اس کا ہاتھ جیسا تھا ویسا ہی ہوگیا۔ وہ شخص بہت خوش ہوا اور بہت منت سماجت کر کے علی رضؓ سے پوچھنے لگا کہ آپ نے کون سی دُعا پڑھی تھی بتا دیجیے اس کے بہت اصرار کے بعد علی رضؓ نے اسے بتا دیا کہ فاتحہ پڑھا تھا۔ وہ بہت خوش ہوا۔ اور

جی میں کہا کہ جب میں فاتحہ پڑھوں گا میرا ہاتھ ٹھیک ہو جائے گا۔ دوسری مرتبہ اس نے پھر چوری کی۔ گرفتار ہوا اور اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ اس نے کٹے ہوئے ہاتھ کو اپنی جگہ پر رکھ کر فاتحہ پڑھا مگر کوئی اثر نہ ہوا پھر دوسری مرتبہ پڑھا بار بار پڑھا لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔ وہ روتا ہوا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور بولا کہ اے علیؓ میرا ہاتھ پھر لوگوں نے کاٹ دیا۔ میں نے فاتحہ پڑھا لیکن کٹا ہوا ہاتھ ٹھیک نہیں ہوا۔ خدا کے لیے مجھے بتائیے کہ آپ نے فاتحہ کے ساتھ اور کیا پڑھا تھا۔ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا سوائے فاتحہ کے میں نے اور کچھ نہیں پڑھا تھا۔ تو نے پڑھا تو لیکن صحیح طریقہ سے نہیں پڑھا۔ اگر اس مرتبہ تیرا ہاتھ ٹھیک ہو جائے تو کیا تو وعدہ کرتا ہے کہ پھر چوری نہیں کرے گا۔ اور اس سے توبہ کرے گا۔ اس نے کہا ہاں میں توبہ کرتا ہوں۔ علی رضی اللہ عنہ نے پھر فاتحہ پڑھ کر اس کے کٹے ہوئے ہاتھ کو ٹھیک کر دیا۔ دعا کا پڑھنا ثبوت اخلاص کے بعد قبولیت اور ثواب کی امید پر منتبقن ہے لیکن اس کا اثر اس وقت تک ظاہر نہیں ہوتا جب تک تمام شرائط کی بجا آوری کے بعد نہ پڑھا گیا ہو۔

ان امراض کے بارے میں جو خارجی اسباب کی بنا پر ظاہر ہوتے ہیں

ظہر کی نماز کے بعد ان امراض کے بارے میں بات نکل آئی جو بغیر اندرونی مادے کے ظاہر ہوتے ہیں۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ خارجی اسباب کا پھر پتا لگانا چاہیے۔ جیسے کسی پر دل کا آجانا، یا جادو اور سحر کا ہونا۔ ابوعلی فارمدی کی مجالس میں لکھا ہے کہ خواجہ ابو سفیان ثوریؒ کا پیشاب معائنہ کے لیے کسی عیسائی ڈاکٹر کے پاس لے جایا گیا اس نے کہا یہ اس شخص کا پیشاب ہے جس کا دل محبت الٰہی میں جل گیا ہے۔ اور پھر وہ ایمان لے آیا۔ یہ قصہ لکھ کر ابو علی لکھتا ہے کہ انصاف کی اور سچی بات یہ ہے کہ میرے کلام سے ان لوگوں کا پیشاب زیادہ بہتر ہے۔

مشائخ کے لباس کے بارے میں

مشائخ کے لباس پر پھر بات نکل آئی۔ حضرت مخدوم نے فرمایا اب سے پہلے مشائخ اپنی وضع اور لباس میں کوئی امتیاز نہیں برتتے تھے بس عوام ہی کی طرح کا لباس وغیرہ رکھتے تھے لیکن امام اعظم کے ساتھ ایک واقعہ ہونے کے بعد مشائخ نے اپنی وضع اور لباس عوام سے جدا گانہ اختیار کر لیا۔ یہ کہنے کے بعد حضرت مخدوم نے دو قصے بیان کیے۔

خواجہ ابو تراب بخشیؒ کا قصہ

ایک دن خواجہ ابو تراب بخشیؒ کسی طرف سے گزر رہے تھے۔ ایک شخص کی گائے کا بچھڑا گم ہو گیا تھا۔ وہ تلاش کر رہا تھا۔ اس نے ان کو تنہا راستہ میں آتے دیکھا تو پوچھا میری گائے کا بچھڑا تم لے گئے ہو؟ انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا اس لیے کہ صوفیا کی نظر تو تمام حادثات میں خدا پر لگی ہوتی ہے۔ اس شخص نے جب دیکھا کہ یہ کوئی جواب نہیں دے رہے ہیں صرف اس کا منہ دیکھ رہے ہیں تو اسے یقین ہو گیا کہ چور یہی ہے۔ چمڑے کے چابک سے ان کی پیٹھ پر اس نے مارنا شروع کیا۔ شیخ ابو تراب ہنسے جاتے تھے لیکن منہ سے کچھ نہیں بول رہے تھے اس کو اور یقین ہو گیا کہ جب یہ چور نہیں ہے تو پھر اتنا خاموش اور حیرت زدہ کیوں ہے۔ وہ چابک مارتا جا رہا تھا ابھی وہ ستر چابک ان کی پیٹھ پہ مار پایا تھا کہ یکایک اس طرف سے ایک آدمی گزرا اس نے دیکھا کہ خواجہ ابو تراب کے ساتھ یہ زیادتی ہو رہی ہے وہ دوڑتا ہوا نزدیک آیا اور اس آدمی سے بولا کہ اے بدبخت! اے احمق! کیا تو نہیں پہچان رہا ہے کہ یہ خواجہ ابو تراب بخشی ہیں۔ یہ تو کیا کر رہا ہے۔ اس نے شیخ کا نام سنا تو شرمندہ اور نادم ہو کر قدموں پر گر گیا۔ شیخ نے فرمایا تم نے جو کچھ کیا وہ تم نے نہیں کیا اللہ کے حکم سے کیا میں تمہیں قصوروار نہیں سمجھتا ہوں۔ میں تم سے خوش ہوں۔ اُس آدمی نے دست بستہ عرض کیا کہ اگر حضرت ہمارے گھر تشریف لا کر میری دعوت قبول فرمائیں تو میں سمجھوں گا کہ آپ مجھ سے رنجیدہ نہیں ہیں بلکہ خوش ہیں شیخ نے قبول کر لیا۔ وہ اس کے گھر تشریف لے گئے اس نے سفید آٹے کی روٹی اور انڈا ان کے سامنے پیش کیا۔ حضرت خواجہ ابو تراب بخشی کا بارہ تیرہ سال سے سفید آٹے کی روٹی اور انڈا کھانے کا جی چاہ رہا تھا۔ انہوں نے اپنے نفس سے کہا کہ تو نے سفید آٹے کی روٹی اور انڈا کی خواہش اور تمنا کی تو ستر چابک پیٹھ پر کھانے کے بعد تجھ کو ملا۔ اس سے پہلے نہیں ملا۔ پھر سوچ لے آئندہ اگر کسی اور چیز کی آرزو کرے گا تو اسی طرح کی تکلیف اور اذیت تجھ کو اٹھانی پڑے گی تب وہ چیز ملے گی۔

سلطان ابراہیم بن ادھمؒ کا قصہ

دوسرا قصہ حضرت مخدوم نے سلطان ابراہیم بن ادھمؒ کا سنایا۔ کہ ایک مرتبہ وہ کسی قافلہ کے ساتھ ہو گئے۔ وہ قافلہ جب شہر میں پہنچا تو امیر قافلہ نے قافلہ پہنچنے سے کچھ دیر قبل ہی حاکم شہر کو مطلع کر دیا کہ ہم لوگوں کے قافلہ میں سلطان ابراہیم بن ادھمؒ بھی ہیں۔ حاکم شہر نے

ہر طرف لوگوں کو دوڑا دیا کہ جہاں بھی سلطان ابراہیم بن ادھم ملیں ان کو بہت عزت و احترام سے لایا جائے تاکہ ہیں ان کی قدمبوسی حاصل کر سکوں سلطان ابراہیم بن ادھمؒ فقیرانہ لباس پہنے چلے آرہے تھے چہرہ اور سر گردوغبار سے بھرا ہوا تھا، سر اور داڑھی کے بال الجھے ہوئے اور گرد آلو تھے، تلاش کرنے کے لیے جانے والوں میں ایک ترک بچہ بھی تھا اس نے ان کو دیکھ کر ان سے پوچھا کہ تم نے سلطان ابراہیم کو دیکھا ہے وہ کہاں ہیں۔ سلطان ابراہیم نے فرمایا اُس گنہگار خطا کار آدمی کو جان کر کیا کرو گے وہ تو تمام امتیان محمدی میں سب سے ذلیل آدمی ہیں۔ اُس ترک بچہ کو غصہ آگیا اور اس نے چابک نکال کر ان کی پیٹھ پر مارنا شروع کر دیا وہ چابک مارتا جاتا تھا اور بولتا جاتا تھا کہ تمہاری مجال کہ سلطان ابراہیم کی شان میں ایسے گستاخانہ اور بے ہودہ جملے منہ سے نکالو۔ اس نے جی بھر کر مارا کہ اچانک سلطان ابراہیم کو پہچاننے والا ایک شخص ادھر سے گزرا وہ دوڑ کر وہاں پر پہنچا اور اس ترک بچہ کو ڈانٹا کہ ظالم یہ تو کیا کر رہا ہے۔ یہ حضرت سلطان ابراہیم بن ادھمؒ ہیں۔ وہ ترک ندامت سے سر جھکا کر کھڑا ہو گیا۔ اور توبہ استغفار اور معافی مانگنے لگا۔ سلطان ابراہیم نے فرمایا کہ تم نے جو چابک مارا اس سے مجھے فائدہ اور ترقی ہوئی۔ اس لیے جس شخص کی وجہ سے مجھ کو فائدہ اور ترقی ہوئی ہو میں اس سے رنجیدہ کس طرح ہوں گا اور بد دعا کیوں دوں گا۔ یہ قصہ بیان کرنے کے بعد حضرت مخدوم نے فرمایا کہ سبحان اللہ وہ کیا زمانہ تھا۔ خواجہ ابو یزید بسطامیؒ ایک کھال کندھے پر ایک جسم پر ڈالے مونڈھے پر مٹکا لیے روزانہ دریائے دجلہ سے پانی لاتے تھے۔ وہ سلوک کا زمانہ تھا ہم لوگوں کے زمانے میں وہ بات کہاں میسّر۔

حضرت مخدوم بندہ نواز کا اپنا واقعہ

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ایک دن حظیرہ شیر خاں میں میں نے کچھ خریداری کرنا چاہی۔ کئی چیتیل ہاتھ میں لے کر میں نکلا۔ ایک لکڑی بیچنے والے کے گھر پہنچا اور کہا تھوڑی لکڑی دے دو۔ وہ حیران ہو کر میری صورت دیکھنے لگا کہ یہ آدمی اس لکڑی کا کیا کرے گا۔ بہت کوشش کے بعد اس نے لکڑی دی۔ اس کو بغل میں داب کر میں روانہ ہوا پھر ایک نانبائی کے گھر پہنچا اور دو چیتیل اسے دے کر میں نے اس سے شوربا مانگا۔ اس درمیان میں لوگوں کا ہجوم میرے چاروں طرف جمع ہو گیا تھا۔ جیسے میں کوئی تماشا دکھلانے والا ہوں۔ میں آگے آگے اور لوگوں کا ہجوم پیچھے پیچھے۔ میں نے دل میں کہا سبحان اللہ یہ کیا ہوا۔ میرا مقصد بازی گری اور تماشا

دکھانا تو نہیں ہے۔ اس کے بعد سے میں نے پھر کبھی اس طرح کا ارادہ نہ کیا۔

شبینان نامی ایک درویش کا قصہ

اپنا ایک اور واقعہ حضرت مخدوم نے بیان فرمایا کہ ایک مرتبہ جمعہ کے روز میں مسجد میں تھا بارش ہونے لگی۔ میں تقریباً عصر کی نماز کے وقت تک وہیں رکا رہا۔ اور بے وقت وہاں سے نکلا۔ میں نے شبینان نامی ایک درویش کو دیکھا لنگوٹہ باندھے سر پر طاقیہ رکھے اور ایک پرانا باریک سا پیرہن پہنے آفتاب کی سمت بیٹھا ہوا ہے۔ کچھ جوان جو ادھر سے گزر رہے تھے ان کو دیکھ کر ہنستا ہے۔ اس نے مجھ سے کہا کہ یہ لوگ جو گزر رہے ہیں ایسے ہی بلا وجہ کہتے ہیں کہ یہ فقیر کچھ نہیں ہے بہت برا آدمی ہے۔ تم میرے بارے میں کیا سمجھتے ہو۔ تمہارا کیا خیال ہے۔ میں نے کہا بھلا کہاں میں اور کہاں حدیث عشق۔ اور پھر یہ شعر میں نے پڑھا: ؎

بے صبح شبے خواہم کو را غم خود گوئم من گریم داد خندد تنہا من و تنہا او

میری یہ بات اسے بہت پسند آئی۔ اس نے کہا آؤ بیٹھو۔ میں تھوڑی دیر اس کے پاس بیٹھا۔ وہ تمام اسرار الٰہی جن کو قاضی عین القضات اور امام غزالی نے کتابوں میں لکھا ہے اور جس کی بہت شہرت ہے وہ شخص چند جملوں میں کہہ گیا۔

حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کا ایک اور ذاتی واقعہ

حضرت مخدوم نے ایک اور واقعہ بیان کیا کہ اپنی بہن کو لانے کے لیے میں بیانہ گیا ہوا تھا۔ اور وہاں سے واپس ہو رہا تھا۔ سلطان فیروز شکار کھیلنے کے لیے تلپنہ گیا ہوا تھا اس میں ہر طرح کے لوگ شامل تھے۔ میں نے دور سے دیکھا کہ کئی جوان گھوڑے پر سوار ہیں اور وہی شبینان درویش درخت کے نیچے کھڑا ہوا ہے۔ اور وہ سب اس کو چابک سے مار رہے ہیں۔ میں نے قریب جا کر دیکھا۔ پہچانا کہ یہ تو وہی شبینان درویش ہے۔ وہ سب سوار مجھے پہچانتے تھے۔ مجھے دیکھ کر گھوڑے سے اتر گئے اور مجھ سے ملے۔ میں نے ان لوگوں سے پوچھا کہ اس درویش کو کیوں مار رہے ہو ان لوگوں نے کہا کہ حضرت اگر آپ اس کی تمام باتیں سنیں جو وہ بولتا ہے تو آپ اس کا پیٹ پھاڑ دیں۔ میں نے چاہا کہ میں ان سواروں کو کہہ کر ان کو اس ظلم سے باز رکھوں لیکن شبینان نے مجھے ایسی تیز نظروں سے گھورا کہ میں رک گیا۔ اس کی آنکھیں مجھے صاف دھمکی دے رہی تھیں کہ اگر تم نے میری تعریف کی تو پھر تم جانو میں اس کا ذمہ دار نہیں اپنے دل میں میں نے کہا کہ چھوڑو بھی یہ

لوگ جو چاہیں کریں۔ میں آگے بڑھ گیا دُور سے کھڑے ہو کر تھوڑی دیر دیکھتا رہا وہ لوگ اس کو اسی طرح چابک سے مارے جا رہے تھے۔ مجھے ناوقت ہو رہا تھا اس لیے میں گھر کی طرف روانہ ہو گیا پتا نہیں اس کو ان لوگوں نے کتنا مارا اور کب تک مارا۔

پیر کے ملازمین کے متعلقین کے ساتھ رعایت وسلوک

عشاء کی نماز کے بعد پیر کے ملازمین اور متعلقین کے ساتھ رعایت کرنے کی بات نکل گئی حضرت مخدومؒ نے فرمایا وہ ان لوگوں کے ساتھ رعایت میں بڑی سعادت اور فائدے ہیں۔ جس کو یہ دولت حاصل ہو گئی بے شک وہ کامیاب اور بارور ہوا اور اس نے بڑا کارنامہ انجام دیا حضرت شیخ نظام الدینؒ کے یاروں میں ہمارے خواجہ جتنی رعایت اور محبت ان کے متعلقین کے ساتھ کرتے تھے کوئی نہ کرتا تھا اور جو ناز برداری اپنے شیخ کے وابستگان کی وہ کرتے تھے دوسرا کر نہیں سکتا تھا۔ اور یہی وجہ ہے کہ حضرت شیخ نظام الدینؒ کے خلفا اور یاروں میں سوائے ہمارے خواجہ کے اور کسی کا علم ظاہر نہیں ہوا اور نہ کسی سے اتنے بڑے بڑے کارنامے ظاہر ہوئے۔ خلق خدا میں ان ہی کا قول وفعل حجت ہوا۔ پھر حضرت مخدوم نے اپنے خواجہ کی زبان سے سُنا ہوا یہ قصہ بیان کیا۔ کہ دو ایک مرتبہ حضرت خواجہ نظام الدین کا مطرب خاص حسن میمندی ایک لڑکے کے عشق میں مبتلا ہو گیا تھا اودھ میں وہ اپنے محبوب کے ساتھ گھوم رہا تھا اس کے محبوب نے اودھ کے ایک رئیس کو خوب صورت لبادہ میں ملبوس دیکھا۔ اس نے حسن میمندی سے اس لبادہ کی فرمائش کر دی کہ جس طرح ہو وہی لبادہ میرے لیے حاصل کرو۔ حسن میمندی نے دل میں سوچا کہ یہ کام سوائے مولانا محمود اودھی کے اور کسی سے نہیں ہو سکتا وہ سیدھا میرے پاس آیا اور کہا کہ مجھے فلاں شخص کا لبادہ لا کر دیجیے۔ میں حیران رہ گیا کہ اس رئیس کا لبادہ میں کس طرح اس سے مانگ کر اس کو دوں۔ میرے پاس ایک بہت گراں قدر کتاب تھی وہ رئیس برابر مجھ سے وہ کتاب مانگتا تھا اور میں ٹال جاتا تھا۔ میں نے اسی کتاب کو ہاتھ میں لیا اور اس رئیس کے گھر پہنچا۔ اس کے دروازہ پر پہنچ کر خبر کرائی۔ وہ میری آمد کی خبر پا کر بہت حیران ہوا اور جلدی سے باہر آ کر مجھے اندر لے گیا خاطر تواضع کی۔ میں نے وہ کتاب اس کے حوالہ کر دی وہ اور حیران ہوا اور کہا کہ حضرت میں نے اتنی مرتبہ آپ سے یہ کتاب مانگی لیکن آپ نے نہیں دی۔ آج کیا بات ہے کہ آپ خود تشریف لا کر مجھے دے رہے ہیں میں نے کہا کہ تم اپنا وہ لبادہ جسے پہن کر کل باہر گئے تھے مجھے دے دو اور یہ کتاب لے لو۔

اس نے فوراً ہی وہ لبادہ مجھے لا کر دے دیا۔ میں اسے لے کر گھر واپس آگیا۔ حسن میمندی اسی روز آکر مجھ سے وہ لے گیا۔"

حضرت جنیدؒ کے زمانے میں بہت سے مردان کامل تھے

حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ حضرت جنیدؒ کے زمانے میں بہت سے درویش ان کی مانند تھے بلکہ ان سے بھی بڑھ کر لیکن علم میں کوئی ان سے بڑھ کر نہ تھا۔ ایک مرتبہ خواجہ ابو یزیدؒ کو کلمہ سبحان اللہ کا ورد کرنے میں کچھ دیر لگ گئی۔ تہجد ادا کرنے میں ان سے کچھ تکاہلی ہوئی۔ پھر انہیں ہوش آگیا۔ یہ لوگ عجیب ہیں دن رات اپنے کام میں لگے رہتے ہیں اور جو کچھ کرتے ہیں پھر اس کا محاسبہ کرتے ہیں اپنے اپنے کھانے پینے میں بھی بہت سخت محاسبہ سے کام لیتے ہیں۔ ان کو ایک مرتبہ اندازہ ہو گیا کہ انہوں نے ایک پیالہ پانی معمول سے زیادہ پی لیا ہے انہوں نے قسم کھالی کہ چھ ماہ تک اور بعض کتابوں میں ہے کہ ایک سال تک وہ اپنے نفس پر پانی روک دیں گے۔ آخر وہ میعاد ختم ہوئی اور وہ روز آگیا جس میں وہ پانی پی سکتے تھے۔ اس روز وہ بسطام کے قبرستان میں گئے اور سوچنے لگے کہ اللہ نے مجھے توفیق بخشی کہ اتنے دنوں تک اس غلطی کی بنا پر جو مجھ سے سرزد ہوئی تھی میں نے اپنے کو پانی پینے سے باز رکھا۔ اتفاق سے اس وقت ایک کانا اعرابی اونٹ پر سوار ادھر سے گزرا۔ حضرت بایزید بسطامی نے اپنے نور باطن سے سمجھ لیا کہ یہ اعرابی مقربان الٰہی میں سے ہے۔ انہوں نے زمین کی طرف اشارہ کیا اس اونٹ کا پیر بندھ گیا۔ اور وہ کھڑا ہو گیا۔ اس اعرابی نے بایزید کو مخاطب کر کے کہا اے طیفور! تم مجھے اپنی کرامت دکھاتے ہو ایک آنکھ جو میں نے بند کر لی ہے کھول دوں تو تمہارا بسطام تہ و بالا ہو جائے۔ یہ کہہ کر اس نے اپنا اونٹ آگے بڑھا دیا۔ چلتے چلتے یہ کہہ گیا کہ میں تو کچھ کر ہی دیتا لیکن اللہ کا حکم ہوا کہ بایزید کو چھوڑ دو اس نے ابھی اپنے کو پہچانا ہے۔

خواجہ ابو سعید ابو الخیرؒ اور ایک دیوانہ کا قصہ

حضرت مخدوم نے ایک اور واقعہ بیان کیا کہ خواجہ ابو سعید ابو الخیر ایک شہر میں داخل ہوئے اس شہر کے دروازہ پر انہوں نے ایک دیوانہ کو دیکھا۔ اپنے نور باطن سے انہوں نے سمجھ لیا کہ یہ شہر اس دیوانہ کی ولایت میں ہے۔ ان کے سامنے آئے اور کہا کہ

حضرت اگر اجازت ہو تو میں آپ کے شہر میں داخل ہوں۔ دیوانہ نے کہا بابا ابو سعید! تم آسکتے ہو لیکن ایک شرط پر کہ ہمارے معاملات میں خیانت نہ کرو۔ شیخ ابو سعید شہر میں داخل ہو گئے یکایک انہوں نے دیکھا کہ ایک ظالم ایک غریب پر ظلم کر رہا ہے خواجہ ابو سعید نے دل میں خیال کیا کہ اگر وہ ظلم کو رفع دفع کر دیں تو بہت اچھا ہو۔ پھر انہیں خیال آیا کہ میں نے وعدہ کیا تھا کہ خیانت نہ کروں گا اور یہ تو ان کی ولایت میں خیانت کے مترادف ہوا۔ وہ فوراً اس دیوانہ کے پاس آئے اور اس سے معذرت چاہی۔ دیوانہ نے کہا ابو سعید! تم نے ہماری ولایت میں کھلی خیانت کی ہے۔ ابو سعید نے کہا ہاں ہو تو گئی لیکن آپ معاف کر دیں۔ دیوانہ نے کہا تم کو اب زندگی یا ایمان ان دو میں سے کسی کو قربان کرنا ہوگا۔ اب یہ بتاؤ کہ تم کیا پسند کرتے ہو۔ ابو سعید کانپ گئے اور کہا ایمان تو ہرگز نہیں۔ زندگی پر تم جو چاہو ضرب لگاؤ۔ لیکن تین روز کی مہلت مجھے دو۔ اس دیوانہ نے کہا بہت اچھا! تین روز کی مہلت میں نے دی۔ ابو سعید گھر آئے اور تین روز تک مراقبہ میں بیٹھے رہے پھر جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔

روز سہ شنبہ یکم ماہ رمضان المبارک ۸۰۲ھ

اللہ کے لیے لفظ خلیفہ کے استعمال کی وضاحت

ایک مرتبہ حدیث شریف میں مذکور اس دعا کا ذکر آگیا جو رسول اللہ صلعم سفر پر جانے کے وقت پڑھا کرتے تھے۔ اللّٰھم انت الصاحب فی السفر والخلیفۃ فی الاھل والولد۔ یعنی اے اللہ تو سفر میں ہمارا مددگار اور ساتھی ہے۔ اور بیوی بچوں کا خلیفہ ہے۔ تو باقی ہے اور تجھ کو شہود دوام ہے یہاں پر لفظ خلیفہ کا اطلاق درست ہے۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ بعض لوگوں نے مجھ سے پوچھا کہ حضرت شیخ نظام الدینؒ نے اپنے اجازت نامہ میں جو انہوں نے مولانا محی الدین کاشانی کے لیے لکھا تھا شرائط کا ذکر تھا ان فعلت ھذا افانت خلیفتی والاّ فاللہ خلیفتی۔ اس میں خدا کو اپنا خلیفہ کہنا کیا معنی رکھتا ہے۔ یہ لفظ حدیث شریف میں بھی آیا ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ دائم اور باقی ہے اگر میرے بعد خلق اللہ کی خدمت اور ہدایت تم نے ان شرائط کے ساتھ کی جیسا میں نے لکھا ہے تو ٹھیک ہے تم میری جگہ رہے اور میری جگہ پر خلق اللہ کو

دعوت اور ہدایت کرتے رہنا۔ ورنہ یہ بات محقق اور ثابت ہے کہ اللہ باقی اور دائم ہے وہ میرے بعد اپنے بندوں کو دعوت اور ہدایت کرتا رہے گا اور ان کو صراط مستقیم پر چلاتا رہے گا۔

پختہ ارادہ کرنے کے بعد کوئی رکاوٹ حائل نہیں ہوسکتی

ظہر کی نماز کے بعد ایک نئے دوست

اور مرید نے شہر نہروالہ سے خط لکھا کہ میرے ماں باپ مجھے منع کر رہے ہیں ورنہ میں قدم بوسی کے لیے حاضر ہوتا۔ اس خط کو دیکھ کر خاکسار نے حضرت مخدوم سے عرض کیا کہ: ؎

در ہر گامے ہزار بند افزوں ست — زیں گرم روی بند شکن می باید

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ یہ صحیح ہے اس طرح کی تعلیم کسی نے نہیں دی ہے اور میں بھی آج ان کو بلانے کے لیے تیار نہیں ہوں اور نہ ان کے یہاں آنے کا اس حال میں روادار ہوں۔ لیکن اگر کوئی آدمی پختہ ارادہ کر لیتا ہے تو کوئی اس کو کتنا ہی روکے اور اس پہ پابندی لگائے وہ اس کو کر ہی گزرے گا۔ ابتدا میں جب میری والدہ میرے خواجہ سے مرید نہیں ہوئی تھی وہ کسی طرح میرے صوم دوام رکھنے، طے کرنے، اور شب بیداری کرنے کی روادار نہ تھیں۔ یہاں تک کہ میں نے اپنے خواجہ سے اس کی شکایت کی، انہوں نے فرمایا کہ مولانا فخر الدین رازی کی والدہ اپنے لڑکے کی شادی اپنی بھتیجی سے کرنا چاہتی تھیں اور بات بھی پختہ کر دی تھی۔ لیکن جب مولانا مرید ہوئے اور ریاضت و مجاہدہ میں مشغول ہو گئے تو لڑکی والوں کی طرف سے زور دیا جانے لگا کہ یا تو شادی انجام دو یا مجھے اجازت دو کہ میں لڑکی کی بات دوسری جگہ چلاؤں۔ مولانا فخر الدین رازی کی والدہ بہت گھبرائیں انہوں نے بیٹے سے کہا کہ اگر تم نے یہ شادی نہ کی تو میں تم سے ناراض اور رنجیدہ ہوں گی۔ مولانا فخر الدین سخت پریشان ہوئے انہوں نے مجھے حضرت شیخ کی خدمت میں بھیجا کہ ان کو حالات سے باخبر کریں کہ وہ کیا حکم دیتے ہیں اسی نیت سے حضرت شیخ کی خدمت میں گیا لیکن میں حضرت کی گفتگو میں اتنا محو ہوا کہ وہ بات کہنی بالکل بھول گیا۔ جب اٹھنے لگا تو خیال آیا میں نے مفصل طور پہ تمام واقعات حضرت کے گوش گزار کیے۔ اور کہا مولانا فخر الدین آپ کے فرماں بردار ہیں اور جو آپ حکم دیں گے وہ ہی کریں گے حضرت خواجہ نے ایک جانماز دی اور کہا یہ مولانا کی والدہ کے لیے تحفہ ہے۔ میری طرف سے ان کو دو اور سلام کے بعد کہو کہ جس طرح آپ مولانا فخر الدین کی نسبی ماں ہیں اسی طرح میں بھی ان کا دینی باپ ہوں اور جس طرح آپ کی اطاعت ان پہ

فرض ہے اسی طرح میری فرماں برداری بھی ان پر واجب ہے۔ حضرت خواجہ کا مصلاّ جیسے ہی مولانا فخر الدین کی والدہ کو ملا اور ان کا پیغام ان کو پہنچایا گیا وہ زار زار رونے لگیں اور کہا بابا فخر الدین میں اپنے حق سے دست بردار ہوئی تم شیخ کا ہی حکم بجالاؤ۔ یہ قصہ کہنے کے بعد ہمارے خواجہ نے ایک مصلا میرے ہاتھ میں دیا اور کہا کہ یہ اپنی والدہ کو دے دو۔ میں نے حسب الحکم اپنی والدہ کو وہ جانماز لاکر دیا۔ وہ جانماز لیتے ہی رونے لگیں اور کہا میں سمجھ گئی حضرت شیخ نے مصلاّ اس لیے بھیجا ہے کہ میں تم سے دست بردار ہو جاؤں۔ اب میں تمہیں رنجیدہ نہیں کروں گی۔ جو کچھ حضرت شیخ تمہیں کہتے ہیں وہی کرو۔ اس کے باوجود وہ اکثر رکاوٹ ڈالتی تھیں لیکن جب میں مولانا علاؤ الدین، مولانا صدر الدین طبیب اور مولانا جمال الدین مغربی کی صحبت میں رہنے لگا تو وہ میری طرف سے کچھ مطمئن ہوئیں پھر بھی میرے حالات کے تجسس میں وہ اکثر ہی رہتی تھیں اور میری معتقد نہ تھیں۔ بعض مرتبہ کہتیں کہ میں نے ان سے (یعنی میرے والد سے اور میرے والد حضرت نظام الدین اولیاؒ کے مرید تھے) سنا ہے کہ بعض درویش ایسے بھی ہوتے ہیں کہ بھنگ فروش کی دوکان پر جاتے ہیں تاکہ دنیا والے سمجھیں کہ یہ بھنگ کھاتا ہے اور پھر کوئی ان کے پاس نہیں جائے گا اور وہ اطمینان اور سکون قلبی کے ساتھ اللہ کی عبادت میں مشغول رہیں گے۔ درویشی آسان ہے۔ بہت عظیم کام ہے۔ یہ ہر شخص کے بس کی چیز نہیں لیکن جب انہیں میرے مشاغل کا حال معلوم ہوا تو وہ میری معتقد ہو گئیں۔ اور کہا کہ تم میرے بچے ہو میں نے شروع سے اب تک تم کو دیکھا ہے جو کچھ شیخ فرید الدین گنج شکرؒ، شیخ نظام الدین اور شیخ نصیر الدینؒ کے بارے میں سنتی آرہی ہوں وہی تم میں دیکھ رہی ہوں اور پھر وہ مجھ سے بڑی محبت اور قدر کرنے لگیں۔

نبوت کی تصدیق کی سب سے بڑی علامت اہل بیت کا ایمان لانا ہے۔

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ نبوت کی تصدیق کی ایک بہت بڑی علامت اہل بیت کا ایمان لانا اور نبوت کی تصدیق کرنا ہے۔ اس لیے کہ یہ لوگ حالات اور افعال اندرونی و بیرونی سے واقف ہوتے ہیں اگر کوئی خرابی اور غلطی ان میں دیکھیں گے تو وہ یقینی ایمان نہیں لائیں گے۔ ابراہیم علیہ السلام پر سب سے پہلے ایمان لانے والی اور ان کی نبوت کی تصدیق کرنے والی ان کی بیوی حضرت سارہ تھیں۔ اسی طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جس نے سب سے پہلے ایمان لایا وہ ان کی

زوجہ محترمہ ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پچیس سال کے تھے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا چالیس سال کی تھیں جب کہ وہ رسول اللہ کے تمام اندرونی و بیرونی حالات اور معاملات سے واقف رہیں اور اس کے بعد وہ سب سے پہلی ایمان لانے والی تھیں۔ یہی وہ ہستی تھیں جنہوں نے رسول اللہ صلعم کے شبہ کو دُور کیا کہ غار حرا میں پیغام الٰہی لانے والے فرشتہ جبرئیل علیہ السلام تھے، شیطان نہیں تھا۔

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سوائے ام المومنین حضرت خدیجہ کے اور کسی سے اولاد نہیں ہوئی۔ صرف ماریہ قبطیہ سے ایک فرزند پیدا ہوئے تھے جن کا نام ابراہیم تھا۔ اور ان کا رسول اللہ صلعم کی زندگی ہی میں انتقال ہوگیا۔ بعثت کے بعد سب سے پہلی لڑکی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں اور ایک لڑکا عبد مناف بھی ہوا تھا اس کا جلد ہی انتقال ہوگیا۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نو برس کی تھیں جب ان کی شادی رسول اللہ صلعم سے ہوئی تھی۔ اور وہ اٹھارہ برس کی تھیں جب رسول اللہ صلعم کا وصال ہوا۔

تھوڑی دیر گفتگو ہندی گانا، آواز اور بحر وغیرہ پر ہوئی۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ آواز، بحر، غزل وغیرہ بیت کی مناسبت سے ہونا چاہیے اور اسی کو پردہ بھی کہتے ہیں۔ اگر بیت بیزاری، عجز وانکساری سے متعلق ہے تو اسی نسبت سے آواز پیدا اور ادا ہونی چاہیے۔ پھر حضرت مخدوم نے ایک قصہ بیان کیا کہ ایک درویش جو کہ سرود کا بڑا ماہر تھا اکثر میرے پاس آیا کرتا تھا۔ اور حوض سلطان کے راستہ سے ایک کنیز سر پہ سبو لے کر گزرتی تھی۔ وہ خوب صورتی کے ساتھ ناز و کرشمہ سے بھی آراستہ تھی۔ وہ ایسی بانکی اور البیلی رفتار سے چلتی تھی کہ اس سے سرود کی آواز پیدا ہوتی تھی۔ میں نے ایک دن اس درویش سے کہا کہ تمہارا کمال میں اس وقت جانوں کہ اس لڑکی کی رفتار، وضع، ناز و کرشمہ اور بانکپن کو اپنے سرود میں پیش کر دو اس نے اسی وقت اس کو سرود کی آواز میں پیش کر دیا پھر فرمایا کہ ان دو اشعار کی بحر بھی بہت خوب ہے:۔

ماطبل مغاں در دش چہ بے باک زدیم ۔۔۔ عالی علمش بر سر افلاک زدیم
از بہر یکے مغبچہ مے خوار ۔۔۔ صد بار کلاہ توبہ بر خاک زدیم

والد شیخ بابوئے سناری کے گھر میں سناری پر رقص کرتے تھے۔ وہ لوگ آگ کا کھیل

کھیلتے تھے۔ سات سات سیر کوئلہ لہکتا ہوا درمیان میں ڈال دیتے تھے۔ رقص کے درمیان والد کو ذرا ادھر دھیان نہ جاتا تھا اور وہ اکثر ان جلتے کوئلوں کو پامال کر دیتے تھے۔ گھر میں وہ آتے تو ان کے تلوؤں میں سیاہی کا داغ تک نہ ہوتا جیسے وہ دیبا اور حریر پر رقص کر کے آرہے ہوں شیخ بابو سماع کے دوران آنکھ بند کر لیتے تھے۔ یہاں تک کہ ہاتھ پیر اکڑ جاتے جیسے مرگی کے مریض کو ہوتا ہے ناک منہ سے پانی جاری ہو جاتا اسی حالت میں لوگ ان کو باہر لے آتے منہ پر پانی چھڑکتے۔ تھوڑے وقفہ کے بعد پھر وہ سماع میں چلے جاتے پھر تھوڑی دیر بعد ان کی یہی حالت ہو جاتی اور پھر ان کو باہر لایا جاتا لیکن والد میں کوئی تغیر نہ ہوتا۔ شیخ بابو کو اللہ نے کوئی نعمت ضرور ودیعت کی تھی لیکن آخر میں وہ باقی نہیں رہی تھی۔ اور ان سے لے لی گئی تھی۔

حضرت خواجہ نظام الدینؒ کے مُریدوں کی عقیدت مندی

پھر شیخ الاسلام حضرت خواجہ نظام الدینؒ کے دوستوں اور مریدوں کی عقیدت مندی اور خلوص کا ذکر نکل آیا حضرت مخدوم نے فرمایا کہ والد کہتے تھے کہ خواجہ نظام الدینؒ کے مریدوں میں سے ایک شخص شیخ کی دی ہوئی ٹوپی دریائے نربدہ کے کنارے دھو رہا تھا۔ اتفاق سے وہ ڈوب گئی۔ اور میں بھی جو اپنی ٹوپی دھو رہا تھا وہ بھی ڈوب گئی ....

...... میں تو اپنے بیوی بچوں کے خیال سے وہاں سے گھر چلا آیا لیکن وہ اسی جگہ بیٹھ گیا کہ میں تو یہیں مروں گا نہ کچھ کھاؤں گا نہ پیوں گا جب تک کہ شیخ میری وہی ٹوپی مجھ کو نہ دیں گے۔ وہاں بیٹھے بیٹھے اس کو نیند آگئی یکایک اس نے دیکھا کہ شیخ خود تشریف لائے اور انہوں نے وہی ٹوپی اس کے ہاتھ میں دے دی۔ اس کی آنکھ کھل گئی وہ تو غائب تھے لیکن اس کی ٹوپی اس کے ہاتھ میں موجود تھی۔ حاضرین میں سے کسی نے پوچھا یعنی کیا حضرت خواجہ خود تشریف لے آئے تھے؟ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ بزرگان دین مرتے کب ہیں وہ تو صرف ہم لوگوں کی نظر سے چھپ جاتے ہیں۔ اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔

ایک قصہ پھر ایک قصہ بیان کیا کہ مولانا شہاب الدین حضرت خواجہ نظام الدینؒ کے حوالہ سے بیان کرتے تھے کہ ایک بزرگ کا وصال ہوا انہوں نے وصیت کی کہ میرے جنازہ پر سات روز تک سرود و سماع ہو اس کے بعد مجھے دفن کیا جائے۔ چنانچہ لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ ساتویں روز یکایک وہ بزرگ اٹھ کھڑے ہوئے اور رقص

کرنے لگے۔ پھر فوراً ہی اپنے جنازہ میں جاکر لیٹ گئے۔ میں کہتا ہوں کہ تین روز میرے جنازہ پر بھی سرود و سماع ہو اس کے بعد مجھے دفن کیا جائے۔ اور پھر انہوں نے میری طرف مخاطب ہو کر کہا کہ مولانا شہاب الدین یہ کام میں تمہارے سپرد کرتا ہوں۔ معلوم نہیں ہمارے خدام کریں نہ کریں۔ جب حضرت خواجہ نظام الدینؒ کا وصال ہوا تو ان کے جنازہ کی نماز حضرت شیخ رکن الدین نے پڑھائی۔ نماز جنازہ کے بعد میں مطربوں کو لے آیا اور شیخ رکن الدین سے کہا کہ حضرت خواجہ کی یہ وصیت تھی۔ شیخ رکن الدین نے سختی سے ایسا کرنے سے روکا۔ انہوں نے کہا کہ یہ شخص اسی وقت اُٹھ کھڑا ہوگا اور رقص کرنے لگے گا اور دنیا میں فتنہ برپا ہو جائے گا۔ میں نے کہا حضرت خواجہ نے وصیت کی تھی۔ شیخ رکن الدین نے کہا قیامت کے دن میں اس وصیت کا ضامن ہوں گا۔ سلطان محمد نائب اس وقت موجود نہ تھے۔ دفن ہونے کے بعد انہوں نے سُنا تو افسوس کرنے لگے کہ مجھ کو کیوں نہیں خبر کی۔ میں وہ وصیت بجا لاتا اور وصیت کی بجا آوری سے پہلے دفن ہونے نہیں دیتا۔ سلطان محمد نائب حضرت خواجہ کے وصال کے وقت موجود تھا لیکن بندگان خدا کا اتنا ہجوم اور ازدہام تھا کہ کون کہاں ہے کسی کو پتا نہ تھا۔

حضرت ابوسعید ابوالخیرؒ کے زمانے میں ایک تنبورا بجانے والے کا قصہ۔

عصر کی نماز کے بعد قوالوں کے ساتھ بے وفائی کا ذکر نکل آیا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ حضرت ابوسعید ابوالخیر کے زمانے میں ایک تنبورہ بجانے والا قوال تھا جب وہ بوڑھا ہوا تو اس کے گھر والوں نے اسے نکال دیا کہ بھیک مانگ کر اوقات گزاری کر۔ قصبہ مھنہ سے باہر ایک قبرستان تھا وہ تنبورا لے کر اس جگہ چلا گیا۔ اللہ کی طرف دھیان لگا کر اس نے تنبورا بجانا شروع کیا اور عجز و انکساری سے عرض کیا کہ خداوندا! سالہا سال تک تیرے بندوں کے سامنے میں نے تنبورا بجایا ہے۔ آج جب میں بوڑھا ہوگیا ہوں تو کوئی بھی میرا قدر دان نہیں۔ آج تو ہی مجھے خرید لے اور میری قدر کر میں تیرے سامنے تنبورا بجاتا ہوں۔ اور پھر وہ تنبورے پہ یہ رباعی گانے لگا:-

مقبول تو خیر مقبل جاوید نہ شد　　　وز لطف تو ہیچ بندہ نومید نہ شد
عونت بہ کدام ذرہ پیوست دمے　　　کاں ذرہ بہ از ہزار خورشید نہ شد

اسی طرح وہ رات بھر بجاتا رہا۔ صبح ہونے لگی تو تنبورا کو سرہانے رکھ کر سو گیا۔ اور اسی جگہ پڑا رہا۔ دوسرے دن صبح کو ایک آدمی حضرت ابو سعیدؒ کے پاس ہزار اشرفی لایا۔ خواجہ حسن مؤدب نے چاہا کہ اس کو اٹھائے اور خانقاہ کے مصارف میں لائے۔ شیخ ابو سعید نے اسے روک دیا اور فرمایا ابھی چھوڑ دو۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد فرمایا کہ فلاں قبرستان میں ایک تنبورہ بجانے والا تنبورہ سر کے نیچے رکھ کر سویا ہوا ہے۔ وہاں یہ لے کر جاؤ اور اسے دے دو۔ اور کہو کہ اللہ نے تیرا تنبورہ بجانا قبول کر لیا ہے اور تیرے لیے یہ مال بھیجا ہے۔ اور جب کبھی تجھ کو ضرورت ہو اس کے بندے ابو سعیدؒ سے مانگ لے تجھ کو پہنچا دے گا۔

روز چہار شنبہ ۲ ر رمضان المبارک ۸۰۲ھ

عذاب دوزخ کے بارے میں مختلف خیالات

چاشت کے وقت عذاب دوزخ کے سلسلے میں تذکرہ نکل آیا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ بعض صوفیا کہتے ہیں کہ دوزخیوں کو دوزخ میں عذاب نہیں ہوگا اس لیے کہ یہ لوگ ناری یعنی قہر کے چشمہ سے ہیں، اور آگ بھی قہر کے چشمہ سے ہے۔ ناری کو نار میں عذاب نہیں معلوم ہوگا بلکہ راحت معلوم ہوگی جیسا سمندر کیڑا آگ میں آرام محسوس کرتا ہے۔ اور مومن مائی (پانی سے) ہیں یعنی لطف و جمال کے چشمہ سے نکلے ہیں۔ جس طرح مچھلی پانی سے لطف اندوز ہوتی ہے اسی طرح مومن بہشت سے لذت اٹھائیں گے۔ قرآن شریف میں "عذاب" عذوبۃ الماء سے مشتق ہے جس کے معنی شیرینی اور خوشگواری آب کے ہیں۔ بعض صوفیوں نے اسی کو پکڑ لیا ہے اور باقی تمام آسمانی کتابوں، انبیا، اور اولیا کی وضاحت کو پس پشت ڈال دیا ہے یہ سب ان صوفیا کی محض بکواس اور واہیات باتیں ہیں۔ ان کی باتوں کا جواب یہ ہے کہ اگر کافر کا جسم بسیط ہے جیسا کہ سمندر کے کیڑے کا، تو پھر یہ حقیقت کہ انسان کا جسم چار متضاد عناصر آب و آتش خاک و باد سے بنا ہے کہاں گئی؟ یہ چاروں عناصر ایسے ہیں کہ ہر ایک دوسرے کی ضد ہیں پانی آگ کا، مٹی ہوا کا وغیرہ اگر ہوا، خاک اور پانی نار میں لطف اندوز ہوتا ہے تو پھر مجموعہ اضداد آپس میں موافق ہوں گے اور ہر ایک اپنی ضد سے راحت حاصل کریں گے۔ دوزخ کا انحصار ایک ضد کے موافق ایصال

پر ہے۔ خاکسار نے عرض کیا کہ بعض مشائخ جیسے شبلیؒ نے ایک موقع پر کہا تھا۔ املاءھا من الشبلی واعف عن عبیدک لتروح الشبلی بتعذیبات کما یتروح جمیع عبادک با العوافی۔ یعنی خداوندا دوزخ کو شبلی سے بھر دے اور بقیہ بندوں کو معاف کر دے تاکہ شبلی کو دوزخ میں راحت ملے اور تیرے بقیہ بندوں کو دوزخ سے محفوظ رہنے میں عافیت پہنچے۔ اور ابویزیدؒ فرماتے ہیں من ھو النار کیف یحترق یعنی جو سرتاپا آگ ہو چکا ہے وہ کس طرح جلے گا۔ میرے اس سوال کو سُن کر حضرت مخدوم نے فرمایا یہ سب باتیں دوسری دنیا کی ہیں یعنی ہم لوگ عشق کی آگ میں جل چکے ہیں اور ہم لوگوں کو عشق کی آگ میں جلنے کی عادت ہو چکی ہے۔ یہاں تک کہ وہ ہماری غذا بن گئی ہے۔ دوزخ کی آگ محبت کی آگ کی ایک چنگاری ہے اس لیے دوزخ کی آگ ہم لوگوں کو نہیں جلاتی ہے کہ یہ عشق کی آگ ہی سے بنی ہے اور ان عاشقان الٰہی کو دوزخ کی آگ سے آرام ملتا ہے ان کی تو غذا ہی آتش عشق ہے لیکن تمام کفار کے بارے میں یہ بات نہیں صادق آتی۔ قرآن مجید میں کفار کے بارے میں کچھ اور ہی کہا گیا ہے۔ برادرم سید ابن الرسول نے عرض کیا کہ ابلیس لعین تو ناری ہے اس کو عذاب دوزخ میں کس طرح دیا جائے گا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ عذاب عبارت ہے ایصال غیر ملائم اور ناموافق حالات سے۔ اور اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ وہ ایصال غیر ملائم متعین کرے جس سے اذیت اور تکلیف پہنچے۔ پھر حضرت مخدوم نے فرمایا کہ مجلس ابو علی محمد فضل فارمدی میں لکھا ہے کہ کل قیامت کے دن ستر ہزار فرشتوں کو حکم ہو گا کہ آتشیں زنجیر ابلیس کی گردن میں ڈال کر دوزخ میں کھینچ کر لے جائیں۔ ستر ہزار فرشتے حکم کے مطابق آتشیں زنجیر ابلیس کی گردن میں ڈال کر ایک بار دوزخ کی طرف کھینچتے ہیں لیکن ابلیس کو جنبش تک نہیں ہوتی وہ سب عاجز ہو کر بارگاہ الٰہی میں فریاد کرتے ہیں کہ خداوندا! تو بہتر جانتا ہے کہ ہم لوگ ابلیس کو اس کی جگہ سے ہلا نہیں سکتے۔ مزید ستر ہزار فرشتوں سے ہم لوگوں کی مدد کر۔ اللہ کی طرف سے مزید ستر ہزار فرشتوں کی امداد بھیجی جاتی ہے۔ سب مل کر ایک مرتبہ پھر اس کو کھینچنا چاہتے ہیں لیکن کامیاب نہیں ہوتے یہ سب عاجز آکر پھر اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتے ہیں۔ اللہ کی طرف سے مزید ستر ہزار فرشتوں کی مدد بھیجی جاتی ہے یہ سب بھی عاجز آجاتے ہیں آخر فرمان باری ہو گا کہ تم سب درمیان سے ہٹ جاؤ۔ اللہ تعالیٰ بلاواسطہ اس کی پیشانی کے داغ لعنت کو پکڑے گا۔ اس کے بعد دوزخ کی گہرائی سے ایک کتا نکلے گا اور ابلیس کو کھا جائے

گا اور پھر دوزخ میں چلا جائے گا اور اس پر دوزخ میں عذاب شروع ہو جائے گا۔ دوزخ سے اس کی فریاد کی آواز آئے گی کہ خداوندا! تیرا کیا نقصان ہوتا اگر لعنت کا داغ میری پیشانی پر ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیتا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ لعنت کا داغ ہٹانے سے مطالب باطن میں غمازی تفرقہ ہے۔ اس لعین کے لیے دوزخ وہی ہے۔ اور ثابت ہونے کے بعد تفرقہ کا عذاب سب سے زیادہ ہے۔

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ایک دن حضرت بایزید بسطامیؒ نے تمام امتیان محمدی کے لیے عذاب دوزخ سے نجات کی دعا مانگی وہ قبول ہوئی پھر ابلیس کی مغفرت کی دعا کی فرمان باری ہوا وہ آتشی ہے وہ آگ کی تاب لا سکتا ہے تم اپنی فکر کرو کہ خاکی ہو۔

ایک حدیث سے متعلق شیخ جلال الدین تبریزیؒ کی وضاحت

اس حدیث قال فی سوقٍ یباع فیہ لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک و لہ الحمد یحیی و یمیت و ھو حیٌّ لا یموت بیدہ الخیر و ھو علی کل شیءٍ قدیر کتب اللہ لہ الف الف حسنۃٍ ومحی عنہ الف الف سیئۃ ورفع لہ الف الف درجۃٍ وبنیٰ لہ بیتاً فی الجنۃ ۔ سے متعلق حضرت مخدوم نے فرمایا کہ شیخ بہاؤالدین ذکریا اور شیخ جلال الدین تبریزی سفر کے لیے نکلے۔ شیخ بہاؤالدین جس شہر میں جاتے گوشہ گیر ہو کر عبادت و ریاضت میں مشغول ہو جاتے لیکن شیخ جلال الدین تبریزی بازار کا ایک گشت ضرور لگاتے۔ لوگوں نے ان سے پوچھا کہ بازار میں آپ کیا کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا مجھ کو پیغمبر علیہ السلام کا یہ قول یاد ہے کہ جو شخص بازار میں یہ دعا پڑھتا ہے اللہ تعالےٰ اس کے نامہ اعمال میں ہزاروں نیکیاں لکھ دیتا ہے اور نامہ اعمال سے ہزاروں برائیاں مٹا دیتا ہے اور اس کے درجات میں ترقی دیتا ہے اور اس کے لیے بہشت میں ایک محل بنا دیتا ہے۔ میں اسی نیت سے بازار میں جاتا ہوں اور کئی بار کلمہ سبحان اللہ پڑھتا ہوں۔

عجیب و غریب حیوانات کا تذکرہ

کچھ دیر عجیب و غریب حیوانات اور مختلف ممالک کی بابت گفتگو ہوتی رہی۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ مولانا جمال الدین مغربی کہتے تھے کہ سانپ اور مچھلی کے بارے میں جو کچھ کہا جائے مان لینا پڑتا ہے کہ شاید ایسا ہی ہو۔ ایک مچھلی کے دانت کو میں نے ناپا تھا سات گز لانبا تھا۔ تاریخ

یں مذکور ہے کہ ملک حبشہ میں ایک ہاتھی ہوتا ہے جس کی لمبائی دس گز ہوتی ہے۔ اور ایک درخت ہوتا ہے کہ اس کے نیچے تیس ہزار آدمی کھڑے ہو سکتے ہیں اور ایک دوسرا درخت ایسا ہے کہ اس کے اوپر بادشاہ کا محل تعمیر ہے اور اس کے اوپر چار ہزار آدمی کھڑے ہو سکتے ہیں

مشائخ کے ملفوظات کے معتبر اور غیر معتبر ہونے کے بارے میں

عشاء کی نماز کے بعد مشائخ کے ملفوظات کا ذکر نکل آیا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ان ملفوظات میں سے بیشتر صحیح طور پر نہیں لکھے گئے ہیں۔ ہر شخص اپنے مطلب کے مطابق کوئی چیز لکھ دیتا ہے اور اس کو شیخ کے نام سے منسوب کر دیتا ہے۔ ملفوظات شیخ نظام الدینؒ جس کو امیر حسن شاعر نے جمع کیا ہے معتبر ہے۔ اور دوسرے ملفوظات جو ان سے متعلق ملتے ہیں قابل بھروسہ نہیں وہ سب بادھوائی ہیں۔ شیخ فرید الدین گنج شکرؒ کے ملفوظات میں نے اجودھن میں دیکھا جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ مولانا بدر الدین اسحاق نے جمع کیا ہے۔ سراسر افترا ہے۔ وہ ہرگز مولانا بدر الدین اسحاق کا جمع کیا ہوا نہیں ہے۔ پھر حضرت مخدوم نے فرمایا مولانا محمد نامی ایک مرید تھے جن سے ہمارے حضرت خواجہ کبھی کبھی اپنی موجودگی میں بھی امامت کراتے تھے اور ان کو کچھ تعلیم بھی دی تھی۔ انہوں نے ہمارے خواجہ کے ملفوظات جمع کیے۔ جس زمانے میں ہمارے خواجہ ٹھٹھہ گئے ہوئے تھے ان کے مریدوں کے درمیان اس ملفوظات کی بہت شہرت ہوئی اچھی خاصی ضخیم جلد تھی۔ جب حضرت خواجہ ٹھٹھ سے واپس آئے وہ کتاب لوگ ان کے سامنے لے گئے۔ حضرت خواجہ نے اسے دیکھ کر مولانا زین الدین کو بلایا اور کہا کہ ایک نگاڑ لاکر اس کو پانی سے بھرو　اور اس کتاب کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے اس میں ڈال دو۔ اور پانی سے دھو۔ یہ کام اپنے سامنے کرایا۔ ایک مجموعہ ملفوظات کا حمید قلندر نے جمع کیا تھا۔ حضرت خواجہ کے بھانجے مولانا کمال الدین نے اس دو جزء پر مشتمل ملفوظات کو ان کے سامنے پیش کیا۔ حضرت خواجہ نے دیکھ کر فرمایا میں نے کچھ اور کہا تھا اور مولانا حمید الدین نے اس کو کچھ اور طرح سے لکھ دیا۔ اس کو لے لیا اور کنارے ڈال دیا۔ مولانا کمال الدین نے کہا کہ حضرت شیخ نظام الدین کے ملفوظات یادگار کے طور پر موجود ہیں اگر آپ کے بھی ہوں تو کیا مضائقہ ہے۔ حضرت خواجہ نے فرمایا کیا کروں مجھے اس کو صحیح کرنے کی فرصت نہیں ہے۔

پھر حضرت مخدوم نے فرمایا کہ مولانا حمید الدین اور ان کے دوستوں کی جماعت مخصوص

تھی جس میں مولانا آدم، خواجہ لدھو شاہ، مولانا شرف الدین اور چند اور لوگ شامل تھے۔ یہ لوگ حضرت خواجہ کی خدمت میں ایک ساتھ حاضر ہوتے۔ میں کبھی کبھی ان لوگوں کے ساتھ خدمت اقدس میں حاضر نہیں ہوتا۔ اگر یہ لوگ بالاخانہ پر جاتے تو میں رک جاتا اور ان کے واپس آنے کے بعد ہی جاتا۔ کیونکہ میں دیکھتا تھا کہ یہ لوگ کبھی بھی اس طرح کی گفتگو نہیں کرتے جیسے اہل تصوف اور عاشقان الٰہی کرتے ہیں۔ میں مولانا برہان الدین غریب کے دوستوں کے ساتھ رہتا تھا۔ ان لوگوں کی گفتگو زیادہ تر عشق الٰہی اور پیر سے اعتقاد سے متعلق ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ مولانا لدھو شاہ اور مولانا شرف الدین نے ایک جگہ مرصاد میں دیکھا کہ مرید کو حالت ذکر میں قلب کا رابطہ پیر کے ساتھ رکھنا چاہیے لیکن یہ لوگ پیر کے ساتھ ربط قلب کے معنی نہیں جانتے تھے۔ ان لوگوں نے طے کیا کہ قاضی آدم کو بھیج کر حضرت شیخ سے دریافت کرائیں۔ مولانا آدم نے جاکر پوچھا حضرت شیخ نے فرمایا کہ یہ پیر اور مرید کے درمیان ایک سرّ اور راز ہے جب اس مقام پر پہنچو گے تو خود معلوم ہو جائے گا۔

مرید کو خلوت اور جلوت ہر حالت میں پیر سے مستفید ہونا چاہیے

پھر حضرت مخدوم نے فرمایا کہ مرید کو چاہیے کہ پیر کے ساتھ خلوت میں بھی بیٹھے اور جلوت میں بھی۔ اور دونوں حالت میں شیخ سے مستفید ہو۔ ایک دن سید نصیر الدین نے حضرت خواجہ کے سامنے اپنا ایک خواب بیان کیا اور کہا کہ میں نے اپنے ہاتھ میں حقہ دیکھا۔ اور میں اس کا سرپوش کھولے ہوئے ہوں حضرت شیخ الاسلام خواجہ نے تعبیر بیان فرمایا کہ حقہ سے کسی پوشیدہ مقام کی رہبری مراد ہے اور سرپوش کا کھولنا اس بات کی دلیل ہے کہ تجھ کو اس سرّ نہانی سے کچھ نصیب ہوگا۔

کسی چیز کا علم پیر سے زیادہ ہونے پر مرید کی افضلیت ثابت نہیں ہوتی۔

پھر بات اس پر نکل آئی کہ کبھی مرید کو بعض ایسی چیز کا علم ہوتا ہے جو پیر کو نہیں ہوتا لیکن اس سے اس مرید کی فضیلت نہیں ثابت ہوتی۔ جیسا کہ کسی جماعت کا رہبر کہ وہ ایک جماعت کی رہبری کرتا ہے۔ راستہ میں دائیں بائیں بستیاں اور درخت وغیرہ دیکھتا ہے لیکن اس کی طرف توجہ نہیں دیتا لیکن اس کے ساتھ والے جن کی وہ رہبری کر رہا ہے ایک ایک چیز کو بہت توجہ اور غور سے دیکھتے ہیں۔ اس کے طول و عرض، ہئیت اور صفت سے بھی واقف ہو جاتے ہیں اور ان کا نقشہ کھینچ کر رکھ دیتے ہیں۔ لیکن اس سے رہبر کی اہمیت نہیں کم ہوتی رہبر رہبر ہی رہتا ہے۔ اور پس رو پس رو ہی

رہتا ہے۔ اسی پر لوگوں نے کہا ہے کہ ایسا ہو سکتا ہے کہ کسی ولی اللہ کو وہ علم ہو جو نبی کو نہ ہو یا مرید پیر سے بھی بڑھ کر کوئی کارنامہ کر گزرے جیسا کہ جنیدؒ اور سریؒ اور شیخ قطب الدین اور حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے بارے میں کہا جاتا ہے لیکن حقیقت میں ہم لوگ کیا جانیں کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کا کیا مقام ہے اور حضرت شیخ قطب الدین اوشیؒ کا ان کے مقابلہ میں کیا درجہ ہے۔

قطب کی قسمیں

اس سلسلے میں حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ہر ایک شخص اپنے اعتقاد کے مطابق اپنے پیر کو قطب کہتا ہے اور قطب کی کئی قسمیں ہیں۔ قطب ابدال قطب اوتاد، قطب اولیا، اور قطب اقطاب۔ قطب اقطاب کو لوگ بہت کم دیکھ پاتے ہیں اس لیے کہ زیادہ تر وہ پوشیدہ ہی رہتے ہیں۔ پوشیدہ رہنے کا سبب ان کا یہ ہے کہ وہ کم مایہ لوگوں کی شکل میں تن و تنہا رہتے ہیں جیسے کوئی فقیر، بھکاری اور بندر نچانے والا وغیرہ ہو۔ پھر حضرت مخدوم نے فرمایا کہ لوگ کہتے ہیں کہ قطب اقطاب کوہ لبنان میں ایک غار ہے وہاں رہتے ہیں۔ خواجہ ابوالحسن نوری ایک مرتبہ کوہ لبنان گئے تھے۔ وہاں ایک غار میں قطب اقطاب کو پایا تھا۔

روز پنجشنبہ ۳ رمضان المبارک ۸۰۲ھ

ابو علی سینا کی ذہانت

چاشت کے وقت بچوں کی ذہانت اور جدت طبع پر بات نکل آئی۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ جب ابو علی سینا چار سال چار ماہ کے ہوئے تو ان کے والد سینا نے ان کو معلم کے پاس بٹھا دیا۔ پہلے روز مسجد میں معلم کے پاس جو لڑکا آتا ہے اس کو بالعموم معلم اپنے نزدیک بٹھاتے ہیں ان کو بھی بٹھایا گیا۔ مسجد میں چار سو طلبا تھے وہ سب استاد سے پڑھتے رہے۔ ابو علی سینا ان سب کے اسباق کو غور سے سنتے رہے۔ دوسرے روز پھر ان لوگوں نے سبق سنانا شروع کیا ان چار سو میں ایک طالب علم سے سبق میں غلطی ہو گئی ابو علی سینا نے فوراً ٹوک دیا اور صحیح بتا دیا۔ معلم دیکھ کر حیران رہ گئے۔ انہوں نے ابو علی سے پوچھا تو نے یہ سبق کب پڑھا اور کب یاد کیا۔ ابو علی نے کہا گزشتہ روز جب آپ کے پاس بیٹھا ہوا تھا یہ لوگ پڑھ رہے تھے اور میں سن رہا تھا۔ تمام سبق مجھ کو یاد ہو گیا۔ معلم فوراً اُٹھ کر حاکم شہر کے پاس گئے کہ عجیب واقعہ

ہوا ہے۔ حاکم نے تمام بات سُن کر کہا کہ میرے شہر میں کوئی شخص اس لڑکے کو تعلیم نہ دے۔ اس عہد کے حکماء نے بھی یہی فیصلہ کیا ابو علی نے اپنے والد سے کہا کہ حکماء مجھ سے حسد کرتے ہیں حکماء یونان میں سے کسی سے اگر آپ کی دوستی ہو تو مجھے تعلیم کے لیے یونان ہی میں کسی حکیم کے سپرد کر دیجیے۔ سینا نے جب یہ سنا تو ابو علی کو حکماء یونان کے پاس خود لے کر چلا۔ شہر کے نزدیک جب یہ دونوں پہنچے تو سینا تکان سے چور ہو کر ایک درخت کے نیچے تھوڑی دیر کے لیے لیٹ گئے انہیں نیند آگئی ابو علی اس درخت کے نیچے بیٹھے رہے۔ دو حکیم شہر سے باہر نکلے ان میں سے ایک سیمیا کا ماہر تھا اور دوسرا علم کیمیا کا انکی خواہش ہوئی کہ اپنے علم کے بارے میں دونوں بیٹھ کر کچھ باتیں کریں۔ ایک نے کہا کہ یہ دو آدمی یہاں موجود ہیں ہم لوگوں کے علم کے بارے میں سُن لیں گے اور جان جائیں گے۔ دوسرے نے کہا ان سے کیا ڈر۔ ان میں سے ایک سویا ہوا ہے اور دوسرا بچہ ہے، پھر دونوں بیٹھ کر علم سیمیا اور علم کیمیا کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔ ابو علی کو سب کا سب یاد ہو گیا۔ جب ان کے والد بیدار ہوئے تو انہوں نے کہا ابا جان! واپس چلیے۔ ہمارا مقصد حاصل ہو گیا۔ سینا نے کہا لڑکے! تم نے کس سے اپنا مقصد حاصل کر لیا۔ ابو علی نے کہا دو آدمی یہاں علم کیمیا اور سیمیا پر گفتگو کر رہے تھے۔ مجھے ان ہی سے سب کچھ معلوم ہو گیا۔ سینا نے کہا اتنا جلد کس طرح ممکن ہے۔ ابو علی نے کہا اگر آپ کو یقین نہ آتا ہو تو میری آستین پکڑیے۔ سینا نے اس کی آستین پکڑی۔ ابو علی غائب ہو گئے پھر نمودار ہوئے۔ کہا یہ سیمیا ہے۔ سینا نے کہا اور کیمیا کیا ہے۔ ابو علی نے کہا آگے چلیے وہ گھاس تلاش کریں پھر آپ کو کیمیا بھی دکھلا دیں گے۔

پیر بھائیوں کے درمیان آپس میں رعایت و مروّت

اس کے بعد ایک پیر کے مریدوں کے درمیان آپس میں رعایت اور مروت کی بات نکلی حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ایک دن سلطان علاؤ الدین نے ملک کمال الدین گرگ کو جو کہ جالور کا مقطع تھا اور اس کی طرف سے متصرف (کمشنر) کام کرتا تھا کہا کہ میں جالور کے متصرف (کمشنر) کی آنکھیں نکلوا لینا چاہتا ہوں۔ ملک کمال الدین نے عرض کیا کہ بادشاہ کا حکم بجا لایا جائے گا۔ اس نے ایک شخص کو بلایا اور شاہی فرمان، مشتمل بر عتاب اس کے ہاتھ میں دیا جس میں لکھا تھا کہ فلاں شخص کی آنکھ نکال لی جائے۔ وہ آدمی جالور پہنچا تو متصرف اس کی تعظیم کے لیے باہر نکل آیا اس کی خوب خاطر تواضع کی۔ اس آدمی نے چاہا کہ اب شاہی فرمان کی تعمیل کی جائے یکایک اس کی نظر متصرف کے سر پر پڑی جو طاقیہ پہنے ہوئے تھا۔

اور قدیم دہلی والوں کا یہ طریقہ تھا کہ جب تک وہ کسی کے مرید نہ ہوتے طاقیہ ہرگز نہ پہنتے۔ جب اس آدمی نے یہ طاقیہ دیکھا تو تھوڑی دیر کے لیے غور و فکر میں پڑ گیا کہ یہ طاقیہ کس پیر کا عطا کردہ ہے کہیں یہ شخص حضرت خواجہ نظام الدین کا مرید تو نہیں؟ کیونکہ وہ خود حضرت خواجہ کا مرید تھا۔ اس لیے اس نے دل میں خیال کیا کہ جس سر پر حضرت خواجہ کی طاقیہ ہو اس کو زمین پر پچھاڑ کر آنکھیں نکالوں۔ یہ کام تو مجھ سے نہ ہوگا۔ متصرف اس آدمی کو اپنے گھر لایا اور خوب خاطر کی۔ وہ جتنا اس کی خاطر تواضع کرتا وہ زیادہ متفکر اور متامل ہوتا۔ آخر متصرف نے پوچھا کہ آپ فکر مند کیوں ہیں۔ اس نے کہا تمہارے سر پہ طاقیہ کس کا ہے۔ متصرف نے کہا حضرت خواجہ کا عطا کردہ ہے۔ اس آدمی نے عتاب نامہ اپنی جیب سے نکال کر دکھلایا کہ صورت حال یہ ہے وہ بے چارہ متصرف حیران رہ گیا۔ پھر اس نے متصرف سے باہر چلنے کے لیے کہا تاکہ حکم شاہی بجا لایا جائے لیکن یکایک وہ رک گیا اور کہا اگر تمہارے سر پر حضرت خواجہ کا طاقیہ ہے تو میں یہ کام ہرگز نہیں کروں گا۔ متصرف نے کہا رعایت نہ کریں۔ بادشاہ کا جو فرمان ہے بجا لائیں۔ یا مجھے بادشاہ کے دربار میں لے چلیں کیونکہ شاہی حکم ایسا نہیں ہوتا کہ اس میں لمحہ بھر تاخیر کیا جائے ورنہ گھر بار زن و فرزند سب کے تباہ اور خراب ہو جانے کا احتمال ہوتا ہے۔ اس آدمی نے کہا خواہ کچھ بھی ہو جائے لیکن میں ایسا نہیں کروں گا آؤ ہم دونوں حضرت خواجہ کی خدمت میں دہلی چلیں۔ دونوں دہلی روانہ ہو گئے۔ اس درمیان میں سلطان علاؤ الدین کے دماغ میں کیا بات آئی کہ اس نے ملک کمال الدین سے کہا کہ اگر اس متصرف بے چارہ کی آنکھ نہ نکالی گئی ہو تو بہت اچھا ہو۔ وہ بے چارہ بالکل بے قصور ہے آخر اس کو کیوں ایسی سزا دی جائے۔ ملک کمال الدین نے کہا مجھے تو امید نہیں کہ شاہی حکم کی بجا آوری میں اتنی تاخیر ہوئی ہو۔ وہ کام ہو چکا ہوگا۔ اور وہ آدمی آج یا کل واپس آ جائے گا۔ دوسری طرف وہ آدمی اور متصرف حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پوری حالت کہہ سنائی۔ حضرت خواجہ سن کر خوش ہوئے اور دعا فرمائی اور پھر ان کو اپنے کام پر روانہ کر دیا۔ ملک کمال سلطان علاؤ الدین کے دربار سے باہر آ کر اس آدمی کا انتظار کرنے لگے۔ یکایک دیکھا کہ دونوں آ رہے ہیں۔ ملک کمال الدین دوڑتے ہوئے بادشاہ کے پاس گئے اور کہا بادشاہ کی کرامت ظاہر ہوئی۔ وہ آدمی متصرف کو صحیح و سالم ساتھ لیتا آیا ہے۔ بادشاہ نے دونوں کو دربار میں طلب کیا ان لوگوں نے پوری کیفیت بیان کی۔ بادشاہ خوش ہوا اور متصرف کو خلعت سے نوازا۔ اور اپنے منصب پر واپس بھیج دیا۔ اور تنخواہ بھی بڑھا دی۔

اپنے پیر کی تلقین و تعلیم کو مُرید ہرگز معمولی نہیں سمجھے

پیر کی تعلیم اور تلقین کے بارے میں ذکر نکل آیا تو حضرت مخدوم نے فرمایا

کہ مرید کو اپنے پیر کی تعلیم و تلقین کو کبھی معمولی نہیں سمجھنا چاہیے۔ اور نہ اس سے بے توجہی برتنا چاہیے کیونکہ ہوسکتا ہے اس میں کوئی عظیم بات پوشیدہ ہو۔ جس کا مرید کو اندازہ نہ ہو۔ اس سے بہت زیادہ نقصان کا اندیشہ ہے ایک دن حضرت خواجہ نے مراقبہ کی مجھ کو تلقین فرمائی۔ میں کمسن تھا اہمیت کو سمجھ نہیں سکا اور اس طرف کوئی توجہ نہ دی۔ حضرت خواجہ کی قدمبوسی کے بعد گھر واپس آیا یکایک خواجہ محمود بقایا سے جو مولانا برہان الدین غریب کے دوستوں میں سے تھے۔ میری ملاقات ہوگئی انہوں نے مجھ سے کہا خوند مولانا محمود (یعنی حضرت خواجہ محمود نصیر الدین چراغ دہلوی ؒ) نے مجھے بہت عجیب چیز بتائی ہے اور مجھ پر بڑا احسان فرمایا ہے میں نے کہا وہ کیا ہے۔ انہوں نے بتایا تو میں چونکا ہوا۔ اس لیے کہ یہی باتیں حضرت خواجہ نے مجھ سے بھی فرمائی تھیں۔ اور میں نے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دی تھی۔ میں نے فوراً گھر آ کر اسی پر عمل شروع کیا۔ سبحان اللہ کیا بیان کروں۔ اس مراقبہ کی عظمت میں نے کیا دیکھی آج بھی جو کچھ مجھے حاصل ہے وہ سب حضرت خواجہ کے بتائے ہوئے اسی مراقبہ کی بدولت ہے۔

خلافت عباسیہ کی ابتدا کے بارے میں بات نکلی تو حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ابو عبداللہ علی سجاد عبداللہ بن عباس کے فرزند تھے۔ ان کو امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو انہوں نے ان کی کنیت ابوالاملاک رکھی۔ ان کے سات لڑکے تھے۔ لوگوں نے امویوں کے زمانہ خلافت میں ان میں سے ایک کے ہاتھ پر غائبانہ بیعت کر لی۔ ان کے تین لڑکے اسی سلسلے میں مارے گئے۔ ان کے ایک لڑکے کا نام ابراہیم تھا کوفہ میں لوگوں نے ان کے لیے بیعت کیا۔ جب ان کا بیعت ظاہر ہوا تو ان کو پکڑ کر ابوالعباس سفاح اور جعفر دوانقی کے حوالہ ان کے مخالفین نے کر دیا۔ ان کے بھائیوں نے کسی کو ان کے پاس بھیج کر دریافت کرایا کہ اگر کوئی مرجائے تو اس کا میراث کس بھائی کو دیا جائے جو اس کے باپ کے صلب سے ہے اس کو یا جو اس کی ماں کے شکم سے ہے۔ اس کو انہوں نے جواب دیا کہ جو ماں کے بطن سے ہے اس کو دیا جائے۔ چنانچہ لوگوں نے سفاح سے بیعت کر لیا۔ علی سجاد کے پاس ایک باغ تھا جس میں ہزار درخت کھجور کے تھے۔ ہر رات کو ہر درخت کے نیچے وہ دو رکعت نماز ادا کرتے

تھے اسی لیے ان کا نام سجاد پڑ گیا تھا۔ ان کو القا ہوا کہ ان کا ایک غلام جو خاص فراست و صلاحیت اور خاص شکل و صورت کا ہو گا وہی ان کے ملک کو پھر دوبارہ قبضہ کرے گا اور ان کو کامیابی اسی کے ذریعہ حاصل ہو گی۔ حج کے زمانہ میں لوگ کعبہ میں جب جمع ہوئے تو غلام ابومسلم کی صفت کا شہرہ ہوا۔ اس کا مالک شیعہ تھا۔ ابومسلم کے بارے میں مشہور ہے کہ اپنے مالک کے نطفہ سے تھا اور بعض کہتے ہیں کہ اس کے مالک نے اس کی ماں کو حاملہ خریدا تھا۔ علی سجاد نے اس غلام کو اس کے مالک سے خرید لیا۔ علی سجاد نے جب اس کو دیکھا تو فراست اور قیافہ سے معلوم کر لیا کہ یہی وہ آدمی ہے جس سے اس کا مقصد حاصل ہو گا۔ چنانچہ علی سجاد نے اس کو اس کام پر متعین کیا۔ وہ کبھی اپنے اصلی نام اور کبھی فرضی نام سے پوری مملکت میں گشت کر کے ابراہیم کے لیے خفیہ بیعت لینے لگا۔ جب ابراہیم کے لیے بیعت لیا جانا ظاہر ہوا تو امویوں نے اس کو قتل کر دیا۔ ابومسلم نے جب یہ سنا تو اس نے سفاح کے لیے بیعت لینا شروع کیا جو ابراہیم مقتول کا ماں جائی بھائی تھا۔ ابراہیم کے ساتھ جو حادثہ ہوا اس کے بعد ابومسلم نے غم میں سیاہ کپڑا پہن لیا۔ مروانیوں نے چاہا کہ جن لوگوں نے ابراہیم کے لیے بیعت کیا ہے سب کو گرفتار کر کے مار ڈالا جائے۔ ابومسلم نے بغاوت کا جھنڈا کھلم کھلا بلند کیا اور شہر شہر گاؤں گاؤں کے لوگ اس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے۔ حالات قابو سے باہر ہو گئے۔ تمام اموی مارے گئے خلافت سفاح کے قبضہ میں آگئی۔ اور پھر عباسیوں ہی کے خاندان میں رہی۔ سفاح کا نام سفاح (خون بہانے والا) اس لیے رکھا گیا کہ اس نے خاندان بنو امیہ کا بہت زیادہ خون بہایا۔ اور ان کا قتل عام کیا۔ کہا جاتا ہے کہ بارہ ہزار اموی صرف اس کی تلوار سے قتل ہوئے خلافت عباسی کا سرکاری لباس اسی روز سے سیاہ ہو گیا۔ ان لوگوں نے مصیبت کے اظہار کے لیے علامت کے طور پر سیاہ رنگ اختیار کیا تھا لیکن وہی ان لوگوں کے لیے مبارک ثابت ہوا۔

جادو اور سحر کا اثر ایک حقیقت ہے

ظہر کی نماز کے بعد جادو اور سحر کے اثر کا تذکرہ چھڑ گیا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا رسول اللہ صلعم نے ایک موقع پر السحر حقٌّ یعنی سحر اور اس کا اثر ایک حقیقت ہے فرمایا ہے۔ جب میں پرانی دہلی میں دروازۂ بدایوں کے نزدیک مقیم تھا خود مجھ پر بھی سحر کیا گیا تھا۔ میں نے دیکھا ایک سیاہ بچے کا نقش میری دیوار پر کھینچا ہوا تھا۔ اس کے بعد میری طبیعت بہت خراب

ہو گئی۔ بے قراری اور بے چینی بہت بڑھ گئی۔ اس کے بعد اس کی وجہ سے میں نڈھال ہو گیا۔ ایک بار جب میں خطیرہ شیر خاں میں تھا وہاں بھی مجھ پر جادو کیا گیا تھا۔ حضرت خواجہ نظام الدینؒ کے اوپر بھی سحر ہوا تھا۔ اس کی وجہ سے حضرت خواجہ کا کھانا پینا اور سونا سب ختم ہو گیا تھا اور وہ بہت بیمار اور مضمحل ہو گئے تھے۔ اتفاق سے ایک شخص جو اس علم کا واقف کار تھا آ نکلا۔ اس نے حضرت خواجہ کو دیکھتے ہی پہچان لیا کہ ان پر سحر کیا گیا ہے۔ باہر نکل کر اس نے خواجہ اقبال سے کہا کہ کہتے ہوئے مجھے جھجک ہو رہی ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ حضرت خواجہ پر سحر کیا گیا ہے۔ خواجہ اقبال نے کہا کہ اگر کسی نے کیا ہے تو تم اس کی کاٹ کر دو۔ اس نے خانقاہ کے چاروں طرف گشت لگایا۔ زمین کو سونگھا پھر کہا کہ اس جگہ زمین کو کھودو۔ لوگوں نے کھودا۔ زمین کے اندر سے کوٹلہ سے سیاہ رنگا ہوا پتلا برآمد ہوا۔ اس پتلے کے کان، ناک، آنکھ ہاتھ، پہلو، پاؤں اور تمام جوڑوں میں سوئیاں چبھی ہوئی تھیں۔ اس کے بعد حضرت خواجہ کو جمنا کے کنارے لے گئے۔ اور اس جگہ حضرت خواجہ کے سر کو دھویا گیا۔ وہ کچھ پڑھتا جاتا تھا اور اس پتلے کے جسم کان، ناک، آنکھ ہاتھ وغیرہ سے سوئی نکالتا جاتا تھا۔ اس کے بعد حضرت خواجہ کی طبیعت بالکل صحیح ہو گئی۔ اس آدمی نے کہا اگر حکم ہو تو اس کو بھی میں حضور کے سامنے حاضر کر دوں جس نے یہ حرکت کی ہے۔ حضرت خواجہ نے فرمایا نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کو خدا پر چھوڑو۔

اسی طرح حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ پر بھی سحر کیا گیا تھا جس سے ان کی نیند اور کھانا پینا سب ختم ہو گیا تھا۔ تمام جوڑوں میں درد اور حد درجہ بے قراری اور بے چینی تھی۔ یہاں تک کہ ایک روز حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ نے اپنے دوستوں اور مریدوں سے کہا کہ میرے مرض کا پتا چلائیں کہ آخر اتنی تکلیف اور بے چینی کیوں ہے۔ تمام لوگ حکم کے مطابق مرض کا پتا چلانے اور صحت کی تدبیر کرنے میں مشغول ہو گئے۔ شیخ مولانا بدر الدین سلیمان کے صاحبزادے خبر لائے کہ ایک شخص بتا رہا تھا کہ شہاب جادوگر کے لڑکے نے سحر کیا ہے۔ میں نے پوچھا کہ کیا تدبیر کی جائے۔ اس آدمی نے کہا کہ ایک شخص خطیرہ شہاب میں جا کر رات گزارے اور شہاب جادوگر کی قبر پر جا کر یہ کہے یا ایہا المقبور المبتلی ان ابنک سحر وقل له کیف شرارت عناداً لا یعیب میہ ما اصاب (یعنی اے صاحب قبر تیرے بیٹے نے جادو کیا ہے اس کو کہہ دے کہ مجھ سے شرارت کیوں کرتا ہے پھر اس کو بدلہ ملے گا تو وہ جانے) وہ

خطیرہ شہر سے باہر ویرانے میں بہت خوف ناک جگہ پر تھا۔ حضرت خواجہ نظام الدینؒ وہاں جانے کے لیے تیار ہو گئے اور انہوں نے رات وہیں گزاری۔ اور شہاب جادوگر کی قبر پر ڈنڈا مار کر مذکورہ بالا جملے کہے۔ یکایک ایک شخص غیب سے نمودار ہوا۔ شہاب جادوگر کی قبر کا چبوترہ سب پختہ تھا صرف ایک جگہ زمین پختہ کی ہوئی نہیں تھی اس نمودار ہونے والے آدمی نے اشارہ سے بتایا کہ اس جگہ کھودو۔ حضرت خواجہ نے اسی بانس کے ڈنڈے سے اس جگہ کو کھودا اس میں سے آواز نکلنے لگی۔ تقریباً ایک گز کھودا ہوگا کہ اس میں سے ایک پتلا نکلا۔ حضرت شیخ فریدالدین گنج شکر کو ایک جگہ فریدوال کے مقام پر لے جا کر کھڑا کیا اور غسل دیا گیا پھر اس پتلا کے جس جس جگہ سے چبھی ہوئی سوئی نکالی گئی حضرت شیخ کے ان جگہوں پر آرام اور سکون ملتا گیا۔ اسی طرح سحر حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی کیا گیا تھا۔ لیکن وہ معجزہ سے دُور ہوا۔

کتابوں کی مقبولیت کے بارے میں

اس کے بعد کتابوں کی مقبولیت پر بات نکل آئی۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ہر علم اور فن پر بے شمار کتابیں ہیں لیکن قبولیت صرف چند ہی کو حاصل ہوتی ہے احادیث میں مشارق الانوار کو قبولیت حاصل ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں جتنی احادیث ہیں سب صحیح ہیں۔ اور اگر کہیں احادیث میں تصرف بھی کیا گیا ہے تو انشاءاللہ مقبول پیغمبر ہوگی۔ فوائد میں لکھا ہے کہ شیخ الاسلام فرماتے تھے کہ اس میں تصرفات صحیح نہیں ہیں۔

لوگوں کی مقبولیت اور غیر مقبولیت کے بارے میں

عشاء کی نماز کے بعد لوگوں کی مقبولیت کا تذکرہ نکل آیا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا لاعبرۃ بقبول الخلق فانھم یقبلون بلاشیٔ ویردون بلاشیٔ۔ یعنی لوگوں کی مقبولیت کا کوئی اعتبار نہیں ہے اس لیے کہ بلاوجہ لوگ قبول بھی کر لیتے ہیں اور بلاوجہ رد بھی کر دیتے ہیں عوام کا کسی کو قبولیت بخشنا کلی علامت نہیں ہے یعنی کوئی ضروری نہیں ہے کہ تمام جزئیات اسی کلیہ کے موافق ہوں۔ دیکھا جاتا ہے کہ نہ مقبول رد ہونے سے بے خوف ہے۔ اور نہ مردود قبولیت سے ناامید ہے چار بادشاہ گزرے ہیں جنہوں نے پوری دنیا کو فتح کر لیا تھا۔ اس میں دو مسلم سلیمان نبی اللہ علیہ السلام اور اسکندر تھے۔ گرچہ اسکندر کی نبوت میں اختلاف ہے لیکن اس کے ولی اللہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ اور دو کافر نمرود اور بخت نصر

تھے۔ ابراہیم علیہ السلام ابتدا میں جب انہوں نے نمرود کی مخالفت کی تھی ہر شخص انہیں بری نظر سے دیکھ رہا تھا اور وہ غیر مقبول تھے لیکن آخر میں وہ مقبول اور نبی اللہ ہوئے اور نمرود راندۂ درگاہ اور غیر مقبول ہوا۔ پھر فرمایا کہ نوح علیہ السلام پر سات افراد کے علاوہ کسی نے ایمان نہیں لایا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ جس پیغمبر کا ایک سے سے زیادہ کوئی پیرو نہ ہو وہ قیامت کے دن پیغمبر کی حیثیت سے نہیں ظاہر ہوگا۔ اس لیے کہ کوئی صادق ایسا نہیں ہے کہ وہ کسی کام میں قدم رکھے اور اس کا کوئی پیرو اور متبع نہ ہو۔ قوت القلوب میں عجیب بات لکھی ہے کہ ایسا پیغمبر بھی قیامت کے روز ظاہر ہوگا جس کا کوئی پیرو نہیں ہوگا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ بعض پیغمبروں کے نائبین ایسے بھی گذرے ہیں جو خود نبی تھے جیسے شمعون کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کے پیرو تھے۔ اور ان کو لوگوں میں تبلیغ و دعوت کے لیے بھیجا گیا لیکن کسی کے ایمان لانے سے پہلے وہ مارے گئے۔ شمعون اور کچھ اور ان کے نائبین تھے جو خود بھی نبی تھے عیسیٰ علیہ السلام نے ان کو مریم علیہا السلام کے پاس چھوڑ دیا تھا۔ شمعون کو مریم علیہا السلام نے انطاکیہ کی طرف بھیجا وہ وہیں مارے گئے اور ان پر کوئی ایمان نہیں لایا۔ دوسرے نائبین کو دوسرے مقامات پر بھیجا وہ سب بھی لاحاصل مارے گئے۔ آخر مریم علیہا السلام خود روانہ ہوئیں مخالفین نے ان کے آنے کی خبر سنی تو ان کا پیچھا کیا۔ نزدیک پہنچ کر جب ان کو پکڑنا چاہا تو ......

....

...... مریم علیہا السلام ان لوگوں کے سامنے سے غائب ہوگئیں۔ جیساکہ عیسیٰ علیہ السلام غائب ہوئے تھے وہاں کا حاکم اس جگہ پر آیا، اور وہاں پر کئی گز زمین کو کھودوایا کوئی نشان نہ ملا تو اس نے پوچھا کہ آخر یہ لوگ کس طرح کی جماعت اور قوم سے تعلق رکھتے ہیں کیا پیغام دیتے ہیں اور ان کا عمل کیا ہے۔ لوگوں نے بتایا کہ وہ سب اس طرح کے لوگ ہیں ان کا یہ قول اور یہ عمل ہے اور وہ سب صاف ستھری زندگی گزارنے والے لوگ ہیں۔ پھر وہ اسی جگہ عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آیا۔

بلعم باعور کا واقعہ

پھر حضرت مخدوم نے فرمایا کہ اس سے بھی عجیب واقعہ عرائس میں لکھا ہوا ملتا ہے۔ قیل کان بلعم باعور نبیًا۔ انبیاء معاصی سے معصوم ہیں۔ ان کے ایمان سے برگشتہ ہونے اور مرتد ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ لیکن اس میں ایک واقعہ بلعم بن باعور کے مرتد ہونے کا ملتا ہے۔ مذکور ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اس شہر کے

قریب پہنچے جہاں بلعم باعور رہتے تھے۔ وہاں کے رہنے والے بلعم باعور کے گرد جمع ہو گئے کہ موسیٰ علیہ السلام کے حق میں بد دعا کریں۔ بلعم باعور نے کہا کہ وہ اللہ کے نبی ہیں میری بد دعا ان پر کارگر نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ مال و زر اور عورت پر فریفتہ ہو کر ایمان سے غفلت نہ برتیں۔ لیکن اس کے باوجود بلعم باعور کی بیوی ان کے سر ہو گئیں کہ ہر حال میں آپ کو موسیٰ علیہ السلام کے حق میں بد دعا کرنا ہو گا آخر وہ گدھے پر سوار ہو کر موسیٰ علیہ السلام کے حق میں بد دعا کرنے کے لیے ایک پہاڑ کی طرف روانہ ہوئے جو ان کی عبادت گاہ سے قریب ہی تھا۔ راستہ میں گدھا بیٹھ گیا اور کہا کہ موسیٰ علیہ السلام اللہ کے نبی ہیں ان کے حق میں بد دعا کرانے کے لیے آپ کو اپنی پیٹھ پر ہرگز نہیں لے جاؤں گا۔ بلعم باعور حیران ہو کر واپس ہو گئے۔ گھر پہنچے تو پھر لوگوں نے ان کو دق کرنا شروع کیا۔ تب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ اگر تم لوگ بہت مصر ہو کہ موسیٰ علیہ السلام کے حق میں بد دعا کی جائے تو پھر یہ کرو کہ بہت سی جوان خوب صورت عورتوں کو ان کے لشکر میں بھیج دو۔ اگر ان کی فوج میں کوئی نفس سے بے قابو ہو کر فسق کر بیٹھے گا تو پھر میری بد دعا کارگر ہو گی۔ ان لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ لشکریوں میں سے کچھ بدکاری کر گزرے اور اس کے نتیجہ میں بلعم باعور کی بد دعا قبول ہو گئی اور تیس سال تک موسیٰ علیہ السلام جنگل میں مارے مارے پھرے۔ پھر وہ اسی جگہ آ گئے کہا جاتا ہے کہ بلعم باعورہ ایک مستجاب الدعوۃ زاہد تھے۔ وہ اسم اعظم بھی رکھتے تھے لیکن جب موسیٰ اور ہارون علیہ السلام پھر وہاں واپس ہوئے تو ان کی بد دعا سے بلعم باعورہ کا ایمان سلب ہو گیا۔ اور انہوں نے اپنی بیوی کو بد دعا دی جو مادہ کتی ہو گئی۔ موسیٰ علیہ السلام کے بعد یوشع بن نون پیغمبر ہوئے۔ موسیٰ علیہ السلام کے جانشین ہونے کے بعد ان کو حکم ہوا کہ اُدرنجا میں جا کر عادیوں سے جنگ کریں۔ چنانچہ یوشع بن نون نے اس شہر کو فتح کر لیا۔

روز جمعہ ۱۴ رمضان المبارک ۸۰۲ھ

جاہل کی عبادت بھی رائیگاں جاتی ہے

جمعہ کی نماز کے بعد حضرت مخدوم نے فرمایا کہ من تزھد بغیر علم جن فی اخر عمرہ او مات کافرا۔ یعنی جو آدمی بغیر علم کے عبادت ریاضت اور مجاہدہ کرے گا وہ

آخری عمر میں پاگل ہو جائے گا یا کافر ہو کر مرے گا۔ اس علم سے مراد اللہ کا علم اور صوفیوں کا علم ہے اس لیے کہ میں نے دیکھا ہے کہ جو دانش مند صرف علم ظاہری رکھنے کے بعد زہد و عبادت کرتا ہے وہ وسوسہ کا شکار ہو جاتا ہے یا اس کی نیت میں اتنا مبالغہ ہو جاتا ہے کہ معمولی باتیں گزرنے پر اس کے نزدیک فرض بن جاتی ہیں۔ بعض لوگ وضو کرنے میں ایسی غلطی کرتے ہیں کہ ان کو طہارت نہیں ہوتی۔ اور اس طرح مستقلاً نماز پر نماز ان کی فوت ہوتی جاتی ہے۔ اور وہ بہ حالت ناپاکی رہتے ہیں۔ اس میں ذرا شبہ نہیں ہے۔ میں نے اتنے زیادہ دانش مند ان صالح کو اس بلا میں گرفتار پایا ہے کہ ان کا صحیح اندازہ نہیں کیا جا سکتا اور نہ ان کا بیان کرنا ہی آسان ہے۔ اور بہت کم لوگ ہوں گے جن کو اس طرح کے حالات معائنہ کرنے کا موقع نہ ملا ہو۔ اس لیے علم سے مراد اللہ سے متعلق علم اور علم تصوف لیا گیا ہے کیونکہ ان دونوں علوم سے وسوسوں کا خطرہ نہیں رہتا۔

علم کیمیا پر ایک جوگی سے مکالمہ

اس کے بعد علم کیمیا کا ذکر نکل آیا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ استفتاح کا دن تھا۔ تجدید بیعت اور ملاقات کے لیے لوگوں کا بڑا ہجوم تھا۔ اسی وقت تقریباً تیس سال کی عمر کا جوگی آکر میرے پاس بیٹھ گیا اور کہا کہ میں دور سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں کچھ ضروری باتیں آپ سے کرنی چاہتا ہوں اگر تخلیہ ہو جائے تو عرض کروں۔ مولانا خضر خادم کو میں نے ہدایت کی کہ جن لوگوں نے تجدید بیعت کر لیا ہے اور دو رکعت نماز پڑھنے کے لیے باہر گئے ہیں جب وہ پڑھ لیں تو ان کو لے آؤ اور باقی لوگوں کو تھوڑی دیر کے لیے اندر آنے سے روک دو۔ مولانا خضر ان لوگوں کو لے آئے ان لوگوں سے میں نے ضروری بات کی اور معذرت کر لی کہ اس وقت دوسرے کام میں تھوڑی دیر کے لیے مشغول ہوں۔ جب تخلیہ ہو گیا تو اس جوگی نے کہنا شروع کیا کہ میں بہت دور سے آپ کے پاس اس لیے آیا ہوں کہ میرے گرو یعنی پیر نے مجھ کو کچھ چیزیں دی ہیں اور کہا ہے کہ جو "مرد" ہو اس کو دینا۔ میں نے پوچھا "مرد" سے تمہاری مراد کیا ہے۔ اس نے کہا جو کسی چیز سے لطف نہ اٹھائے۔ اور یہ بات میں آپ میں پاتا ہوں اس لیے میں چاہتا ہوں کہ میں اپنے گرو کا حکم بجا لاؤں اور جو کچھ میرے پاس ہے آپ کے حوالے کروں۔ میں نے کہا بتاؤ بھی تو وہ کیا ہے۔ اس نے کہا رسائن یعنی کیمیا۔ اور یہ ممکن نہیں ہے کہ میں اس وقت آپ کے سامنے سب سامان مہیا کروں اور

تیار کروں اس لیے ہماری تھیلی ہیں جو موجود ہے وہ حکم ہو تو آپ کی خدمت میں پیش کروں ۔میرے سامنے کچھ سکے نیم تنکہ آنکہ وغیرہ پڑے ہوئے تھے میں نے کہا میرے لیے یہی کیمیا ہے مجھے اور کسی چیز کی حاجت نہیں ہے ۔اس نے کہا میں جانتا ہوں آپ کے لیے یہ بے کار ہے ۔لیکن حاجت مند اور قرض دار فقیروں کو آپ دے سکتے ہیں ۔میں نے کہا جس کو خدا دلاتا ہے اس کو دے دیتا ہوں ۔خدا اپنے بندوں پر مجھ سے زیادہ مہربان ہے ۔وہ میرے بغیر بھی ان لوگوں کو پہنچا سکتا ہے ۔اور ان کی ضرورتوں کو پوری کر سکتا ہے ۔میرا اس میں کیا دخل ہو سکتا ہے ۔اس نے کہا اچھا علم جر اثد لے لو ۔میں نے کہا تمہارا کہنا بجا ہے لیکن ہم لوگوں کا عقیدہ ہے کہ اس دنیا سے جو شخص تہی دست اور فقیر جاتا ہے کل قیامت کے دن اس کو اللہ کی طرف سے جاہ و جلال اور درجہ عطا ہوگا ۔اور جس کو علم جبر اثد آتا ہے اس کا ہاتھ کبھی خالی نہیں ہوتا اور دل اس کا مالا مال رہتا ہے وہ کبھی فقیر نہیں ہوتا لیکن اس کا دل تاریک اور اس کا باطن مکدر اور گندا ہو جاتا ہے ۔میں ایسی دولت سے اپنے کو محروم ہی رکھنا چاہتا ہوں اس سے فائدہ ہی کیا ہوگا ۔اس جوگی کے ساتھی نے کہا میں نہ کہتا تھا کہ یہ مرد ہے کچھ نہیں قبول کرے گا ۔تھوڑی دیر ٹھہر کر اس جوگی نے پھر کہا ایک اور چیز بھی رکھتا ہوں آپ وہ لے لیں ۔میں نے کہا وہ کیا ہے ۔اس نے کہا اس شہر میں جنگ وجدال اور سخت خونریزی ہوگی اور کوئی بڑی آفت آنے والی ہے ۔میں آپ کو ایک ایسی چیز بتاتا ہوں کہ اس کے بعد دشمن آپ کو ضرر پہنچانے پر قادر نہیں ہو سکتا ۔میں نے کہا وہ مقدر کو دفع کر دے گا یا غیر مقدر کو ۔اس نے کہا وہ تدبیر غیر مقدر کو دُور کر دے گا ۔کیونکہ اللہ کی طرف سے جو مقدر ہو چکا ہے اس کو وہ کچھ نہیں کر سکتا ۔میں نے کہا جو مقدر نہیں ہے وہ مقدر نہیں ہو سکتا پھر اس کے لیے میں دردسری کیوں لوں ۔اور جب موت کا آنا مقدر ہو چکا ہوگا پھر سر میں درد اور معمولی پیٹ کے درد سے موت آجائے گی ۔پھر میرا اس سے کیا فائدہ ہوگا ۔اس نے کہا میں آپ کے یہاں سے بغیر کچھ دیے چلا جاؤں یہ تو میرے لیے بڑی شرمندگی کی بات ہوگی ۔آپ کچھ نہ کچھ تحفہ مجھ سے لے ہی لیں ۔میرے پاس ایک سرمہ ہے ۔آپ آنکھ میں لگا لیں گے تو آپ سب لوگوں کی نظر سے غائب ہو جائیں گے ۔آپ کے بہت سے معتقد اور مرید ہیں اگر آپ سرمہ لگا لیں گے تو یہ لوگ آپ کو نہ دیکھ سکیں گے اور آپ ان کو دیکھیں گے ان کی ساری باتیں سنیں گے اور پھر آپ ان سے اپنا یہ کارنامہ بیان کریں گے تو وہ

لوگ آپ کے اور زیادہ معتقد ہو جائیں گے۔ اور آپ کے سلوک کا کاروبار زیادہ چلے گا۔ میں نے کہا تم ٹھیک کہتے ہو لیکن اس طرح کے آدمی کی ہمارے یہاں کوئی اہمیت نہیں ہے۔ ہمارے یہاں ایک طریقہ ہے کہ اگر ہم کسی کے دل کی بات معلوم کرنا چاہیں تو اپنے دل کی طرف رجوع کرتے ہیں اور میرا دل جو کچھ کہتا ہے وہی کرتے ہیں اور وہی ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ دل کی بات ہوتی ہے۔ اس نے کہا اچھا کچھ نہیں تو ایک تحفہ میرا ضرور قبول کر لیجیے ورنہ مجھے بڑی خفت اور شرمساری ہوگی۔ آپ کے پاس عورتیں اور لونڈیاں ہوں گی آپ امساک کی ایک چیز لے لیں۔ اس سے ان لوگوں کو بہت لطف آئے گا۔ میں نے کہا اگر اتنے سال تک کسب، ریاضت اور تزکیہ قلب کے بعد کسی شخص کو اپنے جسم پر اتنی قدرت بھی حاصل نہ ہو سکی کہ جب وہ چاہے اس کو روکے اور جب چاہے چھوڑے تو پھر وہ آدمی کیا اور اس کی ریاضت کیا۔ جوگی کے ساتھی نے پھر کہا میں نہ کہتا تھا کہ یہ مرد ہے ہم لوگوں سے کچھ نہیں لے گا۔ جوگی نے تھوڑی دیر ٹھہر کر پھر کہا آپ رات کو تنہا رہتے ہیں اور اپنی چارپائی کو اندر لے جاتے ہیں اور کبھی اندر سے باہر لاتے ہیں میں ایسی چیز بتا دوں کہ آپ کا پلنگ خود سے باہر آئے اور خود سے اندر جائے۔ میں نے کہا درویش اور سنیاسی کے لیے آدمیوں کا زیادہ مجمع نقصان دہ ہے یا فائدہ مند۔ اس نے کہا نقصان دہ۔ میں نے کہا تم نے میرے دروازے پر اس وقت ہجوم دیکھا ہوگا۔ اس نے کہا ہاں، بہت زیادہ لوگ تمہارے دروازے پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں نے کہا ان لوگوں نے پلنگ کو خود سے اندر جاتے اور اندر سے باہر آتے نہیں دیکھا ہے اس پر تو یہ حال ہے اگر یہ لوگ وہ تماشا بھی دیکھ لیں گے تو پھر میرے لیے تو سانس لینا بھی دشوار ہو جائے گا۔ پھر میں ایسی حرکت کیوں کروں جو میرے لیے نقصان دہ ہو۔ وہ بہت شکستہ دل اور رنجیدہ ہوا پھر اس نے کہا۔ میں بہت دور سے آیا تھا۔ اور شرمندہ جا رہا ہوں۔ آپ نے میرا کوئی تحفہ قبول نہ کیا۔ میں نے کہا اس میں شرمندہ ہونے کی کیا بات ہے۔ تم نے جو کچھ کہا صحیح کہا اور جو کچھ کیا صحیح کیا۔ لیکن صورت حال یہ ہے کہ میرے جو کام نہ آئے اس کو میں لے کر کیا کروں گا۔ اس کے بعد میں نے اس کے ہاتھ پر کچھ چھوٹے سکے رکھ دیے اس نے کہا مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ میں نے کہا میں جانتا ہوں لیکن میری طرف سے یہ تحفہ لے لو۔ وہ کھڑا ہو گیا اور اس کو گرہ میں باندھ لیا۔ اس کے بعد میں نے ایک انار اس کے ہاتھ میں دیا۔ اس نے تبرک کے طور پر لے لیا اور کہا میں اس کو

خود کھاؤں گا اور اس کو سر اور آنکھ پر رکھا۔ پھر محفوظ طور پر رکھ لیا۔ جانے کے وقت دروازے پر پیشانی جھکادی اور پھوٹ پھوٹ کر رویا۔ اور رخصت ہوا۔ تھوڑی دُور گیا ہوگا کہ پھر واپس ہوا۔ اور میرے پاس آکر بولا میں بہت شرمندہ ہو کر جا رہا ہوں آپ نے میرا کوئی تحفہ قبول نہ کیا۔ میں اتنی دُور سے خاص کر آپ کے پاس آیا تھا۔ میں نے کہا سلامتی کے ساتھ جاؤ اور خوش رہو۔ جس چیز کی مجھے ضرورت نہیں ہیں اسے لے کر کیا کروں گا۔ وہ رخصت ہوا پھر واپس آیا اور کہا ایک بار میں پھر آگیا۔ پھر رخصت ہوا۔ اور پھر آیا اور کہا میرا نام یاد رکھیے گا۔ میں نے کہا تمہارا نام کیا ہے۔ اس نے کہا بار کندائے۔ اگر آپ کسی سے میرا نام سنیں تو جان لیں کہ میں ہی ہوں۔ اس کے بعد پھر نہیں آیا۔ حاضرین میں سے ایک نے کہا ہاں جوگیوں کے درمیان بار کندائے کا نام بہت مشہور ہے اور لوگ اس کی بہت قدر اور عزت کرتے ہیں حضرت مخدوم نے فرمایا ہاں یاد آیا۔ وہ شہر لکھنوتی میں تھا۔ لکھنوتی کے بادشاہ نے ایک دن اس کو گرفتار کر کے قتل کر دیا۔ یکایک لوگوں نے دیکھا کہ وہ سفید کپڑا پہنے ہوئے بازار میں گھوم رہا ہے۔ لوگوں نے اس کو پھر پکڑ کر بادشاہ کے پاس لایا۔ اس مرتبہ اس کو کنویں میں ڈال کر پتھر سے اس کو بھر دیا گیا۔ اور زمین برابر کر دی گئی۔ پھر لوگوں نے دیکھا کہ وہ چند جوگیوں کے ساتھ بازار میں بھیک مانگ رہا ہے لوگوں نے اس کو پھر پکڑ کر بادشاہ کے سامنے لایا۔ اس مرتبہ ایک بڑا پتھر اس کی گردن میں باندھ کر لکھنوتی کے دریا میں ڈبو دیا۔ پھر لوگوں نے دیکھا کہ وہ بادشاہ کے محل کے دروازہ پر مراقبہ میں بیٹھا ہوا ہے۔ پھر اس کو بادشاہ کے پاس لے گئے بادشاہ نے اس مرتبہ اس کو خلعت عطا کیا اور بہت عزت و احترام کیا۔ اور اس سے اپنے کیے کی معذرت چاہی۔ لیکن وہ بڑی عمر والا تھا اور میرے پاس جو آیا تھا وہ بتیس سال کا جوان تھا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ایک دوسرا جوگی بھی پرانی دہلی میں میرے دروازہ بدایوں والے مکان میں آیا تھا۔ وہ بھی جوان سر و پا برہنہ تھا۔ آکر میرے پاس بیٹھا اور بولا آپ کا ایک دوست عبدالغفار کیمیا جانتا تھا لیکن سیمیا وہ بھی نہیں جانتا تھا۔ اس نے بھی بہت کوشش کی کہ کچھ نہ کچھ اس سے لوں۔ لیکن میں نے وہی جواب دیا جو اس کو دیا تھا کہ جو چیز میرے کام کی نہیں ہیں اسے لے کر کیا کروں گا۔ میں ہرگز نہیں لوں گا۔ وہ بھی ہر بار میرے گھر کے صحن میں گھومتا تھا اور کہتا تھا کہ آپ مجھ کو اپنے در سے کیوں محروم لوٹا رہے ہیں۔ اور میں برابر وہی جواب دیتا رہا کہ جو چیز میرے کام کی نہیں ہیں اسے کیوں

لوں۔ وہ بھی جانے کے وقت رویا تھا اور دروازہ پر پیشانی رگڑ کر رخصت ہوا تھا۔

روز شنبہ ۵ رمضان المبارک ۸۰۲ھ

چوپایوں پر بوجھ لادنے کے بارے میں چاشت کے وقت اونٹ، گھوڑا، گدھا اور چوپایوں کے اوپر بوجھ لادنے کے تعین کا ذکر نکل آیا۔ حضرت مخدوم نے خاکسار کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ فقہ میں بوجھ کے وزن کا تعین مجھے نظر نہیں آیا۔ خاکسار نے بصد ادب سر جھکا کر عرض کیا بجا ارشاد ہے میں نے بھی کہیں نہیں دیکھا۔ حضرت مخدوم نے پھر ایک قصہ بیان فرمایا کہ ایک دن بایزیدؒ دو اونٹ کا بوجھ ایک پر لاد کر لیے جا رہے تھے۔ لوگوں نے دیکھ کر کہا یہ بڑا ظالم شخص ہے کہ دو اونٹ کا بوجھ ایک پر لادے ہوئے ہے۔ بایزیدؒ نے کہا ذرا تم لوگ غور سے اونٹ کو دیکھو لوگوں نے دیکھا کہ بوجھ ہوا میں معلق ہے اونٹ پر ہے ہی نہیں بلکہ وہ خالی جا رہا ہے۔ یہ کرامت دیکھ کر وہ سب دوڑے اور قدموں پر گر گئے۔ شیخ نے فرمایا سبحان اللہ یہ کیسے لوگ ہیں کہ ایک ہی ساعت میں مجھے ظالم و جابر بھی کہتے ہیں اور قدموں پر گر کر عقیدت کا اظہار بھی کرتے ہیں۔

دہلی کی زیارت گاہیں اس کے بعد دہلی کی زیارت گاہوں کا ذکر آ گیا حضرت مخدوم نے فرمایا قدیم زمانے میں دہلی میں زیارت گاہیں بہت تھیں سلطان محمد تغلق کے ہاتھوں دہلی کی بربادی کے بعد شیخ الاسلام قطب الدین بختیار اوشیؒ اور حضرت خواجہ نظام الدینؒ اور چند دوسرے بزرگان دین کی زیارت گاہوں کے علاوہ تمام زیارت گاہیں نظروں سے اوجھل ہو گئیں۔ شیخ الاسلام برہان چشتیان شیخ قطب الدین اوشیؒ کی درگاہ جیسی باعظمت اور پرجلال زیارت گاہیں کم دیکھنے میں آتی ہیں۔ وہ خطیرہ کسی وقت بھی آدمیوں سے خالی نہیں رہتا۔ کئی سال تک میں کوشش کرتا رہا کہ سب سے پہلے میں زیارت کروں۔ اس کے لیے اس خطیرہ کے جوار میں ہم نے رات بسر کی پچھلی پہر رات کو میں وہاں زیارت کے لیے پہنچا تو اس وقت بھی کوئی شخص تازہ پھول تربت پر ڈال گیا تھا۔ میں نے اس کو کسی وقت خالی نہیں پایا۔ اس وقت اس کی حالت کچھ شکستہ ہے لیکن اگر

کوئی شخص اس جگہ کسی مقصد سے بیٹھے تو غیب سے اس کو وہ مقصد حاصل ہو جائے گا اور مال و دولت چاہے گا تو اتنا مل جائے گا کہ اس کی زندگی آرام سے گزر جائے۔ پھر حضرت مخدوم نے فرمایا کہ شیخ صلاح الدین کی زیارت گاہ پہلے زمانے میں نہ تھی اس خطیرہ میں گنبد اور عمارت نہ تھی۔ ایک خواجہ سرا خواجہ یعقوب نامی ان کا مرید تھا۔ مال و دولت بہت زیادہ ہونے کے باوجود اس کی کوئی اولاد نہ تھی۔ اس کے ایک عزیز خواجہ احمد خادم نے اس جگہ گنبد بنوا دیا۔ ہر شب جمعہ کو شیخ الاسلام اور خواجہ احمد کے پابندی سے زیارت کے لیے جانے کی وجہ سے وہ جگہ عوام کی زیارت گاہ ہو گئی۔

درازی عمر کی مذمت کے بارے میں

پھر درازی عمر کی مذمت کے بارے میں بات نکل آئی حضرت مخدوم نے فرمایا بڑی عمر بہت اچھی چیز نہیں ہے۔ میری طویل عمری اب اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ کوئی شخص میری ابتدائی حالت کے بارے میں کچھ بتانے والا موجود نہیں ہے۔ اور ہم جو کچھ کہیں میرے معتقدین اس کو قبول کر لیں گے اور دوسرے قبول کرنے میں ہچکچائیں گے کیونکہ الخبر یحتمل الصّدق والکذب۔

ایک دن شیخ مولانا علاؤ الدین نے کہا کہ مولانا شہاب الدین امام کو دیکھنے کے لیے چلیں۔ ہم لوگ گئے۔ انہوں نے سُنا تو بہت عزت سے ملاقات کی۔ نہالچہ چھوٹا تھا اس لیے بڑی سی لحاف لے آئے اور اس کو چار تہہ کر کے مجھ کو بیٹھنے کے لیے کہا۔ میں نے معذرت کی تو قسم دینے لگے کہ حضرت خواجہ نظام الدینؒ کا حوالہ دیتا ہوں اگر آپ اس پر نہ بیٹھیں گے تو میں بھی نہ بیٹھوں گا۔ آخر میں میں اس لحاف پر بیٹھا۔ اس کے بعد ایک ضعیف آدمی آئے اور میری طرف دونوں ہاتھ اٹھا کر فرمایا کہ خوند سید! کچھ بیان کرو تمہاری زبان سے کچھ سننا چاہتا ہوں۔ مولانا علاؤ الدین نے کہا یہ شیخ الاسلام حضرت خواجہ نظام الدینؒ کے خلیفہ ہیں، آپ کے پیر کے دوست ہیں، جب وہ درخواست کر رہے ہیں تو کچھ بیان فرمائیے میں نے کچھ بیان کیا۔

علم ظاہری بخل سکھاتا ہے

حضرت مخدوم نے ایک روز دوران سبق فرمایا علم ظاہری بخل سکھاتا ہے۔ دانش مندوں کو مال جمع کرنے کی ہوس ہوتی ہے۔ یہ لوگ بہت کم خرچ کرتے ہیں۔ اور جو ان لوگوں کے لیے خرچ کرے اس کو بہت

پسند کرتے ہیں۔ سید احمد نے عرض کیا کہ ان لوگوں کے نزدیک المال شفیق الروح ہے۔ ہاتھ روک کر خرچ کرنے سے زندگی کو تقویت ملتی ہے۔ شیخ سعید کے صاحبزادے شیخ عمر وہاں پر موجود تھے بولے کہ رسول اللہ صلعم نے صحابہ کرام کو تمام مال کے خرچ کرنے سے منع فرمایا ہے۔ لان تترک ورثتک اغنیاء خیر من ان تترک عائلۃً یتکففون الناس اور دوسری طرف حضرت بلالؓ اگر کوئی چیز کل کے لیے رکھنا چاہتے تھے تو رسول اللہ صلعم کی خفگی کے مورد ہوتے تھے۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ علماء کے اندر ان کے علم ظاہری نے یقین میں ضعف پیدا کیا۔ یہاں تک کہ وہ لوگ اس گروہ میں شامل ہو گئے جن کو رسول اللہ صلعم نے حبس مال کا حکم دیا ہے۔ حالانکہ وراثت میں بھی جو صدقہ بلکہ خیر الصدقہ کہا جاتا ہے، حبس درست نہیں ہے اور یہ سب ان کے ضعف یقین کے باعث ہے۔ جو علم کہ یقین دل کے ساتھ حاصل کیا جائے وہ بہت مفید اور نفع بخش ہے۔ پھر حضرت مخدوم نے فرمایا کہ علم ظاہری ہدایت کا سبب نہیں ہے، ورنہ کشاف کے مصنف اتنے زیادہ صاحب علم ہونے کے باوجود معتزلی نہ ہوتے۔ ایسے علم سے جہالت بہتر ہے۔ اگر صاحب کشاف جاہل سے جاہل تر ہوتے تو وہ زیادہ بہتر ہوتا اس لیے کہ کم از کم وہ اعتزال کی بلا میں تو گرفتار نہ ہوئے ہوتے۔ شیخ عمر نے پوچھا کہ شاید آخر میں انہوں نے توبہ کر لی تھی۔ حضرت مخدوم نے فرمایا ان کے معتقدین ایسا ہی کہتے ہیں لیکن کسی معتبر کتاب میں یہ بات نہیں دیکھی گئی ہے کشاف کو اپنے سے دور رکھنا چاہیے۔ اس لیے کہ اعتزال اس میں اس طرح شامل ہو گیا ہے جیسے پانی دودھ میں کر اس کو اس سے علیحدہ کرنا ممکن نہیں۔ اور بعض لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ مدارک کے مصنف نے اعتزال کو اس سے علیحدہ کر دیا ہے صحیح نہیں۔ اس لیے کہ مدارک میں اکثر مقامات ایسے آتے ہیں جس میں اعتزال پایا جاتا ہے۔ خاکسار نے عرض کیا کہ مدارک میں سے جو کچھ برادرم سید احمد حضور اقدس کے سامنے پڑھتے ہیں وہ اعتزال سے باہر ہیں۔ حضرت مخدوم نے فرمایا دانش مندوں کا مقولہ ہے کہ جو شخص کشاف پڑھے گا اس کی رگوں میں اعتزال دوڑ جائے گا۔ لیکن ہم لوگ صوفی ہیں ہمارا مقصد توحید اور وحدت ہے۔ یعنی قول و فعل اور زندگی میں یکسانیت پیدا کرنا ہے۔

رؤیت باری کے بارے میں

اس کے بعد امکان رؤیت باری کے سلسلے میں گفتگو چھڑ گئی حضرت مخدوم نے فرمایا کہ اکثر فقہا نے

روئت باری کو خواب میں جائز کہا ہے اور اسلاف صالحین اور ان کے متبعین کے واقعات کو بہ طور شہادت پیش کیا ہے۔ اور خواب بھی دنیا میں بلاجہت ،بغیر قرب و بعد و مکان دیکھا جاسکتا ہے۔ جس میں روئت باری ہو۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ جہت اور کیف و مکاں سے پاک و صاف ہے۔ واللہ سبحانہٗ لاتغیّر فی ذاتہ ولا فی صفاتہ بحدوث الاکوان۔ پس دلیل واضح ہے کہ اُس دنیا میں بھی اسی طرح دیکھا جائے گا۔ اور وہ جماعت جن کے لیے خواب و بیداری یکساں ہے وہ سب اسی طرح بیداری میں روئت باری کرتے ہیں۔ پس اہل دین کا اس پر اتفاق ہے کہ روئت باری بلاجہت و کیفیت و کمیت دنیا اور آخرت خواب اور بیداری میں ممکن ہے الحمد للہ علی ذالک خواب میں روئت باری کی علامت اس طرح بیان کی گئی ہے کہ اس کو بیان کرنا مشکل ہے۔ اور یہ کہ دیکھنے والا جو خواب میں دیکھتا ہے اور جہت اور صورت اس کے دل میں نقش ہوتی ہے وہ سب ختم ہوجاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے پاک و صاف ہے لیکن خدا کو بغیر جہت و کیفیت کے مخلوق خدا کی صورت میں دیکھا جا سکتا ہے اگرچہ اس میں حقیقت اور ثبات نہیں ہے۔

کیا بیوی بچّوں کی محبت اللہ کے ساتھ محبّت کرنے میں رکاوٹ ہے

آیت کریمہ انی اریٰ فی المنام انّی اذبحک کے بارے میں حضرت مخدوم نے فرمایا کہ حقائق سلمی میں لکھا ہے کہ امر ذبح سے مقصود ابراہیم علیہ السلام کا شفقت پدری سے تنزّہ کے سوا اور کچھ نہیں اس واسطے کہ خدا سے محبت اور فرزند سے شفقت دونوں کا ایک جگہ جمع ہونا محال ہے۔ اور یہ بات بعض صوفیا کے مسلک پر مبنی ہے کہ بیوی بچوں کی محبت اللہ کے ساتھ محبت کرنے میں رکاوٹ ہے بعض صوفیا اس کے خلاف بھی ہیں وہ کہتے ہیں کہ خدا کے ساتھ محبت کا خزانہ بیوی بچوں کے ساتھ شفقت اور محبت کے خزانہ سے جُدا ہے اور یہ بات ظاہر میں دیکھی بھی جاتی ہے۔ کہ کسی عورت پر عاشق ہوجانے کے بعد بھی اکثر مرد اپنے بیوی بچوں سے سابق ہی کی طرح شفقت اور محبت برقرار رکھتے ہیں اور اس میں کوئی فرق آنے نہیں دیتے۔ ایک دن امیر المومنین حسن علیہ السلام نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے پوچھا کہ ابا جان! آپ کس سے محبت کرتے ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ نے جواب دیا کہ تم سے اور اللہ سے۔ امام حسن علیہ السلام نے کہا ابا جان! دو دوست ایک دل میں نہیں سما سکتے۔ حضرت علی رضؓ

نے فرمایا کہ بیٹے تم کہتے تو سچ ہو، لیکن میں کیا کروں۔ میں اپنے دل میں ایسا ہی محسوس کرتا ہوں۔ اور وہی کہتا ہوں۔ امام حسن علیہ السلام نے فرمایا ابا جان! آپ یوں فرمائیں کہ خدا سے محبت اور مجھ سے شفقت کرتے ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی آنکھیں خوشی سے نم ہوگئیں اور فرمایا "جان پدر! یہ بات علی رضؓ کے پشت سے نہیں بلکہ فاطمہ رضؓ کے شکم کی کرامت ہے۔ یعنی نبی کی نسبت سے تمہیں یہ حکیمانہ بات دماغ میں آئی۔

دو جوگیوں کا قصہ

پھر حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ہندوؤں کے درمیان ایک داستان مشہور ہے کہ دو جوگی ایک گرو اور ایک چیلا سالہا سال تک ایک جگہ رہے اور ساتھ سفر کرتے رہے۔ ایک دن ان دونوں نے طے کیا کہ علیحدہ علیحدہ سفر کریں۔ چنانچہ اسی بنا پر تنہا وہ گرو (پیر) گھومتا ہوا ایک صحرا میں پہنچ گیا۔ اس کو امساک کی دوا اور جڑی بوٹی کی تلاش تھی۔ یکایک اس کو اس صحرا میں وہ جڑی بوٹی مل گئی اس نے ایک عورت سے قربت حاصل کر کے اس کو آزمایا اور جب اس کو کامیاب پایا تو پھر وہ اسی جگہ جم گیا اور چونکہ اس کو کیمیا بنانا آتا تھا اس لیے کیمیا بنا کر بہت بڑا دولت مند اور امیر ہو گیا۔ بہت سی لونڈیاں خرید لیں اور عیش و عشرت کی زندگی گزارنے لگا۔ وہاں پر اچھا بڑا شہر آباد کرایا اور خود اس شہر کا رائے (رئیس) ہو گیا۔ اور دوسری طرف اس کا چیلا (مرید) اپنے گرو کو ڈھونڈھتا ہوا اس شہر میں آنکلا جہاں اس کا گرو رائے بنا ہوا تھا۔ اس نے دیکھا کہ یہ تو پہلے جنگل تھا یکایک ایسا آباد اور خوب صورت شہر کیسے بن گیا۔ وہ ہر آدمی سے پوچھتا رہا۔ لوگوں نے اس کو بتایا کہ ابھی چند دنوں سے یہ جنگل آباد ہوا ہے اس چیلے نے پوچھا کہ اس شہر کا رائے (رئیس) کون ہے۔ لوگوں نے بتایا کہ اس شہر کا رئیس فلاں آدمی ہے اور اس کا ایسا حلیہ ہے وہ حلیہ اس کے گرو کا تھا اس نے دل میں خیال کیا کہ میرا گرو امساک کی جڑی کی تلاش میں تھا شاید اس کو وہ جڑی یہاں مل گئی اور اس کو آزمانے کے بعد اس نے یہاں قیام کر لیا ہو کیمیا بنانا اس کو پہلے سے معلوم ہی تھا اس لیے اس نے یہاں شہر بسا دیا اور لونڈیاں خرید کر ہوس رانی کی طرف مائل ہو گیا، اور داد عیش دے رہا ہو۔ بہر حال کسی طرح اسے دیکھنا چاہیے اب سوال یہ تھا کہ کس طرح وہ وہاں جائے لوگوں نے اسے بتایا کہ ناچنے والیاں اس کے سامنے رقص کے لیے طائفہ کے ساتھ جاتی ہیں۔ اس نے ان لوگوں کو تیار کیا کہ

وہ سب اُسے اپنے ساتھ تماشا دیکھنے والے مسافر کی حیثیت سے لے چلیں۔ ان لوگوں نے کہا کہ تم کو وہاں کس صورت میں لے چلیں اس نے کہا مشعل بردار کی حیثیت سے وہ سب راضی ہو گئے اور اس کو اپنے طائفہ میں شامل کر کے لے گئے۔ اس چیلے نے جیسے ہی اس کی شکل دیکھی فوراً پہچان لیا کہ یہ میرا وہی گرو ہے۔ جب ناچ گانا ختم ہوا تو وہ چیلا آگے بڑھا اور اپنی زبان میں ایک ایسا جملہ بولا کہ اس راۓ نے فوراً پہچان لیا کہ یہ نووارد میرا وہی پرانا دوست اور چیلا ہے۔ اس نے تمام ملک اور ساز و سامان چھوڑ دیا اور اس کے ساتھ روانہ ہو گیا۔ اور وہی اپنے پرانے طریقہ پر عمل پیرا ہو گیا۔ اس درمیان میں اس راۓ کو ایک لڑکا بھی ہو گیا تھا۔ اس کو بھی اس نے اپنے ساتھ لے لیا چیلے نے کہا کہ اس لڑکے کو یہاں چھوڑ دیں۔ پھر سارے علائق دنیوی سے ہم لوگ آزاد ہو جائیں گے اور جوگی کی طرح زندگی گزار سکیں گے۔ وہ نہ مانا۔ یہ تینوں گھومتے ہوئے ایک جنگل میں پہنچ گئے۔ گرو وہاں مراقبہ میں بیٹھ گیا۔ اس بچے نے کہا مجھ کو بیت الخلا جانے کی خواہش ہو رہی ہے۔ گرو نے اپنے چیلے کو کہا کہ اس بچہ کو لے جاؤ اور ایک کونے میں فارغ کرا دو۔ وہ چیلا اس کو لے گیا اور ایک جگہ بٹھا کر کہا کہ اگر تو نے پائخانہ کیا تو تیری گردن توڑ دوں گا۔ وہ خوف سے بغیر فارغ ہوئے واپس ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے پھر اپنے باپ سے کہا کہ پائخانہ کرنے کی خواہش ہو رہی ہے اس نے پھر اپنے چیلے کو کہا کہ اس کو لے جاؤ۔ پہلے کی طرح اس نے پھر اس لڑکے کو دھمکایا کہ اگر تو نے پائخانہ کیا تو گردن توڑ دوں گا۔ وہ لڑکا ڈر کر پھر واپس ہو گیا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد اس نے پھر اپنے باپ سے پائخانہ جانے کی خواہش ظاہر کی تو وہ بگڑ گیا اور چیلے سے کہا کہ اس مرتبہ لے جاؤ اور اگر نہ کرے تو اُٹھا کر ٹپک دو۔ چیلے نے اس لڑکے کو کنارے لے جا کر اُٹھا کر ٹپک دیا اور وہ مر گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد جب وہ دونوں وہاں سے روانہ ہونے لگے تو اس نے پوچھا کہ میرا لڑکا کہاں ہے۔ چیلے نے کہا کہ آپ نے اس کو اُٹھا کر ٹپکنے کا حکم دیا تھا میں نے ویسا ہی کر دیا۔ گرو نے کہا تم نے علائق دنیوی سے مکمل طور پر مجھ کو چھٹکارا دلانا چاہا۔ ایک لڑکا تھا وہ بھی چھوٹا۔ چلو اچھا ہی کیا۔ اب آؤ بے فکر ہو کر ہم لوگ اپنے کام اور گیان دھیان میں مشغول ہو جائیں اور اپنی سابقہ زندگی پر لوٹ آئیں۔

پھر حضرت مخدوم نے تھوڑی دیر رک کر فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے اسماعیل علیہ السلام مصیبت نہ تھے۔ بلکہ مصیبت اور بڑی آزمائش کی گھڑی وہ تھی جب دوست نے مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ اے ابراہیم! تم میرے علاوہ بھی کسی سے محبت کرتے ہو۔ یہ دوست صادق کی علامت نہیں۔ اگر تم میری محبت میں سچے ہو تو پھر اس کو میرے نام پر قربان کر دو اور اسے ذبح کر دو۔

ذبیح اللہ کون تھے اسماعیل یا اسحاق علیہ السلام

پھر حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ایک دن میری مجلس میں میرے علاوہ مولانا علاؤالدین اور سید شرف الدین کتھیلی جیسے چند احباب اور عزیز بھی تھے قوال یہ شعر گا رہا تھا:

اتفاقم بسر کوئے کسے افتادہ است که دراں کوئے چو من کشتہ بسے افتادہ است

سید شرف الدین نے کہا لوگ کہتے ہیں کہ تجلیات مکرر نہیں ہے اور اس میں اختلاف ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے یا اسحاق علیہ السلام۔ حضرت مخدوم نے فرمایا حضرت اسماعیل علیہ السلام عرب کے تھے مولد اور منشا ان کا وہیں تھا اور وہیں ان کا مسکن بھی رہا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ذبیح اللہ اسماعیل علیہ السلام ہی تھے۔ ان کے بارے میں تاریخ میں مذکور ہے کہ آغاز جوانی میں یہ بہت ہی حسین و جمیل تھے غسل کر کے اپنے لمبے گیسو کو دو حصوں میں بانٹ کر شانوں پہ بکھیرے گھوڑے پر سوار ہو کر جب ابراہیم علیہ السلام کے سامنے سے گزرتے تو ان کا دل محبت سے بھر جاتا تھا اور اس طرف مائل تھا۔ غیرت الٰہی نے اس کو پسند نہیں کیا کہ میرے علاوہ کسی کی جگہ ابراہیم خلیل اللہ کے دل میں رہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو ذبح اور قربان کر دینے کا حکم دے دیا۔ علاوہ ازیں رسول اللہ صلعم کا یہ قول کہ "انا ابن الذبیحین" دلالت کرتا ہے کہ ذبیح اللہ اسماعیل علیہ السلام ہی تھے۔ اس لیے کہ رسول اللہ صلعم اسماعیل علیہ السلام کے فرزندوں میں ہیں اسحاق علیہ السلام کے نہیں۔ اور اسماعیل علیہ السلام کے علاوہ دوسرے ذبیح رسول اللہ صلعم کے والد ماجد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ہیں کیونکہ حضرت عبدالمطلب نے خانہ کعبہ میں نذر مانی تھی کہ اپنے فرزندوں میں سب سے محبوب فرزند کو کعبہ کے سامنے قربان کروں گا۔ چنانچہ عبداللہ رضی اللہ عنہ کی ناک میں

سوراخ کر کے ڈوری ڈال دی گئی اور کھینچ کر کعبہ کی طرف ذبح کرنے کے لیے لے چلے ۔ قبیلۂ قریش کے لوگ جمع ہوگئے کہ اس طرح یہ طریقہ بن جائے گا اور جو چاہے گا اپنے لڑکے کو ذبح کر دے گا ۔ حضرت عبد المطلب نے فرمایا کہ میں نے نذر مانی تھی ۔ اب میں کیا کروں ۔ قریش کے لوگوں نے کہا کہ ہم لوگ کسی کاہن سے اس بارے میں مشورہ لیں اور جو وہ کہے کریں ۔ کاہن نے کہا فدیہ دے دو ۔ لوگوں نے کہا کیا دوں اور کس طرح دوں ۔ اس نے قرعہ نکالا ۔ ایک کاغذ پر حضرت عبد اللہ کا نام لکھا اور دوسرے پر اونٹ کا ہر بار حضرت عبد اللہ کا نام نکلتا تھا ۔ اس کے بدلے ایک اونٹ علیحدہ کر دیتے تھے ۔ اس طرح سو بار حضرت عبد اللہ کا نام نکلا ایک سو کے بعد اونٹ کا نام نکلا ۔ چنانچہ ایک سو ایک اونٹ ذبح کیے گئے ۔ اس کا گوشت اتنا ہوا کہ پورے شہر مکہ کے باشندوں نے کھایا اور پھر جانوروں نے کھایا ۔ یہاں تک کہ کوئی مردار خود پرندہ مردار پر نہیں بیٹھتا تھا بلکہ اونٹ کے گوشت میں لگا ہوا تھا اسی دن سے حضرت عبد المطلب کا خطاب مطعم الطیر والوحوش پڑ گیا ۔

عشاء کی نماز کے بعد پیغمبروں کے امتوں، شاگردوں اور مریدوں کی بے وفائی کے بارے میں

ساتھ ان کی امتوں کی، اساتذہ کے ساتھ ان کے شاگردوں کی اور پیروں کے ساتھ ان کے مریدوں کی بے وفائی کا ذکر نکل آیا حضرت مخدوم نے فرمایا کہ جو پیر اپنے مریدوں سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ ان کے فرزندوں کے ساتھ وہ وفا اور محبت کا سلوک کریں گے اور ان کا خیال رکھیں گے وہ غلطی پر ہیں، خواجہ اوحد کرمانی ؒ ایک صوفی بزرگ تھے مریدوں کے ساتھ اپنے معاملات کو انہوں نے اپنی مثنوی میں اپنے تجربہ کی بنا پر تفصیل سے لکھا ہے چند اشعار درج ذیل ہیں:

از خلق جہاں کرانہ گیر	در کوچہ فقیر خانہ گیر
ہم نام ترا بہ ننگ ازند	نقد سرہ را بہ ہرزہ دارند
دستار بزرگ و ریش خواہند	انگاہ ہمہ بدو پناہند
گویند کہ موسپید باید	گر باشد و دل سیاہ شاید
اکنوں زپے قبول ایشاں	کو کرو بہ کار داشت نتواں
وانکو بہ تو اعتقاد باشد	آنہم زپے مراد باشد
در راہ اگر نہد جوئے زر	خواہد ز تو معجزہ پیمبر

خواہد کہ تو وام او گذاری | مالش بہ سفر نگاہداری
رنجورش زاجل اگر بمیرد | منکر شود و دقیقہ گیرد
فہم ار نہ کند حقائق تو | باطل داند دقائق تو
کار تو نہ کردہ و نہ دیدہ | منکر شود او بہر شنیدہ
گاوے شدہ کیں بزرگ وار است | خر بندہ شدہ کہ شہر یار است
افروختہ آتش اباحت | کانیست مقام روح و راحت
لوطے شدہ کیں نظر ز روح است | عیاش شدہ کہ این فتوح است
قد کردہ دوتا کہ این نماز است | رو کردہ ترش کہ این نیاز است
جائع جو کلاب کاین صیام است | ساحر چو خروس کین قیام است
پابستہ گندم مدارس ! | گویند کہ خواجہ ہست مدرس
گیسو چو زنان فگندہ بر دوش | از گشتن خویش کشتہ بے ہوش
فرزند علی و میر حشیم ! | لابد ز جمیع خلق پیشیم !
بردار شدہ باسم تذکیر | خود رائی را شمردہ تفسیر
قصاب شدہ کہ مرد غازی ست | طرار شدہ کہ کار ساز یست
بر وزنشتہ کیں وزیر است | مدبرے ماندہ کہ این دبیر است

دجال شدہ کہ پادشاہم
سلطانم و سایہ خدایم

روز یکشنبہ ۶ رمضان المبارک ۸۰۲ھ

کتاب مضمرات مخزن روایات ہے

چاشت کے وقت خاکسار کتاب مضمرات ہاتھ میں لیے ہوئے تھا۔ حضرت مخدوم نے دریافت فرمایا کہ یہ کونسی کتاب ہے۔ میں نے عرض کیا مضمرات ہے۔ حضرت مخدوم نے فرمایا اس کتاب میں بہت روایات اور قصے ہیں۔ ایک طرح یہ کتاب کان روایات ہے۔ اس کے مصنف مولانا جمال الدین دروازہ بدایوں والی مسجد میں درس دیا کرتے تھے۔ ان کا شمار فقہاء

میں ہوتا ہے۔ یہ کتاب انہوں نے وہیں تصنیف کی تھی۔ اس کتاب کے دیباچہ میں ایک جگہ لکھا ہے کہ سید جعفر صادق ابن سید محمد باقرؒ نے امام اعظم ابوحنیفہؒ سے فرمایا کہ میں نے سُنا ہے کہ آپ میرے دادا جان کی احادیث کو نظرانداز کر رہے ہیں۔ اور اپنے دل سے لکھ رہے ہیں۔ امام ابوحنیفہ نے کہا اے فرزند رسول اللہ صلعم آپ سے لوگوں نے غلط کہا ہے۔ مثلاً آپ کا کیا خیال ہے نماز بہتر ہے یا روزہ۔ سید جعفر صادقؒ نے جواب دیا نماز بہتر ہے۔ امام ابوحنیفہؒ نے کہا ہم نے حائض کے لیے قضا صوم لکھا ہے لیکن قضاء صلوٰۃ نہیں۔ اگر ہم اپنے دل سے لکھتے تو اس کے برعکس لکھتے۔ یا دوسرا مسئلہ لیجیے منی زیادہ نجس ہے یا پیشاب۔ سید جعفر صادقؒ نے فرمایا پیشاب زیادہ نجس ہے۔ امام ابوحنیفہؒ نے کہا اگر ہم اپنے دل سے لکھتے تو اس نص کے خلاف لکھتے حالانکہ پیشاب کی نجاست کے بعد میں نے غسل کو زیادہ ضروری اور لازم قرار دیا ہے۔ تیسرا مسئلہ لیجیے عورت ضعیف ہے یا مرد۔ سید جعفر صادقؒ نے فرمایا عورت زیادہ ضعیف ہے۔ امام ابوحنیفہؒ نے کہا مرد کو میں نے دو حصہ میراث میں دیا ہے اور عورت کو ایک۔ اگر ہم اپنے دل سے لکھتے تو یقینی اس کے برعکس لکھتے۔ اس کے بعد حضرت مخدوم نے فرمایا کہ صوفیوں کا کام نفرت کرنا نہیں ہے بلکہ ہر ایک کے حالات سے باخبر رہنا کہ اگر حکم بشریت سے کسی سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو اس کو بعنوان شائستہ متنبہ کر دیں تاکہ وہ اس سے باز آ جائے۔ نفرت، حسد، کینہ اور عداوت معاذ اللہ اس جماعت کے دل میں کبھی نہیں ہوتا۔ یہ لوگ آئینہ کی طرح ہوتے ہیں دوسروں کے اندر جو عیب ہوتا ہے وہ ان کے سامنے آتے ہی ان کو نظر آ جاتا ہے۔ اسی طرح صوفی دوسرے صوفی کے لیے بھی آئینہ ہے۔ ہر ایک برائی ایک دوسرے کو صاف نظر آتی ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے المومن مرأۃ المومن۔ اسی طرح کا ایک واقعہ ہمارے خواجہ حضرت نصیر الدین چراغ دہلویؒ نے اس طرح بیان فرمایا تھا کہ

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی ایک کرامت

ایک مرتبہ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے زمانے میں دجلہ پرشور اور متلاطم ہو گیا تھا۔ اس طوفان میں بہت سے لوگ غرق، بے شمار لوگ خانماں برباد اور بہت سی بستیاں ویران ہو گئیں۔ لوگوں نے حضرت شیخ شہاب الدینؒ سے فریاد کی، شیخ نے اپنے خادم کو بلا کر کہا ڈنڈہ لے کر جاؤ اور

دجلہ کے سر پہ مارو اور کہو کہ بہ عدل عمر سہروردی اپنی اصلی حالت پر لوٹ جا۔ خادم حسب الحکم گیا اور اس کرامت کا مشاہدہ کرنے کے لیے ایک عالم اس کے ساتھ ہوگیا۔ خادم نے جیسے ہی دُرّہ مارکر یہ جملہ کہا تیر کی طرح دجلہ پیچھے ہٹا اور اپنی جگہ پر جاکر پرسکون ہوگیا۔ یہ واقعہ حضرت خواجہ ابواللیث یمانی کو معلوم ہوا۔ وہ اس وقت سمرقند میں تھے۔ انہوں نے وہیں سے حضرت شیخ شہاب الدینؒ کو اس مضمون کا خط لکھا کہ مردان خدا نے کرامت کو پوشیدہ رکھا ہے۔ یہ ظاہر کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔ شیخ نے اس خط کو پڑھ کر کنارے ڈال دیا اور فرمایا کہ اس بات کو یہ عامی آدمی کیا سمجھے گا۔

حضرت شیخ اوحد کرمانیؒ کے فضائل

اس کے بعد شیخ اوحد کرمانیؒ کے فضائل کا ذکر نکل آیا حضرت مخدوم نے فرمایا کہ شیخ اوحدؒ بزرگ کامل تھے۔ ان کے بہت سے مُرید تھے۔ ہر گروہ کی انہوں نے نشانیاں بتائی ہیں ان کا زیادہ تر کلام رباعی میں ہے۔ کچھ مثنوی بھی انہوں نے لکھی ہے ایک دن ہمارے خواجہ حضرت نصیر الدین چراغ دہلویؒ ان کی یہ رباعی بہت ذوق و شوق سے پڑھ رہے تھے۔ رباعی :-

اوحد ذات راز خویش بر کن گردار ایں رخت بہر سوئے میفگن گردار
عمرے چو گل بر باد دادی یک دم چوں غنچہ فراہم شود دامن گردار

اس رباعی کو پڑھنے کے بعد ہمارے خواجہ نے فرمایا کہ یہ بہت طویل انداز میں لکھی گئی ہے مولانا برہان الدینؒ جو کہ حضرت خواجہ کے خلیفہ تھے اور بھی کئی احباب جیسے مولانا زین الدین دولت آبادی اور سید نصیر الدین وغیرہ اس وقت خدمت اقدس میں حاضر تھے۔ باہر آنے کے بعد ان لوگوں نے کہا کہ مولانا محمودؒ نے اس کو از قبیل انفاس اور طویل کیوں فرمایا لیکن کوئی اس کا معقول جواب نہ دے سکا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ دراصل ہمارے خواجہ کا مقصد یہ تھا کہ اس مفہوم کو خسروؒ نے بھی اپنی رباعی میں پیش کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے :-

گر عاقلم حدیث تو کم کنمی وانگہ رہ گفتگوئے محکم کنمی
دل سوختہ چند فراہم کنمی بر رفتہ بگریمی و ماتم کنمی

پھر حضرت مخدوم نے فرمایا کہ شیخ اوحدؒ کی بہت سی رباعیاں اور مصرعے زبان زدِ خلائق

ہو گئے ہیں اور لوگ ضرب المثل کے طور پر استعمال کرتے ہیں مثلاً ؂

با دوست مرا عشق مجازی نہ بود جاں بازی من ترا بر عشق بازی نہ بود

از من سخن زلفش بے ہودہ مداں بے ہودہ سخن بدیں درازی نہ بود

افطار کے وقت کئی خشک روٹی مطبخ سے افطار کے لیے لائی گئی۔ حضرت مخدوم نے ایک ٹکڑا توڑ کر منہ میں رکھا اور بقیہ لوگوں کو اپنے ہاتھ سے تقسیم کیا۔ شیخ عمر حاضر تھے۔ انہوں نے پوچھا بعض لوگ بہت خوب افطار کرتے ہیں اس کا کیا مطلب ہے۔ حضرت مخدوم نے فرمایا اس کی سند تو مجھے معلوم نہیں لیکن ہمارے خواجہ اور شیخ نظام الدینؒ پہلے روٹی کا ٹکڑا منہ میں ڈالتے تھے پھر پانی پیتے تھے۔ میں بھی اس پر عمل کرتا ہوں۔ لیکن فقہ میں لکھا ہے کہ افطار ایسی چیز سے کرنا جو آگ سے پکائی نہ گئی ہو جیسے خرما یا پانی تو وہ زیادہ مستحسن ہے۔

روز دوشنبہ ۷، رمضان المبارک ۸۰۲ھ

صوفیا کے سماع اور اشعار کو سمجھنے کے بارے میں

چاشت کے وقت صوفیوں کے سماع اور اشعار کو سمجھنے کے بارے میں ذکر چھڑ گیا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ صوفی کا مکیّف ہونا اور ذوق میں آنا ضرب اور موسیقی کی ادائیگی پر منحصر نہیں ہے۔ اس لیے کہ ان لوگوں کو اس سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا ان لوگوں کا معاملہ اپنے خدا سے ہوتا ہے۔ کوئی ایک لفظ یا آواز جوان لوگوں کے دل پر ضرب لگا دے اسی سے ان پر کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور گریہ وزاری، نعرۂ ہو و حق شروع کر دیتے ہیں۔ کبھی کپڑے پھاڑ کر عالم سر خوشی اور مستی میں آ جاتے ہیں کبھی بے ہوش ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت شیخ الاسلام نظام الدینؒ اپنی وفات سے کچھ دن پہلے احباب کے ساتھ خطیرہ شیخ الاسلام خواجہ قطب الدین بختیار اوشی رح میں سماع سن رہے تھے۔ تمام وقت ان کو ذوق نہ ہوا۔ وہ اٹھنا ہی چاہتے تھے کہ حسن مہندی آ گیا۔ اس نے شیخ کی تربت پر سر رکھ کر ہندی زبان میں "سوہلا مائی سوہلا" کا نعرہ مارا۔ سب لوگوں پر گریہ اور ذوق بے پایاں طاری ہو گیا۔ اس ہندی جملہ کے معنی ہیں "اے میری ماں! خوشی او نغمہ اسی کا ہے۔" صرف ایک لفظ کو ایک مخصوص آہنگ کے ساتھ کہنے سے کیفیت طاری

ہوگئی کہ یادگار رہ گیا۔ ایک دوسرا واقعہ حضرت شیخ نظام الدینؒ کا ہی اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت شیخ الاسلام کہیں جا رہے تھے راستہ میں انہوں نے ایک چرواہے کو دیکھا کنویں سے پانی نکال رہا ہے اس کے مویشی ادھر اُدھر ہو رہے تھے اس نے ان کو روکتے ہوئے آواز نکالی " یاہُرے ہو باہُر " یعنی لوٹ جا آگے نہ بڑھ۔ حضرت شیخ الاسلام کو صرف اسی ایک لفظ پر کیفیت طاری ہوگئی۔ خواجہ اقبال اور خواجہ مبشر ساتھ تھے ان لوگوں نے اسی لفظ کو آہنگ اور لے کی صورت میں شیخ کے آگے آگے گانا شروع کیا حضرت شیخ الاسلام پر تمام راستہ ذوق و سرمستی طاری رہی۔ اس کے بعد حضرت مخدوم نے فرمایا جو صوفی کہ جنبش نہیں کر سکتا اس کے لیے ادب یہ ہے کہ وہ گوشہ گیر ہو جائے اور حلقہ سماع کے اندر نہ آئے تاکہ دوسرے کا ذوق اس کو غارت نہ کرے۔

مجلس سماع میں باطریقہ ہونا ضروری ہے

ایک مرتبہ ایک درویش قاضی حمید الدین ناگوری کی مجلس سماع میں بے طریقہ ہوگیا خادم نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کو باہر کر دیا۔ جب سماع ختم ہوا اس درویش نے حضرت قاضی کے سامنے آکر اس خادم کی شکایت کی کہ اس آدمی نے مجھے اس وقت مجلس سے نکال دیا جب کہ میں ایک پاؤں بہشت میں رکھ چکا تھا اور دوسرا رکھنے والا ہی تھا۔ حضرت قاضی نے خادم کو بلا کر پوچھا کہ تم نے کیوں باہر کیا۔ خادم نے جواب دیا کہ حضور کی ہدایت تھی کہ مجلس میں جو شخص بے طریقہ اور بے سانہ ہو اسے نکال دو۔ میں نے اس حکم کی تعمیل کی۔ حضرت قاضی مسکرائے اور فرمایا کوئی بے ڈھنگا اور بے سانہ بہشت میں نہیں جائے گا۔

کچھ حضرت یونس علیہ السلام کے بارے میں

پھر حضرت یونس پیغمبر علیہ السلام کا ذکر نکل آیا۔ حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ یونس علیہ السّلام شہر بعلبک کی ایک بوڑھی عورت کے فرزند تھے۔ بعلبک میں ایک بت تھا جس کا نام بعلبک تھا اور اسی کے نام پر اس شہر کا نام رکھا گیا تھا۔ اس شہر کے تمام لوگ اس بت کی پوجا کرتے تھے۔ حضرت الیاس علیہ السلام کو جب ان لوگوں کی ہدایت کے لیے مبعوث کیا گیا تو وہ رات کو ڈرتے ڈرتے اس شہر میں داخل ہو کر یونس علیہ السلام کی بوڑھی والدہ کے مکان میں ٹھہرے تھے۔ وہ ایمان لائیں۔ انہوں نے دیکھا کہ ان کا لڑکا

یونسؑ یکایک مر گیا ہے۔ الیاس علیہ السلام نے دعا کی وہ زندہ ہو گئے۔ پھر وہ ان کو ساتھ لے گئے اور اپنے ساتھ رکھا۔ جب الیاس علیہ السلام ہوا میں معلق ہوئے تو اپنی جگہ یونس علیہ السلام کو مقرر کر دیا۔

مشائخ اپنی بیماری کی حالت میں اور کسی بیمار اور قیدی کو مُرید نہیں کرتے۔

نماز تراویح کے بعد حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ہمارے خواجہ صبح کے وقت جو کھانا، شربت اور شیرینی وغیرہ بطور نذر آتی تھی اس میں شریک نہیں ہوتے تھے لیکن خربزہ ایک دو قاش لے کر ضرور کھالیتے تھے۔ ایک مرتبہ ایسا واقعہ ہوا کہ کئی متعلم اور مولانا احمد تھانیسری خدمت میں حاضر تھے۔ خربزہ پیش کیا گیا۔ آپ نے ایک قاش اٹھا کر کھایا اور اس کا چھلکا خوان میں رکھ دیا ایک شاگرد نے لے کر اس کو چاٹنا شروع کیا۔ حضرت شیخ نے پھر خربزہ کا دوسرا قاش کھا کر اس کا بھی چھلکا قاب میں رکھ دیا دوسرے شاگرد نے اس کو اپنے لیے اٹھا لیا یہاں تک کہ وہاں پر جتنے طالب علم تھے باری باری سے سبھوں نے ایک ایک چھلکا اپنے حصہ کا اُٹھا لیا اب مولانا احمد تھانیسری کی باری تھی۔ اور وہ منتظر تھے کہ اس مرتبہ وہ اٹھائیں گے۔ حضرت خواجہ نے خربزہ کا قاش کھا کر اس کا چھلکا کھڑکی سے باہر پھینک دیا۔ سب لوگ حیران رہ گئے کہ وابستگان میں ہر ایک کو جھوٹے کا شرف حاصل ہوا لیکن مولانا احمد کیوں محروم رہے۔ حضرت خواجہ کی بیماری کے دوران مولانا احمد نے اس حصول شرف کے لیے درخواست کی۔ حضرت خواجہ نے فرمایا کہ اِنْ شاءَ اللہ صحت یاب ہوں گا تو دوں گا۔ لیکن وہی مرض الموت ثابت ہوا۔ اسی بنا پر کہا گیا ہے کہ مشائخ اپنی بیماری کی حالت میں مُرید نہیں کرتے اور کسی بیمار اقیدی اکو بھی مُرید نہیں کرتے جب تک کہ وہ بیماری اور قید سے نجات نہ حاصل کر لے۔ حضرت مخدوم کے بھتیجے سید احمدؒ نے حضرت مخدوم سے پوچھا کہ آخر ایسا کیوں ہے اور اس میں کیا راز پوشیدہ ہے۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ دل چونکہ بیماری میں پریشان رہتا ہے اور یہ کام دل سے تعلق رکھتا ہے۔ ان لوگوں کی بات چھوڑو جو لوگ کہتے ہیں کہ مسلمان کو توبہ کرانا کیا بُرا ہے یہ تو اچھا کام ہے وہ جاہل لوگ ہیں کیا جانیں البتہ جو واقف کار ہیں وہ جانتے ہیں۔

بوقت نماز قعدہ میں انگلی کو حرکت دینے کے بارے میں

پھر نماز میں بوقت قعدہ

انگلی اٹھانے کی بات نکل آئی۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ہم اس پر عمل کرتے ہیں اور ہمارے خواجگان بھی کرتے تھے اس سے وحدت اور توحید کی طرف اشارہ ہے لیکن شافعی مسلک کے لوگ انگلیوں کو باندھ لیتے ہیں۔ ایک شہادت کی انگلی کھڑی کر دیتے ہیں اور دوسری کو اوپر نیچے حرکت دیتے ہیں۔ ہم لوگ ہاتھ اور انگلیوں کو کشادہ رکھتے ہیں صرف شہادت کی انگلی کو حرکت دیتے ہیں ہمارے خواجگان بھی اسی طرح کرتے تھے۔

روز سہ شنبہ ۸ رمضان المبارک ۸۰۲ھ

حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ چار جوڑے کپڑے رکھتے تھے۔

صحیح یاد نہیں چاشت کے وقت یا عصر کی نماز کے بعد حضرت مخدوم نے فرمایا کہ شیخ الاسلام حضرت فرید الدین گنج شکرؒ ہمیشہ چار جوڑے کپڑے اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ وہ فرماتے تھے کہ ایک پہننے کے لیے اور دوسرا دھلنے کے لیے اور تیسرا لباس اس لیے رکھتا ہوں کہ ممکن ہے ناگہانی طور پر کپڑا یا جسم گندا ہو جائے تو فوراً تبدیل کرنے کی ضرورت پڑے گی اور چوتھا اس لیے رکھتا ہوں کہ شاید کوئی ایسا شخص آجائے جس کو کپڑا دینے کی ضرورت ہو جائے۔ قوت القلوب میں استدلال اس آیت سے پیش کیا گیا ہے ھنّ لباسٌ لکم و انتم لباس لھنّ۔ عورت کو لباس کہا گیا ہے اور چار عورت رکھنے کی اجازت دی گئی ہے اس لیے لباس بھی چار رکھ سکتے ہیں۔

پیر سے حسن اعتقاد

اس کے بعد یاران قدیم اور ان کے حسن اعتقاد کا ذکر نکل آیا۔ حضرت سید ابو المعالی نے واقعہ بیان کیا کہ مولانا معین الدینؒ ہانسوی کے یہاں لڑکا پیدا ہوا۔ حضرت مخدومؒ نے پوچھا مولانا بچہ کا آپ نے کیا نام رکھا؟ جواب دیا بندہ مخدوم۔ حضرت مخدوم نے پھر پوچھا۔ پھر وہی جواب دیا۔ تیسری مرتبہ جب پوچھا تو جواب دیا عبد اللہ۔ مولانا قوام الدین وکیل نے اپنے لڑکے کا نام عبد المحمد رکھا تھا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا جیسے عبد المطلب۔ کہ مطلب نام مدینہ کے ایک شخص کا تھا اس نے عبد المطلب کو پالا تھا۔ وہ بڑے ہو کر مکہ چلے آئے۔ سید محمد اصغر کے بھائی نے جو کہ بڑی خوبیوں کے مالک تھے مولانا قوام الدین کا ایک واقعہ بیان کیا کہ ایک مرتبہ

شیخ الاسلام حضرت خواجہ نصیر الدینؒ کے عرس میں حضرت مخدوم روزہ سے نہیں تھے بیمار تھے انہوں نے پانی مانگا۔ پیا۔ بقیہ پانی مولانا قوام الدین کی طرف بڑھا دیا۔ وہ بہت بے ضبط آدمی تھے ان کو اپنے اوپر قابو نہیں تھا اسی وقت چھ سات سو آدمیوں کے سامنے اس کو پی گئے۔ حضرت مخدوم منع ہی کرتے رہے۔ اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت مخدوم نے بیان فرمایا کہ ایک دن شیخ الاسلام حضرت فریدالدین گنج شکرؒ کی طبیعت کچھ ناساز تھی رمضان کا مہینہ تھا وہ روزہ سے نہیں تھے۔ خربوزہ کھا رہے تھے۔ ایک قاش انہوں نے اس میں سے اٹھا کر حضرت خواجہ نظام الدینؒ کو دی۔ حضرت خواجہ نظام الدینؒ فرماتے ہیں کہ میرا دل چاہا کہ کھا لوں پھر دو ماہ متواتر روزہ رکھ کر کفارہ ادا کر دوں گا کیونکہ یہ سعادت پھر کہاں نصیب ہو گی۔ حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکرؒ نے اندازہ لگا لیا کہ یہ ابھی کھانا چاہتے ہیں فوراً روکا۔ "نظام الدین! ہم لوگوں پر شرع کی رعایت واجب ہے ابھی رکھ دو۔ افطار کے وقت کھا لینا۔"

روز چہار شنبہ ۹ رمضان المبارک ۸۰۲ھ

ہر ایک کے اپنے راز اور معاملات خصوصی ہوتے ہیں۔

چاشت کے وقت اس آیت کریمہ وما منا الا لہ مقام معلوم۔ کا ذکر آگیا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ہر ایک کے اپنے راز اور معاملات خصوصی ہوتے ہیں جن کا تعلق دوسروں سے نہیں ہوتا یہاں تک کہ ایک مرید کے معاملہ کا پیر سے تعلق نہیں ہوتا۔ مثال کے طور پر یوں سمجھیں اور فرض کریں کہ پیر اپنے مرید کو اس مقام تک پہنچا دیتا ہے جہاں خیمے نصب شدہ دکھائی تو دیتے ہیں لیکن وہ کسی کپڑے وغیرہ کے نہیں ہیں۔ خیمہ کے دروازہ پر چوب دار عصا لیے نظر تو آتا ہے لیکن نہ وہ آدمی ہے نہ فرشتہ نہ جن۔ اس کے نہ ہاتھ ہیں نہ پیر نہ پیٹ نہ سر۔ اسی طرح اس کے ہاتھ میں عصا تو ہے لیکن نہ وہ سونے کا ہے نہ چاندی کا نہ تانبے کا نہ لکڑی کا نہ لوہے کا۔ پیر مرید کو اس جگہ تک پہنچا دیتا ہے۔ مرید اندر جاتا ہے اب آگے کا حال اللہ جانتا ہے یا مرید کہ اس پر کیا گزری۔ جب وہ واپس آتا ہے تو پیر اس سے وہاں کا حال پوچھتا ہے مرید جہاں تک بیان کر سکتا ہے بتاتا ہے اور کچھ ایسی باتیں بھی ہیں جن کے بیان کرنے پر وہ قادر

نہیں ہے وہ خاموش رہتا ہے پیر سے نہیں کہتا ہے۔ پیر کے پوچھنے کا سبب صرف اطلاع اور واقفیت ہی حاصل کرنا تو ہوتا ہے۔ اس لیے کہ الوہیت کے جزئیات ناقابل انحصار ہیں۔ ہر شخص کے ساتھ کچھ نہ کچھ راز اور معاملہ مخصوص ہے۔ سید احمد سلمہ اللہ نے پوچھا شاید پیر کی اس مقام تک رسائی نہ ہو گی۔ حضرت مخدوم نے فرمایا رسائی تو ہے لیکن جزئیات کی انتہا نہیں ہے۔ کوئی شخص اس کا احاطہ نہیں کر سکتا۔

سماع میں پسندیدہ حالت

تراویح کی نماز کے بعد سماع، سرود اور صوفیا کے رقص کی بات نکل آئی۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ سماع میں پسندیدہ حالت تو یہ ہے کہ آدمی باخود بھی ہو اور بے خود بھی۔ جو بولے اور کرے اس کو سمجھتا ہو لیکن اس پر ایک ایسی حالت اور کیفیت طاری ہو کہ اس وقت کی حرکات و سکنات پر اس کا کوئی بس اور قابو نہ ہو۔ یعنی اس وقت اس سے جو فعل ہو رہا ہے اس کے نہ وہ کرنے پر قادر ہو اور نہ نہ کرنے پر۔ شیخ کتنا ہی باعظمت اور معزز ہو لیکن اس وقت اس کی کوئی چیز اس کی مدد نہیں کر سکتی۔ وہ جو کچھ کرتا ہے اس کو سمجھتا ہے لیکن اس سے باز رہنے پر وہ قادر نہیں ہے۔ جس طرح کہ حالت غضب میں کوئی غصیلا آدمی اپنی محبوب بیوی کو طلاق دے دیتا ہے اور پھر پشیمان ہوتا ہے وہ طلاق دینے کے وقت حالت غضب میں خوب سمجھتا ہے کہ وہ کیا کر رہا ہے لیکن اس سے باز رہنے پر قادر نہیں ہے اور اس سے وہ حرکت ہو جاتی ہے۔ اور سماع میں کبھی بے ہوشی بھی ہو جاتی ہے لیکن یہ پسندیدہ بات نہیں ہے۔ جیسا کہ شراب خوار، جو شراب پی کر بے ہوش ہو جائے، قابل اعتبار نہیں۔ ان میں بھی اچھا اور نہ قابل بھروسہ وہی سمجھا جاتا ہے جو اتنی ہی مقدار میں پیے کہ اس سے بے ہوشی نہ ہو۔ سماع کا مقصد خیالات کو مجتمع کرنا اور دل کو متوجہ اور یکسو کرنا بھی ہے۔ سماع سے ایک بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ دل سوائے ایک مطلوب کے ہر شے سے خالی ہو جاتا ہے۔ اور ایک گونہ بے خودی اس پر طاری ہو جاتی ہے۔ ایک دانش مند ہمارے خواجہ سے مرید ہو کر صوفی ہو گیا بعد میں مولانا زین الدین نے اس کو اپنا خلیفہ بھی بنا دیا تھا ایک روز وہ کہنے لگا میر سید مجھ کو سماع سے کچھ اثر نہیں ہوتا۔ میں نے کہا یہ شخص ذوق سماع سے بالکل ناواقف ہے۔ اس پر کبھی ذوق ہوا ہی نہیں اور نہ اسے یہ معلوم ہے کہ سماع کیا چیز ہے۔ حقیقت میں سماع محبوب

تک پہنچنے کا ایک طریقہ ہے جس طرح کہ نماز، روزہ اور تلاوت کلام پاک آدمی کو اللہ تک پہنچا دیتا ہے اسی طرح سماع بھی محبوب حقیقی تک پہنچا دیتا ہے بلکہ اجتماع خیال اور توجہ خاطر جو تمام سعادتوں کا سرمایہ ہے، سماع سے زیادہ حاصل ہوتا ہے۔ اسی بنا پر شیخ ابو علی دقاق نے کہا ہے کہ السماع اقرب الطریق الی اللہ۔ ایک مرتبہ میرے والد اس مسجد میں جس میں ہم لوگ پڑھتے تھے گوشہ گیر ہو کر اشراق پڑھ رہے تھے۔ میرے معلم اور متعلمین میں سے ایک شخص سماع پر بحث کر رہے تھے۔ والد جب نماز سے فارغ ہوئے تو میرے معلم سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ مولانا، آپ لوگ جو گفتگو اور بحث کر رہے تھے میں نماز میں سب سن رہا تھا، آپ کہیں تو میں نماز دوبارہ پڑھ لوں، لیکن جب میں سماع میں ہوتا ہوں تو میرے دل میں سوائے ایک میرے مطلوب کے اور کسی کی رسائی نہیں ہوتی اور مجھے اپنے گردوپیش کا کچھ شعور نہیں ہوتا۔ ایسے سماع کو حرام کون کہتا ہے۔ اور سماع وہی ہے اس کے علاوہ اور جو کچھ ہے وہ سماع نہیں ہے۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ اہل سماع کے احوال مختلف ہوتے ہیں۔ جس طرح دیکھا جاتا ہے کہ کوئی شخص کسی کو ایک بار دیکھنے سے بے خود اور مدہوش ہو جاتا ہے۔ اور جب اس کو دوسری مرتبہ دیکھتا ہے تو پھر اسے اس کو دیکھنے کی تاب ہو جاتی ہے۔ تیسری مرتبہ دیکھتا ہے تو اسے اس کے ساتھ مصاحبت اور ہم جلیس کی صلاحیت ہو جاتی ہے۔ اور پھر بات چیت بھی ہونے لگتی ہے اور اختلاف بھی ہو جاتا ہے۔ وہ آدمی متمکن کہلاتا ہے اسی کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ھو مسیطرٌ علی الحال لا الحال مسیطرٌ علیہ یعنی وہ وارد پر غالب ہے وارد اس پر غالب نہیں ہے۔ متمکن کو ذوق سماع کم ہوتا ہے اور گریہ و اضطراب اس سے بھی کم تر۔ اسی طرح اہل سماع حظ اٹھانے کے لحاظ سے بھی جدا جدا ہیں۔ ایک مجمع میں اگر کئی آدمی ہیں تو ان میں سے ہر ایک کو جدا جدا عالم سے حظ ملتا ہے اور مختلف آہنگ سے ذوق حاصل ہوتا ہے۔ ایک دن سات صوفی جن میں سے ایک میرے والد صاحب بھی تھے۔ مولانا برہان الدین کے گھر میں جمع ہوئے۔ وہاں سات اشعار پڑھے گئے اور ان میں سے ہر ایک کو جدا جدا ایک ایک شعر پر کیفیت طاری ہوئی اور ذوق حاصل ہوا۔ اور ان لوگوں نے اپنے اپنے پسندیدہ شعر کو پڑھوایا اور اس سے ذوق حاصل کیا۔ وہ اشعار یہ ہیں :۔

جاں نہ دارد ہر کہ جانانیش نیست　　　تنگ عیش است ہر کہ بستانیش نیست

ہر کرا با ماہ روئے سرخوش است دولتے دارد کہ پایانیش نیست
ہر کرا صورت نہ بند دستِ عشق صورتے دارد ولے جانیش نیست
گر دلے داری بہ دل بندے بہ دہ ضائع آں کشور کہ سلطانیش نیست
عارفاں درویش صاحب درد را بادشاہ خوانند گر نانیش نیست
خانہ زنداں است تنہائی ملال ہر کہ چوں سعدی گلستانیش نیست

چھ شعر پڑھنے کے بعد حضرت مخدوم نے فرمایا کہ مجھے ساتواں شعر یاد نہیں رہا۔

صوفیوں کی کرامت

حضرت مخدوم نے پھر ایک قصہ بیان فرمایا جو انہوں نے اپنے خواجہ سے سنا تھا کہ ایک شخص نے بادشاہ کا مصاحب اور معتمد ہونے کے بعد اس کو صوفیوں کے خلاف بھڑکانا اور بدگمان کرنا شروع کیا۔ بادشاہ اس کے ورغلانے میں آگیا۔ اس نے کہا کہ صوفیوں کی ایسی بے کار جماعت ہے کہ نہ مجھ کو ان لوگوں سے کوئی فائدہ ہے اور نہ ان لوگوں کو مجھ سے کوئی تعلق۔ اس لیے ان سے کہہ دیا جائے کہ شہر سے نکل جائیں۔ صوفیوں کو جب بادشاہ کا حکم پہنچایا گیا تو انہوں نے قبول کر لیا اور درخواست کی کہ ہم لوگوں کو تین روز کی مہلت دی جائے کہ ہم لوگ اپنے رشتہ داروں دوستوں، ہمسایہ، شہر اور گھر سے رخصت ہولیں۔ اور ایک مرتبہ بادشاہ کی طرف سے ہم لوگوں کو سماع سنوایا جائے۔ پھر ہم لوگ خوشی سے بادشاہ کے ملک کو چھوڑ دیں گے بادشاہ نے ان کی درخواست منظور کر لی اور اپنے محل کے سامنے میدان میں شامیانہ اور خیمہ لگوا کر سماع کا انتظام کیا۔ ان کو بلوا بھیجا۔ وہ لوگ آئے اور سماع شروع ہوا۔ بادشاہ خود بھی اپنے جھروکہ سے بیٹھ کر تماشا دیکھنے لگا۔ اس کے ساتھ اس کا خوردسال لڑکا بھی بیٹھا تماشا دیکھ رہا تھا۔ ناگہانی طور پر اس بچہ کا پیر پھسل گیا اور وہ جھروکہ سے نیچے گر گیا۔ اس کی گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی اور وہ فوراً مر گیا۔ بادشاہ کو اپنے بچے سے بہت محبت تھی اس نے اس حادثہ کو صوفیوں کی نحوست اور بدبختی پر محمول کیا اور ان کو سخت سزا دینے کی بابت سوچنے لگا۔ صوفیوں کو جب ان باتوں کی خبر ہوئی تو ان لوگوں نے بادشاہ کو کہلا بھیجا کہ آپ شہزادے کی لاش مجلس سماع میں بھیج دیں۔ سماع کے ختم ہونے پر انشاء اللہ آپ کا بچہ آپ کے پاس صحیح و سالم بھیج دیا جائے گا۔ اس کے بعد آپ کا جو جی چاہے ہم لوگوں کے ساتھ کیجیے گا۔ بچے کو کپڑے میں لپیٹ کر لوگوں نے لایا اور مجلس سماع میں

رکھ دیا۔ سماع ہوتا رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد بچے میں حرکت پیدا ہوئی اور وہ رونے لگا۔ بادشاہ یہ منظر دیکھ کر فرط خوشی اور جذبہ ممنونیت سے بے قابو ہو کر صوفیوں کے پاس آیا اور ان کے قدموں کی دھول سر پر رکھی۔ اور بہت عزت و احترام سے اپنے ساتھ دربار میں لایا۔ معافی مانگی۔ اور پھر وہ صوفیوں کا عقیدت مند ہو گیا۔

حضرت جنید بغدادیؒ اور ایک یہودی راہب کا مکالمہ

سلوک میں لکھا ہے کہ ایک دن حضرت جنیدؒ اپنے ساتھیوں کے ساتھ کوہ لبنان پر سماع سن رہے تھے۔ ایک یہودی راہب دور سے کھڑا ان لوگوں کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے ان لوگوں کو پکارا لیکن یہ لوگ سماع میں ایسے محو تھے کہ کچھ پتا ہی نہ چلا۔ سماع کے بعد حضرت جنیدؒ نے پوچھا کہ ہم لوگوں کو کون آواز دے رہا تھا۔ راہب نے آگے بڑھ کر بتایا کہ میں پکار رہا تھا۔ حضرت جنیدؒ نے پوچھا کہ کیا چاہتے ہو؟ اس نے پوچھا آپ لوگوں کا مذہب کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم لوگ دین احمدی کے ماننے والے ہیں اور رسول خدا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت ہیں۔ اس نے پوچھا آپ لوگ ابھی کیا کر رہے تھے؟ حضرت جنید نے جواب دیا سماع سن رہے تھے اس نے پوچھا اس کا راز کیا ہے؟ حضرت جنیدؒ نے فرمایا طیب العیش مع اللہ تعالیٰ۔ یہ سن کر وہ یہودی راہب حضرت جنیدؒ کے سامنے فوراً مشرف بہ اسلام ہو گیا۔ اور بولا کہ میں نے توریت میں پڑھا ہے کہ نبی آخر الزماں احمد صلعم ہوں گے اور ان کی امت میں ایک گروہ ایسا ہو گا جو طیب عیش مع اللہ تعالیٰ کے لیے سماع سنے گا اور رقص کرے گا۔

کرامت بیان کرنے میں مبالغہ آمیزی

اس کے بعد کرامت پر بات نکل آئی حضرت مخدوم نے فرمایا کہ جس قدر کرامات صوفیائے متاخرین سے منقول ہیں متقدمین سے نہیں۔ اور صحابہ کرام میں جس قدر فضائل اور کرامات امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منسوب ہیں اتنی دوسرے صحابہ سے نہیں۔ عرائس میں لکھا ہے کہ حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک دن عصر کی نماز پڑھنے کے لیے امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ مسجد نبوی میں تشریف لائے اس وقت آفتاب غروب ہو رہا تھا۔ علی رضی اللہ عنہ نے اللہ سے دعا مانگی کہ تھوڑی دیر کے لیے آفتاب لوٹ جائے تا کہ میں عصر کی نماز پڑھ لوں۔ لوگوں نے دیکھا کہ واقعی مسجد کی

دیوار پر آفتاب کی روشنی چمکنے لگی اور علی رضؓ نے نماز پڑھ لی اور پھر آفتاب غروب ہوگیا۔ فردوسی طوسی نے ایک شعر میں دعویٰ کیا ہے کہ تمام انبیاء جو معجزہ رکھتے تھے علی رضی اللہ عنہ کرامت کی شکل میں ان کو رکھتے تھے۔ اور پھر آفتاب کے واپس ہوجانے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے واقعات سے اپنے دعوے کا ثبوت فراہم کیا ہے۔ خیر وہ تو مورخ اور شاعر تھا۔ اس سے سند لینا ضروری نہیں۔ لیکن عرائس میں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے اور دیگر شخصیتوں کے حوالے سے ایسی بہت سی روائتیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی کرامت سے متعلق منسوب کی گئی ہیں مثلاً حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے ایک روایت ہے کہ امیرالمومنین علی کرم اللہ وجہہ آنکھیں بند کرکے تلوار چلاتے تھے۔ اور مجال نہیں کہ کسی موافق کو غلطی سے اس کی ضرب لگ جائے۔ ایک اور واقعہ عرائس میں درج ہے کہ جنگِ صفین سے جب علی رضی اللہ عنہ واپس ہوئے تو معاویہ نے راہ بر کو تیس ہزار اشرفی رشوت کے طور پر اس بات کے لیے دینا منظور کیا کہ راستہ میں وہ یا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کہیں غرقاب کردے یا کسی بے آب و گیاہ جگہ پر پہنچا کر ان کی ہلاکت کا باعث ہو۔ چنانچہ اس نے ایک عمیق دریا کے کنارے پہنچا دیا۔ امیرالمومنین حضرت علی رضؓ نے دریا کے کنارے کھڑے ہوکر دیکھا کہ پایاب نہیں ہے۔ لشکر کے تباہ ہونے کا اندیشہ ہے۔ انہوں نے اپنے رکاب دار قیصر کو بلایا اور کہا کہ اس بلندی پر جاکر آواز دو کہ اے جمجمہ! پکارتے ہی لبیک لبیک کی آواز چاروں طرف گونجنے لگی۔ قیصر نے عرض کیا اے امیرالمومنین! یہ تو ہر طرف سے لبیک لبیک کی آواز آرہی ہے کسے پکاروں۔ حضرت علی رضؓ نے فرمایا کہ پکارو اے جمجمہ ابن کرکرت! اس نے یہی نام لے کر پکارا۔ پھر بھی ہزاروں آوازیں جواب میں آئیں۔ پھر کہا کہ پکارو اے جمجمہ ابن کرکرت الملاح اس نام پر ایک شخص کی آواز آئی۔ قیصر نے پوچھا دریا پایاب کہاں ہے۔ اس نے بتایا کہ فلاں مقام پر۔ حضرت علی رضؓ اپنے لشکر کو لیے اس مقام پر آئے اور بہ حفاظت پار اتر گئے۔ وہاں سے آگے بڑھنے کے بعد راہ بر نے ان کو بے آب و گیاہ مقام پر ڈال دیا پانی اس جگہ سے بہت دُور پیچھے چھوٹ گیا تھا۔ اور آگے کہیں پانی نہ تھا۔ لشکر پھر خطرہ میں پڑ گیا۔ حضرت علی رضؓ نے پھر قیصر کو کہا آگے کی طرف دیکھو کہیں پانی ہے۔ قیصر ادھر اُدھر دوڑا۔ دیکھا کہ ایک نہر صحرا سے ہوکر بہہ رہی ہے اور امیرالمومنین علی رضؓ اس جگہ گھوڑے پر موجود ہیں اور اپنے گھوڑے کو پانی پلا رہے ہیں۔ پھر رک کر قیصر سے فرمایا

کہ اس میں سے ایک پیالہ پانی نکال کر چکھنے کے لیے دو۔ پانی کو زبان سے لگانے کے بعد آپ نے فرمایا کہ یہ تو شور اور نمکین پانی ہے۔ لشکر اور چوپائے شور پانی کو کس طرح پئیں گے۔ پھر فرمایا کہ اس پہاڑ کے اوپر جا کر دیکھو۔ قیصر پہاڑ پر گیا۔ وہاں دیکھا کہ میٹھے پانی کا چشمہ پہاڑ پر رواں ہے اور حضرت علی رضؓ اس جگہ کھڑے ہوئے گھوڑے کو پانی پلا رہے ہیں قیصر نے کہا اے علی رضی اللہ عنہ آپ تو مُردوں کو زندہ کرتے ہیں اور صحرا اور پہاڑ پر پانی پیدا کرتے ہیں۔ آپ کو ابھی لوگ لشکر میں دیکھتے ہیں اور آپ اسی لمحہ صحرا میں نہر کے کنارے ملتے ہیں۔ آپ تو خدا معلوم ہوتے ہیں۔ حضرت علی رضؓ نے اس کا یہ کافرانہ جملہ سُن کر تلوار سے اس پر حملہ کیا۔ لیکن وہ بھاگ گیا۔ پھر اس نے اسی پہاڑ پر ایک شہر بسا دیا۔ اور علی رضی اللہ عنہ کی پرستش کرنے لگا۔ اس کے پیرو جو بعد میں ہوئے ان کا نام قیصریہ پڑ گیا۔

تیسرا واقعہ حضرت مخدوم نے حضرت علی رضؓ کا اس طرح بیان فرمایا کہ امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ ایک روز ذکر فرما رہے تھے۔ اسی درمیان میں آپ بولے کہ سلونی عمّا شئتم یعنی جو کچھ مجھ سے پوچھنا چاہتے ہو پوچھو۔ علیقہ نام کا ایک شخص تھا وہ اٹھا اور اپنے جی میں کہا کہ انہوں نے بہت بڑا دعویٰ کیا ہے آج ان کو ضرور رسوا کر کے چھوڑوں گا۔ پھر اس نے سوال کیا ھل رأیت ربک (کیا آپ نے اپنے خدا کو دیکھا ہے۔ علی رضؓ نے جواب دیا نعم لم اعبد ربًّا ولم ارہ یعنی ہاں ہم نے دیکھا ہے۔ خدا کو بغیر دیکھے ہم کیسے اس کی عبادت کرتے۔ اس نے پوچھا کیف رأیت (آپ نے کس طرح دیکھا) حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اُسے اتنے مدلل طور پر وضاحت کے ساتھ سمجھایا کہ وہ بے تاب ہو کر قدموں پر گر پڑا۔ اور تمام لوگ حیرت زدہ رہ گئے۔ توحید پر جس وضاحت کے ساتھ دلکش انداز میں آپ نے تقریر فرمائی یہ آپ ہی سے ممکن تھا۔

پھر حضرت مخدوم نے فرمایا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے علم و بصیرت پر اس حدیث شریف سے زیادہ اور کون سی دلیل لائی جا سکتی ہے انا مدینۃ العلم وعلی بابھا یعنی میں علم کا شہر ہوں اور علی رضؓ اس کے دروازہ ہیں۔ ظاہر ہے جو شخص شہر سے باہر نکلنا چاہے گا اس کو بھی دروازہ سے ہو کر گزرنا ہو گا اور جو شہر کے اندر داخل ہو کر اس کے خوب صورت مناظر سے لطف اندوز ہونا چاہے گا اس کو بھی دروازہ ہی سے داخل

ہونا پڑے گا۔

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ایک روز عبد الصائب نے امیر المومنین علی رضؓ سے پوچھا:۔ مَنْ اَنْتَ یعنی آپ کون ہیں ۔علی رضؓ نے جواب دیا میں علی ابن ابی طالب ہوں ۔عبد الصائب نے پھر پوچھا آپ کون ہیں ؟ علی رضؓ نے پھر جواب دیا میں علی ابن ابی طالب ہوں ۔تیسری مرتبہ عبد الصائب نے پھر وہی سوال کیا علی رضی اللہ نے فرمایا تم بھی عجیب ہو اور میں کون ہوں ۔عبد الصائب نے کہا آپ العلی العظیم ہیں۔

اسی درمیان میں شافعی مسلک کے دو شخص ملاقات کے لیے آئے ۔حضرت مخدوم نے فرمایا شافعی اور حنفی کتابوں کا اگر مقابلہ کیا جائے تو مشکل سے یقین آئے گا کہ یہ دونوں پیغمبر صلعم کی شریعت کے علم بردار ہیں بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک کسی اور پیغمبر کے ہیں اور دوسرے کسی اور پیغمبر کی شریعت کے حامل ہیں ۔حضرت مخدومؒ نے امام شافعی رحمۃ اللہ کی وجہ تسمیہ بتاتے ہوئے فرمایا کہ بعض فقہا نے لکھا ہے کہ جس روز امام اعظم ابو حنیفہ رضؓ کا وصال ہوا امام شافعی کی والدہ جو بہت بوڑھی ہو چکی تھیں اور حد ولادت سے گذر چکی تھیں اور انہیں کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی امام ابو حنیفہ کے جنازہ کو گزرتے دیکھ کر ان سے سفارش کی درخواست کی تھی اور اس کے بعد امام شافعی پیدا ہوئے ۔لیکن کتاب نسب اور تاریخ میں لکھا ہے کہ شافعی کی نسبت بنو شافعی سے ہے اور بنو شافعی فرزندان عبد المطلب میں سے ایک خاندان کے لوگ ہیں ۔ان کا نام محمد اور ان کے والد کا نام ادریس اور ان کا نسب نامہ اس طرح ہے ۔امام محمد بن ادریس الشافعی المطلبی ۔

روز پنجشنبہ ۱۰ رمضان المبارک ۸۰۲ھ

سحر جادو ایک حقیقت ہے

مغرب کی نماز کے بعد گفتگو سحر، جادو اور دیو پری کی طاقت پر نکل آئی ۔حضرت مخدوم نے فرمایا کہ جادو حقیقت ہے ولی اور نبی پر بھی اثر کرتا ہے ۔یہاں تک کہ رسول اللہ صلعم پر بھی اس کا اثر ہوا تھا ۔اس کا قصہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلعم پر جب سحر کیا گیا تو آپ کی غذا، نیند، چین آرام سب ختم ہو گیا ۔عجیب طرح کا مرض پیدا ہوا ۔ضبط و ربط سب

خراب ہونے لگا۔ صحابہ کرام حیران اور پریشان تھے کہ یہ کس طرح کی بلا چمٹی۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلعم دن کو قیلولہ فرما رہے تھے کہ دو فرشتے آئے ایک سرہانے بیٹھا اور دوسرا پائنتی میں۔ اور دونوں آپس میں گفتگو کرنے لگے ایک نے دوسرے سے کہا اس شخص کو کون سی بیماری ہوگئی ہے دوسرے نے کہا ان پر جادو ہوا ہے۔ پہلے نے پوچھا کس چیز پر کیا ہے۔ دوسرے نے کہا کنگھی اور تازہ خرما کے خوشہ کو چھلکے اور پتے کے ساتھ باندھ کر کیا ہے۔ پہلے نے پوچھا وہ کس مقام پر ہے دوسرے نے کہا چاہ ذی اوران میں کہ اس جگہ خرما کا درخت چاروں طرف بہت کثیر تعداد میں ہے، اور اس درخت کی اوپر کی شاخیں شیطان کے سر کی طرح خوفناک معلوم ہوتی ہیں۔ صحابہ کو جب یہ سب معلوم ہوا تو وہ سب فوراً اس جگہ گئے اس کو نکال کر لایا۔ گرہوں کو کھولا اور پانی سے دھوکر جاری پانی میں ڈال دیا اور ہر گرہ کے کھولنے کے دوران معوذتین پڑھتے رہے۔ پھر رسول اللہ صلعم صحتیاب ہوئے۔

حضرت شیخ جلال الدین تبریزیؒ اور لونا چمار

پھر حضرت شیخ جلال الدین تبریزیؒ کے فضائل کا ذکر نکل آیا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ خداوند قدوس نے ان کو بڑی طاقت عطا فرمائی تھی۔ کوئی سحر اور جادو ان پر اثر نہیں کرتا تھا دیو و پری ان کے سامنے عاجز رہ جاتے تھے۔ حضرت شیخ جلال الدینؒ ایک مرتبہ لونا چمار کے استھان پر جا بیٹھے۔ اس کے کارندوں نے ان کو دیکھ کر کہا کہ کوئی درویش مسافر ہے اس کو کیا ستائیں۔ لونا چمار کو خبر ہوئی تو اس نے اپنے آدمیوں کو کہا کہ جا کر کہو کہ آپ مسافر ہیں ہماری جگہ سے چلے جائیں۔ آپ کو ہم لوگ کچھ نہیں کریں گے۔ حضرت شیخ نے فرمایا ہم تو اس جگہ سے نہیں جاتے۔ لونا کو خبر ہوئی تو اس نے کہا تھوڑا اس کو دق کرو خود بھاگ جائے گا۔ ان لوگوں نے دق کرنے کی کئی تدابیر کیں لیکن حضرت پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ سب بڑے حیران و پریشان ہوئے۔ پھر لونا نے اپنے ماہرین اور جغادریوں کو ان کے خلاف نبرد آزمائی کرنے پر متعین کیا لیکن وہ سب بھی عاجز آگئے اور ان کے کوئی جادو اور عمل کا حضرت پر اثر نہ ہوا۔ لونا کو جب ان باتوں کی خبر ہوئی تو وہ غصہ میں بھرا ہوا خود آیا اور اپنا پورا زور صرف کیا لیکن بال برابر بھی حضرت کو نقصان نہ پہنچا سکا۔ عاجز آکر اس نے اپنے آدمی کو بھیجا کہ جاکر ان سے پوچھو کہ وہ کیا چاہتے ہیں۔

حضرت جلال الدین تبریزیؒ نے فرمایا کہ میں یہاں ایک مسجد بنوانی چاہتا ہوں اس میں نماز پڑھ کر یہاں سے جاؤں گا۔ لونا چمار نے کہلا بھیجا کہ آپ جو چاہتے ہیں کیجیے بلکہ اس نے مسجد کی تعمیر کا سامان بھی مہیا کر دیا۔ اس کے بعد حضرت نے مسجد بنانے کے بعد وہاں اذان دی نماز پڑھی اور پھر آگے بڑھے۔

دیوہ محل کا دیو

مولانا عطاء اللہؒ ایک صوفی بزرگ تھے ان کا بھی قصہ اسی طرح کا بیان کیا جاتا ہے کہا جاتا ہے کہ وہ ایک مرتبہ دیوہ محل پہنچ گئے وہاں ایک پھول بیچنے والے کے گھر میں قیام فرمایا۔ تھوڑی دیر کے بعد انہوں نے دیکھا کہ اس گھر میں گریہ و ماتم بپا ہے۔ انہوں نے پوچھا کہ آخر اس گریہ وزاری کا سبب کیا ہے۔ لوگوں نے بتایا کہ اس شہر کا دستور ہے کہ روزانہ ایک جوان کو بادشاہ کے حکم سے دیو کے پاس لے جاتے ہیں۔ وہ کھا جاتا ہے۔ آج اس گل فروش کے لڑکے کی باری ہے۔ شیخ عطاءاللہ نے کہا آج کی رات اپنے لڑکے کی بجائے مجھ کو دیو کے پاس بھیج دو۔ گل فروش نے کہا میں کیسے بھیج سکتا ہوں۔ ممکن ہے وہ قبول نہ کرے پھر بادشاہ ہم سب کو مار ڈالے گا اس نے اپنے لڑکے کو نہلایا دھلایا۔ نیا کپڑا پہنایا اور اس مندر میں لے گیا۔ حضرت شیخ بھی اس لڑکے کے ساتھ ہی ساتھ رہے اور اس مندر میں داخل ہو گئے۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے گل فروش کے بیٹے کو کہا کہ تم بھاگ جاؤ۔ معمولات کے مطابق وہ دیو نکلا حضرت شیخ نے اس کو ڈنڈے سے مار ڈالا۔ صبح کے وقت راجہ اپنے لشکر کے ساتھ بت کی پوجا کرنے کے لیے آیا۔ اس نے دیکھا کہ اس بت خانہ میں ایک آدمی سیاہ کپڑا پہنے ہوئے اور سیاہ کلاہ سر پہ رکھے کھڑا ہے اور لوگوں کو اپنی طرف بلا رہا ہے سب لوگ حیران ہوئے۔ راجہ خود حضرت شیخ کے پاس آیا۔ حضرت شیخ نے کہا تم لوگ آؤ میں نے اس دیو کو مار ڈالا ہے۔ سب لوگ اس دیو کو مردہ دیکھ کر ایمان لے آئے اور شیخ کا لباس اختیار کر لیا چنانچہ آج تک وہاں کے بعض لوگ چوڑی آستین کا سیاہ پیرہن اور چوگوشیہ طاقیہ ہی پہنتے ہیں انہوں نے اس شہر کی ولایت ایک شخص کے سپرد کی اس کو وہاں کا حاکم بنا دیا۔ اس شہر کی آمدنی کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک فقراء کے لیے دوسرا انتظام کے لیے اور تیسرا بادشاہ کے ذاتی خرچ کے لیے۔

حساب کتاب اور منشی کا کام بڑا بُرا ہوتا ہے

اس کے بعد ایک منشی کاتب قدمبوسی کے لیے حاضر ہوئے

حضرت مخدوم نے فرمایا تم کہاں سے آئے ہو۔ انہوں نے کہا دہلی سے۔ حضرت مخدوم نے فرمایا یہاں تمہارا ذریعہ معاش کیا ہے انہوں نے کہا کتابت کرتا ہوں۔ حضرت مخدوم نے فرمایا میرے حقیقی نانا بھی منشی تھے اس لیے تم بُرا نہ ماننا فقہ میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص قسم کھالے کہ وہ اپنی لڑکی اسفل السافلین کے حوالہ کر دے گا تو وہ لڑکی محاسب کو دے دے۔ دن رات حساب کتاب میں سر کھپانے کے لیے اسفل ہی آدمی کی ضرورت ہے پھر حضرت مخدوم نے فرمایا کہ کتابوں میں لکھا ہے کہ خداوند قدوس نے جب نفس کو پیدا کیا تو اس سے پوچھا مَنْ اَنْتَ۔ یعنی تو کون ہے تو اس نے جواب دیا انا انا وانت انت۔ یعنی میں میں ہوں اور تو تو ہے۔ اللہ تعالےٰ نے اس کو دوزخ میں بھیج دیا۔ ستر ہزار سال تک جلانے کے بعد پھر پوچھا کہ تو کون ہے تو پھر وہی جواب ملا۔ پھر دوزخ میں ڈال دیا اور ستر ہزار سال تک وہ اسی میں جلتا رہا۔ اس کو نکالنے کے بعد پھر پوچھا تو اس نے وہی جواب دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو بھوک کی مار ماری۔ تب وہ عاجز ہو گیا۔ کافی بھوکا رکھنے کے بعد اللہ نے اس سے پوچھا کہ بتا اب تو کون ہے۔ تو اس نے ہاتھ جوڑ کر کہا کہ خداوندا! میں تیرا بندہ ہوں اور تو میرا مالک اور خدا ہے۔ میں بھوکا ہوں کچھ کھانے کے لیے عطا فرما کہ پیٹ کی آگ بجھاؤں۔ حضرت مخدوم نے فرمایا یہ بھوک بھی عجیب بلا ہے۔ دُنیا میں جتنی بلائیں اور مصیبتیں ہیں ان کو برداشت کیا جا سکتا ہے لیکن بھوک میں بڑی بے بسی ہوتی ہے۔

ترک غذا سے مزاج میں خلل آجاتا ہے

اس کے باوجود اگر آدمی کم کھانے کی رفتہ رفتہ عادت ڈالے تو ممکن ہے وہ بالکل ترک غذا پر قادر ہو جائے اور خوش و خرم رہے۔ لیکن اس سے مزاج اور طبیعت میں خلل واقع ہونے کا احتمال ہوتا ہے۔ احمد بہاری نے بارہ سال تک کھانا نہیں کھایا تھا لیکن آخر میں ان کو خلل مزاج ہو گیا تھا۔ وہ ایسے کلمات زبان سے نکالنے لگے جو دین کے بالکل خلاف تھے۔ وہ درخت کی طرف منہ کر کے سجدہ کرتے اور کہتے کتنا اچھا معلوم ہوتا ہے لیکن بے ہودہ اور واہیات قسم کی گفتگو نہیں کرتے تھے۔ عین القضات حسین منصور کے

بقول وہ لایعنی گفتگو خلل مزاج ہی کی وجہ سے کرتے تھے۔ ان کی عادت تھی کہ وہ باہر چلے جاتے کچھ لوگ ان کے ساتھ ہوتے ان لوگوں کے لیے کھانا پکاتے وہ سب کھاتے لیکن خود بیٹھے ان کے کھانے کا تماشا دیکھتے۔ گولر کے درخت پر چڑھ جاتے گولر توڑتے دوستوں کو توڑ توڑ کر دیتے خود اوپر بیٹھے ہنستے رہتے۔ کرماس کا ایک پیرہن جسم پر اور ایک لنگوٹہ کمر میں اور کلاہ سر پر رکھے رہتے۔ حظیرہ شیر خان میں میرے پاس آتے لوگ میرے پاس آتے جاتے رہتے وہ بیٹھے دیکھتے رہتے اور جب جی چاہتا اٹھ کر چلے جاتے میں کبھی ان کو رخصت نہیں کرتا۔ اگر میں ان سے کوئی بات کہتا اور ان کو وہ پسند آجاتی تو میری طرف غور سے دیکھ کر سر ہلاتے اور ہنستے۔ جب میں دہلی شہر میں آگیا تو وہ اس وقت بھی میرے پاس آتے۔ جب شہر میں ان کا فتنہ فاش ہوا اور ان کے دشمن بہت زیادہ لوگ ہوگئے تو وہ بھی آپے سے باہر ہوگئے۔ وہ اکثر کہتے کہ اس شہر میں صرف ایک ہی شخص ہے۔ میں نے دل میں خیال کیا کہ اس سے اختلاف کر لینا چاہیے تاکہ لوگ مجھے بھی اس خیال اور مشرب کا نہ سمجھیں۔ چنانچہ معمول کے مطابق وہ ایک مرتبہ میری ملاقات کو آئے تو میں نے ان سے مخالف جیسا برتاؤ کیا۔ وہ ذرا جھگڑالو آدمی تھے اور کچھ آدمی بھی ساتھ رکھتے تھے میں نے ان کے تمام قول اور فعل کو ان کے سامنے بیان کر کے اس کو باطل قرار دیا۔ وہ مجھ سے کچھ نہ بولے رنجیدہ ہو کر واپس چلے گئے اور یہی میرا مقصد بھی تھا۔ باہر جا کر بولے اس آدمی کو آج کیا ہو گیا ہے کہ میرا مخالف ہو گیا ہے پہلے وہ ہم سے اچھی طرح خوشی خوشی ملتا تھا۔ اس روز جو وہ رنجیدہ ہو کر گئے پھر میرے پاس نہیں آئے اس کو دو تین ماہ گزرے ہوں گے کہ لوگوں نے ان کو گرفتار کر کے قتل کر دیا۔

خواجہ بندہ نوازؒ مکمل طور پر ترک طعام پر قادر تھے

شیخ شرف الدین پانی پتی نے تیس سال تک کچھ نہیں کھایا تھا پھر حضرت مخدوم نے فرمایا کہ اللہ نے مجھ کو یہ طاقت بخشی ہے کہ میں غذا مکمل طور پر ترک کر دوں لیکن شیخ کی قدمبوسی / دوستوں کی صحبت میں اکثر کھانے پر اصرار ہو جاتا ہے اس لیے عمل ممکن نہ ہوا۔ ایک دن میں نے عرض کیا کہ حکم ہو تو میں کھانے کے بعد خانقاہ میں حاضر ہوں اور شب کو قیام کروں۔ ہمارے خواجہ نے فرمایا آخر ایسا کیوں؟ میں نے عرض کیا والدہ سمجھتی ہیں کہ خانقاہ گیا ہے تو وہاں کھا لیا ہوگا اور خانقاہ میں

منتظمین سمجھتے ہیں کہ یہ گھر سے کھا کر آیا ہو گا۔ ہمارے خواجہ نے فرمایا کہ بہر حال جو میرا مرید ہے اسے میرے ساتھ کھانا ہو گا۔

مولانا تاج الدین کا مجاہدہ

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ میرے دوست مولانا تاج الدین کہتے تھے کہ وہ اور مولانا علاؤ الدین نے ایک مرتبہ سنگولہ خانقاہ خواجہ جہاں میں ترک طعام شروع کیا۔ تین تین چار چار روز پہ وہ کچھ کھاتے۔ مولانا علاؤ الدین تو واپس ہو گئے لیکن مولانا تاج الدین رہ گئے وہ دس روز پر افطار کرتے اور افطار بھی میٹھی اور مرغن چیز سے نہ کرتے کہ پیاس معلوم ہو گی۔ ایک چلہ اسی طرح کیا۔ چالیس روز میں ایک قطرہ بھی پانی نہ پیا چالیسویں روز پانی پیا لیکن وہ کہتے تھے کہ پورے جسم میں معلوم ہوتا ہے سوئی چبھ رہی ہے۔

حضرت سیدی مصری کا اٹھائیس سال تک پانی نہ پینا

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ سیدی مصری خوشنویس تھے، شجرہ لکھا کرتے تھے۔ میرے پاس جو شجرہ ہے میں نے ان ہی سے لیا تھا۔ وہ کہتے تھے کہ اٹھائیس سال سے میں نے پانی نہیں پیا ہے۔ میں نے پوچھا کہ پانی ترک کرنے کا سبب کیا ہے۔ انہوں نے کہا پیر نے منع فرمایا ہے۔ وہ بہت نحیف و نزار ہو گئے تھے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ پانی ترک کرنے سے جو آثار صوفیا کے مشاہدات میں آتے ہیں اس سے آپ بہرہ ور ہوئے ہیں انہوں نے کہا انشاء اللہ ہوں گا۔ مجھے پیر کے حکم کو بجا لانا ہے۔ حضرت سید جلال الدین صدر جہاں کے صاحبزادے صدر جہاں سید علی نے تسخیر آفتاب کا عمل ان کو بتایا تھا۔ دوران عمل بعض شرائط ان سے ادا نہ ہو سکے آفتاب نے ان کو مفلوج کر دیا اور وہ چند روز میں انتقال کر گئے۔

پھر حضرت مخدوم نے اپنے خواجہ کا بیان کردہ ایک ذاتی قصہ بیان فرمایا کہ حضرت خواجہ فرماتے تھے کہ سلوک کے ابتدائی دور میں ہم صوم دوام رکھتے تھے میری ماں افطار کرنے پہ زور دیتی تھیں اور میری اس امر میں مخالف تھیں میں ان کی خوشنودی کے لیے چھ سات روز پہ چند دانہ چاول کھا لیتا تھا۔ یا کچھ پانی پی لیتا تھا۔ اور پھر ان سے کہہ دیتا تھا کہ کھانا صبح کو کھاؤں گا۔ والدہ میرے لیے گھی شکر سے تیار کی ہوئی روٹی اپنی بوڑھی خادمہ کی معرفت بھیج دیا کرتی تھیں۔ وہ بوڑھی خادمہ جو میری والدہ کے ساتھ

جہیز میں آئی تھی اور اس کا نام کھلی تھا میری نگران۔ کے طور پر آتی تھی کہ میں روٹی ضرور کھالوں ان تین روٹیوں میں سے ایک تو میں اسی کو کھانے کے لیے دیتا تھا کہ وہ میرا پیچھا چھوڑ دے اور دو روٹیاں دو دوسرے درویشوں کو سحری کے وقت دے دیتا تھا۔

تسخیر آفتاب و ماہتاب و دیو پری خلاف مذہب ہے

تھوڑی دیر کے بعد گفتگو تسخیر آفتاب و ماہتاب وغیرہ پر چھڑ گئی۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ آفتاب، ماہتاب، سیاروں اور دیو و پری کا مسخر کرنا مذہب کے خلاف ہے۔ مسلمان ایسا نہیں کرتے۔ تمام عمل اللہ کے نام سے کرنا چاہیے مثلاً انت الاحد، انت الصمد، انت الفرد۔ وغیرہ اپنے مخصوص طریقوں کے ساتھ مولانا فخر الدین رازی نے آفتاب اور ماہتاب کو مسخر کر لیا تھا۔ اور اس پر ایک کتاب بھی لکھی تھی۔ جس کا نام انھوں نے سرِ مکتوم رکھا تھا۔ اس میں سب کچھ خدا کے خطابات کے ساتھ کیا گیا تھا۔ اس کتاب میں بعض حروف کو انھوں نے چھوڑ دیا تھا تاکہ ہر شخص اس سے واقف نہ ہو۔ عطارد کو بھی انھوں نے قابو میں کر لیا تھا۔ پانچ رات کے لیے انھوں نے پانچ قسم کی تصنیف کی تھی۔ پھر حضرت مخدوم نے فرمایا کہ تسخیر کا عمل اچھا نہیں ہوتا۔ اس سے باطن مکدر اور تاریک ہو جاتا ہے۔ اہل دل اس کو نہیں کرتے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ کسی کو ولایت عطا کرتا ہے تو فیض ربانی سے ساتوں سیارے اس کے زیر اثر آ جاتے ہیں ماہتاب سامنے آفتاب سر پر، عطارد پشت پر، زہرہ بائیں، مشتری دائیں، زحل اور مریخ اس کے دونوں پیر کے نیچے ہوتے ہیں اور اس سے اشارہ ملتا ہے کہ ولایت پر فائض ہونے کے بعد ہر سیارے اس کے تابع ہو جاتے ہیں۔ یہ سنت الٰہی ہے۔ اس کے خلاف کبھی نہیں ہوتا۔

سونے سے پہلے آدمی کو اپنے دن بھر کے عمل کا جائزہ لینا چاہیے

پھر گفتگو اس پر چھڑ گئی کہ آدمی کو بہت احتیاط اور پرہیز گاری کی زندگی گزارنی چاہیے۔ روزانہ سونے کے وقت اس کو اپنے دن بھر کے عمل اور قول کا جائزہ لے کر سونا چاہیے۔ العیاذ باللہ اگر اس سے دن میں کوئی غلط اور بے ہودہ حرکت ہو گئی ہے تو اس سے اس کو توبہ استغفار کرنا چاہیے اور کوشش کرنا چاہیے کہ آئندہ اس طرح کی حرکت اس سے نہ ہو اور اگر اس سے اچھا اور مستحسن کام ہو گیا ہو تو برابر اس پر ثابت قدم رہنے کی کوشش کرے اور

اللہ سے اس پر استقامت کی دعا مانگے اور اللہ کا شکر ادا کرے۔ جو آدمی اس پر عمل پیرا رہے گا وہ قیامت کے دن حساب کتاب سے بے خوف رہے گا۔ فسوف یحاسب حسابًا یسیرا یعنی اس کے حساب کتاب میں آسانی ہو گی اسی کے بارے میں کہا گیا ہے تھوڑا دھیان دینے سے اگر بڑی دشواریوں سے اس کو نجات مل جاتی ہے تو اس سے بہتر اور کیا ہو سکتا ہے۔ کل قیامت کے دن مالک اور غلام دونوں کو حساب دینے کے لیے طلب کیا جائے گا۔ مالک بڑا دولت مند اور داد و دہش کرنے والا عظیم انسان ہے پہلے غلام کی طلبی ہو گی اس سے عبادت کے بارے میں پوچھا جائے گا وہ کہے گا خداوندا! پانچ وقت کی نماز اور ایک ماہ کا روزہ تو میں رکھتا تھا لیکن چونکہ تو نے مجھے دوسرے کا غلام بنا دیا تھا اس لیے زکوٰۃ اور حج مجھ پر فرض نہ تھا۔ اس کے بعد حکم ہو گا دنیاداری کا حساب دے اور لذائذ دنیوی سے کس کس چیز سے متمتع ہوا وہ بتا۔ وہ کہے گا میں غلام تھا میرا مالک مجھے سلا ہوا کپڑا اور پکی ہوئی روٹی دے دیتا تھا میں کھا لیتا تھا اور اس کی خدمت کیا کرتا تھا۔ اللہ کا حکم ہو گا میرا یہ بندہ سبکسار ہے۔ اس کے لیے حلہ بہشتی لاؤ اور پہناؤ اور عزت و احترام کے ساتھ اس کو بہشت میں لے جاؤ۔ پھر اس کے مالک کی طلبی ہو گی۔ وہ ہزاروں اور لاکھوں روپے کا حساب کیسے دے سخت پریشان اور حیران ہو گا۔ ادھر ادھر نظر کرتا ہے ہر طرف مدد کے لیے نگاہ دوڑاتا ہے۔ کہ کوئی اس کی سفارش کرے لیکن الفاظ زبان سے نہیں نکلتے۔ یکایک دوزخ کے فرشتے نمودار ہوتے ہیں اور اس کو کشاں کشاں دوزخ کی طرف لے جاتے ہیں اب خود ہی سوچو کہ وہ غلام بہتر ہے یا وہ آقا۔

کوئی پیشہ اللہ تک پہنچنے میں سدِّ راہ نہیں ہے

پھر حضرت مخدوم نے فرمایا کہ جو چیز حلال ہے اللہ کی طرف سے اس کا استعمال منع نہیں ہے۔ اور نہ وہ سلوک کے خلاف ہے شیخ الاسلام حضرت شیخ نظام الدینؒ کے زمانے میں خواجہ ضیاء الدین نام کے ایک منشی تھے جو ملک عماد الملک کے وکیل تھے۔ ان کو حضرت شیخ نظام الدینؒ سے بیعت حاصل تھی جب مغلوں سے جنگ چھڑی اور علاؤ الدین کو خود میدان جنگ میں جا کر فوج کی قیادت سنبھالنی پڑی تو اس نے حضرت نظام الدینؒ سے کہلا بھیجا کہ ایسا عظیم خطرہ درپیش ہے تمام صوفیوں کو جمع کر کے مسلمانوں کی فتح کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں۔ سب لوگ دعا گوئی

میں مشغول ہو گئے۔ یکایک ایک صوفی حضرت شیخ نظام الدینؒ کے بالاخانہ کے اوپر حجرہ خاص میں حاضر ہو کر بولا کہ میں نے ایک جوان کو مسلمانوں کے لشکر میں گھوڑے پر سوار دیکھا ہے۔ مجھ سے کسی نے کہا کہ یہ لشکر میں نے اس جوان کے سپرد کیا اور اس جوان کی برکت سے میں نے سب کو فتح دی۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ اگر اس جوان کو تم دیکھو تو پہچان لو گے۔ اس صوفی نے کہا جی ہاں پہچان لوں گا۔ اسی وقت میاں ضیاء الدین مسلمانوں کی فتح یابی کی خبر دینے کے لیے تیزی سے گھوڑا دوڑاتے ہوئے حاضر ہوئے۔ حضرت شیخ نے اس صوفی سے پوچھا۔ دیکھو تو وہ یہی جوان ہے۔ صوفی نے کہا۔ جی ہاں۔ یہی ہیں۔ جب میاں ضیاء الدین حضرت شیخ کو فتح کی خبر دے چکے تو حضرت شیخ نے فرمایا کہ میاں ضیاء الدین اگرچہ ایک منشی ہیں لیکن یہ پیشہ اللہ تک پہنچنے میں سدراہ نہیں ہے۔ یہ گزر اوقات کے لیے اختیار کیا جاتا ہے۔ دراصل انسان کو خدا کی طرف متوجہ رہنا چاہیے اور اپنے دل کو پاک صاف رکھنا چاہیے پھر جو کام چاہے کرو اور اپنی روزی حاصل کرو تم کو کوئی نقصان نہ ہوگا۔

غیر معمولی اعتقاد اور محبت کی ایک عجیب مثال

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ جماعت خانہ ہمارے خواجہ کی خانقاہ میں دریائے جمنا کے کنارے واقع تھا۔ برابر سے اس پر چھپر تھا مریدان اور معتقدمندان مصر تھے کہ اس جگہ پختہ عمارت بنادی جائے۔ لیکن ہمارے خواجہ عمارت بنوانے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ میاں ضیاء الدین نے بھی درخواست کی۔ حضرت خواجہ نے منع کیا تو انہوں نے خواجہ اقبال اور سید حسین سے سفارش کرائی اور بہت منت سماجت کرنے لگے۔ ہمارے خواجہ میاں ضیاء الدین کو بہت مانتے تھے انہوں نے ان کو بلا کر فرمایا "ضیاء الدین! تم جانتے ہو میں جماعت خانہ کی پختہ عمارت بنوانے کی کیوں اجازت نہیں دے رہا ہوں۔ ضیاء الدین نے کہا حضرت مجھے نہیں معلوم۔ ہمارے خواجہ نے فرمایا کہ اس جگہ عمارت بنوانے میں بڑا خطرہ اور نحوست ہے جو اس جگہ عمارت کو بنائے گا زندہ نہیں رہے گا۔ ضیاء الدین نے کہا مجھے مرنا منظور ہے۔ حضرت خواجہ نے فرمایا سو تم جانو۔ لیکن اس عمارت کی تعمیر ایک ماہ میں مرتب ہو جانا چاہیے۔ ضیاء الدین نے منظور کر لیا۔ وہ فوراً گئے اور جلد از جلد معمار، مزدور اور تمام لوازمات کا سامان کر کے ایک ماہ کے اندر پختہ عمارت تیار کرادی اس کے بعد چار سو یا چھ سو روپے کا چھوٹا سکہ یعنی خردہ حضرت خواجہ کے

سامنے پیش کر کے کہا کہ عمارت بن گئی حضرت تشریف لائیں تاکہ آپ کے زیر سایہ عقیدتمندان اور خادمان کھانا کھائیں اور سماع سنیں۔ ایک دن اس کے لیے مقرر کر دیا گیا دوستوں نے طے کیا کہ سب لوگ جمع ہوں۔ چنانچہ سب شریک ہوئے لیکن میاں ضیاء الدین اس وقت بخار میں مبتلا تھے اس لیے اس مجمع میں شریک نہ ہو سکے اور چند روز کے بعد انتقال کیا۔ اس قصہ کو سنانے کے بعد حضرت مخدوم نے فرمایا سبحان اللہ عام طور پر لوگ اپنی ترقی اور بہتری کے لیے کوئی کام کرتے ہیں اور جو لوگ کسی مقصد کے تحت اپنے کو فنا کر دینے پر آمادہ ہو جاتے ہیں وہ اور ہی لوگ ہیں۔ اس طرح کی مثالیں انتہائی عقیدت مندی کی صورت میں دیکھنے میں آتی ہیں۔ حضرت نظام الدینؒ کے زمانے میں اس طرح کے معتقدین ملتے تھے لیکن اس دور میں بہت کم پائے جاتے ہیں۔

راجا بزلق اور ملک زادہ احمد کا قصہ

حضرت مخدوم نے پھر راجا بزلق کا قصہ سنایا کہ ایک دن میں خواجہ راجا بزلق کے پاس خاص اس غرض سے گیا کہ انہوں نے جو کچھ حضرت شیخ سے بلاواسطہ سنا ہو یا ہمارے خواجہ یا ان کے احباب مولانا برہان الدین غریب اور مولانا شمس الدین یحییٰ وغیرہ سے سنا ہو مجھے بتائیں اور مستفیض کریں۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ ان کے معتمد اور سچے دوستوں میں ہیں جو کچھ کہیں گے اس پر پورا بھروسا مجھ کو ہے اور آپ سے تربیت اور توفیق حاصل کرنے کی توقع رکھتا ہوں۔ خاص کر آپ نے ہمارے شیخ سے جو سنا ہے وہ ضرور بتائیے۔ انہوں نے فرمایا خوند سید! کہاں بے چارہ راجا اور کہاں حضرت شیخ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے کلمات میری کیا مجال کہ ان کو ادا کر سکوں۔ بس میرے لیے ان سے شرف مریدی کا حاصل کر لینا ہی بڑی بات ہے اور یہ حضرت شیخ سے مریدی کا شرف مجھے ملک زادہ احمد کی صحبت کی وجہ سے حاصل ہوا تھا۔ پھر انہوں نے ملک زادہ احمد کے بارے میں بتایا کہ وہ پہلے خواجہ سے مرید نہیں ہوئے تھے۔ لوگوں نے ان سے پوچھا کہ حضرت خواجہ سے بیعت کیوں نہیں حاصل کرتے۔ انہوں نے کہا کہ میری یہ مجال نہیں کہ حضرت خواجہ کے دست مبارک پر اپنا ہاتھ رکھوں۔ وہ حضرت شیخ کے ایسے مشتاق اور عاشق سوختہ تھے کہ اس کو بیان نہیں کیا جا سکتا۔ ان کے سامنے جو کھانا لایا جاتا اس کو وہ بیٹھے دیکھا کرتے لیکن ہاتھ نہیں لگاتے۔ لوگ ان سے پوچھتے کہ کھاتے کیوں نہیں تو فرماتے جب تک شیخ کو نہ دیکھ لوں

میں نہیں کھاؤں گا۔ جب وہ حضرت شیخ کو دیکھ لیتے تو کھانے میں ہاتھ لگاتے۔ پانی پینے کے معاملے میں بھی ان کا یہی حال تھا۔ ان کو نکسیر کی بیماری تھی۔ ناک سے جو خون گرتا اس کو ہاتھ میں لے کر پھر منہ میں ڈال دیتے۔ لوگ پوچھتے یہ کیا کرتے ہو، تو فرماتے میں اپنے اندر سے حضرت شیخ کو کس طرح جانے دوں۔ اگر تمہیں یقین نہ آئے تو دیکھو یہ کہہ کر دو چار دس قطرے زمین پر گرنے دیتے تو ان قطروں سے واقعی حضرت شیخ کا نام لکھا جاتا۔ اس واقعہ کو جب حضرت شیخ کے سامنے بیان کیا گیا۔ تو انہوں نے افسوس کے ساتھ کہا۔ آہ بیچارہ احمد جل مرا۔ پہلے سے مجھے کیوں نہیں خبر دی۔ اب کیا ہو سکتا ہے۔ اسی طرح چند روز بعد ملک زادہ احمد کا انتقال ہو گیا۔

مختلف اسباب کی بنا پر اپنے مقصود تک پہنچنا

ظہر کی نماز کے بعد مختلف اسباب کی بنا پر آدمی کا اپنے مقصود تک پہنچنے کے بارے میں بات نکل آئی۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ خواجہ ابوالحسن نوری تیس سال تک مسجد میں قیام کر کے عبادت و ریاضت میں مشغول رہے وہ کبھی نہیں سوئے لیکن کوئی خاص بات ظاہر نہیں ہوئی۔ ایک دن اس مسجد میں ایک مسافر قیام پذیر ہوا۔ اس کی خواہش ہوئی کہ تھوڑی دیر بیٹھ کر راستہ کی تکان اور کلفت دور کرے لیکن خواجہ ابوالحسن کے لحاظ سے اس کی ہمت نہیں بڑھ رہی تھی خواجہ ابوالحسن نے اس کو بھانپ لیا اور اس کی خاطر سے تھوڑی دیر کے لیے لیٹ گئے۔ پھر وہ بھی لیٹ گیا۔ خواجہ ابوالحسن نوری اسی شب کو خواب میں رؤیت باری سے مشرف یاب ہوئے۔ خواجہ ابوالحسن نوری فرماتے تھے کہ یہ میری ساری زندگی کی بہترین اور افضل ترین رات تھی۔

شاہ شجاع کرمانی کا قصہ

حضرت مخدوم نے ایک دوسرا قصہ اسی طرح شاہ شجاع کرمانی کا بیان کیا کہ وہ سالہا سال ابدال سے ملاقات کرنے کے متمنی تھے۔ ایک دن انہوں نے ایک ابدال کو دیکھا بھی تو بہت کریہہ صورت میں۔ دیکھتے ہی انہوں نے کہا ابدال اسی طرح کے ہوتے ہیں اس ابدال نے پانی لے کر شاہ شجاع کے چہرے پہ مارا اور کہا اے صوفی مجھ کو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے شاہ شجاع کرمانی کو اسی رات کو خواب میں رؤیت باری نصیب ہوا۔ وہ بیدار ہوئے تو سخت حیران اور پھر اسی تمنا میں مبتلا رہے کہ ایک مرتبہ اور رؤیت باری نصیب ہو

جاتا لیکن پھر نصیب نہ ہوا اسی اشتیاق میں وہ سب کے سب ہی ہو گئے۔ بغل میں تکیہ دبائے پھرا کرتے اور جہاں جاتے تکیہ لے کر جاتے اور اس کو سرہانے رکھ کر سوتے کہ شاید اسی تکیہ کی بدولت پھر خواب میں رویت نصیب ہو جائے۔ لیکن ایسا کبھی نہ ہوا۔

تہذیب و ادب کے بے حد فوائد ہیں

تراویح کی نماز کے بعد ادب اور تہذیب کے فوائد پر بات نکل آئی۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ خواجہ ابو اسحاق گازرونی ایک جولاہے کے لڑکے تھے۔ وہ روزانہ کھڑے ہو کر کپڑے بننے کا کام (تانا بانا) کرتے تھے۔ روٹی جوان کے لیے آتی تھی اس میں سے دو روٹی وہ طاق پر رکھ دیتے تھے۔ ادھر سے تین درویش گزر رہے تھے۔ ان کے لیے یہ روٹی لے کر دوڑے، آواز دے کر روکا اور دونوں ہاتھوں میں روٹی رکھ کر ادب سے سر جھکا کر کھڑے ہو گئے۔ ان درویشوں کو ان کا یہ انداز بہت پسند آیا۔ ان میں سے ایک نے کہا یہ لڑکا بہت با ادب اور مہذب ہے۔ اس طرح کے لوگوں کو یوں ضائع ہونے کے لیے نہیں چھوڑنا چاہیے۔ ایک نے کہا میں نے اس کو دین داری عطا کی۔ دوسرے نے کہا میں نے اس کو دنیا بخشی۔ تیسرے سے بھی ان دونوں نے کہا کہ آپ بھی کچھ عطا کریں۔ اس نے کہا دین اور دنیا دونوں تو آپ دونوں نے اس کو عطا ہی کر دیا اب میں کیا دوں باقی ہی کیا رہا۔ اچھا خیر میں دین و دنیا دونوں میں اس کو استقامت بخشتا ہوں۔ دین میں استقامت بہت بڑی چیز ہے جو تحریر و تقریر میں نہیں ادا کی جا سکتی۔ دنیا میں جو شہرت ان کو حاصل ہوئی اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ آج تک ان کا جھنڈا اور برات شہروں میں گشت کرتا ہے۔ اور مشہور ہے کہ جو شخص اس جھنڈے اور برات کو دیکھ کر منت مانتا ہے اس کو وہ ضرور اللہ عطا کرتا ہے۔ شیخ کے خطیرہ میں آج بھی بہت زیادہ خزانہ جمع ہے کئی ہزار کی آمدنی جو ہوتی ہے اس میں سے فقراء پر خرچ کرنے کے بعد سب اسی جگہ جمع ہو جاتی ہے۔

روز جمعہ ۱۱ ر رمضان المبارک ۸۰۲ھ

سحری میں تاخیر اور افطار میں عجلت

چاشت کے وقت گفتگو سحری کھانے میں تاخیر اور افطار کرنے میں عجلت

پر چھڑ گئی۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ہمارے خواجہ سحری کھانے میں بہت تاخیر کرتے تھے اور افطار میں عجلت۔ بعد غروب آفتاب جیسے ہی مغرب کی نماز کا وقت ہوا وہ روٹی کا ایک ٹکڑا فوراً منہ میں ڈال لیتے تھے۔ اور سحری تاخیر اس حد تک کرتے تھے کہ سحری کھا کر فوراً وضو کر کے صبح کی نماز سنت پڑھنے لگتے۔ سحری ان کی بہت معمولی اور مختصر ہوتی تھی خوان سے کھچڑی یا بھات چاندی کے تنکہ برابر لے کر کھا لیتے میں نے عرض کیا شیخ الصحابہ میں سیرت رسول اللہ کے سلسلے میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلعم سحری کھا کر وضو کر کے صبح کی نماز سنت ادا فرماتے درمیان میں کوئی کام نہ کرتے۔ بعض دوستوں نے سحر کے تاخیر پر کچھ اعتراض بھی کیا لیکن ہمارے خواجہ ہمیشہ اس پر قائم رہے اور جس طرح رسول اللہ صلعم کرتے تھے اسی پر عمل پیرا رہنے پر مصر تھے۔ لیکن اس میں ہمارے خواجہ کی کرامت اور مہارت کو بھی کچھ دخل تھا عام طور پر اتنی تاخیر نہیں کرنا چاہیے۔

شیخ اوحد کرمانی کی ایک رباعی کی وضاحت

یکشنبہ ۱۶ رمضان کی مجلس میں حضرت مخدوم نے شیخ اوحد کرمانی کی رباعی کے بارے میں جو رائے ظاہر کی تھی اس کی وضاحت کے لیے خاکسار بے چین تھا۔ وہ رباعی یہ ہے :-

اوحد دل را ز خویش بر کن گرد آر — ایں رخت بہ ہر سو میفگن گرد آر

عمرے چو گل بہ باد داری یک دم — چو غنچہ فراہم شو و دامن گرد آر

حضرت مخدوم نے اس رباعی کے بارے میں فرمایا تھا کہ یہ انفاس کی جیسی ہے خاکسار کو انفاس کا مطلب سمجھ میں نہیں آرہا تھا اس لیے اس کے بارے میں پوچھنا چاہتا تھا۔ چاشت کے وقت جب تخلیہ ہوا تو میں نے پوچھا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ صوفیوں کی اصطلاح میں ایک لفظ "نفس" ہے اس کے معنی ہیں ترویح القلوب بہ مشاہدۃ الغیوب مقرونا بالنفس، یعنی دل کو ہمہ دم غائب محبوب سے خوش رکھنا۔ مطلب یہ ہے کہ کسی لمحہ بھی مشاہدہ محبوب سے اپنے کو علیحدہ نہیں رکھنا، اس کو نفس کہتے ہیں۔ مثلاً اوحد کرمانیؒ فرماتے ہیں ؏

"عمرے چو گل بہ باد دادی یک دم۔ یعنی تم نے اپنی پوری عمر ضائع کر دی اور اپنے مطلوب اور محبوب کا چہرہ نہیں دیکھا ؏ اکنوں یک دم چوں غنچہ فراہم شو دامن گرد آر۔" لیکن اب دوست کی یاد کے بغیر ایک لمحہ بھی نہ گزار۔ محبوب کا مشاہدہ ہر وقت کر تارہ۔ ایک

لمحہ بھی اس کے بغیر نہ رہ۔ پہلے دو مصرعے بھی اسی طرح کے ہیں۔ پوری رباعی ہی انفاس کے انداز پر لکھی گئی ہے۔

دیو اور آدمی کی طاقت کا موازنہ

پھر کچھ دیر دیو اور آدمی کی طاقت کا ذکر نکل آیا۔ یعنی ان دونوں میں کون طاقتور ہے۔ حضرت مخدوم نے فرمایا اولیا اللہ کے دل کے سامنے دیو کی کیا مجال کہ کھڑا رہ سکے۔ ولی اللہ کا دل مظہر حق ہوتا ہے دیو اس کی تاب کہاں لاسکتا ہے۔ حضرت حمزہؓ ایک دن ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں حضرت سلیمان علیہ السلام نے دیو کو قید کیا تھا۔ اور اس کے قید خانہ کے دروازہ پر ایک بڑی سی چٹان رکھ دی تھی، جس کو کوئی آدمی اٹھا نہیں سکتا تھا۔ حضرت حمزہؓ نے اپنی طاقت سے دیو کے قید خانہ کے دروازہ کے پتھر کو ہٹا دیا۔ اور خود اندر چلے گئے۔ اس دیو نے ان پر حملہ کیا۔ حمزہ علیہ السلام نے ان تو پٹک کر مار ڈالا۔ اور روانہ ہو گئے۔ بہت سے دیوؤں کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بھی مارا تھا۔ ایک دیو پرانی دہلی کے حصار کے اوپر بھی رہتا تھا۔ وہ ہر شخص کو ستاتا اور تکلیف دیتا تھا پرانی دہلی دروازہ بدایوں کے ایک شخص نے اس کو وہاں سے بھگایا۔ وہ اس دیو کو پکڑ کر مار ڈالنا چاہتا تھا لیکن اس دیو نے بہت عاجزی کے ساتھ وعدہ کیا کہ آج سے وہ دہلی کبھی نہیں آئے گا اس لیے اس کو چھوڑ دیا۔

شیخ اوحد کرمانی کا ایک واقعہ

جمعہ کی نماز کے بعد پھر شیخ اوحد کرمانی کے بارے میں کچھ تذکرہ نکل آیا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ شیخ اوحد کچھ امرد پرستی کی طرف مائل تھے۔ سماع کی مجلس میں اگر کوئی امرد آجاتا اور وہ دیکھتے تو اس کی طرف مائل ہو جاتے۔ ایک چالاک ترک نوجوان نے جو شوخ اور شوخ چشم دونوں تھا۔ حضرت شیخ اوحد کے اس میلان طبع کو سن کر بہت خفا ہوا اور کٹارہ کمر سے باندھ کر اس ارادہ سے مجلس سماع میں آیا کہ اگر شیخ اس طرف جھکیں گے تو ان کو اس کٹارہ سے قتل کر دوں گا چنانچہ ایک سماع میں جس میں شیخ اوحد بھی تھے وہ آیا۔ اور شیخ کے سامنے ہی کھڑا ہوا۔ شیخ نے اس کی طرف دیکھ کر یہ رباعی پڑھی :ے

سہل است مرا بہ زیر خنجر بودن   از بہر رضاء دوست بے سر بودن

تو آمدہ کہ ملحد سے دا بکشی غازی چو تو ئی رواست کافر بودن

اس ترک بچہ نے شیخ اوحد پر حملہ کر دیا۔ شیخ نے قہر کی نظر اس پر ڈالی، وہ بے ہوش ہو کر منہ کے بل گرا اور اسی وقت مرگیا۔ ایسی حالت میں اس کا بچنا مشکل ہی تھا۔

اسلاف صالحین کے مجاہدات کے بارے میں

عصر کی نماز کے بعد اسلاف صالحین کے مجاہدات کے بارے میں ذکر نکل آیا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ خواجہ احمد جام مے فروش تھا۔ جام اس کو اس لیے کہا جاتا تھا کہ دیہات سے شراب کا مشک گھوڑے یا گدھے پر لاد کر شہر میں لاتا تھا۔ اور بیچتا تھا ایک مرتبہ شراب سے بھرا مشک گھوڑے پر لاد کر لا رہا تھا کہ راستہ میں اس کو دریا ملا۔ گھوڑا دریا میں داخل ہونے سے رکا۔ خواجہ احمد نے پے در پے دو چابک مارے گھوڑے نے سر پیچھے کی طرف کر کے کہا اللہ احد کا حکم ہے کہ آگے مت جاؤ اور تم احمد کہتے ہو کہ آگے بڑھ۔ میں کس کی بات مانوں۔ خواجہ احمد نے شراب کی مشک کو اسی جگہ پھاڑ کر پھینک دیا اور کوہ و بیاباں کی راہ لی۔ بارہ برس تک اسی جنگل میں ایک پہاڑ پر عبادت و ریاضت میں مشغول رہے بہت سے اشعار جو حضرت خواجہ احمد سے منسوب ہیں اس پہاڑ کے پتھروں پر انگلی سے لکھے ملتے ہیں۔ وہ حروف اب تک محفوظ ہیں۔

خواجہ حسن بصری کی ایک لونڈی

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ خواجہ حسن بصریؒ نے ایک کنیز کو فروخت کیا۔ جب نصف شب گذری تو وہ کنیز اپنے نئے آقا اور ان کے اہل و عیال کو نیند سے اٹھانے لگی کہ آپ لوگ اٹھیں اور تہجد کی نماز پڑھیں۔ ان لوگوں نے کنیز سے خفا ہو کر کہا کہ خاموش رہ ابھی صبح نہیں ہوئی ہے۔ صبح ہو گی تو صبح کی نماز پڑھیں گے اس کنیز نے پوچھا آپ لوگ تہجد کی نماز نہیں پڑھتے ان لوگوں نے کہا نہیں۔ وہ کنیز ان لوگوں کے گھر سے بھاگ کر خواجہ حسن بصریؒ کے پاس آئی اور درخواست کی کہ اے خواجہ مجھے آپ ان لوگوں سے واپس لے لیں۔ میں ان لوگوں کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔ وہ لوگ تہجد کی نماز نہیں پڑھتے۔ حضرت خواجہ حسن بصریؒ نے ان لوگوں کو قیمت دے کر کنیز کو اپنے یہاں رہنے دیا۔ یہ قصہ کہنے کے بعد حضرت مخدوم نے فرمایا کہ افسوس ہے اس آدمی پر جس نے خدا کو پہچانے، دیکھے پائے اور عبادت کیے بغیر جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ اگر ایسے آدمی کو اس کی ماں نہ جنتی تو زیادہ بہتر ہوتا۔

روز شنبہ ۱۲ رمضان المبارک ۸۰۲ھ

ولائت ، نبوّت اور سلطنت ایک ہی قسم میں آتے ہیں

رات کے کھانے کے بعد ولایت ، نبوت اور سلطنت کے بارے میں بات نکل آئی۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ یہ تینوں ایک ہی قسم میں آتے ہیں جس نے ولی کی اس کی ولائت میں ، نبی کی اس کی نبوت میں اور سلطان کی اس کی سلطنت میں مدد نہ کی اور تعاون نہ کیا اور اس کا مطیع و فرماں بردار نہ ہوا وہ ہرگز دوستوں کے زمرے میں نہیں آتا۔ ایسے لوگوں سے نہ صرف دُور رہنا چاہیے بلکہ اس کو دشمن سمجھ کر ختم کر دینا چاہیے خواہ وہ اس کے عزیز فرزندوں ، قرابت مندوں اور بھائیوں ہی میں سے کیوں نہ ہو۔ اور جو تمہارے فرائض کی ادائیگی میں ممدو معاون ہوتا ہے اور تمہارا فرماں بردار رہتا ہے اس کو اپنوں میں شمار کرنا چاہیے خواہ اس سے کوئی بھی قرابت اور رشتہ داری نہ ہو۔ ابولہب رسول اللہ صلعم کا چچا اور حضرت عباسؓ کا حقیقی بھائی تھا۔ لیکن جب وہ ایمان نہیں لایا اور رسول اللہ صلعم کے فرائض کی ادائیگی میں سدِ راہ بنا تو وہ کافر اور دشمن رسول قرار پایا اور اس کی صراحت قرآن شریف میں بھی آئی۔ جتنا بڑا دشمن اور قہر و غضب الٰہی کا سزاوار اس کو قرار دیا گیا امتیان محمدی میں کسی کو بھی نہیں کہا گیا۔ اور بہت سے ایسے بیگانے اور غیر قرابت مند لوگ ایسے ہیں جن کو رسول اللہ صلعم سے کوئی تعلق پہلے نہ تھا لیکن وہ رسول اللہ صلعم کے معاون اور مطیع و فرماں بردار ہونے کے باعث احادیث و اخبار میں مقرب ترین رسول اللہ قرار پائے۔ اور ان کے بڑے مدارج اور مرتبے عطا ہوئے۔ امتنیان محمدی میں حضرت زید بن حارث کا جو مرتبہ اور درجہ ان کے ایثار اور محبت کی وجہ سے ہے وہ بہت کم نصیب ہوا اور ابولہب پر جو لعنت اور عذاب رسول اللہ صلعم کو ایذا پہنچانے کے باعث ہوا وہ بہت کم کافروں کو ہوا۔ اتنا کہنے کے بعد حضرت مخدوم نے خاکسار اور خاکسار کے بھائیوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ ہمارے لڑکے ہیں اگر یہ سب میرے کاموں کے ساتھ نہ ہوتے اور میری اطاعت اور فرماں برداری نہ کرتے تو میں ہرگز ان کو دوست نہیں رکھتا۔ اور اپنے نزدیک نہ بٹھاتا۔ ممکن ہے سالوں پہ ان سے ملاقات

اور بات ہو جاتی۔ اور میرے تمام گھر والے شاہد ہیں کہ جب یہ سب بچے تھے میں اپنی والدہ کو اکثر کہا کرتا تھا کہ اگر میرے یہ دونوں لڑکے خدا کو پہچاننے والے اور عبادت کرنے والے ہوئے تو میرے ہیں ورنہ مجھ سے ان سے کوئی واسطہ نہ ہوگا۔ والدہ فرماتیں ایسا کیوں کہتے ہو میں کہتا کہ میرے جو لڑکے اپنے پروردگار حقیقی کے ماننے والے اور اس کی رضا پر چلنے والے اور فرماں بردار نہ ہوئے وہ میرے کس کام کے ہوں گے اور کیا کام آئیں گے۔

علاؤالدولہ اور اس کی ایک کنیز

پھر حضرت مخدوم نے فرمایا کہ علاؤالدولہ کے پاس شکر نام کی ایک کنیز تھی جس کو وہ دیوانہ وار چاہتا تھا۔ رات دن اس کے ساتھ شراب پیتا اور اس سے رباب سنتا۔ ایک لمحہ بھی اس کو امور سلطنت کی طرف متوجہ ہونے کا موقع نہ ملتا۔ سلطنت میں ہر طرف سے فریاد آنے لگی کہ ملک کا کام خراب ہو رہا ہے اور دشمن ہر جگہ سر اٹھا رہے ہیں۔ یہاں تک کہ علاؤالدولہ کو خود بھی اس کا احساس ہوا کہ یہ بات تو بہت خراب ہو رہی ہے۔ اور سلطنت ہاتھ سے نکل جائے گی۔ اس نے خادم نامی اپنے ایک غلام کو بلا کر کہا کہ شکر کو لے جا کر ذبح کر دو تاکہ میں اس کے شر سے چھٹکارا پاؤں۔ خادم بڑا عقل مند اور جہاں دیدہ تھا۔ اس نے سوچا کہ بادشاہ اس کنیز کا دیوانہ اور عاشق ہے۔ کسی نہ کسی روز پھر اسے اس کی یاد آئے گی اور اس کا دل اس کو ڈھونڈے گا۔ اس نے اس کو ذبح کرنے کی بجائے ایک جگہ چھپا دیا اور بادشاہ سے جا کر کہہ دیا کہ میں نے حکم کی تعمیل کر دی اور اس کو ذبح کر دیا۔ علاؤالدولہ نے کہا تم نے ٹھیک کیا اور پھر وہ اپنی سلطنت کے کاروبار میں مشغول ہو گیا۔ اور سب کچھ سنبھال لیا۔ تمام انتظامات ٹھیک ہو گئے۔ کچھ دن کے بعد یکایک بادشاہ کا دل پھر شراب کباب اور عیش و عشرت کی طرف مائل ہوا اور اس کو اپنی محبوبہ شکر یاد آئی۔ خادم کو اس نے بلا کر کہا کہ تیرا ہاتھ ایسی نازک اور حسین لڑکی کو ذبح کرنے کے لیے کیسے اٹھا۔ اس کی سزا میں آج تجھے ذبح کیا جائے گا۔ خادم کو جب لوگ ذبح کرنے کے لیے لے چلے تو اس نے بادشاہ سے عرض کیا کہ میں اپنے اس برے دن سے واقف تھا میں نے شکر کو نہیں ذبح کیا ہے اس کو چھپا کر رکھ چھوڑا ہے۔ بادشاہ بہت خوش ہوا اور شکر کو بلا بھیجا۔ خادم کو انعام واکرام اور خلعت سے نوازا۔ بادشاہ شکر کو پانے کے بعد پھر اس کی طرف پہلے کی طرح مشغول ہو گیا۔ اور سلطنت کا کام خراب ہونے لگا اور ہر طرف سے فریاد آنے لگی۔ بادشاہ

نے پھر خادم کو بلا کر کہا کہ پھر اس مرتبہ شکر کو ذبح کر کے اس کا خون مجھ کو دکھا دو۔ خادم جہاں دیدہ تھا اس نے سمجھ لیا کہ پھر وہی پہلے جیسا حال ہوگا اس لیے اس نے اپنی انگلی کاٹ لی اور شکر کے کپڑوں کو خون میں تر کر کے بادشاہ کو دکھا دیا۔ بادشاہ نے کہا تم نے ٹھیک کیا کچھ دنوں کے بعد ایک روز جب کہ وہ دجلہ کے کنارے اپنے جھروکہ پر بیٹھا ہوا شراب و کباب میں مشغول تھا اور نازنینان سیمیں بدن اس کے گرد جمع تھیں۔ اس کو اپنی محبوبہ شکر یاد آئی۔ اس نے خادم کو بلا کر کہا کہ تو نے میری محبوبہ کو قتل کیا ہے اس کے بدلے میں آج تجھے بھی مرنا ہے۔ جب جلاد اس کو قتل کرنے کے لیے لے چلا تو اس نے پھر بادشاہ سے دست بستہ عرض کیا کہ میں نے شکر کو نہیں مارا ہے وہ زندہ ہے اور محفوظ ہے۔ بادشاہ پھر بہت خوش ہوا اور اس کو انعام و اکرام سے نوازا۔ شکر کو پا کر وہ پھر دنیا ما فیہا سے بے خبر ہو گیا۔ اپنی وارفتگی کا ایک روز اس کو احساس ہوا تو اس نے سوچا کہ شکر کی زندگی میں میں ہمیشہ از خود رفتہ رہوں گا۔ اور ملک تباہ و برباد ہو جائے گا۔ دو مرتبہ خادم کو اس کے قتل پر مامور کیا تو وہ بھی نہ ہوا۔ اس لیے یہ فیصلہ کرنا ضروری ہے کہ شکر اور امور مملکت میں سے کس کو پسند کیا جائے اور ان دونوں میں کون میرے لیے بہتر ہے دونوں ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے۔ آخر مصلحت ملکی شکر کے عشق پر غالب آئی۔ ایک روز جب کہ وہ دجلہ کے کنارے جھروکہ پر بیٹھا شراب پی رہا تھا اور سامنے شکر رباب بجا کر گا رہی تھی اس نے شکر کے دونوں ہاتھ پکڑ کر دجلہ میں پھینک دیا۔ سلطنت ایک ایسی معشوقہ ہے جو اپنے ساتھ کسی کی شرکت گوارا نہیں کر سکتی۔ اسی طرح نبوت اور ولایت بھی ہے کہ اس میں اپنے فرائض کی ادائیگی اور اطاعت ایزدی کے علاوہ ہر چیز سے بیگانہ ہو جانا پڑتا ہے۔

حضرت ذوالنون مصریؒ کیمیا بنانا جانتے تھے

تراویح کی نماز کے بعد عمل کیمیا کا ذکر نکل آیا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ حضرت ذوالنون مصریؒ کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ کیمیا بنانا جانتے تھے۔ وہ بہت سی وادیوں جنگلوں اور بنی اسرائیل کے جنگل (تنیہ) میں عرصہ تک رہے تھے اور عجیب و غریب قصے اپنی کتاب میں لکھے ہیں۔

حضرت یحییٰ معاذ رازی اور ان کے قرض داران

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ حضرت یحییٰ معاذ رازیؒ پر

بہت زیادہ قرض ہو گیا تھا۔ نزع کے وقت تمام قرض داراُن کے گرد جمع ہو گئے۔ انہوں نے آنکھ کھول کر ان لوگوں کو دیکھا اور دُعا مانگی (وہ دُعا کے الفاظ مجھے یاد نہیں رہے) دعا مانگتے ہی چند لمحوں میں ایک شخص نمودار ہوا اور شیخ کے دروازے کو کھٹکھٹا کر پوچھا کہ حضرت شیخ کے قرض دار کہاں ہیں اور کون کون ہیں۔ سامنے آئیں اپنا قرض واپس لے جائیں۔ اس کے بعد اس تھیلی سے اجس میں وہ اتنا ہی سکہ لایا تھا جتنا کہ قرض داروں کو دینا تھا، سب کو قرض واپس کر دیا اور پھر چلا گیا۔

حضرت ابو یزید بسطامیؒ اور ان کے قرض داران

اسی سلسلے میں حضرت مخدوم نے فرمایا کہ خواجہ ابو یزید بسطامی پر ہزار دینار قرض ہو گیا تھا۔ ان کے انتقال کے بعد قرض داروں نے ان کے جنازہ کو پکڑ لیا کہ جب ہم لوگوں کا قرض ادا نہ ہو گا نہ ہم لوگ نماز جنازہ پڑھنے دیں گے نہ دفن ہونے دیں گے۔ یکایک صحرا سے ایک شتر سوار اعرابی نمودار ہوا۔ ایک ہزار دینار کی تھیلی وہ سامنے رکھے ہوئے تھا۔ وہاں پر پہنچتے ہی اس نے تھیلی کھولی اور دینار گن کر قرض داروں کو دے دیا۔ اور پھر صحرا کی طرف جدھر سے آیا تھا اسی طرف چلا گیا۔ یہ قصہ کہہ کر حضرت مخدوم نے فرمایا بس خدا کے ہو جاؤ پھر کسی قسم کی فکر تمہارے سامنے نہیں آئے گی: ؎

تو خدا را شو گر خود ہمہ عالم دریاست   بہ خدا گر سر موئے قدمت تر گردد

حضرت خواجہ محمد منکدرؒ اور ایک بدوی

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ہمارے خواجہ قصہ بیان فرماتے تھے کہ خواجہ محمد منکدرؒ کپڑوں کے سوداگر تھے۔ وہ گرم چادر بیچ کر اپنی روزی حاصل کرتے تھے۔ ایک دن خواجہ محمد منکدر گھر آ گئے اور اپنے غلام کو دوکان پر بٹھا دیا کہ وہ خریداروں کے ہاتھ زمستانی بیچے ان کی دوکان میں زمستانی دو قسم کا تھا۔ ایک کی قیمت دو درم تھی اور دوسری قسم کی چار درم۔ خواجہ نے اپنے غلام کو گھر جانے کے وقت سمجھا دیا کہ اس زمستانی کو دو درم میں بیچنا اور اس کو چار درم میں۔ تھوڑی دیر کے بعد خواجہ جب گھر سے واپس آ رہے تھے تو انہوں نے دیکھا کہ ایک شخص دوکان سے زمستانی خرید کرلے جا رہا تھا۔ ان کا خیال ہوا کہ ذرا پوچھ لوں کہ اس نے کتنے میں خریدا ہے۔ کہیں غلط اور زیادہ قیمت دے کر تو نہیں لے جا رہا ہے۔ انہوں نے پوچھا کہ بھائی میرے، تم نے یہ زمستانی کتنے میں خریدا ہے۔ اس نے بتایا چار درم میں۔

خواجہ نے کہا ہے! یہ تو تم نے گراں خریدا - وہ آدمی بدوی اور اجڈ تھا - اس نے خفا ہوکر کہا میرے علاقے میں پندرہ سولہ دینار میں بھی یہ چیز نہ ملے گی تم چاہتے ہو کہ میں اسے واپس کر دوں میں اتنا احمق نہیں - تم کو خریدنا ہے تو جاکر جتنے میں چاہو خرید لو - حضرت خواجہ نے کہا بھائی میرے تم نے یہ زمستانی کس دوکان سے خریدا ہے - اس نے جواب دیا کہ فلاں دوکان اور اس شکل و صورت کے فلاں غلام سے جو اس دوکان پر بیٹھا ہوا ہے - حضرت خواجہ نے کہا اے بھائی، وہ تو میری دوکان ہے - اور وہ غلام میرا غلام ہے - مہربانی کر کے میرے ساتھ آؤ تاکہ میں تمہیں چار درم والا زمستانی دوں یا تم نے دو درم جو زیادہ دیے ہیں وہ واپس کر دوں - وہ بدوی ساتھ گیا اور خواجہ سے دو درم واپس لے کر اپنے گھر چلا گیا - لیکن اسے رہ رہ کر حیرت ہو رہی تھی کہ یہ کون شخص ہے جس نے فاضل لیے ہوئے دام کو بغیر مانگے واپس کر دیا - اس نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون آدمی ہیں - لوگوں نے اسے بتایا کہ یہ حضرت خواجہ محمد منکدرؒ ہیں - اس بدوی نے جیسے ہی حضرت خواجہ محمد منکدرؒ کا نام سُنا ہائے ہائے کرتا ہوا گرا اور بے ہوش ہو گیا - لوگ اس کے گرد جمع ہو گئے - جب اسے ہوش آیا تو لوگوں نے اس کے رونے اور بے ہوش ہونے کا سبب پوچھا کہ آخر حضرت خواجہ محمد منکدر کا نام سُن کر تم اتنا مضطرب اور بے چین کیوں ہو گئے - اس بدوی نے کہا کہ خواجہ محمد منکدرؒ وہ بزرگ ہیں کہ صحرا میں جب ہم لوگوں کو پانی نہیں ملتا اور پیاس سے جان نکلنے لگتی ہے تو ہم لوگ اللہ سے بہ حرمت خواجہ محمد منکدر کہہ کر دُعا مانگتے ہیں اور یکایک صحرا میں پانی ظاہر ہو جاتا ہے اگر ہم لوگ کبھی راستہ بھول جاتے ہیں تو بہ حرمت محمد منکدر کہہ کر دُعا مانگنے سے فوراً کوئی راہ نما ظاہر ہوتا ہے اور وہ ہم لوگوں کو راستہ بتا دیتا ہے - میں سمجھتا تھا کہ وہ کوئی ابدال یا اوتاد ہوں گے - جن کا ٹھکانا کسی کو کیا معلوم اور ان کو کون پا سکتا ہے مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ خود بازار میں بیٹھ کر خرید و فروخت کرتے ہیں - اس قصہ کو کہنے کے بعد حضرت مخدوم نے فرمایا کہ میں پہلے جانتا تھا کہ خواجہ محمد منکدر متاخرین صوفیا میں سے ہوں گے لیکن قوت القلوب میں ایک روز میں نے لکھا دیکھا کہ وہ کبار تابعین میں سے تھے - اور ان کا خرقہ اور سلسلہ دوسرے ہی درجہ پر رسول اللہ صلعم سے جا ملتا ہے۔

حضرت ابوذر غفاری کی کرامت کا ایک واقعہ

پھر حضرت مخدوم نے فرمایا کہ صحابہ کرام میں جتنی کرامات

حضرت علی رضؓ سے منسوب ہیں شاید ہی کسی سے منسوب ہوں لیکن ہم ابوذر غفاریؓ کی کرامت کا ایک واقعہ سُناتے ہیں جو شاید دوسرے صحابہ کرام سے کمتر نہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنے دورِ خلافت میں جب مسجد نبوی میں خطبہ دینے کے لیے ممبر پر جانے لگے تو دل میں خیال کیا کہ ابوبکرؓ ممبر کی تین سیڑھی سے ایک سیڑھی نیچے اُتر آئے تھے۔ پھر عمر رضی اللہ اپنے دُورِ خلافت میں خطبہ دینے کے لیے ممبر پر چڑھنے لگے تو ایک سیڑھی اور نیچے اتر کر کھڑے ہوئے۔ اور ممبر کی کل تین سیڑھیاں ہیں اس لیے میرے بعد لوگ زمین پر کھڑے ہو کر خطبہ دیں گے یہ سوچ کر وہ سب سے اوپر کی سیڑھی پر جہاں رسول اللہ صلعم کھڑے ہوتے تھے۔ جا کر کھڑے ہو گئے۔ حضرت ابوذر غفاری جو کبار صحابہ اور اصحاب صفہ میں سے تھے یہ دیکھ کر بہت رنجیدہ ہوئے اور انہوں نے ایک پتھر اٹھا کر عثمان رضی اللہ عنہ پر مارا۔ عثمان رضی اللہ عنہ کے ہوا خواہان اور جاں نثاروں نے ان کو لات اور مکّا سے خوب مارا اور اس کے بعد شہر سے نکال دیا۔ حضرت ابوذر غفاریؓ وہاں سے نکل کر ایک پہاڑ پر چلے گئے۔ اس پہاڑ پر ایک راہب رہتا تھا۔ اس نے ان کو دیکھ کر کہا کہ خواجہ اس جگہ پر ایک شیر آتا ہے۔ تم میرے حجرہ کے اندر چلے آؤ رات یہیں گزارو صبح کو چلے جانا۔ حضرت ابوذر غفاری نے فرمایا کہ میں ایک غیر مذہب والے کے ساتھ رات نہیں گزار سکتا ہوں۔ وہ باہر ہی رہے اس راہب نے دل میں خیال کیا کہ جس وقت شیر آئے گا معلوم نہیں یہ شخص اس سے کس طرح نبٹے گا ذرا دیکھنا چاہیے۔ چنانچہ ابوذر غفاریؓ عبادت اور مجاہدہ میں مشغول تھے کہ شیر آگیا اور حضرت ابوذر غفاریؓ کو دیکھ کر یکایک اسی جگہ کھڑا ہو گیا اور ان کی طرف منہ کر کے اپنی پیشانی زمین پر رگڑنے اور کتے کی طرح دُم ہلانے لگا۔ ابوذر غفاریؓ اپنی جگہ بیٹھے عبادت میں مشغول رہے صبح کو راہب نے آکر پوچھا کہ آپ کی طرح دین احمد میں اور بھی لوگ پائے جاتے ہیں۔ حضرت ابوذر غفاری نے جواب دیا کہ میں تو ان میں سب سے کم اور شہر سے نکالا ہوا نالائق انسان ہوں جس کو کوئی بھی اپنے ساتھ رکھنا نہیں چاہتا۔ راہب یہ دیکھ کر اور سُن کر فوراً مسلمان ہو گیا۔ اس قصہ کو کہنے کے بعد حضرت مخدوم نے فرمایا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا ایک سبب حضرت ابوذر غفاریؓ سے یہ برا سلوک اور ان کو مارنا بھی ہے۔

روز یکشنبہ ۱۳ ر رمضان المبارک ۸۰۲ھ

رسول اللہ صلعم کے آبا و اجداد کے شرف و فضائل کے بارے میں | چاشت کے وقت حضرت

رسول اللہ صلعم کے آباؤ اجداد کے شرف وفضیلت اور بچپن کے زمانے میں جو ان سے اخلاق حسنہ اور خوارق ظاہر ہوئے ان پر گفتگو ہونے لگی۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ حضرت عبدالمطلب خواب اور بیداری کے بین بین حالت میں تھے کہ ان سے کسی نے کہا کہ چاہ زمزم کھودو۔ وہ حیران ہوئے کہ یہ چاہ زمزم کیا چیز ہے اور کہاں پر ہے۔ ایک مرتبہ وہ بت اسکاف اور نائلہ کے درمیان اپنے بیٹے حارث کے ساتھ کھڑے تھے کہ انھوں نے ایک کوے کو اپنی چونچ سے ایک جگہ زمین کھودتے دیکھا۔ حضرت عبدالمطلب نے کہا شاید یہ کوا چاہِ زمزم کی جگہ دکھلا رہا ہے۔ اور اسی جگہ کھودنا شروع کیا۔ ایک بہت پرانا کنواں نکلا۔ اس کے اندر سے کئی زرہ تلواریں، خود اور کچھ سونا اور بہت کچھ مال واسباب نکلا۔ عرب سب عبدالمطلب کی جان کو لپٹ گئے کہ یہ مال جو کنواں سے نکلا ہے اس میں ہم لوگوں کا بھی حصہ ہے۔ ہم لوگوں کو بھی بانٹ کر دیں۔ حضرت مطلب کہہ رہے تھے کہ کنواں میں نے کھودا، سامان اس میں سے میں نے نکالا۔ اس لیے مال میرا ہوا تم لوگوں کو کس بات کا دوں۔ ان لوگوں کا دعوےٰ تھا کہ شہر، زمین ہم لوگوں کی مشترکہ ہے اس لیے اس میں سے جو نکلے گا وہ سب لوگوں کا ہے۔ اختلاف جب زیادہ بڑھا تو لوگوں نے طے کیا کہ ہم سب لوگ فلاں کاہن کے پاس چلیں۔ اور جو وہ کہے اسی پر عمل کریں۔ وہ کاہن بہت دور رہتا تھا اور راستہ بہت دشوار بے آب و گیاہ تھا وہ لوگ چلے تو راستہ میں پیاس نے غلبہ کیا۔ حضرت عبدالمطلب نے اپنے اونٹوں کو ذبح کر کے ان کے پیٹ سے پانی نکال کر اپنے مخالفین کو پلایا جس سے ان لوگوں کی جان بچی۔ آگے چل کر پھر بہت زیادہ پیاس معلوم ہوئی اور قریب تھا کہ سب لوگوں کی جان چلی جائے۔ عبدالمطلب نے پہاڑ پر چڑھ کر اللہ سے دعا مانگی اللہ تعالےٰ نے دعا قبول کی اور اس پہاڑ پر پانی نکل آیا۔ سب لوگوں نے آسودہ ہو کر پانی پیا۔ اس کے بعد وہ سب مخالفین حضرت عبدالمطلب کی شرافت اور بزرگی سے بہت متاثر ہوئے اور کہا کہ آپ نے ہم لوگوں کے لیے مکہ میں چاہِ زمزم کھود کر پانی پیدا کیا۔ اس وقت بھی اپنا اونٹ ذبح کر کے اور پہاڑ پر پانی پیدا کر کے ہم لوگوں کی جان بچائی ورنہ ہم لوگ سب مر جاتے۔ اس لیے چاہِ زمزم سے جو کچھ مال وسامان نکلا ہے وہ سب آپ کا ہے۔ اور اب ہم لوگوں کا اس پر کوئی دعوےٰ نہیں رہا۔ ہم لوگ واپس چلیں۔ خاکسار نے دبی زبان سے عرض کیا کہ کافر اور قبولیت دعا؟ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ رسول اللہ صلعم کا نور ان کے

صلب میں تھا اس لیے فیض پہنچنا ضروری تھا۔ علاوہ ازیں رسول اللہ صلعم کے آبا و اجداد اپنے فضائل اور اخلاق کی وجہ سے ہمیشہ ممتاز رہے اور اس بارے میں کوئی ان کا ہمسر نہ تھا۔ حضرت قصی کو قصی اس لیے کہتے تھے کہ ان کے مکارم و اخلاق کے قصے زبان زد عوام تھے۔ حضرت ہاشم کا نام ہاشم اس لیے پڑ گیا کہ وہ روٹی شوربا میں توڑ کر ثرید پکا کر ہر سال حاجیوں کی مہمان داری کرتے تھے حضرت عبد المطلب خوب رُو جواں تھے جو بھی ان کو دیکھتا ان کا عاشق اور گرویدہ ہو جاتا۔ کئی سفید بال کان کی جڑ میں نمودار ہو گئے تھے اسی لیے ان کو شیبۃ الحمد بھی کہا جاتا تھا۔ قد آور اتنے زیادہ تھے کہ وہ زمین پر کھڑے ہوتے تو گھوڑے پر سوار آدمی کے برابر نظر آتے اور بیٹھنے پر کھڑے ہونے والے آدمی کے برابر۔ گائے یا بھیڑ کی کھال اگر ان کے قدم کے نیچے رکھ دی جاتی تو عرب کے لوگ اس کے کھینچ لینے کی لاکھ کوشش کرنے کامیاب نہ ہوتے یہاں تک کہ وہ کھال ٹکڑے ٹکڑے ہو کر نکل جاتا۔ رسول اللہ صلعم کی جس نے سب سے پہلے مدد کی وہ حضرت عبد المطلب ہی تھے۔ جس رات کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے منجموں نے پورے مکہ میں گھوم گھوم کر دریافت کرنا شروع کیا کہ آج کس کے گھر میں لڑکا پیدا ہوا ہے۔ یہاں تک کہ عبد المطلب کے دروازہ پر بھی لوگوں نے آکر پوچھا۔ حضرت عبد المطلب نے کہا کہ ہاں، میرے بیٹے کے گھر میں ایک بچہ پیدا ہوا ہے۔ منجموں نے پوچھا اس بچہ کا کیا نام رکھا گیا ہے حضرت عبد المطلب نے بتایا کہ بچہ کی ماں نے اس بچہ کا نام محمد اور احمد رکھا ہے منجموں نے کہا فوراً اس بچہ کو ختم کر دو۔ اس لیے کہ وہ بچہ پیغمبر آخر الزمان ہونے والا ہے۔ وہ تمہارے دین کو باطل قرار دے گا اور بتوں کو برا بھلا کہے گا۔ حضرت عبد المطلب نے کہا اگر میری نسل سے پیغمبر پیدا ہوگا تو مجھے اس سے کیا نقصان ہوگا۔ یہ کہہ کر ان لوگوں کے پاس سے چلے گئے۔ رسول اللہ صلعم جس وقت چار سال کے تھے۔ حضرت عبد المطلب تجارت کی غرض سے باہر جانے لگے۔ دادا سے چونکہ رسول اللہ صلعم کو بہت محبت اور الفت تھی اس لیے وہ ان کے ساتھ جانے کے لیے رونے لگے۔ حضرت عبد المطلب نے ان کو ساتھ لے لیا۔ راستہ میں سفر کے دوران دھوپ کی تمازت بہت سخت تھی اور درختوں کا سایہ بہت کم جگہ تھا۔ بحیر نامی ایک راہب نے اپنے کلیسا سے دیکھا کہ عرب کا ایک قافلہ جا رہا ہے اور ان لوگوں کے درمیان ایک بچہ بھی ہے۔ ڈھال کے برابر سفید بادل کا ٹکڑا اس بچہ کے سر پر سایہ فگن

ہے۔ اور یہ علامت پیغمبر آخر الزمان کی بتائی گئی تھی۔ وہ قافلہ ایک درخت کے نیچے آکر بیٹھا اس درخت میں پتے نہیں تھے سوکھ گیا تھا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وہاں پر بیٹھتے ہی درخت سرسبز وشاداب ہوگیا۔ پتے نکل آئے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر سایہ فگن ہوگئے۔ راہب یہ سب کھڑا غور سے دیکھ رہا تھا اسے یقین ہوگیا کہ یہی بچہ پیغمبر آخر الزماں ہے۔ اس بات کی تحقیق کرنے کے لیے اس نے پورے قافلہ کو اپنے یہاں مدعو کیا۔ راہب کی طلبی اور دعوت سے انکار ممکن نہ تھا اس لیے قافلہ کے لوگ راہب کے یہاں گئے لیکن حضرت عبد المطلب نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حفاظت کے خیال سے قیام گاہ ہی پر چھوڑ دیا۔ جب سب لوگ وہاں پہنچ گئے تو راہب نے پوچھا کہ تم لوگوں میں سے کوئی شخص رہ بھی گیا ہے۔ لوگوں نے جواب دیا کہ نہیں کوئی نہیں رہا صرف ایک بچہ کو چھوڑ دیا ہے۔ راہب نے کہا اس کو بھی بلالو۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہی وہ احترام اور عزت کے لیے اٹھا اور ان کو اپنے نزدیک لاکر بٹھایا۔ پوچھا اس بچہ کا نام کیا ہے حضرت عبد المطلب نے بتایا کہ اس بچہ کی ماں نے اس کا نام محمد اور احمد رکھا ہے۔ راہب نے پھر پوچھا اس بچہ کی آنکھ گرمی کی وجہ سے سُرخ نظر آرہی ہے یا برابر سے ایسی ہی ہے۔ عبد المطلب نے بتایا کہ یہ پیدائشی ہے راہب نے کہا اگر تم لوگ اجازت دو تو میں اس کا کرتہ اتار کر دونوں شانوں کے درمیان ایک چیز دیکھوں۔ ان لوگوں نے پیرہن اتار دیا اور کہا جو دیکھنا چاہتے ہو دیکھ لو۔ اس راہب نے مہر نبوت کو دیکھا اور اس کو چوم لیا۔ اس نے کہا آہ! میں بوڑھا ہوچکا ہوں اور یہ بچہ جو پیغمبر آخر الزماں ہونے والا ہے اتنا کم عمر ہے۔ پھر بھی اگر میں زندہ رہا اور جب یہ لوگوں کو دعوت حق دے گا اور اس کی قوم اس کی دشمنی پر آمادہ ہو جائے گی تو میں اس کی دعوت پر لبیک کہوں گا اور اس پر اپنی جان قربان کر دوں گا لیکن یہودیوں سے اس کی بہت حفاظت کرو کیونکہ یہ لوگ اس کے دشمن ہیں اور آئندہ بھی اس کی دشمنی کریں گے حضرت عبد المطلب نے کہا کہ تم نے ابھی کہا کہ یہ پیغمبر آخر الزماں ہونے والا ہے پھر اس بچہ کو کون مار سکتا ہے۔ جس کام کے لیے اللہ نے اس کو مبعوث کیا ہے وہ پورا کرکے رہے گا کس کی مجال ہے کہ اس میں رکاوٹ ڈالے۔

حضرت عبد المطلب کو رسول اللہ صلعم سے بے حد پیار تھا

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ جس

جگہ حضرت عبد المطلب بیٹھتے تھے اس جگہ بہت صاف شفاف غالیچہ بچھا رہتا تھا اور کسی بچے کی مجال نہ تھی کہ اس جگہ پر بیٹھے لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کھیل کود کے درمیان گرد و غبار سے بھرے ہوئے آتے اور حضرت عبد المطلب کی گود میں بیٹھ جاتے ان کا نفیس صاف ستھرا کپڑا گندا کر دیتے۔ ایک دن حضرت ابو طالب نے کہا اے لڑکے اتنی شوخی نہ کرو اپنے دادا کا بستر اور کپڑا گندا نہ کرو۔ حضرت عبد المطلب نے ابو طالب کی طرف دیکھ کر فرمایا اس کو منع نہ کرو۔ یہ جہاں چاہے بیٹھے اس کو چھوڑ دو۔

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ خرما کا ایک درخت تھا جس میں پھل بہت اوپر لگا ہوا تھا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ خرما کھائیں۔ خرما کے درخت کی شاخ خود جھک کر رسول اللہ صلعم کے پاس آگئی۔ حضرت عبد المطلب لیٹے ہوئے دیکھ رہے تھے انہوں نے چاہا کہ ایک خرما وہ بھی ان سے مانگ کر کھائیں۔ انہوں نے مانگا۔ رسول اللہ صلعم نے جب توڑ کر دینا چاہا تو یکایک درخت کی شاخ اوپر ہو گئی۔ اور پھر اس سے توڑنا مشکل ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا دادا جان میں کیا کروں یہ درخت آپ کے لیے توڑنے نہیں دیتا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت عبد المطلب نے کہا اے لڑکے! مجھ کو گود لو میں تم کو گود نہیں لوں گا بہت کوشش کی پھر کہا نہیں اٹھا سکتا ہوں۔ حضرت عبد المطلب نے کہا اچھا تمہیں پیٹھ کی طرف سے میں اٹھاتا ہوں۔ انہوں نے کہا اٹھائیے۔ حضرت عبد المطلب نے پیٹھ کی طرف سے اٹھا لیا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دادا جان آپ میری پیروی اور اتباع نہیں کریں گے لیکن آپ کے صلب سے لوگ پیدا ہوں گے وہ میری اتباع کریں گے۔

عاشقان الٰہی کا سوز

ظہر کی نماز کے بعد اللہ کے مقربان اور دوستوں کے بارے میں ذکر نکل آیا حضرت مخدوم نے فرمایا اللہ کے ان دوستوں اور عاشقوں کے دل میں عشق کی آگ اور شوق کی سوزش اس حد تک ہوتی ہے کہ اس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا اگر ان کے سینہ میں دوزخ کو ڈال دیا جائے تو وہ بھی سرد نظر آنے لگے۔ عشاق الٰہی کی آگ دوزخ کی آگ کو بھی کھا جاتی ہے۔

مردوں کا چلہ یا عورتوں کا چلہ

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ہمارے خواجہ فرماتے تھے کہ ایک آدمی خواجہ اوحدؒ کرمانی کے پاس آیا اور کہا کہ ہم دونوں ایک جگہ پر چلہ کش ہوں۔ حضرت اوحد کرمانیؒ نے پوچھا مردوں کا چلہ رکھنا چاہتے

ہوا یا عورتوں کا۔ اس آدمی نے کہا حضرت میں نہیں جانتا کہ مردوں کا چلّہ کیا ہوتا ہے اور عورتوں کا چلہ کیا ہوتا ہے۔ حضرت اوحد کرمانی نے فرمایا کہ عورتوں کا چلہ تو یہ ہے کہ چالیس روز تک بغیر کچھ کھائے پیے عبادت اور ریاضت میں مشغول رہا جائے۔ اور مردوں کا چلہ یہ ہے کہ ہر روز ایک من روٹی اور ایک بکرا مسلّم معہ تمام لوازم شیرینی وحلوا کے کھایا جائے اور جس وضو سے چلہ کش ہو اسی وضو میں چلہ سے باہر نکلے۔ دونوں ایک جگہ چلہ کش ہو گئے۔ شیخ نے خادم کو کہا کہ ہر روز افطار کے وقت دو خوانچہ کھانا تمام لوازمات کے ساتھ لے آئے۔ ایک اپنے سامنے رکھا اور دوسرا اس آدمی کے سامنے۔ شیخ نے اپنا خوانچہ کھانے کا صاف کر دیا۔ لیکن اس بے چارہ نے تو اپنی عادت چلہ کشی میں کچھ نہیں کھانے اور پینے کی ڈالی تھی اس سے اتنا کھانا کس طرح کھایا جاتا۔ تھوڑا کھا کر ہاتھ روک لیا۔ شیخ نے کہا میں نے تو اپنا حصہ کھا لیا اب تمہاری بھی مدد کر دیں اور اس کے بعد اس آدمی کے خوان کا بھی بچا ہوا تمام کھانا صاف کر گئے۔ اور اسی طرح چلہ کے بعد جس وضو کے ساتھ حجرہ میں گئے تھے اسی وضو کے ساتھ باہر آئے۔ اس قصہ کو بیان کرنے کے بعد حضرت مخدوم نے فرمایا سبحان اللہ یہ ان صوفیوں کا قصہ ہے جن کو حد ضبط میں لایا نہیں جا سکتا۔ خاکسار نے عرض کیا کہ اگر خدائی حد ضبط میں لائی جا سکتی ہے تو یہ قوم بھی لائی جا سکتی ہے۔ حضرت مخدوم نے فرمایا تم سچ کہتے ہو۔

زلف رکھنے کی فضیلت

تھوڑی دیر زلف و کاکل پر بات چھڑ گئی۔ حضرت مخدوم نے فرمایا پیچھے کی طرف مردوں کا زلف و کاکل رکھنا اہل اسلام کا طریقہ نہیں ہے بلکہ یہ رسم ترکوں نے لائی۔ جب ترکوں نے دہلی فتح کی تو یہ رسم یہاں پھیل گئی۔ پھر حضرت مخدوم نے یہ حدیث من استرسل شعرہٗ فی قفاہ حشر لہٗ یوم القیامۃ مع المحسنین (یعنی جس نے اپنے بال پشت کی جانب چھوڑے کل قیامت کے دن اچھے لوگوں میں شمار ہوگا) پڑھ کر فرمایا کہ حضرت شیخ الاسلام نظام الدین فرماتے تھے کہ اس حدیث کو شائع کرو اس کی صحت کا میں ضامن ہوں۔ جس کو بلاواسطہ خود پیغمبر سے سُنا تھا۔

روز دوشنبہ ۱۴ر رمضان المبارک ۸۰۲ھ

واصلان حق کی کمیابی اور ندرت

چاشت کے وقت واصلان حق کی کمیابی اور ندرت پر بات نکل آئی۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ہمارے خواجہ فرماتے تھے کہ ہزار طالبان خدا میں سے صرف چار خدا تک پہنچیں گے اور ان چار میں بھی دو مر جائیں گے ایک پھر دنیا میں پھنس جائے گا اور ایک مقصود تک پہنچنے میں کامیاب ہوگا۔

چاشت کی نماز سنت موکدہ ہے

پھر نماز چاشت کی فضیلت کے بارے میں حضرت مخدوم نے فرمایا کہ اس آیت کریمہ کے مطابق وابراھیم الذی وفی ای صلی رکعتی الضحیٰ۔ نماز چاشت سنت موکدہ ہے۔ اس لیے کہ پیغمبر علیہ السلام نے کبھی بھی اس کو ترک نہیں کیا۔

ایک آیت کریمہ کی فضیلت

قرآن شریف کی اس آیت سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون وسلامٌ علی المرسلین والحمد للہ رب العالمین۔ کی فضیلت کے سلسلے میں حضرت مخدوم نے فرمایا کہ کسی مجلس سے اُٹھنے کے وقت اگر کوئی شخص یہ آیت پڑھے گا تو جو کچھ جھوٹ، مبالغہ آمیزی، فحش بیانی اور لغویات اس مجلس میں اس سے سرزد ہوئی ہوگی سب معاف ہو جائے گا۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی آزمائش اور ذلّت کا قصّہ

اسی وقت حضرت داؤد علیہ السلام کی ذلت و خواری سے متعلق تذکرہ نکل آیا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض انبیاء اور دوستوں کا ذکر فرماتے ہوئے ان کے مراتب بلند اور درجات اعلیٰ کا سبب ان کی مصیبت اور تکالیف کو قرار دیا ہے جو انہوں نے اللہ کی خوشنودی کے لیے برداشت کیں اور اللہ کی بھیجی ہوئی آزمائشوں پر پورے اُترے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے بھی مصیبت کی تمنا کی تاکہ وہ بھی اللہ کے دوستوں میں شامل ہو جائیں اور اس بلند مرتبہ پر فائز ہوں جو اللہ کے دوسرے انبیاء اور دوستوں کو نصیب ہوا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی آزمائش اوریا کی بیوی کے ذریعہ کی اور وہی مصیبت ان کی ذلت و خواری کا باعث ہوئی

داؤد علیہ السلام بیت المقدس میں بیٹھے زبور پڑھ رہے تھے - ایک نہایت خوبصورت اور نازک پرندہ جس کے پر سونے کے اور چونچ زبرجد کی تھی - داؤد علیہ السلام کے قریب آکر بیٹھا داؤد علیہ السلام کو وہ بہت اچھا معلوم ہوا انہوں نے چاہا کہ اسے پکڑ کر گھر لے جائیں تاکہ بچے اس سے کھیلیں اور خوش ہوں - وہ ان کے ہاتھ سے کود کر آگے بیٹھ گیا اسی طرح وہ آگے پھدکتا ہوا بڑھتا گیا اور داؤد علیہ السلام اس کے پیچھے پیچھے دوڑتے رہے - یہاں تک کہ وہ اس کا پیچھا کرتے ہوئے بالاخانہ پر پہنچ گئے وہاں سے ادریا کا گھر دکھائی دیتا تھا - اس کی بیوی اس وقت نہا رہی تھی اس نے کسی آدمی کو بالاخانہ پر دیکھ کر اپنے بالوں سے اپنے کو چھپا لیا - اس کے گیسو بڑے بڑے اور پرکشش تھے صورت بھی بہت ہی اچھی اور دلکش تھی، داؤد علیہ السلام اسے دیکھ کر دنگ رہ گئے اور دل وجان سے اس پر عاشق ہو گئے عرائس میں لکھا ہے کہ وہ اس وقت سے اس فکر میں رہے کہ کسی طرح اس عورت کو نکاح کر کے حاصل کیا جائے - چنانچہ ادریا کو لشکر کا سپہ سالار بنا کر کسی لڑائی میں بھیجا - اس جنگ سے وہ صحیح وسالم واپس آگیا - دوسری مرتبہ اس کو پھر کمزور لشکر کے ساتھ روانہ کیا جس میں وہ مارا گیا - اس کے بعد انہوں نے اس کی عورت کو نکاح کر کے اپنے پاس رکھ لیا اور یہی ان کی ذلت وخواری کا سبب ہوا - یہ اللہ کی آزمائش تھی لیکن بے چارے داؤد علیہ السلام کیا جانتے تھے کہ وہ اس مصیبت میں گرفتار ہو جائیں گے - وہ سمجھتے تھے کہ جس طرح ان سے قبل کے نبیوں پر رنج وغم اور مصیبت آئی تھی اسی طرح ان پر بھی کوئی تکلیف اور مصیبت آئے گی اور اس کو وہ برداشت کر لیں گے -

قلندروں کی اصل اور ابتدا

تھوڑی دیر کے لیے قلندروں کے اصل پر گفتگو چھڑ گئی - حضرت مخدوم نے فرمایا قلندروں کی ابتداء جمال ساوجی سے ہوئی ہے - وہ شیخ عثمان مغربی کے یہاں پیش امام تھے - ایک دن جمال الدین ابو عثمان مغربی کے پاس بیٹھے ہوئے تھے ایک طالب علم حیدری خواجہ ابو عثمان کی ملاقات کے لیے آیا - شیخ جمال نے اس کو دیکھ کر کہا کہ میں اس سے بھی اچھی صورت پیدا کر سکتا ہوں (صورت حیدری صورت قلندر کی ابتدائی منزل ہے) اس سے قلندری کا موجد میں ہی ہو جاؤں گا - یہ کہہ کر وہ روانہ ہو گئے - نماز کے وقت امامت کے لیے لوگوں نے ان کو تلاش کیا تو ان کا پتا نہ تھا - نماز کے بعد لوگ تلاش میں نکلے تو جنگل میں ایک قبر کے اندر سر اور

داڑھی منڈواکر ان کو بیٹھا ہوا پایا۔ لوگوں نے خواجہ عثمان کو خبر کی وہ خود آئے۔ پوچھا جمال یہ کیا حالت تم نے اپنی بنا رکھی ہے۔ انہوں نے کچھ جواب نہ دیا خاموش بیٹھے رہے تو خواجہ عثمان نے ان کو زدو کوب کرایا کہ ہوش میں آئیں لیکن اس پر بھی جب وہ کچھ نہ بولے تو خواجہ عثمان نے کہا کہ چھوڑ دو یہ خود سنبھل جائے گا اس میں اتنی صلاحیت ہے لیکن بہت لوگ اس کی پیروی کریں گے اور وہ سب دوزخ میں جائیں گے۔ فخر نام کا ایک لڑکا تھا۔ شیخ جمال ساوجی کو اس سے الفت تھی۔ جب اس نے سُنا کہ شیخ جمال نے اپنی یہ صورت بنالی ہے تو اسے داڑھی مونچھ تو تھا نہیں۔ سر اور بھنویں منڈواکر ان کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ شیخ جمال فخر کا ابرو منڈا ہوا دیکھ کر خوب ہنسے اور کہا خوب ہی ہوا کہ فخر الدین تم نے بھی یہی صورت اختیار کرلی۔ اور اب جب کہ ہم لوگوں نے اپنی نئی صورت بنالی ہے تو پھر اس جگہ کیوں رہیں چلو سفر کریں۔ چنانچہ دونوں روانہ ہوگئے۔ فخر نے کہا اس صورت کا کوئی نام بھی ہونا چاہیے۔ شیخ جمال نے کہا دیکھو غیب سے اس صورت کے لیے کیا نام تجویز ہوتا ہے۔ وہی نام ہم لوگ رکھ لیں گے آگے بڑھے تو راستہ میں کھال، ٹپتا، پلاس وغیرہ جو کچھ پڑا ملا اس کو ان دونوں نے اپنے بدن پر رکھ لیا۔ اور اس حال میں جب شہر میں داخل ہوئے تو بچوں نے ان دونوں کی عجیب شکل و صورت کو دیکھ کر شور مچایا کہ قلندر آیا قلندر آیا۔ شیخ جمال نے کہا بابا فخر اس صورت کے لیے غیب سے یہی نام تجویز ہوا ہے۔ آگے چل کر یہ دونوں ایک شہر میں مقیم ہوگئے۔ شیخ جمال آدمی بابرکت صاحب کرامت اور اہل دل تھے چند ہی روز میں بہت زیادہ لوگ ان کے حلقہ بہ گوش ہوگئے۔ اسی طرح کچھ دن گذرنے کے بعد شیخ جمال نے فخر کو کسی طرف سفر کرنے کی ہدایت کی۔ فخر ایک طرف روانہ ہوگیا۔ کچھ دنوں کے بعد وہ اس ہیئت کذائی میں لوٹا کہ اس کے چاروں طرف چار آئینے بندھے ہوئے تھے۔ ایک آگے، ایک پیچھے، ایک دائیں ایک بائیں ——

شیخ جمال نے اس کو دیکھ کر کہا کہ یہ آئینے کس لیے لگا رکھے ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ دنیا کے چاروں سمت جو کچھ ہو رہا ہے وہ سب مجھ پر روشن ہے۔ شیخ جمال کو اس کا یہ دعویٰ پسند نہ آیا۔ اس نے خادم کو کہا کہ یہ مجھ سے ہمسری کا دعوے کرنے لگا ہے ایک سماع اور کندوری کھانے کا انتظام ہونا چاہیے۔ اور ایسا انتظام کرو کہ ہر ایک کے سامنے قاب میں چاول کے اوپر ایک مرغ بھنا ہوا ہو لیکن فخر کے سامنے جو قاب ہو اس میں چاول کے نیچے بھنا ہوا مرغ دبا دیا جائے۔ خادم نے ایسا ہی کیا۔ فخر نے جب دیکھا کہ اس کے چاول کے اوپر

بُھنا ہوا مرغ نہیں ہے تو جیسا ان قلندروں کا طریقہ ہے کہ اگر ذرا سا بھی اُن کے ساتھ کسی معاملہ میں اونچ نیچ ہو جاتا ہے تو وہ فوراً خنجر اور چھرے سے پیش آتے ہیں۔ خادم پر ہیبت چھا گئی۔ اور وہ کانپنے لگا۔ فخر نے کہا دیکھتا نہیں میرے قاب میں مرغ نہیں ہے شیخ جمال یہ دیکھ رہے تھے انہوں نے ہنس کر کہا۔ خوب! جس پر دنیا کا چاروں طرف روشن ہے اس کو چاول کے چند دانوں کے نیچے دبا ہوا مرغ دکھائی نہیں دیتا۔ فخر شیخ جمال کے قریب ہی بیٹھا ہوا تھا اس اہانت آمیز طنز پر وہ اتنا خشمگیں ہوا کہ چھرا نکال کر شیخ جمال کے پیٹ میں پیوست کر دیا۔ قلندروں کے پہلے پیر اور پہلے مرید کا یہ انجام۔ قلندروں کے درمیان یہ قصہ بہت مشہور ہے اور اسے اتنا ہی صحیح مانا جاتا ہے جتنا کہ ہم لوگ قرآن مجید کے اندر بیان کیے قصے کو مانتے ہیں۔ حضرت سیدی ابو المعالی نے پوچھا کہ گویا اس طرح شیخ جمال کا مقصد فخر کو ملزم قرار دینا تھا۔ حضرت مخدوم نے جواب دیا کہ نہیں شیخ جمال کا مقصد صرف فخر کو نیچا دکھانا تھا ورنہ وہ کہہ سکتا تھا کہ چار دانگ عالم میں اللہ تعالیٰ جو کچھ مجھ پر روشن کرتا ہے وہ مجھ پر روشن ہوتا ہے اور جب وہ روشن نہیں کرنا چاہتا تو پھر چند دانہ چاول کے نیچے کی چیز کا حال بھی اس کو نہیں معلوم ہو سکتا۔ چار دانگ عالم کی حالت کس طرح روشن ہو سکتی ہے چنانچہ غیب کے تمام کشف و کرامت بھی اسی زمرے میں آتے ہیں۔ لیکن فخر نے غرور، لاف زنی اور خودی کا دعوے کیا تھا۔

آپس میں حسن معاملات اور اچھا معاشرہ قائم رکھنے کے فوائد

تراویح کے بعد لوگوں کا آپس میں حسن معاملات اور اچھی معاشرت قائم رکھنے کا ذکر آ گیا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا لوادت ان یحبک الناس فادعھم باحب الاسامی الیھم۔ یعنی اگر تم چاہتے ہو کہ تمام لوگ تمہیں دوست رکھیں تو ہر ایک کو اچھے اور پیار بھرے ناموں سے پکارو۔ مولانا جلال الدین، میں ، ہمارے دوست علاؤالدین اور مولانا صدر الدین طبیب ایک مرتبہ ایک ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک ہندو طبیب جس کا نام بنھو تھا، مولانا جمال الدین سے ملنے آیا گفتگو کے دوران مولانا صدر الدین نے اس کو ابے بنھو کہہ کر مخاطب کیا۔ مولانا جمال الدین نے ٹوکا کہ مولانا! یہ "ابے" کیا ہوتا ہے۔ مولانا صدر الدین نے کہا وہ ہندو ہے۔ مولانا جمال الدین نے سمجھایا وہ ہندو ہے تو ہوا کرے آپ اپنی زبان کیوں خراب کرتے ہیں اگر

آپ بھائی بنھو کہہ کہہ پکاریں تو آپ کا کیا نقصان ہو جائے گا۔

لفظ خدا کی لفظی و معنوی تحقیق

اس کے بعد لفظ خدا کی لفظی اور معنوی تحقیق پر بات نکل آئی حضرت مخدوم نے اس خاکسار کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اے محمد! خدا کے معنی کیا ہیں اور خدا دال سے ہوگا یا ذال سے۔ خاکسار نے عرض کیا کہ حضور اقدس کی زبان مبارک سے میں نے اکثر سنا ہے کہ خدا ذال سے بھی ہوگا۔ اور اس کے معنی خود زادہ یعنی جو کسی کا مخلوق اور پیدا کیا ہوا نہیں ہے، بلکہ قدیم، قائم بالذات اور بے نیاز ہے۔ اور خدا دال سے بھی ہوگا جس کے معنی خود آمدہ اور خود آئندہ ہوں گے۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ہاں صحیح ہے میں نے ایسا تم سے کہا ہے۔

روز جمعہ ۱۸ رمضان المبارک ۸۰۲ھ

شعر گوئی

نماز جمعہ کے بعد ایک شخص قدمبوسی کے لیے حاضر ہوا تو مخدوم کی تعریف میں کچھ اشعار بھی لکھ کر لایا۔ اسی پر شعر گوئی کے بارے میں ذکر چھڑ گیا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ امیر المومنین حسین علیہ السلام کا قول ہے الشعر اوضع للرفیع وارفع للوضیع یعنی شعر پرہیز گار اور بزرگ انسان کو ذلیل کر دیتا ہے اور بے ہنر اور کم مایہ آدمی کو مقبولیت بخشتا ہے۔ بلند مرتبہ آدمی کے لیے شعر گوئی سے بڑھ کر کوئی چیز اس کو ذلیل کرنے والی نہیں ہے اور کم تر اور پست آدمی کے لیے اس ہنر سے بڑھ کر کوئی چیز مقبولیت اور عزت بخشنے والی نہیں ہے۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے عرض کیا کہ آخر اس کا سبب کیا ہے کہ صوفیوں کا ذوق ہندی شاعری کی طرف بہت زیادہ رہا ہے۔ حالانکہ ہندی شاعری میں صوت اور تغزل کا وہ مزا نہیں ہے۔ حضرت مخدوم نے فرمایا ہر ایک میں اپنی اپنی خصوصیات پائی جاتی ہیں ہندی شاعری میں بڑی نرمی اور گداز پایا جاتا ہے اور باتیں بہت کھل کر کہی جاتی ہیں۔ آہنگ اور صوت میں بھی اس کے نرمی لچک اور گداز کی فراوانی پائی جاتی ہے۔ انداز بیان میں عجز و انکساری ہوتی ہے۔ اسی لیے ضرورت کے تحت صوفیا ہندی شاعری کی طرف زیادہ مائل نظر آتے ہیں۔ لیکن فارسی کے سرود و نغمہ اور موسیقی میں لذت اور ذوق ہی کچھ اور طرح کا پایا جاتا ہے۔ جو فارسی شاعری ہی میں ادا ہو سکتا ہے

اور یہی حال عربی شاعری کا بھی ہے اس کے بعد وہ اس نووارد شخص، جو پانچ سو کوس سے صرف مرید ہونے کے لیے آیا تھا، کی طرف مخاطب ہوئے۔ اور مولانا شیخ جلال سرستوری کے طرف طاقیہ اور قینچی لانے کا اشارہ کیا۔ اور اس نووارد سے پوچھا کہ تمہیں بال کا بالکل استرے سے صاف کر دینا یعنی حلق پسند ہے یا قصر یعنی چھوٹا کرا لینا۔ اس نے کہا جو حضرت اقدس کا حکم ہو۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ نہیں اس میں تمہاری پسند زیادہ معتبر ہے۔ اس نے کہا پھر حلق بہتر ہوگا۔ حضرت مخدوم نے حلق فرما کر دستار اس کے گلے میں ڈال دی اور بیعت سے مشرف فرمایا۔ اس کے بعد وہی شخص اپنی عقیدت، عبادت و ریاضت اور مجاہدہ کے بعد اس درجہ پر پہنچ گیا کہ حضرت مخدوم نے اپنے سر مبارک کا طاقیہ اس کے سر پر رکھ دیا اور اس کا طاقیہ جو اس کو شروع میں عطا ہوا تھا اپنے سر مبارک پر رکھ لیا۔

پیروں کی فرمائشات اور احکام کے بارے میں

پھر پیروں کی فرمائشات اور احکام کے بارے میں گفتگو نکل آئی حضرت مخدوم نے فرمایا کہ جس طرح اللہ کا حکم اور فرمودات کا بجا لانا فرض ہے اسی طرح پیر کے احکام اور ہدایات کو بھی سمجھنا چاہیے پہلے اللہ کا فریضہ کسی عذر اور سبب کی بنا پر فوت نہیں کیا جا سکتا اسی طرح پیر کی ہدایات اور احکام نظر انداز نہیں کیے جا سکتے۔ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ اپنے بندوں کو کسی نبی کے واسطہ کے بغیر ہدایت فرمائے لیکن اس کا طریقہ ہمیشہ سے یہ رہا ہے کہ ہر قوم کے لیے ان ہی میں سے کسی کو نبی بنا کر مبعوث فرماتا ہے تاکہ وہ اس کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچا دیں۔ یہی حال مشائخ، صوفیا اور پیروں کا ہے کہ وہ اللہ اور رسول کے حکم سے لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتے ہیں اور اس کا پیغام پہنچاتے ہیں۔

حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا کہ سفر میں اوراد کی رعائت میں بڑی دشواری ہوتی ہے۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ہمارے سامنے حضر اور سفر دونوں برابر ہیں۔ لیکن روزہ کہ اگر کوئی شخص سفر میں نہیں رکھ سکتا ہے تو افطار کر لے اس کے بعد قضا رکھ لے اور اگرچہ نفل روزہ کی قضا نہیں ہے لیکن اس کی جگہ پر دوسرا نفل روزہ رکھ سکتا ہے۔ تاکہ نفس ترک کرنے کا عادی اور آسان پسند نہ ہو جائے اور جو مرید کہ روزہ رکھتا ہے وہ باز نہ رہے۔

پیر کا حق مُرید پر اور مُرید کا حق پیر پر

اس کے بعد پیر اور مرید کے حقوق کے بارے میں ذکر نکل آیا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ شیخ شہاب الدین سہروردی کے مریدوں میں سے ایک مرید نے پوچھا کہ حضرت پیر کا حق مرید پر اور مرید کا حق پیر پر کیا ہے۔ حضرت شیخ نے جواب دیا بعد میں بتاؤں گا۔ دوسرے روز اُس نے پھر وہی سوال کیا شیخ نے وہی جواب دیا کہ بعد میں بتاؤں گا۔ جب تیسری مرتبہ اُس نے پوچھا تو حضرت شیخ نے ایک خط لکھ کر اور ایک جانماز اس کے حوالہ کیا کہ یہ چیزیں میرے خلیفہ کو پہنچا دو۔ مرید اُلٹے پاؤں جیسا کہ مریدوں کا اظہار ادب کے لیے طریقہ ہوتا ہے دروازہ کی طرف واپس ہوا اس نے چاہا کہ جوتا اٹھا کر رکھ لے آگے پہنے گا لیکن پھر دل میں سوچا کہ اس میں جو دیر لگے گی اس سے پیر کے حکم کی جلد تعمیل میں نقصان ہوگا۔ اس لیے ننگے پاؤں ہی روانہ ہو گیا۔ راستہ میں اس کا گھر ملتا تھا اس کا جی چاہا کہ بیوی بچوں سے رخصت ہولے لیکن پھر اس کے دل میں خیال آیا کہ گھر جانے اور بال بچوں سے رخصت ہونے میں دیر لگے گی اور اس سے پیر کے کام کو نقصان پہنچے گا اس لیے وہ ارادہ بھی ترک کیا اور سیدھا چل کر خلیفہ کی خدمت میں پہنچا اور شیخ کا فرمان اور سجادہ ان کے حوالہ کیا۔ خلیفہ نے اس آدمی کی بہت زیادہ عزت و تکریم اور خاطر و مدارت کرنی چاہی کیونکہ وہ پیر اور مرشد کے یہاں سے آیا تھا۔ لیکن اس نے یہ کہہ کر ٹھہرنے سے انکار کر دیا کہ مجھے حضرت شیخ نے یہاں ٹھہرنے کا حکم نہیں دیا ہے صرف خط اور سجادہ پہنچانے کو فرمایا تھا اس لیے میں کس طرح ٹھہر سکتا ہوں خلیفہ نے جب دیکھا کہ یہ نہیں ٹھہر رہا ہے تو اس نے کہا کہ کم از کم پیر کے لیے میری طرف سے ایک لونڈی تحفہ لیتے جاؤ۔ اور اس نے اندر سے ایک لونڈی کو بلا کر اس کے ساتھ کر دیا۔ راستہ میں جوان مرد اور جوان عورت کے ایک جگہ جمع ہونے سے شیطان نے ورغلایا اور وہ اتنا شیطان کے ورغلانے میں آگیا کہ دونوں برہنہ ہو گئے اور حرکت ناشائستہ کرنا ہی چاہتے تھے کہ یکایک اس نے دیکھا کہ حضرت شیخ اس کے سامنے منہ میں اُنگلی ڈالے کھڑے ہیں اور افسوس کر رہے ہیں۔ حضرت شیخ کو دیکھتے ہی اس کی شہوت ختم ہو گئی اور فوراً اس نے کپڑے پہن کر توبہ و استغفار پڑھنا شروع کر دیا اور اظہار ندامت اور شرمندگی کے لیے وضو کر کے سر بہ سجود ہو گیا اور پھر دو رکعت شکرانہ کی نماز ادا کی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت شیخ کی مہربانی سے اس گمراہی اور آفت سے نجات بخشی

اور اس لونڈی کو بہت احتیاط کے ساتھ شیخ تک پہنچا دیا۔ شیخ نے اس سے کچھ نہیں کہا۔ دوسرے دن اس نے پھر حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا وہی سوال دہرایا کہ حضرت مرید کا حق پیر پر اور پیر کا حق مرید پر کیا ہے۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ میں نے تجھ کو عملی طور پر دکھا دیا پھر بھی تجھے معلوم نہ ہوا۔ اس نے کہا حضرت میری سمجھ میں نہیں آیا۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ تم جب یہاں سے میرے کام پر روانہ ہوئے تو محض اس خیال سے کہ میرے کام میں تاخیر اور نقصان نہ ہو تم نے نہ اپنا جوتا پہنا اور نہ اپنے بیوی بچوں سے ملے۔ اور میرے خلیفہ نے جب تم کو مہمان رکھنا چاہا تو محض اس وجہ سے کہ میں نے تم کو وہاں ٹھہرنے کی اجازت نہیں دی تھی نہیں ٹھہرے یہ میرا یعنی پیر کا حق تم پر تھا۔ اور پھر راستہ میں جب شیطان تم پر غالب آیا اور اس کے ورغلانے میں آکر تم بدکاری اور زنا پر آمادہ ہوگئے تھے میں نے تم کو اس سے باز رکھا اور تم میری وجہ سے اس گناہ عظیم اور آفت سے بچ گئے۔ یہ تمہارا یعنی مرید کا حق تھا جو میں نے ادا کیا۔ پھر حضرت مخدوم نے فرمایا کہ جس کو پیر مل گیا اس کو سب کچھ مل گیا اور جو پیر سے محروم رہا وہ بڑے گھاٹے اور خسارہ میں رہا۔ چاہے کوئی شخص اپنی ریاضت اور مجاہدہ سے پانی پر چلے، ہوا میں اڑے اور سامنے اور پیچھے کی باتوں کو بھی جانے لیکن جب تک وہ کسی پیر کا ہاتھ نہیں پکڑے گا اس کو خدا کی بو بھی نہیں لگے گی۔

مرشد کی قدمبوسی اور عقیدت کے فوائد

اس کے بعد حضرت مخدوم نے مرشد کی قدمبوسی اور اشتیاق و عقیدت کے فوائد اور اہمیت کا ذکر فرمایا۔ اور پیر و مرشد کی مثال ایسے آب رحمت سے دی جو کسی پیاسے کو کسی پہاڑ پر نصیب ہو جائے۔ پھر اس کی خوشی اور راحت کا کیا پوچھنا ہے۔ اور پیر و مرشد کا جدا ہونا اس طرح بتایا جیسے ابر رحمت کو ہوا اڑا کر لے جائے اور متوقع آب رحمت سے محرومی نصیب ہو جائے پھر اس کی ناخوشی اور حزن و یاس کا کیا پوچھنا ہے۔ اس کے بعد خوش طبعی کے طور پر حضرت مخدوم نے اس خاکسار کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ میاں محمد کیا کہتے ہو اگر ہم آج سے گاؤں گاؤں، قصبہ قصبہ گھوم کر لوگوں کو مرید بنائیں تو تم لوگوں کو فتوحات جمع کرنے سے فرصت نہ ملے۔ پھر ایک آہ بھر کر فرمایا کہ کیا بتاؤں اللہ جانے کتنی ہی مرتبہ میں نے یہ شعر پڑھا ہے اس پر ذوق آیا ہے اور رقص کیا ہے کہ شاید اس پر عمل کرنے کی توفیق حاصل ہو لیکن کبھی نصیب نہ ہوا پھر یہ مصرعہ پڑھا ع

کجاست دولت او یار و ملک تنہائی

پانی کھڑے ہو کر پینا چاہیے یا بیٹھ کر

اسی لمحہ بات اس پر نکل آئی کہ آدمی کو پانی بیٹھ کر پینا چاہیے یا کھڑے ہو کر۔ اس خاکسار نے حضرت ابن عباس سے مروی یہ حدیث شیخ الصحابہ کے حوالہ سے پڑھی اتیت رسول اللہ ماء زمزم فشرب وھو قائمٌ وروی عن علی انہٗ توضا وقام وشرب مابقی وضوءہٗ وقال رأیت رسول اللہ یفعل کما رأیتمو لی فعلت والحدیث یدل علی انہٗ لاباس بالشرب قائماً وکرہٗ بعضھم ذالک کذا ذکرہ الفقیہہ ابو اللیث رحمۃ اللہ وممارحض الشرب قائماً علی وسعد بن ابی وقاص وعائشہ وابن عمرؓ۔ (معنی۔ رسول اللہ صلعم نے زمزم کا پانی کھڑے ہو کر پیا۔ اور امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ نے وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پیا اور فرمایا کہ رسول اللہ صلعم ایسا ہی کرتے تھے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ کھڑے ہو کر پانی پینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن بعض فقیہوں نے اس کو مکروہ لکھا ہے۔ اور تمام صحابہ میں جنہوں نے پانی کھڑے ہو کر پینے کی اجازت دی ہے امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ، سعد بن وقاص اور ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا اور ابن عمرؓ ہیں) میری اس بیان کردہ حدیث کو سن کر حضرت مخدوم نے فرمایا کہ آب زمزم، وضو کا بچا ہوا پانی، آب سبیل اور مومن کے جھوٹے پانی کو استثنا کیا گیا ہے۔ اور ان کا کھڑے ہو کر پینا جائز ہے لیکن دوسری حدیث جو مشارق میں ہے کہ وشوب فلیق ان میں موافقت اس طرح کی گئی ہے کہ اگر کوئی کھڑا ہے تو پانی پینے کے لیے بیٹھ جائے اور اگر بیٹھا ہوا ہے تو پانی پینے کے لیے نہیں کھڑا ہو۔ سوائے وضو کے بچے ہوئے پانی کے سب کے لیے یہی بات صادق آئے گی اور اسی پر اجماع کا عمل ہے۔

روز شنبہ ۱۹ ار رمضان المبارک ۸۰۲ھ

بُرے امرا اور ظالم خلفا کے بارے میں

ظہر کی نماز کے بعد بُرے امرا اور ظالم خلفا کے بارے میں ذکر نکل آیا۔

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ان لوگوں کی خباثت، حماقت اور کوڑھ مغزی اس حد تک پہنچ جاتی

ہے کہ اپنے کو پیغمبر آخر الزماں سمجھنے لگتے ہیں اس طرح دین اور دنیا برباد کرتے ہیں اور دونوں جہان میں ملعون قرار دیے جاتے ہیں۔ اسی پر حضرت مخدوم نے یہ قصہ بیان فرمایا کہ مروان نام کے امویوں میں دو شخص گزرے ہیں ایک تو وہ جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا پیش کار اور سکریٹری تھا اور دوسرے مروان حمار جس سے عباسیوں نے خلافت چھینی۔ ایک روز ایک شخص نے مروان سے پوچھا کہ تمہارے سامنے ایک تو خلیفہ ہیں اور دوسرے پیغمبر خدا۔ تم ان دونوں میں سے کس کو بالاتر اور افضل سمجھتے ہو۔ اس نے جواب دیا کہ میرے خلیفہ خلیفۃ اللہ ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبر خدا ہیں۔ اس لیے ظاہر ہے خلیفۃ اللہ بالاتر ہوئے۔ اس خبیث احمق کی اس مسخرگی پر شیطان پلید بھی مسکرایا ہوگا۔ اور اس ملعون کی بات پر شاباشی دی ہوگی۔

سلطان علاؤالدین کا خبط

پھر حضرت مخدوم نے فرمایا کہ سلطان علاؤالدین کے بھی دماغ میں اسی طرح کا خبط سوار ہوگیا تھا۔ لیکن مسلمانوں کے خوف سے ظاہر نہیں کرتا تھا۔ البتہ پوشیدہ طور پر اپنے مصاحبین اور مقربین سے اس طرح کی باتیں کیا کرتا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے چار یار تھے میرے بھی چار یار ہیں۔ اسلام میں یوں آیا ہے اور میں نے مذہب میں یہ نئی بات پیدا کی ہے۔ ان تمام باتوں کو مولانا ضیاءالدین برنی نے تاریخ فیروز شاہی میں لکھا ہے۔ سلطان محمد تغلق کے دماغ میں بھی اسی طرح کے بے ہودہ خیالات پیدا ہوگئے تھے۔ ہمارے خواجہ کے بھانجے مولانا کمال الدین قصہ بیان کرتے تھے کہ ہم قتلق خاں کے بھائی قاضی شمس الدین کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ آدھی رات کے وقت قتلق خاں کی یکایک طلبی ہوئی۔ اس نے جانے کے وقت کہا آپ لوگ تشریف رکھیں میں ابھی آتا ہوں۔ ایک گھنٹہ کے بعد وہ آئے تو انہوں نے خان کا ایک عجیب قصہ سنایا۔ انہوں نے کہا کہ جب میں وہاں پہنچا تو میں نے دیکھا کہ سلطان محمد تغلق شمع کی طرف سے اپنا منہ پھیر کر تاریکی میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں نے دستور کے مطابق تسلیم بجا لایا اور تاریکی میں بیٹھ گیا۔ اس کے تامل سے مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ تذبذب میں ہو۔ یکایک اس نے بولنا شروع کیا کہ اگر آج کوئی ایسا شخص پیدا ہو جائے جو کہے کہ محمد صلعم پیغمبر نہیں تھے۔ بلکہ میں ہوں تو تم لوگ کس دلیل سے اسے قائل اور مغلوب کروگے۔ میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ اگر دلیل پیش کرتا ہوں

تو وہ بھی اس کی کاٹ میں اپنی دلیل دے گا۔ اور بات بڑھتی ہی جائے گی اس لیے ایسی بات کہوں کہ آگے وہ کچھ سوچ ہی نہ سکے اور اس کا خیالی پلاؤ ختم ہو جائے میں نے کہا اس حرام زادہ، دیوانہ، احمق اور بدبخت کے لیے دلیل دینے کی کیا ضرورت ہوگی۔ جہاں پناہ کے اقبال سے شہر میں ایسی قوت پیدا ہوگئی ہے کہ جہاں پناہ کے ادنیٰ غلام اس کی تکا بوٹی کر دیں گے۔ اس نے یہ سُن کر سر جھکا لیا اور کوئی جواب نہ دیا۔ پھر میں نے پوچھا کہ اگر کوئی بدبخت ایسا اعلان کرے تو عالم پناہ کیا کریں گے؟ اس نے کہا خدا کی قسم سب سے پہلا شخص جو اس کا ساتھ دے گا میں ہوں گا۔ جس طرح محمد تغلق قتلغ خاں کی عزت کرتا تھا اسی طرح ملک منصور اور اس کے باپ کی بھی عزت کرتا تھا۔ ایک مرتبہ اس نے ملک منصور سے کہا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ، عمر رضؓ، عثمان رضؓ، اور علی کرم اللہ وجہہ نے کیا کیا ہے؟ جو ہم نہیں کر سکتے ہیں۔ ملک منصور نے کہا کہ یہ لوگ پاک اور برگزیدہ بندے ہیں مطلب یہ تھا کہ تم ناپاک شخص ہو تم سے ان کا کیا مقابلہ۔ پھر وہ بکواس کرتا رہا اور ملک منصور بیٹھے سنتے رہے۔ کوئی جواب نہ دیا۔ مشائخ علما، سادات اور دین داروں کو اس کا قتل کرنا محض اس بنا پر تھا کہ وہ لوگ دین کی عظمت اپنے دل میں رکھتے تھے اور وہ اس عظمت دین کو ان کے دل سے نکال دینا چاہتا تھا۔ وہ ہنود اور غلاموں کو کہ وہ بھی ہنود ہی کے زمرے میں آتے ہیں۔ اپنے گرد رکھنا چاہتا تھا۔ تاکہ وہ جو کچھ بھی ان لوگوں سے کہے وہ سب اس کی ہاں میں ہاں ملاتے رہیں۔ لیکن اللہ نے اس کو موقع نہ دیا اور وہ مر کر جہنم میں گیا۔ پھر حضرت مخدوم نے فرمایا کہ جب اس کے قبض روح کا وقت آیا تو اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کو اس کی روح قبض کرنے کا حکم دیا۔ ملک الموت نے خدا سے فریاد کی کہ خداوندا! میں نے بہت سے کافروں اور فاسقوں کی روح قبض کی ہے لیکن جو گندگی اور بدبو اس بدبخت کے منہ سے آرہی ہے وہ کسی کے منہ سے میں نے نہیں پائی۔ اور اس کی وجہ سے میں اس کے قریب نہیں جاسکتا حکم باری تعالیٰ کا ہوا کہ اپنے مددگاروں میں سے کسی کو اس کام کے لیے بھیج دو۔ ملک الموت نے کہا کوئی بھی اس گندگی اور بدبو کی وجہ سے جانے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ پھر ابلیس کو حکم ہوا کہ وہ جا کر اس کی روح قبض کرے۔ اس خاکسار نے عرض کیا کہ ملک الموت کے علاوہ کیا اور بھی کسی میں روح قبض کرنے کی طاقت ہے۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ میرے علم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض دوستوں کی روح ملک الموت سے نہیں

قبض کرائی۔ جیسا کہ اس شعر میں بیان کیا گیا ہے:

در عشق تو عاشقاں چناں جاں بدہند کانجا ملک الموت نگنجد ہرگز

حضرت موسیٰ اور ہارون علیہ السلام کی ارواح ملک الموت کے بغیر قبض ہوئی تھی جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں ایک سیب دے دیا تھا۔ انہوں نے اس سیب میں ایک صورت دیکھی اور اس کے حسن و جمال کی تاب نہ لا کر جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ اور اس کے لیے ملک الموت کی ضرورت نہ پڑی۔ اسی طرح اللہ کے دشمنوں کے بارے میں بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی روح بغیر ملک الموت کے برے حال احوال سے قبض کرائے۔

روز یکشنبہ ۲۰ رمضان المبارک ۸۰۲ھ

سارنگی کی آواز پر محویت

چاشت کے وقت ایک شخص دروازہ کے سامنے سارنگی بجا رہا تھا۔ کان سب کا اس کی طرف لگا ہوا تھا۔ تھوڑی دیر انتظار کرنے کے بعد حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ایک دن مولانا برہان الدین غریب رحمۃ اللہ علیہ سماع سن رہے تھے۔ ان کے سامنے کسی نے سارنگی بجائی۔ مولانا برہان الدین کو اس کی آواز بہت اچھی معلوم ہوئی اور انہوں نے آ کر سارنگی کو اپنے گلے میں باندھ لیا اور اس سے کہا کہ بجاؤ وہ بجاتا رہا اور وہ سنتے رہے۔

اس کے بعد حضرت مخدوم نے منصور ابدال کا ایک قصہ سنایا کہ منصور ابدال کہتے تھے کہ ایک دن میں شراب فروش کے گھر کی طرف سے گزر رہا تھا۔ اس کے اندر سے سارنگی کی آواز آ رہی تھی۔ مجھے آواز بہت اچھی لگی۔ نزدیک جا کر میں سننے لگا۔ جو لوگ اس کے اندر بجا رہے تھے ان لوگوں نے مجھ سے رقص کرنے کے لیے کہا۔ میں نے کہا ٹھہرو! میں دیکھ لوں کہ قسمت ہے یا گئی۔ میں نے دیکھا قسمت چلی گئی ہے۔ میں نے رقص کرنا شروع کیا۔ وہ لوگ مجھ سے تفریح لینے لگے۔ یہاں تک کہ ایک شخص نے میرے لنگوٹہ میں ہاتھ ڈال کر کھینچ لیا۔ میں ننگا ہو گیا۔ دوڑ کر میں نے ان سے لنگوٹہ چھینا اور باندھ کر جہاں جاتا تھا روانہ ہو گیا۔ ان لوگوں نے مجھے بہت پکارا کہ درویش واپس آؤ لیکن میں نہیں لوٹا۔ وہ

لوگ میرے پیچھے دوڑے۔ میں نے اور تیزی سے قدم بڑھایا۔ یہ لوگ میرے مقابلہ میں کیا دوڑ سکتے تھے۔ میری گرد کو بھی نہ پا سکے۔ لیکن اتفاق سے میں گنّے کے کھیت میں گر پڑا۔ باغبان نے میرا پیچھا کیا۔ اس جگہ سے بھی میں قدم بڑھاتا ہوا دوڑتا ہوا نکل گیا۔ اور اپنے دوستوں کے پاس پہنچ گیا۔ ان لوگوں سے یہ قصہ کہا۔ ان لوگوں نے کہا کھڑے کیوں نہیں ہو گئے کہ اس باغبان کا بھی تماشا دیکھ لیتے کہ وہ تمہارے ساتھ کیا کرتا ہے میں نے کہا میں کھڑا تو ہو گیا، لیکن دیکھا کہ قسمت نہیں گئی ہے۔ موجود ہے اس لیے قدم بڑھاتا ہوا نکل گیا۔ پھر حضرت مخدوم نے فرمایا سبحان اللہ ابدال کے گروہ کی بھی عجیب خصوصیت اور عیش ہے کہ تمام دنیا سے وہ پوشیدہ اور خلوت میں رہتے ہیں۔ کوئی شخص بھی ان کے معاملہ میں رکاوٹ نہیں بنتا۔ پوری دنیا ان کی نظر میں صحرا اور جنگل ہے۔ میں نے سالوں اس کی تمنا کی کہ یہ سعادت مجھے حاصل ہو جائے لیکن نہ ہوئی:

ہرگز حسد نہ بردم بر منصبے و مالے الا برو کہ دارد با دلبرم وصالے

اس حدیث رأیت النبی صلعم یرمی علی راحلۃ یوم النحر۔ (یعنی عید الضحیٰ کے دن میں نے رسول اللہ صلعم کو گدھے پر سوار ہو کر رمی کرتے دیکھا) کو سن کر حضرت مخدوم نے فرمایا۔ ہاں وہ معلم تھے ان کو سب کو تعلیم دینا تھا۔ اگر وہ پیادہ پا ہوتے تو ہجوم میں لوگ ان کو نہیں دیکھ سکتے تھے۔ اور ان کے افعال کی پیروی اور اقتدا نہیں کر سکتے تھے۔ علاوہ ازیں وہ ساٹھ سے اوپر کی عمر والے تھے اس ہجوم میں ان کو سواری کی ضرورت تھی۔ پھر ان کی سرداری بھی اس کی مقتضی تھی کہ اپنی امت کے درمیان سوار ہو کر چلیں۔

حضرت ابو یزیدؒ اور سنت رسول اللہ صلعم

پھر حضرت مخدوم نے فرمایا کہ حضرت ابو یزیدؒ نے فرمایا ہے کہ سوائے تین چیز کے میں نے ہر وہ کام کیا ہے جو رسول اللہ صلعم نے کیا ہے۔ اور وہ تین سنت رسول اللہ صلعم پر عمل پیرا نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ایک چیز کرنے پر تو میں قادر ہی نہیں تھا اور دوسری چیز کو میں جانتا نہ تھا۔ اور تیسری چیز میں نے سنی تھی کہ نہیں سکتا تھا۔ اور وہ اسی طرح کہ رسول اللہ صلعم نے سوار ہو کر طواف کیا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ کروں لیکن مسلمانوں نے مجھے زبردستی روک دیا دوسری چیز جو جانتا نہ تھا وہ خربزہ کھانے کے متعلق ہے یعنی میں نہیں جانتا تھا کہ رسول اللہ صلعم نے خربزہ چھلکے کے ساتھ کھایا تھا یا بغیر چھلکے کے

اور بیج کے ساتھ یا بغیر بیج کے۔ اور تیسری چیز جو میں کر نہیں سکتا تھا وہ اس واقعہ سے متعلق ہے کہ ایک دن صبح کی نماز میں امیر المومنین علی کرم اللہ وجہ شریک نہ ہوئے۔ رسول اللہ صلعم نماز کے بعد علی رضؓ کے گھر گئے دیکھا کہ فاطمہ اور علی رضی اللہ عنہ ایک جگہ سوئے ہوئے ہیں اور چادر ان لوگوں کے بدن سے سرک گئی ہے۔ رسول اللہ صلعم آنکھ بند کر کے نزدیک کھڑے ہو گئے اور الصلواۃ الصلواۃ کہہ کر بیدار کیا۔ ان دونوں نے جلدی سے اُٹھ کر نماز ادا کی۔ تو جب میں نے شادی ہی نہیں کی ہے لڑکی اور داماد کہاں سے لاؤں۔

تھوڑی دیر شاعروں کے اشعار کی خوبی اور لطافت پہ بات نکل آئی۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ امیر حسنؔ کے اشعار میں بڑی لطافت پائی جاتی ہے مثلاً ؎

لعل دل آرامم نگر کارام گاہ جاں زرد | کفر سر گیسوش ہیں سرمایہ ایماں درد
خود کیست بیچارہ حسنؔ تا خون او ریزد کسی | خاکے ست مشتی او بلے از یاد خوباں جاں درد

غزل

منم سلطاں ملک حسن و ما در سلک درویشاں | دلا دامن فراہم کن کجا ماؤ کجا ایشاں!
قبا بر قد سلطاناں چناں زیبا نہ می آید | کہ آں خرقاں گرد آلودہ بر بالائے درویشاں!
اگر تو با غم لیلیٰ بر غبت خویشتن داری! | چو مجنوں خود فرو باید شد از خویش و ہم از خویشاں
حسنؔ دریائے خوباں سر فدا کردی بحمد للہ | نکو اندیشہ کردی علی رغم بد اندیشاں

حضرت مخدوم نے مندرجہ بالا اشعار کو پڑھ کر فرمایا کہ ایک مرتبہ خانقاہ میں کسی شخص نے سماع کا انتظام کیا تھا اس نے درخواست کی کہ کندوری کھانے کے بعد حضرت خواجہ کے سامنے سماع ہو۔ آخری شعر اور شعر "قبا بر قد سلطان ....." پر حضرت خواجہ کو بہت ذوق ہوا۔ پھر آپ نے امیر حسن کے یہ اشعار بھی پڑھے: ؎

اے در ہوس روئت گل چاک زدہ داماں | دریا دلبت خلقی خوں جگر آشناماں
در وجہ نکورویاں نداوند نہ برات تو | تا نام تو در ناید در دفتر بدناماں!
سرگشتہ بسے گشتم بہر سر و سامانے | سر در سر کارت شد نی سر شدہ نے ساماں

امیر حسنؔ شعر موزوں کرنے میں ماہر اور بذلہ سنج تھے

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ امیر حسن شروع میں اپنی غزلوں

کو سرائے کے دروازہ پر لکھنے والوں کو دے دیتے اور وہ اس کی تشہیر کرتے تھے۔ امیر خسرو نے دیکھ کر کہا کہ یہ کونسی چیز ہے جو تعویذ کی طرح بانٹ رہے ہو۔ امیر حسن نے کہا کہ جی ہاں امیر خسرو یہ پیٹ کے درد کا تعویذ ہے۔ پھر فرمایا کہ امیر حسن شعر موزوں کرنے میں بڑی مہارت رکھتے تھے اور کوئی لطیفہ اگر آجاتا تو اس کے بیان کرنے میں دیر نہیں کرتے۔ بڑے حاضر جواب تھے۔ ایک مرتبہ امیر خسرو، امیر حسن اور کچھ دوسرے لوگ حوض سلطان پر گھومنے کے لیے گئے۔ مطربوں کے بھی وہاں پہنچنے کا وعدہ تھا لیکن وہ سب نہیں آئے۔ میر حسن نے بیٹھ کر ایک گھنٹہ اتنا ہنسایا کہ لوگ ہنستے ہنستے بے قابو ہو گئے۔ پھر تھوڑے وقفہ کے بعد اتنا رلایا کہ روتے روتے بے حال ہو گئے۔

نغمہ وسرود کی ابتدا اور ماخذ

ظہر کی نماز کے بعد نغمہ وسرود کی ابتدا اور ماخذ پر بات نکل گئی۔ حضرت مخدوم نے فرمایا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ فلک کی حرکت سے نکلا ہے۔ حکما اس جگہ گئے، سیر کی دیکھا، اور سنا پھر آکر اس کو نکالا اور اس کے لیے اصول مرتب کیے۔ طرح طرح کے مزامیر اور ساز ایجاد کیے۔ یونانی حکمانے رباب ایجاد کیا کہ جس کے سننے سے نیند اور غفلت طاری ہو جائے اور پھر اسی کو دوسری طرح سے بجایا جائے تو ہنسی آئے، رونا آئے اور موت آجائے۔ غرض اپنی مرضی کے مطابق جو چاہیں رباب سے کام لیں۔ ابراہیم نام کا ایک چنگ بجانے والا دہلی میں تھا۔ وہ بیمار ہوا تو دوا لینے کے لیے مولانا صدر الدین کے پاس آیا۔ اپنے ساتھ اپنا رباب بھی لایا۔ میں، مولانا علاؤ الدین اور مولانا صدر الدین ایک جگہ بیٹھ گئے اس نے رباب کو گوشمالی دیا اور پھر خوب خوب فن کا مظاہرہ کیا۔ یوں تو اس فن کے استاد بہت سے ہیں لیکن اس کی بات کسی میں نہیں پائی جاتی۔ مولانا صدر الدین کا ایک بچہ یوسف نام کا اس مجلس میں تھا۔ اس پر چنگ کا اثر ہو گیا۔ اور وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ لوگ اس کو مجلس سے باہر لے گئے۔ جب تک ہم وہاں پر مجلس میں رہے اس وقت تک اس کو ہوش نہیں آیا تھا۔ ویسا چنگ بجانے والا میں نے کوئی دوسرا نہیں دیکھا۔ بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ عراقی نے مردہ کی آنت سے بنایا ہے۔ کوئی مردہ پڑا ہوا تھا اس کی آنت پھول کر پھٹ گئی تھی۔ ہوا کی ضرب سے اس میں سے آواز نکلنے لگی اس کو دیکھ کر لوگوں نے عراقی نے ایجاد کر لیا۔

روز دو شنبہ ۱۲ رمضان المبارک ۸۰۲ھ

خواب مرید ہونے کا سبب بنا

چاشت کے وقت ایک شخص مرید ہونے کے لیے آیا۔ اور اپنے مرید ہونے کا سبب ایک خواب کو بتایا جو اس نے دیکھا تھا کہ جمعہ کے روز حضرت مخدوم نماز کے لیے باہر نکلے ان کے آگے ایک بڑا جھنڈا تھا۔ میں جب سامنے آیا تو حضرت کا حکم ہوا کہ جھنڈے کو پکڑ لو میں نے جھنڈا تھام لیا۔ اور آگے آگے چلا۔ قیلولہ کا وقت ہو گیا کلام اللہ ختم کرنے کے بعد میں سو گیا۔ پھر دیکھا کہ حضرت مخدوم ایک عالی شان محل میں تشریف فرما ہیں۔ مجھ کو کسی نے لے جا کر حضرت مخدوم کے قدموں پہ ڈال دیا۔ حضرت نے اپنے دست مبارک سے اس مسکین کا سر پکڑ لیا۔ اور اپنے قدموں پہ سر رہنے دیا۔ نو وارد کی درخواست بیعت منظور ہوئی اور پھر حضرت مخدوم نے فرمایا کہ الرویاء الصالحۃ جزءٌ من اجزاء النبوۃ یعنی صالح خواب پیغمبری کا ایک جزو ہے۔ رویار کے صالحہ کی تعریف یہ ہے کہ اس کے دیکھنے سے دُنیا سے دل سرد ہو جائے، گناہ سے اطاعت کی طرف مائل ہو جائے۔ اور دنیا سے دین تک پہنچا دے۔ اور جو کچھ دیکھے وہ ظہور میں آئے۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا خواب

ایک دوسرا قصہ حضرت مخدوم نے خواب سے متعلق اسی طرح کا سنایا کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ ایک خواب دیکھ کر حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئے اور کہا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ میرے چاروں طرف آگ سے بھری ایک خندق ہے اور میرے ماں باپ زبردستی مجھے اس میں دھکے دے کر بھیج رہے ہیں اور دوسری طرف رسول اللہ صلعم کھڑے ہوئے اشارے سے اپنی طرف بلا رہے ہیں۔ اور پھر میں اپنے کو خندق کی دوسری طرف پاتا ہوں۔ اسی درمیان میں میری آنکھ کھل جاتی ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا وہ خندق دوزخ کی آگ ہے اور تمہارے ماں باپ کافر ہیں جو تمہیں دوزخ میں کھینچ کر لے جانا چاہتے ہیں یعنی زور دیتے ہیں کہ ان کے مذہب کفر پہ قائم رہو اور دوزخ میں جاؤ۔ اور رسول اللہ صلعم تم کو اپنی طرف بلا رہے ہیں اسلام کی دعوت دے رہے ہیں اور تم

اسلام قبول کرکے رسول اللہ صلعم کی طرف آ گئے ہو۔ اور تمہیں دوزخ سے نجات مل گئی ہے۔ عجب نہیں کہ تم مسلمان ہو جاؤ۔ حضرت سعد نے کہا اے ابوبکرؓ! مجھ کو رسول اللہ صلعم کے پاس لے چلیے کہ میں ایمان لے آؤں۔ چنانچہ ابوبکرؓ حضرت سعد کو رسول اللہ صلعم کے پاس لے گئے اور وہ مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ ان کے ماں اور باپ نے جب یہ خبر سُنی تو انہوں نے سعد کو لے جاکر کوٹھری میں بند کر دیا اور کھانا پانی بند کر دیا۔ اور کہا کہ جب تک تم دین محمدی سے باز نہیں آؤ گے کھانا پانی کچھ نہیں دیا جائیگا۔ تین روز تک اسی طرح بغیر کھانے پانی کے ان کو کوٹھری میں بند رکھا۔ تیسرے روز ان دونوں نے آکر پوچھا اب کیا کہتے ہو تم دین محمدی کو چھوڑ کر اپنے باپ دادا کے مذہب پر قائم رہو گے یا نہیں؟ سعد نے جواب دیا۔ اے ابا جان اور امی جان! دین محمدی جس کو میں نے قبول کیا ہے وہ دین نہیں ہے جس سے کوئی پھر جائے۔ میرے لیے اس سے بڑھ کر اور کون سی فخر و مسرت کی بات ہو سکتی ہے کہ میں دین محمدی ہی پہ جان دے دوں۔ ان دونوں نے عاجز آکر کہا کہ اب سعد یہ مذہب نہیں چھوڑے گا اس لیے اس کو اس کے حال پر چھوڑ دو۔ وہ جانے اور اس کا دین ایمان جانے۔ بہت سے صحابہ خواب دیکھ کر مشرف بہ اسلام ہوئے ہیں پھر حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ایک دن میں نے خواب دیکھا کہ اس واقعہ کو میں اپنے شیخ سے بیان کر رہا ہوں اور پوچھ رہا ہوں کہ حضرت میں اس واقعہ کو اور لوگوں کے سامنے بیان کروں حکم ہوا کہ ہاں دوسروں سے بیان کرو۔ پھر میں نے خواب ہی میں عرض کیا کہ میرا سلسلہ کب قوت اور زور پکڑے گا حکم ہوا کہ سلسلہ خواجگان چشت قیامت تک رہے گا۔

پھر حضرت مخدوم نے اسی طرح کا ایک اور قصہ سنایا کہ ایک دن ایک شخص نے مرید ہونے کی درخواست کی۔ اور ایک خواب بیان کیا۔ اس نے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ حضرت خواجہ بیٹھے ہوئے ہیں اور خواجہ کے پہلو میں ایک بچہ جس کے گیسو بڑھے ہوئے ہیں کھڑا ہوا ہے۔ وہ یہ جملہ بار بار کہتا تھا اور میری طرف (یعنی حضرت مخدوم کی طرف) دیکھتا تھا۔ مرید کرنے کے بعد اس آدمی سے حضرت مخدوم نے فرمایا کہ مغرب کی نماز کے بعد چھ رکعت نماز تین سلام کے ساتھ پڑھا کرو۔ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد تین مرتبہ سورہ اخلاص پڑھنا چاہیے۔ اس نماز کو صوفیا صلواۃ الاوابین کہتے ہیں صوفیا برابر توبہ استغفار استقامت دین کے لیے کرتے رہتے ہیں۔ اور جو شخص اس نماز

کو پابندی سے پڑھتا رہے گا اس کی توبہ میں استقامت ہوگی۔ اس کے بعد ایک دوسری دو رکعت نماز نفل کی ہدایت فرمائی جو کہ ایمان کی حفاظت کے لیے ہے۔ اس میں ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سات مرتبہ سورہ اخلاص اور ایک ایک بار معوذتین پڑھنے کے لیے کہا۔ سلام کے بعد سر سجدہ میں رکھ کر تین مرتبہ یا حی یا قیوم ثبتنی علی الایمان کہے۔ پھر فرمایا کہ عشاء کی نماز کے بعد دو رکعت نفل نماز اور بھی پڑھنا چاہیے۔ اس کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد دس مرتبہ سورہ اخلاص پڑھے۔ سلام کے بعد ستر مرتبہ یا وھّابُ یا وھّابُ کا ورد کرے جیسا کہ میں کرتا ہوں کہ ایک ایک کلمہ دل پر زخم لگاتا ہے اور پھر دل کی قوت سے یا وھاب یا وھاب باہر آئے۔ اس کے بعد حضرت مخدوم نے فرمایا کہ یہ پہلی تعلیم ہے جیسے بچوں کو معلم اب ت کی تختی لکھ کر دیتا ہے۔ انشاء اللہ اگر اس پر قائم رہے تو پھر اور زیادہ بتاؤں گا۔ اور اگر کسی شخص نے اسی توبہ پر، جو اس نے میرے سامنے کیا، اور میری ہدایتوں پر قائم رہا تو پھر اس کے لیے کافی ہے۔ کل قیامت کے دن اس کو میری ضرورت نہ ہوگی وہ اپنا بوجھ خود اٹھالے گا اور ہلکا پھلکا رہے گا۔ وہ نووارد مرید بچوں کو پڑھاتا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ بچوں کو پڑھانا بہت اچھا کام ہے۔ لیکن اکثر باوضو رہنا چاہیے اور مسجد میں پڑھانا چاہیے۔ بہشتیوں کے ساتھ قرآن مجید کے پڑھنے پڑھانے اور لکھنے میں مشغول رہنے سے بڑھ کر اور کیا بات ہوگی لیکن مدرسین کی کم ہمتی بہت خراب چیز ہے۔ کم ہمت کا کوئی مقام نہیں۔ ہمت ہی سے آدمی کچھ درجہ حاصل کر سکتا ہے۔

شیخ کہلانے کا مستحق کون ہے

تھوڑی دیر شیخ کی ماہیت پر گفتگو چھڑ گئی۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص ہوا میں اڑتا ہے پانی پر چلتا ہے، جو کچھ دیکھتا ہے وہی ظہور پذیر ہوتا ہے، مردان غیب سے ملاقات کرتا ہے جو کچھ اس کے دل میں خیال گزرتا ہے وہی ہو جاتا ہے۔ نہ وہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے پھر بھی وہ شیخ نہیں ہے۔ شیخ کہلانے کا وہ مستحق ہے جس کو کشف ارواح اور کشف قبور ہوتا ہو۔ انبیاء کی ارواح سے ملاقات کرتا ہو۔ اور جس پر تجلی افعال وصفات اور ظہور ذات باری ہوتا ہو، اور جو فنا و بقا کے دشوار گزار راستوں سے گزر چکا ہو۔ اور جس کو وہ خلیفہ بنائے ضروری ہے کہ وہ بھی ان اوصاف سے متصف ہو بغیر اس کے کسی کو خلیفہ بنانا مناسب نہیں ہے۔ جب تک شاگرد استاد جیسا نہ ہو اس کو خلیفہ بنانا مناسب نہیں

اس کو مکتب ہی میں رہنے دینا چاہیے۔

خاتم سلیمان پر ایک دیو کا قابض ہونا

اس آیت ولقد فتنا سلیمان والقینا علی کرسیہ جسداً ثم اناب افتنان سلیمان کے بارے میں حضرت مخدوم نے فرمایا کہ تاریخ میں آیا ہے کہ ایک دیو نے سلیمان علیہ السلام کی صورت اختیار کر لی اور ان کی اس انگوٹھی پر بھی قابض ہو گیا جس پر ملک سلیمان علیہ السلام کا انحصار تھا۔ تخت پر بیٹھ کر حکمرانی کرنے لگا۔ تمام وحوش وطیور جن وانس زمین بوس ہو کر اس کے تابع فرمان ہو گئے۔ سلیمان علیہ السلام کو نکال باہر کیا۔ یہاں تک کہ وہ دروازہ پر گریہ وزاری کرتے رہے لیکن کوئی ان کی طرف مخاطب نہ ہوا۔

امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے خاتم رسول کا کنویں میں گر جانا۔

حضرت مخدوم نے اسی نوعیت کا ایک اور قصہ بیان فرمایا کہ امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں خاتم رسول امیر المومنین کے ہاتھ سے کنویں میں گر پڑی تھی۔ اس کنویں کا تمام پانی باہر نکالا گیا ایک ایک سنگریزہ اور کنکر، مٹی میں اس کو تلاش کیا گیا لیکن وہ انگوٹھی نہ ملی۔

عصر کی نماز کے بعد ایک شاعر حضرت مخدوم کی خدمت میں آیا اور اپنی غزل پڑھ کر سنائی۔ لیکن وہ غزل پھس پھسی سی تھی۔ حضرت مخدوم نے اس کے اشعار پڑھنے کے دوران ایک دو آہ کھینچی۔ لیکن کچھ دیر کے بعد حضرت نے فرمایا کہ یہ آہ زنی محض اس بیچارہ کو خوش کرنے کے لیے تھی تاکہ وہ یہ نہ سمجھے کہ اس کے اشعار مجھے پسند نہ ہوئے اور اس باعث وہ دل شکستہ ہو کر جائے۔ پھر اس کے بعد حضرت مخدوم نے شیخ سعدی کی یہ غزل پڑھی :ـ

بہ رفت تا تو برفتی خیالت از نظرم بہ رفت درہمہ عالم زبیدلی خبرم

اس شعر کو پڑھنے کے بعد حضرت مخدوم نے فرمایا کہ اس کے دوسرے مصرعہ میں در کی بجائے از زیادہ اچھا ہوتا کیونکہ تمام عالم سے بے خبر ہو جانا تمام عالم میں بے خبری کی شہرت ہونے سے زیادہ بلیغ ہے۔

اگر مرا تو بہ بینی زہجر نشناسی کہ ہرچہ درنظر آید ازاں ضعیف ترم

مرا بہ گوئی کہ سعدی چرا پریشانی ! خیال روئے تو ہر روز می کند بترم

اس شعر کو حضرت مخدوم بار بار ذوق کے ساتھ پڑھتے رہے پھر فرمایا کہ بدترم و ضعیف ترم تکرار قافیہ ہے۔ پھر یہ شعر پڑھا:

نشاں پیکر خوبت کہ می تواند گفت کہ در نامل آں خیرہ می شود بصرم

اس کو پڑھنے کے بعد فرمایا کہ نامل دل کی صفت ہے۔ آنکھ کا خیرہ ہونا اس سے کیا تعلق رکھتا ہے۔

حسن میمندی اور خواجہ اقبال کی نوک جھونک

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ایک دن حضرت شیخ نظام الدین کا دل سماع کی طرف راغب ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ کوئی شخص ہے جو مجھے اس وقت کچھ گا کر سنادے۔ خواجہ اقبال اور دوسرے احباب جو کچھ گانا جانتے تھے فوراً تیار ہوگئے اور کچھ دیر حضرت شیخ کے سامنے گایا۔ ان لوگوں کے گانے سے حضرت شیخ بہت مکیف ہوئے اور بہت ذوق آیا۔ حضرت شیخ نے خوش ہوکر ان لوگوں کو کپڑا عطا کیا اس کے بعد حسن میمندی آگیا۔ ان لوگوں نے اس کو چھیڑنے اور چڑھانے کے لیے بیان کیا کہ تم نہ تھے۔ اس لیے ہم لوگوں نے حضرت شیخ کے سامنے گانا سنایا۔ حضرت بہت مکیف ہوئے اور خوش ہوکر انہوں نے ہم لوگوں کو جامہ عطا فرمایا۔ حسن میمندی نے کہا کہ حضرت کا آہ و گریہ کرنا اس وجہ سے تھا کہ وہ پریشان تھے کہ میں کن لوگوں کے پھندے میں پڑ گیا اور کس طرح ان لوگوں سے نجات حاصل ہو۔ یہ گفتگو حضرت شیخ نے سنی تو حسن میمندی کو بلا کر پوچھا کہ کیا کہہ رہے تھے۔ اس نے پورا قصہ سنایا۔ حضرت شیخ سن کر مسکرائے اور فرمایا کہ حسن ٹھیک ہی کہتا ہے کچھ نہ کچھ اس کی بات صحیح بھی ہو سکتی ہے۔

روز سہ شنبہ ۲۲ رمضان المبارک ۸۰۲ھ

امر دین کی استقامت کے لیے بذل روح کی ضرورت ہے

چاشت کی نماز کے بعد امر دین کی استقامت اور پختگی کا تذکرہ نکل آیا حضرت مخدوم نے فرمایا کہ جس دین میں روح کی کارفرمائی نہ ہوگی

وہ مستقیم نہ رہے گا۔ کلمۃ عدلٍ عند سلطانٍ جابرٍ افضل من الجہاد ۔یعنی صحیح اور
انصاف کی بات کسی جابر اور ظالم سلطان کے سامنے کہہ دینا جہاد سے افضل ہے، اسے مراد
یہی ہے کیونکہ ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہہ دینے میں انفرادی طور پر بذل روح کی ضرورت
ہوتی ہے۔ برخلاف جہاد کے کہ اس میں ایک جماعت شریک کار ہوتی ہے اور ہر ایک دوسرے
کا مددگار ہوتا ہے۔ اور میدانِ جنگ سے بھاگ کھڑے ہونا گناہ کبیرہ میں شامل ہے۔
مسلمانوں کے لیے حکم ہے کہ وہ میدان جنگ میں کٹ مرے لیکن پیٹھ نہ دکھائے۔ شہید
ہو یا غازی۔ تیسری کوئی چیز نہیں۔ خودکشی کرنا ہندوؤں میں اچھا سمجھا جاتا ہے اور
اس کا ان کے یہاں بڑا درجہ ہے لیکن اسلام میں منع ہے۔

صوفیا کی کرامات کے بارے میں

تھوڑی دیر صوفیا کی کرامات پر بات نکل آئی
حضرت مخدوم نے فرمایا کہ مولانا فخرالدین بجنوری
شیخ الاسلام حضرت خواجہ نظام الدینؒ کے مرید تھے لیکن ان کو جو اعتقاد ہمارے خواجہ
رشیخ نصیرالدین چراغ دہلویؒ سے تھا وہ کسی مرید کو اپنے پیر سے بھی کم ہی ہوتا ہوگا۔ وہ
اودھ میں ہمارے خواجہ کے ساتھ بہت عرصہ تک رہے تھے اور ان کو ہمارے خواجہ کے
بہت سے اندرونی معاملات کی خبر تھی۔ انہوں نے ایک مرتبہ مولانا شہاب الدین کشتنبوری کو
یاد دلایا کہ آپ کو وہ رات یاد ہے جب کہ حضرت خواجہ ہم لوگوں کے درمیان سے یکایک
غائب ہو گئے تھے اور آخری شب میں لنگی باندھے تیغ و سپر ہاتھ میں لیے نمودار ہوئے۔
میرے پوچھنے پر انہوں نے فرمایا کہ دریا میں ایک جہاز ڈوب رہا تھا اور مجھ کو حکم ہوا
تھا کہ اس کو ڈوبنے سے بچاؤ۔ کچھ روز بعد ایک مرتبہ انہوں نے فرمایا کہ مولانا جاؤ شراب
خانہ سے میرے لیے ایک سبوچہ شراب لے آؤ۔ میں لے آیا۔ پھر فرمایا مجھ کو دو اور خود بھی
پیو۔ سبحان اللہ! میں نے اسے اٹھایا تو وہ خالص شہد تھا۔

مولانا محمود لکھنوی نے کچھ دنوں تک حضرت خواجہ کی مسجد میں امامت کی تھی۔ وہ کہتے
تھے کہ میں حوض سلطان کے اوپر بڑ کے درختوں کے نیچے چاشت کی نماز پڑھا کرتا تھا۔
ایک مرتبہ میں نے دیکھا کہ حضرت خواجہ تشریف لا رہے ہیں۔ میں قدم بوسی کے لیے دوڑا
لیکن پھر دیکھتا ہوں تو کوئی نہیں ہے۔ اس واقعہ کا تذکرہ میں نے حضرت خواجہ سے کیا
تو انہوں نے فرمایا کہ اس جگہ بہت سے بزرگ آرام فرما ہیں مولانا محمود نیلی کا مقبرہ بھی

اسی جگہ ہے۔

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ہمارے خواجہ جب ٹھٹہ میں تھے تو مجھ کو شیخ الاسلام حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مزار اقدس کی برابر زیارت کرنے کا حکم فرمایا تھا۔ ایک روز میں کھڑا زیارت کر رہا تھا اچانک دیکھا کہ حضرت خواجہ سفید کپڑے پہنے تشریف لا رہے ہیں میں نے سمجھا کہ حضرت خواجہ ٹھٹہ سے تشریف لے آئے۔ میں قدم بوسی کے لیے اٹھا لیکن پھر دیکھا تو کوئی نہیں ہے۔

حجاج بن یوسف کی بدبختی

اسی وقت حجاج بن یوسف کی بدبختی کا ذکر نکل آیا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ حجاج بن یوسف نے مرنے کے وقت ایک منجم سے اپنے بارے میں پوچھا۔ منجم نے کہا کہ حضور کا نام تو یوسف ہے لیکن اس وقت اس کے لیے بہت کڑا اور مصیبت کا وقت ہے جس کا نام کلیب ہے۔ اور وہ تھوڑی دیر میں مر جائے گا۔ حجاج نے کہا ہاں ٹھیک ہے میری ماں نے میرا نام کلیب ہی رکھا تھا۔ تم نے مجھ کو اس طرح مرنے کی بشارت دی ہے اس لیے قبل اس کے کہ میں مروں تم ایک قدم مجھ سے پہلے ہی وہاں جاؤ۔ یہ کہہ کر اسے قتل کر دیا۔ اور اس کے بعد خود مر گیا۔

ظہر کی نماز کے بعد حضرت مخدوم ایرج میں شیخ سلیمان کوتوال قصبہ ایرج کے پاس تشریف فرما ہوئے۔ وہاں پہنچنے پر شیخ سلیمان حضرت مخدوم کا حلقہ بگوش ہو کر تارک الدنیا ہو گیا۔ حضرت مخدوم نے جھنترہ میں اس کو ذکر و مراقبہ کی تلقین فرمائی۔ اس کی ضعیف ماں اس سے ناراض تھی۔ حضرت مخدوم کے وہاں سے واپس آ جانے کے بعد بھی وہ ترک دنیا پر قائم رہا۔ اس نے حضرت مخدوم کی خدمت میں عریضہ بھیجا جس کے جواب میں حضرت نے لکھا۔ (مکتوب)

مکتوب بنام سلیمان شہابؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فرزند دینی سلیمان شہاب، دعائے محمد حسینی مطالعہ کند

اس سے بڑھ کر کون سی نعمت، اور اس سے بہتر کون سی سعادت ہو گی کہ تم اپنے

اللہ کے ساتھ بغیر کسی رکاوٹ کے فراغت کے ساتھ مشغول رہو۔ نہ تمہیں کسی آنے جانے والے کی فکر نہ کسی دوست و دشمن کا خطرہ نہ کسی آشنا و بیگانہ سے ملنے ملانے کی پرواہ رہے۔ مگر تم فراغت کی قدر کیا جانو۔ تم نے سُنا ہو گا : ؎

بہ فراغ دل زمانے نظرے بہ ماہ روئے بہ از انکہ چتر شاہی ہمہ عمر ہائے ہوئے

تم کو لوگوں کی صحبت سے کیا کام اور پڑھنے پڑھانے کی کیا ضرورت۔ دین کے لیے جو ضروری ہے جیسے وضو اور نماز اور انسان کو زندہ رہنے کے لیے جن حوائج ضروری کی ضرورت ہے اس کے علاوہ ہمیشہ اپنے کو یاد الٰہی میں مستغرق رکھو جس دن کہ تمہارے پاس کوئی نہ آئے نہ تم کسی کو دیکھو اور نہ کوئی تمہیں دیکھے اس دن کو اپنے لیے معراج سمجھو کیونکہ اس کی مقربان باری نے حسرت کی ہے (رباعی)

دل در تگ و پُو نہ شد نکو شد کہ نہ شد جز بر تو فرو نہ شد نکو شد کہ نہ شد
گفتی کہ بر نجم از نکو شد کارت دیدی کہ نکو شد نکو شد کہ نہ شد

لوگ فانی زندگی میں امید وصال پر خیال آرائی کرتے ہیں لیکن کامیاب نہیں ہوتے شور زمین میں کھیتی کرتے ہیں لیکن اس کا پھل نہیں کھاتے، رواں پانی پر معما لکھتے ہیں لیکن اس کے معنی مطلب سے آشنا نہیں ہوتے، فاسقہ سے عشق کرتے ہیں اور اس سے وفا کی امید رکھتے ہیں لیکن کبھی اس کی صورت بھی نہیں دیکھتے افسوس! افسوس! ؎

برگذر زیں سرائے غر چہ فریب بر شکن زیں رباط مردم خوار
کلبہ کاندرو نخواہی ماند سال عمرت چہ دہ چہ صد چہ ہزار
رخت بردار ازیں خرابہ کہ ہست بام سوراخ ابر طوفاں بار
ہر کہ از چوب مرکبے سازد مرکب آسودہ داں دمانده سوار
رہ رہا کردہ از آبے گم غرنہ دانستہ از آبے خوار
دولت آں را مگو کہ دادندت پیش انبار جنس استظہار
تا ترا دولت است یاد نہ درجہاں خدائے دولت بار
چوں ترا ز تو پاک بستانند دولت آں دولت ست کار آں کار

اللہ کے ماسوا اگر کوئی خطرہ اور خیال تمہارے دل میں گزرے تو تم اپنے کو

مشرک اور بت پرست سمجھو۔ ملک تاج سلیمان خاں کو میری دعا پہنچاؤ اور کہو کہ میں نے سُنا ہے کہ ایک ایک ہفتہ پر وہ جمعہ کے روز مسجد میں آتے ہیں پھر بھی لوگوں کا ہجوم ان کے پیچھے ہوتا ہے۔ مبارک باد : ؎

نہ یک فسوس کہ ہر دم ہزار بار فسوس نہ یک دریغ کہ ہر دم ہزار بار دریغ

اپنی والدہ کو میری طرف سے دُعا کہیں۔ اور کہیں کہ جیسی میں نے ہدایت کی ہے اسی کے مطابق کریں۔ اپنے لڑکے کے لیے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی یاد میں مستغرق رکھے اور سوائے حق کے کوئی خطرہ اور خیال اس کے دل میں پیدا نہ ہونے دے۔

مکتوب بنام بدرالدین سلیمان

(دوسرا مکتوب)

مولانا بدرالدین سلیمان، دعا محمد حسینی مطالعہ کند

اشراق، چاشت، تہجد اور اوابین کی نماز کی پابندی رکھو۔ اللہ کے فضل کے امیدوار رہو۔

تلقین کے مخصوص شرائط جو حضرت بندہ نواز گیسو درازؒ کے یہاں رائج تھے

افطار کے وقت ان شرائط خصوصی کا ذکر نکل آیا جو حضرت مخدوم نے تلقین کے لیے وضع کی ہیں، اور جو ان سے پہلے مشائخ میں رائج نہ تھا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ حسام الدین نام کا ایک شخص کپڑا بننے کا پیشہ کرتا تھا وہ حضرت خواجہ کا مرید تھا۔ اور میرے ہی پڑوس میں رہتا تھا۔ بہت ہی صالح اور صوفی صفت آدمی تھا۔ ایک دن میں دروازہ کمال کی طرف جا رہا تھا۔ وہ میرے ساتھ ہو گیا اور تمام راستہ مجھ سے تلقین ذکر کے لیے التجا کرتا رہا۔ میں نے اس کو جواب دیا کہ تم بوڑھے ہو چکے ہو تم سے سلوک کے آداب اب ادا نہیں ہو سکتے۔ تمہارے ارشاد لینے کا اب وقت نہیں رہا۔ تلقین کا وقت بھی گزر چکا ہے۔ وہ بہت گریہ وزاری اور منت سماجت کرنے لگا۔ یہاں تک کہ مغموم اور رنجیدہ ہو گیا۔ میں نے اس سے معذرت کی۔ اس کے آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اور وہ ایک آہ کے ساتھ واپس ہو گیا۔ ایک درویش نے اس کے بعد مجھ سے ملاقات کی اور پوچھا کہ وہ ضعیف آدمی آپ سے کیا کہہ رہا تھا اور آپ نے اس کو کیا جواب دیا۔ میں نے بتایا کہ وہ مجھ سے تلقین کرنے کی التجا کر رہا تھا اور میں

اس سے معذرت کر رہا تھا کہ اس کی ضعیفی کے باعث تلقین دینے کا وقت اب باقی نہیں رہا۔
اس درویش نے مجھ سے کہا کہ تلقین کے کئی طریقے اور شرائط ہیں آپ کو بتاتا ہوں آپ اس
کو اپنے مریدوں اور دوستوں میں رائج کریں۔ ان شرائط پر جو شخص آپ سے ذکر کرنے کی
التجا کرے آپ اس کو تلقین کریں۔ وہ اپنے مطلوب اور مقصود کو پہنچے گا۔ اور غیب کی طرف
سے اس پر راستے کھل جائیں گے۔ کوئی قید نہیں وہ چاہے بوڑھا ہو جوان ہو مرد ہو عورت
ہو۔ سب کے لیے ٹھیک ہوگا۔ اور وہ شرائط یہ ہیں۔ اپنی طاقت بھر ایک گٹھڑ لکڑی کا
سر پر رکھ کر اپنے گھر سے آپ کی خانقاہ تک لائے۔ اور اپنی استطاعت کے مطابق کچھ پیسے
بھی کندوری کے لیے آپ کے پاس لائے۔ تیسری شرط یہ ہے کہ وہ آپ کے پانچوں پیر یعنی
شیخ الاسلام خواجہ نصیر الدین چراغ دہلویؒ خواجہ نظام الدینؒ، خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ
خواجہ قطب الدین بختیار اوشی اور خواجہ معین الدین چشتی سنجریؒ کی زیارت کرے۔ خاکسار
مولف ملفوظات (زیارت کی تفصیلات بیان کرتا ہے جو اس نے حضرت مخدوم کو اپنے بعض
دوستوں کو بتاتے ہوئے سنا۔ اور وہ اس طرح ہے۔ جب شیخ الاسلام نصیر الدین چراغ
دہلویؒ کی زیارت کو جاتا ہو تو آنے جانے میں کلمہ سبحان اللہ آخر تک ایک مرتبہ، تین مرتبہ
اور سات مرتبہ پڑھے۔ کھانے کی چیز سامنے رکھے اس کے بعد سورہ فاتحہ ایک بار آیۃ
الکرسی تین بار، الھکم التکاثر سات بار اور قل ھو اللہ احد دس بار پڑھے۔ اس کے
بعد قرآن شریف میں سے جو جی چاہے اور یاد ہو پڑھے پھر دعا مانگے اور کہے کہ ان کا (یعنی
جس پیر کی زیارت کر رہے ہیں اس کا نام) بندہ آپ سے التجا کرتا ہے کہ مجھ کو ذکر کی تلقین
کریں۔ اور آپ سے امیدوار ہے کہ مجھ کو کامیابی عطا کریں گے اور استقامت بخشیں گے
(آپ کے بندہ پر بعض دوستوں کو اعتراض ہے) زیارت کے لیے آنے جانے کے وقت
منتظر ہو کہ مقبرہ میں کون شخص آیا ہے اور کون شخص اندر تھا۔ اور کون شخص باہر گیا۔ آگے
پیچھے دائیں بائیں لوگ کیا بولتے ہیں اور کیا آواز آتی ہے۔ کھانے کی چیز کو شیخ کے مزار کی
پائنتی میں رکھے۔ پھر اس کو اٹھائے اور حضرت مخدوم کے سامنے لائے۔ اسی طرح پانچوں
پیروں کی زیارت کرے۔ اور جس شہر میں کہ وہ ہے اگر پیروں کے مزار وہاں نہ ہو تو نشان
دے کر اس کو اس شیخ کی نسبت سے موسوم کرے اور پھر اسی طرح زیارت کرے۔ اور بی بی
فاطمہ سام رحمۃ اللہ علیہا کی زیارت بھی اسی طرح کرے اس کے بعد حضرت مخدوم کے سامنے

آ کر تمام کیفیت کو بیان کرے۔ اور کھانے کی چیز کو پیش کرے۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ ذکر جس دن کرے اس دن روزہ سے ہو۔ اور اگر ممکن ہو تو طے کرے تلقین کے روز کھچڑی، گھی، دہی، لکڑی اور نمک علیحدہ علیحدہ سر پر رکھ کر بی بی فاطمہؓ سام کی روح کے لیے لائے۔ اس کے بعد غسل کرے۔ کسی سے اس درمیان میں بات نہ کرے۔ اس کام کے لیے جمعہ کی رات بہتر ہے۔ عصر کی نماز کے بعد تلقین ذکر کرنا چاہیے، جس کے لیے کیا جائے۔ اگر اس کا مطلوب اس کو حاصل نہ ہو تو کل قیامت کے دن میرا دامن اور اس کا چنگل ہوگا۔

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ میں نے جس جس کو تلقین کیا روزی روزگار اور کاروبار میں اس کو بہت فائدہ ہوا۔ اپنے خواجہ کے طفیل میں میں نے کئی آدمیوں کے ساتھ یہ معاملہ کیا ہے اور اب یہ طریقہ ہو گیا ہے اور اُمید ہے کہ انشاء اللہ قیامت تک باقی رہے گا۔ خاکسار مولف ملفوظات نے بارہا حضرت مخدوم کو مجمع میں کہتے سُنا ہے کہ جو شخص چالیس روز تک میری تلقین کے مطابق پابندی سے ذکر کرے گا اس کے فوائد اور مطلوب اس کو ضرور حاصل ہوں گے۔ اگر نہ حاصل ہوں تو کل قیامت کے دن میرا دامن اور اس کا چنگل ہوگا۔

عشاء کی نماز کے بعد میری اس مشکل کا جواب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صوم وصال میں فرمایا ہے ابیت عند ربی یطعمنی و یسقینی۔ دیا گیا کہ اگر کئی روز تک حضور صلعم کھانا اور پانی سے باز رہتے تو کمزوری روئے مبارک پر ظاہر ہو جاتی اور آپ اپنے شکم مبارک پر پتھر باندھ لیتے تاکہ راستہ چلنے میں قوت ملے۔

برادرم سید احمد نے بھی کچھ کہا لیکن وہ کچھ صحیح نہ تھا اور حاضرین میں سے کسی نے بھی اس کا جواب نہیں دیا۔ پہلی حدیث کے مطابق طے کے سلسلے میں ذکر آ گیا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ہمارے دوستوں میں سے بعض دس دس دن، آٹھ آٹھ دن اور سات سات دن کا طے کرتے تھے۔ اور ان ہی میں ایک میں بھی شامل تھا جس کو ان کے طفیل کچھ کرنے کی توفیق ہو جاتی تھی پھر اپنا واقعہ بیان فرمایا کہ

صرف دو مرتبہ طے کے درمیان افطار کے لیے مجھ سے بے چینی ظاہر ہوئی سوائے دو مرتبہ کے

کبھی کبھی طے کے درمیان مجھ سے افطار کرنے میں بے چینی نہیں ظاہر ہوئی۔ ایک مرتبہ تو اس وقت جب کہ میں تین روز سے فاقہ سے تھا۔ میرے دل میں بات آئی کہ باہر نکل کر کچھ بیر توڑ کر کھاؤں۔ جب میں چلا تو علاؤالدین بھی میرے ساتھ ہو گئے۔ درخت کے نیچے پہنچ کر میں نے دیکھا کہ نام کے لیے بھی ایک بیر درخت میں نہیں لگا ہوا ہے۔ لوگ بکری کے لیے بیر کا پتا توڑ رہے تھے۔ پتوں کے درمیان لال رنگ کی کوئی چیز نظر آرہی تھی میں نے سوچا اس کو توڑ کر کچھ کھاؤں۔ بیر کے درخت کے آگے ایک کنواں تھا۔ میں نے علاؤالدین کو ٹھنڈا پانی لانے کے لیے وہاں بھیجا وہ ادھر گئے اور میں نے توڑ کر کچھ کھایا لیکن میرے دل میں خلش اور کھٹک رہی کہ یہ اچھا کام نہیں کیا۔ علاؤالدین آئے تو میں نے ان کے ہاتھ سے پیالہ لے کر کچھ پانی پیا۔ اس نے بھی کچھ کھایا۔ میرے دل میں خلش باقی رہی۔ روح الارواح کا ایک ورق میرے پاس تھا۔ میں اسے پڑھنے لگا۔ یکایک میری نظر اس عبارت پر پڑی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک دن اللہ تعالیٰ سے کہا کہ اے اللہ مجھے تھوڑی اور معمولی سی چیز تجھ سے مانگنے میں شرم آتی ہے حالانکہ بعض وقت اس کی ضرورت مجھے ہوتی ہے۔ فرمان باری ہوا لا یستحیی منی یا موسیٰ سلنی حتیٰ لمح عجینک و علف شاتک۔ یعنی اے موسیٰ مجھ سے کوئی چیز مانگنے میں نہ شرماؤ چاہے وہ آٹے کے لیے نمک اور بکری کے لیے گھاس ہی کیوں نہ ہو۔ مجھے یہ بات بہت پسند آئی۔ موسیٰ علیہ السلام کے سوال اور اللہ تعالیٰ کے جواب نے میرے دل کی خلش دور کر دی اور مجھے بڑی طمانیت ہوئی اسی ذوق و شوق میں موسیٰ علیہ السلام کی طرح میں نے بھی اللہ سے دعا مانگی کہ خداوندا! میں بھوکا ہوں مجھ کو کھانا دے۔ اسی وقت ایک لڑکے نے سامنے آکر کہا کہ مولانا علاؤالدین آپ کو بلا رہے ہیں اگر علاؤالدین کا نام وہ نہ لیتا تو میں ہرگز نہ جاتا۔ وہاں پہنچا تو دیکھتا ہوں علاؤالدین ایک خوانچہ میں کھانا رکھے ہوئے بیٹھے ہیں۔ میں بھی بیٹھ گیا اور کچھ کھایا۔

دوسری مرتبہ میرا اضطراب اس وقت بڑھ گیا تھا جب ہمارے خواجہ نے پہلی مرتبہ مجھ سے طے کے لیے کہا۔ میں نے عرض کیا کہ افطار کے وقت مجھ کو کھانا اچھا نہیں لگتا۔ حضرت خواجہ نے فرمایا کہ سحری کھا لو۔ میں نے کہا وہ بھی نہیں کھایا جاتا حضرت مخدوم نے فرمایا تھوڑا سا کھا لو۔ چند دنوں کے بعد جب میں نے طے کیا تو میں نے اپنی والدہ سے کہا کہ حضرت خواجہ نے مجھ کو ایک ورد بتایا ہے اس کو پورا کر کے میں کھاؤں گا اس لیے

آپ لوگ میرا انتظار نہ کریں - آدھی رات کے وقت میں لیٹا ہوا تھا مجھ پر ایسی کیفیت کمزوری کی طاری ہوئی کہ تہجد کے لیے اُٹھنے کی سکت نہیں رہی اور ایسا معلوم ہونے لگا جیسے ابھی جان نکل جائے گی۔ رجب کا مہینہ تھا میں نے سمجھا رجب کا روزہ بھی گیا۔ میں نے کنیز کو اٹھانا چاہا کہ سحری کے لیے کچھ پکا دے۔ پھر خیال آیا کہ شیخ کا حکم ایسا نہیں ہے اگر انہوں نے پوچھا تو کیا جواب دوں گا۔ یہی نا کہ مجھ سے نہ ہو سکا۔ اس طرح وہ سمجھیں گے کہ سخت اور مشکل کام مجھ سے نہیں ہو سکتا۔ میں رک گیا اور حضرت شیخ ہی سے میں نے مدد چاہی کہ مجھے طاقت عطا ہو۔ پھر میں زور کر کے اٹھا۔ اسی وقت مجھے متلی آنے لگی اور سبز و زرد صفرا میں نے قے کیا۔ پھر کوئی چیز قے کے ساتھ باہر آئی اور زمین پر گر پڑی اور اس کے گرتے ہی دل کو سکون مل گیا۔ قے ختم ہوتے ہی مجھے پوری طاقت معلوم ہونے لگی اس مرتبہ میں پانچ روز تک طے (فاقہ) کرتا رہا۔ سوائے اس دو مرتبہ کے کبھی بھی مجھے بے چینی اور اضطرار بھوک کی وجہ سے نہیں محسوس ہوا۔ میں طے کے دوران تمام کام کرتا رہتا بے طعامی کا ذرا بھی اثر میرے چہرے سے ظاہر نہیں ہوتا۔ سبق پڑھنا، شیخ قطب الدین اور شیخ نظام الدین کی زیارت کرنا، اپنے خواجہ کی خدمت میں حاضر ہونا سماع سننا گھومنا پھرنا غرض سارے معمولات میرے حسب قاعدہ ہوتے رہتے۔ اور کبھی مجھے بے چینی نہیں ہوتی۔ اور جب شیخ یا والدہ اصرار کرتیں تو افطار کرتا۔

روز چہار شنبہ ۲۳ رمضان المبارک ۸۰۲ھ

حضرت ابوبکرؓ کی ایک دُعا

چاشت کے وقت حضرت مخدوم نے فرمایا کہ حضرت ابوبکرؓ کی اس دُعا کے کیا معنی ہوئے۔ اللّٰھم ابسط لی الدنیا وزھدنی فیھا۔ دنیا کی کشادگی زہد کے لیے کیوں طلب کرتے ہیں۔ اگر زہد مطلوب ہے تو فراخی اور کشادگی کی کیا ضرورت ہے۔ در اصل صبر کرنے کے لیے بلا طلب کرتے ہیں اس کے اصل معنی یہ ہوئے کہ ابسط لی الدنیا۔ یعنی میرے لیے دنیا کو کشادہ کر دے تاکہ مجھ کو تنگی میں ڈال کر مصیبت میں ڈالے۔ اور اس دنیا کی تنگی اور مصیبت کو مجھ پر کشادہ کر دے۔ جس طرح کسی کو زنجیر سے باندھ دیا گیا ہو تو اور سخت اذیت

میں ڈالنا اور چوب میں ڈالنا مقصود ہو تو کہیں گے ذرا اور کشادہ کر دو۔ بڑھا دو۔

روز پنجشنبہ ۲۴ر رمضان المبارک ۸۰۲ھ

پیر کے نام کا ورد کرنا

چاشت کے وقت پیروں کے نام کے ورد کرنے کا تذکرہ نکل آیا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ جو مرید اپنے پیر کا نام رات کو ورد کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو پیر کی برکتوں میں سے حصہ دیتا ہے۔ اس کا میں نے تجربہ کیا ہے اور بزرگوں سے بھی سُنا ہے۔

رسول اللہ صلعم کے کھیل اور تفریح کے بارے میں

تھوڑی دیر کے بعد رسول اللہ صلعم کے کھیل تفریح کی بات نکل آئی..........

... حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ایک دن رسول اللہ صلعم اور عائشہ رضی اللہ عنہا دونوں نے دوڑنے کا مقابلہ کیا کہ کون آگے نکلتا ہے۔ رسول اللہ صلعم آگے نکل گئے۔ دوسری مرتبہ پھر دوڑنے کا مقابلہ ہوا اس وقت جب کہ رسول اللہ صلعم بزرگ سال ہو گئے تھے اور نیز بخار کی وجہ سے کمزور بھی ہو گئے تھے۔ اس مرتبہ عائشہ رضی اللہ عنہا آگے نکل گئیں۔ اور فرمایا اس مرتبہ میری جیت ہوئی۔ رسول اللہ صلعم صحرا میں گھوڑا دوڑانے کے لیے اکثر چلے جاتے اور آلات جنگ ضروری بھی رکھ لیتے۔ اس سے غرض یہ تھی کہ گھوڑوں کو دوڑنے بھاگنے کی عادت رہے۔ حضور صلعم فرماتے کہ جب تک ان کی ریاضت نہیں رہے گی لڑائی کے میدان میں یہ کامیاب نہیں ہوں گے۔ لڑائی میں کسی جگہ رسول اللہ صلعم کا نیزہ چلانا مذکور نہیں ہے۔ البتہ ایک مرتبہ نیزہ چلانے کا پتا چلتا ہے۔ ابی بن خلف نے ایک گھوڑے کا بچہ (بچھیڑا) پالا تھا۔ رسول اللہ صلعم نے پوچھا یہ کس لیے پال رہے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ جس روز آپ مجھ سے جنگ کے لیے نکلیں گے میں اس پر سوار ہو کر آپ سے لڑوں گا اور آپ کو مار ڈالوں گا۔ جنگ اُحد میں ابی بن خلف واقعی اسی گھوڑے پر سوار ہو کر رسول اللہ صلعم کے مقابلہ میں آیا تھا۔ حضرت علی رضؓ اور دوسرے صحابہ نے چاہا کہ بڑھ کر اس کا مقابلہ کریں لیکن رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ اس کو مجھ ہی سے لڑنے دو۔ وہ گھوڑا

کدا تا ہوا رسول اللہ صلعم کے سامنے آگیا اور تلوار کھینچ کر چاہا کہ وار کرے اس اثنا میں رسول اللہ صلعم نے اس کو اپنے نیزے سے زخمی کر کے گھوڑے سے گرا دیا۔ لوگ اس کے چاروں طرف جمع ہو گئے اور کہا کہ زخم بہت ہلکا ہے اس سے جان نہیں جائے گی۔ لیکن اس نے کہا کہ میں ضرور مر جاؤں گا۔ زندہ نہیں رہ سکتا۔ لوگوں نے پوچھا یہ کس طرح تم کہتے ہو۔ اس نے کہا جب میں یہ بچھیڑا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑنے کے لیے پال رہا تھا تو محمد صلعم نے فرمایا تھا کہ جس روز تم مجھ سے لڑنے کے لیے نکلو گے اسی روز میں تم کو مار ڈالوں گا۔ اور وہ کبھی غلط نہیں بولتے۔ میں نے عرض کیا سبحان اللہ ایسا پکا عقیدہ بھی رکھتے ہیں اور جنگ بھی کرتے ہیں۔ حضرت مخدوم نے فرمایا ایسی جنگ بہت جگہ دیکھنے میں آتی ہے کہ سالہا سال تک ایک بات کو آزما لینے کے بعد بھی محض اپنی بڑائی جتانے کے لیے اس کی مخالفت کرتے رہتے ہیں۔ اور بحث و تکرار سے باز نہیں آتے۔ پھر حضرت مخدوم نے فرمایا کہ حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ سے بھی میدان جنگ میں تیر چلانے کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔ انہوں نے زیادہ تر جنگیں تیغ سے لڑی ہیں۔

ایوب علیہ السلام کی آزمائش اور ابتلا

تھوڑی دیر تک حضرت ایوب علیہ السلام کی آزمائش اور مصیبت پر بات ہوتی رہی حضرت مخدوم نے فرمایا کہ تاریخ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے کہا کہ دیکھو ایوب میری کتنی بندگی اور اطاعت کرتا ہے اس سے کبھی کوئی خطا سرزد نہیں ہوتی۔ ابلیس نے جواب دیا کیوں نہ کرے۔ آپ نے اس کو بیٹے، پوتے، نواسے کتنے عطا کیے اتنی نعمت پا کر کون بندگی نہیں کرے گا۔ اگر اس کی اولاد اس سے لے لی جائے، سب مر جائیں اس کے بعد بھی وہ تیری بندگی اور عبادت کرے اور کوئی تقصیر اس سے سرزد نہ ہو تب ہم جانیں حکم باری ہوا۔ ملعون! جا میں نے تجھ کو اس کی اولاد پر پورا اختیار دیا، جو چاہے اس کے ساتھ کر۔ چنانچہ یہ اختیار پا کر ابلیس نے حضرت ایوب علیہ السلام کے سارے بیٹے، پوتے پر، جو ایک چھت کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے وہ چھت گرا دیا اور وہ سب ایک ساتھ مر گئے۔ ایوب علیہ السلام نے اس حادثہ جانکاہ کے بعد اپنی عبادت اور بندگی میں اور زیادتی کر دی۔ ابلیس آدمی کی شکل میں ان کے پاس آیا اور بولا کہ تم اس خدا کی کیا بندگی کرتے ہو جس نے تمہاری ساری اولاد کو ایک ساتھ ختم کر دیا۔ ایوب علیہ السلام نے کہا ملعون!

مجھے بہکانے آیا ہے۔ وہ سب اولاد میری کہاں تھی۔ اللہ نے دی تھی جب چاہا لے لی۔ ان پر اس کو پورا اختیار تھا چاہے رکھتا یا مار ڈالتا۔ میرا کام بس اللہ کی بندگی کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پھر ابلیس کو کہا دیکھا تو نے؟ تو نے اس کی ساری اولاد کو مار دیا پھر بھی وہ میری اطاعت اور بندگی سے نہ پھرا اور اس پر اسی طرح قائم رہا بلکہ زیادتی بندگی میں کر دی۔ ابلیس نے کہا وہ کیوں نہ کرتا تو نے اس کو اتنے مال و دولت اور مویشی کی نعمت سے نوازا ہے فرمان باری ہوا۔ جا تجھ کو اس کے مویشی اور مال و دولت کے برباد کر دینے کا بھی اختیار دیا۔ چنانچہ ابلیس نے ان کے مویشیوں میں خاص طرح کی بیماری پھیلا دی۔ جس سے سارے مویشی ختم ہو گئے اور وہ بالکل مفلس ہو گئے۔ ایوب علیہ السلام نے شکر و عبادت میں اور زیادتی کر دی۔ اللہ تعالیٰ نے پھر ابلیس کو کہا۔ اے ابلیس تو نے میرے بندے کی عبادت اور بندگی کو دیکھا۔ کیسی اطاعت اور فرماں برداری اس میں ہے۔ ابلیس نے کہا کون بڑا کمال کیا۔ ایسی عمدہ صحت سے تو نے اس کو نوازا ہے۔ دوسرے کو یہ صحت کہاں میسر۔ فرمان باری ہوا جا تجھ کو اس کی صحت پر بھی اختیار دیا۔ ابلیس نے ایوب علیہ السلام کے جسم میں کوڑھ کی بیماری ڈال دی۔ پورے جسم میں کیڑے پڑ گئے۔ ایوب علیہ السلام اپنے وقت کے بہت بڑے طبیب بھی تھے اور بہت زیادہ شاگرد ان کے تھے۔ ان کی اس فن پر بہت سی کتابیں بھی تھیں۔ اس مرض کے ہونے کے بعد ان کی ساری کتابیں پھاڑ دی گئیں اور جلا دی گئیں ان کے شاگرد سب ان سے منحرف ہو گئے کہ اگر یہ نبی ہوتے تو اس طرح کی بلا اور بیماری ان پر ہرگز نہ آتی گاؤں والے لوگ ان سے متنفر ہو گئے اور ان کو اپنے گاؤں سے باہر نکال دیا۔ پوری دنیا میں سوائے ان کی بیوی کے، جو کہ نبی کے خاندان سے تھیں اور جانتی تھیں کہ نبیوں پر اس طرح کی آزمائشیں آتی رہتی ہیں، کوئی بھی ان کا ہمدرد نہ رہا۔ وہ دونوں میاں بیوی گاؤں کے کنارے جھونپڑی ڈال کر رہنے لگے۔ لوگوں نے پھر یہ چھیڑ نکالی کہ صبح صبح جب ہم لوگ کام کے لیے باہر نکلتے ہیں تو اس کوڑھی اور بیمار پر نظر پڑتی ہے۔ اس لیے وہاں سے بھی ان کو دور ویرانے کی طرف لوگوں نے ہٹا دیا۔ ان کی بیوی روزانہ شہر میں آتیں، مزدوری پر روٹی پکاتیں، رات کو گھر جاتیں اور ایوب علیہ السلام کی دیکھ بھال کرتیں۔ ایوب علیہ السلام کی بیوی کے بال بہت بڑے بڑے تھے۔ ایوب علیہ السلام نقاہت کے باعث ان ہی کو پکڑ کر اٹھتے تھے۔ شیطان نے شہر میں آ کر لوگوں

کو بہکایا کہ تم لوگ اس جذامی کی بیوی سے روٹی پکوا کر کھاتے ہو اس کے ہاتھ میں تمام خون اور آلائش لگی ہوئی ہوتی ہے۔ لوگوں کو ان کی بیوی سے بھی نفرت اور کراہیت پیدا ہو گئی۔ اور کوئی بھی ان سے روٹی پکوانے پر آمادہ نہیں ہوا۔ وہ سخت حیران و پریشان ہوئیں کہ مزدوری تو کچھ نہ کمائی اس بیمار شوہر کے لیے کیا لے جائیں اور کیا کھلائیں۔ ایک شخص نے کہا کہ اگر اپنے بالوں کو تراش کر مجھے دے دو تو میں تمہیں آج کھانے کے لیے دے دوں گا۔ اس عورت نے بال کاٹ کر دے دیے۔ شیطان نے پھر ایوب علیہ السلام کے پاس آ کر کہا کہ تمہاری بیوی نے بدکاری کی ہے۔ لوگوں نے اس کے بال کاٹ لیے ہیں۔ ایوب علیہ السلام متامل ہوئے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اسی موقع پر انہوں نے انی مسنی الضر وانت ارحم الراحمین فرمایا تھا۔ جب ان کی بیوی گھر آئیں تو انہوں نے ہاتھ بڑھا کہ ان کے بال پکڑنے چاہے۔ بال تو کٹے ہوئے تھے اس لیے ان کو ابلیس کی بات صحیح معلوم ہوئی۔ انہوں نے قسم کھائی کہ اگر میں اچھا ہو جاؤں گا تو تجھ پر حد شرعی لگاؤں گا۔ جب وہ اچھے ہوئے تو اب سوال یہ پیدا ہوا کہ اگر وہ حد شرعی نہیں لگاتے تو قسم توڑنے والے گنہ گار ہوتے ہیں اور اگر مارتے ہیں تو بیوی پر ظلم ہوتا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے ان کو حیلہ اور تاویل بتایا کہ گندم کا ایک خوشہ لے لو اس میں سو شاخیں ہوتی ہیں۔ بیوی کے بدن پر ایک مرتبہ مار دو۔ تم حانث یعنی قسم توڑنے والوں میں نہیں شمار کیے جاؤ گے۔ اور عورت پر ظلم بھی نہیں ہوگا۔ اس سے بعض فقہا نے حیلہ اور تاویل کو صحیح سمجھ لیا ہے۔ سبحان اللہ کس طرح کا قیاس اللہ کی طرف سے ایک استبراء رحمت پر واجب ہو گیا۔ اسی بنا پر ہم لوگوں کا بھی خیال حیلہ کی طرف مائل ہو گیا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے شریعت میں زکواۃ فقرا کی ضرورت رفع کرنے کے لیے فرض فرمائی۔ لوگ اب اس میں بھی حیلہ اور تاویل کرنے لگے۔ اور اس طرح فقرا اور ضرورت مندوں کی حاجت رفع نہیں ہوتی۔ اور اپنے اس غلط فعل کو حیلہ ایوب پر قیاس کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلعم نے اشارہ کیا ہے کہ انتم الاشبہ سمنا بالیھود خذو النعل بالنعل ولا ادری انتم تعبدون العجل امرلا۔ فقہا نے حق فقراء اور شفعہ کے استبراء کے سلسلے میں جو حیلہ اور تاویل کیا ہے وہ بالکل اصحاب سبت کے جیسا ہے جنہوں نے سنیچر کے روز مچھلی پکڑنے پر منع کرنے کے سلسلے میں حیلہ گڑھا تھا اور اس کی سزا میں عذاب الٰہی میں گرفتار ہوئے۔

موذی جانوروں کا مار ڈالنا درست ہے | تھوڑی دیر ایذا دینے والے حشرات الارض

کے مار ڈالنے پر گفتگو چھڑ گئی حضرت مخدوم نے فرمایا کہ مولانا محتسب ایک دن بازار سے گزر رہے تھے وہاں لوگوں نے بہت سے دغلیو (کوئی موذی جانور) چھوڑنے کے لیے لائے تھے اس میں زیادہ تر ہندو تھے۔ مولانا محتسب نے سب کو اپنے سامنے رکھ کر ایک پتھر اوپر اور ایک نیچے رکھ کر ختم کر دیا۔ اور کہا کہ رسول اللہ نے یہی فرمایا ہے۔

تھوڑی دیر اہل بہشت کے احوال پر بات نکل آئی۔ کہ ایک بار بہشت میں نور چمکا تو تمام اہل بہشت سجدہ میں گر گئے اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ اس نور کو تم لوگوں نے سجدہ کیوں کیا۔ ان لوگوں نے جواب دیا کہ خداوندا! اسے ہم لوگوں نے تیرا نور سمجھا، فرمان باری ہوا وہ نہ میں تھا اور نہ میرا نور تھا۔ ایک کنیز اپنے آقا کے سامنے ہنسی تھی یہ اسی کا نور تھا۔ عارف اس طرح کا سجدہ نہیں کرتے اس طرح کا سجدہ وہ کرتے ہیں جو دنیا میں خدا کو نہیں پہچانتے۔

روز جمعہ ۲۵ رمضان المبارک ۸۰۲ھ

دلاور بلند ہمّت اور ولی اللہ لوگوں کے بارے میں

چاشت کے وقت بہادر اعلیٰ ہمت اور ولی اللہ کے اوپر بات نکل آئی حضرت مخدوم نے فرمایا کہ دنیا میں دو طرح کے مرد ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو اپنی نفسانی خواہشات کو ختم کر دیتے ہیں دوسرے وہ جو تلوار اور تیر سے دشمنوں کا مقابلہ کرتے ہیں۔ دوسرے قسم کے کام مردوں کے نہیں ہیں۔ اور ان کے کرنے والوں کو مرد نہیں کہا جائے گا۔ اسی سلسلے میں حضرت مخدوم نے اپنا ایک واقعہ بیان فرمایا " ایک دن میں اپنی والدہ سے ملاقات کے لیے خطیرہ شیر خاں سے اندرون دہلی روانہ ہوا۔ مولانا علاؤالدین کسی سبب سے رنجیدہ ہو کر ساتھ نہیں گئے۔ والدہ سے ملنے کے بعد میں نے حضرت شیخ فریدالدین گنج شکرؒ کی زیارت کا ارادہ کیا۔ دوسرے دن جب خطیرہ شیر خاں پروگرام کے مطابق لوٹا تو دیکھا کہ مولانا علاؤالدین نہیں ہیں۔ میں نے سمجھا کہ آج سنیچر کا دن ہے شاید سبق پڑھنے کے لیے مولانا معین الدین عمرانی کے پاس گئے ہوں۔ عصر کی نماز کے وقت خطیرہ کے مجاور نے مولانا علاؤالدین کے ہاتھ کا نوشتہ مجھے دیا۔ اس میں لکھا تھا کہ میں نے آپ سے علیحدہ ہو کر اپنا منہ سیاہ کیا۔ اسی طرح کے اور چند جملے۔ میں وہ تحریر پڑھ کر رونے لگا۔

ملک سالار طاہر اس وقت میری ملاقات کے لیے آ گئے۔ میرے اضطراب اور غم کو دیکھ کر وہ بولے کہ اگرچہ مجھ کو قاصد بنا کر لکھنوتی کے لیے روانہ کیا گیا ہے اور تاکید کی گئی ہے کہ کل گھر پر نہیں ٹھہروں لیکن میں ٹھہروں گا۔ مولانا علاؤالدین آج ہی نکلے ہیں آپ کل سوار ہو کر ان کا پیچھا کریں وہ کتنا دُور جائیں گے۔ آپ ان سے جلد ہی مل جائیں گے پھر ان کو ساتھ لیتے آئیں گے۔ چنانچہ صبح ہی انھوں نے اپنا جاندار گھوڑا بھیج دیا۔ میں اس پر سوار ہو کر روانہ ہوا۔ ان کا نوکر کرکش اور میرا خادم معمور دونوں میرے ساتھ ہو لیے۔ دہلی سے آٹھ کوس پوز بر آباد پہنچے۔ مولانا کے بارے میں پوچھا لوگوں نے بتایا کہ ہاں آئے تھے آگے بڑھ گئے۔ وہاں سے میں بھی آگے بڑھ گیا۔ وہاں سے پلہ پانچ کوس ہے وہاں پہنچا۔ وہاں لوگوں سے پوچھا۔ ان لوگوں نے بتایا کہ ہاں مولانا آئے تھے لیکن آگے بڑھ گئے۔ میں اس جگہ سے بھی آگے بڑھ گیا۔ وہاں سے شہر کبھورہ سولہ کوس ہے میں اس جگہ پہنچ گیا۔ وہاں لوگوں نے جھوٹ کہہ دیا کہ ہاں آئے تھے آگے چلے گئے۔ میں نے اپنے اضطراب اور مولانا کو پا لینے کی خواہش میں خیال نہیں کیا کہ میں گھوڑے پر سوار ہوں اور میرے ساتھ میرے خدام پیادہ پا چل رہے ہیں، وہ کس طرح ساتھ دے سکتے ہیں۔ اور گھوڑے کو تیز بھگا دیا۔ کبھور کے لوگوں نے صحیح راستہ نہیں بتایا تھا۔ ہولی کا زمانہ تھا ان لوگوں نے مجھ کو لوٹنے کے لیے جنگل اور کھیت کے راستہ کی طرف بھٹکا دیا۔ میں تھوڑی دُور ہی گیا تھا کہ چار آدمی میری طرف دوڑتے ہوئے آئے ہیں ان کے ساز و سامان اور ہتھیار دیکھ کر سب کچھ سمجھ گیا۔ لیکن میں تنہا تھا اور میرے دونوں ملازمین پیچھے رہ گئے تھے۔ میرے لباس اور جاندار گھوڑے کو دیکھ کر ہر چور اچکے کو لوٹنے کی خواہش پیدا ہو سکتی تھی کہ اس شخص کو مار کر سامان اور گھوڑا لے کر بھاگ جائیں۔ ان میں سے ایک کے ہاتھ میں گنڈاسہ، دوسرے کے ہاتھ میں برچھا تیسرے کے ہاتھ میں تیر و کمان اور چوتھے کے ہاتھ میں موٹا ڈنڈا تھا۔ ان میں سے ایک میرے بہت نزدیک آ گیا۔ میں نے پوچھا تم لوگ کون ہو؟ اس نے بڑھ کر میرے گھوڑے کی لگام پکڑنی چاہی کہ اس طرح مجھے پکڑ کر گرا دے۔ مجھے بھی غصہ آ گیا۔ میں نے دونوں رکاب پر کھڑا ہو کر پوری قوت سے اس کے چہرے پر چابک مارا۔ وہ چابک ٹھیک اس کی آنکھ پر پڑا اور اس کی آنکھ پھوٹ گئی۔ کم از کم ایک تو ضرور پھوٹی۔ وہ ہائے کر کے زمین پر گر پڑا۔ اور میں نے سرپٹ گھوڑا دوڑا دیا۔ گھوڑا جاندار اور صبا رفتار تھا۔ مجھے ہوا کی طرح لے کر اڑا۔ ان لوگوں نے میرا پیچھا کیا۔

تیر بھی چلایا لیکن سارے تیر میرے دائیں بائیں طرف سے نکل گئے۔ میں تیز ہوا سے باتیں کرتا ہوا نکلتا چلا گیا۔ ایک پل پر جا کر دم لیا۔ جو کہ شہر سے چوبیس کوس پر تھا۔ اس وقت عصر کا وقت ہو رہا تھا۔ وہاں کے لوگ مجھے دیکھ کر بہت حیران ہوئے۔ اور پوچھا کہ اس وقت اس ویران راستہ پر کیسے نکل آئے۔ اور راستہ میں ایک بڑی خندق ملتی تھی اس کو کس طرح پار کیا۔ مجھے خود حیرت تھی کہ وہ خندق تقریباً چار گز چوڑی اور بہت گہری تھی میں پہلے سے جانتا ہوتا تو ہرگز گھوڑے کو جست کرانے کی ہمت نہ کرتا لیکن وہ گھوڑا تائید ایزدی سے کبوتر کی طرح اُڑ کر ایک طرف سے دوسری طرف چلا گیا۔ گھوڑے کے پار ہو جانے کے بعد پیچھے مڑ کر خندق کو دیکھا تو حیران رہ گیا۔ جب میں اس خندق سے پار ہو گیا تو پھر ان ڈاکوؤں نے میرا پیچھا چھوڑا اور واپس گئے۔ وہاں کے لوگ رو کھائی سے پیش آئے اور کہا کہ یہاں ٹھہرنے کی جگہ نہیں ملے گی اس لیے کہیں اور ٹھکانا تلاش کرو۔ میں حیران و پریشان کھڑا ہو گیا کہ اب کیا کروں۔ اسی خطرناک راستہ سے واپس کس طرح جاؤں۔ یکایک میں نے دیکھا کہ غلہ کے سوداگروں کی ایک ایک جماعت بہت سے باربردار جانوروں کے ساتھ شہر کی طرف جا رہی ہے۔ میں نے خیال کیا ان لوگوں کا ساتھ پکڑ لوں تو بہت اچھا ہوگا۔ چنانچہ ان لوگوں کے ساتھ میں بھی ہو گیا۔ راستے میں میرے دونوں ملازمین ملے۔ ان لوگوں نے بیان کیا کہ ایک جگہ ہم نے عجب تماشا دیکھا ایک آدمی اپنی دونوں آنکھیں بند کیے پڑا ہوا چلا رہا تھا اور تین دوسرے اس کے ساتھی اس کے گرد بیٹھے اس کو تشفی دے رہے تھے۔ ہم لوگوں کی سمجھ میں نہیں آیا کہ معاملہ کیا ہے۔ خاموش اس جگہ سے نکل گئے۔ کہ پھر آپ سے قصہ کہوں گا تو پتا چلے گا۔ ان دونوں نے مولانا علاؤ الدین کے بارے میں بھی خبر دی کہ وہ کھوہی میں تھے۔ اور جب آپ گھوڑا دوڑائے جا رہے تھے تو وہ ایک درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے آپ کو دیکھا تھا لیکن آواز نہیں دی۔ یہ بات سُن کر کہ مولانا علاؤ الدین سے میرا دل سرد ہو گیا۔ واپس آئے۔ مولانا سے ملاقات کی۔ اس جگہ کے لوگوں نے جب سُنا کہ دو معقول لوگ شہر سے آئے ہوئے ہیں تو وہ لوگ ملاقات کے لیے آئے۔ میں نے ان کو صدر میں بٹھایا اور خود ان کے سامنے بیٹھ کر بتایا کہ یہ مولانا شہر کے بزرگوں میں سے ہیں کسی وجہ سے رنجیدہ ہو کر ادھر چلے آئے تھے ان کے بعد ہم لوگ بہت مغموم ہوئے اور ان کو لینے کے لیے نکل آئے۔ میری اس بات سے میں نے دیکھا کہ مولانا بہت خوش ہوئے اور راضی ہوئے۔ سالار کے

ملازم کو میں نے بلا کر کہا کہ گھوڑے کے لیے گھاس اور دلا ہوا دانہ لے آؤ۔ وہ گیا اور سات آٹھ پولہ گھاس اور چار سیر دانہ لے آیا۔ میں نے کہا اتنا کم کیوں لائے۔ اس نے کہا اس سے زیادہ نہیں کھائے گا۔ یہ گھوڑا چوبیس کوس چلا ہے اور آٹھ کوس سرپٹ بھاگا ہے۔ لیکن دیکھیے اس پر ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ابھی اصطبل سے کھول کر لایا گیا ہو ذرا تکان کا نام نہیں۔ جب اس کی پیٹھ سے زین اتارا گیا۔ تو وہ دو چار مرتبہ زمین پر لوٹ پوٹ لگا کر کھڑا ہو گیا اور دانہ گھاس اس وقت سب چھوڑ دیا۔ رات بھر آدمی کی طرح ہاتھ پیر پھیلا کر سویا رہا۔ جب میں شہر پہنچا اس گھوڑے کو تھپ تھپا کر میں نے کہا کہ تو میرا نہیں تھا دوسرے سے میں نے تجھے مانگا تھا اور میں نے تجھے بہت دوڑایا مجھے معاف کرنا۔ گھوڑے نے اپنا سر میرے مونڈھے پر رکھ دیا اور مجھ سے بغل گیر ہوا ہم دونوں نے ایک دوسرے سے معانقہ کیا اور مرحبا کہا۔ پھر اس گھوڑے کو اس کے مالک کے پاس بھیج دیا۔

زمانہ اور اہل زمانہ کی خرابی کے بارے میں

اس کے بعد زمانہ اور اہل زمانہ کی بگاڑ اور خرابی کی بات نکل آئی حضرت مخدوم نے فرمایا کہ نیکی کا بیج اس زمانے میں اگر بویا جاتا ہے تو وہ پھلتا پھولتا نہیں ہے۔ اور جب وہ باہر نکلنے کے قریب ہوتا ہے اور اس سے کچھ فائدہ کی توقع ہوتی ہے تو طوفان، بارش، کیڑا اور ٹھنڈ اللہ تعالیٰ اس پر مسلط کر دیتا ہے یہاں تک کہ وہ بیخ و بن سے ختم اور ناپید ہو جاتا ہے لیکن اگر برائی کا تخم بویا جاتا ہے جیسا کہ وادی اور صحرا میں ببول کا درخت، خس و خاشاک دھتورا وغیرہ کو دیکھیے کہ وہ بغیر فکر و تردد کے خود بہ خود اتنا تیزی سے اگتا اور بڑھتا ہے کہ اندازہ نہیں کیا جا سکتا نیکی اور بدی کے تخم کی مثال ایسی ہی ہے۔

شیخ کہلانے اور پیری کرنے کے لائق کون ہے

جمعہ کی نماز کے بعد گفتگو یہ نکل آئی کہ شیخی کے لائق کون ہے اور کس کو یہ کام زیب دیتا ہے۔ حضرت مخدوم نے فرمایا عجب لوگ ہیں کسی کو جہاں صلاح و تقویٰ اور نیک معاملات کی طرف مائل اور عمل پیرا دیکھا اور آمد و خرچ میں لوگوں کے ساتھ فیاض پایا فوراً کہہ دیتے ہیں شیخ ایسا ہی ہوتا ہے اور یہ شیخ کہلانے کے لائق ہے۔ اور اکثر لوگوں کو ان سے مرید ہوتے بھی دیکھا۔ شفیق بلخیؒ کے مریدوں ہی میں سے ایک نے درخواست کی کہ وہ خانہ کعبہ جانا چاہتا ہے۔ حضرت شفیق بلخیؒ نے اس کو رخصت کیا۔ روانگی کے وقت

انہوں نے کہا کہ راستہ میں بسطام ملتا ہے ذرا حضرت بایزید بسطامیؒ سے ملاقات کر کے میرا سلام پہنچا دینا۔ وہ مرید بسطام گیا اور حضرت ابویزیدؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت ابویزیدؒ نے پوچھا کہاں سے آئے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ بلخ سے آرہا ہوں اور خواجہ شفیق بلخیؒ کے مریدوں میں ہوں۔ انہوں نے آپ کو سلام کہا ہے۔ بایزیدؒ نے سلام کا جواب دے کر فرمایا ان کا کیا مقام ہے۔ اس نے کہا اگر توکل کے مقام کے بارے میں پوچھتے ہیں تو وہ اس میں ایسا بلند مقام رکھتے ہیں کہ اگر آسمان سخت ہو جائے، زمین بنجر اور ویران ہو جائے بارش کا ایک قطرہ بھی نہ برسے اور سبزہ زمین سے نہ اُگے پھر بھی حضرت شفیق متوکل رہیں گے۔ ابویزیدؒ نے فرمایا پھر تو وہ بڑا مشرک ہے۔ اگر ابویزید کوا ہو جائے پھر بھی اس مشرک کے شہر پر نہ اُڑے۔ واپس جاؤ اور کہو کہ اپنے توکل نامہ کو پھر ٹھیک کرے۔ مجھے ڈر ہے کہ اس کی بدبختی سے تم بلخ میں مصیبت میں مبتلا ہو گے اگر بھوک معلوم ہو تو روٹی کا ٹکڑا کھاؤ اور اللہ کی یاد میں مشغول رہو۔ وہ مرید حضرت ابویزید کی یہ گفتگو سن کر خواجہ شفیق بلخیؒ کے پاس پھر واپس آیا۔ انہوں نے پوچھا اتنی جلدی کس طرح واپس آ گئے؟ اس مرید نے کہا کہ حضرت کا حکم ہوا تھا کہ حضرت ابویزیدؒ سے مل کر سلام پہنچا دینا۔ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر میں نے آپ کا سلام ان کو پہنچا دیا۔ انہوں نے پوچھا شفیق کس کام میں مشغول ہے میں نے کہا توکل میں۔ انہوں نے کہا توکل میں وہ کیا مقام رکھتے ہیں۔ میں نے کہا کہ اگر آسمان پتھر، اور زمین بنجر ہو جائے پھر بھی حضرت شفیق توکل پر قائم رہیں گے۔ حضرت ابویزیدؒ نے فرمایا کہ پھر تو وہ بڑا مشرک ہے اگر ابویزید کوا ہو جائے پھر بھی اس مشرک کے شہر پر نہیں اُڑے۔ تم واپس جاؤ اور کہو کہ وہ نامہ توکل پھر دوبارہ حاصل کریں۔ اگر بھوک لگے عام آدمیوں کی طرح روٹی کا ٹکڑا لے کر کھالیں اور اللہ کی یاد میں مشغول رہیں ورنہ مجھے ڈر ہے کہ اس کی بدبختی کی وجہ سے بلخ پر مصیبت نازل ہو۔ شیخ بلخیؒ یہ گفتگو سن کر خوف سے کانپنے لگے۔ بخار آ گیا۔ بیمار پڑ گئے۔ کہا واپس جاؤ اور حضرت ابویزیدؒ سے پوچھو کہ آپ کیا کرتے ہیں میں بھی وہی کروں۔ وہ مرید پھر بسطام گیا۔ اور حضرت ابویزیدؒ کو حضرت شفیق بلخیؒ کا پیغام پہنچایا۔ حضرت ابویزیدؒ نے فرمایا پھر اس نے غلطی کی جو پوچھا کہ ابویزید کیا کرتا ہے۔ اُس مرید نے عرض کیا: حضرت میں آپ کی بات نہیں سمجھ پا رہا ہوں۔ آپ جو کچھ کہنا چاہتے ہوں لکھ کر دے دیں۔ حضرت ابویزیدؒ نے

کاغذ اور قلم دوات منگوا کر لکھا۔" بسم اللہ الرحمٰن الرحیم " ابو یزید بر ہے " حضرت شفیقؒ نے جیسے ہی یہ خط پڑھا فوراً اشہد ان لا الہ الا اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ واشہد ان محمداً عبدہٗ و رسولہٗ پڑھ کر جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔

پھر حضرت مخدوم نے فرمایا کہ علاؤ الدین چرم پوش کے سوم میں میں گیا تو دیکھا کہ شیخ علی خلوتیؒ بھی آئے ہوئے ہیں۔ اگرچہ میری ملاقات ان سے پہلے نہ تھی پھر بھی میں نے کہا کہ وہ درویش ہیں ان کی زیارت کے لیے ضرور جاؤں ملاقات کے بعد نظام غازی آئے اور کہنے لگے کہ بندہ کو مجاز کیا گیا ہے ساتھ ہی دولڑکے اور ایک بھائی کو لائے۔ میں نے کہا ٹھہرو سب لوگوں کو پہلے خبر کی جائے۔ شیخ علی خلوتیؒ نے کہا سید ایک دن میں حضرت شیخ محمود کی خدمت میں حاضر تھا انہوں نے فرمایا شیخ علی ہم اور تم کس لائق ہیں کہ شیخی کریں آج کل یہ کام بچوں کا کھیل ہو گیا ہے پھر یہ شعر پڑھا ؎

مسلماناں مسلماناں مسلمانی مسلمانی ! ازیں آئین بے دنیا پشیمانی پشیمانی

پھر یہ شعر پڑھا : ؎

ازیں مشتے ریاست جوئے رعنا ہیچ نہ کشاید مسلمانی ز سلماں جو و درد دیں ز بو دردا

تھوڑی دیر کے لیے اپنے خدا کے ساتھ فراغت دل کے ساتھ رہنا عیش کونین ہے

حضرت مخدوم نے فرمایا اگر کسی شخص کو اپنے خدا کے ساتھ تھوڑی دیر کے لیے فراغت دل کے ساتھ معاملہ کرنے کا موقع مل جائے تو اس کو عیش کونین حاصل ہو۔ اس کے مقابلہ میں کوئی دولت نہیں ہے۔ سلطان محمد تغلق کے انتقال کے بعد مولانا زین الدین دولت آبادی نے چاہا کہ وہ پھر دولت آباد واپس جائیں اس مقصد سے انہوں نے حضرت خواجہ سے اجازت مانگی۔ حضرت خواجہ نے فرمایا کہ مولانا کہاں جائیے گا جہاں ہیں اپنے حال میں خوش رہیے۔ لیکن مولانا نے جب دوبارہ اجازت طلب کی تو حضرت خواجہ نے رخصت کر دیا۔ لیکن مولانا کے روانہ ہونے کے بعد انہوں نے شکایت کی کہ میرے منع کرنے پر بھی مولانا چلے گئے دیکھا کہ وہ جگہ خالی ہے وہاں جانے سے عوام کا ہجوم ان کے پیچھے ہو گا۔ اور یہی ہوا بھی اس لیے کہ دافعی مولانا زین الدین کے دولت آباد پہنچنے کے پہلے ہی روز بہت سے لوگ ان سے مرید ہوئے۔

روز شنبہ ۲۶ رمضان المبارک ۸۰۲ھ

ہر لمحہ آدمی کو اپنے دل میں سوچنا چاہیے کہ اسے کس چیز میں قرار ملتا ہے۔

حضرت مخدوم کی شہر دہلی میں جیسی کہ عادت تھی کہ رمضان کے آخر عشرہ میں وہ معتکفوں کو دیکھنے کے لیے تشریف لے جاتے تھے ۲۶ رمضان کو چاشت کے وقت وہ جامع مسجد کنبھایت میں تشریف لے گئے۔ ایک معتکف خدمت اقدس میں آیا۔ اس سے حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ہر لمحہ آدمی کو اپنے دل میں سوچنا چاہیے کہ اس کو کس چیز میں قرار اور آرام ملتا ہے۔ اگر کوئی چیز ایسی ہے جس پر وہ آرام کر سکتا ہے تو فبہا ورنہ کسی چیز پر تکیہ کرنے اور فراغت سے بیٹھنے کا کیا فائدہ۔ اس کے بعد وہی شخص رمضان میں تلاوت کے لیے جامع مسجد میں آیا۔ حضرت مخدوم نے اس کی طرف اشارہ کیا کہ اپنے تلاوت کلام پاک میں مشغول رہو۔ وہ متردد ہوا کہ حضرت مخدوم کے جمال سے مشرف ہونے کا اسے موقع نہ ملے گا۔ خاکسار نے عرض کیا کہ حضرت مخدوم کے جمال کے نظارہ اور خدمت اقدس میں حاضر رہنے سے بڑھ کر کوئی سعادت اور دولت نہیں۔ تلاوت تو تم برابر اور ہمہ دم کر سکتے ہو لیکن یہ سعادت جو اس وقت نصیب ہو سکتی ہے اس کا پھر موقع کہاں۔ میرے یہ کہنے پر اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت مخدوم نے بیان فرمایا کہ ایک دن رسول اللہ صلعم نے معاذؓ سے پوچھا کہ رات کے وقت تمہاری کیا مشغولیت ہوتی ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ رات کی ایک چوتھائی میں درود پڑھتا رہتا ہوں اور بقیہ تین چوتھائی میں نماز اور تلاوت کلام پاک کرتا رہتا ہوں حضرت رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ اے معاذؓ اگر ممکن ہو تو درود پڑھنے میں زیادہ وقت دو۔ کچھ دنوں کے بعد رسول اللہ صلعم نے معاذؓ سے پھر پوچھا کہ رات کو کیا کرتے ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ نصف شب تک درود پڑھتا ہوں اور بقیہ وقت نماز اور تلاوت میں گزارتا ہوں۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ اے معاذ اگر ہو سکے تو درود اور زیادہ پڑھو کچھ دنوں کے بعد رسول اللہ صلعم نے پھر معاذؓ سے پوچھا کہ اپنی رات کس طرح گزارتے ہو انہوں نے جواب دیا کہ تمام رات بیٹھ کر آپ پر درود بھیجتا ہوں۔ رسول اللہ صلعم

نے فرمایا کہ اچھا کرتے ہو۔ اسی طرح کرتے رہو۔

حضرت مخدوم پھر مسجد سے خانقاہ واپس تشریف لائے۔ مریدین اور احباب درس لینے کے لیے حاضر ہوئے۔ درس سے فارغ ہونے کے بعد سعد الدین نام کے ایک شخص نے جو ظفر خاں کے لڑکے ہیبت خاں کے یہاں آمد و رفت رکھتا تھا بیان کیا کہ ہیبت خاں نے مجھ سے پوچھا کہ حضرت مخدوم کے کچھ کرامات بیان کرو۔ میں نے کچھ کہنے سے پرہیز کیا اس کے بعد وہ بہت زیادہ مصر ہوگیا تب میں نے کہا کہ جب میں سامانہ میں تھا تو اس جگہ کے لوگوں نے مجھ سے پوچھا کہ تم کس سے مرید ہو۔ میں نے حضرت مخدوم جہانیاں کا نام لیا۔ ان لوگوں نے کہا وہی نا جو ایک مرتبہ ایک دوست کے ساتھ تشریف لائے تھے اور جن کے دوست کا نام مولانا علاؤ الدین تھا۔ وہ یہاں شیخ فرید الدین گنج شکرؒ کی زیارت کے لیے آئے تھے۔ میں نے کہا ہاں۔ دوسری مرتبہ جب حضرت مخدوم زیارت شیخ کے لیے تشریف لائے تو مولانا علاؤ الدین ان کے ساتھ نہ تھے۔ حضرت مخدوم نے شیخ زادگان سے درخواست کی کہ آپ لوگ جائیں مجھے تنہا حضرت شیخ کے پاس چھوڑ دیں۔ شہر کے کچھ لوگ اپنا مقصد لے کر آئے ہوئے ہیں آپ لوگ ان کی طرف متوجہ ہوں۔ حضرت مخدوم شیخ زادگان سے بہت محبت کرتے تھے انہوں نے دو خرقہ جس میں ایک نو ہزار میخی کا بنا ہوا تھا اور دوسرا سبز صوف کا دونوں شیخ زادگان کو دیا۔ اس کے بعد خود حضرت شیخ فرید الدین گنج شکرؒ کی زیارت کے لیے گئے۔ حضرت مخدوم کے دوسرے ساتھی بھی باہر ہی رہ گئے۔ اندر سے نکلنے میں جب دیر ہوئی تو لوگ خطیرہ کے اندر گئے۔ دیکھا کہ حضرت مخدوم کے سات ٹکڑے ہوگئے ہیں اور وہ اسی حالت میں حضرت شیخ کی گنبد کے درمیان پڑے ہوئے ہیں سب لوگ ڈر کر پیچھے ہٹے۔ ایک گھنٹہ کے بعد حضرت مخدوم اپنی اصلی حالت میں اندر سے باہر آئے۔ یہ واقعہ اجودھن سے سامانہ تک بلکہ مضافات میں بھی مشہور ہے لیکن یہ خاکسار کئی سال تک وہاں کے لوگوں سے ملتا جلتا رہا کبھی بھی یہ واقعہ کسی سے سننے میں نہ آیا۔ دل میں خیال ہوا کہ ممکن ہے انہوں نے غلط کہا ہو یا وہاں کے لوگوں نے دل سے اختراع کیا ہو۔ کیونکہ اس طرح کی باتیں بہت سے لوگ کہتے ہیں لیکن حضرت مخدوم انہیں قبول نہیں کرتے۔ لیکن یہ قصہ جب حضرت مخدوم کے سامنے کہا گیا تو وہ خاموش رہے جس سے پتا چلتا ہے کہ اس واقعہ میں صداقت ہے۔

اور اسی سعد الدین نامی شخص نے کہا کہ میں سرائے کے اجتماع میں بہت سے آدمیوں کے ساتھ ایک بار حاضر ہوا ۔ وہاں جب کوئی غلط حرکت کرنی چاہتا تھا فوراً ہی حضرت مخدومؒ انگلی منہ میں دبے سامنے آجاتے تھے اور فرماتے سعد الدین! ہوشیار ہو جاؤ ۔ ایسا ایک مرتبہ نہیں بلکہ کئی مرتبہ ہوا ۔ جب سامانہ سے میں شہر میں آیا اور حضرت مخدوم کی قدمبوسی کو حاضر ہوا تو انہوں نے پہلی ہی ملاقات میں اس واقعہ کا ذکر کیا ۔ پھر کہا کہ اللہ نے عجیب کام میرے سپرد کیا ہے یعنی آدمیوں کی نگہبانی اگر بکریوں کی نگہبانی سپرد ہوتی تو وہ ہزار گونہ میرے لیے آسان تھی ۔

اس کے بعد حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ایک دن شیخ منصور فضیل یعنی شیخ الاسلام حضرت فرید الدین قدس اللہ سرہ کے پوتے نے مجھ سے پوچھا کہ شیخ کے گنبد کے اندر آپ کی یہ کیسی حالت ہوگئی تھی آخر اس کا راز کیا ہے ۔ میں نے جواب دیا سبحان اللہ! یہ کس نے دیکھا اور کس نے کہا ۔ میں کہتا ہوں سب جھوٹ ہے ۔ یوں پوچھو تو سلوک کی کتاب میں اس بارے میں لکھا ہے کہ صوفی پر یہ حالت طاری ہوتی ہے لیکن یہ بھی میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ علی الاطلاق کہہ رہا ہوں ۔ اس سلسلے میں دو چار باتیں کہیں حضرت سیدی ابو المعالی نے عرض کیا کہ اس بارے میں بہت سی واضح اور خلاصہ گفتگو ہونی چاہیے کہ عوام بھی اس پر کچھ بول سکیں ۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ یہ تجلی جلال کے اثر سے رونما ہوتا ہے ۔ اور جس پر جب اس کیفیت کی تجلی ہوتی ہے اس وقت اس آدمی پہ پہاڑ بھی گر پڑے تو سنگریزہ معلوم ہوتا ہے اور آگ بھی اس پر حملہ کرے تو وہ آگ جلانے والی نہیں ہوتی لیکن اس آدمی سے جو شعلہ نکلتا ہے وہ عام آگ سے لاکھوں گونہ برتر ہوتا ہے ۔ اس حالت میں اگر اس آدمی کو سات ٹکڑا کیا، سینکڑوں ٹکڑے کر دے جائیں تب بھی اس کو کچھ پتا نہ چلے ۔ اس حالت میں اچھی جمیل شکلیں اس کے سامنے آتی ہیں ۔ یہ ہر ایک کو اپنی طرف بلاتا ہے اور وہ سب اس کی طرف دوڑتے ہوئے جاتے ہیں پھر وہ اللہ کی قدرت سے جیسا تھا اس سے بھی زیادہ قوی، لطیف، مکمل اور صاف ہو جاتا ہے ۔ پھر حضرت مخدوم نے فرمایا کہ میں نے ایک صوفی کو کہتے سنا ہے کہ مجھ کو ایک چرخی پر بٹھا کہ گھما دیا گیا اور اسی چرخی کے گھومنے کے بعد اس کا ایک سر ستر سر ہو گیا ۔ یہاں تک کہ اس آدمی کی کوئی چیز باقی نہ رہی پھر اسی درمیان میں دوسری

تجلی جمال و رحمت کی ہوتی ہے اور پھر اس کے سر کے تمام ٹکڑے اور جسم کے تمام اجزا جمع ہو کر جیسے تھے ویسے ہی وہ ہو جاتے ہیں بلکہ اس سے بھی بہتر اور خوش تر۔ جس وقت کہ وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے اگر کوئی شخص اس وقت اس کے سامنے پہنچ جائے تو وہ اس کو اسی حالت میں دیکھے گا خاکسار نے عرض کیا کہ جو شخص اس حالت میں کسی کو دیکھے اس کو لازم ہے کہ عوام سے اس کو پوشیدہ رکھے۔

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ جب ہمارے خواجہ ٹھٹہ چلے گئے تو مجھ کو تین بات کی بہت دشواری ہوئی اور کچھ بات سمجھ میں نہیں آتی تھی ایک تو یہ اگر کوئی شخص تجلیات جلال میں مبتلا ہو جائے اور اس کو وہ تجلیات لطف و جمال میں بدلنا چاہے تو کیا کرے گا اور اس مصیبت سے اس کو نجات کس طرح ملے گی۔ دوسری مشکل تشکل ارواح کی بابت ہوئی۔ تیسری مشکل یہ تھی کہ ایک ہی شخص کو جب کوئی مشرق میں دیکھتا ہے اور مغرب میں بھی، اس شہر میں بھی اور دوسرے شہر میں بھی تو پھر اس کی بابت کیا کیا جائے۔

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ مولانا جمال الدین مغربی جو کہ خاکسار مولف کے نانا ہوتے تھے علم نفس میں ماہر، جہاں دیدہ، اور حکیم تھے انہوں نے اکثر مشائخ سے روابط رکھے تھے لیکن کسی کے حلقہ بگوش نہ ہوئے۔ وہ عارف کامل تھے۔ مذہب نفس پر اعتقاد رکھتے تھے اور اس کی بہت ہی لطیف شرحیں پیش کرتے تھے۔ دو سال تک انہوں نے احادیث اور کلام اللہ سے جو ان کے موافق تھا جمع کیا۔ میں نفس سے متعلق تمام باتوں کو ان کے مانتا رہا اور ہم خیالی ظاہر کرتا رہا۔ ایک دن دبی زبان سے ایک مسئلہ پر میں نے ان سے اختلاف کیا۔ وہ میری بات سن کر یکایک چونک گئے جیسے کوئی نیند سے بیدار ہوا پھر کہا کہ میر سید! میں تمہارا معتقد ہوں۔ اس طرح کی باتیں کیوں کرتے ہو۔ میں نے اپنے دعویٰ کے ثبوت میں معقولات اور منقولات دونوں سے دلائل پیش کیے۔ تقریباً چھ ماہ تک اسی طرح ہوتا رہا۔ میں جب ان سے ملتا مسائل نصوص کے بارے میں گفتگو چھڑ جاتی اور اثبات و اختلاف میں ان سے بحث ہوتی آخر میں وہ کہتے میر سید! صلِ علیٰ محمد یہ عربوں کا طریقہ کلام ہے کہ اگر کوئی شخص اوٹ پٹانگ باتیں کرنے لگتا ہے تو کہتے ہیں صلِ علیٰ محمد۔ یعنی فضول باتیں کرنا چھوڑ دو اور رسول اللہ صلعم پر درود پڑھو۔ ایک دن مجھ سے زور دار بحث چھڑ گئی۔ آخر میں انہوں نے کہا میر سید! میرے ساتھ مراقبہ

کے طور پر دونوں پیر پر سر رکھ کہ بیٹھو اور غور کرو۔ وہ اسی برس کے بوڑھے اور میں بیس بائیس برس کا نوجوان تھا۔ انھوں نے کہا میر سید تم درویش ہو۔ تم نے ہمیں مسلمان بنایا ہے۔
خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت نے اکثر اس طرح کی باتیں بیان کی ہیں۔ لیکن جس نے بھی ان سے سلوک کا درس لیا کسی نہ کسی بات میں خصوصیت ضرور اختیار کی۔ میں بحث میں مخصوص ہوں۔ اللہ تعالےٰ نے مجھ کو قوت بیان عطا کی ہے کہ اس کے اسرار کو خوبی سے بیان کر سکتا ہوں اور اگر میں اس خصوصیت کو دبانا بھی چاہتا ہوں تو نہیں ہوتا ہے۔

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ایک دن میں اپنی حالت میں بیٹھا ہوا تھا قاضی عبد المقتدر میرے پاس آئے۔ میں نے کہا تمہید میں ایک عجیب واقعہ لکھا ہے کہ ایک دن ابو سعید ابوالخیرؒ نے ابو علی سینا کو لکھا دلنی علی الدلیل۔ ابو علی سینا نے جواب میں لکھا الدخول فی الکفر الحقیقی والخروج عن الاسلام المجازی وان لاتلتفت الابما کان وراء الشخوص الثلثۃ۔ یہ جواب پاکر ابو سعید نے کہا اوصلنی ھٰذہٖ الکلمات الی مالم یوصلنی عبادۃ اربعۃ الاف سنۃ یعنی مجھ کو ان کلمات نے اس مقام پر پہنچا دیا جہاں میں چار ہزار سال تک عبادت کرنے کے بعد بھی نہیں پہنچ سکتا تھا۔ عین القضات نے یہ سن کر فرمایا کہ ابو سعید نے ان کلمات کا مزا نہیں چکھا۔ ورنہ ابو علی کی طرح وہ بھی غیر مقبول ہوتے۔ آخر کیا بات ہے کہ ابو سعید ابوالخیر نے ابو علی سینا جیسے بدنام اور منزل سے بھٹکے ہوئے حکیم کو دلنی علی الدلیل لکھا۔ اور اس نے جواب میں الدخول فی الکفر الحقیقی والخروج عن الاسلام المجازی وان لاتلتفت الابما کان وراء الشخوص الثلثۃ لکھا اور سب سے عجیب بات یہ ہے کہ ابوالخیر کی زبان سے یہ جملہ نکلا کہ ابو علی سینا کے کلمات نے مجھ کو اس مقام پر پہنچا دیا جہاں پر چار ہزار سال کی عبادت مجھ کو نہیں پہنچا سکتی تھی۔ اور اس پر قاضی عین القضات کا یہ کہنا کہ ابو سعید نے ان کلمات کا مزا نہیں چکھا اور بھی تماشا معلوم ہوتا ہے۔ قاضی عبد المقتدر نے کہا بہتر ہے کہ اس بات کو حضرت خواجہ کے سامنے پیش کیا جائے۔ عشا کی نماز کا وقت تھا شیخ نے کئی بار یہ جملہ کہا اور پھر "ہم کیا جانیں ان لوگوں نے کیا کہا" کہہ کر خاموش ہوگئے۔ مولانا شہاب الدین فہمی بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے کہا قاضی عین القضات کو اور کیا کہوں سوائے اس کے کہ ان پر لعنت ہو۔ قاضی عبد المقتدر نے ٹوکا۔ نہیں علیہ ما یستحق کہو۔ جیسا کہ فقیہوں کا طریقہ احتیاط

کا وجہ سے ہے ۔ حضرت شیخ خفا ہو گئے اور فرمایا قاضی ع " اینجانہ رسد ذورق ہر سودائی ۔ "
ان لوگوں کی باتوں کو یہیں چھوڑو اٹھو ، باہر جا کر اذان دینے کے لیے کہو ۔ دوسرے دن جب
میں حضرت شیخ کی خدمت میں گیا تو ان سے پوچھا ۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ رات جو کچھ
مولانا عبدالمقتدر پوچھ رہے تھے میں نے بتا دیا ہے ۔

حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلویؒ سے راجا بزلق کی اہم مسائل سلوک پر گفتگو

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ہم نے اپنے خواجہ کو راجا بزلق کے ساتھ فنا بقا ، محوے وصحوے وسکرے و حضورے وغیبے جیسے اہم مسئلوں پر گفتگو کرتے دیکھا ہے ایک دن انہوں نے یہ شعر پڑھا :

درین تعلیم شد عمرم ہنوز ابجد ہمی خواہم ندانم کے رقوم آموز خواہم شد بدیوانش

اس میں " ندانم کے رقوم آموز خواہم شد " فنا کی طرف اشارہ کر رہا ہے اور " بدیوانش "
بقا کی طرف نشان دہی کر رہا ہے ۔ راجا بزلق نے پوچھا کہ اس شعر کے کہنے والے کو اس
عالم سے کچھ حصہ ملا تھا ۔ حضرت خواجہ نے فرمایا " ہاں " ملا تھا ۔ پھر یہ رباعی پڑھی

گر من ز مے مغانہ مستم ہستم در مومن ویا کہ بت پرستم ہستم
ہرکس بر من دگر گمانے دارد من ازآں خودم ہرآنچہ ہستم ہستم

مشائخ چشت کا تذکرہ

عشاء کی نماز کے بعد مشائخ چشت کا تذکرہ نکل آیا ۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ مولانا عماد الدین شیخ رکن الدین سے مرید
تھے ایک دن وہ شیخ نظام الدین کی ملاقات کو گئے تو شیخ بہاؤ الدین قدس اللہ سرہ العزیز
کے مناقب بیان کرنے لگے حضرت شیخ نظام الدین سنتے رہے ۔ یہاں تک کہ وہ بہت کچھ
کہہ گئے ۔ یکایک گفتگو کے دوران انہوں نے حضرت شیخ فرید الدین گنج شکرؒ پر شیخ بہاؤ الدین
ملتانی کی برتری اور فضیلت ظاہر کر دی ۔ حضرت نظام الدین نے فرمایا مولانا سنو ، شیخ بہاؤ الدین
کی تعریف کچھ صوفی ہی بیان کر سکتا ہے اس کے مرید اور رشتہ گر دکیا بیان کریں گے ۔ اس کے
بعد انہوں نے شیخ بہاؤ الدین کی تعریف کرنی شروع کی ۔ مولانا عماد الدین نے سمجھا کہ حضرت
نظام الدین نے فرمایا کہ اب تک جو میں کہہ رہا تھا وہ یہ کہ درویشوں میں اس طرح کی نیکیاں
اور خوبیاں ہونی چاہئیں ۔ پھر فرمایا کہ خواجگی آدمی کی میراث ہو گئی ہے ۔ ان کے دادا

حضرت شیخ شہاب الدینؒ کے خلیفہ اور مجاز تھے۔اس کی وجہ سے شیخ الاسلام دہلی میں ان کا بڑا لحاظ رکھتے تھے۔ایک دن شیخ الاسلام نے ان سے فرمایا کہ آپ کے دادا جان کا اجازت نامہ جوان کو ملا تھا آپ کے پاس ہے۔انہوں نے کہا ہاں ہے۔شیخ الاسلام نے فرمایا ذرا مجھ کو دکھلائیے۔انہوں نے لاکر دکھایا کاغذ کے ایک طرف ان کے دادا جان کے لیے اجازت نامہ لکھا ہوا تھا اور اسی کاغذ کی پشت پر ان ہی کے غلام زیرک کے لیے اجازت نامہ تھا۔بعد میں معلوم ہوا کہ مشائخ خراسان اجازت نامہ دینے میں تامل نہیں کرتے تھے۔ جس میں بھی صلاح اور تقوے وہ دیکھ لیتے ان کو مجاز بنا دیتے۔

روز یکشنبہ ۲۷ رمضان المبارک ۸۰۲ھ

عراقی کے کچھ اشعار کی وضاحت

۲۷ رمضان کو چاشت کے وقت ایک قدیم ہمفت خراسانی حضرت مخدوم کی خدمت میں حاضر ہوا۔کچھ اشعار کے اوراق اس کے ساتھ تھے اس نے ایک ورق کھینچا اور اس سے عراقی کے یہ اشعار سنائے ؎

ما چنیں تشنہ زلال وصال ۔۔۔ ہمہ عالم گرفت مالا مال!
غرق آبیم و آب می طلبیم ۔۔۔ در وصالیم بے خبر ز وصال
آفتاب اندروں خانۂ ما ۔۔۔ دربدر می دویم ذرہ مثال
گنج در آستیں و می گردیم ۔۔۔ گرد ہر کو نہ بہر یک مثقال
چند گردیم خیرہ گرد جہاں ۔۔۔ چند باشیم اسیر ظن وخیال
بدہ اے ساقی از لبت جامے ۔۔۔ کہ نہاد خودم گرفت ملال
آفتابے ز روئے خود بہ نمائی ۔۔۔ تا چو سایہ برخ آورم بزوال
تا ازل با ابد قریں گردد ۔۔۔ دی و فردائے من شود ہمہ حال
با چنیں حال شاید ار گویم ۔۔۔ گرچہ باشد بہ نزد عقل محال
کہ ہمہ اوست ہرچہ ہست یقیں ۔۔۔ جاں و جاناں و دلبر و دل و دیں

حضرت مخدوم نے ان اشعار کو سن کر فرمایا کہ ایک ہی معنی اور مفہوم کو مختلف طریقہ

سے ہر شعر میں ادا کیا گیا ہے مثلاً : ؎

ماچنیں تشنۂ زلالِ وصال ہمہ عالم گرفت مالامال

یعنی حق تعالیٰ ظاہر اور نمایاں ہے۔ اس کے ظہور کے سلسلے میں کوئی بات پوشیدہ نہیں ہے زمین و آسمان اکائنات و موجودات کسی میں بھی وہ پوشیدہ نہیں ہے اس کے ظاہر اور عیاں ہونے کے باوجود بھی ہیں اس سے محروم، دور اور محجوب ہوں۔

؎ غرق آبیم و آب می طلبیم در وصالیم بے خبر ز وصال

"بے خبر ز وصال" میں بھی یہی معنی پیدا ہوتے ہیں۔

ع "چند باشیم اسیر ظن و خیال" یعنی آسماں و زمین اس کے حجاب بنے ہوئے ہیں یا دنیا کی چیزیں رکاوٹ بنی ہوئی ہیں ؎

بدہ اے ساقی از لبت جامے کز نہاد خودم گرفت ملال

یعنی اس راز کی آگاہی کہ "ہمہ اوست" سے آشنا کر اور کسی چیز کو حجاب نہ بنا۔ ہمیشہ کے لیے جب تک تیرا وجود ہے میرے سامنے سے حجاب دور رکھ۔ تاکہ میں از خود رفتہ ہوجاؤں اور تیرے جمال سے شادکام ہوکر اپنے کو بھلا بیٹھوں۔ اپنے چہرے سے ایسا نور روشن کر دے کہ میری ہستی، وجود اور نہاد، ظن و گمان کے سایہ کی طرح ڈھل جائے۔ اور ازل سے ابد تک ساتھ رہے۔ جب حقیقت کا راز منکشف ہوتا ہے سب لوگ محبوب کے جمال میں محو ہوجاتے ہیں اور کائنات کا حجاب درمیان سے اٹھ جاتا ہے اور مبتدا و منتہا، اول و آخر اور ازل و ابد ایک ہوجاتے ہیں اور ایک ہی زاویہ پر مجتمع ہوجاتے ہیں۔ اعتباریات اور اضافیات کا کہیں پتا نہیں رہتا۔ اس کے بعد اسی مرد خراسانی نے عراقی کے مزید یہ اشعار پڑھے : ؎

اے بہ نور روز و شب جہاں روشن بہ رخت چشم عاشقاں روشن
بہ حدیث تو کام دل شیریں بہ جمال تو چشم جاں روشن
شد بہ نور جمال تو روشن عالم تیرہ ناگہاں روشن
آفتاب رخ جہاں گیرت دم بہ دم می کند جہاں روشن
ہمہ عالم کہ از تو روشن شد گر یقیں می شود گماں روشن
بنماید ز روئے ہر ذرہ آفتاب رخت عیاں روشن

می تواں کرد دور خم زلفت — خویشتن را ز خود نہاں روشن
اے دل تیرہ گر نہ گشت ترا — سر توحید زیں بیاں روشن
اندر آئینۂ جہاں بنگر — تا بہ بینی ہمہ نہاں روشن
کہ ہمہ اوست ہر چہ ہست یقیں — جاں و جاناں و دلبر و دل و دیں

اس غزل کو سننے کے بعد حضرت مخدوم نے فرمایا کہ اس غزل کے بھی تقریباً وہی معنی اور مفہوم ہیں جو پہلی غزل کے تھے۔ لیکن پہلی غزل میں پختگی اور بلندی زیادہ پائی جاتی ہے برخلاف اس کے اس دوسری غزل میں وہ بات نہیں ہے تھوڑی خامی پائی جاتی ہے حالانکہ دونوں غزلیں ایک ہی شخص کی ہیں۔ اس کے بعد اس شخص نے پھر یہ غزل سنائی:

اے رخت آفتاب عالم تاب — در فضائے تو کائنات سراب
در نیاید بہ چشم تو دو جہاں — کے بہ چشم تو اندر آید خواب
پیش ازیں بے رخت چہ بود جہاں — سایہ در عدم سرائے خراب
استوا مہر طلعت تو نیافت — سایہ از نور یافت رنگ خضاب
مہر چوں سایہ از میاں برداشت — ماچہ باشیم درمیان در باب
اول و آخر اوست در ہمہ حال — ظاہر و باطن اوست در ہمہ باب
گہ صد است و ہزار جملہ یکے ست — در نہ آید بجز یکے بہ حساب
برف خوانند آب را چوں لبست — باز چوں حل شود و چہ گوید آب
آب چوں رنگ و بوئے گل گیرد — لاجرم نام او کنند گلاب
بہ زبان فصیح ہر ذرّہ — می کند عشق لحظہ لحظہ خطاب
کہ ہمہ اوست ہر چہ ہست یقیں — جان و جاناں و دلبر و دل و دیں

اس غزل کو سننے کے بعد بھی حضرت مخدوم نے فرمایا کہ اس پوری غزل میں بھی اسی معنی کو مختلف عبارت، اور نئی نئی تشبیہات و استعارات کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اس غزل میں سے اس شعر کو حضرت نے پڑھا:

گہ صد است و ہزار جملہ یکے ست — در نیاید بجز یکے بہ حساب

اور پھر حاضرین سے پوچھا کہ اس شعر کے کیا معنی ہوئے۔ کسی کی مجال زبان کھولنے کی نہ ہوئی سب خاموش رہے۔ پھر حضرت نے وضاحت فرمائی کہ اعداد میں اصل عدد

"ایک ہے۔ اور بقیہ سب اسی ایک کی تکرار ہے شاعر کہتا ہے کہ اعداد خواہ سو کے ہوں یا ہزار کے۔ اصل سب کی ایک ہی ہے اس لیے سارا حساب ایک پر منحصر ہے۔ سوائے ایک کے اور کسی عدد کا وجود ہی نہیں ہے۔ اگر ہزار ہے تو وہی ایک اور لاکھ ہے تو وہی ایک۔

شیخ کی طرف متوجہ ہونے کی برکت

سبق سے فراغت کے بعد حضرت مخدوم نے فرمایا کہ الیاس نام کے ایک صوفی تھے دولت آباد سے ہمارے خواجہ کی قدمبوسی کے لیے آئے۔ رخصت ہونے کے وقت انہوں نے ہمارے خواجہ سے بیعت کرنے کی درخواست کی، بیعت لے لینے کے بعد ہمارے خواجہ نے حکم دیا کہ اے الیاس کسی ویران اور تنہائی کی جگہ پر جاکر عبادت میں مشغول ہو۔ دہلی کے اندر غزنوی دروازہ کے قریب ایک پتھر کی مسجد ہے۔ خراب و خستہ، ویران اور خوف ناک الیاس اسی مسجد میں رات گزارنے کے لیے گئے۔ اس مسجد میں ایک سانپ تھا۔ اتفاق سے ہاتھ یا پیر الیاس کا اس پر پڑ گیا۔ سانپ نے ان کو کاٹ لیا۔ وہ فوراً شیخ کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھ گئے۔ تمام رات اسی طرح بیٹھے رہے۔ جب سانپ کا زہر زور پکڑتا وہ فوراً اپنے شیخ کی طرف متوجہ ہو جاتے۔ اسی طرح انہوں نے صبح کر دی۔ اور صبح کو سانپ کا زہر بالکل ختم ہو گیا۔ علی الصباح ہمارے خواجہ نے شیخ ابراہیم خادم خاص کو اندرون دہلی جانے کے لیے کہا۔ کہ وہاں الیاس نام کے ایک متعلم ہیں ان کو بلا کر لے آؤ۔ خواجہ ابراہیم نے کہا میں الیاس کو نہیں پہچانتا ہوں اور ان کا گھر بھی نہیں جانتا ہوں۔ حضرت خواجہ نے فرمایا تم جاؤ تو، ملاقات ہو جائے گی۔ خواجہ ابراہیم اندرون دہلی کی طرف روانہ ہو گئے۔ بداؤں کے دروازہ پر خواجہ ابراہیم کی ملاقات الیاس سے ہو گئی وہ حضرت شیخ کی قدمبوسی اور رات کے سانحات سنانے کے لیے خانقاہ آ رہے تھے۔ الیاس نے دوڑ کر خواجہ ابراہیم کا قدم چوم لیا۔ خواجہ ابراہیم نے پوچھا، آپ ہی الیاس ہیں؟ انہوں نے کہا جی ہاں میں ہی الیاس ہوں۔ خواجہ ابراہیم نے کہا حضرت شیخ نے خاص کر آپ کے پاس بھیجا ہے۔ میں نہ آپ کو پہچانتا تھا نہ آپ کا گھر ہی جانتا تھا۔ بس مجھ سے حضرت شیخ نے فرمایا۔ جاؤ۔ ملاقات ہو جائے گی۔ دروازہ ہی پر ملاقات ہو گئی۔ بسم اللہ چلے آئے پھر خواجہ ابراہیم نے الیاس کو حضرت شیخ کی خدمت میں پہنچایا اور کہا کہ الیاس خود ہی حضرت کی قدمبوسی کے لیے چلے آ رہے تھے۔ بداؤں کے دروازہ پر ان سے میری ملاقات ہو

گئی۔ الیاس نے رات کے سانحات حضرت شیخ سے بیان کیے۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ تمہارے ساتھ جو کچھ ہوا مجھے معلوم ہو گیا تھا اور میں اسی کی وجہ سے تمام رات بیٹھا رہا۔ اس کے بعد حضرت شیخ نے فرمایا کہ الیاس سفر کرو۔ اور مردانہ وار بغیر زاد و راحلہ کے سفر کرو۔ چنانچہ الیاس نے سفر اختیار کیا۔ یہاں تک کہ وہ خانہ کعبہ پہنچ گئے۔ راستے میں بعض ایسے مقامات بھی آئے کہ آدمی اونٹ اور گھوڑے کی مدد کے بغیر سفر نہیں کر سکتے تھے لیکن وہ تن تنہا بغیر زاد و راحلہ کے پہنچ گئے۔ ان کے ہمراہی تمام ساز و سامان کے باوجود ابھی منزل پر پہنچے بھی نہ تھے کہ وہ منزل پر ان سے پہلے پہنچ گئے۔ لوگوں نے پوچھا۔ انہوں نے بتایا کہ تم لوگ مجھے پچھلی منزل پر چھوڑ کر روانہ ہو گئے تھے ایک شخص مجھ کو اپنے اونٹ پر سوار کر کے اس جگہ تک پہنچا گیا۔ مکہ اور مدینہ کے درمیان راستہ بہت ہی خراب تکلیف دہ بے آب تھا۔ جنگل در جنگل ہو کر جانا پڑتا تھا اور لوگ راستہ بھول جاتے تھے۔ اس لیے لوگ نشان دیتے ہوئے جاتے تھے کہیں بھی آبادی کا پتا نہ تھا۔ اس طرح کے راستے میں دن رات چلنے میں اونٹ کی سواری پر ایک ماہ میں آدمی پہنچ سکتا تھا۔ الیاس تنہا بے زاد و راحلہ کے مدینہ منورہ سب ساتھیوں سے پہلے پہنچ گئے اور وہاں پہنچ کر رسول اللہ صلعم کے حرم پاک کی مجاوری اختیار کر لی۔ وہاں سب لوگ ان کو الیاس ہندی کہتے تھے۔ کسی سے ملنا جلنا نہ تھا رات دن اپنے کام میں اور عبادت و ریاضت میں لگے رہتے۔ لکڑی کا ایک پیالہ نیچے اور ایک اپنے مصلے کے سامنے رکھے رہتے۔ تاکہ ہر شخص جان لے کہ اس پیالہ میں کچھ ہے یا نہیں۔ اگر اس میں کوئی رکھ دیتا تو کھا لیتے اور اگر نہ رکھتا تو بغیر آب و دانہ کے رہ جاتے۔ اس زمانے میں شیخ خالد موذن تھے۔ ان کو ایک روز خیال ہوا کہ دیکھیں ان دو پیالوں میں کیا رکھا ہے۔ جب الیاس وضو کے لیے صحرا کی طرف گئے تو دیکھا کہ ان دونوں پیالوں میں سوائے گرد کے جو کہ ہوا کے جھونکے سے اس میں جمع ہو گئی تھی، اور کچھ نہ تھا۔ دیکھ کر کانپ گئے۔ اور حیرت زدہ ہوئے۔ انہوں نے دل میں خیال کیا کہ الیاس سے افطار کے لیے دو روٹی قبول کرنے کی درخواست کروں گا۔ چنانچہ وہ الیاس ہندی کے پاس جا کر بیٹھے اور بہت منت و سماجت اور الحاح و زاری کے ساتھ ان سے دو روٹی قبول کرنے کی درخواست کی۔ الیاس ہندی نے کہا کہ مجھ کو میرے خواجہ نے مردانہ وار رہنے کی ہدایت کی ہے میں ہرگز آپ لوگوں سے روٹی قبول نہ کروں گا۔ اگر کئی کئی روز کے بعد غیب

سے کوئی چیز آجاتی تو کھا لیتے ورنہ بغیر کھائے ہوئے رہ جاتے۔ ایک دن ایک خواجہ سرا مجاوروں، اور مدینہ کے زاہدوں کے لیے بہت سی روٹیاں لے کر آیا۔ وہ سب کا سب الیاس ہندی کے سامنے لایا کہ آپ لے لیں۔ الیاس نے کہا مجھے ایک دانہ نہیں چاہیے۔ میں تمہاری ان چیزوں کو کیا کروں گا۔ جب اس نے بہت الحاح وزاری کی تو انہوں نے کہا آپ جا کر تمام لوگوں میں تقسیم کریں اور میرا حصہ مجھ کو لاکر دے دیں۔ چنانچہ خواجہ سرا نے سب کو بانٹنے کے بعد ان کا حصہ ان کے سامنے لاکر رکھ دیا۔ اس کو بھی انہوں نے مدینہ کے فقراء کے درمیان تقسیم کر دیا۔ اور اپنے لیے انہوں نے ایک ٹکڑا بھی نہیں رکھا۔ مدینہ کے زہاد سے اور درویشوں کے درمیان وہ بہت اعتبار اور وقار رکھتے تھے۔ ایک دن سید احمد کبیر کے نواسے علم اور صوفیا کی جماعت کے ساتھ اس دعوی کے ساتھ مدینہ آئے کہ زہاد مدینہ کو تعلیم وارشاد دوں گا پھر واپس جاؤں گا۔ وہ زیارت رسول اللہ صلعم کے بعد لوگوں سے اس طرح مخاطب ہوئے کہ "میں یہاں کے زہاد کو ارشاد اور تعلیم دینے کے لیے آیا ہوں ان کا پتا ہمیں بتاؤ" لوگوں نے کہا کہ ہم لوگوں کے درمیان زاہدوں میں سب سے زیادہ قابل توجہ شخص الیاس ہندی ہیں۔ وہ اس وقت نماز پڑھ رہے تھے۔ سید احمد کبیر کے نواسے نے ان کی طرف دیکھ کر فرمایا۔ ان سے غفلت ہوئی اگر ان کو کسی پیر کی صحبت مل جاتی تو اچھے مقام پر پہنچ جاتے ٹھیک اسی وقت خواجہ سرائے حرم رسول اللہ صلعم کے اندر سے باہر آکر بیٹھے اور کہا کہ ارشاد دینے کے لیے کون صاحب آئے ہیں؟ سید احمد کبیر کے نواسے، علم سعید احمد کبیر کے ساتھ رسول اللہ صلعم کے دروازہ تک ارشاد کے دعوی کے ساتھ تشریف لائیں۔ اور ان کے آنے پر ان کو بہت ذلت اور اہانت کے ساتھ باہر نکال دیا۔ اور ان کے علم کو نقصان پہنچایا۔ اس سانحہ کی وجہ سے مدینہ میں ہلچل مچ گئی۔ شیخ خالد نے کہا کہ کبھی بھی مدینہ میں اس طرح کا واقعہ نہیں ہوا کہ کوئی شخص آئے اور اس ذلت وخواری کے ساتھ نکال دیا جائے۔ یہ واقعہ کہاں سے پیدا ہوا اور کس طرح ہوا؟ بلاشبہ اس آدمی سے اس سرزمین پر کوئی بے ادبی اور خطا سرزد ہوگئی ہے جس کے باعث یہ مصیبت اس پر نازل ہوئی۔ انہوں نے لوگوں سے پوچھا کہ شیخ احمد کبیر کے نواسے نے کیا کہا تھا۔ لوگوں نے بتایا کہ انھوں نے الیاس ہندی کی طرف دیکھ کر کہا تھا کہ اگر ان کو مرشد کی صحبت ملتی تو یہ اچھے مقام پر پہنچتے۔ جیسے ہی ان کی زبان سے یہ بات نکلی خواجہ سرائے حرم رسول اللہ صلعم سے باہر نکلے اور انہوں نے

ان کے ساتھ یہ برتاؤ کیا۔ شیخ خالد نے کہا اب سمجھا۔ یہی بے ادبی ان سے ہوئی تھی۔ الیاس ہندی رات دن رسول اللہ صلعم کی صحبت میں رہتے ہیں۔ ایسی حالت میں ان کے لیے یہ کہنا کہ اگر وہ کسی مرشد کی صحبت میں ہوتے تو اچھے مقام پر ہوتے کسی طرح درست نہ تھا۔ جس دن الیاس ہندی نے انتقال کیا پورے مدینہ میں ماتم بپا ہوگیا۔

کلام اللہ کی آیات سے تفاول لینا

اس کے بعد مولانا بہاؤ الدین کی طرف، جو میاں کلمۃ اللہ حسینی نبیرۂ حضرت مخدوم کی تعلیم پر اس زمانہ میں متعین تھے، اشارہ کر کے حضرت مخدوم نے فرمایا کہ مولانا، کلام اللہ کا وصف ہر چند کہ امرہ، نہیہ، نہیہ امرہ، خبرہ انشاءہ، والنشاءہ خبرہ، وعدہ وعیدہ، وعیدہ وعدہ بل کلامہ، کلمتہ، بل حرفٌ، بل نقطۃٌ ہے لیکن اس کی آیت سے لوگ تفاول لیتے ہیں۔ صبح کے وقت سورہ ارایت الذی یکذب بالدین پڑھنے سے کچھ اور ہی شگون لیتے ہیں خاص کر وہ صوفی لوگ جن کا کام غیب سے نہیں بلکہ تفاول سے چلتا ہے خاص کر صبح کے وقت پہلے آیۃ الکرسی پڑھتے ہیں یا سبح اسم ربک الاعلی الذی خلق فسوی۔ یا پہلی رکعت میں سورہ انعام پڑھتے ہیں اور دوسری میں سورہ حشر۔ صاحب قوت اس کی بہت رعایت کرتے ہیں۔ صبح کی سنت کی اول رکعت میں قل یا ایہا الکفرون پڑھتے ہیں کیونکہ اس میں تجرید وتوحید ہے اور دوسری رکعت میں قل ہو اللہ احد اس لیے کہ اس میں اثبات توحید ہے، اسی طرح ہر نماز کے لیے قرأت مقرر کر لیتے ہیں ہمارے پرانے امام مولانا حسین اس کی بہت رعایت کرتے تھے۔ اور اتنی ہوشیاری اور صلاحیت کے باوجود ان کو امامت میں حاصل تھی اپنے ساتھیوں سے اس بارے میں اُلجھتے رہتے تھے۔ یکایک شیخ الاسلام حضرت فرید الدین گنج شکرؒ کے عرس کے دن سماع کے لیے آنے والوں میں سب سے پہلے شخص جن سے ملاقات ہوئی وہی تھے، یکایک شیشہ اور سیاہی انہوں نے میرے سامنے رکھ دیا۔ میں نے پوچھا مولانا یہ کیا لائے ہیں؟ انہوں نے کہا سیاہی۔ میں بہت متامل ہوا۔ وہ سماع میں جا کر بیٹھے۔ ان کا پیر سوج گیا تھا۔ تھوڑی دیر تک بکیف ہوئے اور حرکت کی۔ پھر مجلس سے جانے کے وقت انہوں نے کہا کہ میں پھر آؤں گا۔ جاتے ہی بیمار پڑ گئے اور چند روز میں وفات پائی۔ اس خانقاہ میں دوبارہ وہ ملاقات کے لیے نہ آسکے۔ یہ امر خدائی ہے وہ بے چارے کیا کرتے۔

ایک آیت کی وضاحت

تھوڑی دیر اس آیت کریمہ استکبر وکان من الکافرین

کی وضاحت فرماتے رہے۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ابلیس نے سجود آدم سے سرکشی کی اور تکبر کیا وکان ای صار من الکافرین اوکان قد یمًا کافرًا منکرًا لفضیلۃ منہ عدو اللہ۔ یعنی جب اللہ تعالےٰ نے حضرت آدم کی تخلیق کی اور لطیف روح کو ان کے اندر رکھ دیا تو ابلیس نے جسم انسانی کو اچھی طرح دیکھنا چاہا کہ اس کی انتہا اور کنہات کا پتا چلائے ان کے جسم کے ایک ایک حصہ کو دیکھا۔ اسی دوران میں اس کی نظر ان کے دل پر پڑی۔ دیکھا کہ کوئی چیز چھپا کر رکھی گئی ہے اور اس کے گرد مضبوط حصار پڑا ہوا ہے۔ ابلیس نے اس پر ہاتھ ڈالنا چاہا کہ اس کی غایت سے باخبر ہو لیکن اس کو کامیابی نہ ہوئی۔ لاکھ اس نے جتن کیے کہ اس کی حقیقت سے واقف ہو لیکن اس کو اس کے گرد پھٹکنے ہی نہ دیا گیا اس نے جان لیا کہ آدم علیہ السلام کے سارے راز اسی گوشت کے ٹکڑے میں پوشیدہ ہیں اور مجھ کو اس سے واقف ہونے نہ دیا جائے گا۔ ایسی حالت میں کچھ نہ کچھ ہونا ضروری ہے۔ اس لیے جو مصیبت اور آفت مجھ پر نازل ہوئی ہے اس مٹی کے پتلے آدم پر بھی ہونا چاہیے غرض وہ آدم کی دشمنی پر آمادہ ہو گیا۔ آدم کا کالبد تیار کرنے اور اس میں روح پھونکنے کے بعد فرمان باری ہوا کہ "اے ابلیس اس کو سجدہ کر۔" ابلیس نے انکار اور تکبر کیا اور وہ منکرین اور دشمنوں میں شامل ہو گیا اور اللہ نے اس کو غضب میں فرمایا کہ ان علیک لعنتی الیٰ یوم الدین۔ قیامت کے دن جب وہ لعنت کا داغ جو اس کی پیشانی پر بلا واسطہ لگایا گیا تھا ہٹا لیا جائے گا تو یہی چیز اس کے لیے دوزخ میں عذاب بن جائے گی۔ ابلیس اس وقت کہے گا کہ خداوندا! کیا ہوتا اگر لعنت کا داغ میری پیشانی پر دائمی کر دیتا۔

ہاروت و ماروت کا تذکرہ

پھر ہاروت و ماروت کا تذکرہ نکل آیا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ جب ان پر ذلت و خواری مقدر ہو گئی تو اللہ کی طرف سے ان کو اختیار دیا گیا کہ وہ یہ عذاب دنیا ہی میں جھیل لیں یا آخرت میں لیں ان دونوں نے عذاب آخرت پر عذاب دنیا کو ترجیح دی کیونکہ دنیا کے عذاب کی انتہا ہے۔ ان دونوں کو عراق کے ایک شہر بابل کے ایک کنوئیں میں اُلٹا ٹانگ دیا گیا۔ اور نیچے آگ جلا دی گئی۔ جو شخص وہاں پر جائے دھوئیں کو ابھی دیکھ سکتا ہے اس جگہ سحر اور جادو کا بہت چرچا ہے۔ جو شخص وہاں جادو سحر سیکھنے کے لیے جاتا ہے اس کو سب سے پہلے اپنے ایمان کو خیر باد کہہ دینا پڑتا ہے پھر وہ جادو سیکھتا ہے۔ خاکسار نے عرض کیا یہ دونوں فرشتے ہیں ان کو ذلت و

خواری مقدر ہوئی اس لیے ان کو گرفتار بلا کیا گیا۔ لیکن سحر، جادو اور افسوں وغیرہ سکھا کر لوگوں کے ایمان کو وہاں کیوں خراب کیا جاتا ہے۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ یہ دونوں فرشتے ہیں۔ اسم اعظم سے واقف ہیں اور اسم اعظم کے خواص کی کوئی حد نہیں ہے۔ مخصوص ترکیب اور مخصوص حروف سے اس کی خاصیت بدلتی جاتی ہے اور اس کے مختلف نتائج اور فائدے ظاہر ہوتے جاتے ہیں۔

تعبیر و تفاول کا تذکرہ

پھر تعبیر، تفاول اور شگون کی بابت ذکر نکل آیا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ پیدائش کے وقت رسول اللہ صلعم کی ہیئت اس طرح تھی کہ ایک ہاتھ زمین پر تکیہ کیے ہوئے تھا۔ دوسرا زمین سے مٹی لے رہا تھا اور دونوں زانو کے درمیان سر بجانب قبلہ تھا۔ جس رات ولادت باسعادت ہوئی اس رات کو کعبہ میں جتنے بت تھے سب منہ کے بل گر پڑے۔ اور کسریٰ کا طاق دو ٹکڑے ہو گیا۔ اس ہیئت کی تعبیر یہ بیان کی جاتی ہے کہ ہاتھ میں زمین کی مٹی لینے سے اشارہ اس بات کا ملتا ہے کہ ہم تمام ملک کے مالک ہوں گے اور قبلہ کی طرف منہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ میں جو کچھ کروں گا دین اسلام کے وقار اور سربلندی کے لیے کروں گا اور اس کا مرکز بیت اللہ ہو گا۔ ایک ہاتھ زمین پر رکھے ہونے اور دونوں زانو کے درمیان سر بجانب قبلہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ میں سب پر غالب رہوں گا اور ہر کام میں خدا کی طرف متوجہ رہوں گا۔

ابوموسیٰ اشعری کا قصہ

اسی سلسلے میں حضرت مخدوم نے ابوموسیٰ اشعری کا قصہ بیان فرمایا کہ حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں فارس فتح کرنے کے لیے صحابہ کرام نے فوج کشی کی۔ فارس کے بادشاہ نے ان لوگوں کو لکھا کہ اپنے میں سے ایک آدمی کو میرے پاس بھیج دو۔ ان لوگوں نے ابوموسیٰ اشعری کو بھیج دیا۔ فارس کے بادشاہ نے ابوموسیٰ اشعری سے مخاطب ہو کر کہا کہ" ہم نے کبھی تم لوگوں پر حملہ نہیں کیا۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ ہم سمجھتے تھے کہ تم لوگ تنگ دست اور مفلس لوگ ہو اور تم لوگوں کو ہمیشہ غلہ اور پانی کی کمی ہوتی ہے اور قحط سے سابقہ رہنا ہے تم لوگ اہل ذلت اقلت اور قحط ہو۔ ہمیشہ مردار کھاتے ہو۔ اور اپنی لڑکیوں کو بھوک اور فاقہ کے ڈر سے زمین میں گاڑ دیتے ہو اور صلہ رحم نہیں کرتے ہو۔ لیکن تم لوگوں نے اب خود ہم پر حملہ کیا ہے اس لیے اس مرتبہ ہم تم لوگوں کو بیخ و بن سے اکھاڑ دیں گے اور تباہ و برباد کر دیں گے۔"

ابو موسیٰ اشعریؓ نے جواب دیا کہ "تم نے اے بادشاہ! جو کچھ کہا صحیح ہے۔ لیکن اب اللہ تعالیٰ نے ہم پر کرم فرمایا ہے اور ہمارے ہی درمیان سے ایک برگزیدہ ہستی کو ہم میں بھیجا ہے اس نے ہم لوگوں کو بتایا کہ مردار نہ کھاؤ، لڑکیوں کو زندہ زمین میں نہ گاڑو۔ صلہ رحم قطع نہ کرو۔ اپنے دین کی طرف لوگوں کو بلاؤ اگر وہ مسلمان ہو جائیں تو فبہا اور اگر مسلمان نہ ہوں تو اطاعت قبول کر لیں اور جزیہ دیں۔ ہمارے زیر فرمان آئیں اور اگر یہ بھی نہ کریں تو جنگ کرو اور انہیں قتل کر دو۔ چنانچہ ہم لوگ تمہارے ملک پر حملہ آور ہوئے ہیں کہ تم سے جنگ کریں اور مار ڈالیں اور تمہارا ملک تم سے چھین لیں۔ ورنہ ہمارے مذہب میں آجاؤ یا جزیہ دینا قبول کرو اور ہماری اطاعت کرو۔ شاہ فارس نے زمین سے دھول اٹھوا کر ان کے سر پر رکھ دی۔ مطلب یہ تھا کہ ملک اور مال کے بجائے خاک دھول لے جاؤ۔ ابو موسیٰ اشعری خوشی سے اچھلنے کودنے لگے۔ درباریوں نے کہا کہ یہ کیا بدتمیزی اور شوخی تم نے مچا رکھی ہے ابو موسیٰ اشعری نے کہا ہم تمہاری زمین لینے کے لیے آئے تھے تم نے خود اپنے ہاتھ سے اپنی زمین ہمارے حوالے کر دی۔ یہ دلیل اس بات کی ہے کہ ہم لوگ تمہارا ملک حاصل کر لیں گے برادرم سید یوسف نے عرض کیا کہ مشائخ کی تعبیرات ظن اور احتمال پر مبنی ہیں یا قطعی اور یقینی ہوتے ہیں۔ حضرت مخدوم نے فرمایا قطعی ہوتے ہیں لیکن ان کی عبارت اس طرح ہوتی ہے جس سے ظن اور احتمال کے پہلو بھی نکلتے ہیں۔ جیسا کہ ماہر منجم کہ وہ اگرچہ تعبیر صحیح نکالتے ہیں لیکن وہ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ ان سے ہاں اور نہیں دونوں پہلو نکلتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

سلطان علاؤالدین اور منجمین دربار

اسی طرح کا ایک قصہ حضرت مخدوم نے اور بیان فرمایا کہ سلطان علاؤالدین نے ایک مرتبہ کہا کہ یہ تمام درباری منجمین کیا کرتے رہتے ہیں صرف بیٹھے بیٹھے مشاہرہ لیتے ہیں ان لوگوں کی ذات میں فضول ہی خرچ ہوتا ہے۔ اچھا جا کر ان سے کہو کہ زائچہ کھینچ کر بتائیں کہ کل میں کیا کروں گا۔ ان لوگوں نے لکھ کر پیش کیا کہ ہم لوگوں کا علم کہتا ہے کہ بادشاہ سلامت رات کو شکار کے لیے نکلیں گے۔ دہلی دروازہ کے تیرھویں دروازے سے باہر نہیں نکلیں گے بلکہ دروازہ کمال اور دروازہ بداؤں کے درمیان حصار توڑ کر ایک نئے دوسرے دروازے سے نکلیں گے۔ بھات، شکر، گھی اور دہی کھائیں گے۔ ان سب باتوں کو ایک کاغذ پر لکھ کر

منجمین نے سر بہ مہر کر دیا اور پھر بادشاہ کے پاس جمع کر دیا۔ بادشاہ نے اپنے دل میں سوچا کہ مجھے ایسا کام کرنا چاہیے جو میں نے کبھی نہ کیا ہو۔ چنانچہ رات کو شکار کے لیے وہ نکلا اور بجائے کسی سابق دروازے سے باہر نکلنے کے ایک نیا دروازہ، دروازہ کمال اور دروازہ براہوں کے درمیان حصار توڑ کر بنوایا اور اس سے باہر نکلا، کھانے میں بھی خلاف معمول اور شاہی کھانوں سے بالکل جدا بھات، گھی، شکر اور دہی کھایا۔ اس کے بعد حکم دیا کہ منجمین کا سر بہ مہر کاغذ کھولا جائے اور دیکھا جائے کہ کیا لکھا ہے۔ وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ بالکل وہی باتیں لکھی ہوئی تھیں جو اس نے کی تھیں۔ منجمین کو اس نے انعام واکرام سے نوازا اور دل میں خیال کیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو میرے اکثر کاموں سے واقف ہو جاتے ہوں گے۔

مدینہ منورہ کی تعظیم کے بارے میں

اس کے بعد گفتگو مدینہ رسول اللہ صلعم کی تعظیم پر نکل آئی۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ یہ مشیت الٰہی تھی کہ رسول اللہ صلعم مکہ معظمہ میں دفن نہ ہوں تاکہ رسول اللہ صلعم کی زیارت حجِ کعبہ کی طفیلی نہ ہو جائے۔ حج کعبہ کے بعد علیحدہ سے خاص کر قصد مدینہ منورہ کا کیا جائے۔ امام شافعی کے قول کے مطابق تو مکہ معظمہ کی طرح مدینہ منورہ بھی حرام ہے۔ لیکن تعظیم وتکریم کے واجب ہونے کے بارے میں تو سب ہی متفق ہیں۔ اتنا کہنے کے بعد حضرت مخدوم نے آہ سرد بھری اور فرمایا کہ جب عبداللہ کے لڑکے محمد نفس زکیہ نے جو کہ امیرالمومنین حسین رضی اللہ عنہ کے پوتے تھے امام مہدی ہونے کا دعوے کیا اور لشکر جمع کیا تو بنی امیہ نے ان کے خلاف مروان کے تحت فوج بھیجی دونوں لشکروں میں مقابلہ ہوا۔ مدینہ میں سخت خوں ریزی ہوئی محمد نفس زکیہ نے شکست کھائی۔ مدینہ منورہ میں بنی امیہ کی فوج نے آگ لگا دی اور قتل عام کیا یہاں تک کہ رسول اللہ صلعم کا منبر بھی جلنے کے قریب ہو گیا۔ بڑی مشکل سے لوگوں نے اس کو آگ سے بچایا۔ وہ آگ اتنی پھیل گئی کہ روضہ مبارک کے جل جانے کا خدشہ پیدا ہو گیا۔ محمد نفس زکیہ کو بنی امیہ کی فوج نے پکڑ کر قتل کر دیا اور اسی طرح کھینچ کر مدینہ سے دمشق لایا۔ ہائے امت محمد، ہائے حرمت خانہ رسول اللہ اور ہائے تعظیم وتکریم اہل بیت۔ ان بدبختوں نے کسی چیز کا لحاظ اور پاس نہ رکھا۔ امیرالمومنین عثمان رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبداللہ ابن عثمان کو بھی صرف اس لیے قتل کر دیا کہ وہ محمد نفس زکیہ کے دوست

تھے۔ لیکن امام زین العابدین رضی اللہ عنہ چونکہ ان معاملات سے بالکل الگ تھلگ تھے۔ اور گھر کے اندر بند ہو گئے تھے اس لیے ان کو ان لوگوں نے چھوڑ دیا۔

روز دوشنبہ ۲۸ رمضان المبارک ۸۰۲ھ

۲۸ رمضان المبارک کو چاشت کے وقت حضرت مخدوم کی قدمبوسی کے لیے خاکسار حاضر ہوا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ابھی ایک غزل یاد آئی ہے۔ دوات قلم کاغذ میرے سامنے موجود تھا میں نے اس غزل کو جس طرح زبان مبارک سے پڑھی گئی لکھ لیا:

دوستاں می دہند پند مرا | دشمناں طعنہا زنند مرا
پیر گشتی و عشق می بازی | اجتہاد از سر شست چند مرا
منکہ مخلوق عشق بازستم | کے بود پند سود مند مرا
منکہ آزاد سر فراز ستم | زلف او گشت پائے بند مرا
خانماں دلم پریشان شد | جعد او در بلا فگند مرا
گریہ و آہ چیست در نفسے | دوستی کرد دردمند مرا
سوزش شمع رخ فروز دہد | گر بہ سوزند چوں سپند مرا
آتش عشق آب رو یم ریخت | خاک باد او جو دبند مرا
تابہ عشق گرم تر بہ کنند | چوں کباب بران نہند مرا
پر و بالت مگر محمد سوخت | بیخ و بنیاد عشق کند مرا

کس رنگ کا جوتا پسند فرماتے تھے

اس کے بعد لال اور پیلے رنگ کا جوتا منگوایا کہ عید کے روز کون اچھا رہے گا۔ صوفی زیادہ زرد رنگ کو پسند کرتے ہیں۔ لیکن ہمارے خواجہ لال رنگ پہنتے تھے۔ اور اس میں انہوں نے اپنے شیخ حضرت نظام الدینؒ کی پیروی کی تھی۔ اور میں بھی برابر لال ہی جوتا پہنتا ہوں۔ ایک دن ہمارے خواجہ کے دوستوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ صوفیوں کا طریقہ تو یہ ہے کہ وہ زرد رنگ کا جوتا پہنتے ہیں لیکن ہمارے خواجہ لال رنگ کا پہنتے ہیں اس لیے ایک جوڑا زرد رنگ کا لطیف و نازک جوتا پیش کیا جائے۔ چنانچہ لوگوں نے پیش کیا۔ اس وقت حضرت

امیر خسرو کے پوتے خسرو ثانی مجلس میں موجود تھے وہ ان کو دے دیا۔ خسرو ثانی سے میری دوستی تھی اس نے قصہ بیان کیا کہ حضرت خواجہ نے مجھے جوتا عطا فرمایا ہے میں نے کہا صوفیوں کے مطابق اس سے دو اشارے ملتے ہیں ایک تو یہ کہ تم کو تصوف کے کاموں میں سیر اور سلوک حاصل ہوگا اور دوسرے یہ کہ جہاں سے سفر کروگے۔ چند دنوں کے بعد وہ واقعی بیمار ہوئے اور انتقال کر گئے۔ وہ جوتا اس وقت تک بالکل نیا ہی تھا اس کا رنگ وغیرہ کچھ نہیں خراب ہوا تھا۔

لقمہ حلال وحرام کے بارے میں

اس کے بعد لقمہ یعنی کھانے میں احتیاط برتنے پر بات چھڑ گئی حضرت مخدوم نے فرمایا۔ اس زمانے میں لقمہ میں احتیاط بہت بڑی ہوئی ہے۔ لیکن کھانے سے قطعی آنکھ بند کر لیں اور کہیں کہ اس مسئلہ کے معنی یہ نہیں ہیں اس کی مثال اس طرح ہوگی کہ کوئی مسلمان ہمارے پاس کوئی چیز لائے اور بہ ظاہر اس کا ذریعہ معاش حلال اور حرام دونوں طرح کا ہوا اور ہم اپنے طور پر یہ سمجھ لیں کہ اس نے جو چیز ہمارے پاس لائی ہے وہ حلال ذریعہ معاش سے حاصل کردہ ہوگی۔ اس زمانے میں یہ بھی مشکل ہے کیونکہ ہر آدمی دیکھتا ہے کہ ہر آدمی کا ذریعہ معاش مختلف ہے اور وہ چیز منجملہ ان ذرائع معاش سے حاصل کرکے لائی گئی ہے۔ اب ہم آنکھ بند کر لیں اور اس کو اپنے مصرف میں لائیں۔ اس زمانہ میں لقمہ کے مسئلہ سے عہدہ برآ ہونا بہت مشکل ہے اس سے عہدہ برآ ہونے کی دو ہی صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ وہ فرض کر لے اور سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں کو اس کے لیے حلال کر دیا ہے اور مباح کر دیا ہے پھر وہ جو چاہے کرے، اور جو چاہے بولے اور جو چاہے کھائے اس سے کوئی مواخذہ اور باز پرس نہ ہوگا۔ اس کو کلی اختیار مل گیا ہے کہ وہ جو چاہے کرے لیکن اس عجیب و غریب بات کا اثبات شریعت کے قانون سے ملنا بہت مشکل ہے۔ لیکن صوفیوں کے یہاں اس میں کوئی مشکل نظر نہیں آتا اس لیے کہ ان کا خیال ہے کہ آدمی صفات الٰہی سے متصف ہے اور اس کے اخلاق کا پرتو ہے پس وہ سارے جہاں کا مالک ہے۔ وللمالک ان یتصرف فی ملکہٗ کیف یشاءُ۔ یعنی مالک کو اختیار ہے کہ وہ اپنی ملکیت کو جیسے چاہے مصرف میں لائے۔ لیکن میری سمجھ میں بات نہیں آتی کہ صوفیا اور مشائخ میں اس مرتبہ پر کون پہنچا ہے اور کون پہنچے گا۔ واللہ اعلم اور دوسری صورت اس

سے عہدہ برآ ہونے کی یہ ہے کہ آدمی تبدیلی اعیان پر قادر ہو جائے۔ وہ لوگوں کو تو یہ دکھائے
کہ جو روپے پیسے وہ لاتے ہیں خرچ ہوتا ہے لیکن وہ ان پیسوں اور آمدنی کو خرچ نہ کرے۔
بلکہ دوسرے ذریعہ آمدنی یعنی خزانہ غیب سے جو اس کو ملے اس سے خرچ کرے۔ اس
سلسلے میں حضرت شیخ الاسلام نظام الدینؒ کا ایک قصہ حضرت مخدومؒ نے بیان فرمایا جن کو
مندرجہ بالا صورتوں میں سے ایک پر محمول کیا جا سکتا ہے ایک مرتبہ مولانا فخر الدین رازیؒ
نے خانقاہ کا کھانا چھوڑ دیا۔ حضرت شیخ نے ان کو یاد فرمایا کہ ان دنوں فخر نہیں آتے۔ لوگوں
نے بتایا کہ انھوں نے خانقاہ میں کھانا چھوڑ دیا ہے اور کہتے ہیں کہ زیادہ تر خانقاہ کا کھانا
منشیوں اور سرائے والوں کی آمدنی سے تیار ہوتا ہے اس لیے حضرت شیخ تو کامل ہیں ان کو
نقصان نہ ہوگا لیکن ہم لوگوں کو تو ہوگا۔ حضرت شیخ الاسلام نظام الدینؒ نے مولانا کو بلایا
اور فرمایا کہ فخر! کیا تمہارا گمان ہے کہ میرے حلق میں حرام لقمہ جاتا ہے۔ اس خانقاہ میں
جو کچھ خرچ ہوتا ہے اس کی جواب دہی کل قیامت کے دن مجھ کو دینی ہے اور میں اس کا ضامن
ہوں۔ فخر الدین رازیؒ نے حضرت شیخ کی یہ بات جب سنی تو پھر وہ کھانے میں شریک ہونے
لگے۔ شیخ بہر حال مالک اور متصرف ہوتے ہیں وہ جہاں سے خرچ کریں۔

ایک ترک کا قصہ

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ہمارے خواجہ فرماتے تھے کہ ایک ترک تھا
جس کو گھوڑا خریدنا راس نہ آتا تھا۔ وہ جب گھوڑا خریدتا اس
کو دنبال کی بیماری ہو جاتی۔ اور وہ گھوڑا مر جاتا۔ ایک مرتبہ اس نے گھوڑا بیچا تو اس کی
آمدنی اس نے شیخ کے سامنے لاکر رکھ دی۔ حضرت شیخ نے پوچھا کہ یہ کیسا روپیہ ہے۔
اس نے عرض کیا کہ جب بھی میں گھوڑا خریدتا ہوں مجھے راس نہیں آتا۔ اس مرتبہ میں نے
سوچا کہ گھوڑا بیچ کر قیمت حضرت کے پاس لے آؤں تاکہ میرا پیسہ ضائع نہ ہو۔ حضرت
خواجہ نے فرمایا کہ اپنا روپیہ ساتھ لے جا۔ وہ بہت الحاح وزاری کرنے لگا کہ روپیہ قبول
کر لیا جائے۔ حضرت خواجہ نے فرمایا جا اس مرتبہ گھوڑا خرید لے۔ تجھے راس آئے گا۔
اور وہ روپیہ اس کو لوٹا دیا۔ پھر فرمایا کہ اگر کوئی چیز میں تجھے دکھلاؤں تو کسی دوسرے
سے ذکر نہ کرنا۔ اس کے بعد اس کو دریائے جمنا کی طرف رخ کرنے کو فرمایا اس نے دیکھا
کہ بے شمار سونے کے تنکے پانی میں تیر رہے ہیں اور جہاں تک اس کی نظر جاتی تھی
. . . . سونے کے تنکے ہی تنکے تھے۔

بشر حافیؒ کی لقمہ کے سلسلے میں غیر معمولی احتیاط

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ایک آدمی بشر حافیؒ کے پاس آیا اور درخواست کی کہ میرے گھر چل کر میری دعوت قبول فرمائیے میرے بھائی نے حلال کمائی سے مجھے روئی بھیجی تھی۔ میری بیوی نے اس کو کاتا ہے۔ اور میں نے اس سوت کو بیچ کر اس سے کھانا پکوایا ہے۔ حضرت بشر حافیؒ نے فرمایا کیا نہیں معلوم ہے کہ اس کپاس کا بیج کہاں سے لایا گیا تھا۔ اس نے جواب دیا۔ جی ہاں میں نے تحقیق کر لیا ہے وہ بھی حلال ہی کمائی سے حاصل کیا گیا تھا۔ اس آدمی نے کہا کہ میرے پاس کئی سال کا بادنجاں تھا۔ میں نے اسے بھی پکایا ہے۔ حضرت بشر حافیؒ نے فرمایا کہ اگر میں نے کسی کے گھر ایک وقت کا کھانا بھی کبھی کھایا ہوتا تو تمہارے گھر جا کر بھی ضرور کھاتا۔

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ حضرت فضیل عیاضؒ اور وہبؒ دونوں ایک مرتبہ ایک ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ وہب نے کہا اس زمین کا خستہ خرما بہت مزے دار ہوتا ہے۔ حضرت فضیل عیاضؒ نے کہا پہلے مزے دار تھا لیکن جس زمانہ سے خلیفہ ہارون الرشید کی بیوی زبیدہ نے اس جگہ نخلستان لگایا اس کی مٹھاس ختم ہو گئی۔ وہبؒ نے خوف سے ایک نعرہ مارا اور بے ہوش ہو گئے۔

حضرت شیخ ابو سعید تبریزیؒ کی لقمہ حلال کے بارے میں احتیاط

حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ شیخ جلال الدین تبریزیؒ کے پیر شیخ ابو سعید تبریزیؒ کے پاس خلیفہ نے روپیہ کی ایک تھیلی بھیجی۔ انہوں نے قبول نہ کیا۔ پھر ان کے خدام اور مریدوں کو وہ تھیلی لے جانے والے نے پیش کی ان لوگوں نے بھی قبول نہ کیا۔ جب وہ ناامید ہو کر باہر آنے لگا تو ایک خادم کی جوان لڑکی دروازہ پر کھڑی ہوئی تھی اس آدمی نے اس لڑکی کو تھیلی دیتے ہوئے کہا کہ کوئی اسے نہیں قبول کر رہا ہے۔ تم ہی اسے لے کر کار خیر میں خرچ کر دو۔

ایک مرتبہ شیخ تبریزیؒ کے پاس کھانے کو کچھ نہ رہا اور سات روز تک ان پر مسلسل فاقہ گزر گیا۔ ان پر اتنی کمزوری آ گئی کہ وہ نماز کے لیے بھی کھڑے نہ ہو سکتے تھے۔ خادم نے شیخ کو باسی روٹی کا ایک ٹکڑا لا کر دیا۔ شیخ نے اس کو کھایا۔ اس رات کو شیخ پر وہ واردات الٰہی نہ ہوئے جو برابر ہوا کرتے تھے۔ اس سبب سے حضرت شیخ بہت مغموم ہوئے۔ اور اپنے

چند روزہ اعمال کا محاسبہ کیا تو ان کو سوائے اس باسی روٹی کے ایک ٹکڑے کے اور کوئی چیز ایسی نہ معلوم ہوئی جو مشتبہ ہوتی۔ حضرت شیخ ابو سعید تبریزیؒ نے خادم کو بلا کر پوچھا کہ وہ باسی روٹی کہاں سے لائے تھے۔ خادم نے کہا کہ ایک مرتبہ خلیفہ نے جو روپیہ کی تھیلی بھیجی تھی اور آپ لوگوں نے نہیں لیا تھا۔ میں نے بھی نہیں لیا تھا۔ لیکن اس نے میری لڑکی کو دے دیا کہ یہاں کوئی نہیں لے رہا ہے اور مجھے واپس لے جاتے شرمندگی معلوم ہو رہی ہے، اسی روپیہ سے یہ روٹی پکائی گئی تھی اور وہ ٹکڑا اسی روٹی کا تھا۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ تم نے میرے ساتھ دوستی نہیں دشمنی کی۔ اور پھر اس کو اپنی خانقاہ سے نکال دیا۔

روز چہار شنبہ یکم شوال ۸۰۲ھ ہجری

شب معراج کا راز

حضرت مخدوم نے اول وقت فرمایا کہ ایک مرتبہ عید الفطر کے دن حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے امام حسن اور حسین علیہ السلام کو سکھلایا کہ آج عید کا دن ہے پیغمبر صلعم تم دونوں سے بہت خوشی اور بشاشت کا اظہار کریں گے لیکن تم لوگ سر جھکائے کھڑے رہنا۔ وہ تم کو پیار سے گودی میں لینا چاہیں گے تم خوشی سے نہ جانا۔ وہ یقینی پوچھیں گے کہ تم لوگ کیوں ناخوش ہو۔ پھر تم لوگ کہنا کہ آج عید ہے ہر شخص اپنے باپ اور نانا سے عیدی لے رہا ہے اور ہم دونوں کو آپ نے عیدی نہیں دی ہے۔ وہ کہیں گے کہ تمہارا دلدل اور گھوڑا کیا ہوا جو میں نے دیا تھا۔ تم کہو گے کہ آپ ہی نے تو فرمایا ہے کہ دنیاوی مال و متاع کا کوئی اعتبار نہیں ہے پھر ہم لوگ اس کو لے کر کیا کریں گے۔ پھر وہ کہیں گے اچھا بتاؤ آخرت کے لیے کون سی چیز تم لوگ چاہتے ہو تم لوگ خوب ان سے اقرار لے لینے کے بعد کہنا کہ شب معراج میں جو راز اللہ تعالے نے آپ سے کہا ہے ہمیں بتا دیجیے پھر ہم خوش ہو جائیں گے۔ چنانچہ ان دونوں نے ایسا ہی کیا۔ رسول اللہ صلعم کے پاس گئے جب انہوں نے لطف و پیار کا اظہار کیا تو وہ دونوں سر جھکائے ناخوش کھڑے رہے۔ رسول اللہ صلعم نے پوچھا کیوں مغموم ہو بیٹے! فاطمہؓ یا علیؓ نے تمہیں کچھ کہا ہے۔ ان لوگوں نے اسی سکھائے ہوئے جملوں کو کہا کہ سب لوگ اپنے باپ اور نانا سے عیدی لے رہے ہیں اور آپ ہم لوگوں کو عیدی نہیں دے رہے ہیں

رسول اللہ صلعم نے کہا تمہارا دلدل اور گھوڑا کیا ہوا؟ ان دونوں نے کہا کہ آپ ہی نے تو فرمایا ہے کہ دنیاوی مال و متاع اچھا نہیں ہوتا۔ رسول اللہ صلعم نے خوش ہو کر کہا کہ میرے بچے دنیوی مال و دولت سے خوش نہیں ہوتے اچھا بتاؤ آخرت کی کون سی چیز لے کر تم لوگ خوش ہو گے۔ ان دونوں نے کہا ہمیں شب معراج کا راز بتا دیجیے جو اللہ تعالے نے آپ سے کہا ہے پھر ہم لوگ خوش ہو جائیں گے۔ رسول اللہ صلعم نے تامل فرمایا کہ اللہ تعالے نے منع کیا ہے کو کسی سے نہ کہا جائے میں کس طرح بتاؤں۔ ان دونوں نے مچل کر کہا تو پھر نانا جان! ہم لوگ اس کے علاوہ اور کسی چیز سے خوش نہیں ہوں گے۔ رسول اللہ صلعم سوچ میں پڑ گئے اتنے میں جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہا کہ یہ لوگ آپ کے جسم کے حصّے ہیں۔ آپ ان سے جو چاہیں کہیں کوئی حرج نہیں۔ پھر رسول اللہ صلعم نے ایک بات حسین علیہ السلام کے کان میں کہی اور ایک بات حسن علیہ السلام کے کان میں۔ دونوں خوش خوش دوڑتے کودتے اپنی والدہ ماجدہ کے پاس پہنچے اور بتا دیا لیکن حسن علیہ السلام نے فاطمہؓ سے کچھ اور بات کہی اور حسین علیہ السلام نے کچھ اور۔ اسی درمیان میں امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے گھر میں خوشی اور چہل پہل دیکھ کر فرمایا آج اتنی خوشی کس بات کی ہے یہ محض عید کی وجہ سے ہے یا اور کسی وجہ سے؟ حضرت فاطمہؓ نے کہا ہم نے اس بہانہ سے شب معراج کا راز رسول اللہ صلعم سے معلوم کر لیا ہے۔ امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ نے مسکرا کر فرمایا صبح کو رسول اللہ صلعم نے شب معراج کا راز ہمیں بتا دیا تھا۔ فاطمہؓ نے فرمایا کہ پھر ابا جان نے مجھ سے کیوں نہیں کہا۔ علیؓ نے کہا رسول اللہ صلعم نے بتانے میں دریغ نہیں کیا لیکن استعداد اور صلاحیت کا دیکھنا ضروری تھا جب خدا اور رسولِ خدا نے تم کو اس لائق دیکھ لیا پھر کہہ دیا پھر علیؓ نے امام حسن اور حسین علیہ السلام سے بالکل مختلف بات بتائی۔ تینوں کی باتیں ایک جگہ جمع کر دی گئی ہیں اور ہر ایک نے رسول اللہ صلعم سے مختلف باتیں بیان نقل کی ہیں۔ اور ہر ایک نے اپنے اپنے طور پر مفہوم بھی ان باتوں کا بیان کیا ہے۔

روز پنجشنبہ ۲ر شوال المکرم ۸۰۲ھ

قاضی منہاج کا تذکرہ

ایک مرتبہ قاضی منہاج روزنامہ دار دیوان عرض، جو کہ حضرت مخدوم کے ساتھ رہتے تھے، کا ذکر نکل آیا۔ حضرت مخدوم نے

فرمایا کہ بچپن سے بڑھاپے تک بلکہ اس وقت تک جب تک کہ وہ مجھ سے مرید نہ ہوئے تھے ہمارے خواجہ کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ ایک دن میں نے ان سے کہا کہ آیئے میں آپ کو حضرت خواجہ کے پاس مرید ہونے کے لیے لے چلوں میرے سامنے سر جھکا کر کھڑے رہے لیکن جس روز ان کے مرید ہونے کے لیے جانے کا وعدہ تھا وہ نہیں آئے۔ مجھے رنج ہوا۔ میں نے کہا یہ کیسی محبت آپ کی میرے ساتھ ہے کہ میرے خواجہ سے آپ مرید نہیں ہوتے ہیں۔ میں نے خود کہا، مولانا علاؤالدین نے درخواست کی کہ حضرت خواجہ مُلک سلوک کے بادشاہ ہیں اس لیے تمام عالم کو ان کے زیرنگیں ہونا چاہیے۔ ہم لوگوں کی کیا مجال کہ کسی اور کو ارشاد دیں۔ لیکن وہ نہ مانے۔ حضرت خواجہ کے انتقال کے بعد یہ مجھ کو دوست اور ہم خرقہ سمجھنے لگے۔ میں نے دل میں یہ خیال کیا کہ اگر میرے سامنے یہ کسی سے بیعت ہونا چاہیں گے تو میں ان کی تربیت کر دوں گا۔ چالیس سال تک اس کے بعد وہ مجھ سے مرید نہ ہوئے۔ آخر وقت میں جا کر مجھ سے مرید ہوئے۔ پچاس سال کی مدت تک وہ ایک طرح رہے اور میں نے بھی ان سے صراحتاً یا کنایتاً شب و روز کے اتنے خلط ملط ہونے کے باوجود کبھی مرید ہونے کے لیے نہیں کہا۔ تقریباً پچاس سال کے بعد انہوں نے مجھ سے مرید ہونے کی خواہش ظاہر کی۔ خاکسار کا خیال ہے کہ حضرت مخدوم کی صحبت سے وہ اس مقام پر پہنچ گئے کہ ان کی بات سلوک میں شہر کے مشائخ اور ہندوستان و ترکستان کے صوفیا نہیں سمجھتے تھے۔

محمد پردہ دار کے مُرید ہونے کا تذکرہ

حضرت مخدوم نے فرمایا اسی طرح محمد پردہ دار بھی کئی سال تک ساتھ رہنے کے باوجود مرید نہ ہوئے۔ آخر عمر میں مرید ہوئے۔ اور اس کے بعد فوراً بیمار ہوئے اور انتقال کر گئے۔ مرید ہونے کے بعد ان سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے مرید ہونے میں اتنی دیر کیوں کی۔ کیا حضرت مخدوم کے بارے میں آپ کو کوئی شبہ تھا۔ انہوں نے کہا کہ میرے دیر میں مرید ہونے کی وجہ یہ سبب نہ تھا بلکہ بات یہ تھی کہ مجھے دن رات گھر گھر کے دروازے جانا پڑتا تھا اور ہر جگہ حضرت مخدوم کا ذکر آتا تھا اس وقت میں ان کے بارے میں عقیدت اور عزت کا اظہار کرتا تھا جو میرے دل میں تھی۔ اور مجھے خیال تھا کہ اگر وہ لوگ پوچھیں گے کہ کیا تم ان کے مرید ہو تو میں کہوں گا کہ نہیں میں مرید نہیں ہوں

لیکن اس کے باوجود ایسا ہی سمجھتا ہوں، اس سے وہ یہ نہ کہہ سکیں گے کہ ہاں یہ مرید ہیں اس لیے اپنے پیر کی تعریف کر رہے ہیں، اور پھر میری بات بے وزن نہ ہوگی۔ اس لیے میں چاہتا تھا کہ جب تک میں حضرت مخدوم کی مدح ثنا کروں اور لوگوں کو وہ باوزن اور صحیح معلوم ہوتا ہے میں مرید نہ ہوں لیکن اب جب کہ میں نے دیکھا کہ موت کا فرشتہ سامنے کھڑا ہے تو پھر میں نے اس سعادت کو حاصل کر لینا ضروری سمجھا کہ اس سے محروم نہ رہ جاؤں۔ چنانچہ ہوا بھی یہی کہ وہ مرید ہو کر گھر گئے، بیمار ہوئے اور انتقال فرما گئے۔ دوبارہ وہ حضرت مخدوم کی قدمبوسی کے لیے نہ آسکے۔

دریا کا سفر بہت خراب ہوتا ہے

اس کے بعد قصبہ ابرج سے ایک صوفی صورت شخص خانہ کعبہ جاتے ہوئے یہاں پہنچے اور کہا کہ میں خانہ کعبہ جانے کے ارادے سے باہر نکلا ہوں۔ حضرت مخدوم نے فرمایا حج بیت اللہ کرنا بہت اچھا کام ہے۔ لیکن دریا کا سفر بہت خراب اور منحوس ہوتا ہے۔ اس لیے کہ اس میں امور دینی کی بجا آوری میں بہت غفلت اور تکاہلی ہوتی ہے۔ اس میں بے ستری، فوت نماز، اور درود وظائف کا ناغہ، وضو اور استنجا میں پانی کی کمی اور کوتاہی سب ہی کچھ ہوتا ہے۔ عورت اور مرد ایک جگہ وضو کرتے ہیں۔ دین دار قسم کے لوگ اس طرح کی بات پسند نہیں کرتے کہ ایک نفل کے بجا لانے میں بہت سے فرائض کو ترک کر دیا جائے اور مبہمات کے مرتکب ہوں۔ اپنے بعض دوستوں سے، جنہوں نے حج کیا تھا، میں نے پوچھا کہ حج کے لیے جو تم لوگ گئے تھے۔ تم لوگوں کا یہی مقصد تھا نا کہ کچھ مال و متاع حاصل ہو جائے اور طواف و سعی، روزہ، نماز اور خانہ کعبہ کی زیارت ہو جائے؟ ان لوگوں نے کہا کہ آپ نے جو فرمایا اس کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔ میں نے کہا تو پھر اس طرح کے لوگوں کا حج مقبول نہیں ہے۔

حضرت ابو یزیدؒ کا حج بیت اللہ

ایک سال حضرت ابو یزیدؒ زیارت خانہ کعبہ کے لیے گئے۔ لوگوں نے پوچھا کہ آپ کا حج تو قبول ہوا نا؟ انہوں نے کہا نہیں۔ لوگوں نے کہا یہ آپ کیا فرما رہے ہیں۔ انہوں نے کہا میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ وہاں بھی جا کر میں نے یہی پتھر، اینٹ اور مٹی دیکھی۔ گھر تو دیکھا لیکن گھر کے مالک کو نہیں دیکھا۔ دوسرے سال وہ پھر حج خانہ کعبہ کے لیے تشریف لے گئے۔ لوگوں نے ان سے پھر وہی سوال کیا۔ حضرت ابو یزیدؒ نے فرمایا کہ اس بار قبولیت کی

علامت تو کچھ ظاہر ہوتی تھی۔ لوگوں نے پوچھا وہ کس طرح ؟ انہوں نے کہا مکان کو مکین کے ساتھ میں نے دیکھا۔ تیسرے سال پھر وہ حج کے لیے تشریف لے گئے۔ لوگوں نے پوچھا اس سال آپ کا حج کیسا ہوا انہوں نے فرمایا کہ اس مرتبہ حج میرا بفضلہ قبول ہوا اس لیے کہ ہر طرف مکین ہی مکین تھا مکان کا پتا نہ تھا۔

اس کے بعد مجاہدہ کے بارے میں ذکر نکل آیا۔ اس کی شرائط کے متعلق حضرت مخدوم نے بہت مبالغہ سے کام لیا اور یہ شعر پڑھا :

ترسم نہ رسی بہ کعبہ اعرابی کیں رہ کہ تو می روی بہ ترکستان است

پھر یہ رباعی پڑھی :

عیاں را ز خار باشد مفرش عیار نہ پائے ازیں راہ بکش

تا در نہ زنی ہر چہ داری آتش ہرگز نہ شود حقیقت عیش تو خوش

دنیا اور اہل دنیا کی خرابی کا ذکر

اس کے بعد دنیا اور اہل دنیا کے فساد اور خرابی کا ذکر نکل آیا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ دنیا میں جو آتے ہیں یا تو وہ باقی نہیں رہتے اور جو رہتے ہیں وہ اپنے کو عاقل، عالم، مفتی، مجتہد شیخ اور دانش مند سب ہی کچھ سمجھتے ہیں۔ دنیا کی یہی خاصیت ہے۔

امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ

جامع الکبریٰ میں لکھا ہے کہ خلیفہ کے سامنے جب امام محمدؒ کا بار بار ذکر کیا گیا تو اس نے ان کو امامت دینا چاہا۔ امام ابو یوسفؒ کو معلوم ہوا تو وہ بہت متردد ہوئے۔ خلیفہ سے جا کر کہا کہ وہ (امام محمدؒ) معذور ہے، امامت اس کے لیے جائز نہیں اس لیے کہ اسے سلسل بول کا مرض ہے۔ خلیفہ نے کہا میں نے ان کی بہت تعریف سنی ہے اس لیے ان سے ملاقات کرنی چاہتا ہوں۔ امام ابو یوسفؒ امام محمدؒ کے پاس آئے اور کہا خلیفہ تم سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں ان کے پاس زیادہ دیر تک نہ بیٹھنا اور زیادہ بات نہ کرنا، تھوڑی ہی دیر کے بعد اُٹھ جانا۔ وہ تنگ مزاج آدمی ہیں جلد ہی رنجیدہ ہو جاتے ہیں۔ یہ سب کہہ سُن کر ان کو لے گئے عصر کے وقت ملاقات ہوئی۔ موذن کو اذان دینے کا حکم ہوا۔ اس نے اذان دی۔ پھر خلیفہ نے امام محمدؒ کی طرف دیکھ کر اُٹھنے کا اشارہ کیا۔ امام ابو یوسفؒ نے خلیفہ سے عرض کیا کہ میں پہلے حضور سے عرض کر چکا ہوں کہ وہ سلسل بول کے مریض ہیں۔ امام محمدؒ

اس وقت وضو کے لیے گئے ہوئے تھے۔ جب انہوں نے یہ بات سُنی کہ خلیفہ کے سامنے امام ابو یوسفؒ نے ان کو سلسل بول کا مریض بتایا ہے تو وہ بہت رنجیدہ ہوئے اور کہا انہوں نے جھوٹ مجھے اس بیماری کا مریض مشہور کیا ہے لیکن اللہ ان کو حقیقت میں اس مرض میں مبتلا کر دے گا چنانچہ آخر عمر میں امام ابو یوسفؒ واقعی سلسل بول کے مریض ہو گئے تھے اور اسی مرض میں وہ مرے۔ یہ عجیب قسم کی حکایت ہے لیکن جامع الکبریٰ کے علاوہ کسی مستند کتاب میں میں نے یہ حکایت نہیں دیکھی۔

خواجہ قطب الدین کاکیؒ کا وصال کب ہوا

عشاء کی نماز کے بعد میں نے عرض کیا کہ شیخ الاسلام حضرت قطب الدینؒ کا وصال عہد غیاثی میں ہوا تھا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ایک قصہ جو مشہور ہے اس سے تو پتا چلتا ہے کہ ان کا وصال عہد شمشی میں ہوا تھا۔ خاکسار نے عرض کیا کہ وہ قصہ کیا ہے حضرت مخدوم نے فرمایا کہ جب شیخ الاسلام حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اجمیر سے دہلی تشریف لائے تو حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ نے ان کی اسی طرح عزت و احترام اور عقیدت سے پذیرائی کی جو ایک مرید اپنے پیر کے ساتھ کر سکتا ہے۔ جب دونوں گھر آئے تو حضرت خواجہ قطب الدینؒ نے دست بستہ عرض کیا کہ اللہ تعالےٰ نے کسی سبب سے حضرت کے قدم مبارک سے اس شہر کو منور فرمایا۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے فرمایا کہ بابا بختیار! میں نے کچھ کھیتی کی تھی۔ وہ اب رنگ پر آگئی ہے اس کے لیے مقطع فرمان شاہی کی اب ضرورت ہے۔ لڑکوں نے مجھے زور دے اس طرف بھیجا ہے۔ تم یہاں بہت عرصہ سے رہ رہے ہو میری رہبری کرو۔ اور بتاؤ کہ کس کو کہنے سے میرا یہ کام ہو جائے گا۔ حضرت قطب الدینؒ نے دست بستہ عرض کیا کہ اپنے خادم کو حضور اس کام کے کرنے کا حکم فرمائیں۔ آپ کیوں تکلیف فرمائیں گے آپ کا خادم اس کام کو کر دے گا۔ حضرت خواجہ نے فرمایا اچھا جاؤ کر دو۔ چنانچہ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ حضرت خواجہ کی خدمت سے فارغ ہو کر سلطان شمس الدین کے دربار کی طرف روانہ ہوئے۔ سلطان نے جیسے ہی سُنا کہ حضرت قطب الدینؒ آرہے ہیں وہ تخت سے اُتر کر پا پیادہ دوڑا اور دوسرے صحن میں ان سے ملاقات کر کے وہیں زلیچہ اور فرش فروش لگوا کر بیٹھ گیا کہ حضرت کو اوپر جانے میں تکلیف ہو گی۔ سلطان بہت متحیّر تھا کہ کئی بار میں خود شیخ کی خانقاہ کی طرف گیا تھا لیکن شیخ نے دروازہ بند کر لیا اور مجھ سے ملاقات

نہ کی تھی، آج وہ خود تشریف لائے ہیں۔ آخر ان کے آنے کا کیا سبب ہو سکتا ہے۔ اس نے پوچھا کہ حضرت نے کس سبب سے اپنے خادم کو نوازا ہے۔ شیخ قطب الدینؒ نے فرمایا کہ اجمیر شریف سے میرے پیر تشریف لائے ہیں اور یہ ان کا کام ہے۔ سلطان نے اسی وقت اور اسی جگہ فرمان مرتب کرنے کا حکم دیا۔ اس درمیان میں شیخ الاسلام شہر مولانا نجم الدین صغرا اور مولانا شمس الدین حلوائی تشریف لے آئے۔ اور وہ حضرت قطب الدینؒ سے اونچی جگہ پر بیٹھے۔ یہ بات سلطان کو ناگوار گزری اور اس نے ناراضگی کا اظہار کیا۔ مولانا حلوائی نے کہا ان کو کاکی (روٹی) کہا جاتا ہے اور مجھ کو حلوائی۔ اور حلوا ہمیشہ روٹی کے اوپر رہتا ہے۔ سلطان اس جملہ سے اور کبیدہ خاطر ہوئے اور حکم دیا کہ تم لوگ دربار میں اپنی جگہ پر جا کر بیٹھو۔ چنانچہ دونوں وہاں سے ہٹ گئے۔ سلطان نے اپنے سامنے فرمان مرتب کرایا اور اس کے ساتھ ایک تھیلی بھی زر و جواہر سے بھری حوالہ کی۔ حضرت قطب الدین اس فرمان اور سیم و زر کی تھیلی کے ساتھ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت خواجہ نے پوچھا بابا بختیار یہ کیا ہے۔ شیخ قطب الدینؒ نے فرمایا حضرت! یہ مزرعہ کا فرمان ہے اور یہ سیم و زر کی ایک تھیلی بطور نذر۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی تھیلی کے آنے سے کبیدہ خاطر ہوئے اس لیے کہ یہ بات ان کے مزاج اور طبیعت کے خلاف تھی۔

مولانا نجم الدین صغریٰ اور حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ

مولانا نجم الدین صغریٰ اور حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے درمیان تعلقات دیرینہ تھے اس لیے حضرت خواجہ مولانا نجم الدین صغریٰ سے ملنے گئے۔ مولانا گھر کا چبوترا درست کرا رہے تھے۔ حضرت خواجہ کو دیکھ کر انہوں نے منہ پھیر لیا۔ اور جس طرف حضرت خواجہ جاتے اس طرف سے منہ پھیر لیتے۔ آخر حضرت خواجہ نے فرمایا "نجم الدین! مجھ سے منہ پھیرتے ہو شاید اس لیے کہ دہلی کے شیخ الاسلام ہو گئے ہو۔" یہ کہنے پر پھر وہ ملے اور اپنا گلہ شکوہ شروع کر دیا کہ آپ میرے ساتھ اس سے بڑھ کر کیا ظلم کر سکتے تھے کہ آپ نے بختیار کو مجھ پر بلا کی طرح مسلط کر دیا ہے۔ سارا شہر اس کا گرویدہ ہے اور مجھے ہر طرف سے اکھاڑ دیا ہے۔ حضرت خواجہ نے کہا اگر تمہیں اس سے تکلیف ہے تو میں اسے ساتھ لیے جاتا ہوں۔ مولانا نے کہا بہت اچھا ہو جو آپ ایسا کر دیں۔ وہاں سے حضرت خواجہ قیام گاہ پر واپس ہوئے تو حضرت قطب الدین بختیار

کو کہا۔ "بابا بختیار! اس شہر میں تم نے زندگی اچھی طرح نہیں گزاری۔ شہر کے تمام بزرگوں کو تم نے اپنا دشمن بنالیا ہے۔ تم میرے ساتھ چلو۔ میں تم کو اپنا شیخ بنادوں گا اور خود تمہارا خادم رہوں گا۔" حضرت قطب الدین دوڑ کر قدموں پر گر پڑے۔ اور کہا میں حضرت کے گھر کا غلام ہوں۔ مجھ کو ان باتوں سے کیا نسبت۔ اور میرے لیے اس سے بڑھ کر کیا سعادت اور دولت ہوگی کہ حضرت کے قدموں کے پاس رہوں۔ غرض دونوں روانہ ہوئے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی گھوڑے پر سوار تھے اور زین پوش حضرت قطب الدینؒ کے کاندھے پر تھا۔ گھوڑے کے ساتھ پیادہ دوڑ رہے تھے اور دہلی کی خلقت شیخ قطب الدین کے پیچھے دوڑ رہی تھی۔ جس جگہ ان کا قدم پڑتا تھا لوگ وہاں کی مٹی اٹھا کر آنکھوں سے لگاتے تھے اور تبرک رکھتے تھے۔ ہر طرف سے آہ و فغاں کی صدا آرہی تھی۔ حضرت خواجہ نے جو یہ منظر دیکھا تو کہا۔ "بابا بختیار! اس شہر کے لوگ اور یہاں کی مٹی تم کو چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہے۔" یہ کہہ کر واپس کر دیا۔ اور انہوں نے وہیں سے حضرت خواجہ کو رخصت کیا۔ اس کے بعد دو تین ماہ سے زیادہ وہ اس دنیا میں نہیں رہے۔ اس قصہ سے پتا چلتا ہے کہ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کا وصال سلطان شمس الدین کے عہد میں ہوا۔ خاکسار نے عرض کیا کہ اسی طرح کا ایک دوسرا قصہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ سلطان شمس الدین کی بیٹی سلطانہ رضیہ جب اپنے باپ کے انتقال کے بعد دہلی کے تخت پر بیٹھی تو اس کے سات سالہ عہدِ حکومت میں ظلم و تعدی اور گندگی اتنی زیادہ بڑھ گئی کہ حضرت خواجہ قطب الدینؒ، شیخ احمد کوجرہ، شیخ کریم الدین اور اس وقت کے دوسرے صوفیا سبھوں نے مل کر چالیس روز تک اس کے زوال اور تباہی کی دعا کی یہاں تک کہ اس کا زوال ہوا اور وہ ماری گئی۔ اس قصہ سے پتا چلتا ہے کہ شیخ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا وصال عہد شمسی میں نہیں ہوا تھا۔ خاکسار کی یہ روایت سن کر حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ہاں یہ قصہ بھی مشہور ہے لیکن ہمارے صوفیا کے درمیان پہلا ہی قصہ مشہور ہے۔ واللہ اعلم بحقیقتہ

شیخ مجد الدین بغدادی اور حضرت نجم الدین کبریٰ کا قصہ

اسی طرح کا ایک اور قصہ حضرت مخدوم نے بیان کیا کہ ہمارے خواجہ فرماتے تھے کہ شیخ مجد الدین بغدادی شیخ نجم الدین کبریٰ کے مرید تھے۔ لیکن عوام میں مقبولیت اور لوگوں کی توجہ شیخ مجد الدین بغدادی کو اپنے پیر شیخ

نجم الدین کبریٰ سے زیادہ حاصل تھی۔ یہ بات کسی نے شیخ مجدالدین کے سامنے پیش کی۔ انہوں نے کہا اس سے کیا فرق پڑتا ہے بط کا انڈا مرغی کے نیچے رکھا جاتا ہے۔ بط کا بچہ جب اس سے نکل آتا ہے تو پھر وہی بڑا ہو کر پانی میں تیرتا، اچھلتا اور کودتا ہے اور مرغی پانی کے کنارے کھڑی رہتی ہے۔ یہ بات جب شیخ نجم الدین کبریٰ نے سُنی تو انہوں نے جلال میں آ کر فرمایا کہ وہ مسجد سے سر ٹکراتا ہے۔ اس واقعہ کو زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ شیخ مجدالدینؒ کے معتقدوں نے ان کو مار ڈالا۔ اور ان کا سر تن سے جُدا کر دیا۔ خواجہ محمود دلقایا نے جو کہ مولانا برہان الدین غریبؒ کے دوست تھے۔ حضرت مخدوم سے کہا کہ کون الیسا مرید ہو گا جو اس طرح کی بات اپنے پیر کی شان میں زبان سے نکالے۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ یہ قصہ میں نے مسافروں سے سُنا ہے۔ حقیقت کیا تھی کون جانے۔

روز جمعہ ۳ر شوال المکرم ۸۰۲ھ

چاشت کے وقت جماعت اور طائفہ کے حق کی ادائگی کا ذکر نکل آیا حضرت مخدوم نے فرمایا کہ آدمی جس کام میں بھی ہوتا ہے اس کا حق اور عہدہ ہوتا ہے۔ جو بھی اس سے پوچھے اس کا جواب صحیح، مناسب اور شائستہ دینا چاہیے۔ کہ کسی کو اس کی بات پہ انگلی اٹھانے کی نوبت نہ آئے۔ اگر معاذ اللہ سوئی کے ناکہ برابر بھی اپنی بات سے تجاوز کر جاتا ہے تو وہ عقلمندوں کے نزدیک قابل ملامت ٹھہرے گا۔ بس جو شیخ ہے اور شیوخت کے مسند پہ بیٹھتا ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ جس طائفہ کا بھی آدمی اس کے پاس اس کے لیے جو بہتر ہو ہر طرح اس کو کوشش گذار کرے تاکہ وہ اس پہ عمل کرے اور نیک بختوں میں شامل ہو ورنہ کم از کم وہ تو اپنا حق ادا کر دے گا۔ اور اس عظیم عہدہ کو سر انجام دینا بہت مشکل کام ہے۔ اس کے بعد بھی اگر اس سے کوئی غلطی ہو گی تو وہ قابل ملامت اور مواخذہ نہیں سمجھا جائے گا۔ بلکہ ممدوح و محمود ہو گا۔ شیخ ہونے کے بعد عزت نفس کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے اور اگر شیخی اس کا کام نہیں ہے اور استرشاد النفس مع اللہ وہ کرتا ہے تو گرچہ اس کا مرتبہ بڑا ہے لیکن وہ شیخی کی منزل پہ نہیں سمجھا جائے گا اور نہ اس کو شیوخت کا مقام حاصل ہو گا۔ جو کہ شیخ ہوا وہ یا تو منزل ہے یا جمع الجمع میں ہے۔ ان دو حالتوں کے بغیر

شئی میسر نہیں ہوتی۔ رسول اللہ صلعم کی نوازدواج نہیں۔ وہ مقام جمع الجمع تھے یعنی حق کے ساتھ شہود و خلق پر قائم تھے۔ اسی طرح امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ جنگ صفین میں آنکھ بند کر کے تیغ چلا رہے تھے اور مشہور ہے کہ اس روز ان کے ہاتھ سے کئی ہزار آدمی تہہ تیغ ہوئے عشاء کی نماز کے بعد دونوں لشکر جدا ہو گئے۔ علی رضی اللہ عنہ خون میں ڈوبے ہوئے تھے۔ جسم پر پانچ زخم آئے تھے اور تیغ کا دستہ ہاتھ میں اس طرح چپک گیا تھا کہ کسی طرح چھوٹتا ہی نہ تھا۔ گوشت و پوست سے گزر کر ہڈی تک پیوست ہو گیا تھا۔ اور اسی طرح انگلیاں بھی چپکی ہوئی تھیں۔ خوب مشک سے پانی گرایا گیا تو خون دھلا اور زور لگا کر انگلیوں کو تیغ کے دستہ سے ہٹایا گیا۔ وہ بھی جمع الجمع ہی کے مقام پر تھے۔ اس کے بعد حضرت مخدوم نے فرمایا کہ میں نے یہ دو غزلیں ابھی لکھی ہیں: ؎

در روئے تو آں جمال دیدم — در صنع خدا کمال دیدم
ابروے ترا سجود آرم — چہ قبلۂ اہل حال دیدم
اہل سخنم ولے زبانم — در وصف لب تو لال دیدم
ترکیب وجود آں جواں مرد — بر نقطۂ اعتدال دیدم
یک روز بگشت باغ رفتم — بر قد تو یک نہال دیدم
گویند بسر دو نخل ماند — من طوبیٰ را مثال دیدم
گر حکم کند بجاں ابوالفتح — از جان و دل امتثال دیدم

غزلے دیگر

منم در عشق بازی پیر گشتہ — ولایت درد و غم را میر گشتہ
نہم سر در پریشانی ضرورت — کہ زلف پاکشاں زنجیر گشتہ
مگر جعدش بپیچید در گلویم — شدم دیوانۂ تدبیر گشتہ
وضوء عشق را بر قول عشاق — زخون دیدگاں تقدیر گشتہ
جوانی عشق در پیری فراغت — تو گوئی مشک بودہ سیر گشتہ
مرا عمر بیست در خرابات گذشتم — بہ تقویٰ و عبادت دیر گشتہ

سب کام کا انحصار تقدیر پر ہے

جمعہ کی نماز کے بعد تقدیر پر بات نکل آئی کہ ہر کام کا انحصار تقدیر پر ہے۔ حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ بہادر آدمی جو میدان جنگ میں آتا ہے وہ نہیں سوچتا ہے کہ وہ مارا جائے گا۔ اور اگر اس کے ذہن میں یہ بات آجائے تو پھر وہ لڑنے کے لیے میدان جنگ میں نہیں جا سکتا۔ ایک آدمی اس کی صف میں سے تلوار کھا کر گرتا ہے اور وہ فوراً اس کی جگہ لے لیتا ہے۔ اور جب تک اس کی موت کا وقت اللہ کی طرف سے مقدر نہیں ہوا ہے وہ چاہے کسی خطرناک جگہ پر جائے اس کو کچھ ڈر نہیں۔ اس کا بال بیکا نہیں ہوگا نہ اسے کوئی گزند پہنچے گا۔ اور خواہ اس کو کتنا ہی کاری زخم آئے لیکن وہ زندہ رہے گا اور اگر اس کی موت کا وقت آگیا ہے تو وہ معمولی زخم سے بھی مرجائے گا۔ اسی کے حسب حال حضرت مخدوم نے ایک قصہ بھی بیان فرمایا کہ خالد بن ولیدؓ کا انتقال کسی بیماری سے ہوا تھا۔ مرنے کے وقت انھوں نے اپنے لوگوں کو جمع کیا اور اپنے جسم کا تمام کپڑا اتار کر اپنا جسم دکھلایا جس پر زخم ہی زخم کے نشانات تھے دو انگلی جگہ بھی زخم کے نشان سے خالی نہ تھی پھر فرمایا کہ اے میرے عزیزو! جانو اور یقین کرو کہ سب کام تقدیر سے ہے۔ کتنی جنگیں میں لڑا ہوں، بے شمار زخم میرے جسم پر آئے ہیں اور ہمیشہ میں شہادت کا طلب گار بھی رہا لیکن جب میرے مقدر میں یہ نہ تھا نہ ہوا۔ اور آج تم سب دیکھ رہے ہو کہ میں پلنگ پر پڑا مر رہا ہوں انا اموت کالعیر علی الارض یعنی جیسے گورخر زمین پر پڑا مر رہا ہو۔ اس لیے بہادر بنو اور جنگ سے نہ بھاگو مرنے سے نہ ڈرو۔ اس لیے کہ اگر مرنا مقدر نہیں ہوا ہے تو ہرگز نہ مروگے اور اگر موت کی گھڑی آگئی ہے تو پھر کسی نہ کسی بہانہ سے ضرور مروگے۔ اس لیے مرنے کے ڈر سے جنگ سے نہ بھاگو اور قدم پیچھے نہ ہٹاؤ۔

کند ہم جنس با ہم جنس پرواز

عصر کی نماز کے بعد بڑے امرا کے مقربان کے بارے میں تذکرہ نکل آیا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ قال علیہ السلام ان للہ ملکا یسوق الاہل الی الاہل یعنی اللہ تعالے اپنے فرشتوں کے ذریعہ ہم جنس کو ہم جنس سے ملا دیتا ہے۔ کند ہم جنس با ہم جنس پرواز۔ ہم جنس کی ہم جنس کی طرف کشش کو رسول اللہ صلعم نے فرشتہ کہا ہے اگر کسی مقرب اور مصاحب میں ظالم اور جابر بادشاہ جیسی خصلت نہیں ہے اور وہ اس کا ہم جنس نہیں ہے تو وہ کبھی بھی اس ظالم

بادشاہ کے نزدیک نہیں جائے گا اور نہ اس کے دربار سے وابستہ ہوگا یا جو بھی کوئی عذر کرے لیکن حقیقت یہی ہے۔

دنیا اور اہل دنیا کے زوال و فنا کی مثال

عشاء کی نماز کے بعد دنیا اور دنیا والوں کی موت، زوال اور فنا پر بات نکل آئی۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ جب حکیم بزرجمہر نے کلیلہ دمنہ، ہندوستان کی مشہور کتاب کو نوشیرواں عادل کی خدمت میں پیش کیا تو بادشاہ نوشیرواں نے اس سے کہا کہ انعام میں جو مانگنا چاہتا ہے مانگ، بزرجمہر حکیم نے کہا کہ بادشاہ سلامت دنیا کا مال و متاع اس کی قیمت نہیں ہوسکتی۔ البتہ اگر اجازت ہو تو اس فانی دنیا اور اہل دنیا کے بارے میں ایک مثال جو عرصہ سے میرے دل میں محفوظ ہے، اس کتاب کے شروع میں لکھ دوں۔ بادشاہ سے اجازت لینے کے بعد اس نے لکھا کہ اس فانی دنیا اور اہل دنیا کی مثال ایسی ہی ہے کہ ایک آدمی کے پیچھے ایک دیوانہ اونٹ مار ڈالنے کے لیے دوڑتا ہے وہ آدمی بھاگتا ہوا ایک کنویں کے پاس پہنچتا ہے اور جان بچانے کے لیے اس میں کود پڑتا ہے کنویں کے اندر ایک درخت ہے اس کے دو شاخ پر یہ جا کر اٹک جاتا ہے۔ نیچے دیکھتا ہے کہ ایک اژدھا منہ کھولے بیٹھا ہوا ہے۔ اور ہر طرف سیاہ، سفید، زرد اور لال رنگ کے سانپ پھیلے ہوئے ہیں جو اسے کاٹنے کے لیے دوڑتے ہیں۔ اور یہی نہیں بلکہ اس دو شاخ کے اوپر، جس پر کہ وہ آدمی بیٹھا ہوا ہے، دو چوہے۔۔ایک سفید اور ایک سیاہ۔ بھی بیٹھے ان شاخوں کو کتر رہے ہیں۔ اگر وہ آدمی کنویں میں گرتا ہے تو اژدھا کے منہ میں جاتا ہے۔ علاوہ ازیں وہ چاروں رنگ کے سانپوں میں سے بھی کوئی سانپ اس کو کاٹ سکتا ہے۔ اور سب سے عجیب اور حیرت انگیز امر یہ ہے کہ اسی خطرناک حالت میں اس کی نظر شہد کی مکھی کے چھتہ پر پڑ جاتی ہے جو اس کنویں میں لگا ہوا ہے اور وہ اس کو چاٹنے لگتا ہے۔ وہ دیوانہ اونٹ تو موت ہے۔ وہ دونوں سفید اور سیاہ چوہے وہ دن اور رات ہیں جو کہ زندگی کی شاخ کو کاٹ رہے ہیں۔ اور یہ چاروں چار رنگ کے سانپ، سودا، صفرا، خون اور بلغم کے اخلاط ہیں کہ ان میں سے کسی کی زیادتی اور غلبہ سے انسان مر سکتا ہے۔ شہد اور اس کو چاٹنا زندگی اور اس کی لذتیں ہیں جس میں انسان گرفتار ہے۔ طویل عمر اور زندگی کی دعا مانگنے کی مثال ایسی ہے کہ ایک آدمی دریا میں کشتی پر سوار چلا جا رہا ہے۔ وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ اس دریا سے کوئی شخص سلامت کنارہ پر نہیں پہنچ پایا ہے۔ اس دریا میں بالآخر سب کو ڈوبنا ہی ہے۔ بلکہ ایک اس دریا

میں طوفان اُٹھا کشتی اتھل پتھل ہونے لگی۔ دریا میں ڈوبنے کا خطرہ سامنے آ گیا۔ اس کشتی پر سوار آدمی سر بہ سجود ہو کہ اللہ سے سلامتی کی دُعا مانگ رہا ہے یا کوئی تدبیر کر رہا ہے۔ مگر ان باتوں کا انجام اور حاصل کیا ہے وہی ڈوبنا، ڈوبنا۔ ابھی نہیں تھوڑی دیر یا کچھ دن کے بعد سہی۔ لیکن ڈوبے گا ضرور۔

روز شنبہ ۴ر شوال المکرم ۸۰۲ھ

صورت شکل کو اچھی حالت میں رکھنا

چاشت کے وقت خاکسار نے سبحۃ الصحابہ کی یہ روایت پڑھی عن انسؓ انّ رسول اللہ صلعم کان یکثر دھن راسہ وتسریج لحیتہٖ قال بعض المحققین وربّما یظنّ الجاھل انّ ذالک من التزئین للناس قیاسًا علیٰ اخلاقہٖ وتشبھًا للملٰئکۃ بالحدادی وھبھا فقد کان صلعم مامورًا بالدعوۃ وکان من وظائفہٖ ان یسعیٰ فی تعظیم امر نفسہٖ فی قلوبھم کیلا تنذدریہٖ نفوسھم ویحسن صورتہٖ فی اعینھم کیلا یستصغر اعینھم فینفرھم ویتعلّق المنافقون بذالک فی التنفیر بھم وھذ القدر واجبٌ علیٰ کلّ عالم تصدی الدعوۃ الحق الی اللہ وھو ان یراعی بظاھرہٖ مایوجب نفرۃ الناس عنہ۔ یعنی رسول اللہ صلعم سر میں تیل برابر لگاتے تھے اور ریش مبارک میں بار بار کنگھا فرماتے۔ جاہل لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ سب تزئین نفس کے لیے تھا۔ لیکن حقیقت میں یہ بات نہ تھی۔ بلکہ پیغمبر علیہ السلام چونکہ دعوت الٰہی کے لیے مبعوث ہوئے تھے۔ اس لیے ضروری تھا کہ مقتدا اور ہادی اپنے کو لوگوں کی نظر اور دل میں بزرگ اور پرکشش بنانے کی کوشش کریں۔ تاکہ لوگوں کی نظر ان کی صورت کی بدنمائی اور نفس کی اہانت کے باعث نفرت کا سبب نہ بن جائے۔ اور دشمنوں کو عوام میں ان کے خلاف نفرت پھیلانے کا موقع ہاتھ نہ آئے۔ یہ سُن کر حضرت مخدوم نے فرمایا کہ قوت القلوب میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلعم جب عمامہ سر پر باندھتے تھے تو عائشہؓ سے پوچھتے تھے کہ کیسا بندھا ہے۔ اور پہلی روایت سے بھی زیادہ غریب یہ روایت آئی ہے کہ ایک مرتبہ کچھ لوگ رسول اللہ صلعم سے شرف ملاقات حاصل کرنے کے لیے آئے ہوئے تھے۔ جانے کے وقت آپ نے

عمامہ باندھا تو پانی میں اپنا عکس دیکھ لیا کہ ٹھیک بندھا ہے یا نہیں۔ رسالہ آداب پیر و مرشد میں محی الدین ابن اعرابی نے لکھا ہے کہ یجب علی الشیخ ان یظہر علی المرید ما احیب ھیئتہ و اجمل صفتہ۔ یعنی شیخ مرید کا متوجہ ہے۔ مرید ہر وقت اس کی طرف متوجہ رہتا ہے اس لیے شیخ کو چاہیے کہ وہ مرید کے دل میں اپنی بہترین صفت جاگزین کر دے۔ تاکہ توجہ کے وقت مرید اس کی طرف پوری طرح دل سے مائل ہو۔

روز یکشنبہ ۵ر شوال المکرم ۸۰۲ھ

دل تک شیطان کی رسائی کس طرح ہوتی ہے

چاشت کے وقت اس آیت کریمہ سے متعلق گفتگو چھڑ گئی فاعبدواللہ مخلصین لہ الدین۔ لطائف قشیری میں ہے الاخلاص ما لا یفسدہ الشیطان ولا یکتبہ الملکان ولا یطلع الا الرحمن۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ اخلاص ایک باطنی راز ہے۔ بندہ اور اس کے خدا کے درمیان۔ اور شیطان کی کسی طرح دل تک رسائی نہیں ہو سکتی۔ ورنہ ایک لمحہ میں وہ ایمان کو غارت کر دے اور ایک بھی مرد مومن دنیا میں نہ چھوڑے اس لیے اللہ تعالےٰ نے دل تک پہنچنے کا راستہ اس کے لیے مکمل طور پہ بند کر دیا ہے۔ عوارف میں لکھا ہے کہ شیطان دل سے متصل پتوں پر جا کر بیٹھتا ہے اور اس جگہ تھوکتا ہے جن رگوں کے ذریعہ خون دل میں جاتا ہے ان ہی رگوں سے خون کے ساتھ مل کر وہ تھوک دل کے اندر چلا جاتا ہے۔ شیطان دل تک اسی طرح رسائی حاصل کرتا ہے۔ اور یہ وسوسے اوہام خلجان اور فاسد خیالات اور گمان جو انسان کے دل کو پریشان رکھتے ہیں سب اسی وجہ سے ہیں۔

خناس آدم کے سینے میں کس طرح گھسا

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ اس آیت کریمہ من شر الوسواس الخناس الذی یوسوس فی صدور الناس کے بارے میں تفسیر میں آیا ہے کہ ابلیس حوا علیہ السلام کے پاس آیا اور اپنا لڑکا ان کو دے کر کہا کہ ذرا اس بچے کا خیال رکھیے گا۔ یہ آپ کا کوئی نقصان نہیں کرے گا۔ حوا علیہ السلام نے رکھ لیا حضرت آدمؑ کہیں گئے ہوئے تھے جب گھر میں آئے اور اس بچہ کو گھر میں دیکھا تو پوچھا کہ یہ لڑکا کون ہے ماما حوا نے جواب دیا کہ یہ ابلیس کا ہے مجھ کو اس نے تھوڑی دیر نگہبانی کے

لیے دیا ہے - آدم علیہ السلام سخت خفا ہوئے اور اس بچہ کے چار ٹکڑے کر کے باہر پھینک دیا۔ پھر وہ کچھ دن کے بعد کہیں باہر گئے - ان کے پیچھے ابلیس آیا اور اس نے ماما حوّا سے پوچھا کہ میرے بچہ کو آپ نے کیا کیا؟ ماما حوّا نے کہا تیرے بیٹے کو آدم علیہ السلام نے مار ڈالا اور چار ٹکڑے کر کے باہر پھینک دیا - ابلیس نے وہیں پر کھڑے ہو کر پکارا "یا خنّاس" وہ لڑکا فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور شیطان کے پاس چلا آیا - شیطان نے اس کو پھر ماما حوّا کے حوالہ کیا اور چلا گیا - اسی لیے کہا جاتا ہے کہ مردوں پر ہر مصیبت اور آفت عورتوں کی وجہ سے آتی ہے - غرض ماما حوّا نے اس شیطان کے بچے کو پھر رکھ لیا - آدم علیہ السلام جب واپس آئے تو پھر اس بچے کو دیکھا - اس مرتبہ انہوں نے اس کو مار کر جلا دیا اور خاک کو باہر پھینک دیا - ابلیس نے پھر "یا خناس" کہہ کر پکارا اور وہ بچہ اٹھ کر اپنے استاد کے پاس آ گیا شیطان نے پھر اس کو ماما حوّا کے حوالہ کیا - اس مرتبہ جو آدم علیہ السلام نے گھر واپس آ کر اس کو دیکھا تو نہ صرف اس کو مار دیا بلکہ پکا کر کھا گئے - ابلیس نے پھر پکارا "یا خنّاس" اس وقت آدم علیہ السلام کے سینے سے لبیک کی آواز آئی - ابلیس نے کہا میرا مقصد یہی تھا وہ مجھ کو حاصل ہو گیا - اب بیٹے تو وہیں آدم کے سینے میں پڑا رہ۔

مہمان داری اور ضیافت کے آداب

اس کے بعد مہمانی کا تذکرہ نکل آیا - حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ مہمان داری اور کسی کو ضیافت دینے میں اس کا خیال رکھنا چاہیے کہ کھانا کافی مقدار میں ہو - لیکن اسراف کی حد تک نہیں - اور اسی کے حسب حال حضرت مخدوم نے ایک قصہ بیان فرمایا کہ ایک مرتبہ سلطان ادھمؒ کو سفیان ثوریؒ نے ضیافت دی - کھانا اندازہ ہی کے مطابق پکوایا - کھانا ختم ہونے کے بعد حضرت سفیان ثوریؒ نے کہا قصرتُم فی الاکل - یعنی آپ نے بہت کم کھایا - ابراہیم ادھمؒ نے جواب دیا قصرت فی الاطعام فقصرّنا فی الاکل - یعنی آپ نے کم پکوایا تھا ہم نے کم کھایا - دوسری مرتبہ سلطان ابراہیم ادھمؒ نے سفیان ثوریؒ کی دعوت کی - اور کھانا کافی مقدار میں پکوایا - سفیان ثوریؒ نے کہا یا ابا سعید اسرفت فی الاطعام یعنی اے ابو سعید تم نے کھانے میں فضول خرچی سے کام لیا - سلطان ابراہیم ادھمؒ نے کہا لا اسراف فی الطعام کھانے کے معاملے میں فضول خرچی نہیں ہے - کھانا ضائع ہونے کی چیز نہیں اس لیے اس پر اسراف کا اطلاق نہیں ہوتا - کھانا ہو تو کھانے والوں، اور بھوکوں کی کوئی کمی نہیں آپ جتنا چاہیں

مل جائیں گے۔ اس قصہ کو سنانے کے بعد حضرت مخدوم نے فرمایا وہ بادشاہ تھے بادشاہ کی ہمت اور سیر چشمی کو کون پا سکتا ہے۔ کھلانے کی قدر وہی جانتے ہیں۔

روز سہ شنبہ ۷ شوال المکرم ۸۰۲ھ

مشائخ کے معاملات کے بارے میں

ظہر کی نماز کے بعد مشائخ کے معاملات کے بارے میں ذکر نکل آیا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا ملتان کے مشائخ مال جمع کرنے میں لگے رہتے ہیں اور خراسان کے مشائخ تجارت کی طرف مائل رہتے ہیں۔ لیکن ہمارے خواجگان کو دنیاوی اسباب اور معاملات سے کوئی تعلق نہیں رہتا ہے۔ اسی مجلس میں حضرت مخدوم کی خدمت میں ایک خراسانی بھی حاضر تھا خاکسار اُٹھنے لگا تو اس نے بھی اٹھنا چاہا۔ حضرت مخدومؒ نے اسے روک کر کہا کہ عزیز من! ہمارے یہاں یہ رسم نہیں ہے کہ پیر کے سامنے بیٹھتے ہوئے کسی دوسرے مرید یا اور ملنے والوں کے آنے کی وجہ سے کھڑا ہوا جائے یا آپس میں ایک دوسرے کو سلام علیک کہیں۔ جب تک وہ اپنے پیر کے سامنے ہے تمام توجہ اور عزت و تکریم اسی کے لیے ہونا چاہیے۔ اگر وہ دوسروں کی عزت و تکریم میں مشغول ہوتا ہے تو گویا اس کو اپنے پیر کی عظمت میں شریک کرتا ہے اور یہ بہت بڑا جرم اور خطا ہے۔ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہونے کے وقت کسی کی مجال نہیں ہوتی ہے کہ کسی وزیر یا مقرب خاص کے وہاں پر آجانے سے اس کی طرف متوجہ ہو جائے۔ اور بادشاہ کے سامنے اس کی عزت اور تکریم کرے۔ پھر فرمایا کہ میں ایک مرتبہ اپنے خواجہ کی خدمت میں حاضر تھا۔ ان کے بھانجے جو گھر کے منتظم بھی تھے، آتے جاتے رہے یہاں تک کہ میرے استاد بھی جن سے میں نے پڑھا تھا حضرت خواجہ کی خدمت میں آئے لیکن میں کسی کے احترام میں حضرت خواجہ کے سامنے نہیں اٹھا اور نہ کوئی خاص توجہ کا اظہار کیا۔

اہل زمانہ کی خرابی

اس کے بعد اہل زمانہ کی خرابی کا ذکر نکل آیا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ہمارے زمانہ میں طلب اور طالب کی باتیں وہم اور خیال محال کی طرح معلوم ہوتی ہیں۔ زمانہ ہوا کہ یہ دور ختم ہوا۔ ایک مرتبہ میں اپنے خواجہ کی خدمت میں

حاضر تھا ایک شخص جو بچوں کو پڑھاتا تھا اور حضرت خواجہ کا مرید بھی تھا آیا اور کچھ اشراق کی نماز کی رکعتوں کی تعداد، وقت اور طریقہ کے بارے میں پوچھا۔ حضرت خواجہ نے میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ خدا اس بے چارہ پر رحمت کاملہ نازل کرے کہ اس نے کم از کم نماز اشراق اور نماز چاشت کے بارے میں کچھ پوچھا تو۔ کیونکہ اب تک تو میں یہی دیکھتا رہا ہوں کہ جو بھی آتا ہے وہ دنیا، روٹی، اپنے مشاغل، اور اپنے بال بچوں کے علاوہ خدا اور رسول خدا کی کوئی بات ہی نہیں کرتا۔ اب غور کرنے کی بات ہے کہ ہمارے خواجہ کے زمانے میں تو یہ حال تھا میرے زمانے میں کیا حال ہوگا۔ پھر حضرت مخدوم نے فرمایا کہ پچاس سال سے میں کسی طالب حق کی تلاش میں ہوں لیکن اس وقت تک جیسا طالب چاہیے مجھ کو نہیں ملا ہے۔ اور ان میں سے چند کو بڑی محنت سے کچھ بنایا بھی اور دریائے سلوک سے کچھ قطرے کام و دہن میں ٹپکائے بھی تو وہ حلقہ سے نکل بھاگا۔ اور کھانے پینے اور رقص و تماشا میں مشغول ہو گیا۔ اس کو میں نے علیحدہ کر دیا کہ سلوک کی راہ میں خرابی نہ پیدا ہو۔ سبحان اللہ، زمانہ کا یہ حال اور مجھے بیعت لینا بھی ضروری۔ بس میں تو یہ جانتا ہوں کہ جب تک زندہ ہوں اس قوم کا خیال رکھوں میرے بعد کیا ہو۔ اللہ ہر امر پہ قادر ہے اور ایک قصہ جو میں نے حضرت شیخ سے سُنا ہے کہ ہر زمانے میں ہزار طالب ہوں گے اور سب ختم ہو جائیں گے ان میں سے صرف ایک کام کو انجام دے گا۔ پھر فرمایا کہ اس کے بارے میں ۱۵ رمضان کی نشست میں جو چاشت کے وقت ہوئی تھی تفصیلی تذکرہ کیا گیا ہے۔

روز چہارشنبہ ۸ شوال المکرم ۸۰۲ھ

فسخ بیع کے سلسلے میں ایک حدیث

چاشت کے وقت اس حدیث کا ذکر نکل آیا من اقال اخاہ المسلم صفقتہ یکرھھا اقال اللہ عسرتہ یوم القیامۃ یعنی جس نے فسخ بیع کیا کہ مسلمان بھائی کو اس سے پھیری کر کے بیچنے کا موقع مل جائے گا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی دشواریوں کو آسان کر دے گا۔ اس حدیث کو سُن کر حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ امام اعظمؒ کپڑے کی دوکانداری

کرتے تھے۔ ایک پیرو کے لیے انہوں نے دوکان داری چھوڑ دی کہ اس کو پھیری کر کے بیچنے کا موقع مل جائے۔ اسی طرح انہوں نے اس حدیث پر عمل کیا۔ دوکان چھوڑنے کے وقت انہوں نے کہا میں نے بزازی اسی لیے اختیار کی تھی کہ اس حدیث پر عمل ہو سکے۔

فضیلت ترک و استغنا

عشاء کی نماز کے وقت ترک کی فضیلت کے بارے میں بات نکل آئی حضرت مخدوم نے فرمایا کہ دنیا میں عزت، ترک، اور استغنا سے حاصل ہوتی ہے۔ اس کے حسب حال حضرت مخدوم نے ایک قصہ بیان فرمایا کہ ایک بادشاہ نے مجلس نشاط، اور شراب و کباب آراستہ کی۔ شراب کا دور چل رہا تھا۔ اس کا ایک غلام ہاتھ باندھے ایک کونے میں کھڑا ہوا تھا۔ خوشی اور عیش و نشاط کا وقت تھا بادشاہ نے ازراہ کرم ساقی کو کہا کہ شراب کا ایک جام اس غلام کو پلائے جو کہ کنارے صف نعال میں ہاتھ باندھے کھڑا ہے۔ ساقی نے بڑھ کر پیالہ اس کے پاس لایا اور کہا کہ آج بادشاہ سلامت کی خاص نظر عنایت تجھ پر ہوئی ہے کہ مے نوشی میں اس نے تجھ کو اپنے ساتھ شریک کر لیا ہے اور تیرے واسطے جام شراب بھیجا ہے۔ بادشاہ کی تعریف اور مدح کر اور اس کے سامنے سر جھکا کر شراب پی لے۔ اس غلام نے بادشاہ کی مدح و ثنا تو کیا اور زمیں بوس بھی ہوا لیکن شراب پینے سے انکار کر دیا۔ بہت کوشش کی گئی لیکن اس نے نہیں پیا۔ ساقی شراب کا پیالہ ہاتھ میں لیے بادشاہ کے سامنے واپس آیا۔ بادشاہ نے پوچھا شراب واپس کیوں لایا۔ ساقی نے عرض کیا وہ غلام نہیں پیتا ہے۔ کہتا ہے میں نہیں پیوں گا۔ بادشاہ نے کہا وہ مجھے خوشی اور نشاط میں دیکھ کر کچھ مزید عنایتوں کا طلب گار معلوم ہوتا ہے اس لیے امیر مجلس تم جاؤ اور پیالہ اپنے ہاتھ سے لے جا کر اس کو دو امیر مجلس پیالہ لے کر غلام کے پاس پہنچا اور کہا تو کس طرح کا انسان ہے۔ کیسا بے ادب ہے۔ بادشاہ سلامت تجھ پر عنایت فرما رہے ہیں اور جام شراب خاص طور پر بھیج رہے ہیں اور تو نہیں پی رہا ہے۔ تجھ پر بادشاہ سلامت کی بڑی کرم فرمائی ہے ان کی مدح و ثنا کر اور زمین ادب کی چوم اور یہ پیالہ میرے ہاتھ سے لے کر پی جا۔ غلام نے بادشاہ کی بہت تعریف کی اور زمین ادب کی چومی لیکن شراب پینے سے اس مرتبہ بھی انکار کر دیا۔ امیر مجلس نے بہت سمجھایا لیکن وہ نہیں مانا۔ پیالہ اسی طرح ہاتھ میں لیے امیر مجلس بادشاہ سلامت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بادشاہ نے پوچھا پیالہ واپس کیوں لائے۔ امیر مجلس نے کہا وہ نہیں پیتا۔

بادشاہ نے کہا مابدولت کو خوشی اور سرمستی میں دیکھ کر وہ مزید عنایات کی توقع کر رہا ہے ہماری بے کراں عنایتوں نے اس کو دلیر بنا دیا ہے۔ وزیر تم جاؤ اور اس کو خود اپنے ہاتھ سے جام پلاؤ۔ وزیر اس غلام کے پاس گیا اور بولا کہ اے بے ادب تو کس قسم کا انسان ہے کہ بادشاہ سلامت نے پہلے ساقی سے تجھ کو جام شراب بھیجا تو نے نہیں پیا پھر اس نے میر مجلس کی معرفت بھیجا اس سے بھی تو نے نہیں پیا اب اپنے وزیر کی معرفت اس نے بھیجا ہے اب بھی اے احمق اپنی بے وقوفی سے باز آجا اور بادشاہ سلامت کی مدح وثنا کر کے اور زمین ادب چوم کر جام چڑھا جا۔ غلام نے بہت بہت تعریف اور مدح بادشاہ کی۔ جھک کر زمین بوس ہوا لیکن شراب پینے سے انکار کیا۔ وزیر نے بہت سمجھایا لیکن بے سود۔ بالآخر جام ہاتھ میں لیے وزیر بادشاہ کے پاس آیا۔ بادشاہ نے پوچھا کیا ہوا۔ اس نے کہا وہ نہیں پیتا ہے۔ بادشاہ نے کہا میری عنایتوں نے اس کو گستاخ اور میری خوشی اور نشاط نے اس کو مزید بخشش کا متوقع بنا دیا ہے پیالہ خود اپنے ہاتھ میں لے کر بادشاہ غلام کی طرف گیا اور اسے شفقت سے سمجھاتے ہوئے بولا مابدولت نے از راہِ عنایت خسروانہ جام ارغوانی تجھ کو ساقی کی معرفت بھیجا تو نے نہیں پیا۔ پھر امیر مجلس کی معرفت اور اس کے بعد وزیر کی معرفت بھیجا لیکن تو نے کسی کے ہاتھ سے نہیں پیا۔ غلام نے زمین بوس ہو کر بادشاہ کی بہت بہت تعریف کی اور اس کی فیاضیوں کو سراہا پھر دست بستہ عرض کیا کہ جہاں پناہ۔ اگر میں ساقی کے ہاتھ سے شراب پی لیتا تو میر مجلس شراب نہیں لاتا اور اگر میر مجلس کے ہاتھ سے پی لیتا تو وزیر صاحب تشریف نہیں لاتے اور مجھے شراب پینے کو نہ کہتے اور اگر وزیر صاحب کے ہاتھ سے شراب پی لیتا تو جہاں پناہ میری یہ عزت افزائی ظاہر ہے نہیں فرماتے اس لیے ترک اور انکار نے در اصل مجھ کو یہ عزت اور سرفرازی بخشی ہے۔ اس لیے آپ از راہ خسروانہ مجھے مجبور نہ کریں کہ میں اس عزت سے محروم ہو جاؤں۔ اگر میں آپ کے حکم سے شراب پی لوں گا تو میری عزت ختم ہو جائے گی۔ بادشاہ نے کہا تم صحیح کہتے ہو۔ خوش رہو اور اپنی عزت کی حفاظت کرو پھر اس کو اپنی مہربانیوں سے نوازا۔

اگر کسی بزرگ سے کوئی لغزش ہو جائے تو اسے نہیں لکھنا چاہیے	پھر بات اس پر نکل آئی

کہ اگر بزرگوں سے کوئی غیر معمولی واقعہ ظہور پذیر ہو جائے تو اسے سپرد قلم نہیں کرنا چاہیے۔ اور اگر لکھنا ضروری ہو تو اس بزرگ کے نام کی صراحت بھی کر دے۔ تاکہ دوسروں کی طرف خیال نہ جائے۔ پھر حضرت مخدوم نے فرمایا کہ مولانا محی الدین ابن اعرابی نے رسالہ "ادب پیر و مریدان" کے آخر میں ایک قصہ لکھا ہے کہ بزرگوں میں سے ایک بزرگ کے مرید نے اپنے پیر کو ایک عورت کے ساتھ فعل بد میں مشغول دیکھا اس پیر نے سمجھا کہ مرید نے مجھ کو اس برے کام کو کرتے دیکھ لیا ہے اس لیے اس کا اعتقاد مجھ سے ختم ہو جائے گا۔ لیکن کچھ دنوں کے بعد اس نے محسوس کیا کہ اس کا اعتقاد اس کے ساتھ اسی طرح قائم ہے جیسے پہلے تھا۔ اس نے اس سے پوچھا کہ تم نے مجھ کو بُرے کام میں دیکھ لیا پھر بھی تمہارا اعتقاد قائم ہے اور تم مجھ سے برگشتہ نہ ہوئے کیوں؟ مرید نے جواب دیا کہ مجھے آپ کے فعل سے کیا غرض۔ میں تو آپ سے غرض رکھتا ہوں اور جانتا ہوں کہ میرا مقصد آپ سے حاصل ہوگا اس لیے آپ کی طرف متوجہ ہوں۔ آپ کا جو جی چاہے کیجیے مجھے اس سے کوئی غرض نہیں ہے۔ اس قصہ کو بیان کرنے کے بعد حضرت مخدوم نے فرمایا کہ میں نے رسالہ مذکور کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ شیخ محی الدین ابن عربی پر تعجب آتا ہے کہ اس طرح کی حکایت انہوں نے لکھی ہے اور اس سے بھی بڑھ کر تعجب کی بات یہ ہے کہ ان کی تحریر سے تمام بزرگوں کی بدنامی ہوتی ہے اس لیے کہ نام کی صراحت نہ ہونے سے سب پر شبہ ہوتا ہے۔ ان کو اس بزرگ کا نام لکھنا چاہیے تھا۔ تاکہ اصل شخص کی حقیقت معلوم ہو۔ ایک آدمی جو ارشاد دیتا ہے اور مرید کرتا ہے اور زنا میں مبتلا ہو معاذ اللہ۔ اہل تحقیق کے نزدیک ایسا آدمی مسند شیوخت پر بیٹھنے کے لائق نہیں۔ جس کا ظاہر اور باطن یکساں نہ ہو اس پر شیوخت کی عزت حرام ہے۔

روز پنجشنبہ ۹ شوال المکرم ۸۰۲ھ

غضب اور حلم کے بارے میں

اُٹھنے کے وقت غضب اور حلم یعنی غصہ اور برداشت پر بات نکل آئی حضرت مخدوم نے فرمایا کہ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اس قول نعوذ باللہ من غضب الحلیم کے معنی یہ بیان کیے گئے ہیں کہ

حلیم یعنی تحمل کرنے والا غصہ نہیں کرتا ہے اور اگر کرتا ہے تو پھر قابو سے باہر ہو جاتا ہے اور جو قابو سے باہر ہو جائے اس سے خدا ہی محفوظ رکھے۔ پتا نہیں اس سے کیا ہو جائے۔ اور میں اس کے معنی یہ سمجھتا ہوں کہ تحمل کرنے والے کا غصہ دل کا غصہ ہوتا ہے جوارح کا نہیں۔ غصہ کرنے والے آدمی کو جب غصہ آتا ہے تو اس کا اثر جوارح سے ظاہر ہوتا ہے۔ جو کچھ اس کے دل میں آتا ہے ظاہر کر دیتا ہے جیسے کوئی برتن بھرا ہوا ہو اور اس کو انڈیل دیا جائے، جس طرح بادل برس کر کھل جاتا ہے اسی طرح اس کا دل دماغ بھی غصہ کرنے کے بعد صاف ہو جاتا ہے۔ لیکن متحمل آدمی کا غصہ ظاہر نہیں ہوتا۔ وہ اسے دل ہی دل میں دبائے رکھتا ہے۔ اس کا رنج دل ہی دل میں پوشیدہ رہتا ہے لیکن اس کا اثر بہت عظیم ہوتا ہے اور اس کا نقصان اس طرح ہوتا ہے کہ کسی کی سمجھ میں بھی نہیں آتا کہ اس کا تدارک کس طرح کیا جائے۔ خاکسار نے عرض کیا کہ اسی لیے مشائخ کا غصہ جو دل ہی دل میں ہوتا ہے، بہت سخت ہوتا ہے چونکہ اس کی خبر لوگوں کو نہیں ہوتی۔ مشائخ کے روضہ کی زیارت یا ان کے نام کے ذکر میں اگر کوئی بے ادبی ہو جاتی ہے تو اس سے واقف ہونے اور تدارک کی کیا صورت ہے بظاہر اس سے آدمی کے لیے واقف ہونا بہت مشکل ہے۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ان مشائخ کے امور پر اللہ تعالیٰ قابض ہے۔ یہ لوگ اس کے دوست ہوتے ہیں اس لیے اگر کسی شخص سے ان کی شان میں کوئی ایسی حرکت ہو جاتی ہے جو ان کے موافق مزاج نہیں ہوتا تو اگرچہ وہ لوگ معاف بھی کر دیتے ہیں پھر بھی اللہ تعالیٰ اُن کو معاف نہیں کرتا۔ ارشاد باری ہوتا ہے کہ تو نے اپنے کو تکلیف دینے والے کو معاف کر دیا یہ تیرا حق تھا۔ لیکن تجھ کو تکلیف دے کر اس نے جو مجھے رنج پہنچایا ہے اس کی سزا اس کو ملنی چاہیے اور وہ ملے گی۔ تجھ کو اس سے کوئی غرض نہیں وہ میرا حق ہے تیرا حق نہیں۔ کلام قدسی میں ہے بادزنی ولیّا بادزتہُ بالمحاربتہ میرے دوستوں میں سے کسی سے اگر کوئی شخص میری وجہ سے مقابلہ کرتا ہے تو اگر میرے دوست کی مرضی نہ ہو گی پھر بھی میں مقابلہ اور جنگ کروں گا۔

بلال مغیرہؓ کو رسول اللہ صلعم دوست رکھتے تھے

اسی وقت بلال نام کے ایک شخص حضرت مخدوم کی قدمبوسی کے لیے آئے۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ رسول اللہ صلعم کے زمانے میں دو بلال ہوئے ہیں ایک بلال تو بلال صہیب و سلمان ہیں جو کہ رسول اللہ صلعم کے غلام ہیں اور یہ اصحاب صفہ میں ہیں۔

دوسرے بلال، بلال مغیرہ ہیں۔ خواجہ علی محمد ابوالفضل فارہ میبدی نے ان کا قصہ لکھا ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلعم تشریف فرما تھے اور اسی جگہ حضرت ابوہریرہؓ بھی تھے۔ چنانچہ اس قصہ کے راوی بھی ابوہریرہؓ ہی ہیں۔ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ اس وقت اس دروازہ سے ایک ایسا شخص آئے گا جس کو خدا اور رسول خدا دوست رکھتے ہیں ابوہریرہؓ اُٹھے، مسجد سے باہر نکلے اور پھر اسی طرح جس طرح رسول اللہ صلعم نے فرمایا تھا دروازہ سے اندر چلے آئے تاکہ خدا اور خدا کے رسول جس کو دوست رکھتے ہیں وہ میں ہی ہوں۔ رسول اللہ صلعم نے سمجھ لیا کہ ابوہریرہؓ کے باہر جانے اور پھر اندر آنے کا مقصد کیا تھا۔ پیغمبر صلعم نے فرمایا اے ابوہریرہؓ بیٹھ جاؤ تم وہ آدمی نہیں ہو جس کا میں نے ابھی ذکر کیا ہے وہ آدمی دوسرا ہے وہ اب آئے گا۔ ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں انتظار کرنے لگا کہ دیکھیں اس وقت کون خوش قسمت انسان آتا ہے۔ یکایک میں نے دیکھا کہ بلال مغیرہ داخل ہوئے۔ رسول اللہ صلعم نے ان کو بڑی بشاشت اور مسرت سے خوش آمدید کہا۔ اور وہ رسول اللہ کی قدمبوسی کر کے بیٹھ گئے۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ بلال کچھ کھاؤ گے۔ انہوں نے جواب دیا کہ اے رسول اللہ میں روزہ دار ہوں اگر حکم ہو تو افطار کر دوں۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا تمہارے جیسے صاحب عزم آدمی کو روزہ سے باز نہیں رکھا جا سکتا۔ ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم اور بلال مغیرہ دونوں کان سے کان ملا کر باتیں کرتے رہے۔ میں ذرا دُور تھا اس لیے پتا نہیں چلا کہ کیا بول رہے تھے۔ جب وہ رخصت ہو کر گئے تو رسول اللہ صلعم ان کی طرف عزت سے دیکھ رہے تھے۔ حضرت مخدوم اتنا بیان کر کے آب دیدہ ہو گئے اور یہ شعر پڑھا:

ہرگز حسد نہ برد م بر منصبے و مالے — الا کسے کہ دارد با دلبرے وصالے

بلال مغیرہؓ کے جانے کے بعد رسول اللہ صلعم نے فرمایا اسی طرح کے لوگوں کی اللہ عمر دراز کرے تاکہ اس کی برکت دنیا میں پھیلتی رہے۔ لیکن افسوس وہ اپنی عمر سے دو روز بھی زیادہ زندہ نہیں رہے۔ صبح کے وقت فجر کی نماز کے لیے لوگ کھڑے ہوئے رسول اللہ صلعم نے تکبیر کہنے کے لیے فرمایا۔ صحابہ اپنی اپنی جگہ مصلّی پر صف بستہ ہو چکے تھے۔ یکایک جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہا اللہ کا حکم ہے کہ تکبیر میں ذرا تاخیر کی جائے کیونکہ میرے دوستوں میں سے ایک دوست نے تمام رات میری عبادت اور اطاعت کی ہے اور اس وقت اس کی آنکھ لگ گئی ہے۔ رسول اللہ صلعم نے نماز میں تاخیر کی یہاں تک کہ صاف

ہونے لگا۔ رسول اللہ صلعم نے جبرئیل علیہ السلام سے کہا۔ آسمان پر سفیدی آگئی ہے قریب ہے کہ آفتاب نکل جائے۔ کب تک تاخیر کروں۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ اللہ کا حکم ہے کہ جب تک وہ نماز نہ ادا کرے گا آفتاب نہیں نکلے گا۔ صحابہ ایک دوسرے کا حیرت سے منہ دیکھ رہے تھے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آخر یہ تاخیر کیوں ہو رہی ہے۔ سب کی نظر دروازہ پر لگی ہوئی تھی کہ یکایک بلال مغیرہؓ تہہ بند باندھے نمودار ہوئے اس کے بعد تکبیر کہی گئی اور رسول اللہ صلعم نے نماز پڑھائی۔ اس موقع پر بھی حضرت مخدوم نے آب دیدہ ہو کر یہ شعر پڑھا:

ایں جا ہمہ زندہ دل صد پارہ خریدند بازار چہ قصب فروشاں دگر است

رسول اللہ صلعم نے بلالؓ کا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا کبھی کبھی مجھے بھی یاد کر لیا کرو۔ بلال مغیرہؓ نے کہا اے رسول اللہ! کون ہے جو آپ کو یاد نہیں کرتا۔ اور آپ کو یاد کرنے سے بڑھ کر کون سی دولت اور سعادت ہو سکتی ہے۔ لیکن کیا بتاؤں اللہ کی محبت نے میرے دل کو ایسا قبضہ میں کر لیا ہے کہ کسی کی یاد دل میں آتی ہی نہیں۔ دوسری صبح کو رسول اللہ صلعم نماز پڑھنے کے بعد مصلاً پر بیٹھ گئے اور فرمایا میری تعزیت کرو۔ صحابہ کرام نے فرمایا کہ اہل بیت سب صحت مند ہیں۔ عزیز ان زندہ وسلامت ہیں پھر اے رسول اللہ تعزیت کے کیا معنی؟ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ بلال مغیرہؓ جو کہ خدا اور رسول خدا کو دوست رکھتے تھے اور خدا اور رسول خدا ان کو دوست رکھتے تھے آج کی رات اپنے حبیب سے جا ملے۔ اور اس کا مجھے بہت صدمہ ہے۔ پھر وہ صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ مغیرہ کے گھر گئے۔ مغیرہ نے بہت عزت اور تکریم سے رسول اللہ صلعم کا استقبال کیا اور ادب سے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ حضور کے قدم رنجہ فرمانے کی کیا وجہ ہوئی۔ رسول اللہ صلعم نے پوچھا کہ بلال کہاں ہیں؟ انہوں نے کہا مجھے صحیح نہیں معلوم۔ کچھ دیر پہلے اس کے پیٹ میں درد ہو رہا تھا۔ مویشی خانہ میں پڑا ہوا تھا۔ اور مویشیوں کی لید صاف کر رہا تھا۔ اب معلوم نہیں اس کا کیا حال ہے۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا مجھے اس جگہ لے چلو۔ وہاں پر گئے تو دیکھا کہ گوبر پر مرا ہوا پڑا ہے۔ رسول اللہ صلعم کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور فرمایا آہ بلال! اپنے ہی گھر میں اس کی یہ حالت اور یہ ذلت کہ کسی شخص کو اس کے مرنے جینے کی بھی خبر نہیں۔ مگر اس کی قدر اور مرتبہ خدا اور اس کے رسول کو اچھی طرح معلوم ہے کہ حق تعالیٰ کے حضور اس کی کیا عظمت ہے۔ اتنا

بیان کرنے کے بعد حضرت مخدوم نے فرمایا کہ اللہ کے اکثر دوستوں کی یہی حالت ہوتی ہے اور لوگوں کی ان سے محرومی اور ناواقفیت کی یہی وجہ ہوتی ہے کہ وہ اپنی ہیئت کذائی بہت خراب بنائے رکھتے ہیں۔ اور اپنے کو بہت مکروہ اور قبیح صورت اور حالت میں رکھتے ہیں۔ غرض رسول اللہ صلعم بلال رضؓ کی میت کے پاس بیٹھ گئے اور ان کے سر کو اپنے زانو پر رکھ لیا۔ اور چہرے پر جو گرد و غبار لگے ہوئے تھے ان کو اپنے دست مبارک سے صاف کیا۔ پھر غسل دینے کے لیے فرمایا۔ حضرت امیر المومنین عمر رضؓ غسل دینے کے لیے تیار ہوئے۔ جیسے ہی انہوں نے میت کو پکڑا بلال رضؓ نے عمر رضؓ کے سینہ پر ہاتھ مارا اور کہا میں غلام ہوں اور اپنے غلام ہونے کی ذلت سے واقف ہوں۔ آپ آقا ہیں اور اپنی سرداری کی عزت کو جانتے ہیں۔ امیر المومنین عمر رضؓ نے ایک نعرہ مارا اور زار زار رونے لگے۔ رسول اللہ صلعم کے سبب پوچھنے پر بتایا کہ اے رسول اللہ! بلال رضؓ مجھ کو غسل دینے نہیں دیتے۔ رسول اللہ صلعم نے زور سے فرمایا بلال رضؓ! عمر رضؓ کو کام کرنے دو۔ چنانچہ عمر رضؓ نے غسل دیا اور رسول اللہ صلعم کی چادر مبارک کا کفن دیا گیا۔ اور خود رسول اللہ جنازہ کے پیچھے پیچھے اس طرح جارہے تھے جیسے کوئی لڑکا اپنے باپ کی میت کے پیچھے یا کوئی باپ اپنے لڑکے کے جنازے کے پیچھے جاتا ہو۔ دفن کرنے کے بعد رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ ہر زمانے میں سات ایسے آدمیوں کو پیدا کرتا ہے جن کی وجہ سے دنیا قائم رہتی ہے۔ ان ہی کی دعا سے بارش ہوتی ہے سبزہ اُگتا ہے اور تمام بلائیں اور آفتیں دور ہوتی ہیں۔ اس زمانہ میں ان کے سرتاج مغیرہ تھے۔

مفتاح حبشی اور دوسرے محبّان خدا کا قصّہ

اسی طرح کا ایک اور قصہ حضرت مخدوم نے بیان فرمایا کہ شفقتہ الملک کے بھتیجے عبدالرحمٰن کہتے تھے کہ جب میں بچہ تھا تو مصر کی جامع مسجد میں پڑھنے جاتا تھا۔ یکایک مفتاح نام کے ایک حبشی نے مسجد کے محراب میں پڑاؤ ڈال دیا۔ کئی روز کے بعد بچے ان سے مانوس ہو گئے اور ان سے کھیلنے لگے۔ کوئی ان کے کان پکڑ لیتا۔ کوئی چپت رسید کر دیتا۔ اور اسی طرح کے بہت سے کھیل تماشے وہ سب ان سے کرتے رہتے اور خوب ہنستے۔ وہ بھی ان سے بہت خوش ہوتے۔ یہ بچے ان سے اتنا مانوس ہو گئے کہ ان کے بغیر رہ ہی نہیں سکتے تھے۔ ایک دن میں ان سے ملنے کے لیے اپنے گھر سے نکلا۔ میرے گھر

سے مسجد کے دو راستے تھے ایک بازار سے ہو کر اور وہ نزدیک تھا لیکن ہمارے یہاں بازار سے
بے ضرورت گزرنا معیوب تھا، اور دوسرا راستہ بازار سے ہو کر نہ تھا لیکن کچھ دور تھا۔ میں نے
سوچا بازار ہی کے راستے سے چلوں گرچہ مناسب نہیں ہے لیکن جلدی تو پہنچ جاؤں گا چنانچہ
اسی راستے سے چلا۔ راستہ میں ایک شخص کو کتے سے کھیلتے دیکھا۔ جب میں مفتاح حبشی کے
پاس پہنچا تو انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ کس راستے سے آئے تھے۔ میں نے بتایا بازار کے
راستے سے۔ انہوں نے پوچھا کسی کو کتے سے کھیلتے دیکھا تھا۔ میں نے کہا ہاں دیکھا تھا۔
انہوں نے کہا جاؤ ان کے ہاتھ پر یہ چیز رکھ دو۔ میں دوڑتا ہوا وہاں پر پہنچا، دیکھا وہ
کتے کے ساتھ کھیلنے سے فارغ ہو چکے تھے۔ اور ادھر ادھر گھوم کر ہر ایک سے ہاتھ پھیلا کر
پیسہ مانگ رہے تھے۔ کوئی دیتا تھا اور کوئی نہیں بھی دیتا تھا۔ میں نے بڑھ کر ان کو پیسہ
دینا چاہا انہوں نے نہیں لیا۔ میں نے ادھر ادھر گھوم کر ان کو پیسہ دینے کی بہت کوشش کی لیکن
انہوں نے نہیں لیا۔ میں واپس مفتاح کے پاس آیا اور کہا وہ مجھ سے نہیں لیتے۔ مفتاح نے
کہا یہ ٹھیک نہیں، جلدی جاؤ ابھی وہ کہیں نہیں گئے ہوں گے کچھ نہ کچھ ان کو دو۔ اس مرتبہ وہ
لے لیں گے۔ میں پھر وہاں پر گیا دیکھا کہ وہ ایک دیوار کے سایہ میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں
بھی وہاں پر جا کر کھڑا ہو گیا۔ انہوں نے خود بہ خود بولنا شروع کیا۔ مفتاح بھی عجیب آدمی
ہیں۔ میں نے اپنے کو بری صورت اور گندے کاموں میں لگا رکھا ہے پھر بھی وہ میرا پیچھا
نہیں چھوڑتے۔ آدمیوں کو میرے پاس بھیجتے رہتے ہیں۔ اس کے بعد کہا اچھا، آؤ تم بھی
ان ہی کے بھیجے ہوئے ہو۔ میں نے آگے بڑھ کر وہ پیسہ ان کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ پھر واپس
آ کر مفتاح سے سارا قصہ سنایا۔ اس روز سے مجھ کو ان پر پورا اعتقاد ہو گیا۔ اور میں
ان کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا رہنے لگا۔ وہ مجھ کو اپنا بیٹا کہنے لگے۔ یکایک ان کو کسی
شخص سے تکلیف پہنچی۔ وہ غصہ میں آ گئے اور کہا میں اس شہر پر آفت لاؤں گا۔ مجھ کو
بلایا اور کہا فلاں دیوانہ کے پاس جاؤ وہ کوڑا کرکٹ اور گندی جگہ پر بہت خراب صورت
شکل میں پڑا ہو گا۔ اس سے کہو کہ مفتاح اسی شہر پر آفت اور مصیبت لانا چاہتا ہے
تم میری مدد کرو گے یا نہیں۔ میں گیا دیوانہ کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا وہ کسی وقت بھی اس
گندی جگہ اور کوڑا کرکٹ سے نہیں ہٹتے تھے۔ اور نہ کسی سے بات کرتے تھے اور بات بھی
کرتے تو بے سر پیر کی۔ کسی کی سمجھ میں نہ آتی۔ اس جگہ بھی حضرت مخدوم نے آب دیدہ ہو کر

یہ مصرعہ پڑھا : ع

"این قوم خرابے طلب وبے وطناں اند"

غرض اس دیوانہ نے مجھ کو دیکھ کر کہنا شروع کیا۔ مفتاح بھی عجیب آدمی ہے۔
اس شہر پر آفت لانا چاہتا ہے صرف اس وجہ سے کہ اس کو کسی نے رنجیدہ کر دیا ہے۔ ارے
بھائی، سارا ملک خدا کا ملک ہے اور سارے بندے اس کے بندے ہیں۔ اچھے برُے آدمیوں
سے تو سروکار ہوگا ہی، اگر ذرا ذرا سی بات پر کوئی غصہ کرے گا تو آدمیوں کا جینا دشوار
ہو جائے گا۔ جب یہاں ہر طرح کے لوگ ہیں کوئی اچھا کہے گا کوئی بُرا کہے گا کوئی معتقد ہو گا کوئی
معتقد نہیں ہو گا پھر خفا ہونا تو اچھا نہیں۔ مزا یہ ہے کہ وہ مجھے بھی اپنے اس کام میں شریک
کرنا چاہتا ہے اگر وہ کچھ کرنا چاہتا ہے تو خود ہی کرے مجھ کو کیوں شریک اور مددگار بناتا
ہے۔ جن لوگوں نے بھی ان کی یہ بات سُنی حیران رہ گئے کیونکہ کسی وقت بھی وہ کسی سے
سلجھی ہوئی بات نہیں بولتے تھے۔ وہ سب مجھ سے پوچھنے لگے کہ تم سے انہوں نے کس طرح
سلجھی ہوئی بات کی میں نے واپس آکر مفتاح کو ان کا جواب تفصیل سے کہہ دیا۔ وہ پھر بھی اپنے
غصہ سے باز نہیں آئے۔ پھر مجھ سے کہا کہ فلاں زاہد اور عابد کے گھر پر جاؤ۔ وہ زاہد کسی کے
لیے دروازہ نہیں کھولتے اور نہ کسی کو اپنے گھر میں آنے دیتے ہیں ہر وقت دروازہ بند رکھتے ہیں
صرف جمعہ کے روز وہ باہر نکلتے ہیں۔ سر پر مصلا ڈال لیتے ہیں کہ نہ ان پر کسی کی نظر پڑے اور
نہ ان کی نظر کسی پر پڑے۔ میں جاکر ان کے دروازہ پر کھڑا رہا۔ وہ مکان کے اندر ہی سے
بولنے لگے یہ مفتاح بھی عجب آدمی ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ ہر شخص اس کو اچھا کہے اور اس کا معتقد
ہو۔ سارا ملک خدا کا ہے۔ کوئی اچھا بھی کہے گا کوئی بُرا بھی کہے گا۔ اور اگر کچھ الٹا سیدھا
کرنا ہی ہے اور آفت لانا ہے تو خود کرے مجھ کو کیوں اس میں شریک کرتا ہے۔ میں نے
واپس آکر ان کا یہ جواب مفتاح کو بتا دیا۔ لیکن پھر بھی ان کا غصہ فرو نہیں ہوا۔ میں ایک
روز بازار گیا تو یکایک دیکھتا ہوں نہ کوئی نانبائی ہے، نہ سبزی فروش نہ قصاب غرض کوئی
دوکان نہیں لگی تھی سارا بازار اجاڑ تھا۔ اِدھر اُدھر آدمی بھی کوئی نظر نہیں آتا تھا عجب
وحشت کا عالم تھا۔ تین روز اسی طرح گزرے تھے۔ شہر میں ایک آدمی تھا جس کی لڑکی
کو مفتاح بیٹی کہتا تھا۔ تین روز کے بعد وہ لڑکی مفتاح کے دروازہ پر آئی۔ مفتاح نے

پوچھا اتنی دُبلی، نحیف وناتواں اور زرد کیوں ہوگئی ہے۔ اس لڑکی کے باپ نے کہا تین روز سے اس کے حلق میں ایک دانہ بھی نہیں گیا ہے۔ اس لیے کہ شہر میں کوئی چیز نہیں مل رہی ہے مفتاح کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور اس نے شفقت سے اس لڑکی کی طرف دیکھا مجھے موقع مل گیا میں نے کہا واللہ انت ظالمٌ یا مفتاح۔ بخدا تم بڑے ظالم ہو مفتاح دوسرے کی بیٹی کو اپنی بیٹی بنایا ہے اور اس کو نحیف وناتواں اور لاغر دیکھ کر آنکھوں میں آنسو لے آتے ہو اور اس کے لیے غمزدہ ہوتے ہو لیکن تمام لوگوں کے حال پر نظر نہیں ڈالتے جن کے اپنے بچے ہیں کہ ان پر کیا گزر رہی ہے۔ اپنے اوپر ان لوگوں کا قیاس نہیں کرتے ہو۔ میری ان باتوں سے وہ اثر پذیر ہوئے اور غصہ ان کا دور ہوگیا پھر کہا میں نے معاف کر دیا۔ اسی وقت میں بازار گیا۔ دیکھتا ہوں کہ تمام دکانیں کھلی ہوئی ہیں اور تمام اقسام کے اجناس اور نوع بہ نوع کے کھانے، اناج اور سامان وافر طور پر مل رہے ہیں۔ ہر طرف رونق اور چہل پہل ہے۔

روز جمعہ ۱۰ شوال المکرم ۸۰۲ھ

درویشوں کے پاس دنیا والوں کی آمد و رفت

جمعہ کی نماز کے بعد دنیا والوں کی درویشوں کے پاس آنے جانے کی بات نکل آئی حضرت مخدوم نے فرمایا مبارک، با امن وامان، اور سلامتی کی صحبت درویشوں اور فقرا کی صحبت ہے، اور متعلم کی صحبت کی غرض وغائت اپنے ہم جنس کی صحبت ہے لیکن ان شیطانوں کی صحبت بدبختی ہے جس سے حتی الامکان آدمی باز رہے اور اگر مجبوری ہو تو خود سے ان کے ساتھ خلط ملط نہ کرے بلکہ گوشہ گیر ہو کہ بہت ضروری صحبت اور میل جول کرے۔ کیونکہ مکمل طور پر ان سے اغماض اور پرہیز ممکن بھی نہیں ہے۔ کیونکہ ان کے ہاتھ میں طرح طرح کی شرارتیں موجود رہتی ہیں۔ اور ان کے فسادات اور شرارتوں کو برداشت کر لینا کس سے ممکن ہے۔ یہ تشویش اور تردد سے پُر ہوتا ہے۔ لیکن ساتھ ہی ان سے ملنا جلنا فقیری کا مقصد بھی ہے۔ کیونکہ اس سے مظلوموں کی دادرسی ہوتی ہے حق داروں کو ان کا حق ملتا ہے اور مجبوروں کو مدد پہنچائی جا سکتی ہے۔ اسی نیت سے اگر کچھ دیر ان لوگوں کے ساتھ صحبت رکھی جائے، بشرطیکہ صحبت کا حق

بھی ادا ہوتا رہے یعنی ان کے حق میں جو دین و دنیا کی باتیں اچھی اور مفید ہوں ان کے سامنے بے جھجک پیش کیا جائے اور ہر موقع پر ان کو خبردار کیا جائے کہ وہ کیا کریں اور کیا نہ کریں۔ تو پھر بہت خوب ہے۔ اور اگر یہ سب ممکن نہ ہو اور ان کے سامنے ان پر عمل کرنے کی طاقت نہ ہو تو پھر ان کی صحبت کسی حالت میں بھی مناسب نہیں اور اس سے بچنا چاہیے۔ جس طرح چڑیا گھرے پانی سے پانی پی لیتی ہے اور اپنی چونچ سے آٹا کھا لیتی ہے اور اپنے بقیہ جسم کو ملوث نہیں ہونے دیتی اور دُور ہی سے اپنی ضرورت کو پوری کر لیتی ہے اسی طرح درویش کو اہل دنیا کی صحبت اختیار کرنا چاہیے۔ لیکن ان تمام احتیاط کے باوجود پھر بھی تعلق اور تشویش صوفی کے لیے باقی ہی رہ جاتا ہے اس سلسلے میں حضرت مخدوم نے ایک قصہ بیان فرمایا کہ سلطان فیروز ایک مرتبہ ہمارے خواجہ کی قدم بوسی کے لیے ان کی خانقاہ میں پہنچ گیا۔ حضرت خواجہ قیلولہ فرما رہے تھے۔ اور مولانا زین العابدین اپنے گھر میں تھے۔ سلطان خانقاہ کے صحن میں کھڑا رہا۔ اس وقت ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی جب تک مولانا زین العابدین گھر سے آئیں اور شیخ کو خبر کریں، شیخ اٹھیں وضو کریں نفل پڑھیں اس وقت تک سلطان بارش میں کھڑا رہا۔ تاتار خان پر وہ خفا ہونے لگا کہ ہم بادشاہ نہیں ہیں بلکہ یہ لوگ بادشاہ ہیں۔ جب حضرت شیخ بالا خانہ سے نیچے اُترے تو صحن ہی میں فرش بچھا کر بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر بیٹھ کر بہت رنجیدہ اور ناخوش واپس ہوا۔ اس عرصہ میں سلطان کے شہزادے فیروز خاں کا قصہ پیش آ گیا۔ سلطان کوہ تسادین کی طرف جاتے ہوئے میر آباد میں مقیم تھا۔ کہ فیروز خان نے سلطان سے درخواست کی کہ میں حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی سے شرف ملاقات حاصل کرنا چاہتا ہوں سلطان نے اجازت دے دی کہ جا کر ملاقات کر لو۔ شہزادہ کے ساتھ حاتم نام کا اتالیق تھا جو کہ حضرت خواجہ سے مرید بھی تھا۔ وہ فیروز خاں کے تمام امور کا نگران تھا اس نے حضرت خواجہ سے درخواست کی کہ شہزادہ حضرت کے حلقہ ارادت میں آنا چاہتا ہے۔ حضرت خواجہ نے پوچھا کہ شہزادے نے اپنے والد سے اجازت لے لی ہے۔ اس نے غلط کہہ دیا کہ جی ہاں لے لی ہے حضرت خواجہ نے اس کی درخواست منظور کر لی۔ اور شہزادہ کو مرید کر دیا۔ اس کے بعد خادموں میں سے ہر ایک نے اس سے سرگوشی میں کچھ باتیں کیں اور وہ چلا گیا۔ اس کو ایک عورت سے تعلق تھا اس کے ملازمین اس عورت کو لے آئے اور وہ اس کو ایک شکستہ جھونپڑی

میں لے جاکر بڑے کام میں مشغول ہوگیا۔ سلطان اس کی واپسی کا انتظار کرتا رہا۔ جب شب کے وقت بھی واپس نہیں ہوا تو سبھوں کو تعلق پیدا ہوا۔ ادھر ادھر لوگ تلاش کرنے لگے۔ حضرت خواجہ کے پاس بھی آکر لوگوں نے پوچھا کہ شہزادہ آپ کے پاس آیا تھا کہاں گیا۔ حضرت خواجہ حیران ہوئے۔ انہوں نے فرمایا کہ ایک گھنٹہ کے لیے میرے پاس آیا تھا پھر نہیں معلوم کہاں گیا۔ خانقاہ میں بڑی کھلبلی مچ گئی۔ ہر شخص تشویش اور فکر میں تھا۔ تین روز کے بعد لوگوں نے شہزادے کو ڈھونڈھ نکالا۔ سلطان نے حاتم کو قتل کرادیا۔ دوسرے خواجہ سرائے تمبیر کو بھی قتل کرادیا۔ لوگوں نے سلطان سے چغلی کھائی کہ حضرت خواجہ نے اس کو ایک تعویذ دیا کہ وہ بادشاہ ہوجائے گا۔ لیکن بادشاہ نے اس کی طرف توجہ نہ دی اور چشم پوشی کی۔ اور جن لوگوں نے یہ چغلی کھائی تھی ان لوگوں کو کوہ نسا دین سے نیچے پھنکوادیا۔ شہزادے کو جہانہ میں جلاوطن کردیا اور وہیں اس کو زہر دے کر مرواڈالا۔ اور پھر حضرت خواجہ کو لکھا کہ جن بدبختوں نے آپ سے بے ادبی کی تھی ان بدبختوں کو کیفر کردار کو پہنچا دیا گیا۔ اس کے بعد خانقاہ میں کچھ سکون ہوا ورنہ ایسی بے چینی اور تشویش تھی کہ لکھی نہیں جاسکتی۔ اور یہ سب تو ان ہی اہل دنیا سے ملنے کی وجہ سے ہوتا ہے۔

دنیا کی زشت روئی اور بدحالی

اس کے بعد دنیا کی بدحالی اور زشت روئی پر بات نکل آئی حضرت مخدوم نے فرمایا اگر دنیا کو بہترین لباس پہنا دیا جائے تو وہ حسین، باجمال، شاداب اور دلکش عورت نظر آئے۔ یا پھر بہت لطیف اور لذیذ مٹھائی اور حلوا۔ لیکن اگر اس کی اصل اور حقیقت سامنے آجائے تو وہ غلیظ، مردار اور پلید کے سوا کچھ نہ معلوم ہو۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلعم کہیں تشریف لے جارہے تھے۔ کئی صحابہ بھی ساتھ تھے۔ ایک مری ہوئی بکری مزبلہ پر پڑی ہوئی تھی۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ کوئی ہے جو اس مردار بکری کو مجھ سے دو درہم میں لے لے۔ ان لوگوں نے کہا کہ یارسول اللہ اگر یہ زندہ ہوتی تو ذبح کرتے لیکن اب یہ کس کام کی۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ واللہ ان الدنیا لاھون عند اللہ من ھذہ الشاۃ۔ یعنی خدا کی قسم اللہ تعالےٰ کے نزدیک دنیا اس بکری سے زیادہ ذلیل ہے۔ تمام بزرگوں نے دنیا کو مردار ہی سے تشبیہ دی ہے۔ اسی کے حسب حال حضرت مخدوم نے ایک قصہ بیان فرمایا کہ ہمارے خواجہ بیان فرماتے تھے اور یہ تذکرہ میں بھی ہے کہ حضرت جنید بغدادیؒ کے ارادت مندوں میں سے ایک شخص

نے خلوت نشینی، مجاہدہ اور ریاضت کو مکمل طور پر چھوڑ دیا اور فراغت کے ساتھ گھر میں بیٹھ رہا حضرت جنیدؒ خود اس کے پاس تشریف لے گئے اور پوچھا کہ میری صحبت اور خدا کا کام تم نے کیوں چھوڑ دیا۔ اس نے جواب دیا کہ جس مقصد سے میں مشقت اور مجاہدہ کر رہا تھا وہ مجھے حاصل ہو گیا۔ اس نے کہا ہر رات کو پچھلے پہر دو فرشتے میرے پاس آتے ہیں اور میرے لیے براق لاتے ہیں۔ اور عزت و تکریم سے مجھ کو اس پر سوار کرا کر بہشت میں لے جاتے ہیں وہاں بہت بڑا نرم اور خوب صورت تخت بچھا ہوا ہوتا ہے اس پر بٹھاتے ہیں۔ شراب و کباب کا دور چلتا ہے۔ حور و غلمان و ساقی دست بستہ کھڑے رہتے ہیں نوع بہ نوع کے لذیذ اور خوش ذائقہ کھانے موجود رہتے ہیں۔ رات اسی طرح خوشی اور ذوق میں گزرتی ہے صبح ہوتی ہے تو گھر واپس آ جاتے ہیں۔ اسی طرح ہر رات کا معمول ہے۔ حضرت جنیدؒ نے کہا کہ اس وقت میرا نام یا کلمہ تمجید زبان پر لا کر دیکھو۔ حسب معمول فرشتے براق لے کر آئے اس کو سوار کر کے لے گئے۔ اور رات اسی طرح خوب عیش و عشرت میں کٹی۔ واپسی کے وقت یکایک اس کو خیال آیا کہ جنیدؒ نے اپنا نام یا کلمہ تمجید زبان پر لانے کے لیے کہا تھا۔ ذرا اسے کر کے تو دیکھوں حضرت جنیدؒ کو کہنے کو تو ہو گا کہ میں نے آپ کا نام یا کلمہ تمجید زبان پر لایا تھا۔ چنانچہ اس نے حضرت جنیدؒ کا نام لیا۔ نام لیتے ہی فریاد و فغاں کرتی ہوئی کچھ صورتیں نمودار ہوئیں وہ سب کی سب بہت بد صورت، مکروہ خوف ناک اور وحشت ناک تھیں۔ انہیں دیکھ کر طبیعت متنفر اور متوحش ہو گئی۔ پھر اس براق کو دیکھا تو وہ کوڑا کرکٹ پر چرنے والا گدھا تھا۔ اور وہ لذیذ کھانے مرے ہوئے کتوں کے اور آدمیوں کے سر نظر آئے۔ حلوے اور مٹھائیاں غلیظ چیزیں نظر آئیں۔ شراب و شربت کتے، گدھے اور آدمی کے پیشاب بن گئے۔ اور وہ تخت کوڑا کرکٹ اور گندگی کا تودہ نظر آیا جو بغداد شہر سے باہر پھینکا جاتا تھا۔ اس قصہ کو بیان کرنے کے بعد حضرت مخدوم نے فرمایا کہ وہ دنیا کا لباس تھا اور یہ اس کی اصل اور حقیقی صورت۔ اس کے بعد فرمایا کہ یہ قصہ مشائخ اس لیے کہتے ہیں کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ سلوک بغیر پیر کے میسر نہیں ہو سکتا۔ ورنہ شیطان اس پر غالب آ جائے گا۔ لیکن میں یہ قصہ اس لیے کہہ رہا ہوں کہ ذرا غور کرو کہ جب اللہ تعالیٰ کی بدترین مخلوق شیطان لعین کو یہ طاقت حاصل ہے کہ غلاظت کو بہترین رنگ و بو اور مزہ دے دیتا ہے اور اس کو بہشت کا کھانا کہہ کر اپنے پیرو کو کھلاتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے جو کہ قادر مطلق ہے دنیا کو

جو کہ سرتا پا پلید، گندہ اور غلیظ ہے، پردہ ڈال کر اپنے بندوں کی آزمائش کے لیے خوبصورت دلکش اور حسین بنا دیا ہے تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔

شب قدر کا تعیّن

اس کے بعد ایک سائل نے شب قدر کے تعین کے بارے میں پوچھا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام سال ہوتا رہتا ہے لیکن شب قدر کا تعین زیادہ تر لوگ رمضان مبارک کے آخری عشرہ میں کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں یہ بھی کہتے ہیں کہ ہر رات کو ایک گھنٹہ ایسا گزرتا ہے کہ اُس میں نماز اور دُعا پڑھ کر خدا سے جو مانگا جائے ملے گا۔ پھر فرمایا کہ وحی کے نزول کی ابتدا سترہ رمضان المبارک سے ہوئی تھی۔ اور وہ شب قدر تھی کیونکہ قرآن مجید میں ہے۔ انّا انزلناہ فی لیلۃ القدر و شہر رمضان الّذی انزل فیہ القرآن۔ اور اس سے یہی بات نکلتی ہے۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ شب قدر صرف رمضان ہی میں ہوتی ہے۔ اس لیے کہ اس طرح کا کوئی لفظ قرآن میں نہیں ہے جس سے یہ معلوم ہو کہ سوائے رمضان کے اور کسی ماہ میں شب قدر نہیں ہوتی۔ بس اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن شریف کا نزول شب قدر میں ہوا تھا اور وہ رمضان کی سترہ تاریخ تھی۔ یعنی من جملہ بہت سی شب قدر کے وہ بھی ایک شب قدر تھی۔

سائل مذکور نے پھر پوچھا کہ لوگوں نے شب قدر کی علامت بتائی ہے کہ اس رات کی صبح کے آفتاب میں ہمیشہ کی طرح روشنی نہیں رہتی۔ حضرت مخدوم نے جواب دیا کہ ظاہر ہے جس نے شب قدر کا نور دیکھ لیا اس کے سامنے آفتاب کی روشنی کیا جچے گی۔ پھیکی تو معلوم ہوگی ہی۔ ورنہ یہ معنی نہیں ہے کہ حقیقت میں آفتاب کی روشنی اور نور میں کمی ہو جاتی ہے۔ روشنی تو اس میں اسی طرح رہتی ہے لیکن شب قدر کے نور کو دیکھنے والوں کو وہ کم اور مدھم معلوم ہوتی ہے۔

سائل نے پھر پوچھا کہ یہ بھی مشہور ہے کہ شب قدر میں بارش ہوتی ہے اور ابر گھرا ہوا ہوتا ہے۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ بارش ہر رات کو ہونا ضروری نہیں ہے اور رسول اللہ صلعم نے جو فرمایا ہے را یتنی اسجدُ فی ماءٍ وطین۔ یعنی میں نے دیکھا کہ میں پانی اور مٹی پر سجدہ کر رہا ہوں۔ اس کے مطلب یہ ہیں کہ اس سجدہ کا اثر رسول اللہ صلعم کی پیشانی مبارک پر صبح تک باقی تھا۔ اور اس کا احتمال ہے کہ اس شب کو بارش ہوگئی ہو اور رسول اللہ صلعم مٹی اور پانی پر ہی خدا کے حضور سر بہ سجود ہوئے ہوں۔

بچّوں کو شروع میں شوخ نہ کیا جائے

شیخ سعید کے لڑکے شیخ عمر نے اپنے لڑکے کو حضرت مخدوم کے سامنے لایا اور اسے کہا بیٹے! حضرت مخدوم کے سامنے پانچ آیت قرآن شریف کی پڑھ کر سناؤ تو۔ اس لڑکے نے جو تقریباً بارہ سال کا تھا پانچ آیت پڑھ کر سنایا۔ حضرت مخدوم بڑی شفقت اور مہربانی سے اس کے ساتھ پیش آئے پھر فرمایا مولانا عمر! بچوں سے پانچ آیت مجلس میں پڑھوانا بہت اچھا کام ہے لیکن اس سے بچوں میں شوخی آ جاتی ہے۔ اور پھر غزل پڑھنے اور گانا سنانے کی مجلس میں عادت ہو جاتی ہے اور وہ اچھی بات نہیں ہے۔ ابھی سے بچوں کو شوخ کر دینا اچھا نہیں ہوتا۔ شروع میں لوگوں سے خوف و ہراس اور شرم بچوں میں پیدا کرانا چاہیے پھر فرمایا میں نے کبھی بھی کسی کو اپنے سامنے صف نعال میں بیٹھ کر قرآن مجید پڑھنے کی اجازت نہیں دی اور اگر کوئی پڑھے تو میں خوش نہیں ہوتا میں کہتا ہوں اگر تمہارا ایسا ہی کچھ پڑھنے کو جی چاہے تو غزل پڑھو لیکن صف نعال میں بیٹھ کر قرآن مجید پڑھنا جب کہ اس کے آگے کی صف میں لوگ بیٹھے ہوئے ہوں میں پسند نہیں کرتا قرآن کی تکریم اس کی اجازت نہیں دیتی۔ قرآن مجید پڑھنے کے لیے سب سے آگے صدر نشین بنایا جائے اور سب لوگ ہاتھ باندھ کر اس قاری کے سامنے مؤدب بیٹھیں اور سنیں۔ قرآن کی تکریم یہی تقاضا کرتی ہے۔

روز شنبہ ۱۱ر شوال المکرم ۸۰۲ھ

اسرار الٰہی کو پوشیدہ رکھنا چاہیے

چاشت کے وقت اسرار الٰہی کو پوشیدہ رکھنے کا تذکرہ نکل آیا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا، عام لوگوں کے سامنے اسرار الٰہی کو نہیں بیان کرنا چاہیے کیونکہ اس سے سوائے ذلت و خواری اور تمسخر کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ جو اہل ہیں ان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا بلکہ نقصان ہوگا۔ اسی کے حسب حال حضرت مخدوم نے ایک قصہ بیان فرمایا کہ ایک دن حضرت ذوالنون مصریؒ کہیں جا رہے تھے ایک جگہ دیکھا کہ بہت سے لوگ جمع ہیں اور ایک جوان کو سنگسار کر رہے ہیں۔ انھوں نے ان لوگوں سے پوچھا کہ بھائی، اس بیچارے کو کیوں مار رہے ہو۔ ان لوگوں نے کہا اے ذوالنون! جو کچھ وہ بولتا ہے اگر تم سن لو تو اس کو اور زیادہ مارو۔ اس کا پیٹ

پھاڑ دو۔ انہوں نے پوچھا کیا بولتا ہے۔ لوگوں نے بتایا کہ وہ کہتا ہے کہ میں اللہ کو ان آنکھوں سے دیکھتا ہوں۔ حضرت ذوالنون اس کے پاس گئے اور پوچھا کہ اے جوان تم ایسا بولتے ہو۔ اس نے جواب دیا کہ اے ذوالنون اگر میں اللہ کو دیکھتا نہیں ہوں تو پھر زندہ کس طرح ہوں حضرت ذوالنون نے باچشم تر فرمایا "ہاں بھائی مارو۔ یہ مارنے کے لائق ہی ہے۔"

دریا کی گہرائی بے انتہا ہے

ظہر کی نماز کے بعد دریا کی گہرائی پر بات نکل آئی کہ اس کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے دریا کے موکل فرشتہ سے پوچھا کہ دریا کی گہرائی کتنی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ ایک بڑھئی جہاز پر بیٹھا ہوا کوئی چیز کاٹ رہا تھا تیشہ (آری) اس کے ہاتھ سے دریا میں گر پڑا۔ اس کو گرے ستر ہزار سال ہو گئے ہیں لیکن ابھی تک وہ تیشہ تہہ نشین نہیں ہوا ہے۔

امراء بنو امیہ اور خلفاء عباسیہ کا عدل اور ظلم

عشاء کی نماز کے بعد امراء بنو امیہ اور خلفاء عباسیہ کے ظلم اور انصاف کا تذکرہ نکل آیا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا ان لوگوں کا ظلم رسول اللہ صلعم کے اہل بیت اور فرزندوں کے علاوہ کسی دوسرے پر نہ تھا۔ وہ عوام کے ساتھ معاملات میں صحت اور عدل کا خیال رکھتے تھے۔ اسی لیے ان کی تعریف کتابوں میں لکھی ملتی ہے خلیفہ منصور دوانقی ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں آیا۔ چار سو اونٹ کو کرایہ پر لیا۔ اونٹ والوں نے کرایہ مانگا تو نہیں دیا۔ اونٹ والوں نے قاضی کے سامنے مقدمہ دائر کیا۔ قاضی نے شرعی حکمنامہ بھیج کر خلیفہ کو طلب کیا۔ جس وقت قاضی کا آدمی منصور کے پاس پہنچا اس وقت وہ دربار میں بیٹھا ہوا تھا خلیفہ منصور طلبی کا حکم نامہ پڑھتے ہی کھڑا ہو گیا اور حکم دیا کہ دربار میں اعلان کر دو کہ خلیفہ مقدمہ کے سلسلے میں قاضی کے طلب کرنے پر قاضی کے پاس گیا ہے۔ کوئی شخص بھی قاضی کی عدالت میں میری تعظیم کے لیے نہیں کھڑا ہو ہر شخص اپنی جگہ پر بیٹھا رہے۔ جوتا پہن کر وہ عدالت کی طرف روانہ ہوا۔ راستہ میں بولتا جاتا تھا کہ اگر قاضی مجھے دیکھ کر تعظیماً اٹھا یا اپنے فیصلہ دینے میں پس و پیش کیا یا مدعی کو مجھ پر فوقیت دی تو میں قاضی کو عہدۂ قضا سے معزول کر دوں گا۔ غرض خلیفہ منصور عدالت میں حاضر ہوا۔ قاضی نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ کی اور نہ کوئی التفات دکھلایا۔ جو کام کر رہا تھا کرتا رہا۔ جب اس کو ختم کر چکا تو اس

نے مدعی اور مدعا علیہ کو ایک جگہ کھڑا کر کے پہلے مدعی سے پوچھا کہ تمہارا کیا دعوے ہے اس نے کہا خلیفہ نے چار سو اونٹ ہم سے کرایہ پر لیے تھے اور میرا کرایہ نہیں دیتا ہے پھر قاضی نے مدعا علیہ کی طرف مخاطب ہو کر پوچھا کہ یہ جو کہتا ہے اس کا کیا جواب ہے خلیفہ نے کہا یہ صحیح کہتا ہے۔ میں اس کا کرایہ ادا کر دوں گا۔ قاضی نے کہا فوراً ادا کیجیے۔ خلیفہ نے کہا بہت اچھا اس کے بعد محل میں چلا آیا۔ اور قاضی کے عہدہ میں ترقی اور انعام و اکرام سے نوازا۔

سادات حسینی کے ساتھ منصور عباسی کا ظلم

حضرت مخدوم نے ایک اور واقعہ بیان فرمایا کہ ایک دن سادات حسینی کی ایک جماعت عبد اللہ محض کے لڑکے خلیفہ منصور کے پاس بیٹھی ہوئی تھی ۔ خلیفہ بڑا منحوس اور کنجوس تھا اسی لیے اس کو منصور دوانقی کہتے تھے۔ خلیفہ اس روز کسی وجہ سے خوش تھا اس نے ایک خریطہ مروارید کا ان سادات کے لیے منگوایا۔ موتی سب چھوٹے چھوٹے تھے۔ ان لوگوں کو تقسیم کرنے کے وقت ایک سید نے کہا ہمارے خلیفہ خوش بھی ہوئے تو اتنی معمولی چیز عطا کی۔ اس بات پر منصور کو غصہ آگیا وہ اٹھ کر اندر چلا گیا اور ان لوگوں کو گرفتار کرنے کا حکم دیا۔ یہ لوگ بھاگے۔ پھر بھی اٹھارہ آدمی پکڑے گئے۔ ان سب کو ایک کوٹھڑی میں بند کر کے تمام دروازے اور روشن دان وغیرہ اس کوٹھڑی کے باہر سے بند کروائے گئے۔ کھانا پانی بالکل روک دیا گیا۔ وہ کوٹھڑی اتنی تنگ و تاریک تھی کہ پیشاب پائخانہ ایک دوسرے پر پڑتا تھا۔ اسی حالت میں شدید تکلیف دے کر ان سبھوں کو مار ڈالا۔

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے صاحبزادے محمد دیباج کو خلیفہ ہارون الرشید نے زندہ زمین میں دفن کر دیا تھا۔ اور ابو یوسفؒ قاضی کھڑے دیکھتے رہے۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ اہل بیت پر اتنا ظلم کرنے کا سبب یہ تھا کہ بقول ہارون الرشید یہ لوگ ہم کو نظر میں نہیں لاتے اور حکومت کرنے میں مزاحم ہوتے ہیں۔ اور عوام ان کی موجودگی میں ہماری طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ اور یہ بات طے شدہ ہے کہ جب تک یہ لوگ زندہ ہیں ہمارا کام صحیح طور پر نہیں ہو سکتا۔

حضرت مخدوم نے خلیفہ منصور کا ایک اور واقعہ بیان کیا کہ ایک مرتبہ منصور دوانقی کے پاس ایک آدمی نے آکر کہا کہ کوفہ میں ایک خواجہ ہے اس کے پاس بنو امیہ کا بہت سا مال محفوظ ہے۔ خلیفہ نے وہاں کے گورنر کو لکھا کہ فلاں خواجہ کو میرے پاس بھیج دو۔ گورنر نے

اس خواجہ کو بغداد بھیج دیا۔ جب اس کی ملاقات خلیفہ سے ہوئی تو اس نے ادب سے عرض کیا کہ مجھ کو تو دربار اور اہل دربار سے کبھی واسطہ نہیں رہا ہے خلیفہ نے خاص طور پر مجھے کیوں طلب فرمایا ہے۔ خلیفہ نے کہا میں نے سُنا ہے تمہارے پاس بنو امیہ کا بہت سا مال محفوظ ہے۔ اس نے کہا جی ہاں، ہے تو لیکن آپ کو اس سے کیا مطلب۔ کیا آپ کی ان لوگوں سے کوئی قرابت داری تھی جو ورثہ میں آپ کو وہ مال پہنچتا ہو۔ خلیفہ منصور نے کہا وہ مال بیت المال کا ہے خواجہ نے کہا یہ کس طرح تحقیق سے کہا جا سکتا ہے کہ بنو امیہ کے پاس سوائے بیت المال کے مال و متاع کے ان کی ذاتی کوئی چیز نہ تھی۔ اس لیے میرے پاس جو کچھ ہے وہ ان کی ذاتی ملکیت سے ہے جو ان کو تحفے اور باپ دادا کے ترکہ سے ملا تھا۔ اور ان کو آپ کس بنا پر مجھ سے طلب کرتے ہیں خلیفہ خاموش ہو گئے کہ یہ آدمی تو جیہہ صحیح پیش کر رہا ہے۔ اس سے کیا کہا جا سکتا ہے۔ منصور نے معذرت چاہی اور واپس جانے کی اجازت دے دی۔ خواجہ نے کہا امیر المومنین خدا خوب جانتا ہے کہ میں اب جو کچھ کہوں گا سچ کہوں گا۔ بنو امیہ کو میں نے کبھی نہیں دیکھا اور نہ ان سے میری کبھی شناسائی یا سروکار رہا۔ اس وقت تک جو میں خلیفہ کے سامنے بولتا رہا وہ محض بحث کے طور پر تھا۔ اب مجھے بتایا جائے کہ یہ رنگ آمیزی اور چغل خوری کس نے کی ہے۔ خلیفہ نے کہنے والے کو بلوایا۔ وہ جیسے ہی آ کھڑا ہوا خواجہ اس کی طرف دیکھ کر ہنسا اور کہا اے امیر المومنین یہ میرا غلام ہے۔ بہت زمانے کے بعد آج اس پر نظر پڑی ہے۔ خلیفہ نے اس غلام کی طرف مخاطب ہو کر پوچھا کہ تو ان کا غلام ہے۔ اس نے کہا جی ہاں میں اس خواجہ کا غلام ہوں۔ خلیفہ نے پوچھا تو نے ایسی حرکت کیوں کی۔ اس نے کہا میں نے ان کا بہت سا مال برباد کر دیا تھا۔ میں نے سوچا کہ یہ جب سنیں گے کہ میں بغداد میں ہوں تو معلوم نہیں میرے ساتھ کیا سلوک کریں۔ اس لیے میں نے یہ چغل خوری کی کہ اس کو مصیبت میں پھنسا دوں وہ گرفتار ہو کر آئے گا اور خلیفہ کے عتاب میں پڑے گا تو میری گلوخلاصی ہو جائے گی۔ خلیفہ منصور نے اس غلام کو خواجہ کے حوالہ کر دیا اور اس سے کہا کہ تم جو چاہو اس کے ساتھ کرو۔ خواجہ نے کہا اے امیر المومنین! یہ غلام چونکہ آپ سے ملاقات کا باعث ہوا اور مجھے امیر المومنین سے ملاقات اور گفتگو کرنے کا شرف حاصل ہوا اس لیے اس کے شکرانہ کے طور پر میں اس غلام کو آزاد کرتا ہوں اور چونکہ امیر المومنین سے میری شناسائی اور نیاز حاصل ہوا اور میری دیانت داری کا سکہ دل میں بیٹھا اس لیے اس شکرانہ میں اس غلام کو ایک درہم بھی دیتا ہوں

کہ وہ اس سے کچھ خرید و فروخت کر کے اپنا ذریعہ معاش پیدا کرے۔ منافع یا یہ درہم میں اس سے نہیں لوں گا۔

روز یکشنبہ ۱۲ ر شوال المکرم ۸۰۲ھ

اللہ اور اللہ والوں کے اسرار کے اختفا اور اشکال کے بارے میں

چاشت کے وقت اللہ اور اللہ والوں کے اسرار کے اختفا و اشکال کا ذکر نکل آیا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا ہلال، بلال صہیب اور سلمان اکثر ابوبکرؓ اور عمرؓ کے دروازہ پر آکر دروازہ کھٹکھٹاتے تھے اور کہتے تھے تعالوا انؤمن ساعۃً یعنی آؤ کچھ دیر مومن ہو جائیں۔ یہ باتیں ابوبکرؓ اور عمرؓ کو بہت گراں گزریں وہ دونوں رسول اللہ صلعم کے پاس آئے اور بولے کہ یا رسول اللہ الینا بمومنین یعنی اے رسول اللہ صلعم! کیا ہم لوگ مومن نہیں ہیں۔ رسول اللہؐ نے فرمایا انتم مومنون ورب الکعبۃ۔ یعنی خدا کی قسم تم لوگ مسلماناں برحق ہو۔ ان دونوں نے پوچھا پھر کیا وجہ ہے کہ یہ موالی ہم دونوں کے دروازہ پر آکر اس طرح بولتے ہیں اور آوازہ لگاتے ہیں۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا یہ لوگ اس ایمان سے دوسرا ایمان مراد لیتے ہیں۔ اس کے بعد رسول اللہ صلعم نے ان تینوں کو بلوایا اور کہا کہ تم لوگ شراب کہیں اور پیتے ہو اور بدمستی کہیں اور کرتے ہو۔ الزموا علیٰ عزائمکم۔ یعنی اپنی برکتوں پر قائم رہو اور بدمستی کو چھوڑ دو۔ اس قصہ میں کئی مشکلات درپیش ہیں۔ کیا بات ہے کہ موالی افضل صحابہ کے دروازہ پر آکر تعالوا انُؤمِنُ ساعۃً کہتے ہیں اور ان افضل صحابہ کو اس بارے میں رسول اللہ صلعم سے گفتگو کرنے کی ضرورت لاحق ہوئی۔ اس سلسلے میں کہا جاسکتا ہے کہ یہ دونوں متمکن تھے اور موالی متلون۔ لیکن ان دونوں کی رسول اللہ صلعم سے شکایت اس کی تردید کرتی ہے۔ چونکہ مرد متمکن متلون کی رنگ آمیزی کی پرواہ نہیں کرتا۔ اور نہ ان کی باتوں کی طرف دھیان دیتا ہے۔ متلون ایک ایسی جماعت ہے جن سے اس طرح کی حرکت اکثر ہو جاتی ہے۔ جس طرح پرانے مے خوار خم کا خم لنڈھا دیتے ہیں لیکن ذرا نہیں بہکتے۔ اور نہ ہوش و حواس کھوتے ہیں۔ برخلاف اس کے نئے اور اوچھے مے خوار چند ہی جام پی کر بدمست ہو جاتے ہیں اور بہکی بہکی باتیں کرتے

لگتے ہیں۔ مگر ان سے نہ کوئی بولتا ہے اور نہ ان کی حرکتوں کی پرواہ کرتا ہے۔ سمجھتا ہے کہ یہ کم حوصلہ اور کچے لوگ ہیں ان لوگوں سے اس طرح کی باتیں عجب نہیں۔ ایک دوسری مشکل جو سمجھ میں نہیں آتی یہ ہے کہ رسول اللہ صلعم ان کو جواب میں کہتے ہیں کہ ان لوگوں کی مراد ایمان سے دوسرا ایمان ہے۔ اور اس کی وضاحت نہیں فرماتے ہیں۔ اور اس سے بھی زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ ابوبکرؓ اور عمرؓ بھی نہیں پوچھتے ہیں کہ وہ کون سا ایمان ہے جس کی طرف یہ موالی ہم دونوں کو بلاتے ہیں پھر حضرت مخدوم نے یہ دو شعر پڑھے :۔ ؎

چہ بہ کونین می شوی مغرور
ہر دو عالم بدیں مبادلہ کن

صورت خوب تو زنسخہ اوست
باز خواں وبہیں مقابلہ کن

پھر یہ رباعی پڑھی : ؎

دل در تنگ و پو نہ شد نکو شد کہ نہ شد
جز بر تو فرو نہ شد نکو شد کہ نہ شد

گفتی کہ بر نجم از نکو شد کارت
دیدی کہ نکو شد و نکو شد کہ نہ شد

رسول اللہ صلعم اور علیؓ پہ عالم قدسی سے ایک صورت کا جلوہ فگن ہونا

حضرت مخدوم نے بیان فرمایا کہ

رسول اللہ صلعم ایک صبح کو نماز کے بعد مصلا پر گھوم کر بیٹھ گئے اور تمام لوگوں سے ارشاد فرمایا کہ آؤ میرا چہرہ دیکھو۔ تمام لوگ آئے اور رسول اللہ صلعم کے روئے مبارک کی زیارت کی لیکن امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ اپنی جگہ پر بیٹھے رہے۔ دوسرے دن علی کرم اللہ وجہہ اسی طرح مصلا پر گھوم کر بیٹھ گئے اور تمام لوگوں سے کہا کہ آکر میرا چہرہ دیکھو۔ لوگوں نے رسول اللہ صلعم سے پوچھا کہ علیؓ کیا کہہ رہے ہیں پیغمبر صلعم نے فرمایا علیؓ جو کچھ کہہ رہے ہیں اس کے مطابق کرو۔ سب لوگ آئے اور علیؓ کا چہرہ دیکھا۔ بعد میں ابوبکرؓ عنہ نے رسول اللہ صلعم سے پوچھا کہ اس میں کیا راز ہے یا رسول اللہ کل آپ نے مصلیٰ پر بیٹھ کر لوگوں کو اپنا چہرہ دیکھنے کے لیے بلایا تھا۔ ہم سب لوگ آئے اور آپ کے چہرے کو دیکھا لیکن علیؓ اپنی جگہ پر بیٹھے رہے۔ آج علیؓ نے اسی طرح سب لوگوں کو مصلا پر بیٹھ کر بلایا کہ میرا چہرہ دیکھو۔ ہم سب گئے اور ان کا چہرہ دیکھا لیکن آپ نہیں تشریف لے گئے۔ آخر اس میں کیا راز پوشیدہ ہے۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ کل رات کو عالم قدسی سے ایک صورت جلوہ افروز ہوئی تھی۔ اور وہ آکر مجھ سے بغل گیر ہوئی۔ اس کے بغل گیر ہونے سے جو لذت، ٹھنڈک، اور آرام میں نے اپنے سینہ و دل میں محسوس

کیا وہ بیان نہیں کیا جاسکتا - اس کو صاحب ذوق ہی سمجھ سکتا ہے - میں نے بارگاہ ایزدی سے
پوچھا کہ خداوندا! یہ کرم صرف میرے ہی لیے مخصوص ہے یا دوسروں کے لیے بھی ہے - جواب
ملا کہ انبیاء کے درمیان یہ صرف تمہارے ہی لیے تھا - میں نے اس سعادت میں کسی نبی کو شریک
نہیں کیا - پھر میں نے پوچھا کہ خداوندا! میری اُمتوں میں سے کسی کو اس سعادت میں سے کچھ
حصہ ملے گا - جیسی کہ میری عادت ہے کہ جو کچھ آپ مجھے عنایت فرماتے ہیں میں اپنی امت کا بھی
حصہ اس میں سے چاہتا ہوں جواب ملا کہ اپنے چار یاروں میں سے کسی ایک کو لاؤ اس کو اس میں
سے کچھ حصہ دوں گا - سب سے پہلے اے ابوبکرؓ میں تم کو لے گیا - فرمان باری ہوا ان کو واپس
کردو ان کے لیے اس میں سے حصہ نہیں ہے - پھر میں عمرؓ کو لے گیا وہی حکم ہوا، اسی طرح عثمانؓ
کو لے گیا اور ان کے بارے میں بھی وہی جواب ملا - آخر میں جب میں علیؓ کو لے گیا تو آواز آئی
ان ہی کو میں چاہ رہا تھا - پھر وہی صورت علیؓ پر جلوہ فگن ہوئی - علیؓ کو اپنے آغوش میں لے
لیا اور پھر مجھے بھی اپنے آغوش میں لیا اس مرتبہ کی لذت اور ٹھنڈک پہلے سے بھی ہزار گونہ زیادہ
تھی - پھر میں نے اللہ سے سوال کیا کہ یہ نعمت صرف ہم ہی دو کے لیے مخصوص ہے یا میری اُمتوں
سے کسی اور کے لیے بھی ممکن ہے - جواب ملا کہ جو شخص کل صبح کو آپ کا چہرہ دیکھ لے گا وہ بھی
بہرہ مند ہوگا اور جو شخص بیرسول علیؓ کا چہرہ دیکھ لے گا اس کو بھی اس میں سے حصہ ملے گا -

طالبان خدا کی پہچان اور شرط

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ طالب کی شرط یہ نہیں ہے کہ
پہلے مقصود کے حصول کا امکان دیکھ لے پھر اس کی
طلب کرے، بلکہ طالب وہ ہے جس کے دل میں بغیر اختیار کے مقصود کی طلب حادث ہو اگرچہ
صاحب عقل و تجربہ اس کے حصول کو محال بتلا رہے ہوں لیکن وہ ان کی باتوں پر دھیان نہ
دے - اور اگرچہ وہ انسانی فطرت کے مطابق متردد اور پریشان ہوگا لیکن طلب کی جو آگ
اس کے دل میں لگ گئی ہے وہ لوگوں کے سمجھانے بجھانے سے کہاں کم ہوتی ہے - طالبان
خدا وہ لوگ ہیں کہ فقہا چاہے کسی طرح اور کتنی ہی پرزور دلیل کے ساتھ وصال محبوب اور
بقائے جمال وجہ الجمیل سبحانہ کو ناممکن اور محال بتائیں لیکن اس کی آتش شوق تیز تر ہی ہوتی
جائے گی - وہ بے چارا طالب اگرچہ اپنے دل میں ایک لمحہ کے لیے سوچے گا بھی کہ فلاں فقیہ اور
فلاں مولانا بڑے دین دار، زاہد، متقی، مجتہد اور پرہیزگار ہیں اور وہ جب ایسا کہہ رہے ہیں
تو مان لینا چاہیے اس لیے کہ واقعی میں اس لائق نہیں ہوں کہ مقصود تک پہنچ سکوں لیکن

اسی درمیان میں اس کے عشق کی آگ بھڑک اٹھتی ہے اور وصل یار کا شوق پہلے سے بھی زیادہ ہو جاتا ہے: ؎

دل را ز عشق چند ملامت کنم کہ ہیچ این بت پرست کہنہ مسلماں نمی شود

اسی کے حسب حال حضرت مخدوم نے لیلیٰ مجنون کا ایک قصہ بیان فرمایا کہ مجنون سے لوگوں نے پوچھا کہ اگر تم لیلیٰ کے بستر تک پہنچ جاؤ لیکن لیلیٰ تمہاری بات نہ مانے تو تم کیا کرو گے؟ مجنوں نے کہا میں اس کی بات مان لوں گا۔ پھر کسی نے پوچھا کہ اگر وہ تم کو بستر سے گرا دے تو کیا کرو گے، اس نے جواب دیا دو زانو ہو کر بیٹھ جاؤں گا۔ اگر بیٹھنے بھی نہ دے تو کیا کرو گے۔ جواب دیا باہر بیٹھ جاؤں گا۔ اگر باہر بھی بیٹھنے نہ دے پھر کیا کرو گے جواب دیا لیلیٰ کی گلی کے کتوں میں سے ایک ہو جاؤں گا۔ اور ان کے ساتھ اس کی گلی کا طواف کرتا رہوں گا: ؎

مرا گویند اینجا کیستی تو! سگم گرد سرا ایں کوے گردم

اگر گلی کا طواف کرنے سے روک دے تو پھر کیا کرو گے جواب دیا لیلیٰ کی گلی میں سکونت اختیار کر لوں گا اور اگر سکونت نہ اختیار کرنے دے تو پھر کیا کرو گے جواب دیا لیلیٰ کے شہر میں بس جاؤں گا۔ اور اگر شہر سے بھی جلا وطن کر دے؟ جواب دیا جہاں بھی رہوں گا لیلیٰ کے شہر کی طرف منہ کیے رہوں گا۔ اور اگر کسی طرح اس سے باز رکھے پھر کیا کرو گے۔ جواب دیا ع

منم و خیال لیلیٰ شب و روز با جمالش

اب اس سے تو کوئی نہیں روک سکتا۔ اور جو شخص اس منزل پر پہنچ گیا اس کو وصل یار دل سے حاصل ہو گیا۔ سلوک، جمال محبوب کے مشاہدہ پر دلی استقامت کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ پھر حضرت مخدوم نے یہ چند اشعار بڑے ذوق سے پڑھے: ؎

دولت عشق را نہایت نیست عاشقاں را بجز ہدایت نیست
عشق حسے است از برد ل بشد آب و گل مرد را کفایت نیست
بو العجب سوا تے است سورت عشق چار مصحف در و یک آیت نیست

موسیٰ علیہ السلام کی موت کا تذکرہ

اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام کی موت کا ذکر نکل آیا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے عزرائیل علیہ السلام کو موسیٰ علیہ السلام کی روح قبض کرنے کے لیے بھیجا موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا تم کون

ہو ؟ اور کہاں سے آئے ہو ؟ جواب ملا میں عزرائیل ہوں آپ کی روح قبض کرنے کے لیے آیا ہوں۔ موسیٰ علیہ السلام غضب ناک ہو گئے اور ایک طمانچہ عزرائیل علیہ السلام کے چہرے پر رسید کیا۔ ان کی آنکھ جاتی رہی۔ عزرائیل علیہ السلام آہ و فغاں کرتے ہوئے اللہ کے سامنے پہنچے اور کہا کہ خداوندا! تو نے مجھ کو اپنے ایسے بندے کے پاس بھیجا جو مرنا نہیں چاہتا۔ وہ اُلٹا مجھ پر غضب ناک ہو گیا اور ایسا طمانچہ مارا کہ میری ایک آنکھ بھی جاتی رہی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھ فوراً ٹھیک کر دی اور فرمایا کہ موسیٰ کے پاس جا کر کہو کہ اللہ فرماتا ہے کہ اے موسیٰ، اگر تم کو زندگی اچھی معلوم ہوتی ہو اور اس کی خواہش ہو تو کسی گائے کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ دو جس قدر بال کہ تمہارے ہاتھ کے نیچے آ جائیں گے اتنے سال کی زندگی تم کو اللہ سے مل جائے گی۔ اور بعضوں نے لکھا ہے کہ حکم باری ہوا کہ ایک سیب بہشت کا لے جاؤ اور موسیٰ کے ہاتھ پر رکھ دو۔ غرض عزرائیل علیہ السلام دوبارہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو سلام کہا ہے اور کہا ہے کہ اگر موسیٰ کو زندگی پسند ہے اور اس کی خواہش ہے تو کسی گائے کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ دیں جتنے بال کہ ہاتھ کے نیچے آ جائیں گے اتنے سال کی زندگی عطا ہو جائے گی۔ موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا اس کے بعد کیا ہو گا۔ عزرائیل علیہ السلام نے کہا اس کے بعد موت ہو گی۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا جب انجام کار موت ہی ہے اور کسی طرح اس سے چھٹکارا نہیں ہے تو پھر دیر کیوں۔ ابھی آ جائے۔ اور دوسری روایت کے مطابق اس سیب بہشتی کو ان کے ہاتھ میں دے دیا گیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس سیب کو کاٹا اس میں ایسی صاحب جمال و کمال، لطیف و حسین صورت ان کو نظر آئی کہ اپنی جان اس کے حوالہ کر دینے کے علاوہ کوئی چارہ نہ دیکھا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام ایک صحرا سے گزر رہے تھے کہ فرشتوں کو ایک کشادہ قبر کھودتے دیکھا جس میں سے غایت لطیف خوش بُو آ رہی تھی انہوں نے پوچھا کہ یہ قبر کس نیک بخت بندہ کے لیے ہے۔ فرشتوں نے جواب دیا اگر تم اپنے لیے پسند کرتے ہو تو تمہارے ہی لیے ہو جائے۔ موسیٰ علیہ السلام نے پسند کیا اور اسی میں لیٹ گئے۔ اس کی غایت ٹھنڈک، خوشبو اور دلکشی کے باعث ان کی آنکھ فوراً بند ہو گئی اور انہوں نے جان جان آفریں کو سپرد کر دی۔

جوانی کی قوت اور اس کی فضیلت

اس کے بعد جوانی کی قوت اور اس کی فضیلت کا تذکرہ نکل آیا۔ حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ زندگی کا

درخت ایام جوانی میں نوخیز اور نیا نیا پھل دینے والا ہوتا ہے۔ جس تدبیر سے اس میں سے پھل لینا چاہو لے لو۔ لیکن جب وہ بڑا اور چالیس سے اوپر ہو گیا تو پھر اس کی تربیت کا موقع نہیں رہتا جو اس وقت تک ہوا وہی رہ جائے گا۔ اس سے زیادہ اصلاح پذیر نہیں ہو سکتا۔ جیسے سوکھی لکڑی کا تنا جو سرسبز نہیں ہو سکتا۔ پھر فرمایا کہ امیر المومنین علیؓ، فاطمہؓ، حسنؓ حسینؓ اور فضہ نے نذر مانا تھا جو کہ اس آیت کے نزول کا سبب ہوا ویطعمون الطعام علیٰ حبہ مسکیناً اور اس کا تفصیلی تذکرہ گزشتہ مجلس میں ہو چکا ہے۔

روز دوشنبہ ۱۳ شوال المکرم ۸۰۲ھ

صوفیا کے بعض آداب کا تذکرہ

دوپہر کے وقت صوفیوں کے بعض آداب کا تذکرہ نکل آیا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا اگر کوئی شخص فتوح کسی صوفی کے لیے لاتا ہے اور وہ غلطی سے دوسرے صوفی کو چلا جاتا ہے۔ پھر اس کو خبر ہو جاتی ہے اور وہ اس کو اس صوفی سے لے کر اسی صوفی کو دیتا ہے جس کے لیے لایا تھا تو اس صوفی کا ادب یہ ہے کہ وہ اسی دوسرے صوفی کی طرف اس فتوح کو لوٹا دے کہ یہ چونکہ آپ کے پاس آ گیا تھا اس لیے یہ اب آپ ہی کا ہے۔ اور اس کی تائید میں شیخ الاسلام خواجہ نصیر الدین کا ایک قصہ بیان فرمایا کہ ایک مرتبہ شیخ الاسلام حضرت نظام الدین کی قدم بوسی کے لیے مولانا شمس الدین یحییٰ، مولانا علاؤ الدین نیلی، مولانا جلال اور ہمارے خواجہ حضرت نصیر الدین چراغ دہلویؒ، اودھ سے روانہ ہوئے۔ سب صوفیا ایک جگہ ٹھہرے مگر ہمارے خواجہ ان لوگوں سے علیحدہ ٹھہرے وہ بہت زیادہ اختلاط پسند نہیں کرتے تھے۔ ہمارے خواجہ کی والدہ نے ایک خچر پہ کھچڑی ساتھ کر دی تھی۔ پہلی ہی منزل پہ ہمارے خواجہ نے سب کو پکا کر کھلا دی۔ مولانا شمس الدین نے مولانا علاؤ الدین سے کہا کہ آپ نے ان کا بچپنا دیکھا اپنا سارا کھانے کا سامان پہلی ہی منزل پہ خرچ کر دیا۔ کل یہ کیا کریں گے۔ سفر آخر سفر ہے گھر نہیں ہے۔ عصر کی نماز کے وقت ایک شخص وہاں آیا اور مولانا شمس الدین یحییٰ سے پوچھا کہ مولانا محمود کہاں تشریف فرما ہیں۔ انہوں نے پتا بتا دیا۔ وہ شخص حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے قدم بوسی کے بعد پانچ اشرفی نذر گزاری۔ اس کے چلے جانے کے

بعد حضرت خواجہ نے بشیر خادم کو بلایا اور کہا کہ پانچ تنکہ زر مولانا شمس الدین کو دو اور کہو کہ یہ آنے والا پہلے چونکہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اور آپ سے میرا پتا پوچھنے کے بعد میرے پاس آیا اس لیے اس فتوح پر آپ کا حق ہے قبول فرمائیے۔ مولانا شمس الدین یحییٰ نے پھر مولانا علاؤ الدین نیلی سے کہا کہ دیکھا آپ نے یہ شخص کیا کہہ رہا ہے۔ اپنے کھانے کا سامان سب لوگوں کو پکا کر کھلا دیا اب آمدنی آئی ہے تو وہ فتوح بھی میرے پاس بھیج دیا۔ ہے۔ مغرب کی نماز کے بعد خواجہ بشیر کو کہا کہ ایک گٹھا گھاس کا لے آؤ۔ لوگ حیران ہوئے کہ راستہ میں گھاس کا کیا کام ہوگا۔ ہمارے خواجہ نے فرمایا کہ ہمارے پاس صف نماز پڑھنے کے لیے نہیں ہے ممکن ہے لوگ میرے پاس نماز پڑھنے کے لیے آئیں تو وہ کس پر پڑھیں گے۔ اگر گھاس ہوگی تو بچھا کر بیٹھ جائیں گے اور اسی پر نماز بھی پڑھیں گے۔ اذان دینے کا حکم حضرت خواجہ نے بھی دیا اور مولانا شمس الدین نے بھی اذان دلوائی۔ لیکن نماز کے لیے زیادہ تر لوگ حضرت خواجہ کی طرف چلے آئے۔ ۔

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مولانا شمس الدین کے پاس گنتی کے دو چار آدمی رہ گئے۔ مولانا علاؤ الدین نے مولانا شمس الدین سے کہا کہ مولانا آپ قابل اور عاقل آدمی ہیں آپ ہی فرمائیں نماز با جماعت کدھر پڑھی جائے حضرت خواجہ کی طرف جہاں بہت زیادہ لوگ پڑھنے کے لیے گئے ہیں یا آپ کے پیچھے جہاں دو تین آدمی رہ گئے ہیں۔ مولانا شمس الدین نے فرمایا کہ نہیں جہاں زیادہ لوگ ہیں نماز وہیں جماعت کی ادا کی جائے اور ہم لوگ بھی وہیں چلیں۔ چنانچہ اپنا اپنا مصلیٰ ہاتھ میں لیے سب حضرت خواجہ ہی کی طرف آ گئے۔ اور حضرت خواجہ ہی کے پیچھے نماز ادا کی۔ اور مولانا شمس الدین کی طرف کنبھایتی اور لکنوتی کی خوب صورت جانمازیں اور صف بچھے کے بچھے ہی رہے۔ سب لوگ با جماعت نماز پڑھنے کے لیے حضرت خواجہ ہی کے پیچھے آتے رہے۔ نماز کے بعد ایک شخص ایک خوان بھر کر کھانا لایا اور مولانا شمس الدین کی مجلس میں جا کر پوچھا کہ مولانا محمود کہاں ہیں۔ لوگوں نے پتا بتا دیا افطار کے وقت اتنا کھانا آ گیا کہ سب کو کافی ہو گیا۔ لوگوں میں بھی بانٹا گیا۔ مولانا علاؤ الدین نے مولانا شمس الدین سے کہا کہ دیکھا آپ نے۔ آپ کہہ رہے تھے کہ سب کچھ اپنے ساتھ کا لایا ہوا کھلا دیا اب خود کیا کھائے گا۔ اللہ رازق ہے اپنے بندے کو کس طرح پہنچاتا ہے۔ اسی قصہ کو بیان کرنے سے میری غرض حضرت خواجہ کے معاملہ کو دکھانا تھا کہ انھوں نے پانچ تنکہ زر مولانا شمس الدین کے پاس صرف اس لیے بھیج دیا کہ لانے

والا پہلے مولانا شمس الدینؒ کے پاس گیا تھا اور ان ہی سے ہمارے خواجہ کا پتا پوچھا تھا۔ درویشوں کا معاملہ ایسا ہی ہوتا ہے۔

اللہ دل اور نیت کو دیکھتا ہے

عشاء کی نماز کے بعد ایک مال دار تاجر حضرت مخدوم کی قدم بوسی کے لیے آیا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا قال علیہ السلام ان اللہ لاینظر الیٰ صورکم واعمالکم ولکن ینظر الیٰ قلوبکم ونیّاتکم۔ یعنی خدا کی نظر اعتبار اور پسندیدگی تم پر تمہاری صورت اور عمل کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ دل کی وجہ سے ہے۔ جس کو اللہ نے نفس کی پاکی اور دل متوجہ الی اللہ عطا کیا اور جس کو یادِ الٰہی میں مستغرق رہنے کی توفیق عطا ہوئی اس کو تمام سعادتیں حاصل ہوئیں۔ خواہ کوئی خواجہ ہو، غلام ہو، تاجر یا صنعت پیشہ ہو اگر یہ دو چیزیں رکھتا ہے تو سب کچھ رکھتا ہے ورنہ حق سبحانہ تعالےٰ کے یہاں اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ دنیاوی تعلقات اور رکھ رکھاؤ کے لیے پشمینہ اور خرقہ راہِ خدا میں رکاوٹ نہیں ہیں، اور نہ اس کی قربت کے منافی ہیں۔ اس خیال کے موافق حضرت مخدوم نے ایک قصہ بیان فرمایا کہ شہر دہلی میں ایک مرتبہ خشک سالی ہوئی ہمارے خواجہ صدر جیوۃ میں تھے۔ سب لوگ نماز استسقا پڑھنے کے لیے نکلے ہمارے خواجہ بھی باہر نکلے اگر یہ وزاری، نماز اور دُعا جو سلف سے رائج ہے سب ہی کیا گیا۔ لیکن کچھ بھی کامیابی حاصل نہ ہوئی سب لوگ واپس ہو گئے۔ نماز استسقاء کے بعد یہ لازم نہیں ہے کہ فوراً بارش ہو جائے بلکہ اس سال بارش ہو جائے گی۔ اس روز ظہر کی نماز کے بعد حضرت خواجہ کی قدم بوسی کے لیے میں گیا۔ انہوں نے فرمایا تم نماز استسقاء میں شریک نہ تھے میں نے عرض کیا حضرت خواجہ کے صدقہ میں موجود تھا۔ حضرت خواجہ نے فرمایا کہ تم نے دیکھا آج ہمیں سب لوگ بُرا بھلا کہہ رہے ہیں۔ لوگ میرا پیچھا نہیں چھوڑتے۔ ہم سے جو کچھ ہو سکا ہم نے کیا لیکن حاصل کچھ نہ ہوا۔ آخر ہم کر ہی کیا سکتے ہیں۔ شرمندہ ہو کر واپس چلے آئے۔

مولانا بدرالدین سمرقندیؒ اور خواجہ راحت مخنّث کا قصہ

حضرت مخدوم نے اسی طرح کا ایک اور قصہ بھی بیان فرمایا کہ ایک زمانے میں دہلی میں خشک سالی ہوئی اس زمانہ میں دہلی میں ایک بڑے بزرگ اور مقتدیٰ مولانا بدرالدین سمرقندی رہتے تھے۔ سب لوگ ان کے پاس حاضر

ہوئے اور استدعا کی کہ کل نماز اور دعا استسقاء کے لیے حضرت تشریف لے چلیں - مولانا نے بہت عذر کیا لیکن لوگوں نے نہیں چھوڑا - بہت اصرار کے بعد جانا منظور کر لیا - دروازہ سیری سے ایک آدمی ان کی قدم بوسی کے لیے برابر آتا تھا - حسب معمول اس روز بھی آیا - مولانا کو بہت مضمحل اور متفکر پایا - اس نے پوچھا کہ حضرت کے متفکر اور مضمحل ہونے کی کیا وجہ ہے انہوں نے فرمایا کہ لوگوں نے اتنا بڑا شہتیر میری گردن پر رکھ دیا ہے کہ مجھ سے اٹھایا نہیں جا رہا ہے - لوگوں کا اصرار ہے کہ کل باہر جا کر خشک سالی دُور کرنے کے لیے نماز استسقاء پڑھائیں اور دُعا فرمائیں - اور مجھے اعتبار نہیں ہے کہ میری دعا سے اللہ بارش دے دے گا - اس لیے کل عوام اور خواص میں میری ضرور ذلت اور خواری ہوگی - اس آدمی نے کہا مولانا دروازہ سیری کے اندر ایک شخص رہتا ہے - میں سمجھتا ہوں کہ وہ اگر اس کو قبول کر لے اور نماز اور دعا میں شریک ہو جائے تو آپ فضیحت اور ذلت سے ضرور بچ جائیں گے اور عوام بھی قحط اور خشک سالی کے عذاب سے نجات پائیں گے - بارش ضرور ہوگی - عصر کی نماز کے بعد آپ دروازہ سیری میں آ جائیں - مغرب کی نماز آپ شہر کے اندر پڑھیں میں آپ کے ساتھ چلوں گا اور ان سے کہوں گا اگر انہوں نے قبول کر لیا تو یہ کام ضرور ہو جائے گا - مولانا نے مغرب کی نماز دروازہ سیری کے اندر پڑھی - اس دروازہ سے متصل ہی مسجد ہے مغرب کی نماز پڑھ کر اس شخص کے پاس گئے - تھوڑی دیر کے بعد وہ آدمی آیا اور آتے ہی اس نے خوش خبری سنائی کہ مولانا انہوں نے قبول کر لیا ہے - میرے ساتھ چلے آیئے - اس آدمی نے ان کو ایک مخنث کے دروازہ پر لا کر کھڑا کر دیا - اس مخنث کا نام خواجہ راحت تھا اور اس کی معمولی شہرت تھی - مولانا بدرالدین سمرقندی کچھ متامل ہوئے اس نے فوراً ہی کہا مولانا تامل نہ کیجیے عقیدہ صاف اور دل مضبوط رکھیے - کام ہی ایسا آ پڑا ہے کیا کیجے گا مولانا اندر گئے - سلام کیا اور بیٹھ گئے - اس مخنث نے کہا مولانا، آپ بزرگ آدمی ہیں آپ میرے گھر پر کس طرح تشریف لائے - مولانا نے کہا خواجہ مسلمانوں کا کام ہے - خشک سالی ہو گئی ہے - مسلمان پریشان اور بدحال ہو رہے ہیں مجھ کو لوگوں نے آپ کا پتا بتایا ہے کہ آپ سے یہ کام ہو جائے گا - آپ مسلمانوں پر رحم کر کے کل اس کام کو کیجیے کہ مصیبت دُور ہو - اس نے ایک کنیز سے پانی مانگا کنیز نے فوراً جوتا لایا اور ایک لوٹے میں پانی، مسواک مصلا، اور بوریا لایا - خواجہ راحت نے اس جوتے پر بیٹھ کر وضو کیا، اٹھے اور بوریا بچھایا

اس بوریا پر مصلّا بچھا کر دو رکعت نفل نماز پڑھی۔ اس کے بعد کچھ دیر سوچتے رہے پھر کہا کہ مولانا کل جب آپ نماز استسقاء کے لیے باہر نکلیں تو جو کچھ آپ کے یہاں سلف سے رائج ہے وہ سب آپ کریں اگر اس سے مراد حاصل ہو جائے تو پھر اس بے چارے مخنث کی کوئی ضرورت نہ ہو گی لیکن اگر نماز اور دعا سے آپ کا مقصد حاصل نہ ہو تو پھر میرے دامن کے اس دھاگے کو جو میں آپ کو ابھی دے رہا ہوں اپنے دائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر رکھ کر یہ الفاظ کہیں "الٰہی! فلاں مخنث کے دامن کے ریشہ کی حرمت میں جس کو اس نے صرف آپ ہی کے لیے پہنا ہے، بارش دے اور خشک سالی دور کر۔"

مولانا بدرالدین سمرقندیؒ نے دامن کے اس دھاگے کو اپنے عمامہ کے ایک کونے میں باندھ لیا اور اسے اپنی آنکھوں اور سر پر رکھا۔ پھر گھر چلے آئے۔ صبح کے وقت استسقاء کی نماز کے لیے مولانا کے پیچھے بہت بڑا مجمع نکلا۔ مولانا آگے بڑھے اور سلف سے جو کچھ طریقے رائج تھے سب کیا لیکن کچھ فائدہ نظر نہیں آیا۔ مولانا نے ریشۂ دامن کو عمامہ کے کونے سے نکالا اور ہاتھ کی ہتھیلی ہی میں رکھ کر کہا "خداوندا! خواجہ راحت کے دامن کے دھاگے کی حرمت میں جس کو اس نے صرف تیرے لیے پہنا ہے اپنے بندوں کے لیے پانی برسا دے۔" زبان سے یہ الفاظ نکلتے ہی چاروں طرف ٹھنڈی ہوا چلنے لگی اور ہلکی ہلکی گھٹا اٹھی اور ابھی لوگ گھر واپس بھی نہ ہوئے تھے کہ موسلا دھار بارش ہونے لگی۔ یہ قصہ بیان کرنے کے بعد حضرت مخدوم نے فرمایا کہ اب اس بارے میں کیا کہو گے خواجہ راحت اگرچہ مخنث تھا لیکن مقرب بارگاہ الٰہی تھا۔ دنیا کی نظر میں خواہ اس کا اعتبار ہو یا نہ ہو لیکن اللہ کے یہاں اس کا بڑا مرتبہ اور درجہ تھا۔

خواجہ رشید ہندر کا قصہ

اسی طرح کا ایک اور قصہ حضرت مخدوم نے بیان فرمایا کہ خواجہ رشید ہندر نام کا ایک سوداگر تھا۔ دہلی میں ایک شخص نے اس پر تیس ہزار تنکہ کا جھوٹا دعوٰے کیا۔ خواجہ رشید نے خیال کیا کہ اگر وہ تیس ہزار تنکہ کے لیے عدالت میں جاتا ہے تو ہم چشم سوداگروں کے درمیان اس کی عزت کم ہوتی ہے اس لیے اس نے تیس ہزار تنکہ گن کر ناحق دعوٰے کرنے والے کو دے دیا۔ اس آدمی نے اس روپیہ سے تجارت کی اور چند دنوں کے بعد وہ سب مال معہ نفع کے جو اس کو تجارت سے ہوا تھا خواجہ رشید کے سامنے لاکر رکھ دیا۔ خواجہ رشید نے پوچھا کہ یہ کیا ہے۔ اس آدمی نے بتایا کہ خواجہ! میں نے آپ پر تیس ہزار تنکہ کا جھوٹا دعویٰ کیا تھا۔ میں جانتا

تھا کہ خواجہ دولت مند اور ساکھ والے آدمی ہیں وہ اتنے سے مال کے لیے عدالت میں آکر قسم نہیں کھائیں گے۔ اس لیے وہ ضرور یہ رقم ادا کردیں گے۔ اس طرح مجھے سرمایہ ہو جائے گا اور میں اس سے تجارت کر کے کچھ نفع اکٹھا کر لوں گا۔ اور وہ رقم آپ کو لوٹا دوں گا۔ خواجہ نے کہا میری رقم مجھے دے دو اور نفع جو ہوا ہے وہ تمہاری محنت کی کمائی ہے تم اپنے پاس رکھو۔ مجھے اس سے کوئی مطلب نہیں۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ جو سوداگر ایمان داری سے معاملات کرتا ہے وہ معاملات میں صوفیوں کے جیسا معلوم ہوتا ہے۔

اختلاف مذہب کے باعث ترکہ لینے سے انکار کر دیا

آخر میں حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ حارث محاسب کا باپ معتزلی اور وہ خود مسلمان تھا۔ اس کے باپ نے مرنے کے بعد بہت سا مال و دولت چھوڑا۔ لیکن اس نے باپ کا ترکہ لینے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ ہم دونوں کے درمیان مذہب کا اختلاف تھا اس لیے اس کا ترکہ لینا جائز نہیں ہے۔ ایک خواجہ سوداگر نے کہا کہ میں دریا میں ساڑھے تین ماہ رہا ہوں۔ حضرت مخدوم نے اس سے فرمایا کہ اگر تم اتنی مدت اللہ کے کام میں مشغول رہتے تو میں تم سے کیا کہوں کہ کیسی چیز تمہارے ہاتھ آجاتی۔ اگر تم کسی سے بیان کرتے تو اسے یقین نہ آتا خود میں اگر تم سے اسی وقت کہوں تو تمہیں یقین نہ آئے: ؎

نہ یک فسوس کہ ہر دم ہزار بار فسوس　　نہ یک دریغ کہ ہر دم ہزار بار دریغ

روز پنجشنبہ ۱۶ شوال المکرم ۸۰۲ھ

علم ظاہری کے بارے میں

ظہر کی نماز کے وقت علم ظاہر کا ذکر نکل آیا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ اس علم ظاہر سے جہل صوفیا کے لیے زیادہ مبارک ہے۔ حضرت شیخ قطب الدین بختیار کاکیؒ کو علم ظاہری زیادہ حاصل نہ تھا۔ لیکن معاملات میں اتنے کامل تھے کہ لوگوں سے بات کرنے کی ان کو فرصت نہ ملتی تھی۔ حاضرین میں سے ایک نے سوال کیا کہ انھوں نے شیخ فریدالدین گنج شکرؒ کی تربیت کس طرح کی۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ شیخ فریدالدین پوری صلاحیت حاصل کر لینے کے بعد مرید ہوئے تھے ان کو صرف اشارات اور تنبیہ کی ضرورت تھی۔ حضرت شیخ قطب الدین کی خدمت میں وہ چند دن کے علاوہ زیادہ

نہیں رہے - اس کے بعد حضرت شیخ فریدالدین گنج شکر کے مجاہدات کا ذکر نکل آیا - حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ ہمارے خواجہ فرماتے تھے ایک مرتبہ دروازہ مندہ کے نزدیک دہلی کی مسجد میں شیخ فریدالدینؒ ریاضت و مجاہدہ میں مشغول تھے تین روز گزر گئے تھے ان کو کھانے کی کوئی چیز نہیں ملی تھی - مسجد سے نزدیک ہی ایک شراب بیچنے والے کا گھر تھا - تھوڑا بھات وہ ان کے لیے لے کر حاضر ہوا - اس کو کھاتے ہی حضرت شیخ کی طبیعت نے مالش کی اور جو کچھ کھایا تھا سب باہر آگیا - اس کے بعد جب وہ حضرت شیخ قطب الدین کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے فرمایا کہ بابا فریدالدین، تم تین دن تک بے آب و دانہ رہے لیکن تم نے یہ نہیں سمجھا کہ جو کھانا تمہارے پاس آیا ہے وہ کیسا ہے اور کون لایا ہے - حلال یا حرام -

شکر گنج کی وجہ تسمیہ

حضرت مخدوم نے حضرت شیخ فریدالدینؒ کا ایک اور واقعہ بیان کیا کہ دوسری مرتبہ پھر انہوں نے فاقہ کیا کئی روز تک ان کو کچھ بھی کھانے پینے کو نہ ملا تھا اسی حالت میں وہ حضرت شیخ قطب الدین کی قدم بوسی کے لیے روانہ ہوئے راستے میں نقاہت اور ضعف کے باعث گر پڑے اور دہن مبارک میں مٹی آگئی - وہ مٹی منہ میں جا کر شکر ہو گئی - جب وہ وہاں سے اٹھ کر حضرت شیخ قطب الدین کی خدمت میں حاضر ہوئے تو شیخ قطب الدین نے فرمایا کہ بابا فرید! تم شکر خوار ہو گئے - چنانچہ آج تک شیخ فریدالدینؒ کے مقبرہ پر ہر سہ شنبہ کو ان کے وارثوں کے لیے شکر کا انبار لگ جاتا ہے - اور ان کے خلیفہ اور سجادہ نشین کے لیے جو بھی فتوح لاتا ہے چاہے ہزاروں روپیہ لائے لیکن ساتھ میں ایک مٹھی شکر لانا ضروری ہے -

حضرت شیخ فریدالدینؒ کا مجاہدہ

حضرت مخدوم نے پھر فرمایا کہ حضرت شیخ فریدالدینؒ فرماتے تھے کہ کبھی بھی میں نے اپنے پیر حضرت شیخ قطب الدین کے سامنے بے ادبی نہیں کی مگر ایک بار ہو گئی تھی - میں نے اپنے پیر حضرت قطب الدینؒ سے عرض کیا کہ میں اربعین (چلہ) میں بیٹھنا چاہتا ہوں حضرت شیخ نے فرمایا کہ ہمارے خواجگان اربعین میں نہیں بیٹھے ہیں اس لیے کہ اس میں شہرت کا احتمال ہے - میں نے عرض کیا کہ میرا مقصد شہرت حاصل کرنا نہیں ہے - حضرت شیخ نے فرمایا تو پھر زنانہ چلہ رکھو - میں نے عرض کیا زنانہ چلہ کیا ہوتا ہے - حکم ہوا کہ چالیس روز تک معکوس (سر نیچے پیر اوپر کر کے) عبادت خدا کی کرو - وہاں سے واپس آنے کے بعد میں اپنے ایک دوست کے پاس پہنچا - وہ میرا مزاج داں تھا اور برابر صحبت میں رہتا تھا - میں نے اس سے کہا کہ اگر تم میرے دوست ہو تو میں جو کہوں

اس پر عمل کرو ورنہ پھر تم میرے دوست نہیں۔ اس نے مان لیا کہ جو کہوں گا وہ کرے گا۔ چنانچہ ایک طرف راستہ کے کنارے ایک مسجد ہے اور اس مسجد میں کنواں ہے۔ اور اس کنویں کے سر پہ ایک درخت ہے میں اس مسجد میں چلا گیا۔ تمام دن اسی جگہ رہا جب رات ہوئی اور مغرب اور عشاء کی نماز سے فراغت کر لی۔ تو جو ورد وظائف معمولات تھے ان کو بھی پورا کیا۔ ایک رسی لا کر اپنے دونوں پیر کو باندھا اور اپنے اس دوست سے کہا کہ مجھے کنویں کے اندر اُلٹا ڈال دو اور رسی اس درخت سے مضبوطی کے ساتھ باندھ دو۔ اس نے پس و پیش کیا حضرت شیخ فریدالدین گنج شکرؒ نے فرمایا کہ تم سے عہد ہو چکا ہے اپنے عہد سے نہ پھرو۔ مجبور ہو کر اس نے حضرت شیخ کو اُلٹا لٹکا دیا۔ اور اس کنویں کے منڈیر سے حضرت شیخ کا پیر ایک گز نیچے رکھا۔ وہ بے چارہ فکر مند تھا کہ دیکھیں حضرت شیخ کیا کرتے ہیں۔ رات میں کچھ عرصہ تک وہ کلمہ سبحان اللہ کا ورد کرتے رہے۔ اس کے بعد خاموش ہو گئے اور پھر وہ جانیں اور خدا جانے کہ تمام رات ان دونوں عبد و معبود میں کیا معاملات ہوئے۔ جب آخر رات ہوئی تو انہوں نے دستک دیا اور اس آدمی نے حضرت شیخ کو کنویں سے کھینچ کر نکالا اور پیر کھولا۔ پھر شیخ نماز، تسبیح اور ورد وظائف میں مشغول ہو گئے۔ چاشت کی نماز کے بعد پھر اسی طرح پیر باندھ کر اس آدمی نے لٹکا دیا۔ ظہر کی نماز کے وقت انہوں نے پھر دستک دی اور باہر آ کر نماز پڑھی اور معمولات ادا کیے۔ اسی طرح چالیس روز تک عبادت اور ریاضت میں مشغول رہے۔ حاضرین میں سے ایک نے پوچھا آنکھ اور ناک سے ان کے خون کیوں نہیں جاری ہوا۔ اور کھانا وغیرہ منہ سے کیوں نہیں نکلا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ یہ لوگ مرتاض اور پرہیزگار لوگ ہوتے ہیں۔ ان کے جسم میں خون کہاں ہوتا ہے اور ان کے پیٹ میں کھانے کی کہاں گنجائش تمام آنتیں سوکھ کر چمٹ جاتی ہیں۔ رطوبت وغیرہ خشک ہو جاتی ہے اس لیے باہر آئے کیا چیز۔ اسی سائل نے پوچھا کہ یہ عبادت معکوس رسول اللہ صلعم، صحابہ اور سلف صالحین سے بھی منقول ہے یا اس کو متاخرین نے نکالا اور اختیار کیا ہے حضرت مخدوم نے فرمایا علم ظاہری کے کتابوں میں میں نے نہیں دیکھا لیکن فوائد الفواد میں لکھا ہے کہ ابو سعیدؒ نے ایک مرتبہ فرمایا میں نے وہی کیا جس کو رسول اللہ صلعم نے بھی کیا تھا یہاں تک کہ رسول اللہ صلعم نے عبادت معکوس کی تو ہم نے بھی کی۔

۶

روز شنبہ ۱۸ شوال المکرم ۸۰۲ھ

عاشق الٰہی اور طالب کی عزت اور رتبہ کے بارے میں

چاشت کے وقت حضرت مخدوم نے منزل خانابنور میں نزول فرمایا۔ ظہر کی نماز کے بعد خدا سے عشق کرنے والوں اور طالب کی عزت اور رتبہ کے بارے میں ذکر نکل آیا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ایک درویش اس طرح کا قصہ بیان کر رہا تھا کہ ایک دن ابدال کی ایک جماعت طواف کر رہی تھی۔ یکایک ان میں سے ایک ان کے درمیان سے غائب ہوگیا ساتھیوں نے دیکھا کہ میرا ایک ساتھی غائب ہے بارگاہ ایزدی میں دعا کے لیے کھڑے ہوئے اور التجا کی کہ خداوندا! ہم میں سے ایک غائب ہوگیا ہے اس کے بارے میں کیا حکم ہوتا ہے اس کی جگہ پر دوسرے کو متعین کروں یا اسی کو اپنی جگہ پر رہنے دوں۔ حکم ہوا، خود اسی سے پوچھو چنانچہ سب اس کی تلاش میں نکلے۔ دیکھا کہ ایک گھر کے دروازہ پر مبہوت اکھویا کھویا سا بیٹھا ہوا ہے ان لوگوں نے اس سے پوچھا کہ تمہارے ساتھ کیا واقعہ ہوا۔ اس نے کہا میں طواف کر رہا تھا۔ طواف کے دوران میں نے ایک عورت کو اسی دروازہ پر دیکھا اور میں اس پر فریفتہ ہوگیا۔ لوگوں نے کہا اچھا اب اٹھو چلو۔ اس نے کہا کیسے اٹھوں پھر میرے دل کا کیا حال ہوگا۔ محبوب تو میرا یہاں ہے میں کہاں جاؤں۔ پھر وہ لوگ بارگاہِ ایزدی میں پہنچ کر ملتجی ہوئے کہ خداوندا! تو بہتر جانتا ہے اور سب کچھ جاننے والا ہے ہمارے ساتھیوں میں سے ایک کے ساتھ یہ حادثہ ہوگیا ہے۔ اب کیا حکم ہوتا ہے دوسرے کو اس کی جگہ پر متعین کروں یا اسی کو رہنے دوں۔ فرمان باری ہوا کہ اس سے پوچھو کہ جس عورت پر تم فریفتہ ہوئے اس سے کیا آرزو رکھتے ہو۔ اس نے کہا۔ بس یہ کہ ایک مرتبہ وہ مجھے آغوش میں لے لے۔ آواز آئی تو اپنا ہاتھ بڑھا میں تیرے پاس بھیج دیتا ہوں۔ اس نے ہاتھ بلند کیا یکایک اس کے سامنے اسی عورت کی صورت سامنے آگئی۔ اور آتے ہی اس نے اس مرد کو اپنی آغوش میں لے لیا پھر آواز آئی: اِنِّیْ اَنَا اللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنَا۔ جب اس نے غور سے دیکھا تو کچھ نہ تھا۔ اس مرد ابدال کے دماغ سے اس عورت کا عشق ختم ہوگیا اور عشق حقیقی کی شورش نے اس کی جگہ لے لی۔ سبحان اللہ۔

روز یکشنبہ ۱۹ رشوال المکرم ۸۰۲ھ

زمانہ کے حوادثات اور تعلقات کے بارے میں

ایک مرتبہ حضرت مخدوم کی مجلس میں زمانہ کے حوادثات اور تعلقات کے بارے میں ذکر نکل آیا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ صوفی کو کسی حادثہ کی وجہ سے متردد، مغموم اور پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ اس پر جو کچھ مصائب آئیں اس کو تقدیر اور ازل کی مشیت محمول کرنا چاہیے۔ اسی سلسلے میں حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ایک بزرگ کا مقولہ ہے کہ جب صوفی کی پیشانی پر شکنیں اور جھریاں پڑی ہوئی دیکھو تو سمجھو کہ اس نے اپنے معبود کو دل میں رکھ لیا ہے۔ لیکن یہ بہت مشکل کام ہے۔ رسول اللہ صلعم کے حالات زندگی میں اس طرح کی کوئی بات لکھی نہیں ملتی ہے۔ ایک روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے امیرالمومنین علی رضؓ کو ایک غزوہ میں بھیجا علی رضؓ کی واپسی میں دیر ہوگئی اور کوئی خبر بھی میدان جنگ کی نہ ملی تو رسول اللہ صلعم کی زبان مبارک پر یہ الفاظ تھے اللّٰھم لا تمتنی حتٰی ترینی علیا وجہہٗ یعنی اے اللہ جب تک میں علی رضؓ کا چہرہ نہ دیکھ لوں مجھے موت نہ آئے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلعم نے حضرت جعفر طیارؓ کو بھی ایک طرف جنگ میں بھیجا تھا ان کے بھی واپس آنے میں دیر ہوگئی تو آنحضرت صلعم کعبہ کی چھت پر کھڑے ہو کر ان کے راستے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اور ان کے آنے کا شدت سے انتظار کر رہے تھے۔

حضرت مخدوم نے ایک صوفی کا قصہ بیان فرمایا کہ ایک صوفی خانقاہ میں آئے۔ خادم نے عصا ان کے ہاتھ سے لے کر علیحدہ کونے میں رکھ دیا ان کے جسم اور سر اور پیر کا گرد وغبار صاف کیا۔ پھر اس نے پوچھا کیسے تشریف لائے۔ ہر طرح آپ بخیریت اور خوش تو ہیں۔ صوفی نے جواب دیا جب میں نے عشق و طلب کی ملامت کا عصا ہاتھ میں لے لیا اور سلامتی کے سجادہ کو نذر آتش کر دیا پھر بھی تم مجھ سے خیریت اور سلامتی کے بارے میں پوچھ رہے ہو اس خانقاہ میں میرا ٹھہرنا مناسب نہیں ہے۔ میرا عصا واپس کرو۔ انہوں نے عصا لیا اور روانہ ہو گئے۔

روز دوشنبہ ۲۰ شوال المکرم ۸۰۲ھ

سماع کے بارے میں

چاشت کے وقت سماع کے بارے میں تذکرہ نکل آیا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا اگر کوئی شخص سماع کی طرح اور اس کے آداب کو ملحوظ رکھ کر سنے تو پھر کسی کو اس سے اختلاف نہ ہو۔ لیکن چونکہ لوگ صحیح طور پر نہیں سنتے اس لیے لوگوں کو اختلاف اور انکار بھی ہوتا ہے۔

روز سہ شنبہ ۲۱ شوال المکرم ۸۰۲ھ

خرقہ اور جامہ وغیرہ لوگوں کو دینے کی شرائط

چاشت کے وقت حضرت مخدوم کی تشریف آوری قصبہ اساول میں ہوئی مقطع اور دوسرے حکام نے ان کا استقبال کیا۔ رسول اللہ صلعم کی ہجرت کا واقعہ گزشتہ مجالس میں بیان کیا جا چکا ہے اس لیے یہاں دوبارہ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ اس کے بعد لوگوں کو صوفیا کے جامہ وغیرہ عطا کرنے کے بارے میں ذکر نکل آیا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ صوفیائے متقدمین خرقہ عطا کرنے کے لیے ایسی شرائط رکھتے تھے جو آج کسی میں موجود نہیں۔ اور اس رعایت سے تربیت بھی نہیں رہی حضرت شیخ فریدالدینؒ ایک جگہ حضرت شیخ جمال الدین ہانسویؒ کو لکھتے ہیں کہ شیخ کے مصلا، تسبیح، پیراہن اور دستار دینے کی جو صفتیں اور شرائط ہیں وہ بیان میں نہیں آ سکتیں انشاء اللہ بالمقابلہ گفتگو میں سمجھاؤں گا۔ عوارف میں لکھا ہے کہ ایک طالب امام محمد غزالیؒ کے پاس خرقہ مانگنے کے لیے آیا۔ امام محمد غزالیؒ نے اس کو شیخ ابو نجیب سہروردیؒ کے حوالہ کیا کہ اس کو خرقہ لینے کے آداب اور اس کی شرائط بتائیں۔ خواجہ ابو نجیب سہروردی بڑے پایہ کے صوفی اور بزرگ تھے۔ اس کو کئی شرائط بتائی وہ شرائط سن کر خرقہ مانگنے ہی سے باز آیا۔ اور کہا جب میں اس کا مستحق ہوں گا تب لینے آؤں گا۔ کچھ دنوں کے بعد اس آدمی کی ملاقات امام غزالی سے ہوئی انھوں نے پوچھا کہ اے جوان تم کہاں رہ گئے۔ پھر آئے نہیں۔ اس نے کہا حضرت، جو شرائط کہ خواجہ ابو نجیب سہروردیؒ

نے مجھ کو بتائی اس کی طاقت اور صلاحیت مجھ میں نہیں ہے جب ان شرائط کے مطابق میں اپنے کو پاؤں گا تو پھر آپ سے خرقہ لینے حاضر ہوں گا۔ امام غزالیؒ نے خواجہ ابو نجیب سہروردیؒ کو بلاکر خفگی کا اظہار کیا کہ آپ نے اتنی ساری شرائط اس کو کیوں بتا دیں کہ اس کو خرقہ سے نفرت ہو جائے۔ مبتدی رفتہ رفتہ صحبت سے صلاحیت پیدا کرتا ہے۔ پھر حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ہم آج کل کلاہ بہ طور تبرک دیتے ہیں پھر دیکھتے ہیں کہ کلاہ بیعت کس کو دیا جائے۔ میں نے عرض کیا کہ یہ کیسے معلوم ہو گا کہ یہ کلاہ بیعت ہے یا تبرک۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ جس کا دل متوجہ اور نفس پاک ہو اس کی کلاہ کلاہ بیعت ہے ورنہ کلاہ تبرک۔ اس کے بعد حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ شرائط خرقہ شیخ الاسلام حضرت نظام الدین قدس اللہ سرہ کے وقت سے بالکل اٹھ گئے۔ ہر گھر میں ہر منشی، تمام خواتین، خان زادگان، شاہ زادے، امراء، طالب علم، دانشور مطرب کو پیراہن مل گئے۔ لیکن ہمارے خواجہ سوائے تبرک وغیرہ کے پیراہن دینے میں محتاط تھے۔ اس طرح وہ ہر کس و ناکس کو مرید نہیں کرتے تھے اور نہ ہر شخص کے مانگنے پر کلاہ دیتے تھے۔ جب تک کہ انہیں اطمینان نہیں ہو جاتا کہ یہ طالب صادق، مشتاق اور مستدعی ہے وہ بیعت کے لیے ہاتھ نہیں بڑھاتے تھے یہ طریقہ بھی حضرت شیخ نظام الدینؒ کے وقت سے شروع ہوا کہ جس نے درخواست کی کہ اس کو مرید کر دیا۔ ایک شخص حضرت شیخ نظام الدینؒ کا بڑا معتقد تھا اس کو جو مشکل بھی پیش آتی وہ حضرت شیخ سے آکر پوچھتا۔ ایک مرتبہ حضرت شیخ نے اس سے پوچھا کہ تم ہر بات مجھ سے پوچھتے ہو اور اپنی مشکلات میں میری مدد لیتے ہو لیکن تم نے کبھی یہ نہ پوچھا کہ میں ہر کس و ناکس کو مرید کرنے میں اتنا کشادہ دل کیوں ہوں حالانکہ یہ پوچھنے کی بات ہے۔ اس نے عرض کیا کہ یہ بات تو میرے دل میں کئی مرتبہ آئی کہ پوچھوں لیکن بات بہت نازک ہے اس لیے ہمت نہ پڑی۔ حضرت ہی بیان فرمائیں۔ حضرت شیخ نظام الدینؒ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے مجھ سے طاقیہ کی درخواست کی۔ میں نے اس کو نہ دیا۔ اس نے بہت منت و سماجت اور گریہ و زاری کی۔ لیکن میں نے قبول نہیں کیا۔ وہ تجارت کے لیے ہندوستان جا رہا تھا جب اس نے بہت گریہ و زاری کی تو میں نے کہا کہ انشاء اللہ جب تم واپس آؤ گے تو تمہیں مرید کر دوں گا۔ اتفاق سے اسی سفر میں اس کا انتقال ہو گیا۔ اسی رات کو میں نے خواب دیکھا کہ وہ مجھ سے کہہ رہا ہے کہ آپ نے جبراً مجھ کو رحمت حق سے محروم رکھا اگر میں جانتا کہ اللہ کی رحمت اتنی بے پایاں اور کشادہ ہے تو میں ہرگز آپ سے طاقیہ

نہ مانگنا۔ اس کے بعد سے میں نے اپنے دل میں کہا کہ نظام ازمانہ آخر ہے۔ توبہ کرنے والے اس زمانے میں بہت کم ہیں۔ اگر کوئی توبہ کی خواہش کرتا ہے تو اس میں رکاوٹ نہ بنو۔ اللہ کی رحمت کو تنگ مت کرو۔ اتنا بیان کرنے کے بعد حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ان بزرگوں کا مقصد ہر شخص کو مرید کرنے سے یہ تھا کہ زمانہ آخر ہے اور اچھے طالب حق بہت کم ہیں اگر عام لوگوں کی طرف بیعت کا ہاتھ بڑھائیں گے تو ممکن ہے ان میں سے کوئی اچھا طالب حق بھی نکل آئے اور پھر اس کے طفیل میں اور دوسرے بھی نکل آئیں۔ پیدا ہوتے ہی تو طلب حق کی صدا اس کے کان میں نہیں جاتی جب بیعت کے بعد صحبت اختیار کرے گا اور اچھی اچھی باتیں عاشقان خدا کی سنے گا تو پھر وہ طالب حق ہو جائے گا۔ میں نے خود دیکھا ہے کہ بہت سے لوگ غیر طالب آئے اور صحبت میں بیٹھ کر اچھی باتیں سن کر طالبان حق میں سے ایک ہو گئے۔ اور پھر مجاہدہ اور ریاضت کے بعد عارف واصل ہو گئے۔ شیخ الاسلام حضرت شیخ نظام الدینؒ کے زمانے میں یہی حال تھا۔ اور اپنے خواجہ کے زمانے میں بھی ہم نے یہ انداز دیکھا۔ ان لوگوں کی مثال ایسی تھی کہ جیسے کسی شخص نے شاہین کو پھنسانے کے لیے جال بچھا دیا ہو لیکن اس میں چڑیا اور کبوتر آ کر پھنس جائے لیکن یہ بھی تو اسی شاہین کی بدولت پھنسا ہے۔ تقریباً سترہ سال تک میں اپنے خواجہ کی خدمت میں حاضر باش رہا ہوں۔ ہفتہ میں تین چار بار قدم بوسی کے لیے جاتا تھا۔ اور پانچ چھ مجلسوں میں حضرت خواجہ کے شریک رہتا تھا۔ اس دوران میں کوئی طالب، مشتاق اور سوختہ ساماں کو حاضر ہوتے نہیں دیکھا۔ لیکن چند آدمیوں کو دیکھا جو حضرت خواجہ کی صحبت میں رہ کر عاشقان کامل اور طالبان افروختہ میں سے ایک ہو گئے۔

ع "با عاشقاں نشیں و ہمیں عاشقی گزیں"

حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ ایک دن حضرت خواجہ نظام الدینؒ اپنی خانقاہ کے دروازہ پر بیٹھے بار بار سامنے کی طرف دیکھ رہے تھے جیسے وہ کسی کا انتظار کر رہے ہوں۔ یکایک ایک صوفی وارد ہوئے اور قدم بوسی کے بعد ایک طرف بیٹھ گئے۔ حضرت شیخ نے ان سے آنے کا مقصد پوچھا انہوں نے کھڑے ہو کر دست بستہ مرید کرنے کی درخواست کی۔ انہوں نے مرید کر دیا اور فرمایا۔ عزیز من! پہلے سالہا سال تک تمہاری ہی طرح طلب حق میں پھرتا رہا ہوں لیکن کیا کروں اس وقت لوگوں کے ہجوم سے تمہاری تربیت اور تعلیم کی ذرا فرصت نہیں۔ پھر حضرت شیخ نظام الدینؒ نے ان کو مولانا برہان الدین غریبؒ کے حوالہ کر دیا

مولانا نے ان کی تربیت میں بخل سے کام لیا یا ممکن ہے ان کو اندازہ نہ ہو کہ حوالہ گیری کی ذمہ داری کیا ہے غرض انہوں نے خاطر خواہ طور پر ان کی تربیت کی طرف توجہ نہ دی۔ کچھ دنوں کے بعد حضرت شیخ جمنا کے کنارے چبوترے پر تشریف فرما تھے یکایک کھڑکی کھول کر جمنا کی طرف دیکھا تو ان صوفی کو کھڑا دیکھا۔ ان کو اشارہ سے نزدیک بلایا اور پوچھا کہ برہان نے تمہاری طرف کتنا دھیان دیا۔ انہوں نے مولانا کی بے توجہی کو بیان کیا۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ میں نہیں جانتا تھا کہ وہ بے انصاف ایسا کرے گا اور بے توجہی سے کام لے گا۔ اچھا تم درنارنول کے پہاڑ پر چلے جاؤ اور وہاں عبادت اور مجاہدہ میں مشغول ہو جاؤ وہ درنارنول پہاڑ پر جا کر مشغول ہو گئے۔ شاہد غیبی نے ان پر تجلی فرمائی اور وہ مقبول ترین بندوں میں ہو گئے وہاں سے انہوں نے حضرت شیخ کو ایک خط لکھا کہ اگر اجازت ہو تو قدم بوسی کے لیے حاضر ہوں خواجہ اقبال اس خط کو لے حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خط کا مضمون پڑھ کر سنایا۔ حضرت شیخ نے ان کو اجازت دے دی اور وہ حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے جس وقت وہ آئے اس وقت اتفاق سے شیخ رکن الدینؒ ملتانی بھی نزدیک ہی بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت شیخ نے ان کی بڑی تعریف کی اور فرمایا کہ یہ شیخ زادے وہ ہیں جن کی میں نے تمنا کی تھی لیکن افسوس مشغولیتوں کے باعث مجھے ان کی تربیت خود کرنے کا موقع نہ ملا۔ حضرت شیخ جب ان کی تعریف کر رہے تھے تو شیخ رکن الدین ان صوفی کی طرف بہت غور سے دیکھ رہے تھے۔ اور پھر فرمایا کہ درویش، جب تمہیں موقع ہو میری طرف آنا۔ کچھ دنوں کے بعد حضرت شیخ کا وصال ہو گیا اور وہ صوفی خشکی کے راستے سے خانہ کعبہ کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں ملتان ملتا تھا وہاں شیخ رکن الدین سے ملاقات کے لیے رک گئے۔ شیخ رکن الدین عزت و عظمت کے ساتھ اپنے سجادہ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ مشائخ ملتان میں عزت نفس کا مادہ بہت ہے وہ کسی کے استقبال کے لیے کم اٹھتے ہیں لیکن ان صوفی کو دیکھتے ہی وہ فوراً اٹھ گئے۔ بغل گیر ہوئے اور بڑے احترام کے ساتھ اپنے بغل میں لا کر بٹھایا۔ اور کہا کہ جو کچھ حضرت مولانا نظام الدینؒ نے تمہارے بارے میں کہا تھا میں نے تم میں دیکھا بلکہ اس سے کچھ زیادہ ہی پایا۔ اب آپ میرے ساتھ رہیں۔ پھر شیخ رکن الدینؒ نے صوفیوں کے مقصد کے بارے میں بہت کچھ بیان فرمایا کہ ایسا ہو سکتا اور یوں بھی ممکن ہے وغیرہ وغیرہ۔ غرض اس گفتگو سے یہ تھی کہ اگر وہ صوفی ان کے ساتھ رہ کر ان کی ہدایتوں پر عمل کریں گے تو ان کا مقصود اور مطلوب

حاصل ہو جائے گا۔ صوفی نے کہا کہ حضرت میرا مطلوب آپ سے حاصل نہیں ہو گا۔ پھر شیخ رکن الدین نے دوسرے عنوان سے ان کو سمجھانے اور تلقین کرنے کی کوشش کی کہ وہ وہاں رک کر ان کی ہدایتوں پر عمل کریں۔ لیکن صوفی نے پھر وہی کہا کہ شیخ میرا مقصد آپ سے حاصل ہونے والا نہیں ہے۔ پھر شیخ رکن الدین نے مولانا اسماعیل بدر شیخ الاسلام دہلی کو بلا کر کہا کہ ان کو لے جا کر خلوتیوں کو دکھلا دیں کہ شاید ان کو ٹھہرنے کی رغبت ہو۔ کیونکہ وہاں ہر شخص اپنے کام میں مشغول اور عبادت ریاضت میں غرق ہے۔ مولانا اسماعیل بدر ان کو ہر حجرہ سے گھما کر لے آئے۔ شیخ رکن الدینؒ کے پاس آنے کے بعد پھر ان صوفی نے وہی کہا کہ حضرت میرا مقصد آپ سے حاصل ہونے والا نہیں ہے۔ غرض وہاں سے وہ صوفی رخصت ہوئے۔ شیخ رکن الدینؒ نے ان کو مصلاؒ اور سفر خرچ دے کر بڑی عزت و احترام سے رخصت کیا۔ اور کہا کہ سفر خانہ کعبہ آپ کو مبارک ہو۔ جب یہ صوفی خانہ کعبہ پہنچے تو خانہ کعبہ کا تین مرتبہ طواف کر کے بیٹھ گئے دونوں ہاتھ پیٹھ کی طرف کر کے ذرا سا اس پر سہارا لیا اور رخ خانہ کعبہ کی طرف کر کے واصل بہ حق ہو گئے انا للہ و انا الیہ راجعون۔ سبحان اللہ زہے قسمت۔

روز چہار شنبہ ۲۲ شوال المکرم ۸۰۲ھ

دین اور اہل دین کے بارے میں

چاشت کے وقت دین اور اہل دین کا تذکرہ نکل آیا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ تمام کاموں اور سعادتوں کا سرمایہ اور تمام نیکیوں کی جڑ دو چیز ہے۔ نفس کی پاکی اور دل کا اللہ کی طرف متوجہ ہونا۔ ان دونوں سے کوئی حالت اور مقام باہر نہیں ہے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر اپنی اپنی امتوں کی ہدایت کے لیے بھیجے گئے۔ انہوں نے بھی ان ہی دو باتوں کی ہدایت کی، اولیاء اللہ اور انبیاء سبھوں نے ان ہی دو باتوں سے اپنا اپنا مقام حاصل کیا اور ولائت اور نبوت کے درجہ پر پہنچے۔ خان ہو یا سلطان، بادشاہ ہو یا گدا یا کوئی حرفت پیشہ ہو جس کو یہ دونوں باتیں حاصل ہو گئیں اس کا درجہ عظیم اور مرتبہ بلند ہے ورنہ پھر دو کوڑی کا نہیں۔ خواہ تم کچھ بھی ہو اور کتنے ہی دولت مند اور عالی خاندان کیوں نہ ہو اگر تم میں یہ دو باتیں نہیں ہیں پھر تمہارا کوئی مول نہیں گھاس کے برابر بھی قیمت نہیں۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ خواجہ

سالار کہتے تھے کہ شیخ الاسلام حضرت خواجہ نظام الدینؒ سے قصہ بیان کرتے تھے کہ حاجب عطار کے دروازہ کے نزدیک ایک موتا پی رہتا تھا۔ ایک سال دہلی میں خشک سالی ہوئی۔ محلہ کے لوگ اس کے پاس آئے اور کہا کہ خواجہ بارش نہیں ہو رہی ہے لوگ پریشان اور بدحال ہیں۔ اس موتاپی نے کہا اللہ کیسے پانی برسائے۔ میں جو بھیگ جاؤں گا میرے مکان کی چھپر ٹوٹی ہوئی ہے۔ لوگوں نے کہا خواجہ اگر ہم لوگ آپ کی چھپر کو نئی کر دیں پھر؟ اس نے کہا پھر کیا؟ اگر تم لوگ میری چھپر نئی کر دوگے تو ہم اللہ سے کہیں گے کہ تم لوگوں کے لیے پانی برسا دے اس کی چھپر کی مراد ہی کیا تھی محلہ کے سب لوگوں نے ہاتھوں ہاتھ اس کو گھنٹہ دو گھنٹہ میں بنا کر نئی کر دیا۔ پھر اس کے پاس گئے کہ حضرت ہم لوگوں نے آپ کی چھپر نئی کر دی۔ اس نے اپنا منہ آسمان کی طرف کر کے کہا کہ خداوندا! تو پانی نہیں برسا رہا تھا کہ میں بھیگ جاؤں گا۔ ان بے چاروں نے میری چھپر نئی کر دی ہے اب پانی برسا دے۔ اسی وقت ایک کنارے سے گھٹا اٹھی، ٹھنڈی ہوا چلی اور بڑے بڑے قطرے برسنے لگے تمام دن پانی برستا رہا۔ یہاں تک کہ پانی کی چوٹ سے رسی ٹوٹ ٹوٹ گئی۔ اور پانی ٹپکنے لگا۔ اس نے پھر آسمان کی طرف منہ کر کے کہا کہ خداوندا! میں نے یہی کہا تھا کہ اتنے بڑے بڑے قطرے اور اتنی زوردار بارش ہو کہ میری چھپر کی رسی ٹوٹ جائے اور چھپر سے پانی ٹپکنے لگے۔ ایسی بارش سے کسی کو کیا فائدہ ہوگا سب پانی ضائع ہوگا۔ چھوٹے چھوٹے قطروں والی بارش آہستہ آہستہ برسا۔ چنانچہ بارش ہلکی ہلکی اور چھوٹے چھوٹے قطروں کی ہونے لگی۔ کھیتی کو اس سے بڑا فائدہ ہوا۔ اب تم کیا کہو گے وہ ایک معمولی موتاب ہے لیکن اللہ کے مقربین خاص اور مقبول بندوں میں سے ہے دنیاوی صنعت و حرفت یا کاروبار سے اللہ کی دوستی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

لاہا کے مالی کا قصہ

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ دین دار آدمی کو چاہیے کہ عشق کی برابر آگ سلگائے رکھے۔ خواجہ سالار کہتے تھے کہ مولانا رکن الدین شیخ الاسلام حضرت خواجہ نظام الدین کے عزیز ترین دوستوں میں تھے ایک مرتبہ دوران گفتگو وہ بولے آہ سب کچھ ہوئے لیکن افسوس لاہا نہیں ہوئے۔ ہم نے پوچھا کہ لاہا کون تھا۔ انہوں نے کہا کہ وہ ایک باغبان تھا۔ دہلی دروازہ کے باہر ایک باغ میں باغبانی کرتا تھا۔ عرصہ کی بات ہے شہزادیوں میں سے ایک شہر سے باہر اس باغ میں سیر کے لیے آئی۔ اس باغبان کی اس شہزادی

پر نظر پڑ گئی - اور وہ دل و جان سے فریفتہ ہو گیا - ایک ایک بہانہ سے وہ اس کی صورت دیکھنے کے لیے اس کے پاس آتا - ایک ایک پھل لاتا - اس کے باغ میں جو کچھ پھل وغیرہ تھا اس کے سامنے لا لا کر انبار کرتا رہا - مغرب تک وہ یہی کرتا رہا - جب شام ہوئی اور واپسی کا وقت ہوا شہزادی پالکی میں بیٹھ گئی - پردہ گر گیا اور شان و شوکت سے اپنے محل چلی گئی - کہاں شہزادی اور کہاں وہ بیچارہ لاہا - شہزادی چمن کی چڑیا کی طرح آئی ایک درخت پر بیٹھی اور اڑ گئی - لاہا کی بے قراری جب بہت بڑھی تو وہ بھی پالکی کے پیچھے پیچھے محل کے دروازہ پر پہنچا - لوگوں نے سمجھا کہ تمام دن اس نے میوہ اور پھل شہزادی کی خدمت میں توڑ توڑ کر پیش کیا ہے شاید انعام لینے کے لیے آیا ہو - شہزادی نے اس کو انعام بھیج دیا - اس نے کچھ نہیں لیا - کہا کہ یہ سب بی بی پر قربان ہے میں اسے لے کر کیا کروں گا - دروازہ پر تھوڑی دیر کھڑا رہا پھر شہزادی اندر چلی گئی - لاہا کی حالت خراب ہو گئی - وہ صرف چند روز زندہ رہا - شہزادی کے دروازہ پر آیا اور وہیں پر گر کر جان دے دی -

سقہ کے لڑکے کا قصہ حضرت مخدوم نے پھر ایک اور قصہ بیان فرمایا کہ ایک بادشاہ تھا روزانہ اپنے مکان کے صحن میں گیند کھیلتا اور تیر اندازی کرتا تھا سقے سب آکر اس صحن میں پانی کا چھڑکاؤ کرتے تھے - اور جھاڑو دیتے تھے -
بادشاہ کی لڑکی کھڑکی سے بیٹھی تماشا دیکھا کرتی تھی - اس کی نظر سقہ کے ایک لڑکے پر پڑی اس کا دل اس پر مائل ہو گیا اور وہ اس پر فریفتہ ہو گئی - وہ روزانہ کھڑکی سے بیٹھی اس کو دیکھتی رہتی - ایک دن وہ لڑکا نہیں آیا جب صبر کی طاقت اس شہزادی میں نہ رہی تو وہ یہ شعر پڑھ کر رونے لگی :ـ

الا اے ساقی مستاں بگو آں پور سقا را   بر بیدہ با سر زلفش غمی دادی دل ما را

بادشاہ اس سے اوپر کی کھڑکی پر بیٹھا ہوا تھا شعر پڑھنے اور رونے کی آواز سن کر آہستہ آہستہ وہ نیچے آیا دیکھا کہ اس کی لڑکی ہے - اس نے کہا کیا ہو رہا ہے - کون سا شعر پڑھ رہی تھیں - اس نے کہا میں یہ شعر پڑھ رہی تھی :ـ

الا اے ساقی مستاں بگو آں پور سقا را   بدید ہ باسراں مشکت تہی کردی ہمہ خم را

بادشاہ نے سمجھ لیا کہ یہ لڑکی سقّہ کے لڑکے پر عاشق ہو گئی ہے اور برجستہ شعر بدل کر سنا رہی ہے - اس نے وزیر سے مشورہ کیا - وزیر نے کہا یہ تو بڑی خوف ناک بات ہوئی شہزادی

کو کہیے کہ خون زیادہ ہوگیا ہے فصد کی ضرورت ہے۔ پھر حمام میں لے جا کر فصد کھلوا دیں اور خون بند نہ کرائیں۔ چنانچہ یہی کیا گیا۔ شہزادی مرنے سے پہلے اپنے خون میں ڈبو کر انگلی سے یہ تین مصرعے لکھ کر چھوڑ گئی:-

گر من بمیریم او را بیا رید! این مردہ تنم بدو سپارید

گر بوسہ دہد بریں لبانم!

بادشاہ جب اس کا حال دیکھنے کے لیے حمام میں گیا تو یہ تین مصرعے خون سے لکھے ہوئے اس کو ملے۔ چوتھا مصرعہ لکھنے سے پہلے وہ مر چکی تھی۔ شاعروں کو بلا کر اس نے کہا کہ اس کے چوتھے مصرعے کو پورا کرو۔ کسی کی سمجھ میں نہ آیا ایک لڑکی نے اس کا چوتھا مصرعہ اس طرح لگایا:-

گر بوسہ نزند بریں لبانم ور زندہ شوم عجب مدارید

ایک حسین وجمیل بادشاہ کا قصہ

اسی طرح کا ایک اور قصہ حضرت مخدوم نے بیان فرمایا کہ ہمارے خواجہ فرماتے تھے کہ ایک بادشاہ غائت حسین وجمیل تھا۔ جب وہ سوار ہو کر باہر نکلتا تو لوگ از خود رفتہ ہو کر اپنا گریبان چاک کر دیتے۔ ایک دن اس نے اپنے حاجب سے پوچھا کہ ان آدمیوں کے درمیان جو مجھ سے عشق و محبت کا دعوے کرتے ہیں تم نے کسی کو صادق بھی پایا۔ اس نے کہا ایک کو تو میں جانتا ہوں بادشاہ نے پوچھا اس کے عاشق صادق ہونے کی علامت کیا ہے۔ اس نے کہا جس جگہ پر وہ آپ سے جدا ہوتا ہے اس جگہ سے وہ اس وقت تک نہیں ہٹتا جب تک آپ اس جگہ دوبارہ نہ پہنچیں۔ کھانا پینا سب چھوڑ دیتا ہے اگر کوئی اسے زبردستی کھلا دیتا ہے تو کچھ کھا لیتا ہے۔ بادشاہ نے کہا تم صحیح کہتے ہو یہ علامت عاشق صادق کی ہے۔ اس مرتبہ وہ کہاں پر میرا انتظار کر رہا ہوگا۔ حاجب نے بتایا میدان میں۔ بادشاہ سوار ہو کر میدان پہنچا اور حاجب سے پوچھا کہ وہ درویش کون ہے۔ اس نے بتا دیا کہ وہی جو بے حال اور از خود رفتہ کھڑا ہے۔ بادشاہ نے ایک گیند اس کی طرف لڑھکایا۔ وہ گیند اس درویش کے قریب جا کر گرا۔ بادشاہ اپنا گھوڑا آہستہ آہستہ بڑھا کر اس درویش کے پاس پہنچا اور کہا کہ درویش گیند مجھے دو۔ اس مسکین نے گیند پر جان ہی دے دی۔ وہی مثال ہوئی:-

غمزہ زن مار سید ساختہ دارید جاں! یوسف ما باز گشت مژدہ بہ کنعاں برید

لیلیٰ مجنوں کا قصّہ

اسی طرح کا ایک اور قصہ حضرت مخدوم نے بیان فرمایا کہ لیلیٰ کے جھروکہ کے نیچے ایک پتھر تھا مجنون روزانہ وہاں پر جاتا اور اس پتھر پر لیٹا رہتا اور لیلےٰ کے جھروکہ کی طرف منہ کر کے اس کو دیکھنے میں مشغول اور مستغرق رہتا۔ مجنون کے رقیبوں نے لیلےٰ سے کہا کہ یہ دیوانہ روزانہ آتا ہے اور اس پتھر پر بیٹھ کر جھروکہ سے لیلیٰ کو دیکھتا رہتا ہے۔ کوئی ایسی ترکیب کرنی چاہیے کہ وہ اس پتھر پر نہ بیٹھ سکے۔ ان لوگوں نے لکڑی جمع کی اور اس پتھر پر رکھ کر جلایا۔ یہاں تک کہ وہ پتھر آگ کی طرح ہو گیا۔ مجنون جو عشق کی آگ کا جلا ہوا تھا حسب معمول وہاں پر پہنچا اور اس پتھر پر بیٹھ گیا اور پھر لیٹ گیا۔ پورا جسم اس کا جلنے لگا اور جسم کے جلنے کی بو پھیلنے لگی لیکن وہ اسی طرح لیلیٰ کی طرف متوجہ اور اسکے خیال میں مستغرق رہا۔ اس کو اپنے بدن کے جلنے کی بھی خبر نہ ہوئی یہاں تک کہ مجنون کے رقیبوں ہی کو اس پر رحم آگیا۔ انہوں نے شور مچایا کہ ارے دیوانے تو جل رہا ہے وہاں پر کیا کر رہا ہے مجنون نے دل کی طرف اشارہ کر کے کہا بدن تو نہیں البتہ یہ جل رہا ہے میں سوختہ آتش عشق ہوں مجھے بدن کے جلنے کا کیا احساس ہوگا پھر حضرت مخدوم نے فرمایا کہ سلوک کی کتابوں میں لکھا ہے کہ ان اللہ تعالیٰ خلق القلوب قبل الاجساد هكذا بالوف سنة وجعل فيها نار محبّة مخرج منها شرار نارِ المحبّة فخلق منها سبعة دركات الجهنّم۔ یعنی اللہ تعالےٰ نے دل کو جسم سے کئی ہزار سال پہلے پیدا کیا۔ اور اس میں اپنے عشق کی آگ رکھ دی اس کی ایک چنگاری باہر نکلی جس سے سات طبق دوزخ کے پیدا ہوئے۔ اس لیے عشق کی آگ کے جلے ہوئے کو دنیا کی آگ کی کیا خبر ہوگی اور اس کا کیا احساس ہوگا متنبی شاعر نے اسی کے بارے میں کہا ہے : ؎

ففی قلب المحب نار هوىٰ   احرّ نار الجحیم ابردها

(معنی) عاشق کے دل میں جو عشق کی آگ ہے اس کے مقابلہ میں دوزخ کی آگ بھی ٹھنڈی ہے)

روز جمعہ ۲۴ شوال المکرم ۸۰۲ھ

اللہ کی قربت اور اس کی نظر میں مقبولیت کے بارے میں

جمعہ کی نماز کے بعد
قربت حق اور مقبولیت

کا ذکر نکل آیا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ نیک عمل سے کسی ایک کو مقبول اور برُے عمل سے دوسرے کو مردود اور مخذول سمجھا جاتا ہے۔ اسی کے حسب حال حضرت مخدوم نے ایک قصہ بیان فرمایا کہ کسی شہر میں ایک زاہد رہتا تھا اللہ تعالےٰ نے اس کو خواب میں مطلع کیا کہ میں اس شہر پر آفت بھیج رہا ہوں۔ ایک شخص بھی اس آفت سے نہیں بچے گا۔ زاہد نے پوچھا خداوندا! کون سی آفت بھیجے گا۔ اللہ نے فرمایا آگ بھیجوں گا تاکہ وہ سوائے ایک فاحشہ کے گھر اور اس کے اندر پناہ لینے والوں کے سب کو جلا دے۔ زاہد نے کہا خداوندا! میرا حال کیا ہوگا۔ جواب ملا کہ تجھ کو بھی جلا دوں گا۔ مگر ہاں اگر تو اس فاحشہ کے گھر میں پناہ لے لے گا تو اس فاحشہ کے طفیل تو بچ جائے گا۔ صبح کے وقت وہ زاہد اٹھا مصلا کاندھے پر رکھا اور فاحشہ کے گھر پہنچ گیا فاحشہ اسے دیکھ کر بہت حیران ہوئی۔ اس نے پوچھا کہ اے زاہد آپ میرے یہاں کس طرح پہنچ گئے۔ آپ کو معلوم ہے روزانہ کس طرح کے لوگ میرے یہاں جمع ہوتے ہیں اور کیا کیا برُے کام کرتے ہیں۔ زاہد نے کہا میں صرف چند روز تمہارے گھر میں پناہ لینا چاہتا ہوں مجھے ایک گوشہ گھر کا دے دو میں وہاں اللہ اللہ کرتا رہوں گا بقیہ تم جانو اور تمہارا کام۔ فاحشہ نے گھر کا ایک گوشہ دے دیا اور وہ زاہد وہاں عبادت و ریاضت میں مشغول ہوگیا۔ کئی روز کے بعد شہر میں آگ لگی اور وہاں کے تمام مکانات کو جلا کر خاکستر کر دیا۔ لیکن فاحشہ کا گھر بالکل محفوظ رہا۔ جب آگ ختم ہوئی۔ زاہد پھر اپنے مکان کے گوشہ میں آگیا اس نے اللہ تعالےٰ سے پوچھا کہ خداوندا! اس میں کیا راز تھا کہ تمام لوگوں کو تو نے جلا دیا اور سارے شہر کو خاکستر اور ویران کر دیا لیکن اس فاحشہ کے گھر کو بچا لیا۔ اور اسی کے طفیل میں مجھے بھی نجات دی۔ فرمان باری ہوا کہ ہمارا ایک خارش زدہ کتا بھوکا پیاسا گرمی سے زبان نکالے محلہ محلہ بھاگتا رہا کسی نے اس کو نہ ایک ٹکڑا روٹی کا دیا نہ ایک قطرہ پانی پلایا۔ اپنی دیوار کے سایہ میں بیٹھنے بھی نہ دیا۔ وہ غریب جہاں گیا لوگوں نے اس کو سختی سے مار کر بھگا دیا۔ لیکن جب وہ اس فاحشہ کے گھر پہنچا تو اس نے اس کو اپنی دیوار کے سایہ میں پناہ دی روٹی کھلائی اور پانی پلایا۔ اس کتے کے طفیل میں اس فاحشہ کو میں نے اس آفت سے بچا لیا۔ اور اسی فعل کے عتاب میں تمام شہر کو میں نے تباہ اور ویران کر دیا۔ اور تم کو اس فاحشہ ہی کے طفیل میں اس آفت سے محفوظ رکھا۔

حضرت جنید بغدادیؒ کا انتقال کے وقت رونا

حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ حضرت جنید بغدادیؒ کے انتقال کے وقت لوگوں نے دیکھا کہ وہ زار زار رو رہے ہیں۔ لوگوں نے ان سے رونے کا سبب پوچھا انہوں نے کہا کہ اپنی اسی ۸۰ سال کی عبادت کو میں پردہ الوہیت میں بال سے باریک تار میں بندھا ہوا دیکھ رہا ہوں اور وہ صحرائے بے نیازی کی ہوا میں جھول رہا ہے۔ معلوم نہیں وہ ہوا قبولیت کی ہے یا رد کی۔ انتقال کے بعد لوگوں نے ان کو خواب میں دیکھا پوچھا کہ خدا کے ساتھ آپ کا کیسا معاملہ ہوا۔ انہوں نے کہا طاحت تلک العبادات وفنیت تلک الاشارات وانتثرت تلک العلوم فما نفعتنا الا رکعات نرکعها وقت السحر۔ یعنی تمام عبادتیں، معارف حقائق، اشارات، اسرار و رموز علوم برباد ہوگئے اور میرے کوئی کام نہ آئے مگر وہ چند رکعتیں نماز کی جو میں صبح کو پڑھتا تھا وہی کام آئیں۔

وفات کے وقت امام حسن علیہ السلام کے الفاظ

حضرت مخدومؒ نے بیان فرمایا کہ امیر المومنین امام حسن علیہ السلام کو انتقال کے وقت لوگوں نے دیکھا کہ وہ رو رہے ہیں۔ لوگوں نے رونے کا سبب پوچھا تو جواب دیا انی اقدم علی سیّدٍ لم اراہٗ۔ یعنی میں اپنے مالک کے یہاں جا رہا ہوں۔ معلوم نہیں وہ کس طرح تجلی فرماتا ہے۔

حضرت ابراہیم بن ادھمؒ اور خلیفہ کی گفتگو

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ہمارے خواجہ بیان فرماتے تھے کہ ایک رات خواجہ ابراہیم بن ادھمؒ پر شوق کا غلبہ ہوا اور وہ غلبہ شوق میں مسجد سے باہر نکل کر گھومنے لگے۔ پہرہ دار نے ان کو پکڑ لیا اور تمام رات ان کو چور کے شبہ میں پکڑے رہا۔ صبح کو بادشاہ کے دربار میں حاضر کیا اور کہا کہ رات صوفیوں کے لباس میں میں نے ایک چور کو پکڑا ہے۔ بادشاہ نے ابراہیم بن ادھمؒ کو اپنے سامنے بلایا اور پوچھا کہ تم چور ہو۔ انہوں نے کہا جی ہاں میں چور ہوں لیکن دنیا کا نہیں بلکہ دین کا۔ بادشاہ نے کہا دین کا چور کیسا ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ اسوء السّراق من سرق فی صلوٰتہٖ شیئًا۔ یعنی بدترین چور وہ ہے جو اپنی نماز سے کوئی چیز چرا لے۔ یعنی حضوری قلب اور ادائے ارکان میں ناکام رہے۔ بادشاہ کو یہ بات بہت پسند آئی۔ پہرہ دار کو بلا کر ملامت کیا کہ تم درویش کامل کو

بھی نہیں پہچان سکتے۔ اس کے بعد ابراہیم کو اپنے نزدیک بٹھایا کھانا منگوایا۔ ہر ایک کے سامنے نوع بہ نوع کے کھانے لگائے گئے ایک قاب میں حلوا اور فالودہ شیخ کے سامنے اور ایک خلیفہ کے سامنے رکھا گیا۔ ہر ایک کھانا کھانے میں مشغول تھا لیکن حضرت ابراہیم بن ادھمؒ فالودہ کی جانب دیکھتے تھے اور مسکراتے تھے۔ خلیفہ نے کہا درویش! کیا بات ہے؟ تم کچھ کھاتے نہیں مت صرف حلوا اور فالودہ کی طرف دیکھ کر مسکرا رہے ہو۔ انہوں نے کہا خلیفہ! اس فالودہ سے قیامت کے احوال یاد آتے ہیں خلیفہ نے کہا وہ کیا۔ انہوں نے کہا لوگ کل قیامت کے دن دو ہی حالت میں نظر آئیں گے۔ بعضے آلودہ ہوں گے اور بعض پالودہ۔ خلیفہ بہت خوش ہوا اور خوف خدا سے آنکھوں میں آنسو آگئے۔ اس نے کہا درویش! تم میرے ساتھ رہو۔ مجھ کو تمہاری صحبت سے بہت فائدہ ہوگا۔ ابراہیم بن ادھمؒ نے کہا پہلے میری ایک عرض ہے وہ سُن لی جائے۔ اگر آپ شکار کے لیے باہر کبھی گئے اور واپس آنے کے بعد آپ نے مجھ کو اپنی ملکہ کے پاس دیکھ لیا تو آپ میرے ساتھ کیا کریں گے۔ خلیفہ یہ سُن کر غصہ میں آگ بگولا ہوگیا۔ حضرت ابراہیم بن ادھمؒ نے فرمایا تھوڑی دیر غصہ کو فرو کیجیے اس مثال سے میری ایک غرض تھی۔ خلیفہ نے کہا جلدی بولو۔ حضرت ابراہیم بن ادھمؒ نے کہا میں نے آپ کا کوئی قصور نہیں کیا اس پہ آپ اس قدر غضبناک ہو رہے ہیں اگر کرتا تو معلوم نہیں کیا کرتے۔ لیکن میں آج کل جس کی صحبت میں رہتا ہوں وہ ایسی ہستی ہے کہ اگر ہزار قسم کے بھی گناہ کروں لیکن ایک مرتبہ توبہ استغفار کر لوں تو سب خطا معاف ہوجاتی ہے۔ وہ کہتا ہے انا جلیسُ من ذکرنی یعنی میں اس کے ساتھ رہتا ہوں جو مجھے یاد کرتا ہے۔ پھر میں کیوں نہیں اسی ذات باری کی صحبت میں رہوں کہ جو کچھ کروں بس ایک مرتبہ توبہ کر لینے سے سب ختم ہوجاتا ہے یہ کہہ کر حضرت ابراہیم بن ادھمؒ اُٹھے خرقہ کا دامن جھاڑا اور روانہ ہوگئے خلیفہ ان کی طرف حسرت سے دیکھتا رہا۔

روز چہار شنبہ ۲۹ر شوال المکرم ۸۰۲ھ

حضرت نظام الدینؒ کے دوستوں کا تذکرہ

۲۹ر شوال کو شیخ الاسلام حضرت نظام الدینؒ کے ساتھیوں اور دوستوں کا ذکر نکل آیا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ مولانا برہان الدین غریب اور ہمارے خواجہ کے درمیان

دوستی اور محبت بہت زیادہ تھی۔ جب ہمارے خواجہ اودھ سے دہلی آتے مولانا برہان الدین تمام دوستوں، معتقدین اور حضرت نظام الدینؒ کے دوسرے دوستوں کے ساتھ ان کا استقبال کرتے۔ تین روز تک ہمارے خواجہ خانقاہ میں رہتے اس کے بعد شیخ نظام الدینؒ کی اجازت سے حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کی زیارت اور شہر میں اپنے دوستوں سے ملاقات کے لیے باہر نکلتے تھے مولانا برہان الدین کے تمام دوست سماع کے خواہش مند ہوتے۔ کہتے مولانا محمود آئے ہوئے ہیں سماع کا یہ وقت خوب ہے۔ مولانا برہان الدین کو ہمارے شیخ سے بڑی عقیدت تھی۔ وہ اکثر فرماتے اگر حضرت نظام الدینؒ سے میں مرید نہیں ہوا ہوتا تو مولانا محمود سے مرید ہوتا۔

ہمارے خواجہ فرماتے تھے کہ سالہا سال تک ہم اور مولانا برہان الدین ایک ساتھ رہے ہیں اور کبھی بھی انہوں نے آنے جانے میں میری پیٹھ نہیں دیکھی اور نہ میں نے ان کی پیٹھ دیکھی۔ اور میں نے کبھی ان سے بے ادبی نہیں کی مگر ایک مرتبہ ہوگئی تھی ہم دونوں ایک جگہ کھانا کھا رہے تھے اپنی روٹی میں نے ان کے آگے بڑھا دی۔ ہمارے خواجہ سے بہت سے لوگوں نے اس واقعہ کو بیان کیا اور آپس میں تبادلہ خیال کیا کہ روٹی ایک دوسرے کے سامنے بڑھانا تو بے ادبی ہوئی۔ اتفاق سے ان لوگوں کی بحث کے دوران میں بھی وہاں پہنچ گیا۔ سید شرف الدین کیتھلیؒ نے مجھ سے پوچھا کہ ایسا کیوں کیا۔ میں نے جواب دیا کہ صوفیوں کے درمیان ایثار کا بہت بڑا درجہ ہے۔ اور اپنی روٹی دوسرے کی طرف بڑھا دینا ایک قسم کا ایثار ہے۔ سب لوگوں نے میری اس توجیہہ کو قبول کیا۔

حضرت خواجہ محمود نصیر الدین چراغ دہلویؒ سے مولانا برہان الدینؒ کی عقیدت۔

حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ کاکا شاہ بخت نام کا ایک غلام تھا جو مولانا برہان الدین کی خدمت میں رہتا تھا اس نے ایک مرتبہ قصہ بیان کیا کہ حضرت برہان الدین غریب نے ایک دن مجھ سے کہا کہ جس جگہ مولانا محمود مشغول ہیں مجھ کو اس جگہ لے چلو۔ میں ان کا ہاتھ پکڑ کر اس جگہ لے چلا۔ مولانا محمود مشغول تھے۔ سر مراقبہ کی وجہ سے جھکا ہوا تھا۔ مولانا برہان الدین نے فرمایا ان کو آواز نہ دو۔ بس مجھ کو ان کے نزدیک کھڑا کر دو۔ میں نے ان کو شیخ کے نزدیک کھڑا کر دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت خواجہ اپنی حالت میں آئے۔ مولانا کو دیکھ کر اٹھنا چاہا۔ مولانا برہان الدین نے روکا اور کہا کہ شیخ نظام الدینؒ کا حوالہ دے کر میں کہہ رہا ہوں کہ آپ نہ اٹھیں۔ میں آپ کے

در پر گدا بن کر آیا ہوں - آپ بیٹھے رہیں میں آپ کے سامنے دست بستہ دامن پھیلا کر کھڑا ہوں گا مجھ پر مہربانی کر کے میرے لیے فاتحہ پڑھیے ، دعا کیجیے ، غرض انہوں نے حضرت خواجہ کو اُٹھنے نہیں دیا اور خود سر زمین کی طرف جھکا کر دامن پھیلا کر کھڑے ہوگئے - حضرت خواجہ نے فاتحہ پڑھی انہوں نے دامن کو سمیٹا سینہ ، چہرہ اور سر پر ہاتھ پھیرا ، حضرت خواجہ اسی طرح بیٹھے رہے - پھر وہ اُلٹے پاؤں واپس ہوئے -

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ جب سلطان محمد نے ہمارے خواجہ کے ساتھ بے ادبی کی تو مولانا بہاؤالدین سُن کر بہت روئے - کہا کیا کروں - حضرت مولانا محمود بردبار اور کریم ہیں ورنہ وہ چاہیں تو ایک لمحہ میں اس کی فوج ، گھوڑا ، ہاتھی سب ختم ہو جائے - اور پھر حضرت خواجہ کو ایک خط لکھا جس کی ابتدا اس رباعی سے کی گئی تھی ؎

تا بر سر عاشقاں بلائے نہ رسد   آوازہ عشق شاں بہ جائے نہ رسد
رو بر سر کنگرہ سر مرداں بیں   نامرداں را خار بہائے نہ رسد

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ اس تحمل اور برداشت کی وجہ سے حضرت شیخ کو طبل اور علم عطا ہوا جو اولیاء اللہ کے درمیان بڑا مرتبہ سمجھا جاتا ہے - حضرت شیخ کے وصال کے بعد وہ ولایت چار آدمیوں میں تقسیم ہوئی - ان میں سے ایک صوفی تھے ، دوسرے صندوق تراش تیسرے کلال اور چوتھی ایک خاتون تھیں - ان میں سے جو مرتا حضرت شیخ کا دوسرا مرید اس کی جگہ لے لیتا - کئی سال سے اسی طرح چل رہا ہے -

حضرت مخدوم نے فرمایا جب یعقوب جندیزی حضرت شیخ سے مرید ہوئے اور وہ مولانا برہان الدین کے مریدوں میں سے تھے - یعقوب جندیزی کے علاوہ مولانا برہان الدین کے کئی دوسرے مریدان بھی حضرت شیخ سے مرید ہوئے - مولانا برہان الدینؒ کے مریدوں نے چہ می گوئی شروع کی - یہ بات جب ہمارے شیخ کے کان تک پہنچی تو انہوں نے رنجیدہ ہو کر فرمایا کہ سبحان اللہ درویشی کی بات بھی مولانا برہان الدین کے کان تک شاید پہنچی ہو - یہ سخت بات ایک ہی مرتبہ حضرت شیخ کی زبان سے نکلی ورنہ وہ ہمیشہ بڑی عزت اور احترام سے مولانا کا ذکر فرماتے تھے - مولانا برہان الدین کے دوست جو شہر میں تھے بہت بچے لوگ تھے - چنانچہ مولانا زین الدینؒ دولت آبادی ، اور سید نصیر الدین محمود دبقائی رجب کے مہینہ میں اکثر قدم بوسی کے لیے آتے تھے اور ان کی مخصوص مجلس ہوتی تھی - اور اس مجلس میں

سوائے میرے حضرت شیخ کے مریدوں میں سے اور کوئی نہ ہوتے تھے۔ ایک روز جب سب اُٹھ گئے تو مولانا برہان الدین نے مجھ سے فرمایا کہ آپ کو مولانا نصیر الدین چراغ دہلویؒ سے نعمت ملی ہے پھر کچھ تامل کے بعد فرمایا آپ جا کر کچھ تعلیم دیں۔ وہ سب مرد مان صادق میں تھے اور ان کے مریدان بھی تھے۔ ان سبھوں نے کتاب ہاتھ میں لے کر تعلیم حاصل کی۔ اور ان میں سے ہر ایک اپنے گھر سے پاپیادہ عصا ہاتھ میں، لوٹا دوسرے ہاتھ میں برابر ہمارے شیخ کی قدم بوسی کے لیے آتے تھے باوجودے کہ ان میں سے اکثر کی استطاعت تھی کہ وہ گھوڑے اور پالکی پر سوار ہو کر آسکتے تھے لیکن ہمیشہ پاپیادہ ہی آتے تھے۔ ہمارے خواجہ بھی ان کے ساتھ بڑی عنایت اور کرم فرمائی فرماتے رہتے تھے۔ کھانا ان کو پکوا کر کھلاتے۔ اور اگر خانقاہ میں ان کو کھانے کا موقع نہ ملتا تو دس تنکہ ان کے ہاتھ میں دے دیتے کہ کہیں جا کر کھالیں۔ یہ لوگ جب ایک جگہ جمع ہوتے تو زیادہ تر بات پیر کے ساتھ محبت اور اعتقاد کی کرتے تھے یا عشق و محبت کی بات کرتے تھے۔

روز پنجشنبہ ۹ ذی قعدہ ۸۰۲ھ

عظمت دین اور عزت اہل دین کے بارے میں

چاشت کے وقت حضرت مخدوم نے نہروالہ میں نزول فرمایا۔ علما، مشائخ، سادات، امرا، شہزادگان، اہل حرفہ وصنعت جوق جوق ملاقات اور قدم بوسی کے لیے حاضر ہوئے۔ کئی مجلسیں منعقد ہوئیں۔ اور لوگوں کا بڑا ہجوم تھا۔ اس جگہ موقع نہیں کہ تمام مجلس کا حال سپرد قلم کیا جائے اس لیے ان میں سے کچھ کا اس جگہ ذکر کیا جاتا ہے۔

روز شنبہ ۱۱ ذی قعدہ کو چاشت کے وقت عظمت دین اور عزت اہل دین کے بارے میں ذکر نکل آیا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ دانشوروں نے خود سے عجیب بات نکالی ہے کہ دین چند کتابوں کے پڑھنے اور چند باتوں کے یاد کرنے پر منحصر ہے اگر دین اتنی سی بات پر منحصر ہے تو پھر نیکی بہت معمولی چیز ہے۔ لیکن اللہ جانتا ہے کہ دین ایسا کمال اور جمال رکھتا ہے کہ اگر لاکھوں برس کی کوئی عمر پائے اور اس کی خوبیوں کو بیان کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا اور وہ دین کے کمالات تک نہیں پہنچ سکتا۔ مثلاً نماز کے بارے میں علماء کہتے ہیں کہ اگر نماز

شروع کرنے کے وقت کسی کے دل میں اتنی بات بھی آجائے کہ یہ کون نماز ہے تو فرض سے عہدہ برآ ہونے کے لیے کافی ہے۔ نماز کے وقت اللہ تعالےٰ کی طرف حضور قلبی ضروری نہیں ہے اس لیے کہ دل پر انسان کا اختیار نہیں ہے۔ یہ غیر اختیاری ہے۔ اور پیغمبر صلعم کا یہ فرمانا کہ لا صلوٰۃ الا بحضور القلب۔ کمال کی نفی پر محمول کرتا ہے جواز کی نفی پر نہیں۔ لیکن صوفیا نماز کو بغیر حضوری قلب کے عدم جواز پر محمول کرتے ہیں بر مقتضائے لفظ ظاہری۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ یہ لوگ معانی کو فرض کرتے ہیں۔ نہیں بالکل نہیں بلکہ یہ ممکن، واقع اور ثابت ہے کہ دل کو اگر لگایا جائے تو حضور حق اس میں ظاہر ہوتا ہے اور وسوسہ ممکن نہیں ہے لیکن اس کے لیے عمل، قانون اور اصول رکھا گیا ہے کہ جو چاہے اس پر تعلیم و تلقین کرے۔ مولانا نصیر الدین قاسم کہتے تھے کہ ایک دانشور میرا مرید تھا اس کو بہت زیادہ وسوسے پیدا ہوتے تھے۔ اس کی میں نے عملی تعلیم کی۔ کچھ مدت کے بعد میں نے پوچھا کہ آج کل تمہارے وسوسے کا کیا حال ہے اس نے کہا جس طرح پہلے حضور کا تصور اور وہم خیال میں نہیں آتا تھا اسی طرح آج کل وسوسہ کا خیال نظر میں نہیں آتا۔ میں ڈھونڈھتا ہوں کہ وسوسہ کہاں گیا کچھ اس کا پتا ہی نہیں چلتا۔

آیت کی تکرار سے اس آیت کو متکلم سے سن لیا

اسی کے حسب حال حضرت مخدوم نے قصہ بیان فرمایا کہ عوارف میں مذکور ہے کہ حضرت امام جعفرؓ ایک رات کو نماز پڑھ رہے تھے۔ ایک شخص ان پر نظر رکھے ہوئے تھا یکایک نماز کے دوران وہ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ تھوڑی دیر کے بعد ہوش میں آئے اسی وقت اس شخص نے پوچھا اس وقت کے صدقہ میں جو آپ اپنے خدا کے ساتھ ابھی رکھتے تھے مجھے بتا دیجیے کہ آپ پر غشی کیوں طاری ہوئی۔ انہوں نے جواب دیا کہ ما زالت اردد الآیۃ حتیٰ سمعت من المتکلم۔ یعنی بار بار میں نے آیت کی تکرار کی یہاں تک کہ آیت کو کہنے والے سے میں نے سن لیا۔

حضرت محمد سرخسیؒ کا معاملہ اپنے خدا کے ساتھ

حضرت مخدوم نے ایک اور قصہ بیان فرمایا کہ محمد سرخسیؒ ایک درویش تھے ان کے تیس عدد دوست تھے۔ ہر رات کو ایک دوست کے گھر مہمانی کے لیے وہ جایا کرتے تھے ایک ماہ پر ایک دوست کی باری آتی تھی۔ ایک رات کو ان کے ایک دوست کو ان کی حالت کی جستجو ہوئی کہ تمام رات یہ کیا کرتے ہیں یکایک اس نے دیکھا

کہ بیٹھے بیٹھے انہوں نے لبیک لبیک کہنا شروع کیا۔ تھوڑی دیر تک خاموش رہ کر پھر لبیک لبیک یارب کہنے لگے، تھوڑی دیر خاموش رہ کر پھر لبیک لبیک کہنے لگے۔ یہاں تک کہ بے ہوش ہوگئے جب ہوش ہوا تو اس شخص نے ان سے پوچھا کہ حضرت! لبیک لبیک کہنے کی ساعت کی حرمت ہیں، آپ کو اپنے خدا کے ساتھ جو اس وقت راز و نیاز ہوئے مجھ سے کہہ دیجیے۔ آخر کیا ماجرا تھا آپ نے پہلی مرتبہ لبیک لبیک کہا پھر دوسری مرتبہ کہا پھر تیسری مرتبہ کہنے کے بعد آپ بیہوش ہوگئے۔ حضرت محمد سرخسیؒ نے کہا کہ پہلے اللہ نے مجھ سے فرمایا "اے محمد" میں نے جواب دیا: لبیک لبیک۔ دوسری مرتبہ اس نے کہا "اے محمد سرخسی" اس مخاطبت میں مجھے پہلی مرتبہ سے زیادہ مزہ ملا اور میں نے کہا "لبیک لبیک یارب" تیسری مرتبہ اس نے کہا "اے محمد سرخسی بندہ من!" اس خطاب کے عطا ہونے پر مجھے ایسا مزہ آیا کہ میں اس ذوق سے بے ہوش ہو گیا۔ اس سے یہ نہیں گمان کرنا چاہیے کہ یہ صرف امام جعفرؒ اور محمد سرخسیؒ کے لیے مخصوص تھا۔ نہیں ہرگز نہیں، جو کام کہ ان لوگوں نے کیا اور فرمایا دوسرے لوگوں کے لیے بھی ممکن ہے۔

ایک حرف کی تفسیر میں ساری رات گزر جاتی تھی۔ ایک وہ علم تھا

حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ اللہ اللہ وہ کیسا علم تھا جو ان لوگوں سے ظاہر ہوتا تھا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک رات عشاء کی نماز کے بعد امیر المومنین علیؓ سے میں نے سورہ فاتحہ بیان کرنے کی درخواست کی۔ وہ عشاء کی نماز کے بعد گھر میں آئے۔ اور شروع بسم اللہ کے باء کی تفسیر سے کیا۔ ساری رات گزر گئی لیکن بسم اللہ کے باء کی تفسیر ختم نہ ہوئی۔ میں نے خود اس کو پورا کیا کہ باء حرف جر ہے عامل ابتدأ یا اقرأ محذوف، مقدم اور باء موخر ہے۔ اللہ اللہ وہ کیا علم تھا کہ ایک حرف کی تفسیر بیان کرنے میں رات ختم ہو جاتی تھی۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ وحدت نفسی عندہٗ کالجرۃ عند البحر۔ یعنی میں اپنے نفس کو علی کرم اللہ وجہہ کے سامنے ایسا نظر آتا تھا جیسے دریا کے سامنے سبو ہو۔

ابوہریرہؓ اس آیت یتنزل الامر بینھنّ لو افسرھن ہ الاٰیۃ لکفرتمونی۔ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اگر میں اس کی تفسیر بیان کروں تو لوگ مجھے کافر کہہ دیں گے ابن عباسؓ اس دوسری آیت وَجَاءَ رَبُّکَ وَالملک صفا صفاً کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اگر میں تفسیر بیان کروں تو سنگسار کر دیا جاؤں۔ ہر شخص کو معلوم ہے کہ ہم نے جو علم پڑھا ہے وہ کیا ہے۔

جب بچہ تھا مسجد میں بٹھا دیا گیا۔ حروف تہجی کے انتیس[۲۹] حروف سکھا دیے گئے۔ اس کے بعد اعراب بنا دیا گیا۔ مثلاً "بِ مٌ" اس کے بعد تنوین اور اس کے بعد مرکبات اول سے واقفیت کرا دی گئی۔ پھر ثلاثی، رباعی اور خماسی کو پڑھا دیا گیا۔ پھر ناظرہ اور خط نویسی سکھایا گیا۔ پھر ۹۹ نام اور اس کے بعد میزان عربی ہاتھ میں مل گیا۔ جس سے ضَرَبَ بروزن فَعَلَ۔ یَضْرِبُ بروزن یَفْعِلُ معلوم ہو گیا۔ اس درمیان میں کچھ نحوی تعلیل اور صرف سے واقفیت کرا دی گئی۔ پھر مصباح اور کافیہ ختم کر کے قدوری پڑھ لیا۔ قدوری سے چند شرعی مسئلے یاد کر لیے گئے گویا بزرگی کی سند مل گئی اور ہر ایک پر طعن کرنے اور جاہل کہنے کا پروانہ حاصل ہو گیا۔ تو جاہل، وہ جاہل۔ یہ جائز وہ ناجائز بس ہر وقت یہی زبان پر رہنے لگا۔ اس کے بعد ہدایہ اور کشاف ختم کر لینے کے بعد تو گویا مجتہد زمانہ ہو گئے۔ فلاں شیخ جاہل، فلاں صوفی دیوانہ۔ بس یہی علم ہے۔ اور باقی جہل ہے۔ دین اسی کو سمجھ لیا گیا ہے اور بقیہ سب کو جہالت سمجھا جاتا ہے۔ اگر دین اسی علم پر تمام ہوتا ہے تو پھر وہ علم کون سا تھا جس کے لیے موسےٰ علیہ السلام اللہ کے حکم اور اجازت سے خضر علیہ السلام کے پیچھے لگ گئے تھے۔ اور خضر علیہ السلام نے ان کو یہ کہہ کر اِنَّکَ لَن تَستَطِیعَ مَعِیَ صَبرًا۔ اپنے پاس سے رخصت کر دیا تھا۔ پھر ان کی یہ شرط کہ آپ جو کچھ کریں گے میں درمیان میں مداخلت کر کے نہ پوچھوں گا موسیٰ علیہ السلام نے مان لیا اور کچھ دیر ساتھ رہے لیکن بالآخر ان سے ضبط نہ ہو سکا اور خضر علیہ السلام نے ان کو جدا کر دیا۔ کیا اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ موسےٰ علیہ السلام کو انہوں نے لائق نہ سمجھا۔ موسیٰ علیہ السلام خود صاحب شرع تھے۔ ان کو شرع کے امور پوچھنے کی کیا ضرورت تھی۔ افسوس اور ہزار افسوس کہ ان دانشوروں کو اللہ نے صرف زبانی لفاظی عطا کر دی اور اپنے سے بالکل محروم کر دیا۔ قرآن مجید کی تلاوت صرف اس پر منحصر ہو گئی کہ "صاد" لب سے نکالا جائے۔ اور "ضاد" اس منہ سے۔ قرآن شریف کے معنی کشاف پر تمام ہو گئے۔

افسوس: ؎

جمال حضرت قرآن نقاب انگہ براندازد ۔۔۔ کہ دار الملک معنی را مجرد بیند از غوغا

اکثر ظاہری علم والوں کو میں نے وسوسے میں گرفتار پایا ہے اور وہ اسی بلا میں الجھے رہتے ہیں اور اس سے رہائی کی کوئی امید نظر نہیں آتی۔ اور یہ بہت بڑا خطرہ اور مصیبت ہے جو تحریر اور تقریر میں نہیں سما سکتا۔ خطرہ بہر حال خطرہ ہی ہے جس کے منبع، اصل اور نسبت کا پتا نہیں چلتا۔ اس کے لیے کسی دلیل اور برہان کی ضرورت نہیں ہے، وہ دل سے پیدا ہوتا ہے

بلکہ کسی کے وہم میں نہیں ہوتا اور یکایک خطرہ سامنے آجاتا ہے۔ اللہ محفوظ رکھے اگر کوئی بڑا خطرہ دین کے بنیادی عقیدہ میں آدمی کے آخر وقت میں حائل ہو جائے تو اس وقت اس کی تلافی کا بھی موقع نہیں رہتا کہ آدمی کوشش کرے وہ وقت سکرات اور روح کے جسم سے نکلنے کا ہوتا ہے جس کے بارے میں تمام انبیاء اور اولیاء نے یہاں تک کہ پیغمبر علیہ السلام اور ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے بھی خبردار کیا ہے کہ وہ دشوار ترین حالات میں سے ایک ہے۔ اور موت کے وقت کی سب سے سخت گھڑی وہی ہے۔ جو آدمی اس منزل سے گزرتا ہے صرف وہی جانتا ہے۔ ایک طرف جسم تکلیف اور اذیت میں اور دل اضطراب اور بے چینی میں ہوتا ہے دوسری طرف بیوی، بچے، عزو اقارب اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں کہ تم پر جو بھی گزر رہی ہو مگر ابھی مت مرو۔ وہ بے چارہ اپنی فطرت اور طبیعت کے مطابق ان لوگوں کے اور اپنے گھر بار کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ ملک الموت ڈٹے ہوئے ہیں کہ روح قبض کر کے ہی ٹلیں گے۔ شیطان الگ گھات میں ہے کہ ذرا موقع ملے اور جہنم کی طرف دھکیل دوں۔ معاذ اللہ اگر یہ بُرا خطرہ ایک دو بار گزر جائے اور اسی پر اس کا خاتمہ ہو جائے تو اس کا انجام کیا ہوگا۔ ....

.... لوگ اتنے بڑے خطرہ اور عظیم مصیبت میں گھرے ہوئے ہیں اور انہیں اس کا شعور اور احساس تک نہیں بس جب دیکھیے وہ جاہل، ہیں عالم، وہ غیر متشرع اور مردود اور ہم متشرع اور خدا کے مقبول کا شب و روز چرچا ان کی زبان پر رہتا ہے:۔

سوف تری اذا تجلی الغبار ۔۔۔ افرسُ تحتک ام حمارُ

(معنی۔ جب غبار صاف اور فضا منور ہو جائے گی تو معلوم ہو گا کہ تمہاری سواری میں گھوڑا ہے یا گدھا)

خواجہ محمد بکا کا قصہ اسی کے حسب حال حضرت مخدوم نے قصہ بیان فرمایا کہ خواجہ سالار کہتے تھے کہ ہم لوگ حضرت شیخ نظام الدین کے جماعت خانہ میں بیٹھے ہوئے تھے ایک مسافر بھی کونے میں بیٹھا ہوا تھا۔ خواجہ اقبال آئے اور انہوں نے مسافر کو کہنا شروع کیا کہ اے جناب آپ نے کیا کر دیا جو حضرت شیخ کی حالت ایسی خراب اور از خود رفتگی کی ہو گئی ہے۔ آپ نے ان کو کونسا قصہ سُنا دیا ہے کہ ان کے آنسو نہیں تھم رہے ہیں اور ان کی حالت بالکل متغیر ہو گئی ہے۔ اس مسافر نے کہا میں نے تو کچھ نہیں کیا۔ حضرت شیخ نے مجھ سے

سفر، شہر، شہر کے آدمیوں اور مشائخ و علماء کے بارے میں پوچھا تھا میں نے ان کو تفصیل سے تمام واقعات اور حالات سنائے۔ اتنا جواب سننے کے بعد خواجہ اقبال تو واپس چلے گئے لیکن ہم نے اس مسافر کے قریب جا کر پوچھا کہ جناب وہ کون سا قصہ آپ نے حضرت شیخ کو سنایا تھا جس کو سن کر وہ اس قدر رو رہے ہیں اور ان کی حالت متغیر ہوگئی ہے۔ اس مسافر نے کہا حضرت شیخ نے مجھ سے پوچھا تھا کہ کن لوگوں کو تم نے دیکھا تھا۔ میں نے جواب دیا بہت سے مشائخ کو۔ بلکہ خواجہ محمد بکا کو بھی میں نے دیکھا۔ حضرت شیخ نے پوچھا جانتے ہو کہ لوگ ان کو بکا کس طرح اور کیوں پکارنے لگے۔ میں نے جواب دیا۔ جی ہاں جانتا ہوں۔ انہوں نے کہا سناؤ۔ میں نے کہا خواجہ محمد ایک سوداگر کے صاحبزادے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو انا بہت سے نوازا۔ اور وہ دنیا اور دنیاداری سے مکمل طور پر تائب ہو کر یاد الٰہی میں مشغول ہو گئے۔ اور انہوں نے درویشوں کی صحبت اختیار کر کے تمام علائق دنیوی سے اپنے کو علیحدہ کر لیا۔ اپنے شہر میں انہوں نے ایک فقیر کو دیکھا جو لنگ لگائے ہوئے تھا، زمین پہ نماز پڑھتا تھا اور دنیا سے کوئی تعلق نہ رکھتا تھا۔ وہ ان ہی کی خدمت میں رہنے لگے۔ کچھ دنوں کے بعد انہوں نے ایک دن اپنے شہر جانے کا ارادہ کیا، خواجہ محمد نے بھی ان سے استدعا کی کہ مجھے بھی ساتھ لے چلیے پہلے تو انہوں نے انکار کیا لیکن ان کے بہت اصرار پر وہ بالآخر راضی ہو گئے وہ درویش خواجہ محمد کو لے کر آبادی سے باہر آ گئے۔ پھر انہوں نے خواجہ محمد کو سینہ سے لگا کر آنکھ بند کرنے کے لیے کہا۔ پھر جب انہوں نے آنکھیں کھولیں تو اپنے کو ایک آباد شہر میں پایا۔ اس شہر کے لوگوں نے ان درویش کو جب دیکھا تو سب قدم بوسی کے لیے ٹوٹ پڑے تمام اکابر، علماء اور مشائخ ان کی ملاقات کے لیے آنے لگے۔ وہ درویش اپنی خانقاہ میں اپنے سجادہ پر بہت وقار اور عظمت سے جا بیٹھے۔ خانقاہ بڑی شان دار بنی ہوئی تھی اس میں تمام صوفیوں کے لیے بہت ہی بہتر ٹھکانے تھے جہاں وہ مشغول عبادت تھے۔ ان صوفیوں میں ان درویش کی ایک بہن بھی تھیں جو ایک حجرے میں یاد الٰہی میں مشغول تھیں یہ تمام صوفی بڑے خدا رسیدہ تھے ایسے کہ ہوا میں اڑنا، پانی پر چلنا ان کے لیے معمولی بات تھی۔ ان میں سے چند ایسے بھی تھے جو کھانے کی قدر ہی نہیں جانتے تھے۔ رات بھر نماز پڑھتے اور دن روزہ رکھ کر گزار دیتے تھے۔ محمد بکا کو بھی وہاں ایک حجرہ مل گیا وہ عبادت و ریاضت میں مشغول ہو گئے۔ یکایک ان درویش یا شیخ کو کوئی سخت بیماری ہو گئی اور ان کی زندگی کی امید باقی نہ رہی۔ ان کی بہن نے جب یہ حال دیکھا تو وہ اپنے بھائی کے حجرہ

میں گیئں اور دروازہ اندر سے بند کر دیا۔ خواجہ محمد ؔبکا نے سمجھا کہ یہ ان درویش کی بہن ہیں آخری وقت میں ممکن ہے کچھ پوشیدہ خزانے یا دفینہ کی بابت پوچھنے گئی ہوں۔ خواجہ محمد کو اس بات کی تجسس ہوئی کہ یہ کیا پوچھنے گئی ہیں دروازہ کے پاس جاکر کھڑے ہو گئے۔ یکایک انہوں نے ان کی بہن کو کہتے سنا کہ "ایسی بات نہ بولیے" خواجہ محمد بہت حیران ہوئے کہ شیخ کے سامنے "ایسی بات نہ بولیے" کہنے کی کس طرح جرأت ہو رہی ہے اور کون جرأت کر رہا ہے وہ تھوڑی دیر دروازہ ہی پر کھڑے رہے۔ پھر ان کی بہن کی آواز زور زور سے آنے لگی "میں تم کو کہہ رہی ہوں کہ ایسی بات زبان سے نہ نکالو" "نہ نکالو" پھر آواز میں سختی اور خفگی پیدا ہو گئی "اے مغ، مت بول، اے آتش پرست، اے یہودی، ایسی واہیات بات زبان سے نہ نکال" خواجہ محمد نے دروازہ کھٹکھٹایا کہ اے عورت اندر کیا ہو رہا ہے۔ اس عورت نے دروازہ کھولا، اور بال نوچتے، اپنا منہ پیٹتے، کپڑا پھاڑتے، چیختی چلاتی نکلی۔ یہودی اور آتش پرستوں کو بلاؤ کہ اس بدبخت کی تجہیز و تکفین اپنے طریقہ پر کریں۔ یہ آدمی با ایمان نہ مرا۔ مرنے کے وقت اس نے خدا، رسول اور کلام اللہ سب سے انکار کر دیا بلکہ اسلام کے سارے اصول سے منحرف ہو گیا۔ میں روکتی رہی لیکن وہ کفر بکتا رہا۔ اور اسی حال میں مر گیا۔ خواجہ محمد پر گریہ طاری ہو گیا اور وہ اتنا روئے کہ ان کے گالوں پر زخم ہو گئے۔ لیکن ان کی گریہ و زاری آخر وقت تک جاری رہی۔ حضرت شیخ نظام الدینؒ اس قصہ کو سن کر بے تاب ہو گئے اور زار زار رونے لگے خطرہ اس بات کا پیدا ہوتا ہے کہ جب ایسے خدا رسیدہ بزرگ شیطان کے ورغلاتے اور آفت سے محفوظ نہیں ہیں تو پھر دوسرے کس شمار میں آتے ہیں۔

روز پنجشنبہ ۱۶ ذی قعدہ ۸۰۲ھ

لوگوں کے اعتقادات کے بارے میں

چاشت کے وقت لوگوں کے اعتقادات کے بارے میں ذکر نکل آیا۔ لطائف قشیری میں اس آیت وکان ذالک عند اللہ وجیھًا کے سلسلے میں لکھا ہے کہ لا عبرۃ قول الخلق لا سیما العوام فانھم یقبلون بلا شئ ویردون بلا شئ۔ یعنی خواص کے قول کا اعتبار نہیں کیا جاتا عوام کس شمار میں ہیں۔ اسی کے حسب حال حضرت مخدوم نے یہ قصہ بیان فرمایا

کہ چار آدمی ایک ساتھ سفر کر رہے تھے پانچواں ان لوگوں کے ساتھ ایک کتا تھا۔ اتفاق سے راستہ میں دریا کے کنارے وہ کتا مر گیا۔ ان لوگوں نے کہا کہ بیچارہ ہم لوگوں کا وفادار ساتھی تھا جب مر گیا ہے تو اس کو اس جگہ دفن کر کے نشان بنا دیں۔ واپسی میں جب ہم لوگ ادھر سے گذریں گے تو اس نشان کو دیکھ کر یاد آجائے گا کہ ہم لوگوں کا کتا یہیں پر مرا تھا جس کو ہم لوگوں نے دفن کر دیا تھا۔ چنانچہ نشان بنا کر وہ لوگ چلے گئے اس کی صورت قبر کی ہو گئی۔ یکایک ایک قافلہ ادھر سے گذر رہا تھا۔ آگے راستے کی خونناکی اور لوٹ مار سے وہ لوگ بہت زیادہ خوف زدہ تھے۔ اس جگہ ان لوگوں نے قبر اور اس قبر کے سرے پر درخت دیکھ کر سمجھا کہ یہ کسی بزرگ کی قبر ہے جو کہ دریا کے کنارے درخت کے نیچے دفن کیے گئے ہیں۔ اس قافلہ کے تاجروں نے اپنے تجارتی مال کا دسواں حصہ ان بزرگ کے مزار کے لیے نذر مانا کہ اگر ہم لوگ اس پر خطر راستے سے سلامتی کے ساتھ گذر جائیں گے تو اپنے مال کا دسواں حصہ شیخ بزرگ کی خدمت میں پیش کریں گے۔ اتفاق سے رہزنوں اور ڈاکوؤں کے درمیان آپس میں اختلاف پیدا ہو گیا اور وہ لوگ لوٹ مار نہ کر سکے۔ اس لیے راستہ کا خطرہ ٹل گیا اور وہ قافلہ صحیح و سلامت گذر گیا۔ واپسی میں وہ سب اس جگہ آئے اور نذر کے مطابق ایک گنبد اور خانقاہ وغیرہ تعمیر کرا دیا لوگوں میں اس کی شہرت ہوئی تو ایک بڑی بستی وہاں بس گئی ان میں سے ایک اس شہر کا بادشاہ بھی بن گیا۔ اسی طرح کچھ عرصہ گذر گیا۔ بہت دنوں کے بعد وہ چاروں سفر سے واپسی میں اس جگہ پہنچے۔ وہاں پر شہر آباد دیکھ کر ان لوگوں نے اپنے دل میں کہا کہ ہم لوگوں کے جانے کے وقت یہاں پر آبادی تو نہ تھی یہ شہر کس طرح آباد ہو گیا۔ لوگوں سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ اس جگہ کوئی بزرگ دفن ہیں۔ وہ چاروں بھی وہاں پر پہنچے۔ دیکھا تو سمجھ گئے کہ یہ وہی کتے کا مزار ہے جس کو ہم لوگوں نے دفن کر دیا تھا۔ جب اچھی طرح تحقیق کر کے اطمینان کر لیا کہ یہ کسی بزرگ کی قبر نہیں ہے بلکہ اس جگہ کتا دفن ہے تو ان لوگوں نے اس راز کو فاش کیا اور کدال لے کر کھودا تو اس میں سے واقعی کتے کی ہڈی برآمد ہوئی یہ حال ہے عوام کے اعتقاد کا۔

اس طرح کا دوسرا قصہ بھی حضرت مخدومؒ نے بیان فرمایا کہ دولت آباد میں ایک شخص کا کتا مر گیا۔ بچوں نے تفریحاً کہا کہ ہم لوگ اس کو اس درخت کے نیچے دفن کر دیں اور اس درخت پر کپڑا لٹکا دیں تاکہ ہم لوگوں کو معلوم ہو کہ اس جگہ ہم لوگوں کا کتا دفن ہے۔ کچھ عرصہ بعد لوگوں نے وہاں درخت کی شاخ میں کپڑا لٹکا ہوا دیکھا تو سمجھا کہ اس جگہ کسی بزرگ

کی قبر کے پاس لوگوں نے درخت میں نذر ماننے کے لیے کپڑا باندھا ہے۔ جب وہ بچے وہاں پر کچھ روز کے بعد آئے تو دیکھا کہ اس درخت میں لوگوں نے اتنا کپڑا وغیرہ باندھا ہے کہ انگلی رکھنے کی جگہ باقی نہیں رہی ہے۔

روز جمعہ ۱۷ ذی قعدہ ۸۰۲ھ

کچھ کر لو نوجوانو اُٹھتی جوانیاں ہیں

چاشت کے وقت کئی نوجوان مرید ہونے کے لیے آئے تعلیم، تقویٰ اور ریاضت و مجاہدہ پر ان لوگوں کے بہت زور دیا گیا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ یہی وقت زندگی کی بہار کا ہے آج جو تربیت ہو جائے گی وہی ہو جائے گی اور اس زمانہ میں جو ہاتھ آ جائے گا وہی ہمیشہ کام آئے گا۔ اور وہی اس کا سرمایہ ہو گا۔ پھر اسی کے حسب حال حضرت مخدوم نے یہ قصہ بیان فرمایا کہ کچھ دنوں تک شیخ ابو سعید ابوالخیرؒ کے پاس کوئی مسافر نہیں آیا تو انہیں تردد لاحق ہوا۔ ایک صبح کو انہوں نے فرمایا کہ جو شخص آج سب سے پہلے کسی مسافر کے آنے کی خبر دے گا وہ جو کچھ مانگے گا میں اس کو دوں گا۔ خبر دینے کے لیے سب سے پہلے ان کے صاحبزادے آئے۔ خبر کرنے کے بعد انہوں نے کہا کہ ابو جان! آپ نے فرمایا تھا کہ جو شخص سب سے پہلے خبر کرے گا وہ جو کچھ مانگے گا دوں گا۔ شیخ ابو سعید ابوالخیرؒ نے فرمایا کیا مانگتے ہو مانگو، دوں گا صاحبزادے نے کہا میں پڑھنا نہیں چاہتا ہوں مجھے کوئی شخص اس کے لیے زور نہ دے۔ حضرت شیخ نے فرمایا بہت اچھا۔ لیکن اگر سورہ ملک اس شرط پر تم یاد کر لو کہ روزانہ جتنے الفاظ تم مجھے یاد کر کے سناؤ گے اتنی ہی اشرفیاں میں تمہیں دوں گا تو کیا مضائقہ ہے، صاحبزادے اشرفی کے لالچ میں راضی ہو گئے اور روزانہ ایک لفظ سورہ ملک کا یاد کر کے ایک اشرفی کے بدلے سنانے لگے۔ کچھ دنوں کے بعد جب شیخ ابو سعید ابوالخیرؒ کا وصال ہوا تو ان کے مریدین اور معتقدین نے ان کے مسند سجادہ پر ان کے صاحبزادے کو بٹھا دیا۔ اور وہ بالکل جاہل ان پڑھ تھے لوگوں نے اعتراض کرنا شروع کیا کہ بغیر علم و دانست کے شیوخت کے سجادہ پر بیٹھنا کس طرح درست ہو سکتا ہے۔ اس لیے ہم لوگ بہ طور امتحان کچھ پوچھیں گے اگر وہ نہ بتا سکے تو سجادہ چھوڑ دیں گے۔ چنانچہ حاضرین میں سے ایک شخص نے اُٹھ کر کہا کہ مخدوم زادہ سے میری

درخواست ہے کہ وہ سورہ ملک پڑھ کر سنائیں۔ صاحبزادے نے بہت خوبی کے ساتھ سُنا دیا۔ مجمع ہائے ہائے کر کے رونے لگا۔ کچھ پر بے ہوشی طاری ہوگئی۔ اس کے بعد سے پھر کسی نے صاحبزادے کا امتحان لینے کی کوشش اور جرأت نہ کی۔ اور شیخ ابو سعیدؒ کے صاحبزادے کی سجادہ نشینی مسلم ہوگئی۔ حضرت شیخ نے اپنی کرامت سے معلوم کر لیا تھا کہ ایک وقت ایسا آئے گا۔ چنانچہ اسی کے لحاظ سے سُورہ ملک یاد کرا دیا۔

حضرت خواجہ حبیب عجمیؒ کی ابتدائی زندگی اور ان کا تائب ہونا

اس کے بعد اسی مجلس میں حضرت خواجہ حبیب عجمیؒ کی ابتدائی زندگی اور ان کے تائب ہونے کا ذکر نکل آیا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ خواجہ حبیب عجمیؒ ابتدا میں پکے سود خوار تھے۔ اصل مال سے وہ ایک پیسہ نہیں خرچ کرتے تھے ہمیشہ سود اور تاوان سے کھانے پینے کا خرچ چلاتے تھے۔ ایک مرتبہ سود کی قسط وصول کرنے کے لیے نکلے انہیں کہیں سے کچھ نہیں ملا۔ اب وہ تاوان کہاں سے وصول کریں جو کھانے کا خرچ چلے۔ ایک فقیر بھی ان کا قرض دار تھا اس کے پاس گئے اس نے کہا آج تو میرے پاس قسط ادا کرنے کے لیے کچھ نہیں ہے۔ پھر انہوں نے تاوان طلب کیا فقیر نے کہا میرے گھر میں کچھ نہیں ہے۔ تھوڑا سا گوشت البتہ ہے۔ انہوں نے کہا وہی دے دو۔ گوشت لے کر وہ گھر آئے اور بیوی کو دیا کہ آج تاوان میں سوائے اس گوشت کے کچھ نہیں ملا ہے۔ اسی کو کھانے کے لیے پکا دو۔ گوشت جب پک کر تیار ہوا تو ایک فقیر نے سوال کیا۔ اس کو نہیں دیا۔ پھر جب خود کھانے کے لیے دیگ سے کفچہ ڈال کر نکالنا چاہا تو کفچہ میں خون ہی خون تھا۔ حیران ہوئے۔ پھر سوچا شاید وہ سائل جس کو ہم نے ابھی نہیں دیا تھا وہ بھوکا ہوگا اسی کی وجہ سے یہ واقعہ ہوا۔ ان کا دل کچھ نرم ہوا۔ اسی روز حضرت خواجہ حسن بصریؒ کا وعظ تھا۔ اٹھ کر اس مجلس وعظ کے لیے روانہ ہوئے۔ راستہ میں بچے کھیل رہے تھے۔ آپس میں ان لوگوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ ہٹ جاؤ بھائی، راستہ دے دو۔ حبیب سود خوار آرہا ہے اس کے دامن سے ہم لوگ چھو گئے تو اس کی بدبختی کی وجہ سے ہم لوگ بھی دوزخی ہو جائیں گے۔ یہ سُن کر حبیب عجمی کا دل کچھ اور نرم ہوا اور ان کا دل ان کو ملامت کرنے لگا کہ اے حبیب! تم نے ایسی زندگی اب تک گزاری ہے کہ بچے تک تم سے نفرت کرتے ہیں۔ آگے بڑھے مجلس وعظ میں پہنچے اور حضرت خواجہ حسن بصریؒ کا وعظ سننے لگے۔ وعظ سے ان کا دل

بالکل پگھل گیا اور اُٹھ کر حضرت حسن بصریؒ کے سامنے توبہ استغفار کیا۔ اور دل میں پکا ارادہ کر لیا کہ سود کا تمام مال اس کے مالکوں کو لوٹا دیں گے۔ گھر واپس ہوئے تو راستہ میں پھر بچوں کو کھیلتے دیکھا۔ ان لوگوں نے اس مرتبہ شیخ حبیب عجمیؒ کو دیکھ کر ایک دوسرے سے کہا کہ ہوشیار ہو جاؤ حبیب تائب ہو کر آ رہے ہیں ان کے حضور ہم لوگوں سے بے ادبی نہیں ہونی چاہیے ورنہ اس بدبختی کی وجہ سے ہم لوگ دوزخی ہو جائیں گے۔ حضرت حبیب عجمیؒ بچوں کی یہ بات سن کر زار زار رونے لگے۔ سبحان اللہ کیسا غفور میرا مالک اور دوست ہے کہ سالہا سال تک میں اس کو اپنی حرکت سے رنجیدہ کرتا رہا لیکن صرف ایک مرتبہ دل سے توبہ کر لینے کے بعد اس نے معاف کر دیا اور بچوں کی زبان سے یہ کہلوا دیا۔ پھر گھر پہنچ کر انہوں نے اعلان کر دیا کہ تمام لوگ جن سے میں نے سود لیا تھا آکر اپنا مال لے جائیں۔ سب لوگوں نے آکر اپنا اپنا مال لے لیا اور پھر جو مال بچا سب کو فقرا اور ضرورت مندوں میں تقسیم کر دیا۔ ان کی بیوی نے کہا کہ ہم لوگوں کا کھانا پینا اب آئندہ کیسے چلے گا؟ انہوں نے کہا مزدوری کروں گا۔ صبح ہوئی گھر سے باہر نکل گئے۔ اور فرات دجلہ کے کنارے بیٹھ کر نماز اور عبادت و ریاضت میں مشغول ہو گئے۔ رات کو گھر واپس ہوئے تو بیوی نے پوچھا کہ کتنا کما کر لائے۔ مزدوری کہاں ہے؟ انہوں نے کہا کہ میرے مالک، جن کا میں کام کر رہا ہوں، بڑے کریم و رحیم اور بخشش کرنے والے ہیں انہوں نے کہا ہے کہ ابھی تین روز تک تم کام کرو۔ تمہاری مزدوری ایک ساتھ دوں گا۔ دوسرے روز بھی انہوں نے یہی کیا۔ تیسرے روز ظہر کی نماز کے وقت ان کو تردد ہوا کہ آج بیوی کو کیا کہوں گا۔ کچھ نہ کچھ تو اس کے لیے لے ہی جانا ہوگا۔ اپنی پگڑی میں انہوں نے کچھ کنکر باندھ لیے اور گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ انہوں نے دل میں سوچا کہ پہلی نظر جو اس کی میری پگڑی پر پڑے گی تو وہ سمجھے گی کہ کچھ نہ کچھ لایا ہے۔ جب وہ اپنے گھر کے دروازہ پر پہنچے تو اندر سے اچھے اچھے کھانوں کی خوشبو آنے لگی۔ اندر داخل ہوئے تو دیکھا سفید روٹی، تلی ہوئی مچھلی، انڈا، شہد اور دیگر انواع و اقسام کے کھانوں سے خوانچہ بھرا ہوا ہے۔ اور سو دینار زر بھی خوانچہ کی ایک طرف رکھا ہوا ہے۔ اور ان کی بیوی وہیں پر بیٹھی ہوئی ہیں۔ انہوں نے بیوی سے پوچھا کہ یہ سب کہاں سے آیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ جس مالک کے یہاں آپ تین روز سے کام کر رہے ہیں ان ہی نے ایک خوب صورت اور خوش پوش جوان کی معرفت یہ خوانچہ بھیجا ہے۔ وہ جوان سر پر خوانچہ لیے ہوئے آیا اور بولا کہ حبیب عجمی سے کہہ دو کہ یہ تمہاری مزدوری ہے لے لو اور آئندہ زیادہ مستعدی

سے کام کرو پھر مزدوری اور زیادہ کر دوں گا۔ اللہ جانتا ہے کہ یہ بات صرف حبیب عجمیؒ کے لیے مخصوص نہیں ہے۔ جو کچھ حبیب عجمیؒ نے کیا اگر دوسرا کرے گا تو اس سے بھی بہتر پائے گا۔ اور نہ اس قصہ سے یہ بات نکلتی ہے کہ متوکل کو دینے کا یہ طریقہ ضروری ہے۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص توکل کرتا ہے لیکن اس کو بر وقت کچھ نہیں ملتا۔ مثلاً ایک درویش تھا وہ تمام علائق دنیوی سے علیحدہ ہو کر توکل کر کے صحرا میں بیٹھ گیا۔ تین روز گزر گئے اسے کچھ کھانے کو نہ ملا۔ صابر رہا۔ جب اور کئی دن گزر گئے اور وہ مرنے کے قریب ہو گیا تو اس نے اللہ تعالیٰ سے التجا کی کہ خداوندا اگر تو مجھے مار ہی ڈالنا چاہتا ہے تو مار ڈال۔ ورنہ کچھ کھانے کو بھیج دے کہ زندگی بچ جائے اور اور تیری عبادت کرتا رہوں۔ غیب سے آواز آئی۔ وعزتی وجلالی لا ارزقک حتی تدخل الامصار وتاکل من ایدی الناس۔ یعنی قسم ہے میری عزت اور جلال کی میں خود تجھ کو روزی نہ دوں گا جب تک تو شہر نہ جائے گا۔ تجھ کو لوگوں کے ہاتھ روزی نہیں ملے گی۔ پھر وہ شہر آیا۔ فجاء ھذا الطعام وھذا بہ شراب۔ یعنی کوئی اس کے لیے کھانا لایا کوئی پانی لایا۔ اور وہ درویش آسودہ ہو گیا۔ پھر اس نے غیبی آواز سنی۔ انترید ان یبطل حکمتی بزھدک یعنی اے درویش کیا تو چاہتا ہے کہ اپنے توکل اور پرہیزگاری سے میری حکمت کو توڑ دے۔ اسی طرح کی حالت کے تحت حضرت ابو یزید بسطامیؒ نے حضرت شفیقؒ سے فرمایا تھا کہ تم توکل سے باز آؤ اس لیے کہ مجھے ڈر ہے کہیں اس کی بدبختی سے تم بہت نیچے نہ گر جاؤ اور وہ توکل، شرک، خود بینی اور عزت نفس کا مددگار بن کر تمہارے لیے مصیبت اور خرابی کا باعث نہ بن جائے۔

کلاہ تکمہ والا اور بغیر تکمہ کے متعلق

حاضرین میں سے ایک نے عرض کیا کہ کلاہ کے اوپر تکمہ چشتیوں کے کلاہ میں ہوتا ہے لیکن سہروردیوں کے کلاہ میں نہیں ہوتا۔ اس کی کوئی سند ہے یا نہیں۔ حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ تم جو کہہ رہے ہو چشتیوں کے یہاں اس کی کوئی خصوصیت نہیں ہے کلاہ تکمہ والا یا بے تکمہ ان کے یہاں کوئی فرق نہیں رکھتا۔ یہ درزی کے اوپر ہے اس کا جی چاہے لگا دے یا نہ لگائے۔ مشائخ کے یہاں اس کی کوئی سند نہیں ہے۔

طاقیہ کی ہیئت اور شکل کس طرح وجود میں آئی

حضرت مخدومؒ نے پھر فرمایا کہ طاقیہ (چوگوشیہ ٹوپی) کی صورت کیسے بنی؟ اس کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ معراج کی رات رسول اللہ صلعم کو حکم ہوا کہ قبۃ النور

میں جائیں وہ اس کے دروازہ پر پہنچے تو دروازہ بند تھا۔ دروازہ کھٹ کھٹانے پر اندر سے آواز آئی کہ "کون ہے؟" رسول اللہ صلعم نے جواب دیا "میں ہوں محمد۔" اندر سے آواز آئی "واپس جاؤ۔ یہاں من و مائی کی کوئی گنجائش نہیں۔" بارگاہ ایزدی میں جب وہ واپس ہوئے تو آواز آئی "فتنۃ النور میں تم گئے تھے۔" رسول اللہ صلعم نے جواب دیا "الٰہی تو علیم و دانا ہے۔ میں گیا ضرور تھا لیکن دروازہ نہیں کھلا۔ بلکہ اندر سے استفسار کے جواب میں میرے یہ کہنے پر کہ "میں ہوں محمد" واپس جانے کا حکم ہوا کہ میرے یہاں من و مائی کی کوئی گنجائش نہیں۔ فرمان ایزدی ہوا "اندر سے صحیح آواز آئی۔ حضوری میں من و مائی کا کیا کام۔ آپ پھر جائیں۔ اور استفسار پر اپنے بارے میں اس طرح کہیں "ایک بے چارہ، مسکین، مضطرب، یتیم جس کی بیوہ ماں خشک کیا ہوا گوشت کھا کر زندگی گذارتی تھی۔ اور جس کی پرورش ایک کافر نے کی ہے۔" رسول اللہ صلعم پھر تشریف لے گئے۔ دروازہ کھٹکھٹایا۔ اندر سے آواز آئی، کون ہے؟" جواب میں رسول اللہ صلعم نے فرمایا "ایک مسکین، یتیم، بے چارہ جس کی پرورش ایک کافر نے کی ہے۔" اندر سے آواز آئی۔ مرحبا، مرحبا، آئیے، ہم لوگ کئی سال سے آپ کے منتظر تھے۔ رسول اللہ صلعم اندر تشریف لے گئے۔ وہاں چھ اشخاص بیٹھے ہوئے تھے۔ رسول اللہ صلعم ان لوگوں سے اوپر کی طرف بیٹھے۔ غیب سے بڑی دلکش آواز الیّٰ الیّٰ یعنی میری طرف آؤ، میری طرف۔ آئی۔ رسول اللہ صلعم اس آواز کی دلکشی سے متاثر ہو کر حد درجہ مضطرب ہو کر اس طرف بڑھے اس اضطراب میں رسول اللہ صلعم کی دستار مبارک گر پڑی۔ جب وہ اپنی حالت میں آئے تو ان چھ آدمیوں نے کہا کہ اللہ تعالےٰ نے اس جگہ ذوق اور جدید حالت عطا فرمائی۔ ہم لوگوں کو بھی اس میں سے کچھ حصہ ملے رسول اللہ صلعم نے وہی دستار مبارک ان لوگوں کے سامنے رکھ دی کہ یہ آپ لوگوں کے درمیان گری ہے اس لیے یہ آپ لوگوں کے لیے ہے۔ ان لوگوں نے اس کو کئی ٹکڑے کر کے بانٹ لیا۔

اب سوال یہ پیدا ہوا کہ ان ٹکڑوں کا کیا بنے۔ ان لوگوں نے اپنے دل میں سوچا کہ جس جگہ ہم لوگ بیٹھے ہوئے ہیں اس کی صورت قبہ کی ہے اس لیے اسی طرح اور اسی نقشہ کی ٹوپی سی کر پہن لیں۔ اور یہ تحفہ اس جگہ کی یادگار رہ جائے۔ چنانچہ لوگوں نے یہی کیا اور گنبد کی صورت اور نقشہ کی کلاہ تیار کر لی اور اسی طرح کی کلاہ کا رواج صوفیوں کے درمیان ہو گیا۔

محبّان خدا کی ریاضت اور صعوبت

ظہر کی نماز کے بعد محبان خدا کی ریاضت اور صعوبت کی بابت ذکر نکل آیا حضرت مخدوم

نے فرمایا کہ رسول اللہ صلعم کی ایک حدیث ہے من اثنیتم علیہ خیراً وجبت لہ الجنتہ ومن اثنیتم علیہ شراً وجبت لہ النار - یعنی جس شخص کی تمام لوگ تعریف اور ثنا کریں اس کے واسطے جنت ثابت ہو جاتی ہے اور اس کے برعکس جس کی تمام لوگ برائی کریں اس کے واسطے دوزخ ....

واجب ہے - اس حدیث سے متعلق یہ قصہ مشہور ہے کہ رسول اللہ صلعم اپنے کئی صحابہ کے ساتھ کہیں تشریف لے جا رہے تھے سامنے سے ایک جنازہ گزرا - تمام ساتھ والوں نے اس مرنے والے کا تذکرہ برائی سے کیا - رسول اللہ صلعم نے فرمایا " وَجَبَتْ " یعنی یہی ثابت ہوا تھوڑی دور جانے کے بعد ایک دوسرا جنازہ گزرا - لوگوں نے اس کا تذکرہ نیکی اور اچھائی سے کیا - اس مرتبہ بھی رسول اللہ صلعم نے وہی لفظ کہا یعنی وَجَبَتْ - عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ آپ نے پہلے اور دوسرے دونوں جنازے کو دیکھ کر وَجَبَتْ فرمایا - آخر پہلے کے لیے کیا واجب ہوا اور دوسرے کے لیے کیا واجب ہوا - رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ پہلے کے لیے دوزخ اور دوسرے کے لیے بہشت واجب ہوا - اسی کے بعد آپ نے مذکورہ بالا حدیث بیان فرمائی -

اس کے بعد حضرت مخدوم نے بیان فرمایا کہ یہ بات ان لوگوں کے لیے کس طرح صحیح ثابت ہو گی جو لوگ کہ نظر کچھ اور آتے ہیں اور درحقیقت وہ ہوتے کچھ اور ہی چیز ہیں - ایک شخص ان کو دیکھ کر ان کے بارے میں اچھی رائے قائم کرتا ہے اور پھر ان سے کوئی ایسی بات ہو جاتی ہے جو غیر مشروع نظر آتی ہے لیکن ہوتی نہیں ہے - جیسا کہ عیسیٰ علیہ السلام سے ظہور پذیر ہوا اور اس وقت کی حکومت نے ان کی تبلیغ کو مذہب کے خلاف پا کر سولی پر چڑھا دیا تھا لیکن حقیقت میں وہ حق پر تھے اور اللہ تعالےٰ نے ان کو بچا لیا اور سولی سے اتار کر آسمان پر اٹھا لیا جیسا کہ قرآن شریف میں مذکور ہوا ہے وما قتلوہ وما صلبوہ ولکن شبہ لھم یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہ قتل کیا گیا اور نہ سولی پر چڑھایا گیا بلکہ وہ لوگ شبہ میں پڑ گئے - واقعی حقیقی نہیں ہے -

اور اکثر محبان خدا سے دوستی پوشیدہ طور پر کرتے ہیں اور اپنا لباس اور صورت شکل اتنی خراب اور کریہہ بنا لیتے ہیں کہ کسی کو اس طرف گمان نہیں ہوتا - بعض ہم لوگوں کی جیسی معمولی شکل و صورت اور لباس میں بھی رہتے ہیں لیکن زیادہ تر خراب ہی لباس میں ہوتے

ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو عام لوگوں سے پوشیدہ رکھتا ہے تاکہ نہ ان لوگوں کو کوئی دیکھے اور نہ یہ لوگ کسی سے مانوس ہوں۔ اسی کے اور اس حدیث قدسی اولیائی تحت قبائی لا یعرفھم غیری (معنی: میرے اولیا میری قبا کے نیچے پوشیدہ ہیں میرے سوا ان کو کوئی نہیں پہچانتا) کے حسب حال حضرت مخدوم نے یہ قصہ بیان فرمایا کہ ایک سوداگر نے ایک مغل سے مال لیا اور اس کو برباد کر دیا۔ مغل کا مال اور سلطان محمد کا دور حکومت، جہاں مغلوں کی ذرا ذرا سی شکایت پر آدمی کو قتل کر دیا جاتا تھا، وہ سوداگر بہت پریشان اور فکر مند ہوا کہ جان کی خیر نہیں۔ ایک متعلم جو ہمارے خواجہ سے مرید تھا اس سوداگر کے پڑوس میں رہتا تھا۔ اس سوداگر نے اس سے کہا کہ ہمیں اپنے خواجہ کے پاس لے چلو کہ ان سے ہم کچھ عرض حال کریں متعلم نے کہا کہ تم نے مغل سے مال لیا اور اس کو حماقت سے تلف کر دیا ہمارے شیخ اس بارے میں کیا کریں گے۔ لیکن وہ سوداگر اصرار کرتا ہی رہا آخر دونوں حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوئے ادھر ادھر کی بات ہوتی رہی لیکن حضرت خواجہ کے رعب اور جلال کے باعث ان کی ہمت ان سے عرض حال کرنے اور اپنے مقصد کو بیان کرنے کی نہ ہوئی۔ رخصت ہونے کے وقت آخر سوداگر ہی نے متعلم کو یاد دلایا کہ حضرت خواجہ کے سامنے میرا قصہ بیان کرو۔ متعلم نے سارا حال اور واقعہ سوداگر کا بیان فرمایا۔ حضرت خواجہ سُن کر تھوڑی دیر خاموش رہے پھر فرمایا کہ مولانا جلالؒ کے پاس جا کر اس واقعہ کو بیان کرو (جلال اودھیؒ یا جلال تبریزیؒ یہ صحیح نہیں معلوم) دونوں نے حضرت جلال کی خدمت میں حاضر ہو کر حضرت خواجہ کا سلام پہنچایا اور شروع سے آخر تک پورا قصہ کہہ سنایا۔ حضرت جلالؒ نے رنجیدہ ہو کر فرمایا شیخ محمود مجھے کسی حالت میں نہیں چھوڑتے پھر فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص دروازہ بھیلسہ کے باہر رات گزار سکتا ہے۔ اس زمانہ میں میو لوگ آکر لوٹ مار کرتے تھے عصر کی نماز کے بعد ہی سے پھاٹک لگ جاتا تھا اور کوئی حوض سلطان کے اوپر نہیں رہتا تھا سب شہر میں اندر چلے آتے تھے۔ لیکن وہ سوداگر چونکہ صاحب غرض تھا اس لیے وہ تیار ہو گیا۔ حضرت جلال نے اس سے کہا کہ تمام رات دروازہ کے سامنے موجود رہو صبح کے وقت جب دروازہ کھلے تو انتظار کرو سب سے پہلا شخص جو دروازہ بھیلسہ سے باہر آئے اس سے اپنی حاجت اور مقصد کو بیان کرو۔ دونوں واپس ہوئے اور دروازہ بھیلسہ کی طرف چلے۔ متعلم نے بھی سوداگر کا ساتھ دینے کا وعدہ کیا۔ وہ بھی دیکھنا چاہتا تھا کہ کیا واقعہ ظہور پذیر ہوتا ہے۔ دونوں دروازہ بھیلسہ کے باہر ایک کونہ میں دبک کر بیٹھے رہے

جب صبح ہوئی اور دروازہ کھلا تو ایک مخنث باہر آیا جو عوام میں بہت مضحکہ خیز مشہور تھا اور لوگ اس کو عجیب عجیب کلمات سے یاد کرتے تھے۔ متعلم اس کو دیکھ کر خوب ہنسا اور بولا یہی وہ شخص ہے جس سے تم کو اپنی حاجت بیان کرنا ہے۔ وہ سوداگر جو بہت امید لگائے ہوئے تھا تھوڑی دیر تک خاموش کھڑا رہا پھر بولا مجھے اس سے کیا مطلب مجھے ہدایت کے مطابق عمل کرنا ہے جو مجھ کو کہا گیا ہے میں کروں گا۔ چنانچہ وہ اس مخنث کے پیچھے پیچھے چلا۔ مخنث دروازہ بھیلسہ کے خندق کی طرف جا رہا تھا۔ پیچھے مڑ کر اس نے دیکھا کہ ایک شخص آ رہا ہے وہ کھڑا ہو گیا اور پوچھا تم کون ہو اور میرے پیچھے کیوں آ رہے ہو؟ کیا تم کو اس خندق میں کام کرنا ہے تو آؤ کام کرو۔ سوداگر نے کہا میری غرض یہاں آنے کی یہ نہیں ہے بلکہ مولانا جلال نے آپ کی خدمت میں مجھے بھیجا ہے اور فرمایا ہے کہ میں اپنی حاجت آپ سے بیان کروں۔ اس کے بعد اپنی حاجت اور وہاں آنے کا مقصد سوداگر نے اس سے بیان کیا۔ مخنث نے کہنا شروع کیا کہ یہ مولانا جلال کون ہیں؟ اور تمہاری حاجت کیا ہے؟ اگر خندق میں کام کرنا چاہتے ہو تو چلے آؤ۔ پھر وہ کچھ سوچنے لگا اور کہا اچھا چلے آؤ۔ اس کے بعد وہ حوض سلطان کے اوپر جو شیخ جلال الدین تبریزیؒ کا چبوترہ ہے وہاں پہنچ کر حوض سے وضو کیا اور دو رکعت نفل نماز پڑھی۔ پھر سوداگر کی طرف دیکھ کر کہا۔ جاؤ تمہاری مراد پوری ہو گئی۔ سوداگر متحیر ہوا کہ کون سی حاجت پوری ہوئی کچھ پتا تک نہیں بہرحال مغموم اور افسردہ وہاں سے واپس ہو گیا۔ راستہ میں مغل کا مکان ملتا تھا وہ چلا تو گیا چھپ کر احتیاط سے لیکن واپسی میں افسردگی اور حزن و یاس کے باعث اسے کچھ ہوش نہ رہا اور وہ بے خیالی میں مغل کے چھجہ کے نیچے پہنچ گیا۔ اسی مغل نے اس کو دیکھ لیا۔ وہ بیٹھا شراب پی رہا تھا۔ اس نے فوراً اپنے آدمیوں کو دوڑایا کہ جا کر سوداگر کو پکڑ کر لے آؤ۔ اس کے آدمی دوڑے اور اس کو پکڑ لیا۔ سوداگر نے سمجھ لیا کہ اب اس کی خیر نہیں۔ تقدیر کا لکھا سامنے آ ہی گیا۔ جب لوگ اس کو پکڑ کر مغل کے پاس لے گئے تو اس نے کہا مولانا سنو، بادشاہ نے مجھ پر بڑی عنایت اور کرم فرمایا ہے۔ تیس ہزار تنکہ مجھ کو انعام دیا ہے۔ اب میں تم سے پچھلے بقایا کی کیا بات کروں میں نے اسے معاف کر دیا۔ اب تم کچھ اور مال ہم سے لو اور اپنا کاروبار پھیلاؤ۔ سوداگر بہت خوش ہوا۔ شکرانہ میں مٹھائی لے کر حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت خواجہ نے فرمایا کہ یہ مولانا جلال کا حق ہے ان کے پاس لے جاؤ۔ وہ مٹھائی مولانا جلال کے پاس لے کر حاضر ہوا۔ مولانا جلالؒ نے کہا کہ یہ حق میرا

نہیں بلکہ اس شخص کا ہے جس نے تمہارا کام کیا ہے۔ اسی کے پاس لے جاؤ۔ سوداگر حلوا اور شیرینی لے کر اس مخنث کی طرف چلا۔ نزدیک پہنچا تو دیکھا کہ مخنث کے دروازہ پر ستر اسّی مخنث جمع ہیں۔ اس نے ان لوگوں سے پوچھا کہ یہ ہجوم کیسا ہے۔ ان لوگوں نے بتایا کہ کل فلاں وقت جب وہ بالائے حوض سے واپس آئے تو ایک پرانے کپڑے کے ٹکڑے کو بلند کر کے انہوں نے اس پر سجدہ کیا۔ اور واصل بہ حق ہو گئے۔ پھر حضرت مخدوم نے فرمایا کہ وہ مخنث نہ تھے، بلکہ محبان خدا اور مقربین بارگاہ ایزدی میں سے ایک تھے لیکن وہ دنیا کی نظر میں ویسے مضحکہ خیز معلوم ہوتے تھے۔

خواجہ خضر علیہ السلام اور ایک متعلم

حضرت مخدوم نے اسی طرح کا ایک اور قصہ بیان فرمایا کہ ایک متعلم تھا جو جمعرات کو مدرسہ سے غیر حاضر ہو جاتا تھا اس کے استاد نے پوچھا کہ کیا بات ہے تم ہر جمعرات کو غیر حاضر ہو جاتے ہو۔ اس نے کہا ہر جمعرات کو میری ملاقات حضرت خواجہ خضر سے ہوتی ہے اسی وجہ سے ناغہ ہو جاتا ہے۔ استاد نے کہا کسی طرح میری بھی ان سے ملاقات کرا دو۔ متعلم نے کہا میں جا کر حضرت خضر علیہ السلام سے پوچھوں گا اگر انہوں نے منظور کر لیا تو لے جاؤں گا۔ جمعرات کے روز جب اس متعلم کی خواجہ خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو اس نے بہت منت سماجت کی کہ میرے استاد سے ملاقات کر لیں۔ آخر انہوں نے کہا کہ چھ ماہ کے درمیان میں تمہارے استاد سے ملاقات کر لوں گا۔ متعلم نے اپنے استاد کو آکر خوش خبری سنائی کہ چھ ماہ کے اندر آپ سے ملاقات ہو جائے گی۔ استاد منتظر رہے کہ معلوم نہیں کس جاہ و جلال اور عزت و عظمت سے وہ تشریف لائیں گے اور ملاقات ہوگی۔ یکایک ایک فقیر پھٹا پرانا گندا کپڑا پہنے، سر جھکائے، ٹیڑھی چھڑی ہاتھ میں لیے خستہ حال تھکا ہوا پہنچا۔ ان لوگوں نے اس کو دیکھ کر نفرت اور حقارت سے ناک بھوں چڑھایا اور ہر طرف سے دُور کھڑے ہو، ہٹ کر کھڑے ہو کی آواز نکلی۔ لیکن وہ درویش نزدیک چلا ہی آیا اور پینے کے لیے پانی طلب کیا۔ استاد نے متعلمین کی طرف اشارہ کیا کہ پانی لا کر پلاؤ۔ جب اس کو پانی دیا گیا تو اس نے پانی کا کوزہ توڑ دیا۔ کتاب اور کاغذ سب پانی سے بھیگ گیا۔ لڑکوں نے اس کی بڑی بے عزتی کی اور دھکے دے کر نکال دیا۔ لیکن وہ متعلم یہ سب بیٹھا خاموش دیکھتا رہا۔ چھ ماہ گزرنے کے بعد استاد نے شاگرد سے پوچھا کہ چھ ماہ ہو گئے وعدہ کے مطابق خواجہ خضر علیہ السلام تشریف نہیں لائے، اس متعلم نے کہا کہ وہ آئے تھے

لیکن آپ نے انہیں پہچانا نہیں۔ استاد نے پوچھا کب آئے تھے؟ متعلم نے بتایا کہ وہ پھٹا پرانا کپڑا پہنے ذلیل صورت بنائے جو ایک درویش آئے تھے اور آپ نے انہیں دُور ہی سے روک دیا تھا۔ انہوں نے پانی مانگا اور کوزہ پانی کا ٹوٹ جانے کی وجہ سے کتاب کا غذ لڑکوں کا خراب ہوگیا تھا اور لڑکوں نے اس کی وجہ سے ان کی بڑی بے عزتی اور توہین کی تھی، خواجہ خضر علیہ السلام وہی تھے۔ مذکورہ بالا مخنث کا قصہ بھی اسی طرح کا سمجھنا چاہیے۔

سبلتو دیوانے کا قصہ

اسی طرح کا ایک اور قصہ حضرت مخدوم نے بیان فرمایا کہ سبلتو نام کا ایک دیوانہ تھا وہ بڑی بڑی مونچھیں رکھتا تھا، پریشان حالی، آوارگی اور خود فراموشی اس کی حد سے بڑھی ہوئی تھی۔ اور اس کی اس وحشت اور بے ضابطگی سے سارے گویّے، مطرب اور رقاصائیں لرزاں و ترساں رہتی تھیں گانے والے پناہ مانگتے تھے اور گانے والیاں، فاحشہ عورتیں اپنا گھر چھوڑ چھاڑ بھاگ گئی تھیں ایک مرتبہ اس کی آنکھ میں درد ہوا اور کسی مرض کے باعث وہ سُرخ ہوگئیں۔ اس کے ساتھی اور آوارہ لڑکوں نے اس سے کہا کہ سبلتو، تم اپنی آنکھ کا علاج نہیں کرتے۔ اس نے کہا بتاؤ کیا دوا کروں۔ جب ان لوگوں نے بہت اصرار کیا تو کہا اچھا آج اپنی آنکھ کی دوا کریں گے دوڑتا ہوا گیا اور ایک فاحشہ کے قدموں کی دھول لے کر آنکھوں پہ ملنے لگا اور کہا اے خداوند کریم! اپنے بندوں کے قدموں کی دھول کی حرمت اور طفیل میں میری آنکھ کو اچھا کردے دھول ملتے ہی اس کی آنکھ اچھی ہوگئی۔ سب لوگ حیران رہ گئے۔ وہ دیوانہ واپس ہوا گھر آیا اور زمین پر لوٹنے لگا اور اسی حالت میں جان جانِ آفریں کے سپرد کردی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا برہان الدین بلخیؒ اور ایک مجذوب کا قصہ

حضرت مخدوم نے ایک اور قصہ بیان فرمایا کہ قدیم زمانہ میں دہلی میں ایک مشہور اور بڑے عالم استاد تھے ان کا نام مولانا برہان الدین بلخی تھا۔ شہر کے زیادہ تر لوگ ان کے شاگرد تھے اور ان کی شاگردی کو باعث فخر اور خیر و برکت سمجھتے تھے ایک درزی بھی ان کی مجلس میں اکثر حاضر ہوا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ عقائد پہ بحث چھڑ گئی۔ تمام متعلمین اس پر گفتگو کر رہے تھے۔ اس درزی نے بھی ایک درویش سے اس موضوع پر کچھ باتیں سُنی تھیں وہ اس نے بیان کردیں۔ وہ بات کچھ ایسی خلاف شرع تو نہ تھی لیکن

جس انداز سے اس درزی نے بیان کیا وہ خلاف شرع تھی۔ تمام لڑکوں نے اور استاد نے بھی اس کو کفر آمیز جملہ قرار دیا اور اس کو بہت برُا بھلا کہا۔ جیسا کہ دانش مندوں کا طریقہ ہے کہ وہ صوفیا کو کہتے ہیں کہ پہلے مسلمان ہو پھر عبادت ریاضت کرنا۔ تم لوگ جاہل ہو اور بے دین ہو۔ ان متعلمین نے بھی اس درزی کو بہت ڈانٹا۔ وہ درزی حیران رہا کہ یہ باتیں میری کہی ہوئی نہیں ہیں بلکہ ایک درویش نے کہا ہے پھر مجھے کیوں برُا بھلا کہا جا رہا ہے۔ وہ وہاں سے سیدھا اس مجذوب کے پاس پہنچا اور کہا کہ آپ نے ایک مرتبہ یہ باتیں مجھ سے بیان کی تھیں میں نے جب ان کو مولانا برہان الدین بلخیؒ کی مجلس میں کہا تو سبھوں نے مجھے کافر کا خطاب دیا اور بہت برُا بھلا کہا اس درویش کو غصہ آگیا اس نے یہ کہہ کر کہ مولانا کی کتاب کو میں لپیٹ دیتا ہوں اس نے دونوں ہتھیلی کو ایک دوسرے سے ملا دیا۔ اور کہا اب مولانا سبق پڑھائیں۔ دوسرے روز حسب عادت جب متعلمین ان کے سامنے سبق پڑھنے حاضر ہوئے تو وہ مولانا کا انتظار کرنے لگے۔ مولانا خلاف عادت بہت دیر کر کے تشریف لائے۔ جب متعلمین نے حسب قاعدہ عبارت پڑھی تو مولانا خاموش سنتے رہے پھر کہا خدا کی قسم میری سمجھ میں ذرا بھی عبارت نہ آئی۔ لڑکوں نے دست بستہ کہا آپ مخدوم اور استاد ہیں ہم لوگوں سے کوئی غلطی ہو گئی ہو تو معاف فرمائیں اور اپنی شفقت سے محروم نہ فرمائیں۔ مولانا نے پھر کہا کہ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم نے کیا پڑھا ذرا بھی میری سمجھ میں نہیں آیا۔ رات بھی میں نے سبق کو پڑھ کر سمجھنے کی کوشش کی لیکن کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ میرے سینہ پر کسی نے مہر کر دی ہے۔ استاد اور شاگرد سب حیران و پریشان بیٹھے تھے کہ اس درزی نے کہنا شروع کیا کہ کل میں نے آپ لوگوں کو بتایا بھی تھا کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہ میری بات نہیں ہے بلکہ ایک درویش نے ایسا کہا تھا۔ آپ لوگوں نے کفر کا فتوے دے دیا۔ میں نے اس سے جا کر تمام حال بیان کیا وہ بہت برہم ہوا اور غصہ میں بولنے لگا کہ میں مولانا کی کتاب ہی لپیٹ دیتا ہوں کل سے وہ سبق ہی نہیں پڑھا سکیں گے اور یہ کہہ کر اس نے ہتھیلی پہ ہتھیلی ماری تھی۔ مولانا چلا اٹھے۔ ہائے وہی مصیبت مجھ پہ نازل ہوئی ہے۔ انہوں نے اس درزی کی خوشامد کی کہ جب یہ بلا تم نے درویش سے کہہ کہہ لائی ہے تو اس کا مداوا بھی کر دو۔ وہ درزی ان مجذوب کے پاس پہنچا اور دست بستہ عرض کیا کہ آپ کی بددعا سے مولانا کا علم بالکل زائل ہو گیا ہے۔ لوگوں کو ان کے علم سے فائدہ تھا مسائل فقہی اور دینی میں ان سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ شرع محمدی کو نقصان پہنچے گا کوئی بتانے والا نہ ہوگا۔

لوگوں کے حال پر رحم فرمائیے اور مولانا کی خطا سے درگزر کیجیے۔بہت منت سماجت کے بعد وہ مجذوب اس بات پر راضی ہوا کہ جو کچھ میں کہوں گا مولانا کو کرنا ہوگا۔اپنی عزت کو بالائے طاق رکھ کر اور قوانین علم کو کنارے کر کے وہ اپنے گھر سے میرے پاس اس طرح آئیں کہ ہر ہر قدم پر سر میری طرف کر کے زمین پر رکھیں۔خیاط نے کہا بہت اچھا ایسا ہی ہوگا اس نے آکر مولانا کو خوش خبری سنائی اور جس ترکیب سے آنے کے لیے کہا تھا، وہ تفصیل سے بتایا۔مولانا غرض کے مارے کرتے کیا۔راضی ہوئے اور گھر سے اسی طرح سر زمین پر رکھتے اس کے سامنے پہنچے۔وہ مجذوب نماز گاہ کے پیچھے ایک غلیظ سے لنگوٹے سے اپنا ستر چھپائے ہوئے تھا اور باقی تمام بدن کھلا ہوا اور ننگا تھا۔ایک چبوترہ پر پڑا ہوا تھا۔درزی نے مولانا کو بتایا کہ یہی وہ درویش ہیں۔مولانا دیکھ کر حیران رہ گئے مگر بول کیا سکتے تھے۔بولنے کی گنجائش کہاں تھی۔اسی طرح سر زمین پر رکھتے اس کے قریب پہنچے۔تھوڑی دیر وہاں پر کھڑے منتظر رہے یکایک اس درویش نے آنکھ کھولی اور کہا۔ہاں مولانا آپ کدھر آئے ہیں۔درزی نے بڑھ کر عرض کیا کہ مولانا نادم ہیں اور کہتے ہیں کہ مجھ کو علم سے کیا واسطہ میں ایک جاہل مسکین آدمی ہوں۔آپ کے دروازے پر بھیک مانگنے آیا ہوں۔اس درویش نے کہا۔اچھا مولانا بیٹھ جائیے۔پھر کہا آپ لوگوں کے یہاں طریقہ ہے کہ اگر کوئی حاجت آپڑے تو دو رکعت نفل نماز اور بہت مرتبہ درود پڑھنے سے اس کی حاجت اور مراد پوری ہوجاتی ہے۔مولانا نے اثبات میں جواب دیا۔درویش نے کہا تو یہ کام آپ ایک مرتبہ کیجیے۔مولانا نے وضو کیا دو رکعت نفل نماز اور درود پڑھا۔نماز اور درود سے فارغ ہونے کے بعد بھی ان کا سینہ صاف نہ ہوا۔درویش نے پوچھا مولانا اب کیا حال ہے۔آپ کو کچھ فائدہ ہوا؟ مولانا نے جواب دیا۔نہیں کوئی فائدہ نہ ہوا۔درویش نے کہا سب کچھ ٹھیک ہے لیکن مولانا آپ پڑھنا نہیں جانتے۔مولانا نے کہا صحیح ہے مجھے پڑھنا نہیں آتا۔درویش نے کہا اچھا مولانا تو آپ کو اپنی حقیقت معلوم ہوگئی کہ آپ کچھ نہیں ہیں۔انہوں نے کہا ہاں مجھے معلوم ہو گیا کہ میں کچھ نہیں ہوں اور تمام جاہلوں سے بدتر ہوں۔پھر اس درویش نے کہا اچھا وہ کاغذ لائیے جو آپ اپنے ساتھ لائے ہیں۔مولانا نے آستین سے کاغذ نکال کر دیا۔مٹی جو اس کے بدن پر لگی ہوئی تھی اس نے اس کو تھوڑا سا لے کر اس کاغذ پر چھڑکا۔اس کے بعد اس نے کہا مولانا اب دیکھیے آپ کو کچھ فائدہ ہوا۔یکایک مولانا کا سینہ علم کی روشنی سے منور ہوگیا

اور تمام علم ان کو واپس مل گیا۔ اور وہ جیسے تھے ویسے ہی ہو گئے۔ مولانا واپس ہو گئے۔ حضرت مخدوم نے یہ قصہ بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ وہ دیوانہ بے ستر تھا۔ خلاف شرع اس کی تمام حرکتیں معلوم ہو رہی تھیں لیکن معاذ اللہ کیا وہ واقعی خلاف شرع کام کر رہا تھا نہیں وہ دیکھنے میں ایسا معلوم ہو رہا تھا۔ اللہ اور رسول نے جو راستہ بنا دیا ہے کوئی کسی راستے سے جاتا ہے کوئی کسی طریقے سے لیکن وہ مختلف نہیں ہوتے۔

خواجہ مبارک اور ایک درویش کا قصہ

حضرت مخدوم نے ایک اور قصہ بیان فرمایا کہ ہمارے خواجہ بیان فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ شیخ الاسلام حضرت خواجہ نظام الدین خلوت میں سماع سن رہے تھے۔ خواجہ مبارک کو انہوں نے دروازہ پر بٹھا دیا تھا کہ کسی کو اندر آنے نہ دیں۔ یکایک ایک ژندہ پوش درویش وہاں پہنچا۔ خواجہ مبارک نے اس کو روکا اور کہا کہ حضرت شیخ سماع میں ہیں۔ اس وقت ملاقات کا موقع نہیں ہے۔ بیٹھ جائیے۔ تھوڑی دیر گزرنے کے بعد اس درویش نے پھر اندر جانا چاہا خواجہ مبارک نے پھر ان کو روکا۔ تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد انہوں نے جب پھر جانا چاہا تو حسب ہدایت خواجہ مبارک نے اس مرتبہ بھی روکا۔ درویش پر ایک کیفیت طاری ہو گئی اور انہوں نے زبردستی جانا چاہا خواجہ مبارک کے روکنے پر انہوں نے اپنے دامن پر ہاتھ مارا اور "جلنارہ" کہہ کر روانہ ہو گئے۔ اسی وقت حضرت شیخ نظام الدینؒ نے دستک دی اور بے قرار ہو کر کہا اس درویش کو جلد بلاؤ۔ لیکن وہ درویش تو جا چکے تھے۔ درویش کے جاتے ہی خواجہ مبارک پر تشنگی نے غلبہ کیا وہ پانی پر پانی پیے جاتے تھے لیکن تشنگی نہیں جاتی تھی زباں خشک تھی۔ اسی حال میں ان کا انتقال ہوا۔ حاضرین کے رخصت ہونے کے بعد حضرت مخدوم نے یہ چند اشعار مجھ کو لکھوائے :-

ترا حسن است از اندازہ بیروں	مرا اندوہ غم ہر روز افزوں
ترا در دلبری میلے کثیرے	منم در عاشقی استاد مجنوں
بہ پیش تو ہمہ خوباں سجودند	عیاں دیدند دانم سرّ بےچوں
مثال تو میاں خوبرویاں	صدف اندر میانش دُر مکنوں
ندیدہ چشم من روئے غنودن	نہ دانم تاکدامیں خواند افسوں
ز لعل او ہمہ عالم شدہ مست	سر زلفش جہاں را کرد مفتوں

ہوائے بوسہ را از دل بدر کن — یقیں دیدم لبش موہوم مظنون

لب لعل تو گوئی ساقی مست — پیالہ بر دہد ہر دم بہ سد گوں

مبارک مطلع میموں صباحی — کہ آید یار خوردہ مئے و معجوں!

بنہ سر در پریشانی محمد — کہ زلف او بہ آشفتہ است اکنوں

روز یکشنبہ ۱۹ ذی قعدہ ۸۰۲ھ

دنیا کی حالت ڈھول کی سی ہے

چاشت کے وقت پڑوس میں ڈھولک بج رہا تھا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا عجیب خوفناک آواز ہے۔ جس نے اس کو نہ دیکھا ہو اور پہلی بار اس کی آواز سنے وہ حیران رہ جائے گا۔ دل میں سمجھے گا کہ یہ کسی دیو ہیکل بلا یا کسی ہیبت ناک بڑے جانور کی آواز ہے لیکن جب وہ نزدیک آئے گا تو دیکھے گا کہ یہ تو لکڑی کا خول ہے جس پر چمڑا منڈھ دیا گیا ہے اور دوسری لکڑی سے اس پر مار کر آواز پیدا کی جاتی ہے پھر اسے یہ گماں ہو گا کہ شاید اس کے اندر کوئی جانور بند ہے جو فریاد کر رہا ہے اسے توڑ کر دیکھے گا تو معلوم ہو گا کہ بالکل خالی اور خلا ہے اور اس میں کوئی چیز نہیں۔ دنیا کی بھی بالکل یہی حالت ہے جو اس کی حقیقت اور اصلیت سے واقف ہو گیا وہ سمجھ گیا کہ نابود کو بود اور نیست کو ہست بنا کہ قیاس آرائی کے سوا اس میں نہ کوئی اصلیت ہے نہ حقیقت۔ اور اسی پر یہ مثل تسمع بالمعیدی خیر من ان تراہ صادق آتی ہے۔ اس مثل کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ایک شاعر تھا بادشاہ اس کا نام اور وصف سن کہ اس کو دیکھنے کا مشتاق ہو گیا تھا۔ اس نے اس کو بلوایا۔ دیکھا تو وہ بہت حقیر اور معمولی سا آدمی معلوم ہوا بے ساختہ اس کی زبان سے یہ جملہ نکل گیا۔ یعنی تم کو دیکھنے سے سننا ہی اچھا تھا۔

اہل بیت کے محاسن اور محامد

اس کے بعد اہل بیت کے محاسن اور محامد کا تذکرہ نکل آیا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا مشائخ کے خرقہ کی ابتدا امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ سے ہوئی ہے۔ امیر المومنین علی رض سے حضرت حسن بصریؒ اور کمیل زیادؒ کو خرقہ ملا۔ ہمارا یعنی چشتیہ سلسلہ اور سہروردیوں کا سلسلہ حضرت حسن بصریؒ

سے ملتا ہے۔ تذکرہ میں مذکور ہے کہ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے خرقہ امام حسن علیہ السلام کو پہنچا اور ان سے حضرت حسن بصریؒ کو، حسن بصریؒ کو امیر المومنین علیؓ کی اجازت عطا کرنے کے بارے میں دو روایت مشہور ہے ایک تو یہ کہ جب امام حسن علیہ السلام بصرہ تشریف لائے تو انھوں نے حسن بصریؒ کے منبر کو چھوڑ کر سب کو توڑ وا دیا تھا اور ان کو وعظ و نصیحت کی اجازت دی تھی۔ یہ ایک قسم کی اجازت ہوئی جو ان سے ملی۔ دوسری روایت یہ ہے کہ حسن مرتضیٰ علیہ السلام نے وضو کا پانی منگوایا اور اس کا طریقہ بتایا یہی تعلیم گویا ان کو حسن مرتضیٰ علیہ السلام کی اجازت سمجھی گئی۔ جن لوگوں کو بھی معرفت کی دولت اور سعادت حاصل ہوئی وہ سب اہل بیت کے طفیل ہیں۔ ابو یزید بسطامیؒ نے ایک سو تیرہ پیروں اور مشائخ کی خدمت کی لیکن ان کا مقصد کسی سے حاصل نہ ہوا۔ جس سے وہ اپنا مقصد بیان کرتے تھے وہ یہی کہتا تھا کہ طیفور، جو بات کہ تم بولتے ہو وہ ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ آخر میں وہ امام جعفر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے انھوں نے اپنا مقصد ظاہر کیا۔ امام جعفر علیہ السلام نے فرمایا کہ طیفور! یہ تم کو صرف ہمارے خانوادہ ہی سے مل سکتا ہے۔ اس کے بعد وہ وہاں فراشی کی خدمت انجام دینے لگے اور بارہ سال تک دیتے رہے۔ ایک روز حضرت امام نے فرمایا طیفور، طاق میں جو کاغذ رکھا ہوا ہے لے آؤ۔ ابو یزیدؒ نے فرمایا آپ کے مکان میں طاق بھی ہے؟ امام جعفر صادقؒ نے کہا:۔ سبحان اللہ! تم نے بارہ سال فراشی کی اور یہ بھی نہیں جانتے کہ طاق کہاں ہے حضرت ابو یزیدؒ بسطامیؒ نے کہا اے فرزند رسول اللہ صلعم یہ تعجب کی بات نہیں ہے بلکہ مجھے تعجب اس شخص پر ہوگا کہ وہ آپ کی خدمت کرنے اور دائیں بائیں سے باخبر بھی ہو۔ امام جعفرؒ نے ان کا کام کر دیا اور کہا کہ اب تم بسطام جاؤ میں نے تمہارا کام مکمل کر دیا۔ حضرت بایزیدؒ بسطام واپس چلے گئے۔ سلطان العارفین سید العاشقین حضرت ابو یزیدؒ کو جو کچھ بزرگی حاصل ہوئی وہ حضرت امام جعفر صادق ہی کی نظر اور شفقت کی بدولت، خواجہ معروف کرخیؒ حضرت امام کے دربان اور حضرت ابو یزید ان کے فراش تھے۔ حضرت معروف کرخیؒ سلسلے میں تیسرے نمبر پر حضرت جنیدؒ کے پیر تھے۔ کیونکہ حضرت معروف کرخیؒ کے مرید حضرت سری سقطی اور حضرت سری سقطی کے مرید جنید بغدادیؒ تھے۔ امام اعظمؒ اور سفیان ثوریؒ امام جعفرؒ کے شاگرد ہیں

چار علمائے یہود کے سوالات اور علیؓ کے جوابات

عرائس میں لکھا ہے کہ ایک دن چار علمائے یہود امیر المومنین

عمرؓ کے پاس آئے اور کہا کہ آپ خلیفہ دوم ہیں۔آپ کے پیغمبر کا علم آپ کو ضرور ملا ہو گا۔کئی سوال ہم لوگ کرتے ہیں اگر آپ جواب دیں گے تو ہم لوگ سمجھیں گے کہ آپ کا دین برحق ہے۔ ورنہ باطل۔عمرؓ نے کہا پوچھو۔ان لوگوں نے کئی سوال معما کی طرح کا ان سے کیا۔مثلاً ان لوگوں نے پوچھا دوزخ کا تالا کیا ہے اور اس کی کنجی کیا ہے۔وہ کون مقبور ہیں جو قبر میں ہوتے ہوئے دنیا کے چاروں طرف گشت کرتے رہے، اور حضرت آدم علیہ السلام کے علاوہ وہ کون مولود ہیں جو بغیر ماں باپ کے پیدا ہوئے۔اور گھوڑا جب ہنہناتا ہے تو کیا بولتا ہے، بکری ممیاتی اور اونٹ بلبلاتا ہے تو کیا بولتا ہے۔اسی طرح کوّا اور گدھا کیا بولتا ہے اسی طرح کے سوالات ان لوگوں نے کیے۔امیرالمومنین عمرؓ سوچ میں پڑ گئے اور بولے کیا عجب کہ عمرؓ سے تمام سوالات کے جوابات نہ دیے جا سکیں، یہ لوگ تمسخر کریں گے اور ہنسیں گے۔عمر امیہ علی رضؓ کے ہرکارہ تھے وہ دوڑتے ہوئے علیؓ کے پاس آئے اور چلائے "اغث الاسلام یا علی" یعنی اسلام کو بچا لیجیے یا علیؓ! انہوں نے کہا ہوا کیا؟ عمر امیہ نے کہا چار علمائے یہود نے حضرت عمرؓ سے چند سوالات پوچھے ہیں اور عمرؓ کہہ رہے ہیں کہ ممکن ہے عمرؓ سے کچھ کا جواب نہ بن پڑے۔یہ لوگ مذاق اڑا رہے ہیں اور تمسخر کر رہے ہیں امیرالمومنین علی کرم اللہ وجہہ نے رسول اللہ صلعم کا جبہ پہنا اور سر پر رسول اللہ صلعم کی دستار مبارک رکھی اور تیز تیز چلتے ہوئے آکر عمرؓ کے پاس بیٹھ گئے اور فرمایا کہ ہاں اب جو کچھ پوچھنا ہے پوچھو۔مجھ پر رسول اللہ صلعم نے علم کے ہزار دروازے کھول دیے ہیں اور ہر در سے دوسرے ہزار دروازے کھل گئے ہیں۔ان لوگوں نے پوچھا۔دوزخ میں تالا کیا ہے۔جواب دیا کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔پھر پوچھا کہ اس کی کنجی کیا ہے جواب ملا اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا۔پھر پوچھا بہشت میں تالا کیا ہے، جواب ملا شرک باللہ۔اور اس کی کنجی کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے۔پھر ان لوگوں نے پوچھا کہ وہ کون مقبور ہیں جو قبر میں ہوتے دنیا کا چکر کاٹتے رہے جواب ملا یونس علیہ السلام جب وہ مچھلی کے پیٹ میں تھے اور مچھلی دریا میں چکر لگا رہی تھی۔پھر ان لوگوں نے گھوڑے بکری اونٹ اور گدھے وغیرہ کی آواز کے بارے میں پوچھا کہ کیا بولتا ہے علی رضی اللہ عنہ نے سب کا تشفی بخش جواب دیا۔چنانچہ یہ جواب پا کہ ان میں سے تین آدمی تو فوراً مشرف بہ اسلام ہو گئے۔جو ایک رہ گیا اس نے کہا کہ اگر آپ دقیانوس کے نسب، اس کے شہر کے رسم و رواج، اس کے ماں باپ کا نام اس کے عہد و زمانہ کی خاصیت مجھ کو بتا دیں نیز یہ بھی

بتادیں کہ اس کے شہر کا حصار کتنا تھا اور اس میں کتنے دروازے، بُرج اور کنگرے تھے تو میں بھی ایمان لے آؤں۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے تمام باتوں کا تشفی بخش جواب دیا اور وہ بھی مشرف بہ اسلام ہو گیا۔

حضرت علیؓ اور امام حسن علیہ السلام کا مکالمہ

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ایسا کوئی خیال کرسکتا ہے کہ حضرت علیؓ کو بھی جواب دینے میں دشواری ہوئی ہو اور ان کی مدد کسی نے کی ہو لیکن ایسی بات میں نے کہیں، کبھی اور کسی کتاب میں نہیں دیکھی۔ لیکن باپ بیٹے یعنی حضرت علیؓ اور امام حسین علیہ السلام کا مکالمہ جو ایک مرتبہ محبت اور شفقت کے بارے میں ہوا تھا وہ کتابوں میں موجود ہے۔ ایک مرتبہ امام حسن علیہ السلام نے پوچھا کہ ابا جان! آپ کس سے محبت کرتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ خدا تعالیٰ سے اور اس کے بعد تم سے۔ امام حسن علیہ السلام نے فوراً کہا ابا جان! دل تو ایک ہے دو ہستی کی محبت کی اس میں کس طرح گنجائش ہوگی۔ حضرت علیؓ نے فرمایا تم سچ کہتے ہو لیکن اس کو کیا کیا جائے کہ میں اپنے دل میں ایسا ہی پاتا ہوں۔ امام حسن علیہ السلام نے فرمایا ابا جان! آپ یہ کہیں کہ مجھ سے شفقت اور اللہ سے محبت کرتے ہیں۔ حضرت علیؓ رونے لگے اور فرمایا یہ بات میرے پشت کی بدولت نہیں بلکہ شکم فاطمہؓ کی وجہ سے حاصل ہے۔

فاطمہؓ کا ایک انصاری کے یہاں شادی میں شرکت

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ایک انصاری کے گھر میں شادی تھی۔ وہ رسول اللہ صلعم کی خدمت میں آئے اور استدعا کی کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو شادی میں شرکت کے لیے بھیج دیں۔ رسول اللہ صلعم ابھی حال ہی میں مدینہ تشریف لائے تھے ان لوگوں کی خاطر انہیں بہت عزیز تھی۔ ان کی درخواست منظور کر لی۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ آج فلاں انصاری کے یہاں شادی ہے تم بھی اس میں شریک ہو وہ تمہیں مدعو کرنے آئے تھے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ابا جان! میرے پاس کپڑے ٹھیک نہیں ہیں۔ سب پھٹے ہوئے اور خستہ حال ہیں۔ دعوت میں کس طرح جاؤں۔ لوگ مجھ کو حقارت کی نظر سے دیکھیں گے۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا۔ اب کیا ہو سکتا ہے میں نے وعدہ کر لیا ہے تم کو جانا چاہیئے۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلعم کے حکم کی بجا آوری میں شادی میں تشریف لے گئیں۔ وہاں انہوں نے محسوس کیا کہ تمام عورتیں ان سے کترا رہی ہیں۔ ان کے نزدیک کوئی نہیں آتا۔ انہوں نے اپنے دل میں

کہا ہر عورت مجھے کمتر سمجھ کر مجھ سے دور رہ رہی ہے۔ یہ تو مجھے معلوم ہی تھا۔ لیکن رسول اللہ صلعم کا حکم تھا اس کو تو بجا لائی جب وہ گھر واپس آئیں تو رسول اللہ صلعم سے انہوں نے کہا کہ ابا جان میں نہ کہتی تھی کہ عورتیں میرے پھٹے پرانے کپڑے دیکھ کر مجھے کم تر سمجھیں گی۔ آخر وہی ہوا۔ میرے پاس آنے سے عورتیں پرہیز کرتی تھیں۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا اچھا ٹھہرو حقیقت حال میں معلوم کرتا ہوں۔ شریک ہونے والی عورتوں میں سے ایک کو انہوں نے بلایا اور پوچھا اس نے کہا اے رسول اللہ! آپ فرماتے ہیں کہ میں فقیر ہوں۔ میرے گھر میں کوئی چیز نہیں ہے لیکن وہ خوب صورت قیمتی کپڑے، سونے چاندی اور موتیوں کے زیورات کیسے جو فاطمہؓ پہنے ہوئی تھیں۔ ہم لوگوں کی ان سے آنکھ ملانے اور نزدیک جانے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ زیورات اور جواہرات کی چمک سے آنکھیں خیرہ ہوئی جاتی تھیں۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا لو فاطمہ سنو، یہ کیا کہہ رہی ہیں۔ تم کچھ اور ہی سمجھ رہی تھیں۔

روز دوشنبہ ۲۰ ذی قعدہ ۸۰۲ھ

حسن ادب کے بارے میں

ظہر کی نماز کے بعد حسن مودب کے بارے میں تذکرہ نکل آیا حضرت مخدوم نے فرمایا کہ جو شخص صحیح جگہ پر پہنچا وہ با ادب ہوا۔ ایک دن رسول اللہ صلعم اپنے صحابہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ کافی مجمع تھا۔ جگہ تنگ تھی۔ اور دوسرے کے لیے بہت مشکل سے جگہ نکل سکتی تھی۔ تین آدمی اسی وقت رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ایک نے جگہ بنالی اور وہ صحابہ کرام کے مجمع میں بیٹھ گیا۔ دوسرے کو جگہ نہ ملی وہ کسی صحابہ کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ تیسرے نے ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا اور مجلس سے چلا گیا۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ جو آدمی درمیان میں بیٹھ گیا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے اس کو جگہ دی اور جو کہ ہم لوگوں کے درمیان پس پشت بیٹھا اس نے خدا اور اس کے رسول کے درمیان جگہ پائی۔ اور جو کہ منہ موڑ کر چلا گیا خدا اور رسول خدا نے اس سے منہ پھیر لیا۔

اس کے بعد ایک شخص نے جلال خاں بن ظفر خاں کا خط پیش کیا۔ فوراً ہی اس کو جواب لکھوایا۔ خط کا مضمون یہ تھا۔

برادر دینی خاں اعظم خاقان معظم جلال خاں ، دعاء محمد حسینی مطالعہ کند

ہم جو کچھ ہیں ، ہیں ، جیسے بھی ہوں ، ہوں اور جس جگہ بھی ہوں ہوں - لیکن ضروری ہے کہ پاکی نفس کے ساتھ یادِ خدا میں مشغول رہیں - اور اگر یہ ہو جائے تو اسے تمام سعادتوں کا سرمایہ سمجھنا چاہیے - اللہ تعالےٰ نے جتنی سعادت بھی بخشی ہے - سب کا خاتمہ اسی پر ہے اللہ مجھے توفیق بخشے - اور برادر عزیز خاں اعظم سے بھی ہم اسی کے منتظر اور متوقع ہیں - مجھ کو اپنا دعاگو تصور کرو - والسلام -

مختلف اوقات میں حضرت مخدوم نے اپنی یہ تین غزلیں مجھے لکھوائی تھیں : ؎

"غزل اوّل"

ہر کہ از دردِ من خبر دارد	دست بر سینہ یا کمر دارد
آہ من ہر کہ در سحر شنود	تا دمِ صبح چشم تر دارد !
شوخ چشمی و فتنہ بار بود	ہر کہ بر روئے او نظر دارد
ہم چو من مبتلا شود یک بار	ہر کہ در کوئے او گزر دارد !
ترک غمزہ اگر کشاید تیر	سینہ را اہل دل سپر دارد
کبک رفتار از بلند پری	مرغ دل را بریدہ پر دارد
جعد او بر سرین چہ می نازد	مار بر کشیدہ سر دارد
اے ابوالفتح عشق را بشناس	مرد عاشق کجا خبر دارد !

"غزل دوم"

دیدگاں را شراب خواہم کرد	جگر و دل کباب خواہم کرد
ترک خود مہمان بہ خواہم خواند	خدمت جاں شتاب خواہم کرد
دست در جعد او بخواہم زد	خانماں را خراب خواہم کرد
لب او بازباں بہم جو شم	شکرے در گلاب خواہم کرد !
تا حسودے خیال ذوق برد	نام او را لعاب خواہم کرد !
نفس را گر دریغ آید جاں	نفس را احتساب خواہم کرد

خوں دل را ز دیدہ خواہم ریخت ناخنش را خضاب خواہم کرد

"غزل سوم"

تا کہ با ما است جان ما بہ وجود یار از ما نہ می شود خوشنود

من ز اندوہ و درد و غم والم یار از لطف خود ہمیں فرمود

ما کجا و وصال او ز کجا ہم بدیں درد شاد باید بود

وصل را از خیال بیروں بہ ہرکہ باور ساخت او آسود

راہ وصلش دراز بے پایاں ست ماندہ شد ہرکہ راہ را پیمود

با تو نقد ست درد ہموارہ نقد بہتر ز وعدۂ بہ خلود

اے محمد نہ مونس ست نہ یار ہست اندوہ و درد غم موجود

روز سہ شنبہ ۱۲ ذی قعدہ ۸۰۲ھ

عشق ایک پرندہ ازلی ہے

تاریخ ۱۲ ماہ مذکور کو عشق کے قہر، کمال اور سلطانی کے بارے میں ذکر نکل آیا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا عشق ایک پرندہ ازلی ہے جو مسافرانہ یہاں آگیا ہے۔ وہ کسی کا نہیں اور سب سے بے گانہ رہتا ہے۔ کسی شخص نے نہ اس کی صورت دیکھی اور نہ اس کی انتہا جانی ہے اس کے حد کمال تک پہنچ جانا بہت مشکل ہے:۔

معشوق تمام روئے بہ کس نہ نمودہ است این نعرۂ و شور عاشقاں بے ہودہ ست

ہر شخص اپنے حوصلہ کے مطابق وصل حاصل کرتا ہے ورنہ وہ کہاں اور انتہائے کام کہاں طلب کے مطابق وصال کے مراتب اور درجوں میں فرق اور اختلاف ہوتا ہے۔ جب تک کہ کوئی شخص اپنی حقیقت حال سے آگاہ نہ ہوگا کس چیز کو وصال کا نام دے گا۔ مثلاً ایک عاشق ہے اس خواہش اور آرزو میں کہ اس کا نام اس کی معشوقہ کے سامنے لیا جانا اس نے اپنی زندگی گزار دی۔ اگر خوش قسمتی سے معشوقہ کی مجلس میں اس کا ذکر نکل آتا ہے پھر اس کی خوشی، مسرت، راحت اور فرحت و انبساط کا کیا ٹھکانا۔ اس سے بڑھ کر اس کے لیے

کون سی خوشی ہو گی۔ اس کے لیے یہی وصال ہوا۔ اس سے آگے کوئی ایسا بھی ہو گا جس کی تمنا ہو گی کہ محبوب کی گلی میں اس کا گذر ہوتا۔ حسن اتفاق سے اس کا گذر ہو جاتا ہے اس کے لیے وہی وصال ہوا۔ یہاں تک کہ ایک ایسا وقت بھی آیا کہ عاشق و معشوق دونوں ایک جگہ بیٹھ کر بات چیت کرتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود مطلوب سب کو فراق اور ہجر ہی جانتا ہے۔ عشق کی آگ اور اشتیاق کی تکلیف ہر روز زیادہ سے زیادہ ہوتی جاتی ہے اور اس کا چارہ سوائے سوز و تپش کے، اور اس کا انجام بجز درد و غم اور آفت و مصیبت کے اور کچھ نہیں: ؎

حاصل عشقش سہ سخن بیش نیست سوختم و سوختم و سوختم!

عشق ایک ایسا دریا ہے جس کی تھاہ نہیں اور نہ کوئی اس کی گہرائی اور تہہ تک پہنچ سکتا ہے۔ جس نے اس دریا میں غوطہ لگایا وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس میں سیر کرتا رہے گا اور ہر گھڑی نیچے ہی ہوتا جائے گا۔ اس کے اوپر ابھرنے کا کوئی امکان نہیں اس کا نہ کبھی پتا چلے گا اور نہ کبھی وہ دریا کی گہرائی تک پہنچے گا۔ اور جس کو معشوق تک پہنچنے کے بعد قرار آگیا اسے عشق نہ سمجھو۔ اسے ہوس کہو۔ عشق وہ ہے کہ جتنا معشوق سے قربت ہوتی جائے اور اس سے میل جول بڑھتا جائے عشق کی آگ تیز تر ہوتی جائے، غم والم، حزن و اندوہ آفت و مصیبت بڑھتی جائے۔ جیسا کہ شیخ سعدیؒ نے فرمایا ہے: ؎

عجیبے نیست کہ سرگشتہ بود طالب دوست عجب این است کہ من واصل و سرگردانم

مولانا عارف شاعر کا عشق

اسی کے حسب حال حضرت مخدوم نے ایک قصہ بیان فرمایا کہ قاضی شہ بالمی بیان کرتے تھے کہ مولانا عارف نامی ایک شاعر تھے ان کو ایک دف بجانے والی عورت سے عشق ہو گیا انہوں نے بالآخر اس سے شادی کر لی۔ اور اس سے بچے بھی ہوئے۔ مدت کے بعد ان سے ملاقات ہوئی تو کہنے لگے عجب حال ہے کیا بتاؤں کئی سال تک اس کی تمنا کرتا رہا پھر اس سے شادی کر لی اور بچے بھی ہوئے لیکن عشق کا یہ حال کہ جتنا اس سے ملتا ہوں اتنا درد و غم زیادہ اور آتش عشق تیز ہوتی جاتی ہے ہوائے نفسانی سے مختلف ایک خاص کیفیت مجھ پر طاری ہے اور ایک ایسی طلب اور عشق میں مبتلا ہو گیا ہوں جس میں سوز ہی سوز اور درد ہی درد ہے۔ اور اب ہلاکت کے قریب پہنچ گیا ہوں: ؎ رباعی

من از عشق تو خوں خوردن گرفتم! تو دیرے زی کہ من مردن گرفتم

مرا عشق از جمالت کردہ محروم کہ رشک از چشم خود بیروں گرفتم

پھر کہا یہ نہ سمجھو کہ میں شاعرانہ مبالغہ سے کام لے کر یہ باتیں کہہ رہا ہوں بلکہ یہ حقیقت ہے اور دوبار کھانسنے کے بعد اس نے خون تھوکا۔ اس کے بعد زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ اس کے مرنے کی خبر ملی۔

فضائل اور کرامات صحابہ کرام، علیؓ اور اہل بیت

اس کے بعد صحابہ کرام اور امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ اور اہل بیت کے فضائل اور کرامات کا ذکر نکل آیا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا امیر المومنین ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں مسیلمہ کذاب کا فتنہ اٹھا تھا۔ اس نے نبوت کا دعویٰ کر کے نئی شرح نکالی تھی۔ اور زکوٰۃ کی فرضیت کو ختم کر دیا تھا۔ بہت سے عرب قبائل مرتد ہو کر اس کے گرد جمع ہو گئے۔ امیر المومنین ابوبکر رضؓ نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا۔ ہر شخص نے کہا کہ رسول اللہ صلعم ہم لوگوں کے سر پر تھے ان کے واسطہ سے آسمانی مدد ہم لوگوں کو حاصل تھی۔ اب وہ ہم میں موجود نہیں ہیں آسمانی مدد منقطع ہو گئی۔ ہم لوگ کس قوت سے اب جنگ کر سکتے ہیں کلنا یتخذ بد بینہ ہر ایک اپنے دین کے لحاظ سے جُدا ہوتا ہے، جس کی خواہش ہو رسول اللہ صلعم کے لائے ہوئے دین پر رہے یا پھر جو اس کا جی چاہے کرے۔ امیر المومنین ابوبکر رضؓ یکایک کھڑے ہو گئے اور فرمایا۔ خدا کی قسم ایسا نہیں ہوگا میری تلوار ہے اور دشمنوں کی گردن۔ جب تک جسم میں جان باقی ہے میں اپنے مذہب کے لیے جنگ کرتا رہوں گا۔ چاہے دین قائم رہے یا میری جان اس پر قربان ہو جائے۔ یہ کہہ کر گھوڑے پر سوار ہو کر اس کو ایڑ لگائی تو وہ زمین سے معلق ہو کر ہوا سے باتیں کرنے لگا سب صحابہ دیکھ کر حیران رہ گئے۔ اور ان کے اس عزم اور جی داری کو ان کی کرامت میں شمار کیا۔ اس جلسہ میں علی رضؓ موجود نہیں تھے جب ان کو خبر ملی تو انہوں نے فرمایا نعم ما حکم خلیفۃ رسول اللہ۔ یعنی خلیفہ رسول اللہ صلعم نے بہت صحیح فرمایا۔ ابوبکر رضؓ کے لیے انہوں نے پہلی مرتبہ اس روز خلیفہ رسول اللہ کا لفظ زبان سے نکالا۔ اسی لیے لوگ کہتے ہیں کہ علیؓ نے ابوبکر رضؓ کی خلافت پر اسی روز بیعت کی اور ان کی خلافت کو قبول کیا۔ اس کے بعد مسلمان جنگ کے لیے اور مرتدوں کی سرکوبی کے لیے باہر نکل آئے۔ مسیلمہ کذاب نے بھی لشکر جمع کیا کئی روز تک گھمسان کی جنگ ہوتی رہی۔ کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ جانبین کی

تلواریں بے کار ہوگئیں۔ نیزے ٹوٹ گئے۔ ترکش سے تیر خالی ہوگئے۔ فتح کی کوئی امید نظر نہیں آتی تھی۔ یکایک مسیلمہ جنگ کے دوران ایک پہاڑی پہ پہنچ گیا۔ حمزہؓ کا قاتل نہ کوہ پہ موجود تھا وہاں جنگ ہوئی اور مسیلمہ مارا گیا۔ اس کے لشکر نے تتر بتر ہوکر راہ فرار اختیار کی۔ اور مسلمانوں کو فتح عظیم حاصل ہوئی دین کو نئے سرے سے استقامت حاصل ہوئی۔ شریعت اسلامی کا نفاذ ہوا۔

جنگ فارس کا واقعہ

اس کے بعد حضرت مخدوم نے جنگ فارس کے سلسلے میں تاریخی واقعات بیان فرمائے۔ کہ صحابہؓ نے جب فارس کی فتح کا ارادہ کیا تو پہلے چھوٹے چھوٹے کئی قریبے اور قصبات انہوں نے قبضہ میں لائے۔ یزدجرد کسریٰ شہنشاہ فارس کو جب اس کی خبر ہوئی تو وہ بولا مابدولت نے اب تک ان عربوں کا بہت خیال کیا۔ میں سمجھتا تھا کہ یہ مردار کھاتے ہیں اُون کے موٹے موٹے کپڑے پہنتے ہیں۔ لوٹ مار کر کے اور دوسروں کا حق مار کر زندگی گزارتے ہیں۔ چوہے اور سوسمار جیسی واہیات چیزیں کھا کر جان بچاتے ہیں، کھلانے کے ڈر سے بچوں کو مار ڈالتے ہیں۔ بھوکے اور غریب ہیں ان کو مار کر اور قابو میں رکھ کر کیا کریں گے۔ لیکن نہیں یہ میری غلطی تھی اب ایسا نہیں ہوگا جب انہوں نے ہم پر حملہ کیا ہے تو ہم انہیں صفحہ ہستی سے مٹادیں گے۔ لیکن پہلے ان میں سے کسی کو بلاکر میرے پاس لایا جائے۔ مسلمانوں کے سپہ سالار کے پاس شاہ یزدجرد کا پیغام بھیجا گیا تو انہوں نے ابوموسیٰ اشعریؓ کو شاہ کے دربار میں اتمام حجت کے لیے بھیج دیا۔ شاہ فارس نے یہی باتیں ان سے کہیں، ابوموسےٰ اشعریؓ نے جواب دیا۔ آپ نے جو کچھ کہا وہ بالکل صحیح ہے پہلے ہم لوگوں کا ایسا ہی حال تھا۔ لیکن اللہ تعالےٰ نے ہم لوگوں میں اپنے ایک برگزیدہ نبی کو بھیجا جس نے ہم لوگوں کو بتایا کہ مردار نہ کھاؤ، قطع صلہ رحم نہ کرو۔ لوٹ مار نہ کرو۔ اور نہ بچوں کو فاقہ کے ڈر سے زندہ درگور کرو۔ ہم نے سب قبول کیا اور اب اپنے نبی اور خدا کے حکم پر عمل کرتے ہیں۔ ہمارے نبی نے ہمیں یہ بھی فرمایا ہے کہ اپنے مذہب کے لیے سربکف ہوکر نکل آؤ۔ جو تمہارا دین نہ قبول کرے یا جزیہ نہ دے اس سے جنگ کرو۔ چنانچہ اسی بنا پر ہم تیغ بکف نکل آئے ہیں۔ اگر آپ ہمارے دین میں داخل ہو جاتے ہیں یا جزیہ دینا منظور کرلیتے ہیں تو ہم آپ کو چھوڑ دیں گے اور آپ کا ملک آپ کے پاس رہنے دیں گے۔ ورنہ پھر یہ تلوار ہے اور آپ کی گردن۔ بادشاہ بہت ہنسا کہ یہ کیسے گستاخ اور بدتمیز لوگ ہیں اور اس کے بعد اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ ان کو ذلیل کرنے کے لیے ان کے سر پہ

مٹی کا توبرہ رکھ دو۔ ابو موسیٰ اشعریؓ کے سر پر جب مٹی کا تھیلا رکھا گیا تو وہ بہت خوش ہوئے اور فرط انبساط سے ان کی باچھیں کھل گئیں۔ بادشاہ ان کی غیر معمولی خوشی دیکھ کر بہت حیران ہوا اور پوچھا کس بات پر خوش ہو رہے ہو۔ ابو موسیٰ اشعریؓ کی واپسی کے بعد یزدجرد نے حکم دیا کہ جہاں جہاں میری فوج ہے ایک جگہ جمع ہو جائے ان گستاخ عربوں کو ان کی بدتمیزی کا مزا چکھا دیا جائے اور ایک ساتھ بڑے پیمانہ پر حملہ کر کے ان کو نیست و نابود کر دیا جائے۔ تمام فرمان جاری ہو گیا اور فوجیں جمع ہونے لگیں۔ امیر المومنین عمرؓ کو جب اس کی خبر ملی تو انہوں نے تمام صحابہ کرام کی مجلس شوریٰ طلب فرمائی۔ حضرت طلحہؓ نے کہا آپ ہمارے امیر ہیں جو حکم دیں گے ہم لوگ بجا لائیں گے۔ عمرؓ نے کہا یہ تو صحیح ہے لیکن میں آپ لوگوں سے رائے لے رہا ہوں۔ امیر المومنین عثمانؓ نے رائے دی کہ جب فارس کی تمام فوج اکٹھا ہو کر حملہ آور ہو رہی ہے اور بادشاہ خود بھی جنگ میں شریک ہو رہا ہے تو آپ بھی تمام مجاہدین کے ساتھ خود فوج کی قیادت کریں عمرؓ نے علیؓ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا "تکلم انت یا علی" یعنی آپ بھی کچھ رائے دیں اے علیؓ۔ علیؓ نے رائے دی کہ تمام لشکر کا ایک مرتبہ بھیجنا غلط ہو گا۔ اس لیے کہ اگر اس لشکر کو شکست ہو گئی تو پھر دوسرے لشکر کا فراہم کرنا مشکل ہو جائے گا اور ہم اپنے کو سنبھال نہ سکیں گے۔ اور میری رائے میں آپ کا بھی میدان جنگ میں جانا غلط ہے۔ اس لیے کہ آپ کے وقار میں کمی آجائے گی آپ دار الخلافہ میں ہی رہیں اور تہائی لشکر کو مقابلہ کے لیے بھیجیں۔ عمرؓ نے ایسا ہی کیا اور ثلث لشکر جو تقریباً پچاس ساٹھ ہزار مجاہدین پر مشتمل تھا ایران کی طرف روانہ کیا۔ دوسری طرف شاہ فارس نے اپنے بھتیجے میر النشہ کی سپہ سالاری میں بے پایاں لشکر جمع کر کے میدان جنگ کی طرف بھیجا۔ فوج کا ایک سلسلہ تھا جو فارس کے مختلف شہر اور صوبوں سے شاہ کے حکم سے میدان جنگ کی طرف رواں دواں تھا۔ صحابہ کرام نے دل میں سوچا کہ فارس کے لشکر کی تو کوئی حد ہی نہیں ہم لوگوں نے اگر ان کو جمع ہونے کا مزید موقع دیا تو پھر مقابلہ ناممکن ہو جائے گا۔ صرف بیٹھے رہنے سے کام نہیں چلے گا۔ ہم لوگوں کو کوئی ایسی تدبیر کرنی چاہیے کہ یہ لوگ مقابلہ کے لیے تیار ہو جائیں۔ فارس کے لشکر سے ایک آدمی کو یہ لوگ پکڑ لائے اور مار مار کر لہو لہان کر دیا۔ پھر قتل کرنے لگے تو اس نے منت سماجت کی کہ ایک آدمی کو قتل کرنے سے آپ لوگوں کو کیا فائدہ ہو گا۔ میں یزداں کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آپ جو کچھ حکم دیں گے میں اس کو دیانت داری سے بجا لاؤں گا۔ صحابی نے کہا اچھا میں تمہیں اس شرط پر چھوڑتا ہوں

کہ تم فارس کے لشکر میں جاکر اعلان کر دو کہ مسلمانوں کے امیر کا انتقال ہو گیا اور اس لیے مجاہدین اسلام واپس جا رہے ہیں۔ اگر ہو سکے تو ان کا تعاقب کرو۔ چنانچہ اس نے جاکر اسی طرح اعلان کیا اور اپنے تمام زخموں کو دکھلا کر انہیں یقین دلایا۔ صبح کے وقت عربوں نے تیار ہو کر حملہ کر دیا۔ فارس کی فوج سمجھتی رہی کہ یہ لوگ واپس جانے کی تیاری کر رہے ہیں۔ عرب تھوڑی دُور تک واقعی پیچھے ہٹے جیسے بھاگ رہے ہوں اور فارس کی فوج نے بغیر ترتیب کے ان کا پیچھا کیا۔ تھوڑی دُور جانے کے بعد مجاہدین اسلام نے دفعتہً پلٹ کر حملہ کیا اور جم کر لڑنے لگے۔ ایسی گھمسان کی جنگ ہوئی جس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ جانبین بڑی بے جگری سے لڑے۔ تین روز تک شبانہ یوم ایک منٹ کے لیے بھی کسی کو گھوڑے اور اونٹ کی پیٹھ سے نیچے اترنے کا موقع نہ ملا۔ کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ عمرؓ نے فوج کی روانگی کے وقت یکے بعد دیگرے فوج کی قیادت کے لیے سات سات سرداروں کو نامزد کر دیا تھا کہ میدان جنگ میں شہید ہونے کے بعد وہ لوگ اسی ترتیب سے یکے بعد دیگرے قیادت سنبھال لیں گے۔ چنانچہ ان میں سے پانچ شہید ہو چکے تھے۔ مجاہدین اسلام ایرانیوں کے مقابلہ میں بہت کم تعداد میں تھے اس لیے یہ تھک کر چور ہو رہے تھے۔ یکایک اسی وقت ساریہ دو ہزار تازہ دم سواروں کے ساتھ بصرہ سے میدان جنگ میں وارد ہوئے۔ مجاہدین کو طاقت مل گئی۔ اسلامی سپہ سالار نے اس تازہ دم فوج کو اپنے اندر ملانے کی بجائے نہ کوہ کی طرف کھڑا کر دیا کہ وہ اس پہاڑی کے دامن میں انتظار کریں ہم لوگ ابھی ان لوگوں سے نپٹ رہے ہیں۔ جس وقت ضرورت ہو گی کمک پہنچانے کے لیے یہ سوار بڑھیں گے۔ دوسری طرف فارس کے لشکر نے منصوبہ بنایا کہ ادھر تو عربوں سے لڑا ہی جا رہا ہے تھوڑی سی فوج پہاڑ نہ کوہ کی طرف سے حملہ آور ہو کہ عربوں کو دونوں طرف سے گھیرے میں لے لے۔ اس وقت جمعہ کا روز تھا۔ امیر المومنین عمرؓ مدینہ میں خطبہ دے رہے تھے یکایک خطبہ کے دوران پکار اُٹھے "یا ساریۃ الجبل الجبل۔" یعنی اے ساریہ پہاڑ کی طرف سے ہوشیار ہو اسے نہ چھوڑو۔ ساریہ کو یہ غیبی آواز پہنچی تو وہ فوراً پہاڑ کی طرف بڑھے دیکھا کہ فارس کا لشکر پہاڑ کی دوسری طرف سے بڑھا چلا آ رہا ہے۔ ساریہ نے دلیری سے حملہ کیا اور اس بڑھتے ہوئے لشکر کو شکست دے کر مار بھگایا۔ فارس کی یہ شکست خوردہ فوج جب اپنے ساتھیوں سے ملی تو اس نے بتایا کہ عربوں کی فوج کی تو کوئی انتہا ہی نہیں ہے وہ تمام پہاڑ پر بھی پھیلی

ہوئی ہے۔ فارس کی فوج نے ہمت ہار دی اور حواس باختہ ہو کر بھاگی۔ مجاہدین اسلام کو زبردست
فتح نصیب ہوئی۔ سامان جنگ، خوردونوش، مال و دولت، اور بار بردار جانوروں کی بہت بڑی
تعداد اور مقدار مسلمانوں کو مال غنیمت میں ہاتھ لگی۔ فوج کا سپہ سالار میر النشہ بھی گرفتار ہوا۔
امیر المومنین عمرؓ مدینہ منورہ میں روزانہ کئی فرسنگ آگے بڑھ کر کھڑے رہتے تھے کہ میدان
جنگ کی کچھ حالت معلوم ہو۔ جیسے ہی فتح کی خوش خبری مدینہ میں پہنچی پورا مدینہ نعرۂ تکبیر اللہ اکبر سے
گونج اٹھا۔ اور لوگوں نے ایک دوسرے کو فتح کی مبارک باد دی۔ یزدجرد کے بھتیجے میر النشہ کی
گرفتاری کے بعد مسلمانوں نے اس کو قتل کرنا چاہا تو اس نے اسلامی فوج کے سپہ سالار سے درخواست
کی کہ مجھے نہ مارو زندہ اپنے خلیفہ کے پاس لے چلو۔ ممکن ہے میں ایمان لے آؤں۔ چنانچہ مال غنیمت
کے ساتھ دربار خلافت میں میر النشہ کو بھی بھیج دیا گیا۔ جب وہ لوگ مدینہ کے قریب پہنچے تو میر النشہ
نے مسلمان ساتھیوں سے پوچھا کہ یہ کونسی جگہ ہے۔ ان لوگوں نے بتایا کہ یہ حصار جو تم دیکھ رہے
ہو مدینہ کا حصار ہے۔ نیچے نیچے مٹی کے بنے ہوئے حصار اور شہر میں چھوٹے چھوٹے کچے
مکانات دیکھ کر وہ بہت حیران ہوا اور پوچھا کہ تم لوگوں کا خلیفہ کہاں ہے ان لوگوں نے کہا
آؤ ان کے گھر لے چلیں۔ اس نے اپنے دل میں سمجھا تھا کہ مسلمانوں کے امیر کا مکان بہت شاندار
اور کسریٰ کے محل کی طرح ہوگا لیکن جب وہ امیر المومنین عمرؓ کے مکان پر پہنچا جو مٹی کی دیواروں
سے بنا ہوا چھوٹی چھوٹی کئی کوٹھڑیوں پر مشتمل تھا اور اس میں سے بھی بعض شکستہ حال تھیں تو وہ
حیران ہو کر دیکھنے لگا اور اس پر سکتہ کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔ مکان کے دروازہ پر پہنچ کر لوگوں
نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ ایک شخص نے باہر نکل کر بتایا کہ امیر المومنین گھر پر نہیں ہیں نخلستان گئے
ہوئے ہیں۔ وہ لوگ میر النشہ کو لیے نخلستان میں پہنچے تو دیکھا کہ امیر المومنین عمرؓ ایک درخت
کے سایہ میں قیلولہ فرما رہے ہیں۔ سر کے نیچے دُرّہ رکھا ہوا ہے اور کمبل کا کپڑا زیب تن ہے
جس پر بہت سارے پیوند لگے ہوئے ہیں۔ ان لوگوں نے بتایا یہی امیر المومنین ہیں۔ میر النشہ
نے حیرت سے پوچھا کہ کیا یہی وہ شخص ہیں جن کے خوف سے ہم لوگوں کی رات کی نیند حرام
ہو چکی ہے اور جنہوں نے ہماری سلطنت کو زیر و زبر کر دیا ہے۔ ان لوگوں نے جواب دیا ہاں
یہ وہی ہیں۔ اتنی دیر میں عمرؓ کی آنکھ کھل گئی تھی۔ وہ اُٹھ بیٹھے۔ صحابہ نے جو میدان جنگ سے
میر النشہ کو لے کر آرہے تھے سلام کیا۔ امیر المومنین نے سلام کا جواب دیا لیکن ان کو مرحبا اور
خوش آمدید نہیں کہا اور ترش روئی کے ساتھ اُٹھ کر گھر کی طرف چلے گئے۔ وہ لوگ بہت

حیران ہوئے کہ آخر کون سی خطا ہم لوگوں سے سرزد ہوئی ہے جو امیر المومنین نے ہم لوگوں کو مرحبا اور اھلاً سھلاً نہیں کہا اور نہ دیکھ کر خوش ہوئے جب کہ ہم لوگ فتح عظیم کے بعد واپس آئے ہیں۔ پھر ان لوگوں نے سوچا کہ ہم لوگ چونکہ باریک قیمتی کپڑے پہنے ہوئے ہیں اور فارس کی آب و ہوا کے باعث کچھ موٹے بھی ہوگئے ہیں اس لیے غالباً یہ تکدر نمایاں ہوا۔ چنانچہ ان لوگوں نے سوچا کہ فوری طور پر دُبلا ہونا تو ممکن نہیں لیکن ان باریک کپڑوں کو اتار کر کمبل کے کپڑے جس طرح رسول اللہ صلعم کے زمانہ میں ہم لوگ پہنتے تھے پہن لینا ضروری ہے۔ چنانچہ کپڑا تبدیل کر کے وہ لوگ عمر رضہ کے گھر پہنچے۔ جب انہوں نے اس لباس میں ان لوگوں کو دیکھا تو خوش ہوئے اور ان لوگوں کو مرحبا کہا، پھر ان لوگوں سے مخاطب ہو کر بولے کہ تم لوگوں نے رسول اللہ صلعم اور ان کے ساتھیوں کو کبھی باریک کپڑا پہنے دیکھا تھا؟ اگر نہیں دیکھا تھا تو پھر کس کی پیروی تم لوگوں نے کی؟ فرعون اور نمرود کی؟ ان لوگوں نے معذرت چاہی۔ اس کے بعد عمر رضہ نے ان لوگوں کے لیے کھانا لایا۔ جو اونٹ کی گردن پر کا ابالا ہوا گوشت، اور جو کی روٹی پر مشتمل تھا۔ یہ لوگ عجم کے بہترین امزے دار کھانے کھا کر آئے تھے یہ کھانے ان سے رغبت کے ساتھ نہیں کھائے گئے لیکن عمر رضہ نے اس کو معمول کے مطابق رغبت سے کھایا۔ گردن کا گوشت کم گلا ہوا اور سخت تھا۔ دانت سے نوچ کر کھا رہے تھے ہاتھ سے چھوٹ کر اس کی ہڈی عمر رضہ کے گال پر پڑی اور اس سے گال زخمی ہوگئے۔ صحابہ نے اپنے دل میں خیال کیا کہ امیر المومنین عمر رضہ بوڑھے ہوگئے ہیں اور اس وقت مال غنیمت اور دولت کی کوئی کمی نہیں اگر ان کے لیے گندم کی روٹی اور گوشت کے لیے تھوڑے سے روغن کا انتظام کر دیا جائے تو اچھا ہو۔ ان کی طاقت قائم رہے گی اور اس میں تو دین کا ہی فائدہ ہوگا۔ لیکن دشواری یہ تھی کہ ان سے کہے کون۔ بات نازک تھی ممکن ہے ان کو یہ بات ناگوار گزرے۔ اس لیے وہ لوگ ام المومنین حضرت حفصہ رضہ کے پاس آئے جو عمر رضہ کی صاحبزادی تھیں اور چونکہ رسول اللہ صلعم کی زوجہ محترمہ تھیں اس لیے عمر رضہ ان کا خاص لحاظ، شفقت اور ادب فرماتے تھے۔ ان لوگوں نے حضرت حفصہ رضہ سے درخواست کی کہ آپ عمر رضہ سے اس بارے میں کہیں آپ کی بات وہ نہیں ٹالیں گے۔ انہوں نے کہا اچھا آپ لوگ کہیں کونے میں بیٹھ کر سنیں میں ابا جان کو بلا کر ان سے درخواست کرتی ہوں۔ عمر رضہ کو انہوں نے محکمہ سے بلوا بھیجا۔ انہوں نے آکر حضرت حفصہ سے بلوانے کا سبب پوچھا تو انہوں نے کہا "ابا جان! کچھ دیر ہوئی فلاں صحابہ آئے تھے وہ کہہ رہے تھے

کہ امیرالمومنین بوڑھے ہوگئے ہیں اگر گندم کی روٹی اور گوشت میں کچھ روغن دے کہ کھائیں تو طاقت قائم رہے اور اس سے دین کا فائدہ ہوگا۔ عمرؓ نے فرمایا "بیٹی، ایک بزرگ کے دو دوست تھے۔ وہ بزرگ منزل مقصود کو پہنچ گئے ان کے ایک دوست بھی اسی راستہ پر چل کر منزل مقصود پر پہنچ گئے۔ وہ بزرگ ہمارے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور ابوبکرؓ اور ہم ان کے دو دوست تھے۔ رسول اللہ صلعم اپنی منزل پر پہنچ گئے۔ ابوبکرؓ بھی اسی راستہ پر چل کر منزل مقصود تک پہنچ گئے اب ہم رہ گئے ہیں اگر اسی راستہ پر نہ چلے تو پھر اپنی منزل تک کس طرح پہنچیں گے جہاں یہ دونوں پہنچے ہیں۔ یا بنت لا تو ذینی فی دینی یعنی اے بیٹی مجھ کو دین میں اذیت نہ دو۔

عمرؓ اور ان کے فرزند ابوشحمہ

حضرت مخدوم نے ایک اور قصہ بیان فرمایا کہ امیرالمومنین عمرؓ ایک دن محکمہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک عورت چند ماہ کا بچہ لیے ہوئے آئی اور عمرؓ کے سامنے رکھ کر بولی کہ یہ آپ کے صاحبزادے ابوشحمہ کے نطفہ کا ہے یہ سن کر وہ فوراً اپنے گھر کے اندر گئے۔ ابوشحمہ ماں کے پاس کھانا کھا رہے تھے۔ انہوں نے پوچھا اے ابوشحمہ! کیا تم سے یہ حرکت سرزد ہوگئی ہے؟ انہوں نے اقرار کیا۔ انہوں نے فوراً ان کو بازو سے پکڑ کر شرعی سزا کے لیے باہر لایا۔ ان کی ماں نے دبی زبان سے کہا۔ ابھی یہ بیماری سے اٹھا ہے کمزور ہے تھوڑا انتظار کر لیا جاتا کہ طاقت آجائے پھر حد مقررہ اس پر لگائی جاتی عمرؓ نے جواب دیا۔ خاتون! اس لڑکے کی زندگی اور میری زندگی کی ضمانت کون لے سکتا ہے کہ کب موت آجائے گی اور یہ فرض نا کردہ رہ جائے گا۔ یہ کہہ کر ان کو باہر لایا۔ صحابہ نے بھی سفارش کی کہ ابھی یہ کمزور اور بیمار ہے طاقت آنے تک کچھ دن انتظار کر لینے میں کیا مضائقہ ہے۔ لیکن وہ نہ مانے اور ان کو بھی وہی جواب دیا۔ پھر خود سے دُرّہ مارنا شروع کیا۔ اسی دُرّہ تک مارتے مارتے وہ جاں بحق ہوگئے۔ اس کے بعد عمرؓ نے بیس دُرّہ ان کے مرنے کے بعد لاش پر مارا۔ سبحان اللہ! مرض اور ولادت ہونے کی حالت میں رعایت دی گئی ہے کیونکہ سزا سے مقصد تادیب ہوتا ہے ہلاک کرنا نہیں۔ لیکن یہ قصہ تاریخ ہیفم میں ہے۔ اور تعجب ہوتا ہے کہ عمرؓ نے ضعف اور بیماری کے باوجود کس طرح حد شرعی ان پر جاری کیا کہ ان کی جاں چلی گئی۔ عمرؓ جب دُرّہ لگانے سے فارغ ہوئے تو مسجد میں آئے اور اندر سے دروازہ بند کر کے بارگاہِ ایزدی میں سر بسجود ہو کر مناجات کی کہ خداوندا! اگر شفقت پدری

کے باعث کچھ دُرّے مجھ سے ہلکے مارے گئے ہوں تو مجھے معاف کرنا اور مجھے اس کے لیے ماخوذ نہ کرنا۔

خلیفہ عبدالملک اور امام زین العابدین علیہ السلام

پھر حضرت مخدوم نے ایک اور قصہ بیان فرمایا کہ خلیفہ عبدالملک ہشام اپنے عہد حکومت میں ایک مرتبہ حج کے لیے گیا۔ امام زین العابدین بھی حج کے لیے گئے ہوئے تھے۔ عبدالملک نے اور لوگوں سے سبقت کر کے حجر اسود کو بوسہ دینا چاہا لیکن لوگوں نے اس کو راستہ نہیں دیا۔ اتنے میں امام زین العابدینؓ حجر اسود کو چومنے کے لیے آگے بڑھے تو تمام لوگوں نے انتہائی عقیدت اور احترام سے ان کو راستہ دیا اور سر جھکا کر کنارے کھڑے ہو گئے۔ وہ حجر اسود کو بوسہ دے کر واپس ہو گئے۔ خلیفہ عبدالملک کے مصاحبوں میں سے ایک نے پوچھا کہ امیر المومنین یہ کون شخص ہیں جن کو لوگوں نے حجر اسود چومنے کے لیے عزت و احترام کے ساتھ راستہ دے دیا اور آپ کو نہیں دیا حالانکہ آپ خلیفہ اور بادشاہ ہیں۔ عبدالملک انجان بن گیا۔ اور کہا پتا نہیں کون شخص تھا۔ فرزوق شاعر اس وقت وہاں موجود تھا۔ وہ اُٹھ کر بولا کہ میں بتاتا ہوں کہ وہ کون تھے۔ اور پھر نہایت فصیح و بلیغ اشعار میں ان کی منقبت کہی۔ عبدالملک کو اس کا بڑا رنج ہوا۔ یہ خبر امام زین العابدین علیہ السلام کو پہنچی تو انہوں نے کچھ رقم بہ طور ہدیہ بھیجی۔ اور کہلا بھیجا کہ ہم لوگ مصیبت زدہ ہیں ہم اہل بیت کی حکومت دشمن ہے تم ہمارے ساتھ اپنے اوپر کیوں آفت لاتے ہو۔ یہ ہدیہ قبول کرو اور آئندہ سے میرے بارے میں تعریف وغیرہ نہ لکھو۔ فرزوق شاعر نے سلام کے بعد کہلا بھیجا کہ اے فرزند رسول اللہ، میری ساری زندگی تو امراء اور اہل اقتدار لوگوں کی جھوٹی مدح گوئی میں گزر رہی ہے میری خوش قسمتی سے آج میری زبان سے آپ کی سچی تعریف میں کچھ اشعار نکل گئے ہیں خدا سے اُمید وار ہوں کہ شاید وہ میری پچھلی جھوٹی مدح گوئیوں کی تلافی کر دے اور میری بخشائش ہو۔ یہ کہہ کر وہ رقم واپس کر دی۔ لیکن امام زین العابدین علیہ السلام نے پھر اسی رقم کو اس کو یہ کہہ کر لوٹا دی کہ تمہاری نیت تمہارے ساتھ ہے لیکن جو رقم مجھ سے نکل جاتی ہے اسے میں پھر واپس نہیں لے سکتا۔ امام زین العابدین علیہ السلام کو عالم جوانی میں زہر دلوایا گیا اور فرزوق کو بھی کسی موقع سے ختم کر دیا گیا۔

مولانا حسام الدین خر کوشی نے مشہد امام حسین کی کرامت کا مشاہدہ کیا

پھر حضرت مخدوم نے فرمایا کہ اہل بیت کے چند مشہد بہت اہم اور معتبر ہیں ایک ان میں سے مشہد علی رضؓ، دوسرا مشہد حسینؓ، تیسرا مشہد زین العابدینؓ اور چوتھا مشہد علی موسیٰ رضا سلطان خراسان ہے مشہور ہے کہ کوئی اندھا، بہرا، گونگا، اور لنگڑا آدمی جوان کے مشہد پر معینہ طریقہ پر دُعا مانگے اس کی آنکھ، کان، زبان اور پیر اللہ کے حکم سے ضرور ٹھیک حالت میں ہو جائیں گے۔ اس کرامت کا بارہا مشاہدہ اور معائنہ کیا گیا ہے۔ مولانا حسام الدین خر کوشی دہلی میں قصہ بیان کرتے تھے کہ ایک مرتبہ حج سے فارغ ہونے کے بعد میں کربلا معلیٰ چلا گیا تھا میں نے دیکھا کہ ایک بوڑھی عورت کے قریب ایک جوان بیٹھا ہوا ہے جس کے نہ آنکھ ہے نہ پیر۔ میں نے اس بوڑھی عورت سے پوچھا کہ اسے کیا ہوا۔ اس عورت نے کہا یہ میرا اکلوتا لڑکا ہے اللہ نے مجھے کافی دولت عطا فرمائی ہے۔ میں نے سُنا ہے کہ جو شخص مشہد حسین علیہ السلام میں حاضر ہو کر دُعا مانگے گا، اس کی دُعا قبول ہوگی اگر کوئی اندھا ہے تو بینا اور لنگڑا ہے تو پیر والا ہو جائے گا یہ ان دونوں نعمتوں سے محروم ہے۔ میں اسی اُمید میں حاضر ہوئی ہوں کہ شاید اللہ تعالیٰ امام حسین علیہ السلام کے طفیل میں اس کو آنکھ دے دے۔ اور میرے پاس جو مال و دولت ہے اس کو حق لگے۔ میں نے کہا کہ امیر المومنین حسین علیہ السلام کی برکت سے اس کو آنکھ بھی ہو جائے گی اور پیر بھی۔ میں تو چلا گیا وہ کربلا میں آئی اور مجاوروں سے اس نے اپنا مقصد بیان کیا۔ ان کو کافی نذر اور تحائف دیے۔ ان لوگوں نے اس کو قبر پر جا کر بٹھا دیا اور غلاف پکڑ کر دعا کی تھوڑی دیر کے بعد اس جوان کو آنکھ اور پیر دونوں ہو گئے اور خود سے چلتا ہوا باہر نکلا۔ تمام مشہد کے لوگ اس کے گرد جمع ہو گئے میری بھی خواہش ہوئی کہ حقیقت حال معلوم کی جائے۔ جب رات ہوئی اور ہجوم کم ہوا تو میں نے اس سے واقعات اور سرگذشت دریافت کیا۔ اس نے کہا قبر کے نزدیک ایک گھنٹہ بیٹھنے کے بعد میں نے دیکھا کہ امیر المومنین امام حسین علیہ السلام گھوڑے پر سوار نیزہ ہاتھ میں لیے تشریف لائے گلے پر یعنی محل ذبح پر سونے کا طوق تھا۔ کئی دوسرے لوگ بھی ان کے ساتھ تھے اور سب کے گلے میں سونے کے طوق تھے اور شہ رگ سے نور ہویدا تھا۔ انہوں نے دوسری طرف سے میرے سر کے پاس آ کر فرمایا کہ اس آدمی کو میرے پاس لاؤ۔ لوگ مجھے ان کے خدمت میں لے گئے اور عرض

کیا اے ابن رسول اللہ! یہ آنکھ سے محروم ہے۔ امام حسین علیہ السلام نے اپنا دست مبارک میری آنکھوں پر پھیرا فوراً میری آنکھیں ہوگئیں۔ پھر ان لوگوں نے عرض کیا کہ اس کو پیر بھی نہیں ہے۔ حکم ہوا اوپر اٹھاؤ۔ ایک دست مبارک ایک پیر پر اور دوسرا دوسرے پیر پر پھیر کر فرمایا اس کو چھوڑ دو یہ چلنے لگے گا۔ اور واقعی میں اٹھ کر دوڑنے لگا۔

روز شنبہ ۲۵ ذی قعدہ ۸۰۲ھ

کچھ مسائل کے استفسارات اور جوابات

چاشت کے وقت ایک صوفی نے پوچھا کہ حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی امام کے پیچھے سورہ فاتحہ اور ہر سورہ کو ختم کرنے کے بعد بسم اللہ پڑھتے تھے یا نہیں؟ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ سورہ فاتحہ پڑھتے تھے لیکن ختم سورہ کے بعد بسم اللہ پڑھنے کے متعلق ہم نے کبھی ان سے نہیں سنا۔ صوفی نے پوچھا آپ خود ختم سورہ کے بعد بسم اللہ پڑھتے ہیں حضرت مخدوم نے فرمایا نہیں میں نہیں پڑھتا ہوں۔ صوفی نے کہا بس میرے لیے یہی کافی ہے۔ صوفی نے پھر پوچھا فرض نماز کے سلام کے بعد فوراً ہی یعنی متصل ہی سنت پڑھتے ہیں یا اور دو وظائف میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ آیۃ الکرسی پڑھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور فوراً ہی سنت پڑھتے ہیں حضرت خواجہ نظام الدینؒ کے سامنے فرض نماز کے بعد یہ مشہور دعا اللھم لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا ینفع ذالجد منک الجد ولا راد لما قضیت الی آخرہ۔ امام کو سلام کے بعد پڑھتے دیکھا ہے۔ اور تمام مقتدی بھی اس وقت پڑھتے تھے اس کے بعد اٹھ جاتے تھے لیکن ہمارے خواجہ (حضرت نصیر الدینؒ) کے زمانے میں سلام کے بعد فوراً ہی امام اور تمام مقتدی زمین پر سر رکھ دیتے تھے، اس کے بعد باہر آتے تھے۔ پھر صوفی نے پوچھا کہ حضرت مخدوم حفظ ایمان کے دوگانہ میں سات مرتبہ قل ہو اللہ پڑھتے ہیں اور حدیث میں چھ بار ہے، اور ہر رکعت میں آپ معوذتین پڑھتے ہیں جب کہ فوائد الفوائد میں ایک بار پہلی رکعت میں معوذتین ہے۔ حضرت مخدوم نے فرمایا یہ مسئلہ حضرت خواجہ کے سامنے ایک مرتبہ پیش ہوا تھا حضرت خواجہ نے فرمایا تھا کہ فوائد الفوائد میں ایک جگہ سات مرتبہ قل ہو اللہ لکھا ہوا ہے اور ایک جگہ چھ مرتبہ۔ لیکن زیادہ

صحیح سات مرتبہ پڑھنا ہے ۔ اور حدیث میں معوذتین دونوں رکعت میں پڑھنا آیا ہے ۔ پھر حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ہم اسی پر عمل پیرا ہیں ۔ پھر صوفی نے پوچھا کہ حضرت خواجہ نصیر الدینؒ مزامیر سنتے تھے ؟ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ جس نے کہا غلط کہا ہے ۔ حضرت خواجہ نصیر الدین کے ساتھی فرماتے تھے کہ ابتدا میں مولانا صدر الدین طبیب ، قاضی عبدالمقتدر اور مولانا علاؤ الدین ایک جگہ بیٹھ کر ہر طرح کے مزامیر بلا امتیاز سنتے تھے یہ بات جب حضرت خواجہ کے کان تک پہنچی تو انھوں نے اس پر ناراضگی اور ناپسندیدگی کا اظہار کیا ۔ مولانا برہان الدین غریب اور ان کے ساتھی تمام قسم کے مزامیر سنتے تھے لیکن ہمارے خواجہ کبھی نہیں سنتے تھے ۔ لیکن اگر کوئی ان کے سامنے بجاتا ہوا گزر جاتا تو اسے منع بھی نہ فرماتے تھے ۔ ایک روز سماع ہو رہا تھا اس مجلس میں پنج مسلک (ایک قسم کا منہ سے بجانے والا ساز) بھی بج رہا تھا ۔ مولانا برہان غریب سُن رہے تھے ۔ ہمارے خواجہ آئے اور اگرچہ ہمارے خواجہ اور مولانا برہان غریب کے درمیان بہت گہری دوستی تھی لیکن وہ مسلک کو دیکھتے ہی فوراً واپس ہو گئے ۔ مولانا برہان سے لوگوں نے یہ بات کہی لیکن وہ مسلک سننے سے باز نہ آئے ۔ اور نہ ہی ہمارے خواجہ سماع میں شریک ہوئے صوفی نے پھر پوچھا کہ عورت اگر گا یا بجا رہی ہو تو سنتے تھے ۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ کبھی بھی انھوں نے قصداً نہیں سُنا ۔ نہ پردہ سے اور نہ سامنے بٹھا کر ۔ لیکن ایک مرتبہ مہمانی میں گئے ہوئے تھے اور مولانا زین الدین اور مولانا کمال الدین کے گھر میں دف بجانے والیاں گا رہی تھیں ۔ انھوں نے انہیں منع نہیں فرمایا ۔ اور اپنے وصال سے تین روز پہلے مولانا کمال الدین کے گھر میں ان کے بڑے بھائی مولانا سراج الدین کا کوئی کار خیر ہو رہا تھا دف بجانے والیاں گا رہی تھیں لیکن حضرت شیخ کی بیماری کی وجہ سے ان کو منع کر دیا گیا ۔ شیخ نے فرمایا کہ کیوں منع کیا ۔ ان کو گانے دو ۔ اور پھر دف بجانے والیوں نے گانا شروع کر دیا ۔ حضرت شیخ الاسلام نظام الدینؒ کے زمانے میں ایک عورت نے ان کی خانقاہ کی دیوار کے نیچے سہیلہ اور شبانہ گانا شروع کیا یکایک حضرت شیخ پر کیفیت طاری ہو گئی ۔ بالاخانہ پر لحاف ، نہالی ، اور دوسرے جو کچھ کپڑے تھے اٹھا اٹھا کر اس کی طرف پھینکنے لگے ۔ مولانا برہان غریب اور ان کے ساتھی تمام دف بجانے والیوں کو بلا کر گانا سنتے تھے اور رقص کرتے تھے ۔

۶

روز یکشنبہ ۲۶ ذی قعدہ ۸۰۲ھ

ولی مامون العاقبت کے بارے میں

چاشت کے وقت ولی مامون العاقبت کے جائز اور ناجائز ہونے پر ذکر نکل آیا۔

لطائف قشیری میں اس آیت انّ الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا من کان لہ اصل استقامت امن من الخلود و من کان لہ کمال الاستقامت امن من الوعید من غیر ان یلحقہ سوءٌ ۔کی تفسیر بیان کی گئی ہے کہ دنیا میں وعید سے بے خوف اس لیے رہنا ہے کہ آخرت کی دھمکی نہ دی گئی ہو۔

اسی کے حسب حال حضرت مخدوم نے ایک قصہ بیان فرمایا کہ حضرت قاضی عبد المقتدر ایک دن خطیرہ شبیر خاں میں میرے پاس آئے، اور کہا کہ تعرّف کے مصنّف نے حضرت ذوالنون مصری سے منسوب ایک بہت اچھی بات لکھی ہے۔کہ من رجع رجع عن الطریق و من وصل لا یرجع ۔یعنی جو کہ راہ سے واپس ہوگیا وہ واپس ہوگیا۔اور جو پہنچ گیا وہ پھر لوٹے گا نہیں میں نے کہا کہ واقعی بڑی اچھی بات کہی ہے لیکن اس میں ایک مشکل ماموں العاقبت کے حد ہونے کی ہے۔قاضی عبد المقتدر نے کہا آپ صحیح کہتے ہیں۔ پھر وہ حضرت شیخ کی خدمت میں گئے اور اس بارے میں دریافت کیا۔حضرت شیخ نے ٹال دیا اور کہا میں کیا جانوں انھوں نے کیا کہا ہے۔دوسرے روز حضرت خواجہ سے میں نے پوچھا۔انہوں نے فرمایا وہی سوال جو کل قاضی عبد المقتدر نے پوچھا تھا؟ میں نے کہا جی ہاں۔انہوں نے فرمایا الا انّ اولیاء اللہ لا خوفٌ علیھم ولا ھم یحزنون ۔اس کے بعد یہ قصہ بیان فرمایا کہ شیخ الاسلام حضرت بہاؤ الدین زکریا نے شیخ علی کھوکھری کو ایک لات ماری۔ان کو بھوک اور شہوت کی زیادتی ہوگئی۔وہ خوب کھاتے تھے اور مستی کرتے تھے اور شیخ بہاؤ الدین کو برا بھلا کہتے پھرتے تھے۔

مقربین خاص کو اللہ سے دیے گئے خطابات

اس کے بعد ان خطابات کا ذکر نکل آیا جو اللہ تعالےٰ اپنے بعض اولیا اور مقربین خاص کو غائت لطف و کرم میں عطا فرماتا ہے۔حضرت مخدوم نے فرمایا اس

کی شان نرالی ہے اور اس کی کرم فرمائیاں خاص ہیں وہ کسی کو شیخ الاسلام، کسی کو شیخ المشائخ کہلواتا ہے کسی کو کچھ کسی کو کچھ اور بعض کو ایسے خطابات سے نوازتا ہے کہ بظاہر گالی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن وہی خطاب مخاطب کو ایسا اچھا معلوم ہوتا ہے اور اس میں اس کو ایسی لذت ملتی ہے کہ اس پر عزت و جاہ کے لاکھوں خطابات قربان کر دینے کو وہ تیار رہتا ہے ایک دن لوگوں نے دیکھا کہ خواجہ محمد سرجیؒ اپنے چاروں ہاتھ پیر پر چل رہے تھے۔ لوگوں نے پوچھا کہ یہ کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ آج کی رات میں نے اپنے مالک سے پوچھا کہ اپنے ہر دوست کو تو کوئی نہ کوئی خطاب سے نوازتا ہے میرے لیے تو نے کون سا لقب مخصوص کیا ہے۔ حکم ہوا محمد سرجیؒ میری بارگاہ کا کتا ہے۔ میرے دوست نے مجھ کو اپنی درگاہ کا کتا کہا ہے۔ اس لیے غایت خوشی اور ذوق میں میں کتے کی طرح چل رہا ہوں۔

لیلیٰ مجنوں حضرت مخدوم نے پھر فرمایا کہ لیلےٰ کے سامنے لنگر لینے کے لیے کئی پیالے پیش کیے گئے۔ ان ہی پیالوں میں ایک پیالہ مجنوں کا بھی تھا۔ لیلےٰ نے مجنوں کا پیالہ پہچان کہ اس کو توڑ دیا اور باقی سب پیالوں کو بھر دیا۔ مجنوں کو جب یہ معلوم ہوا کہ لیلیٰ نے اس کا پیالہ توڑ دیا ہے تو خوشی اور مسرت میں ناچنے لگا اور اس کو اس کی اس حرکت سے اتنا ذوق اور مزا ملا کہ اگر سو بار بھی کوئی اس کا پیالہ بھرتا تو اس کو وہ خوشی اور راحت نصیب نہ ہوتی۔

رویائے کے بارے میں تھوڑی دیر خواب (رویائے) کے بارے میں ذکر نکل آیا حضرت مخدوم نے فرمایا کہ عین القضات کہتے تھے کہ میں نے پیغمبر صلعم کو ستر بار خواب میں دیکھا۔ میں نے گمان کیا کہ شاید پیغمبر صلعم کو جو میں دیکھ رہا ہوں وہ میری نیکی ہے جس نے پیغمبر صلعم کی شکل اختیار کر لی ہے۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ہاں کل امرٍ مزینٌ لعلمہ حسن "کا عمل پیغمبر صلعم کے دین کے مطابق ہوگا اس کا وہی عمل نبی صلعم کی شکل میں اس کے سامنے آئے گا۔ حاضرین میں سے ایک نے سوال کیا کہ شیطان بھی رسول اللہ صلعم کے مشابہ اور شکل میں ہوسکتا ہے۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ہاں ہوسکتا ہے لیکن شیطان کی یہ مجال نہیں کہ ان کی اصلی تشبیہ اتارے اور جس شکل و صورت میں رسول اللہ صلعم رہتے تھے بالکل اسی ہیئت کذائی کو اختیار کرے۔ بلکہ شکل تو اس کی جدا اور دوسری ہوتی ہے لیکن وہ دعوے کرتا ہے کہ میں پیغمبر صلعم ہوں۔ اور ایک رات میں پیغمبر علیہ السلام

کو کئی ہزار آدمی مختلف ہیئت اور صورت و شکل میں دیکھتے ہیں۔ وہ ایک صورت کس طرح مغرب سے مشرق تک پہنچ جاتی ہے یہ قابل یقین نہیں ہے۔ ایک دوسرے سائل نے پوچھا کہ بیداری میں بھی کوئی رسول اللہ صلعم کو دیکھتا ہے۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ جس کا خواب بیداری ہوجاتا ہے ارواح خلاصہ اس کی روح کی انتہائی صفائی کی بنا پر اس پر دائم اور لازم ہوجاتے ہیں اور وہ خواب دیکھتا ہے۔ اسی کے حسب حال حضرت مخدوم نے ایک قصہ بیان فرمایا کہ ایک دن خواجہ محمد غزالیؒ کھانا کھا رہے تھے۔ کھانے تک ہاتھ لے جانے سے پہلے ان کے منہ میں خود بخود لقمہ آگیا۔ اور وہ کھانے لگے۔ لوگوں نے جب ان سے اس بارے میں پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ ابھی رسول اللہ صلعم تشریف لائے تھے اور روٹی کا ایک ٹکڑا میرے منہ میں ڈال دیا۔ یہ قصہ جب خواجہ کو معلوم ہوا تو انہوں نے کہا ھذہٖ خویلات تربیّ بھا اطفال ھذہٖ الطریقۃ یعنی یہ خیالات ہیں جو اس طرح ان بچوں میں پرورش پاتے ہیں۔ پھر حضرت مخدوم نے ایک غزل سنائی جو انہوں نے تازہ اسی روز موزوں فرمائی تھی:

می بینی آں جواں خوش خو — آں قد بلند دراز گیسو
آں ماہ جبیں زہرہ رخسار — با ہیچ یکے نہ کرد یک سو
با جملہ جہاں نفاق بازد — گوید تو منی و من ہمیں تو
چوں نیک نگہ کنی بدانی — اسرار کثیر آں دو ابرو
آں چشم کشادہ چشمکے زد — بر لبت خیال سحر و جادو
آں جعد نگہ کہ مار خانہ است — واں پنجۂ کفر راست بازو
آں لعل شکر کہ خون بہ نوشد — واں خال کہ کافرست ہندو
بوالفتح مدار استوارش — آں ظالم کافراست بدخو

روز دوشنبہ ۲۷ ذی قعدہ ۸۰۲ھ

بیعت کرنے کی اہمیت اور دشواری کا تذکرہ

۲۷ ذی قعدہ کو لوگوں کو بیعت کرنے کی اہمیت دشواری اور ذمہ داری کا ذکر نکل آیا حضرت مخدوم نے فرمایا مرید ہونے کا سب سے بڑا اور پہلا فائدہ

تو دوزخ کے عذاب سے چھٹکارا پاتا ہے۔ یعنی مرید کا پیر کے ہاتھ میں بیعت کے لیے ہاتھ دینے کے معنی یہ ہیں کہ آج سے پیر مرید کو اپنے دامن سے وابستہ سمجھے۔ اور کل قیامت کے دن مرید کی جواب دہی اور ذمہ داری پیر پر ہو گی۔ اتنے اہم اور عظیم کام کو آج یہ لوگ کس دلیری سے کرتے ہیں جس کی حد نہیں۔ اس کے بعد حضرت مخدوم نے اس کے حسب حال ایک قصہ بیان فرمایا کہ ایک بزرگ کو تشویش اور جاننے کی خواہش ہوئی کہ مرید ہونے کا فائدہ کیا ہے۔ شیخ اجل سرجیؒ کے مریدوں میں سے ایک کچھ پریشان حال تھا۔ اس کے انتقال کے بعد وہ بزرگ اس کی قبر پر گئے دیکھا کہ آتش جہنم کی طرف سے ایک کھڑکی اس کی قبر میں کھلی ہوئی ہے اور اس کی آگ اندر آرہی ہے۔ ان بزرگ نے اپنے دل میں کہا کہ اگر یہ صالح آدمی ہوتا تو نجات پاتا۔ چونکہ وہ صالح نہیں ہے اس لیے دوزخ کی آگ اس تک پہنچ رہی ہے۔ یکایک انہوں نے اجل سرجی کو قبر کی کھڑکی کے پاس کھڑا دیکھا۔ وہ اس آگ کو اپنے اس مرید سے دُور رکھنے کی کوشش کر رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ تم نے دیکھ لیا پیر اسی وقت کے لیے چاہیے۔

توبہ کی اچھائی اور توبہ کرنے والوں کی عظمت

اس کے بعد توبہ کی اچھائی اور توبہ کرنے والوں کی عظمت کا ذکر نکل آیا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ جو شخص صدق دل سے توبہ کرتا ہے وہ محبوبی کے مرتبہ پر پہنچتا ہے۔ اور محبوبیت کا مقام صوفیوں کے یہاں بڑا درجہ اور مرتبہ رکھتا ہے۔ اور توبہ کرنے والا فوراً ہی اس مقام پر پہنچ جاتا ہے اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ ان اللہ یحب التوابین ویحب المطھرین۔ یعنی اللہ تعالےٰ توبہ کرنے والوں اور طہارت رکھنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ پھر حضرت فضیل عیاضؒ کے توبہ کے اسباب پر بات نکل آئی۔ حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ خواجہ فضیل عیاضؒ پہلے ایک راہزن تھے جو کہ مرو اور یاورد کی گھاٹیوں میں لوٹ مار کرتے تھے۔ اور ساتھ ساتھ ہمیشہ ہاتھ میں تسبیح رکھے رہتے تھے۔ اور جس کا مال لوٹتے اس کو اتنا چاندی یا روپیہ ضرور دے دیتے تھے کہ وہ آرام سے گھر پہنچ جائے۔ ایک مرتبہ ایک قافلہ اس طرف سے گذر رہا تھا ایک شخص کے پاس کافی مال تھا اس نے سوچا کہ وہ جگہ آنے والی ہے جہاں فضیل رہزنی کرتا ہے بہتر ہے کہ اس کو کسی جگہ دفن کر دیا جائے جب وہ فتنہ ختم ہو جائے تو پھر آکر یہاں سے نکال لیں گے۔ اس جنگل میں دیکھا کہ ایک شخص خیمہ لگائے بیٹھا ہے۔ اور پلاس کا کپڑا پہنے تسبیح پڑھ رہا ہے اس نے سمجھا کہ یہ آدمی ایمان دار اور

دیانت دار معلوم ہوتا ہے۔ اس کے پاس امانت رکھ دوں تو محفوظ رہے گی۔ اس کے پاس پہنچ کر اس نے کہا کہ حضرت! اس مقام پر فضیل رہزنی کرتا ہے۔ میں اس سے ڈرتا ہوں۔ آپ دیانتدار اور بزرگ آدمی ہیں میرے اس مال کو آپ امانت رکھ دیجیے۔ قافلہ آگے بڑھا تو حسب معمول فضیل کے ساتھیوں نے قافلہ والوں کو لوٹ لیا اور مال تقسیم کرنے کے لیے اپنے سردار فضیل کے پاس آئے۔ اس آدمی نے وہاں پر پہنچ کر دیکھا کہ یہ تو وہی بزرگ ہیں جن کو اس نے اپنا مال امانت رکھنے کے لیے دیا تھا۔ اور وہی ڈاکوؤں کے سردار بھی ہیں جن کے سامنے مال تقسیم ہو رہا ہے۔ اس نے اپنے مال سے ہاتھ دھولیا اور کنارے کھڑا ہو گیا۔ خواجہ فضیل نے اس کو بلایا اور کہا کہ تمہارا مال اس جگہ دفن ہے تم اسے لے جاؤ۔ وہ حیران رہ گیا اور اپنا مال لے لیا۔ جاتے وقت اس نے ڈاکوؤں کے سردار فضیل سے پوچھا کہ آپ تو نماز، روزہ اور تسبیح پڑھتے رہتے ہیں پھر یہ کام کیوں کرتے ہیں اس نے جواب دیا کہ دوست کو رنجیدہ کرنے کے ساتھ ساتھ کچھ صلح اور دوستی کی بات بھی کرتا رہتا ہوں۔ پھر یہ آیت پڑھی خلطوا عملاً صالحاً و آخر سیئاً

خواجہ فضیل کے توبہ کرنے کا سبب اسی طرح بیان کیا جاتا ہے کہ ایک قافلہ ادھر سے گذر رہا تھا قافلہ کے سردار نے کہا کہ فضیل ڈاکو خدا ترس بھی ہے ایک خوش الحان قاری لاؤ وہ اونٹ کے اوپر بیٹھ کر قرآن مجید کی پاکیزہ آیات پڑھتا رہے۔ جب فضیل کلام اللہ سنے گا تو اس کی لذت اور ذوق میں کھو جائے گا اور ہم لوگوں کا پیچھا نہیں کرے گا۔ چنانچہ لوگوں نے ایسا ہی کیا ایک خوش الحان قاری اونٹ کی پیٹھ پر بیٹھ کر یہ آیت پڑھنے لگا الم یان للذین آمنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللہ۔ اس آیت کو سنتے ہی فضیل چلا اٹھے "میں حاضر ہوا میرے پروردگار" اور پھر تمام ساتھیوں کو پیچھے چھوڑ کر جنگل کا راستہ لیا۔ میر قافلہ اپنے قافلہ والوں کے ساتھ جب اس غار کے پاس پہنچا تو ساتھیوں کو اس نے کہا جلدی نکل چلو یہ گھاٹی فضیل کی ہے۔ فضیل نے یہ بات سن کر کہا کہ اب تم لوگ بے فکر ہو کر جاؤ جتنا تم لوگ فضیل سے بھاگتے تھے آج فضیل تم سے بھاگتا ہے۔ اور پھر جس جس کا مال اس نے لیا تھا سب کا نام اور اس کے شہر کا پتا لکھا ہوا تھا ہر ایک کے گھر جا جا کر اس نے ان کا مال لوٹایا اور معافی چاہی۔ اسی طرح ایک یہودی کا بھی انہوں نے لیا تھا اس کا مال لوٹانے کے لیے اور معافی مانگنے کے لیے اس کے پاس پہنچے تو اس نے معاف کرنے سے انکار کیا اور کہا کہ میں اس وقت تک معاف نہیں کروں گا جب تک آپ میرے باغ کی ایک کیاری کو ٹھیک نہ کر

کر دیں گے۔ وہ کیاری اتنی بڑی تھی کہ اگر متواتر کئی ماہ تک اس کو کھودتا رہے گا تب بھی ہموار ہونا مشکل تھا۔ انہوں نے اس سے پھاوڑا اور ٹوکری لیا اور اس کیاری کے کنارے بیٹھ گئے پھاوڑا اور ٹوکری کیاری پر رکھ دیا اور خود نماز میں مشغول ہو گئے۔ پھاوڑا خود سے چلنے لگا اور مٹی ٹوکری میں خود بخود بھر جاتی اور وہ ٹوکری خود سے مٹی دوسری جگہ پھینک دیتی اور واپس آجاتی۔ اسی طرح کام ہوتا رہا اور وہ کام بہت جلد مکمل ہو گیا۔ وہ یہودی یہ سب کرامات کو دیکھ رہا تھا کام مکمل ہونے کے بعد اس نے ان سے کہا کہ میرے سرہانے میں سونے کا ایک ڈھیلا رکھا ہوا ہے لے آؤ۔ وہ جا کر اٹھا لائے۔ یہودی نے کہا کہ میں یہ آپ کے ہاتھ سے اس وقت لوں گا جب آپ مجھ سے اپنے مذہب اور دین کا حال بتائیں گے انہوں نے بتایا کہ میں مسلمان ہوں۔ وہ یہودی فوراً مسلمان ہو گیا۔ پھر اس نے کہا کہ ہماری دینی کتاب میں آیا ہے دین محمدی رکھنے والا یعنی مسلمان اگر صدق دل سے توبہ کر لیتا ہے تو پھر وہ پتھر کو چھوتا ہے تو وہ سونا ہو جاتا ہے۔ میں اس وقت آپ کا امتحان لے رہا تھا کہ آپ نے صدق دل سے توبہ کی ہے یا نہیں اور اسلام میں یہ فضیلت ہے یا نہیں۔ کیونکہ میں نے اپنے سرہانے ایک پتھر رکھ دیا تھا آپ کے ہاتھ لگانے سے وہ سونا ہو گیا۔ اس لیے اب مجھے یقین ہو گیا کہ آپ نے صدق دل سے توبہ کی ہے اور محمد کا دین برحق ہے۔ اس کے بعد حضرت خواجہ فضیل عبادت الٰہی میں اتنا مشغول ہوئے کہ کسی نے خضر علیہ السلام سے پوچھا کہ آپ کی غذا کیا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ چھ ماہ کے بعد فضیل ایک مرتبہ مجھ سے ملاقات کر لیتے ہیں بس وہی ملاقات میرے لیے چھ ماہ تک غذا کا کام دیتی ہے۔ اس کے بعد اپنی دو غزلیں حضرت مخدومؒ نے خاکسار کو عنایت فرمائیں:-

"غزل"

بس از دہرے جمال یار دیدم	رخ زیبائے آں دلدار دیدم
شبے باماہ روئے خوش غنودم	دو چشم بخت خود بیدار دیدم
خوشی و خرمی افزود دولت	غم و اندوہ را از یار دیدم
بزیر سایۂ سروے نشستم	نہال آسودگی بربار دیدم
بساط کامرانی را گزیدم	دگر با تو لفاف خار دیدم

بہر پائے درِ فرحت کشادہ درون خانہ خمار دیدم
محمد دیر باز از دیر دورے دیار و دیر را دمار دیدم

"غزل"

کمند جعد او دام ہوائی است دو گوشہ ابرواں کنج بلائے است
رُخ تابانش شمع مہر افروز لب خندانش چوں میخانہ جلائے است
کنار غرق دریائے محبت نشستہ درد و غم چوں آشنائے است
چہ پندم می دہی اے خواجہ زاہد بروئے خوب ما را ابتدائے است
نظر کردن بہ خوباں دین سعدی است محمد اہل دل را مقتدائے است
ہر آں زاہد کہ زہدش کرد مغرور چہ گویم یعلم اللہ ژاژ خائے است

روز سہ شنبہ ۲۷ ذی قعدہ سنہ ۸۰۲ھ

دین و دنیا دونوں کی نعمت و لذت سے فائز ہونے والے کی فضیلت کا ذکر

چاشت کے وقت اس شخص کی فضیلت کے بارے میں ذکر نکل آیا جس کو دین و دنیا دونوں کی نعمت اور لذت حاصل ہو حضرت مخدوم نے فرمایا کہ اس سے بڑھ کر کون سی سعادت اور دولت ہو گی کہ اللہ تعالیٰ کسی کو دین و دنیا دونوں میں سرفرازی عطا کرے۔ ایسا شخص اللہ کا مقبول بندہ ہے۔ اور یہ بات محال اور مشکل نہیں ہے اللہ تعالیٰ جس کو دنیا دیتا ہے اور دنیا کے ساتھ اس کو پاک نفس اور خدا کی طرف توجہ رکھنے والا دل عطا کرتا ہے تو پھر اس کو دین کی کامرانی بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ خواہشات نفسانی اور ہوس سے باز رہنا ہر انسان کے ظرف اور حالات پر منحصر ہے ایک فقیر جس کو کچھ نہیں ہے اور افلاس مجسم ہے اگر وہ کسی چیز کی ہوس اور خواہش کرتا ہے تو ظاہر ہے اس کو ناکامی حاصل ہو گی اور اس کو دیوار سے سر ٹکرانے کے علاوہ اور کچھ چارہ کار نہ ہو گا۔ کسی چیز سے باز رہنا اور اپنے نفس پر قابو رکھنا اس کو کہتے ہیں کہ پوری طاقت اور صلاحیت کے باوجود محض خدا اور اس کے رسول کے حکم کی بجا آوری

اور اتباع میں اپنے خواہشات کو روکے اور اس پر غلبہ حاصل کرے۔ اس طرح اللہ کے واسطے ترک ہوا و ہوس میں بے شک بڑی فضیلت ہے۔ کیونکہ فقیر کا باز رہنا اور ترک ہوس کرنا تو جبری ہے اختیاری نہیں ہے پھر اس کی کیا فضیلت ہو سکتی ہے۔ اس کے بعد حضرت مخدوم نے یہ قصہ بیان فرمایا کہ ایک بادشاہ نے ایک روز جب کہ وہ اپنے تخت پر جلوہ افروز تھا۔ آسماں کی طرف دیکھ کر سر اور ہاتھ ہلایا۔ اور پھر بڑی حسرت سے اس نے اپنی بیوی کی طرف دیکھ کر ہاتھ ہلایا۔ آخر میں اس نے باچشم تر اپنے تخت کو دیکھا۔ اس کی بیوی نے اس کی ان حرکتوں کا سبب پوچھا تو اس نے کہا کہ آسمان کی طرف جو میں نے نظر کی تو وہاں لوح محفوظ پر اپنی موت کو بہت جلد ہی لکھا پایا۔ اور اسی لیے حسرت سے میں نے ہاتھ ہلایا۔ پھر میرے دل میں یہ بات آئی کہ ذرا اپنی بیوی کے بارے میں بھی دیکھوں کہ وہ میرے ہی نام پر رہ جائے گی یا میرے مرنے کے بعد کسی اور سے شادی کرے گی تو دیکھا کہ وہ میرے بعد کسی اور سے شادی کرلے گی۔ پھر مجھے تجسّس پیدا ہوا کہ دیکھوں میری موت کے بعد میری سلطنت کا مالک اور وارث کون ہوگا اور میری بیوی سے کون شادی کرے گا۔ تو دیکھا کہ میرے تخت و تاج کا وارث وہ حبشی ہوگا جو شاہی اصطبل میں گھوڑوں کی لید صاف کرتا ہے اور میری بیوی سے عقد بھی کرے گا۔ یہ معلوم کرکے میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس کے بعد اس بادشاہ نے اس حبشی کو بلا کر غسل کرایا بہتر خلعت اور خطابات سے نوازا اور ایک صوبہ کا گورنر بنا کر سپاہ و لشکر کے ساتھ اس کو وہاں روانہ کر دیا۔ اس جگہ اس حبشی نے بہت صلاحیت اور خوش اسلوبی سے معاملات سرانجام دیے۔ خلق خدا کے ساتھ مہربانی اور بخشش و عطا سے پیش آیا۔ عوام میں مقبولیت اس کی بہت زیادہ ہو گئی اور تمام لوگ اس کے گرویدہ ہو گئے۔ بادشاہ کی بیوی نے اس سے پوچھا کہ یہ آپ نے کیا کیا اس نے کہا وہی جو لوح محفوظ میں لکھا تھا۔ کچھ دنوں کے بعد بادشاہ کا انتقال ہو گیا۔ لوگوں نے اس حبشی کو اس کی جگہ بادشاہ بنایا۔ بادشاہ بننے کے بعد اس نے سابق بادشاہ کی بیوی سے عقد کر لیا۔ اور اچھی طرح نظم سلطنت چلانے لگا۔

سلطان شمس الدین اور ایک کنیز

اسی طرح کا ایک اور قصہ حضرت مخدوم نے بیان فرمایا کہ سلطان شمس الدین سام کی ایک ترکی النسل کنیز تھی جسے وہ بہت مانتا اور محبت کرتا تھا۔ ایک مرتبہ اس کی طبیعت اس کی طرف مائل ہوئی اور اس سے ہم بستر ہونا چاہا۔ یکایک اس کو خون جاری ہو گیا اور وہ قربت کے لائق

نہ رہی - عورتوں کا ماہانہ عذر سمجھ کر وہ رک گیا - پھر اس کے بارے میں خواص سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ خون تو اس کا اسی روز رک گیا تھا - بادشاہ نے پھر اس کو طلب کیا - جیسے ہی وہ قربت حاصل کرنے پر آمادہ ہوا اس کو خون پھر جاری ہو گیا - کئی بار اسی طرح واقعہ پیش آیا - وہ بڑا حیران ہوا کہ آخر یہ کس طرح کا مرض ہے - تمام اطبا کو اس نے جمع کر کے علاج کرنے کا حکم دیا - اطبا نے باہمی مشورے کے بعد بصد ادب عرض کیا کہ جہاں پناہ! اگر کوئی مرض ہو تو ہم علاج کریں لیکن امر غیب اور مشیت ایزدی کے سامنے کسی کا کیا چارہ ہے اس لیے اس بارے میں کسی صاحب دل بزرگ کی طرف رجوع کرنا چاہیے - حضرت خواجہ ذکی سختبان گر اس وقت لاہور میں موجود تھے - بادشاہ نے ان کی خدمت میں اپنا خاص آدمی بھیجا - وہ تھوڑی دیر تک مراقبہ میں رہے پھر فرمایا کہ سلطان شمس الدین ایک خدا ترس اور نیک بادشاہ ہے اور اس کا شمار اللہ کے دوستوں میں ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے نہیں پسند کیا کہ اس سے کوئی فحش اور گندی حرکت وقوع پذیر ہو - میرا گمان ہے کہ وہ عورت سلطان کی حقیقی بہن ہے اس کو تحقیق کیا جائے - بادشاہ کو جب یہ حال معلوم ہوا تو اس نے فوراً اس کنیز کو طلب کیا اور اس کے شہر اور ماں باپ کا حال دریافت کیا - اس نے جب تفصیل بتائی تو پتا چلا کہ واقعی وہ سلطان کی حقیقی بہن تھی -

پھر حضرت مخدوم نے فرمایا کہ راوت غلام شمسی تھا - عماد الملک اسی کے زمانے میں تھے اندرون دہلی پرانی عمارت کو کھود رہا تھا - ایک جگہ وہ لیٹا ہوا تھا دیکھا کہ ایک غلیواز زندہ سانپ منہ میں لیے چلا آ رہا ہے - اور جہاں پر مزدور کام کر رہے تھے گھوم رہا ہے - اس نے ان مزدوروں میں سے ایک کو بلا کر کچھ پیسے مزدوری کے دیے اور گھر جانے کے لیے کہا - جیسے ہی وہ مزدوروں کے مجمع میں سے نکل کر گھر کی طرف روانہ ہوا - وہ غلیواز بھی اس کے برابر پہنچ گیا اور وہ زندہ سانپ اس پر پھینک دیا - سانپ نے اس کو کاٹ لیا اور وہ فوراً مر گیا - اس کی ماں روتی ہوئی اس کے پاس پہنچی اور فریاد کرنے لگی کہ آپ نے میرے لڑکے کو اس مجمع سے کیوں باہر کیا - نہ وہ علیحدہ ہوتا نہ اسے سانپ کاٹتا - اس نے کہا میں جانتا تھا کہ وہ غلیواز سانپ تیرے ہی لڑکے کے لیے لایا ہے - اس لیے اگر وہ اس جگہ پھینکتا تو میری مسجد بدنام ہوتی - اس کے بارے میں حضرت مخدوم نے فرمایا کہ وہ ہر شب جمعہ کو خود بوڑھی عورتوں اور فقرا کے گھر جاتا اور چاندی تنکہ اور شیرینی ان کے سامنے رکھ کر ان کے قدموں پر گر کر عرض کرتا کہ مجھے

آپ لوگ اپنا غلام سمجھیں۔

روز جمعہ ۲۹ر ذی قعدہ ۸۰۲ھ

اعمال صالح اور اس کی برکت اور تاثیر کے بارے میں

جمعہ کی نماز کے بعد اعمال صالح اور اس کی برکت اور تاثیر کے بارے میں ذکر نکل آیا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلعم اپنے اصحاب کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ حضور صلعم کوئی قصہ ہم لوگوں کی نصیحت کے لیے بیان فرمائیں۔

تین مسافروں کا قصہ

رسول اللہ صلعم نے بیان فرمایا کہ تین مسافر ایک ساتھ سفر کر رہے تھے۔ زوروں کی بارش آگئی۔ ان لوگوں نے بارش سے بچنے کے لیے پہاڑ کے ایک غار میں پناہ لی۔ یکایک کئی ہزار من کا ایک پتھر لڑھکتا ہوا اس غار کے منہ کے پاس آکر رک گیا اور اس غار کا منہ بند ہوگیا۔ ان لوگوں کو اپنے مرنے کا یقین ہوگیا ان لوگوں نے اپنے دل میں کہا کہ اب کوئی عمل صالح ہی ہم لوگوں کو اللہ تعالےٰ سے سفارش کر کے اس مصیبت اور ہلاکت سے نجات دلاسکتا ہے۔ ان میں سے ایک نے اپنے عمل صالح کا ذکر اس طرح کیا کہ میرے باپ ماں بہت ضعیف ہوگئے تھے۔ میں ان لوگوں کی خدمت اور دل جوئی میں لگا رہتا تھا۔ ان لوگوں کو کھلا کر میں کھاتا اور ان لوگوں کو پہنا کر میں پہنتا تھا یہاں تک کہ اپنے بچوں کو دودھ دینے سے پہلے بھی ان لوگوں کو دودھ پیش کرتا۔ یکایک ایک رات کو میری ماں نے نیند سے بیدار ہوکر مجھ سے پانی مانگا۔ پانی کا پیالہ لے کر میں جلدی سے حاضر ہوا لیکن پانی لاتے لاتے ان کو نیند آگئی تھی۔ میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ اگر میں پانی کا پیالہ واپس لے جاتا ہوں تو ممکن ہے وہ پھر بیدار ہوکر پانی کی طلبگار ہوں اور پانی موجود نہ ہو تو ان کو تکلیف ہوگی۔ اس لیے پانی لے کر اسی طرح سرہانے کھڑا رہا۔ ہوا بہت سرد تھی۔ پانی کا پیالہ میرے ہاتھ پر جم گیا اور میرا ہاتھ سردی سے شل ہو گیا۔ اتنا بیان کرنے کے بعد اس نے کہا کہ خداوندا! اگر میرا یہ کام عمل صالح میں شمار ہونے کے لائق ہے اور میں نے یہ تیری رضا کے لیے کیا ہو تو اس کے طفیل میں مجھ کو

اس بلا اور مصیبت سے نجات دے۔ وہ پتھر تھوڑا سا اپنی جگہ سے کھسک گیا اور کچھ شگاف ہوگیا۔ پھر دوسرے نے بیان شروع کیا کہ میرے گھر میں ایک بکری نے بچہ دیا۔ ہمارے قبیلہ میں گھر میں بکری کا بچہ دینا نحس سمجھا جاتا ہے۔ اور اس کو فوراً ذبح کر کے کھا جاتے ہیں۔ میں اسے ذبح ہی کرنا چاہتا تھا کہ ایک فقیر نے ہم سے سوال کیا۔ میرے پاس اور کوئی چیز نہ تھی میں نے وہی بچہ اس کو دے دیا۔ فقیر نے اس کو مجھ سے لے کر میرے ہی دروازہ پر یہ کہہ کر چھوڑ دیا کہ ابھی دوسرے گھروں سے بھیک مانگ کر لوٹتا ہوں تو لے جاتا ہوں لیکن وہ گیا تو پھر واپس نہ ہوا۔ وہ بکری کا بچہ بڑا ہوگیا۔ اور اس کے بھی بچے ہوئے یہاں تک کہ بکری کا ایک ریوڑ ہی تیار ہوگیا۔ بہت دنوں کے بعد وہ فقیر واپس آیا اور کہنے لگا کہ ایک دن اس قبیلہ میں میری ملاقات ایک شخص سے ہوئی تھی اور اس نے مجھ کو ایک بکری کا بچہ دیا تھا۔ میں وہ بچہ اسی کے دروازہ پر چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ شاید وہ آدمی تم ہی ہو۔ میں نے کہا ہاں، میں ہی وہ آدمی ہوں جس نے تم کو بکری کا بچہ دیا تھا۔ اس فقیر نے کہا کہ اب وہ بکری کا بچہ تو رہا نہیں ہوگا۔ اس کی قیمت ہی مجھ کو دے دو۔ میں نے کہا تمہارے اس بچہ سے بکری کا ایک ریوڑ ہوگیا ہے تم سب کا سب لے جاؤ۔ اس فقیر نے سمجھا کہ میں مذاق کر رہا ہوں۔ اس نے کہا کہ بھئی مجھ سے مذاق کیوں کرتے ہو۔ میں نے کہا خدا کی قسم میں تم سے مذاق نہیں کر رہا ہوں بلکہ صحیح کہہ رہا ہوں۔ پھر تمام بکریاں اس کے حوالہ کر دیں اور وہ لے کر چلا گیا۔ اے خداوند کریم! اگر یہ عمل صالح میں نے تیری رضا اور خوشنودی کے لیے کیا ہو تو اس کے صدقہ میں مجھ کو اس مصیبت سے نکال دے۔ وہ چٹان کچھ اور سرک گئی اور شگاف کچھ کشادہ پیدا ہوگیا۔ پھر تیسرے نے کہنا شروع کیا کہ ایک سال بہت سخت قحط پڑا اور میرے قبیلہ میں سوائے میرے کسی کے پاس غلہ نہ تھا۔ قرض یا منت و سماجت سے جو بھی غلہ لینا چاہتا مجھ ہی سے لے سکتا تھا۔ میرے قبیلہ میں ایک عورت غائت حسین و جمیل اور خوبرو تھی اور میری طبیعت اس پر عرصہ سے آئی ہوئی تھی وہ غلہ مانگنے کے لیے میرے پاس آئی میں نے اس سے کہا کہ اگر تو مجھ پر نگاہ کرم کر دے اور میرے دل کی آرزو پوری کر دے تو میں غلہ تجھ کو دینے کو تیار ہوں۔ اس نے کہا میں اپنے خدا سے ڈرتی ہوں اور اپنے شوہر کے ساتھ خیانت نہیں کر سکتی۔ یہ کہہ کر وہ چلی گئی میں نے بھی اس کو غلہ نہ دیا۔ اس طرح دو تین روز گزر گئے وہ آتی اور میرا سوال سن کر

انکار کر کے بغیر غلہ لیے چلی جاتی ۔ تیسرے روز اس کے شوہر نے اس کو پھر بھیجا اور کہا کہ ہر قیمت پر اور جس طرح بھی ہو غلہ لے کر آ ورنہ ہم سب مر جائیں گے ۔ وہ تیسرے روز پھر آئی اور اس نے غلہ مانگا میں نے پھر اس سے اپنی مانگ پیش کر دی ۔ اس نے منظور کر لیا ۔ میں خود ننگا ہوا اور اس کو بھی ننگا کر کے قربت حاصل کرنا چاہتا تھا کہ دیکھا وہ تھر تھر بید کی مانند کانپ رہی ہے اور اس کی حالت متغیر ہو رہی ہے ۔ میں نے گھبرا کر اور خوف زدہ ہو کر پوچھا یہ تجھے کیا ہو گیا اس نے جواب دیا کہ میرے بدبخت شوہر نے اس بُرے کام کی اجازت تو دے دی ہے لیکن میرا خدا تو دیکھ رہا ہے میں اس سے خوف زدہ ہوں خدا جانے مجھ پر اس کا کون سا عتاب نازل ہو ۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ عورت اللہ سے اتنا ڈرتی اور شرم کرتی ہے اور میں کس طرح کا مرد ہوں کہ اس عورت کے برابر بھی مجھ میں شرم اور خوف خدا موجود نہیں ۔ میں نادم اور شرمسار ہو کر فوراً اس حرکت سے باز آیا ۔ خود بھی کپڑا پہنا اور اس کو بھی پہنایا اور اسے اپنی بہن بنا لیا ۔ اس سے معافی مانگی اور جتنے غلہ کی اس کو ضرورت تھی میں نے فوراً دیا ۔ اے اللہ ! اگر یہ عمل صالح تیری رضا جوئی کے لیے میں نے کیا ہو تو اس کے طفیل میں مجھ کو اس آفت سے بچا لے ۔ چٹان پورا سرک گیا اور غار کا منہ کھل گیا اور تینوں صحیح سلامت اس سے باہر نکل آئے ۔

سچائی کی وجہ سے اس کا مال بچ گیا

حضرت مخدوم نے ایک اور قصہ بیان فرمایا کہ ایک شخص کو کسی رہزن بدوی نے پکڑا اور پوچھا کہ تیرے پاس مال ہے اس نے کہا ہاں ہے ۔ اس نے پوچھا کتنا ؟ اس نے جواب دیا پانچ سو درہم ۔ اس بدوی نے اس کی تلاشی لی تو واقعی پانچ سو درہم نکلا ۔ بدوی نے اس کو یہ کہہ کر چھوڑ دیا کہ تم سچے آدمی ہو اس لیے تمہارا مال نہیں لوں گا ۔

حضرت حسن بصریؒ اور حبیب عجمیؒ کا قصہ

حضرت مخدومؒ نے ایک اور قصہ بیان فرمایا کہ ایک مرتبہ حجاج کے سپاہیوں کے خوف سے حضرت حسن بصریؒ بھاگ کر حضرت حبیب عجمیؒ کے گھر میں چھپ گئے ۔ حجاج کے لوگ ان کا پیچھا کرتے حضرت حبیب عجمیؒ کے گھر تک آ گئے اور پوچھا کہ یہاں حضرت حسن بصریؒ بھاگ کر آئے ہیں ۔ حضرت حبیب عجمیؒ نے کہا ہاں آئے ہیں اس کوٹھڑی میں چھپے ہوئے ہیں ۔ حجاج کے آدمیوں نے سوچا کہ اگر وہ یہاں ہوتے تو ہرگز یہ نہ بتاتے اس لیے

یہ مذاق کر رہے ہیں اور ہم لوگوں کو بے وقوف بنا رہے ہیں۔ وہ یہاں نہیں ہیں۔ واپس ہو گئے۔ ان کے جانے کے بعد خواجہ حسن بصریؒ باہر نکلے اور کہا اے حبیب! یہ تم نے کیا کیا تھا میرا اپنا بتا دیا۔ حضرت حبیب عجمیؒ نے فرمایا کہ اے حضرت! میں نے آپ سے سنا تھا کہ سچائی میں نجات ہے۔ میں نے سچ بتا دیا کہ آپ کی رہائی اسی میں مضمر تھی۔

خاکسار مولف جوامع الکلم عرض کرتا ہے کہ یہ ملفوظات اٹھارہویں مجلس تک حضرت مخدومؒ نے تاریخ مذکور تک ایک ایک حرف کر کے معنی، لفظ، ترکیب، ترتیب، سیاق و سباق ہر نوع مطالعہ فرما کر تصحیح فرمایا ہے۔ اور ہر جز کو تصحیح کے بعد خاکسار کو عطا فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ یہ ملفوظات تحقیق و تدقیق کے لحاظ سے بالکل اسی طرح ہے جیسے میں نے خود اپنے قلم سے لکھ کر مرتب کیا ہو۔ اس کے بعد اٹھارہویں جز کو مانگ کر تصحیح کے بعد حوالہ کیا۔ نماز جمعہ سے فراغت کے بعد جب حضرت مخدوم قیام گاہ پر واپس ہوئے تو یہ دو غزلیں عنایت فرمائیں :-

شعاع آفتاب مہر افروز	برآمد صبح گہ روشن تر از روز
فروغ شمع از پروانہ پرسند	چہ گوید جز مزید سوز بر سوز
بہ قدر ہر وجودے جامہ دوزند	بلاؤ و غم لباس ماست در دوز
مرا زاں سرو قامت روئے گلگوں	بہارے تازہ ہر بار است نوروز
سپر سینہ است دل را تیر غمزہ	چگونہ جاں رود زاں ترک فیروز
گذشتہ دی و فردا تا بیاید	بہ نقد وقت خوش می باش امروز
محمد خیرہ کردہ است دیدۂ عقل	شعاع آفتاب مہر افروز

"غزل"

مگر او از خاست از قعر چاہے	زدہ است در دمند از سینہ آہے
مگر از آشیاں وجفت دوری	نوائے قمری کہ می نالی صباحے
چو من می باش درد آشام و غمخوار	کہ من ہم زیں نمط دارم کلاہے
ترا من دوست می دارم دگر ہیچ	نہ کردم من جز ایں دیگر گناہے
چہ بر افتد ترا اے شاہ خوباں	اگر باشد گدائے نیک خواہے

اگر خوانی دگر دانی تو دانی	ندارم من جز ایں دیگر پناہے
محمد جز درش دیگر درے نیست	ندانم من جز ایں رہ ہیچ راہے
روم اکنوں کجا آوارہ اے دل	بکردہ موسفید و روسیاہے

یہ تیسری غزل جو مختلف وقت میں کہی گئی تھی۔ وہ بھی درج ذیل ہے :۔

دلبرے نیست بے تو یک پسرے	بے دلے نیست ہم چو من دگرے
ہمہ کس روئے خوب دارد دوست	اہل دل را بود دگر نظرے
نقد ما را بہ دل بہ نسیہ مکن	درد نقد است وصل در خطرے
قصہ عشق احسن القصص است	فہم ایں سر کجا کند بشرے
مادرش را ہمیں ازل نامند	مثل عیسیٰ ندارد او پدرے
عشق در اجتہاد نعمانؒ نیست	شافعیؒ را نہ شد از و خبرے
ماہ را قامت بلندی نیست	سرو را نی سرے ست نے کمرے
رو من ماہ رو بلند سر است	دلبرے نیست ہم ہم چو او دگرے

روز شنبہ ۳۰ ذی قعدہ ۸۰۲ھ

قیامت کے دن لوگوں کے صعوبت احوال کے بارے میں

چاشت کے وقت قیامت کے دن لوگوں کے صعوبت احوال کا ذکر نکل آیا۔ حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ مرنے کے بعد کوئی نبی اور ولی اللہ حساب کتاب اور بازپرس سے نہ بچ سکے گا یہاں تک کہ سرور انبیاء محمد اصفیاء حبیب اللہ کی روح سے بھی خطاب باری ہوگا کہ زید کی بیوی کے ساتھ تم کو کیسی محبت تھی؟ محمد صلعم جواب دیں گے میں نے کچھ نہیں کیا۔ جو کچھ تو نے حکم دیا میں نے کیا۔ پھر بعثت اور دعوت مردماں کے بارے میں سوال ہوگا۔ رسول اللہ صلعم متحیر ہو جائیں گے پھر حکم ہوگا اذھب فقد غفرت لک جاؤ میں نے تمہیں بخش دیا۔ اسؑ اذھب" یعنی "جاؤ" کا لفظ بتاتا ہے کہ تم حق دار تو نہ تھے لیکن میں نے بخش دیا۔ اور اگر میری رحمت اور

مہربانی شامل حال نہ ہوتی تو مغفرت مشکل تھی۔

امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں قوت القلوب میں لکھا ہے کہ وصال کے بارہ سال بعد لوگوں نے ان کو خواب میں دیکھا کہ غسل کرکے سفید کپڑا پہنے ہوئے ہیں جیسا کہ مہم سے فراغت کے بعد ان کا معمول تھا۔ لوگوں نے ان کا حال پوچھا تو جواب دیا کہ انتقال کے بارہ سال بعد آج اس وقت محاسبہ اور باز پرس سے مجھے نجات ملی ہے۔ بقول مصنف قوت القلوب جب ایسے برگزیدہ اور عادل انسان کا یہ حال ہے تو پھر دوسروں کا کیا کہنا اور پوچھنا ہے۔

حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ ہمارے خواجہ کو انتقال کے بعد لوگوں نے خواب میں دیکھا پوچھا کہ آپ پر کیا گزری اور آپ کے ساتھ اللہ نے کیسا معاملہ کیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ اگر اوائل عمر کی عبادت میرے کام نہ آتی تو میرا حال بہت خراب ہوتا اور بڑی مشکل پیش آتی خاکسار نے عرض کیا کہ تقریباً یہی حضرت جنید بغدادیؒ نے بھی فرمایا تھا کہ ضاعت تلک العبادات وفنیت تلک الارشادات وانبذت تلک العلوم وما نفعتنا الا رکعات نرکعھا وقت السحر۔ یعنی وہ تمام عبادتیں ضائع ہوگئیں، ارشادات اور نصائح فنا ہوگئے اور وہ تمام علوم و معارف ہوا میں اڑ گئے۔ مجھے کسی سے کچھ فائدہ نہ ہوا سوائے ان چند رکعات نماز کے جو میں صبح کے وقت پڑھ لیتا تھا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ہاں دونوں اقوال کا مفہوم ایک ہی ہے۔ پھر آپ نے اپنی یہ غزل پڑھی:

دلم را ابتلا شد با جوانے	زغمزہ اش ندارد کس امانے
بہ یک چشمک بہ سازد شیوہ چنداں	فرد بالا کند ہر دو جہانے
لب لعلش بہ بیں خوں نوش تر کی است	جگر خوار است ہر دم دل ستانے
صدف را در شکم و سلک لولو	لب و دندانش ستنند دُر فشانے
دلم از دست تنہائی بجاں شد	چہ گویم بلکہ افتادم بہ جانے
غیورم من و ہر جائے است یارم	کجا جویم ندارد او مکانے
ز چشم مست او غلطیدہ خلقے	برآمد ہر طرف از وے فغانے
محمد پیر گشتی توبہ کن	نظر بازی رفیق آرد نشانے

کھانا کھانے والوں کی تین قسمیں

عشاء کی نماز کے بعد حضرت مخدوم نے فرمایا کہ کھانا کھانے والوں کی تین قسم بتائی گئی ہے۔ ایک وہ جو نور کھاتا ہے۔ دوسرا وہ جو کھانا کھاتا ہے۔ تیسرا وہ جو گھاس کھاتا ہے۔ جو شخص خدا کی یاد میں عبادت کی نیت سے کچھ کھاتا ہے وہ نور کھاتا ہے۔ اور جو شخص قائم رہنے کے لیے اور اپنی حیوانی طبیعت کے مطابق کھاتا ہے وہ کھانا کھاتا ہے اور جو محض خواہش نفسانی اور حرص و ہوس میں کھاتا ہے وہ گھاس کھاتا ہے۔

روز یکشنبہ یکم ذی الحجہ ۸۰۲ھ

امام ابو حنیفہؒ کے حسب و نسب کی شرافت کے بارے میں

چاشت کے وقت امام اعظم حضرت ابو حنیفہؒ کوفی کے نسب اور شرف ذات کا ذکر نکل آیا۔ حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ امام اعظم ابو حنیفہؒ کوفی ان سادات میں سے ہیں جن کی والدہ امام اعظم سید جعفر صادقؒ کو وضو کرایا کرتی تھیں اور جو پانی وضو کا گرتا تھا اس کو جمع کر کے پی جایا کرتی تھیں۔ اس وضو کے پانی کی برکت سے اللہ تعالےٰ نے ان کو ایسا فرزند عطا فرمایا وذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاءُ۔ حضرت مخدومؒ کی دو غزلیں درج ذیل ہیں ؎

جاناں دل من پئے جوانے	در ہر خم موئے او جہانے
مقتول بسے است قاتل است کم	بر لعل لبش مرا گمانے
بر لعل لبت سیاہ خالے است	از موت و حیات ما نشانے
بر خور ز عمر سے نیک بختے	با یار عزیز یک زمانے
گر آیدم خلوتے میسّر	با ذوق و فراغت داماسے
بو الفتح مدام بادہ می نوشش	کز مستی پیر و با جوانے

"غزل"

اگر چہ پیر فرتوتے کہن ساز	محمّد با جوانے عشق می باز

کنارش گیرد در بر کردہ می دار بہشتی کردہ باحق باشں ہم راز
بدل دزدیدہ فیض آں جواں گیر بہ پنہانی حریفے کردہ دم ساز
صفت پیرے چو آہن سرد باشد بہ آتش عشق گرمش ساز بگداز
بہ دل کن ضعف پیری را بہ قوت جوانے باش سر مست و سرافراز
جوانے را بہ بر کن ایہا الشیخ کشیدہ سینہ پانہ بصد ناز
لب سینہ بہ سینہ لب بہ لب نہ بگیر از وے نفس چوں نفخ اعجاز
برہنہ کہ دپیراہن بروں کش کنار و بوسہ با یک دوئی کاز
ابو الفتحا ہمیں است عاقبت چیز ترا با بہشتیاں کہ دند انباز

روز دوشنبہ ۲ ر ذی الحجہ ۸۰۲ھ

حضرت بی بی فاطمہ زہرا رضی کی فضیلت اور عظمت کے بارے میں

عصر کی نماز کے وقت

حضرت بی بی فاطمہ زہرا کے فضائل اور عظمت کا ذکر نکل آیا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ فقیہہ ابو اللیث صاحب عرائس نے رسالہ میں لکھا ہے کہ جب رسول اللہ صلعم کا دل مضمحل اور افسردہ ہوتا اور کسی طرح شگفتہ نہ ہوتا تو آپ صلعم اپنی بینی مبارک کو حضرت فاطمہ رض کی پیشانی کے قریب لے جاتے اس سے آپ پر انبساطی کیفیت طاری ہو جاتی۔ ایک مرتبہ اس بارے میں ام المومنین حضرت عائشہ رضہ نے دریافت فرمایا تو آپ نے جواب دیا کہ معراج کی رات مجھے ایک سیب عطا ہوا تھا۔ اس سیب کو کھاتے ہی مجھ کو بڑی فرحت ہوئی اور شہوت میں بھی اضافہ ہوا تھا۔ اسی رات کو فاطمہ رض کا شکم مادر میں وجود ہوا۔ اس لیے جب بھی میں فاطمہ کی پیشانی سونگھتا ہوں اس سیب کی بو پاتا ہوں اور اس سے میرا دل شگفتہ ہو جاتا ہے۔ حضرت مخدوم نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ صاحب عرائس نے اپنے رسالہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ رسول اللہ صلعم ایک دن بھی فاطمہ رض کو دیکھے بغیر نہیں رہتے۔ تقریباً روزانہ ہی ملتے۔ ایک دن فاطمہ رض سے ملنے ان کے گھر گئے دروازہ بند تھا۔ آواز دی۔ اندر سے فاطمہ رض نے فرمایا کہ اے رسول اللہ صلعم میں برہنہ ہوں۔ کس طرح سامنے آؤں

رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ کوئی کپڑا یا کمبل بھی موجود نہیں ہے جو پہن لو۔ حضرت فاطمہؓ نے جواب دیا کہ کمبل تو ہے لیکن وہ ایسا ہے کہ اگر اس کو لپیٹ کر کھڑی ہوں تو بدن کھلا رہ جاتا ہے۔ رسول اللہ صلعم نے اپنی چادر باہر سے اندر پھینک کر دی اور فرمایا کہ کمبل کو نیچے باندھ لو پھر اس کے اوپر سے چادر لپیٹ لو۔ چنانچہ فاطمہؓ نے یہی کیا اور چادر لپیٹ کر دروازہ کھولا رسول اللہ صلعم اندر داخل ہوئے۔ حضرت فاطمہ بیٹھی ہوئی تھیں رسول اللہ صلعم نے ان سے ایک دو بات کی تو انہوں نے جواب نہیں دیا۔ خاموش بیٹھی رہیں۔ رسول اللہ صلعم نے پوچھا کہ تم میری بات کا جواب کیوں نہیں دیتیں آخر اس کا سبب کیا ہے۔ فاطمہؓ نے جواب دیا کہ میری بے ادبی معاف فرمایئے بھوک کی شدت سے بات کرنے کی طاقت باقی نہیں رہی ہے۔ رسول اللہ صلعم نے اپنا کپڑا اٹھا کر پیٹ دکھلایا جس پر پتھر بندھا ہوا تھا اور فرمایا کہ اے فاطمہ! اگر میرے پیٹ پر یہ پتھر نہ بندھا ہوتا تو میں بھی شدت گرسنگی سے بات نہ کر پاتا۔ اسی درمیان میں حضرت جبرئیل علیہ السلام وارد ہوئے اور کہا کہ اے رسول اللہ صلعم! حکم باری ہوا ہے کہ میرے حبیب کے گھر والوں نے بہت زیادہ فقر و فاقہ کی صعوبت اٹھائی ہے اب انہیں تمام روئے زمین کے خزانوں کی کنجی حوالہ کر دو۔ رسول اللہ صلعم نے جواب دیا کہ میں نہیں چاہتا ہوں کہ میرے گھر والے اور بیوی بچے دنیاوی نعمتوں سے متمتع ہوں اور کل قیامت کے دن اس کے حساب کتاب میں ماخوذ ہوں۔ جبرئیل علیہ السلام واپس چلے گئے پھر دوبارہ آکر فرمایا کہ اے رسول اللہ صلعم! اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ آپ کے اہل و عیال سے اس دولت کا کوئی محاسبہ اور بازپرس نہ ہو گا آپ قبول کر لیں۔ رسول اللہ صلعم نے اس بارے میں حضرت ابوبکرؓ سے مشورہ کیا انہوں نے کہا کہ اے رسول اللہ صلعم! اگر بے حساب اور بازپرس کے بغیر دولت مل رہی ہے اور آپ کے اہل و عیال تنگی میں ہیں تو قبول کر لیجیے۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا یا ابن قحافہ انّی ارید ان اجوع یوماً و اشبع یوماً فاذا جعت تضرعت و اذا شبعت شکرت۔ یعنی اے ابو قحافہ کے بیٹے! میں چاہتا ہوں کہ ایک روز بھوکا رہوں اور ایک روز کھاؤں تاکہ جب بھوکا رہوں تو اپنے اللہ کے حضور تضرع و زاری کروں اور جب کھا کر آسودہ ہوں تو اس کا شکر ادا کروں۔

اسی رسالہ عرائس میں لکھا ہے کہ نفاس کی وجہ سے فاطمہؓ کی کوئی اور کسی وقت کی نماز قضا نہ ہوئی۔ ولادت کے فوراً بعد وہ اٹھ کر وضو کرتیں اور نماز پڑھتیں نفاس کی کمی کی کوئی حد

نہ تھی۔ اس کے علاوہ عورتوں کی اور بلا اور کمزوریوں سے بھی وہ محفوظ تھیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت فاطمہؓ کی رحلت کا وقت جب قریب آگیا تو آپ نے وصیت کی کہ مجھ کو علیؓ غسل دیں ان کے علاوہ کسی کا ہاتھ میرے جسم سے مس نہ کرے۔ اور میرے جنازہ کو حسنؓ اور حسینؓ اٹھائیں اور میری تجہیز و تکفین اور جنازہ کو لے جانے کا کام رات کو ہو تاکہ میرے جنازے کی طرف کسی کی نظر نہ پڑے۔ اور جس جگہ مجھ کو دفن کریں وہاں اس کے متصل سات دوسری تربت بنادی جائے۔ یہ سات تربت آج بھی وہاں پر موجود ہے۔ کوئی شخص یقین کے ساتھ نہیں بتا سکتا کہ فی الحقیقت فاطمہؓ کی تربت ان میں کون ہے۔ اس لیے ساتوں تربت کی لوگ زیارت کرتے ہیں کہ ان میں سے کوئی تو ہوگی جس کی زیارت نصیب ہوگی۔

بیان کیا جاتا ہے کہ فاطمہؓ رسول اللہ صلعم سے بہت زیادہ مشابہت رکھتی تھیں جب وہ چلتیں تو ہر شخص کو ان پر رسول اللہ صلعم کا گمان ہوتا۔ کہ وہی آرہے ہیں۔ اس موقع پر ایک سید زادے نے حضرت مخدومؒ سے سوال کیا کہ ....

.... ایسا کہا جاتا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے رسول اللہ صلعم کے پاس آکر کہا تھا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ ہم نے فاطمہؓ کو علیؓ کو عطا فرمایا۔ تو جب علیؓ اور فاطمہؓ کا عقد نکاح عالم ملکوت میں ہوگیا تھا تو پھر دوبارہ نکاح کی کیا ضرورت تھی حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ جبرئیل علیہ السلام نے جو خبر دی تھی وہ تقدیر اور اخبار لوح محفوظ کے حکم سے تھا۔ اور رسول اللہ صلعم نے جو ان دونوں کا نکاح کیا وہ دین کے مطابق شرائط اور رعایت کے ساتھ اس تقدیر کا ظہور اور اس حکم کا نفاذ تھا۔

نفس امّارہ و لوّامہ و مطمئنہ کے بارے میں

کچھ دیر نفس امّارہ اور لوّامہ و مطمئنہ کا ذکر نکل آیا۔ حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ نفس ایک دوسرے سے مختلف نہیں ہے۔ تمام نفوس ایک ہی جیسے ہیں لیکن مختلف حالات اور جداگانہ صفات کی بنا پر ان کے نام اور صفات مختلف ہوجاتے ہیں۔ پیدائشی طور پر تمام نفوس کی اصل اور ابتدا امارہ ہی ہے۔ لیکن مجاہدہ، ریاضت اور تصفیہ قلبی کے بعد امّارہ، لوّامہ ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد مطمئنہ ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ صلعم نے ایک موقع پر فرمایا کہ میرا نفس جبلّی طور پر مطمئنہ ہے۔ مجھ کو جب بھی کوئی یاد کرے گا تو نیکی اور اچھائی سے۔ یوسف علیہ السلام کا یہ قول وما ابرئ نفسی بتاتا ہے کہ ان کا نفس امّارہ نہیں ہے

بلکہ براہ راست نفس مطمئنہ ہے۔ اسی طرح یہ کلام قدسی یا داؤد عاد نفسک ای نفسک الامارۃ بالنظر الی اھل الخلقۃ قبل المجاھدۃ والتصفیۃ۔ بھی اسی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اس موقع پر حاضرین میں سے ایک نے سوال کیا کہ کیا ان سبھوں کا نفس مطمئنہ ہے؟ حضرت مخدوم نے فرمایا ہاں۔ سائل نے پھر پوچھا کہ ذلت اور لغزش ان لوگوں سے کس طرح ہوتی ہے۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ انبیاء کی لغزش اور ذلت کا منبع اور منشا قہر الٰہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا ہے کہ کوئی شخص اس کے حضور سربلند کر کے آئے۔ سب کو وہ منکسر، شرمندہ اور سر جھکائے ہوئے دیکھنا چاہتا ہے اس بنا پر چونکہ ان کا نفس مطمئنہ ہے اس لیے اپنے قہر سے ان لوگوں میں ذلت پیدا کرتا ہے تاکہ وہ منکسر مزاج، متوجہ الی اللہ، متفرع، ملتجی اور خوف و امید کی حالت میں رہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام ذلت سے پہلے اللھم لا تغفر الخاطئین۔ یعنی اے اللہ گنہ گاروں کو نہ بخش کہا کرتے تھے لیکن جب ان کو ذلت نصیب ہوئی تو پھر اللھم اغفر المذنبین لعلّی اکون فیھم۔ یعنی اے اللہ گنہ گاروں کو بخش دے شاید کہ میں بھی ان ہی میں بخش دیا جاؤں کہنے لگے۔ پھر اللہ تعالےٰ نے فرمایا جاءت الذلۃ مبارکۃ علیک یا داؤد۔ یعنی اے داؤد! تمہارے لیے ذلت مبارک ثابت ہوئی۔ داؤد علیہ السلام نے کہا خداوندا! ذلت مبارک کس طرح ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالےٰ کا جواب تھا تجئ من قبل مجی المطیعین والان تجئ مجی المذنبین یعنی پہلے تم سربلند کر کے اور سینہ تان کر میرے حضور آتے تھے اور اب سر جھکا کر مرجھائے ہوئے شکستہ دل حاضر ہوتے ہو۔

حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ دنیا میں آنے کا اس کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کا ذکر نکل آیا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو جنت سے دنیا میں بھیجا تو سب سے پہلے وہ کوہ سراندیپ پر اترے اور ان کا سر آسمان کو چھوتا تھا۔ فرشتے سب جو ان کا تخت سر پر اٹھائے پھرتے تھے اللہ تعالےٰ کے حضور فریادی ہوئے کہ اے خداوند کریم! ہم لوگ آدم کی برائیوں کی بُو سے سخت اذیت اور پریشانی محسوس کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے قد کو چھوٹا کر کے ستر گز کا کر دیا کچھ دن گزرنے کے بعد ایک عجیب طرح کی تکلیف دہ سوزش انہوں نے اپنے پیٹ میں محسوس کی۔ جبرئیل علیہ السلام سے پوچھنے پر انہیں معلوم ہوا کہ یہ بھوک کی آگ ہے جبرئیل علیہ السلام

سے پوچھنے پر انہیں معلوم ہوا کہ یہ بھوک کی آگ ہے جبرئیل علیہ السلام نے بہشت سے سات دانہ گندم کا لاکر ان کو دیا جو کہ ہر ایک دانہ سو درم سنگ کے وزن کا تھا۔ آدم علیہ السلام نے پوچھا کیا ان دانوں کو کھالوں؟ جبرئیل علیہ السلام نے کہا نہیں۔ بلکہ ان کو بو دو۔ آدم علیہ السلام نے پوچھا یہ کس طرح کروں۔ جبرئیل علیہ السلام نے ان کو لال رنگ کا ایک خچر، ڈوری، لوہا اور لکڑی لادی اور ان کو خچر کے کاندھے پر رکھ کر ہانکنا بتا دیا۔ آدم علیہ السلام نے ان سات دانوں کو جبرئیل علیہ السلام کی ہدایت کے مطابق بو دیا۔ کچھ دیر بعد وہ دانہ نکل کر پک گیا۔ آدم علیہ السلام نے پھر پوچھا کیا ان کو کھاؤں؟ جبرئیل علیہ السلام نے کہا نہیں پہلے ان دانوں کو کاٹ کر لاؤ۔ پھر ان کو پیسو۔ آدم علیہ السلام نے کہا کس طرح پیسوں۔ جبرئیل علیہ السلام جا کر دو پتھر لے آئے۔ اور اس سے پیس کر دکھلا دیا۔ آدم علیہ السلام نے ان دانوں کو دھویا اور پیسا۔ پھر پوچھا اب کھاؤں؟ جبرئیل علیہ السلام نے کہا نہیں۔ پہلے پکالو۔ آدم علیہ السلام نے پوچھا کہ پکاؤں کس طرح؟ جبرئیل علیہ السلام اس پر جہنم سے آگ لے آئے آدم علیہ السلام نے اس آگ کو ہاتھ میں لیا تو ہاتھ جل گیا۔ جلدی سے اسے پھینک کر دریا میں کود گئے اور وہاں سے سات غوطہ لگا کر باہر نکلے۔ آٹے کو گوندھا روٹی پکائی۔ جیسا کہ کہتے ہیں "خبز خبزۃ ملسنۃ" یہ اسی طرح کی روٹی تھی جیسا کہ بیوپاری لوگ یا صحرا کے باشندے پکا کر کھا لیتے ہیں۔ پھر اس روٹی کو جبرئیل علیہ السلام سے پوچھ کر کھایا کھانے کے تھوڑی دیر کے بعد ایک اور خلش اور سوزش محسوس ہوئی۔ انہوں نے اس سوزش کا سبب جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا جبرئیل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ پیاس ہے۔ پھر جبرئیل علیہ السلام جنت سے جا کر پھاوڑا لے آئے اور کہا کہ زمین کھودو۔ آدم علیہ السلام نے زمین کھودی تو چند گز پر پانی نکل آیا۔ آسودہ ہو کر پیا۔ تھوڑی دیر کے بعد پیٹ کے اندر ایک اور تکلیف محسوس کرنے لگے۔ انہوں نے پھر جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کیسی تکلیف پیٹ کے اندر محسوس ہو رہی ہے جبرئیل علیہ السلام نے کہا مجھے اس کا کچھ حال نہیں معلوم۔ پھر جبرئیل علیہ السلام نے بارگاہِ ایزدی میں حاضر ہو کر ماجرا بتایا۔ وہاں سے دو فرشتے آئے انہوں نے دو سوراخ ایک آگے اور ایک پیچھے کی طرف کر دیا۔ تمام غلاظت پیٹ سے نکل آئی۔ اس کی بو جب آدم علیہ السلام کی ناک میں گئی تو وہ ستر سال تک روتے رہے۔ پھر حضرت مخدوم نے فرمایا کہ مالک بے نیاز کا بھی عجیب کارخانہ اور دھندا ہے پہلے کہتا ہے انی جاعلٌ فی الارض خلیفۃ۔ اور خلیفہ بنا کر اس کو جنت میں بھیجتا ہے۔ ظاہر ہے اس کو جنت میں کس طرح قرار آتا۔ سچ ہے

بفعل اللہ ما یشاء و یحکم ما یرید - وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جس طرح اس کی مرضی ہوتی ہے حکم دیتا ہے۔

روز چہار شنبہ ۱۴ ذی الحجہ ۸۰۲ھ

صاحب دل لوگوں کے بارے میں چاشت کے وقت اہل دل لوگوں کی بابت ذکر نکل آیا۔ حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ صوفیوں کے نزدیک اہل دل وہ ہے جس کو فتح دل نصیب ہو۔ ایک صوفی جو ہوا میں اڑتا ہے پانی پر چلتا ہے۔ مٹی کو چھوئے تو سونا ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر اس کو فتح دل میسر نہیں اور اپنے دل سے بے خبر ہے تو وہ اہل دل نہیں کہلائے گا۔ اسی کے حسب حال حضرت مخدومؒ نے یہ قصہ بیان فرمایا کہ سہیل عبداللہ تستریؒ ایک ایسے برگزیدہ شخص تھے کہ دنیا میں جب آئے تو روزہ دار تھے اور جب یہاں سے کوچ فرمایا تب بھی روزہ ہی سے تھے۔ پیدا ہونے کے بعد دن بھر انہوں نے ماں کا دودھ نہیں پیا جب آفتاب غروب ہوا تب دودھ پیا اور پھر صبح ہونے سے پہلے دودھ پینا چھوڑ دیا۔ ان کے گھر کے چاروں طرف شیر اور بھیڑیا دن رات آکر طواف کرتے اور چوکھٹ کو چومتے تھے۔ کسی آنے جانے والے کو ضرر نہیں پہنچاتے یہاں تک کہ ان کے گھر کو لوگ بیت السباع کہنے لگے تھے لیکن ان تمام باتوں کے باوجود حضرت جنید بغدادیؒ نے ایک موقع پر ان کے بارے میں فرمایا کہ "ہمارے بھائی سہیل ایسے اویسے صفات سے متصف تو ہیں لیکن وہ اپنے دل ہی کی خبر نہیں رکھتے۔"

اہل بیت کے حسنِ اخلاق کے بارے میں پھر اہل بیت کے حسنِ اخلاق کی بابت ذکر نکل آیا۔ حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ ایک دن ایک کنیز نے امام حسین علیہ السلام کے سامنے ایک سبز شاخ پیش کی اور کہا السلام علیکم یا ابن رسول اللہ۔ امام حسین رضی اللہ عنہ نے جواب میں کہا علیک السلام وانت عتیقۃ لوجہ اللہ یعنی تجھ پر بھی سلام ہو۔ جا میں نے تجھے آزاد کر دیا۔ لوگوں نے ان سے پوچھا کہ آپ نے اس کو ایک شاخ کی خوشبو پر آزاد کر دیا۔ آپ نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے فحیّو باحسن منھا والاحسن لھا عتقھا تحیت باحسن (ترجمہ۔ جب کوئی تمہیں سلام کرے تو اس سے بہتر طور پر اس کا جواب دو۔ اور اس کے لیے سب سے بہتر آزاد کر دینا ہے)

ایک دن امیر المومنین حسین رضی اللہ اپنے کسی غلام پر خفا ہوئے۔ غلام نے فوراً کہا:-
والکاظمین الغیظ ۔ امام حسین علیہ السلام نے فرمایا میں نے برداشت کر لیا۔ اس نے پھر کہا
والعافین عن النّاس ۔ امام حسین علیہ السلام نے فرمایا میں نے تجھے معاف کر دیا۔ اس نے پھر
کہا واللہ یحب المحسنین ۔ امام حسین علیہ السلام نے فرمایا میں نے تجھے اللہ کی خوشنودی کے
لیے آزاد کر دیا۔

روز پنجشنبہ ۵ ذی الحجہ ۸۰۲ھ

اللہ کے دوستوں کے بارے میں

اس دن اللہ کے دوستوں کی بابت ذکر نکل آیا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ جس کا دل خدا کی
طرف متوجہ اور نفس پاک ہے وہ بلا امتیاز خواہ غلام ہو خواجہ ہو، صنعت کار ہو تاجر ہو، خان
ملک یا بادشاہ ہو وہ اللہ کا دوست اور مقرب بارگاہ الٰہی ہے۔ اور اگر یہ دونوں باتیں نہیں
ہیں تو پھر جو کچھ بھی ہو لیکن خدا کے نزدیک وہ دو کوڑی کا بھی نہیں۔ اس کی کوئی قیمت نہیں
اس کے حسب حال حضرت مخدومؒ نے پھر یہ قصہ بیان فرمایا کہ ایک سال بصرہ میں بہت زبردست
خشک سالی ہوئی۔ حسن بصریؒ، ثابت نبانیؒ، مالک دینارؒ اور محمد بن سیرینؒ اور اس عہد کے تمام
اکابر صوفیا استسقا کی نماز پڑھنے کے لیے باہر نکلے۔ سات روز تک وہ سب مسلسل نماز و دعا اور
گریہ وزاری میں مشغول رہے لیکن کوئی اثر ظاہر نہیں ہوا۔ مالک دینارؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک
گوشہ میں بیٹھا تھا۔ مصلّٰی بچھا ہوا تھا لیکن وہ خالی تھا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص آکر مصلّٰی
پر نماز پڑھنے لگا۔ اور نماز پڑھ کر دعا مانگنے لگا کہ خداوندا! یہ سب لوگ جو تیرے دربار میں
حاضر ہو کر گڑگڑا کر بارش کے لیے دعا مانگ رہے ہیں سب دین محمد کے بہت نیک، متقی اور
بزرگ بندے ہیں۔ آج ان کو تجھ سے بارش مانگتے سات دن گزر گئے۔ اگر تو نے ان کی دعا قبول
نہ کی تو لوگوں کا منہ کھل جائے گا اور دشمن و بیگانے تمسخر کریں گے کہ اگر ان لوگوں کی اللہ کے دربار
میں عزت اور قربت ہوتی تو وہ ان لوگوں کو ہرگز اس طرح ذلیل نہ کرتا تو بارش نہ دے کر گنہ گاروں
پر قہر و عذاب نازل کر رہا ہے لیکن ان بےچاروں کا کیا قصور ہے اور یہ لوگ کب ان کے ساتھی
ہیں جو تو ان سے انتقام لے رہا ہے ان پر فضل و رحم کر یہ لوگ مسکین ہیں ان کو معاف کر دے اور
بارش دے۔ یہ دعا مانگتے مانگتے گھٹا اٹھی اور خوب زور کی بارش ہونے لگی اور وہ شخص خود

آبادی کی طرف روانہ ہوگیا۔ میں اس کے پیچھے پیچھے چلا کہ دیکھوں یہ کون آدمی ہے کہاں پر رہتا ہے۔
اس کا گھر پہچان لوں۔ چنانچہ اس کے گھر کا پتا چلا کر میں واپس ہوگیا۔ دنیا شاداب اور تر و تازہ
ہوگئی۔ بارش رکی تو میں اس گھر میں پہنچا جہاں اس کو داخل ہوتے دیکھا تھا تاکہ اس کی قدمبوسی
کروں اس گھر کے پاس پہنچ کر میں نے دریافت کیا کہ یہ گھر کس کا ہے۔ لوگوں نے بتایا کہ ایک
سوداگر اس میں آکر رہا ہے اور اپنے ساتھ کچھ سامان تجارت لایا ہے میں نے سمجھا شاید وہی
وہ خواجہ ہو۔ اجازت لے کر اندر داخل ہوا۔ دیکھا کہ سوداگر بیٹھا ہوا ہے اور بہت سے غلام
ہاتھ باندھے اس کے سامنے کھڑے ہیں۔ میں نے جان لیا کہ یہ وہ شخص نہیں ہو سکتا۔ اس سے اِدھر
اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد میں نے پوچھا کہ آپ کونسا مال تجارت کا لائے ہیں اس نے بتایا کہ وہ
غلاموں کا سوداگر ہے اور بہت سے غلام اس کے پاس ہیں میں نے اپنے دل میں خیال کر کے کہ
شاید غلاموں میں ہی سے وہ شخص ہو اس سے کہا کہ غلاموں کو دکھلائیے۔ میں ایک غلام خریدنا چاہتا
ہوں۔ اس کے پاس سو غلام تھے۔ ان میں سے ننانوے غلاموں کو اس نے مجھے دکھلایا ان میں وہ
شخص نہ تھا جس کو میں چاہتا تھا۔ میں نے کہا ان میں ایک نہیں آیا ہے وہ کہاں ہے۔ سوداگر
نے کہا وہ بڑا کاہل، کام چور اور حرام خور غلام ہے کہیں پڑا ہوا ہوگا۔ میں اس کو خرید کر سخت
پشیمان ہوں آپ اسے دیکھ کر کیا کریں گے۔ میں نے کہا دیکھ تو لوں ممکن ہے پسند آجائے۔
بہت کہنے سننے کے بعد اس غلام کو سوداگر نے لایا۔ میں نے اس کو دیکھ کر پہچان لیا یہ وہی تھا
جس کا میں خواہاں تھا۔ میں نے کہا میں اس کو خریدوں گا۔ سوداگر اور اس کے ساتھ سب یک
زبان ہوکر بولے کہ میں غلط نہیں بولا ہوں یہ کسی کام اور مصرف کا نہیں ہے۔ یہ دن رات پڑا سوتا
رہتا ہے میں نے کہا ان تمام عیوب کے باوجود جو آپ لوگ اس کے متعلق بتا رہے ہیں میں اسے
خریدنا چاہتا ہوں۔ سودا بنا رقیمت طے ہوئی۔ اور میں اسے خرید کر اپنے ساتھ لے کر چلا۔ راستہ
میں اس نے کہا کہ اے خواجہ! سوداگر نے بالکل حقیقت بتایا تھا۔ پھر سب کچھ جان کر آپ نے
مجھے کیوں خریدا۔ میں نے کہا سچ بتاؤ۔ کیا تم وہ شخص نہیں ہو جو فلاں روز آدھی رات کو مصلّٰی
پر نماز دوگانہ ادا کرکے اس طرح دُعا مانگ رہے تھے۔ اور دُعا مانگنے کے فوراً بعد بارش
شروع ہوگئی تھی؟ اس نے کہا تم سب دیکھ رہے تھے۔ میں نے کہا ہاں میں سب کچھ دیکھ رہا
تھا اور مجھے سب معلوم ہو چکا ہے۔ اس نے کہا اچھا مجھے خدا کی درگاہ میں شکرانہ کی نماز پڑھ
لینے دیجیے۔ اس کے بعد اس نے مسجد کے ایک گوشہ میں جا کر دوگانہ ادا کیا اور سر سجدہ میں رکھ کر

مالک حقیقی سے جا ملا۔ سچ ہے اللہ کے بندوں کا حال سوائے اللہ کے کوئی دوسرا نہیں جانتا۔ اس کے بعد حضرت مخدوم نے اپنی یہ غزل پڑھی: ؎

محمد عشق بازے خوش خصالے　شب و روز آں خیال خد و خالے
غم فرزند و زن یک سو نہادہ　نماندہ در دلش میلے نہ مالے
اشارت بوسۂ کردن چہ مقصود　عفاک اللہ خیالے ہست فالے
ہمہ شب یاد زلف ماہ روئے　بہر صبحے دو چشمے بر جمالے
چنیں سروے بدیں حسنے نمک زیب　نہ باشد در گلستان نہالے
لب او در خیال و ہم ما نیست　ولیکن ہست جائے قیل و قالے
محمد بوسہ زد آوازے برخاست　نہ بود ست در میاں جز احتمالے

"غزل"

من سوختہ دل مرا جگر ہا　من ریختہ تن مرا خطر ہا
از دست نوائے جواں خود کام　در سینہ مرا بسے جگر ہا
کشتی نہ برد نہ آہ شبہا　بدبخت رقیب بستہ در ہا
ثابت قدمے نہ نوائے یار　بےگہ پدرش نہادہ سر ہا
بوسے زدمش بہ غصہ کا نہ بد　دشنم شدہ بیں پر از شکر ہا
دارم ہوسے کہ اندکے تو　بخرامی و من کنم نظر ہا
دیدم سگ پاسباں ایں کو　در نے ہمہ شب کنم گذر ہا
بخرام بہ بیں تو مرداں را　مانند دو دست بر کمر ہا

روز دو شنبہ ۹ ذی ۸۰۲ھ

رویت باری تعالیٰ کے بارے میں

چاشت کے وقت بہت سے حلقہ بہ گوش حضرت مخدوم کی خدمت میں حاضر تھے اور ان میں سے ہر ایک تجدید بیعت سے شرف یاب ہو رہا تھا۔ حضرت مخدومؒ ہر ایک سے حال دریافت فرماتے اور اس کے مرتبہ، ظرف اور اندازہ سے نظر التفات مبذول فرما رہے تھے اس

کے بعد رویت باری کی بحث نکل آئی۔ حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ یہ بہت بڑا مرتبہ اور عظیم دولت ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں اور مقربین کو عطا فرماتا ہے اس دنیا کی تخلیق کا باعث ہی رویت باری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے لن ترانی (یعنی تم میں تاب دیدار نہیں ہے) سے موسےٰ علیہ السلام کو مخاطب کیا تھا اس سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ دنیا میں کوئی دوسرا بھی اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتا اللہ تعالیٰ نے دوسرے نبی کو اس دولت خصوصی سے نوازا ہے۔ اور اس نبی آخر الزماں کی امتوں میں سے بھی بعض نے اپنے نبی کی پیروی اور تابعداری سے شربت دیدار کا مزا چکھا ہے۔ ایک خاص بات قابل غور یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم نہ دیکھو گے یعنی اس آنکھ سے نہ دیکھ سکو گے لیکن مجازات اور مقابلہ کے ذریعہ کہ اس کو بھی رویت میں شمار کیا جاتا ہے دیکھا جا سکتا ہے لیکن کوئی شخص بھی اللہ تعالیٰ کو اس طرح نہیں دیکھ سکتا جب تک کہ اس کی محبت میں اپنے کو فنا نہ کر دے پھر وہ اللہ تعالیٰ کے نور کو دیکھ سکتا ہے لیکن آنکھ سے نہیں بلکہ دیکھنے والے کی مکمل ذات ہی بینائی کا کام دے گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وجوہٌ یومئذ ناظرۃ الی ربہا ناظرۃٌ اس میں عیونٌ نہیں کہا گیا ہے بلکہ وجوہٌ یعنی ذواتٌ کہا گیا ہے۔ ناظرین کی صفت ذوات سے کہہ کے مکمل عبد کو مراد لیا گیا ہے: ؎

ہمہ چشمیم تا بروں آئی ہمہ گوشیم تا چہ فرمائی

مثال کے طور پر آفتاب کو کوئی آنکھ نہیں دیکھ سکتی بلکہ اس کی روشنی کے ذریعہ اس کو دیکھتی ہے گویا آفتاب کو آفتاب ہی کے ذریعہ دیکھ سکتی ہے آفتاب آنکھ سے مخاطب ہو کہ کہتا ہے انت تدعی انی مریک ولست تراني الابي اما تستحیی وشمنک الحیاء یعنی اے آنکھ تو دعویٰ کرتی ہے کہ میں آفتاب کو دیکھتی ہوں حالانکہ تو مجھ کو میری مدد سے دیکھتی ہے اور میرے نور کی مدد کے بغیر نہیں دیکھ سکتی۔ تجھ کو شرم نہیں آتی۔ اس طرح اگر آفتاب کو نہیں دیکھ سکتی۔ قیامت کے دن رویت باری بھی اسی طرح کا ہوگا کوئی شخص بھی بہشت میں اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھ کی روشنی سے نہیں دیکھے گا بلکہ اس کے نور کی مدد اور اس کی ذات کے فیض سے دیکھے گا۔ اور تمام بدن ہی کو انسان کے دیدار نصیب ہوگا صرف آنکھ کو نہیں۔ فقہا اور معتزلہ دنیا میں رویت باری سے محروم ہیں لیکن آخرت میں سب کو ضروری طور پر دیدار نصیب ہوگا۔ ایک بڑی عجیب بات یہ ہے کہ تمام اہل بہشت اللہ تعالیٰ کو اس کے پورے جمال اور لطافت سے دیکھیں گے۔ لیکن کوئی اس پر عاشق نہ ہوگا لیکن کھانا پینا اور تمام معمولات ضرور چھوڑ دے گا۔ اگر فقہا اور معتزلہ

جان لیں کہ کسی سعادت اور دولت بے بہا سے وہ محروم ہیں تو مالک کونین کی قسم ان کا پتہ پانی ہوجائے اور عالمت متغیر ہو جائے۔ حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ ایک صوفی نے حضرت ذوالنونؒ مصری سے فریاد کی کہ تیس سال سے میں اپنی زندگی مجاہدہ اور ریاضت میں گزار رہا ہوں لیکن کسی لمحہ بھی میرا یار مجھ سے نرمی اور مہربانی سے پیش نہیں آتا خواجہ ذوالنون مصریؒ نے فرمایا چھوڑو بھی ان بکھیڑوں کو خوب کھاؤ پیو اور پیر پھیلا کر سوؤ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اس صوفی نے واقعی ایسا ہی کیا۔ خوب کھاپی کر آرام سے پیر پھیلا کر سو رہا۔ اسی رات کو اس نے اللہ کو خواب میں دیکھا۔ صبح کو اس نے حضرت ذوالنون مصریؒ سے یہ واقعہ بیان کیا۔ وہ سُن کر خوب روئے اور فرمایا میں نے یہ خیال کر کے ایسا کہا تھا کہ اگر محبوب آرزو و منت اور صلح سے نہیں مانتا تو پھر جنگ سے مان جائے گا لیکن یہ تدبیر طبیبوں کے اس طریقہ علاج کی طرح ہے جو بہت بے بس ہو کر آخر میں مریض کو زہر دے دیتے ہیں کہ اگر اس سے اچھا ہوگیا تو فبہا ورنہ کم از کم مریض اس مرض سے تو چھٹکارا پائے گا۔

عشق کے بلند رتبہ کا ذکر

اس کے بعد عشق کے بلند مرتبہ کا ذکر نکل آیا حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ عشق یہ نہیں ہے کہ اچھی صورت دیکھی اور دل جان سے عاشق اور فریفتہ ہو گئے۔ عشق ایک دولت عظیم ہے جو کسی خوش قسمت ہی کو نصیب ہوتا ہے مصر میں جب عظیم قحط پڑا تو حضرت یوسف علیہ السلام ہفتہ میں ایک مرتبہ لوگوں کو اپنا چہرہ دکھا دیتے تھے اور دوسرے ہفتہ تک لوگ اس جمال بے مثال کی طاقت پر بغیر آب و دانہ کے رہ جاتے تھے۔ لیکن اس حسن و جمال کے باوجود ان پر عاشق صرف ایک زلیخا ہی ہوئی تھیں۔ شریعت میں عشق، اہل عشق اور ان کے معاملات کی طرف اشارہ حج کے بیان میں ملتا ہے۔ کیونکہ عاشق کے لیے پہلی شرط ترک وطن، اہل و عیال اور عزیز و اقارب ہے اور محبوب کے لیے مال و دولت کو قربان کر دینا ہے۔ ؎

ترک جاہ و بذل و مال و ننگ و نام در طریق عشق اول منزل است

اور یہ باتیں حج کرنے میں ضرور کرنی پڑتی ہیں۔ حج کے لیے جب کوئی روانہ ہوگا تو اسے اپنا شہر بیوی بچوں، خویش و اقارب کو چھوڑنا ہی پڑے گا اور مال و دولت خرچ کرنا ہی ہوگا: ؎

ہوائے کعبہ چناں می دواندم بہ نشاط کہ خارہائے مغیلاں حریر می آید

جب حاجی محبوب کے حرم کے جوار میں پہنچتا ہے اور حرم میں داخل ہو کر محبوب کے جمال کا مشاہدہ کرنے کا وقت آجاتا ہے تو پھر اس کو دنیا کی تمام لذتوں سے دست بردار ہو جانا پڑتا ہے

سلا ہوا کپڑا پہننا، سر دھونا، خوشبو ملنا، یاد الٰہی کے علاوہ کسی کام میں مشغول رہنا، کسی جاندار کو مارنا ممنوع قرار پا جاتا ہے اس کو حکم نہیں کہ وہ ان ممنوعہ باتوں کا مرتکب ہو۔ معشوق کے حرم میں داخل ہو کر غائت شوق و اشتیاق میں وہ ادھر اُدھر دوڑنے لگتا ہے۔ کبھی وہ کوہ مروہ پر جاتا ہے اور کبھی کوہ صفا پر۔ کبھی سکون سے رک رک کر چلتا ہے کبھی رمی کرتا ہوا دائیں بائیں دوڑتا ہے کہ شاید اس جگہ نہیں تو اس جگہ محبوب مل جائے پھر یکایک کوہ عرفات پر ٹھہر جاتا ہے۔ کبھی صحرا منا میں دوڑتا ہے۔ اسی درمیان میں اچانک اس کی نظر جمال یار پر پڑ جاتی ہے۔ پھر تو نہ پوچھیے اس کی کیا حالت ہو جاتی ہے۔ کیا کرے کیا نہ کرے کس طرح اپنے کو محبوب پر فدا کر دے۔ اور آخر میں پھر وہ محبوب پر قربان ہو جانے کے لیے طواف کرنے لگتا ہے سر منڈوانے سے مراد سر قربان کر دینا اور کٹا دینا ہے۔ کنکری پھینکنے سے اشارہ یہ ہے کہ میں نے جو کچھ کیا تیری طلب اور جستجو میں کیا۔ اور یہ کنکری رہ جائے گی اور پھر جانور کی قربانی کر کے اپنی فدائیت کا ثبوت دیتا ہے۔ قربانی کے وقت جو دعاء ماثورہ اللھم ھذہٖ فدا ئی لحمھا لحمی ودمھا بدمی ھ عظمھا بہ عظمی پڑھی جاتی ہے اس کے یہی معنی ہیں۔ آخر میں جب وصل یار ہو جاتا ہے تو معشوق جاں نثاری سے متاثر ہو کر اس کو خوش آمدید کہتا ہے اور محبت سے کہتا ہے تم نے مجھ تک پہنچنے میں بہت تکلیف اٹھائی اب میرے گھر آگئے ہو تو تین روز میری مہمانی قبول کرو۔ کھاؤ پیو میرے مہمان رہو۔ اور یہ تین روز تمہارے لیے روزہ مکروہ ہو گیا ہے۔ اگر مہمان میزبان کے کھانے سے پرہیز کرے تو مہماندار کو ضرور رنج ہو گا۔ اسی لیے عید اور تشریق کے دنوں میں روزہ رکھنا ناجائز اور گناہ قرار دیا گیا۔ یہ باتیں جو میں نے ابھی بیان کیں۔ حقائق سلمی میں حضرت جنیدؒ بغدادی نے بالکل اسی طرح لکھی ہیں اتنا فرمانے کے بعد حضرت مخدومؒ نے عربی کے یہ دو اشعار پڑھے :۔

العقل عقیلۃ الرجال | والعشق محالۃ العقال
عقل آدمیوں کو پابند کرتی ہے | عشق ان پابندیوں کو دور کرنے والا ہے

والعقل یقول لا تخاطر | والعشق یقول لا تبال
عقل کہتی ہے اپنے کو خطرہ میں نہ ڈال | عشق کہتا ہے اپنے کو خطرے سے دور نہ رکھو

اس کے بعد حضرت مخدومؒ نے فارسی کا یہ شعر پڑھا : ؎

عقل گوید شش جہت حد یست بیروں راہ نیست
عشق گوید ہست راہے رفتہ ام من بارہا

دل بدست آور کہ حج اکبر است

ظہر کی نماز کے بعد شکستہ دل کی دلجوئی کی فضیلت کا ذکر نکل آیا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ہمارے خواجہ فرماتے تھے کہ ایک بزرگ حج کے ایام میں حطیم کعبہ میں مشغول تھے۔ انہوں نے سنا۔ ایک فرشتہ دوسرے فرشتہ سے پوچھ رہا تھا کتنے آدمی اس بار حج کے لیے جمع ہوئے تھے؟ دوسرے نے جواب دیا چھ لاکھ کئی ہزار آدمی آئے تھے۔ پہلے والے نے پوچھا کتنے آدمیوں کا حج قبول ہوا۔ دوسرے نے جواب دیا کسی کا بھی نہیں۔ اتنے مسلمان جو آئے تھے سب لاحاصل آئے اور نامراد گئے۔ لیکن ایک شخص کے طفیل میں کہ وہ خود حج کرنے کے لیے نہیں آیا تھا اللہ تعالیٰ نے سب کا حج قبول کر لیا اور سارے مبرور اور مقبول حج کا ثواب اس کے نام لکھ دیا گیا۔ پہلے والے فرشتہ نے پوچھا وہ کون ہے۔ دوسرے نے جواب دیا وہ بغداد کا رہنے والا ایک درزی ہے۔ اس کا نام خواجہ عبداللہ ہے۔

وہ بزرگ یہ سن کر بہت متحیر ہوئے اور غائت اشتیاق میں سفر کر کے خواجہ عبداللہ درزی سے ملاقات کرنے کے لیے بغداد آئے۔ اس سے ملاقات کر کے انہوں نے کہا کہ اگر تم وعدہ کرو کہ جو کچھ میں پوچھوں گا تم اس کا جواب دو گے تو میں تم کو ایک بڑی خوش خبری سناؤں گا۔ اس نے کہا آپ مجھے خوش خبری سنائیے آپ جو کچھ پوچھیں گے میں جواب دوں گا۔ ان بزرگ نے بیان کیا کہ میں حطیم کعبہ میں مشغول تھا ایک فرشتہ نے دوسرے فرشتے سے پوچھا اس سال کسی کا حج قبول ہوا؟ دوسرے نے جواب دیا کہ کسی کا نہیں، لیکن بغداد کے رہنے والے عبداللہ نامی ایک درزی کے طفیل میں جو خود حج کے لیے نہیں آیا تھا سارے لوگوں کا حج اللہ نے قبول کر لیا اور حج مبرور اس کے نام لکھ دیا گیا۔ اللہ کے واسطے مجھے یہ بتاؤ کہ تم نے کونسا نیک کام کیا تھا جس کے باعث اس دولت اور سعادت سے بہرہ ور ہوئے۔ خواجہ عبداللہ نے کہا سوائے ایک کام کے اور تو مجھے کچھ یاد نہیں آتا۔ اور وہ کام یہ تھا کہ میں نے اس مرتبہ حج کرنے کے ارادہ سے کچھ روپیہ سفر کے خرچ اور زاد راہ کے لیے فراہم کیا تھا۔ اتفاق سے میری بیوی جو حاملہ تھی اپنے پڑوس میں آگ لینے گئی۔ اس نے دیکھا کہ ہمسایہ کے گھر میں کچھ پک رہا ہے۔ اس کے پوچھنے پر ہمسائی نے بتایا کہ کبوتر پک رہا ہے۔ حاملہ عورتوں کو ہر چیز کھانے کی یکایک خواہش ہو جاتی ہے۔ اس نے اس سے فرمائش کی کہ جب تم کھانے لگو تو کچھ اس میں سے میرے لیے بھی بھیج دینا۔ اس نے منظور کر لیا۔ میری بیوی آگ لے کر گھر چلی آئی۔ اور اس کبوتر کی منتظر رہی لیکن ہمسائی نے نہیں بھیجا تو میری بیوی نے از راہ شکایت مجھ سے کہا کہ میں نے ہمسائی سے کبوتر مانگا تھا لیکن اس نے کہہ کر بھی نہ بھیجا۔ میں

نے اس کی شکایت ہمسایہ سے کی۔ اس نے کہا تین روز سے میں مخمصہ میں مبتلا ہوں۔ مری ہوئی کبوتر کا سر پڑی ہوئی تھی میں بھوک سے جان بچانے کے لیے اس کو لے آیا اور پکا کر کھا لیا۔ لیکن تم لوگوں کے لیے اس کا کھانا جائز نہ تھا۔ اس لیے میں کیسے دیتا۔ یہ سن کر میں نے اپنا سامان زاد وراحلہ اور حج کے لیے سفر خرچ جو جمع کیا تھا اس ہمسایہ کے حوالہ کر دیا۔ بس اس کے علاوہ اور تو کوئی نیک کام مجھے یاد نہیں کہ میں نے کیا ہو۔ وہ بزرگ بہت روئے اور کہا سچ ہے اسی کام کی برکت سے تم کو یہ دولت و سعادت نصیب ہوئی ہے۔

اس درمیان میں ایک شخص نے حضرت مخدومؒ سے تعویذ کی درخواست کی۔ حضرت مخدوم نے اپنے خادم کو حکم دیا کہ مصحف لاؤ۔ جب مصحف آیا تو انہوں نے اس کو اس خاکسار کے ہاتھ میں دیا اور فرمایا کہ دیکھو میں نے اس میں تعویذ لکھ کر رکھا تھا اگر ہے تو نکالو۔ میں نے تلاش کیا۔ تعویذ مجھے نہیں ۔ پھر فرمایا کہ دوات قلم اور کاغذ لاؤ۔ مولانا شیخو جلال سرستی اور اس خادم نے دوات قلم اور کاغذ لا کر سامنے پیش کیا۔ حضرت مخدومؒ نے تین مرتبہ اللہ کا لفظ اس طرح لکھا اللہ اللہ اللہ پھر فرمایا کہ فقیروں کی تعویذ کا نشان یہی ہے اور یہ قصہ بیان فرمایا کہ حضرت شیخ نظام الدین کی خانقاہ میں جو باؤلی ہے جب وہ کھودی گئی تو اس کا پانی سخت نمکین نکلا۔ خواجہ اقبال نے حضرت شیخ نظام الدین سے عرض کیا کہ حضرت باؤلی کا پانی تو بہت نمکین نکلا۔ اگر میٹھا پانی نکلتا تو لوگوں کو اس سے بڑی آسودگی اور نفع ہوتا۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ جب میں سماع میں رہوں اس وقت کہنا۔ ایک دن مجلس سماع ہو رہی تھی۔ خواجہ اقبال نے اسی دوران میں عرض کیا کہ حضرت باؤلی کا پانی نمکین ہے حضرت شیخ نے فرمایا کہ دوات قلم کاغذ لاؤ۔ پھر تعویذ لکھ کر دیا اور کہا کہ اس کو اس پانی میں دھو دو۔ خواجہ اقبال نے ایسا ہی کیا۔ تعویذ کو دھوتے ہی باؤلی کا پانی اتنا شیریں ہو گیا کہ سارے لوگ پینے لگے۔ مقصد یہ ہے کہ حضرت مخدومؒ کا تعویذ بھی ایک نشان کے طور پہ ہوتا تھا خاکسار عرض کرتا ہے کہ عوام جس نیت اور حاجت کے لیے حضرت مخدومؒ سے تعویذ کی درخواست کرتے تھے وہ اسی طرح کا تعویذ لکھ کر دیتے تھے اس میں کسی کی تخصیص نہ تھی۔ چاہے وہ بادشاہ ہو یا امرا، مشائخ اور علماء میں سے ہو یا عوام کا ایک فرد ہو۔ سب کے ساتھ ایک ہی جیسا انداز تھا حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی کا بھی یہی انداز تھا۔ حضرت مخدومؒ کی چند غزلیں جو مختلف اوقات میں آپ نے کہی تھیں اس جگہ درج ہے۔ غزل (۱)

امروز ماہ من بہ طریقے بر آمد است ۔۔۔ گویا کہ آفتاب ز مشرق بر آمد است

سلطان خوبرویاں سالار دلبراں — حسن و فریب و زیب نمک جاکہ آمد است

از صحبتش میسّر صبرے نمی شود — آئندہ نازنینہ خلقش سر آمد است

انکار درد عشق و محبت کسے نہ کرد — الاکہ زاد و بوم کسے از خر آمد است

یاراں عشق باز یکے تحفہ بشنوید — سیمیں تنی بہ نقرۂ و زر در آمد است

اسرار درد عشق ابوالفتح را بپرس — کو کہنہ درد مندبل عاشق نہ آمد است

مرغ دلم بہ دام محبت اسیر شد — باز اد ہوا نگیرد و رفتہ بہ آمد است

(۲)

شادی بہ روزگار جواناں عشق باز — فارغ ز بود و نابود و از خویش بے نیاز

دل بر یکے نہادہ نہ از دیگرے خبر — گاہے بہ ذوق بوسہ و گاہے بدرد کاز

گاہے کنار و بوسہ گاہے در او فتاد — عشاق را ز حسرت دلہا شدہ گداز

بت را چہ می پرستی اے مشرک پلید — ابروے یار من ببیں آں سمت کن نماز

عین العیاں بہ بینی در خم گہ دو ابرو — یک صورت حقیقت در پردۂ مجاز

خانہ خراب کردی بے جعد شہسوارے — اے سید محمد اے گیسوئے دراز

یا لولوئے پریشاں در گوشہ گلستاں — سازو بہ ؟ بیں ترانہ ابوالفتح را چہ ساز

(۳)

ابوالفتح حدیث عشق کم کن — اگر دستی دید ایں جا قدم کن

ز لعل شکریں لطفے بہ فرماں — سپس ایں جعد را اگیر و ستم کن

تو وعدہ کشتنم کردی ہلا زود — ولیکن ہم بدست خود کرم کن

اگر مانی بہ دیدی چہرۂ او — کنوں تو بہ ز تصویر صنم کن

ملولی محرمی یارے نہ داری — محمد مونس خود درد و غم کن

ہوائے ابر باراں است ابوالفتح — شرابے یا کبابے را بہم کن!

لب او ہم شراب و ہم کباب است — تو بوسہ کا ز یکبارہ صنم کن

نہ گنجد عشق در تحریر و تقریر — تو کلک قال و قیل از سر قلم کن

(۴)

بس جعد و سریں آں ستم گار — او بار نمود روئے اے یار

از لعل لبش کہ می چکاں است — سرمست شدیم بلکہ ہشیار
دانیم ذوق مئے و مستی — کردیم ز توبہ توبہ صد بار
گر ہست ہوائے کشتن ما — ما را تو بدست ہجر مسپار
من سر بہ نہم تو تیغ میراں — لیکن بہ ہزار ناز و انکار
آہستہ تری براں سبک تر — تا گیرم ذوق درد بسیار
ہر دو ابدی شوند محمدؐ — می میرد و میستزید بہر یار
افسانہ شنیدہ محمدؐ — با محنت درد و غم گرفتار
تو ہر چہ کنی بہ دیدہ و سر — دارم دلکے دلے وفا دار
ایں عالم پر ز خوب رویاں — الحق کہ بہ پیش تست اقرار

(۵)

دبستگی است جان ما را — با خانہ گیسوئے تو یارا
ہر کس بہ تعلقی گرفتار — ما را ایس جعد تو سوادا
شفتالو کی دو سہ بہ فرما — از لعل حیوٰۃ بخش ما را
مانی کہ بنائے چہرہ بازاں است — حیراں است ز نقش تو نگارا
من منکہ عشق را چہ گویم — گاو ےست خرے ست سنگ خارا
فریاد ز دست تست ہر بار — اے ستم گار روزگارا
سروے ز تو دلفریب و زیبا — در باغ نیست و در صحارا
از فضل خدا مراست معشوق — ز و دیدم صورت خدا را
زاں سرو قباپوش و مہرو — بوالفتح کیست شرمسارا

روز دوشنبہ ۱۷ ذی الحجہ ۸۰۲ھ

العلم حجاب اللہ الاکبر کی وضاحت

ظہر کی نماز کے وقت ایک سائل نے عرض کیا کہ العلم حجاب اللہ الاکبر کے کیا معنی ہیں اور بعضوں نے اسے حجاب اللہ الاعظم بتایا ہے۔ حضرت مخدوم ؒ نے فرمایا کہ اللہ کے سوا جتنی چیزیں ہیں سب ذات الٰہی کے لیے حجاب ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ علم کا حجاب لطیف، حسین، ممدوح

اور مقبول ہے اور اس سے دست بردار ہونا بہت مشکل ہے۔ بر خلاف اس کے بقیہ حجاب جیسے حسد، غصہ، کینہ، بغض وغیرہ قبیح، کثیف اور مذموم ہے اور اس سے کنارہ کش ہونا آسان ہے۔ علم سے مراد علم نحو صرف، حدیث، فقہ اور تفسیر نہیں ہے بلکہ علم باللہ مراد ہے۔ اور وہ علم ذات و صفات باری ہے بہ مشاہدہ وعیان۔ اس کے لیے دلیل و برہان کی ضرورت نہیں ہے۔ تعلیم من اللہ بلا واسطہ و ترجمان ہی کو حجاب الاعظم والاعلم کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ جو علم ہے اس کو وہ علم نہیں کہتے۔

روز چہار شنبہ ۱۹ ذی الحجہ ۸۰۲ھ

سیرت رسول اللہ صلعم کے بارے میں

عشاء کی نماز کے وقت رسول اللہ صلعم کی سیرت مبارک کا ذکر نکل آیا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ رسول اللہ صلعم پائے مبارک کو زمین سے اُٹھا کر چلتے تھے کانّما ینحط مِن صَبَبٍ۔ یعنی جیسے کوئی چیز اوپر سے نیچے آتی ہو۔ آپ کی رفتار خراماں ہوتی تھی۔ پیر گھسیٹ کر کبھی نہیں چلتے تھے۔ صحابہ کرام جب آپ کے ساتھ چلتے تو برابر پیچھے رہ جاتے اور دوڑنے لگتے۔ لیکن کوشش کے باوجود رسول اللہ صلعم کی رفتار کا ساتھ نہ دے سکتے تھے۔ ظاہری طور پر دیکھنے میں رسول اللہ صلعم اپنے طور پر اپنی مخصوص رفتار سے ہی سینہ تان کر چلتے تھے۔ غرض تمام اوصاف حمیدہ جو دنیا میں صورت اور سیرت کے لحاظ سے ممکن ہے سب آپ صلعم میں بدرجہ اتم موجود تھا: ؎

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری شیوۂ و تشکل و شمائل حرکات و سکنات

پھر حضرت مخدوم نے فرمایا کہ لیس علی اللہ بمستنکر ان یجمع العالم فی واحدٍ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت سے یہ بعید نہیں ہے کہ تمام عالم کو ایک مرکز پر جمع کر دے۔ البتہ تعجب کی بات یہ ہے کہ ان اوصاف حمیدہ رکھنے والی برگزیدہ ہستی کے ساتھ بھی بدبخت کفار اس طرح پیش آتے تھے کہ کوئی آپ صلعم کو بُرا بھلا کہتا، کوئی تیغ و خنجر سے مقابل ہوتا، کوئی دھکا مارتا اور کوئی گلا گھونٹتا۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلعم راستہ سے گذر رہے تھے۔ بدبخت ابوجہل سامنے آگیا۔ اس نے زور سے آپ صلعم کو دھکا مارا۔ آپ منہ کے بل گر پڑے۔ کم بخت ابوجہل گرنے کے بعد آپ صلعم کو دو چار زوردار لات لگا کر نکل گیا۔ ابولہب کی لونڈی ثوبیہ جس نے پہلی رات آپ صلعم کو دودھ

پلایا تھا کھڑی دیکھ رہی تھی۔ وہ یہ ظلم دیکھ کر تڑپ اٹھی اور بے قرار ہوگئی حضرت حمزہ زیادہ تر جنگل اور صحرا میں شکار کھیلا کرتے تھے اور کئی کئی روز بعد مکہ لوٹتے تھے۔ اتفاق سے اسی دن اور اسی وقت وہ شکار گاہ سے واپس ہوئے اور اسی راستہ سے گزرے۔ ثوبیہ وہاں پر کھڑی تھی اس نے فریاد کی اور ابوجہل لعین نے جو ظلم رسول اللہ صلعم کے ساتھ کیا تھا سب کہہ سنایا۔ حضرت حمزہؓ سارا ماجرا سن کر غصہ سے بے تاب ہوگئے۔ وہ تیز تیز قدم بڑھاتے ہوئے حرم کعبہ میں آئے اور ابوجہل کو ایک جگہ بیٹھا دیکھ کر اس پر پل پڑے۔ لات اور گھونسوں سے خوب خبر لی اور سر اور چہرہ اس کا لات سے مار مار کر توڑ دیا۔ ابوجہل نے گھبرا کر پوچھا کہ آخر تم مجھے کیوں مار رہے ہو میں نے کیا خطا کی۔ حضرت حمزہؓ نے کہا تو نے محمدؐ کو کیوں لات سے مارا تھا۔ اس نے کہا کہ وہ جو کچھ کہتے اور تبلیغ کرتے ہیں اگر تم سن لو تو میں نے تو صرف لات ہی سے مارا ہے تم تو ان کو جان سے مار دو۔ حضرت حمزہؓ نے کہا وہ جو کچھ کہتے ہیں سب حق ہے۔ وہ یہ کہہ کر دوڑتے ہوئے رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا اے محمدؐ! میں نے آپ کا دین قبول کر لیا۔ آپ جو کچھ کہتے ہیں مجھ سے کہیے۔ میں اس پر عمل کروں گا۔ یہ کہہ کر انھوں نے کلمہ پڑھا اور ایمان لائے اور پھر جو اطاعت اور فرماں برداری کی توفیق ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بھتیجے سے عطا فرمائی وہ غیر معمولی اور مثالی تھی۔

حضرت مخدومؒ نے پھر فرمایا کہ جب رسول اللہ صلعم شیر خوار تھے۔ حارث اور حلیمہ ان کو پرورش کے خیال سے اپنے قبیلہ میں لے آئے۔ اتفاق سے ایک دن وہ غائب ہوگئے۔ حارث اور حلیمہ ان کی تلاش میں نکلے لیکن ان کا کچھ پتا نہیں چلا۔ عصر کے وقت ان لوگوں نے دیکھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بادیہ کی طرف سے تنہا، اداس اور ضعیف و نزار چلے آ رہے ہیں۔ لوگوں نے پوچھا کہ آپ کہاں غائب ہو گئے تھے؟ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں کھیل رہا تھا کہ اچانک دو آدمی کسی طرف سے نمودار ہوئے اور مجھے پکڑ کر بادیہ میں لے گئے۔ اور فلاں پہاڑ کے درمیان میرے سینہ کو چاک کر کے اور طشت اور آفتابہ سے میری تمام غلاظت کو صاف کر کے سینہ کو نور سے بھر دیا۔ اور پھر اسی طرح سی دیا چنانچہ سلائی کرنے کا تازہ نشان ابھی بھی موجود ہے۔ لوگوں نے کپڑا ہٹا کر دیکھا تو واقعی سلائی کا نشان موجود تھا۔

کھیل کود کے درمیان اکثر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زور سے پکار اٹھتے کہ میں پیغمبر آخر الزماں اور خاتم النبیین ہوں۔ میں عیسیٰ علیہ السلام کے دین کو باطل اور موسیٰ علیہ السلام کے

دین کو مٹا دوں گا۔ بتوں کو توڑ دوں گا اور تمام عالم میرے حلقہ بگوش اور زیر نگیں ہو جائیں گے۔

حارث اور حلیمہ نے یہ حال دیکھ کر دل میں غور کیا کہ یہ عبد اللہ کے صاحبزادے اور عبد المطلب رئیس مکہ کے لخت جگر ہیں یہ برملا اس طرح کے جملے بولتے ہیں۔ یقینی دنیا ان کی دشمن ہو جائے گی۔ بادیہ میں یہ تنہا رہتے ہیں اگر کوئی شخص ان کو نقصان پہنچا دے تو ہم لوگ منہ دکھانے کے لائق نہ رہیں گے۔ اس لیے ان کا مکہ ہی پہنچا دینا مناسب ہے۔ چنانچہ بی بی حلیمہ نے ان کو مکہ ان کی والدہ کے پاس پہنچا دیا۔

روز پنجشنبہ ۲۰ ذی الحجہ ۸۰۲ھ

کسی کو دیکھ کر اس سے مبارک اور غیر مبارک کا نتیجہ نکالنا اس کی عقیدت پر منحصر ہے۔

چاشت کے وقت ایک نو وارد نے قدم بوسی کے بعد عرض کیا کہ آپ کے چہرے کی زیارت ہم لوگوں کے لیے باعث یمن و سعادت ہے۔ حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ اس کا انحصار تمہارے اعتقاد پر ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص سرتا پیر خیر ہے لیکن کوئی اس سے برائی کی امید رکھے ہوئے ہے تو اس کے سامنے یقینی برائی ہی آئے گی۔ اسی طرح ایک شخص سرتا پا برائی اور شر ہے لیکن کوئی اس سے بھلائی کی امید رکھتا ہے تو اس کے سامنے یقینی بھلائی ہی آئے گی۔ رسول اللہ صلعم کے روئے اقدس کو جب ابو بکرؓ دیکھتے تھے تو خیر و برکت کے منتظر رہتے اور ہمیشہ انہیں خوشیاں ہی میسر ہوتیں۔ اس کے برعکس ابو جہل ملعون جب صبح کو رسول اللہ صلعم کے روئے اقدس کو دیکھ لیتا تو برا فال لیتا اور خوف زدہ رہتا کہ معلوم نہیں کون سی آفت اور تباہی اس کے سر پر آتی ہے۔

اسی کے حسب حال حضرت مخدومؒ نے ایک قصہ بیان فرمایا کہ ایک دن ایک بزرگ قافلہ کے ساتھ صحرا سے گزر رہے تھے۔ یکایک کسی وجہ سے وہ قافلہ سے بچھڑ گئے اور راستہ بھول گئے۔ صحرا میں پانی کا نام و نشان نہ تھا اس لیے انہیں اپنی موت کا یقین ہو گیا۔ تھک کر ایک درخت کے نیچے پناہ لینے کے لیے بیٹھ گئے۔ پیاس کی شدت کے باعث وہ اپنی زندگی سے مایوس ہو گئے انہوں نے سنا تھا کہ جب انسان پیاسا مرتا ہے تو آنکھ سے آنسو جاری ہو جاتا ہے اور وہ مر جاتا ہے۔ انہوں نے سمجھا کہ وہ گھڑی آن پہنچی اور یہ آنسو کا قطرہ اسی باعث نکل رہا ہے اس کے بعد

جان نکل جائے گی۔ یکایک اسی لمحہ انہوں نے دیکھا کہ ایک بہت بڑا اسفید سانپ دوڑتا ہوا ان کی طرف آرہا ہے سانپ کو دیکھتے ہی وہ بزرگ جان بچانے کے لیے ایک طرف بھاگے سانپ نے بھی ان کا پیچھا کیا۔ وہ آگے آگے بھاگ رہے تھے اور سانپ ان کا پیچھا کر رہا تھا۔ نہ وہ ان کے قریب پہنچتا تھا اور نہ پیچھا ہی چھوڑتا تھا یکایک ان کے سامنے ایک اونچا تودہ نظر آیا وہ اس پر چڑھ گئے دیکھا کہ سامنے ایک بہت بڑا حوض پانی سے بھرا ہوا ہے۔ پیچھے مڑکر دیکھا تو سانپ بھی غائب تھا۔ انہوں نے آرام کا سانس لیا ہاتھ پیر دھویا اور خوب آسودہ ہوکر پانی پیا۔ دوسرے کنارے پر انہوں نے نظر ڈالی تو اپنے قافلہ کو بھی وہاں موجود پایا۔ اس وقت سے وہ بزرگ جب کبھی سانپ دیکھتے تو اچھائی اور بھلائی کی امید رکھتے۔ اس کے بعد حضرت مخدوم ؒ نے اپنی یہ تین غزلیں پڑھیں:

(۱)

مسلماناں مرا فریاد فریاد ... نہ کرد است آں جواں گاہے دلم شاد

ہمہ کس در خوشی و ذوق مستی ... مرا مادر برائے درد و غم زاد

زنو جور و ستم تسلیم از من ... قضا را ایں چنیں تقدیر افتاد

زمن از لذت دشنام خوباں ... پریشاں شد ہمہ تسبیح و اوراد

مرا از آتش ہجراں امید است ... کہ سوزد خاک و سازد تا بہ رباد

غباری افتد و شاید دراں در ... بدیں دولت شود جاں از غم آزاد

چناں از سقف چشمم می فتد آب ... ہمی ترسم فرو افتد ز بنیاد

عفاک اللہ ز درد و محنت و غم ... سلام اللہ محمد ؐ راست بیزداد

(۲)

برد دل را جواں سادہ زاد ... عقل را کند عشق از بنیاد

ہر کجا عدل را ست انصافے ... نیست در شرع عشق جز بیداد

لعل شیریں بہ کام خسرو دہ ... کوہ شیریں سپار بر فرہاد

مرغ در دام عشق گر افتاد ... زیں قفس کے بہ گردد او آزاد

نیست امید زیست و خاستنش ... ہر کہ او تیر عشق خورد افتاد

ہر کہ او را شود مزید جمال ... درد اندوہ من شود بیزداد

ذوق دشنام یار برد زمن ... راحت ذکر و لذت اوراد

اے محمد بجز تو کیست دگر بندۂ وقت از جہاں آزاد

(۳)

آں سادہ کہ ہست خواجہ زادہ دین و دل من بہ باد دادہ
اورا ہمہ روز نیست کارے جز گشتن باغ و نوشِ بادہ،
آں مغبچہ را ہر آں کہ دیدہ زنار بہ بستہ بر کشادہ
اے دوست ہم نشود میسّر من گردم خاک در فتادہ
گر عاشق پارسا است زاہد او منحرف از طریق و جادہ
بوالفتح اگر تو عشق بازی بر بند گلوئے خود قلادہ
انکار بہ دست یار بسیار ہر سو کہ برد برد کشادہ
در کعبہ و در کلیسا ہم رو اخلاص و ریا وداع دادہ

روز یکشنبہ ۲۳ر ذی الحجہ ۸۰۲ھ

اہل دل کی زیارت کی برکت

ظہر کی نماز کے وقت اہل دل کی زیارت کے بارے میں ذکر نکل آیا حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ ایک بزرگ قبرستان کی طرف سے گزرے تو انہوں نے اہل قبور کے درمیان بڑا شور و شغف دیکھا۔ پوچھا کہ یہ کیسا شور تم لوگوں نے مچا رکھا ہے۔ اہل قبور نے کہا کہ ایک ہفتہ گزرا خواجہ حبیب عجمیؒ نے ہم لوگوں کے پاس آکر فاتحہ پڑھی اور ہم لوگوں کو بخش دی تھی۔ اس کا ثواب ہم لوگوں کے درمیان اس وقت سے تقسیم ہو رہا ہے اور ابھی تک وہ ختم ہونے کو نہیں آتا۔ یہ شور اسی تقسیم ثواب کی وجہ سے ہے۔

پھر حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ایک دن رسول اللہ صلعم دو قبر کی طرف سے گزرے۔ وہاں پر رک کر حضرت صلعم نے فرمایا کہ یہ دونوں عذاب میں مبتلا ہیں حالانکہ ان لوگوں کا گناہ اتنا سخت نہیں تھا جس سے وہ بچ نہیں سکتے تھے۔ ان میں سے ایک اس لیے عذاب میں مبتلا ہے کہ وہ پیشاب کی نجاست سے بچنے کی کوشش نہیں کرتا تھا۔ اور دوسرا بات چننے اور سخن چینی کے عیب میں مبتلا تھا، پھر سبز شاخ کو توڑ کر دونوں قبروں پر نصب کر دیا اور فرمایا کہ جب تک یہ شاخیں سبز رہیں گی ان لوگوں کے عذاب میں تخفیف ہوتی رہے گی۔ اتنا کہنے کے بعد حضرت مخدوم نے اس

آیت کریمہ وان من شئی الا یسبح بحمدہٖ شئی ۔ کو پڑھ کر فرمایا کہ اس میں تو خشک و تر دونوں شامل ہیں لیکن تخفیف عذاب کی دراصل وجہ رسول اللہ صلعم کا معجزہ ہے کہ انہوں نے اللہ سے دعا کی کہ یہ دونوں شاخیں سبز رہیں اور ان دونوں اہل قبور پر عذاب میں کمی ہوتی رہے ۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ شرح مصابیح توریشتی میں جس کو میسرہ بھی کہا جاتا ہے بالکل اسی طرح کا ایک مضمون درج ہے ۔ وفی المیسّر وجہ تخفیف العذاب انہٗ سأل ربہٗ ان تخفیف العذاب ما دام الخشبتان لم ییبسا ومن قال انہا یسبحان ما دام رطبتین فلا اعتبر بہ عند اہل العلم وقول لا طائل تحتہ (یعنی ترجمہ کتاب میسر میں تحریر ہے کہ ان دونوں اہل قبور پر عذاب کی کمی کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت صلعم نے حق تعالیٰ سے دعا فرمائی تھی کہ جب تک یہ دونوں شاخیں ہری رہیں اس وقت تک عذاب میں کمی رہے اور جو اس کی تعبیر یہ ایں طور کی جائے کہ ہر شاخ تر تسبیح کرتی ہے تو یہ غیر معتبر بات ہے اہل علم اس کو قبول نہیں کرتے ۔ چونکہ تسبیح تو ہر شے کرتی ہے خواہ وہ خشک ہو یا تر) اس کے بعد عم رسول اللہ صلعم حضرت ابو طالب کے احوال کے بارے میں بیان فرمایا کہ نوشیرواں کا کیسا عدل اور حاتم طائی کی کیسی سخاوت تھی کہ ان کے تخفیف عذاب کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ایسے تابوت میں رکھ کر ان کو دوزخ میں ڈال دیا گیا ہے کہ اس تابوت تک دوزخ کی آگ کی رسائی نہیں ہوتی ۔ اس وقت کے جابر بادشاہوں کے درمیان نوشیروان کا عدل اور عرب کی قحط زدہ سرزمین پر حاتم طائی کی سخاوت خاص طور پر قابل امتیاز سمجھی گئی ہے تو پھر حضرت ابو طالب نے جو مدد اور تعاون رسول اللہ صلعم کے ساتھ فرمایا وہ کیا ان کی بخشش کے لیے کافی نہیں ہے ۔ اگرچہ حضرت ابو طالب کا معاون ہونا اللہ کے ہی حکم سے تھا لیکن ایسی حالت میں جب کہ تمام سرداران قریش دشمنی پر آمادہ تھے تنہا حضرت ابو طالب کا ان کی مدد پر کھڑے ہو جانا کوئی معمولی بات نہ تھی اور اگر وہ ناصر و مددگار رسول اللہ صلعم کے نہ ہوتے تو بہت دشواری ہوتی ۔ کہا جاتا ہے کہ ایک دن تمام اکابرین قریش نے حضرت ابو طالب کے گھر پر جمع ہو کر عرض کیا کہ کوئی خوب صورت ، عقل مند ، ہونہار نوجوان کو قریش میں سے منتخب کر کے اپنا بیٹا بنا لو ہم سب لوگ اسے تسلیم کر لیں گے ۔ اور تمام میراث وغیرہ میں اس کو حق دار مان لیں گے لیکن محمد صلعم کی مدد سے باز آجاؤ اور ان کو چھوڑ دو ہم لوگ جانیں اور وہ جانیں حضرت ابو طالب نے فرمایا تم لوگ عجیب آدمی ہو اپنے کو چھوڑ کر بے گانہ کو اپنا بنانے کا مشورہ دیتے ہو یہ کونسی عقل کی بات ہے ۔ وہ سب متنغص اور کبیدہ خاطر حضرت ابو طالب کے گھر سے یہ کہتے ہوئے واپس ہوئے کہ اب محمد صلعم کو قتل کرنے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ہے ۔ پھر ابو طالب جو چاہیں

کریں دیکھا جائے گا یہ بات حضرت ابو طالب نے سن لی۔ اس وقت حضرت محمد صلعم کوہ حرا میں مشغول عبادت تھے اتفاق سے ان کے گھر واپس آنے میں معمولات سے کچھ زیادہ دیر ہو گئی۔ حضرت ابوطالب کو خطرہ پیدا ہوا کہ کہیں دشمنوں نے محمد صلعم کو نقصان نہ پہنچا دیا ہو۔ بنی ہاشم کے جوانوں کو جمع کیا اور حکم دیا کہ حرم کعبہ میں جا کہ تمام اکابرین قریش کے سر پر مسلط ہو جاؤ پھر تحقیق کرنے کے لیے آدمی کوہِ حرا کی طرف روانہ کیا۔ لیکن اسی وقت محمد صلعم محفوظ تشریف لے آئے۔ پھر وہ تیغ برہنہ لیے حرم کعبہ میں خود تشریف لے گئے اور تمام سرداران قریش کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم لوگوں کو معلوم ہے آج میں نے کیا ارادہ کیا تھا۔ سرداران قریش نے کہا نہیں۔ ہمیں کیا معلوم۔ حضرت ابوطالب نے فرمایا کہ تم لوگوں نے میرے گھر سے واپس ہونے کے وقت جو دھمکی دی تھی وہ میں نے سن لیا تھا۔ اور اتفاق سے محمد صلعم کو کوہ حرا سے آنے میں نا وقت ہو گیا تو میں نے تمام بنو ہاشمی جوانوں کو حکم دے دیا تھا کہ ان میں سے ہر ایک تیغ برہنہ کے ساتھ تم میں سے ہر ایک پر مسلط ہو جائے اور اگر محمد صلعم کو کچھ نقصان پہنچ گیا ہو تو فوراً اپنی تلواروں کے ساتھ ٹوٹ پڑیں اور تم میں سے ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑیں یہ سن کر اکابرین قریش کو بڑی مایوسی ہوئی کہ یہ کام آسان نہیں ہے۔

حضرت مخدوم نے ایک دوسرا قصہ اس طرح بیان فرمایا کہ ایک دن حضرت علیؓ کی والدہ فاطمہؓ نے حضرت ابوطالب سے کہا کہ ہم لوگوں کا لڑکا علیؓ محمد کے ساتھ بیٹھتا ہے اور محمد عجیب عجیب طرح کی باتیں کرتا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ سرداران قریش جمع ہو کر اس کی دشمنی پر آمادہ ہو جائیں۔ ظاہر ہے ایک آدمی اتنے آدمیوں کا کیا مقابلہ کر سکتا ہے اس کا ہلاک ہونا یقینی ہے ایسی حالت میں اگر میرا لڑکا محمد کے ساتھ وفاداری کرتا ہے تو خود بھی مارا جاتا ہے اور اگر وہ وقت کا رزار بھاگ کھڑا ہوتا ہے تو پھر دنیا میں منہ دکھانے کے لائق نہیں رہتا۔ اور بے وفائی کا داغ اس کی پیشانی پر لگ جاتا ہے۔ اس لیے آپ علیؓ کو محمد کی صحبت اور ہم جلیسی سے روک دیجیے۔ اپنی بیوی کی یہ بات سن کر حضرت ابوطالب محمد صلعم کی طرف روانہ ہوئے وہ اس وقت کوہ حرا میں عبادت میں مشغول تھے۔ اور علیؓ اور زید بن حارث رسول اللہ صلعم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ ابوطالب نے دیکھا کہ پہلے علیؓ نے رسول اللہ صلعم کے ساتھ نماز پڑھی۔ پھر علیؓ پہاڑ کے اوپر آ کر بیٹھ گئے اور زید بن حارث ان کی جگہ رسول اللہ صلعم کے ساتھ نماز پڑھنے لگے۔ حضرت ابوطالب نے نزدیک جا کر پوچھا کہ اے محمد! یہ تم کیا کر رہے ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ چچا جان! اس کو نماز پڑھنا کہتے ہیں۔ یہ وہ کام ہے جس کو ہم سے پہلے حضرت اسماعیلؑ اور ابراہیمؑ نے بھی کیا تھا۔ اے چچا جان

یہ بہت اچھا دین ہے - آپ بھی اس میں چلے آئیے اور قبول کر لیجیے - حضرت ابو طالب نے پوچھا اس دین میں کیا ہوتا ہے - کہا اس میں قیامت کا آنا ثابت ہے - حضرت ابو طالب نے پوچھا یہ قیامت کیا چیز ہوتی ہے - محمد صلعم نے جواب دیا اس میں تمام مردے زندہ کیے جائیں گے اور جو اس دین پر مرے ہوں گے ان کو بہشت میں جگہ ملے گی - حضرت ابو طالب نے پوچھا کہ بہشت کیا چیز ہے - محمد صلعم نے بہشت کی تعریف وضاحت سے بیان فرمائی - پھر فرمایا کہ جو لوگ اس دین پر نہیں مرے ہوں گے ان کو دوزخ میں جگہ ملے گی - حضرت ابو طالب نے پھر پوچھا کہ دوزخ کیا چیز ہے - محمد صلعم نے اس کو بھی وضاحت سے بیان فرمایا - اس کے بعد حضرت ابو طالب نے پوچھا کہ تمہارے دادا عبدالمطلب تو گویا دوزخ میں ہوں گے - محمد صلعم نے جواب دیا کہ جی ہاں اگر کوئی بھی ہو جو بھی اس دین پر نہیں ہوگا اس کا ٹھکانا دوزخ ہی ہوگا - حضرت ابو طالب نے کہا کہ اے محمد تم سچ کہتے ہو بلاشبہ یہ اچھا دین ہے - جاؤ تم بے خوف ہو کر اس دین کی تبلیغ کرو - میں تمہارے دشمنوں سے سمجھ لوں گا - اور جو تمہاری مخالفت کرے گا اس سے نپٹ لوں گا - پھر علیؓ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ اے علیؓ! تم اس دین کو قبول کر لو یہ بہت اچھا دین ہے - حضرت علیؓ نے کہا کہ اباجان میں نے تو پہلے ہی اس دین کو قبول کر لیا ہے - انہوں نے کہا مبارک ہو تم نے بہت اچھا کیا - پھر خدیجہؓ کے ساتھ نکاح کے خطبہ کے وقت رسول اللہ صلعم کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وہ بہترین اور راست باز جوانوں میں سے تھے - جب انہوں نے رسول اللہ صلعم کی مدد اور اعانت اللہ کے دین کے لیے کی تو پھر کیوں ان کے عذاب میں تخفیف نہ ہوگی اور ان کے حق میں رسول اللہ صلعم کی دعا ضرور قبول ہوگی - پھر حضرت مخدومؒ نے یہ غزل عنایت فرمائی :

شراب عشق را لعل تو پیماں ست | بہر کہ تُبہ دہی سرمست و حیراں است
سر زلفت کہ دام صید دلہا ست | جہاں سرگشتہ دیوانہ پریشاں ست
لب لعل و سیہ خالے بر آں لب | دریں صورت جمال کفر و ایماں ست
تو در عیش و خوشی احسنت انصاف | مرا گوئی کہ دردت جائے درماں ست
ترا با من ہمیں عکس و عداوت | مرا دل ہر نفس اے یار خواہاں ست
بلائے من دریں پیری دگر نیست | مگر کہ دل، اگر فتار جواناں ست
محمد پیر شد عیش ہمیں است | ہمیں باکودکاں در گوئے و چوگاں ست

۶

"رباعی"

در کوئے خرابات مغانہ بہ برم | در مجلس طامات جواں را بہ برم
من ہر چہ کنم مرا رواہست ولیک | یشنجست محمد بلے من تدویرم

روز پنجشنبہ ۲۷ ذی الحجہ ۸۰۲ھ

دنیا کی طرف متوجہ ہونے کی بدبختی

عشار کی نماز کے وقت دنیا کی طرف متوجہ ہونے کی بدبختی کا ذکر نکل آیا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ مولانا شیخ قطب الدین منور کے دادا جان مولانا جمال الدین ہانسویؒ حضرت شیخ فرید الدین گنج شکرؒ سے مرید تھے۔ مولانا جمال الدین ہانسویؒ کا وصال اپنے شیخ کی زندگی ہی میں ہو گیا تھا۔ ان کے انتقال کے بعد ان کے صاحبزادے مولانا برہان الدین کو حضرت خواجہ کے سامنے لوگ لے گئے اور ان سے التجا کی کہ یہ مولانا جمال الدین کے صاحبزادے ہیں جس طرح آپ نے ان کے والد کے اوپر نظر کرم رکھی تھی اسی طرح ان کے اس فرزند پر بھی توجہ فرمایئے۔ حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ نے فرمایا کہ اب میری نظر میں وہ پہلی سی بات نہ رہی۔ حاضرین مجلس حضرت بابا کی اس بات کو سن سن کر زار زار رونے لگے۔ کہ حضرت بابا نے ایسی بات زبان مبارک سے کیوں نکالی۔ ان لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت ہم لوگوں کے علم میں تو آپ کی نظر تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی ہے۔ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر نے فرمایا کہ جس روز بادشاہ سلامت نے میرے پاس آکر چاندی کی تھیلی پیش کی تھی اور میں نے نہیں قبول کیا تھا بلکہ میرے وابستگان نے بھی اسے لینے سے انکار کر دیا تھا لیکن پھر ان کے اصرار پر ان کی اس درخواست کو میں نے مان لیا کہ میرے نام پر میری خانقاہ کے دروازہ پر سب صدقہ کر دیا جائے اور یہ میں نے اس لیے مان لیا تھا کہ مجھے بادشاہ کی دل شکنی اور خجالت اچھی نہیں معلوم ہوئی اس دن کے بعد سے میری نظر میں وہ پہلی سی بات نہ رہی۔ پھر حضرت مخدومؒ نے یہ غزل عنایت فرمائی۔ ؎

"غزل"

شیریں بہ خسرو آب دہ فرہاد را سنگسار کن | وصلت بہ خاصاں بخش شد مارا خصوص افگار کن
خاطر پریشاں می رود جمع آمدم لطفے بکن | گیسوئے سرپیچیدہ را بکشائے بر ہنجار کن
نہ شنیدہ مار بیہ دعوئ قتالی می کند | بنما سر گیسوے خود افسوں گری در کار کن

برطور موسیٰ بودہ ام برکوہ لبنان گشتہ ام جنباں سر علقیں را بس ہر دو زیر بار کن
خود سرو را آں یا کجا با تو برابر ایستہ گر گل بر شوخی رخ کند او را قرین کار کن
گر حسن با احسان خود پیرایہ زیبا شود از ما ہمہ جرم و خطا تو رحمتی ایثار کن

گر پرتو چہرہ بری بوالفتح را سایہ فگن
دیوانہ شد اے ساحرا بت روم را احضار کن

روز جمعہ ۲۸ ذی الحجہ ۸۰۲ھ

دنیا والوں کے بارے میں

عشاء کی نماز کے بعد دنیا والوں کے درو ازے میں ذکر نکل آیا۔ حضرت مخدوم ؒ نے فرمایا کہ ان بے چاروں کا بھی عجب حال ہے کہ ذلیل زندگی گزاریں، مرے ہوئے کی طرح مریں اور قیامت کے دن شرمسار اٹھیں۔ زندگی صرف پیٹ بھرنے اور اچھا کپڑا پہننے کی فکر میں گزار دینا خودی کو نظر انداز کر دینے کے بعد ہی ممکن ہے اور اس کے معنی ہوئے ذلیل زندگی گزارنا۔ اور جب دل کی صفائی اور زندگی کے اسباب اس کو میسر نہ ہوئے تو گویا وہ مُردوں میں شامل رہا اور اسی حال میں مرا۔ اور جب اس حال میں مرا تو اسے قیامت کے دن شرمسار اٹھنا ہی ہے۔ اور انسان کے لیے زندگی سے زیادہ قیمتی کوئی شے نہیں ہے۔ اس لیے کہ ساری نعمتیں انسان کو زندگی ہی سے ملتی ہیں۔ اگر انبیاء اور اولیاء کو زندگی عطا نہ ہوتی تو ظاہر ہے نبوت اور ولایت کی دولت تک ان کی رسائی نہیں ہو سکتی تھی۔ افسوس ہے کہ ایسی قیمتی اور پیاری زندگی کو کھیل کود، لہو و لعب اور واہیات باتوں میں گزار دیا جائے۔ اور ضائع کر کے اپنے کو ذلیل کیا جائے۔ پھر حضرت مخدوم ؒ نے ایک قصہ بیان فرمایا کہ ایک بزرگ تھے جنہوں نے خلق خدا سے قطع تعلق کر کے گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی اور زیادہ تر وہ مغموم اور افسردہ رہتے۔ ایک محدث اس شہر میں وارد ہوئے لوگ جوق در جوق ان کی طرف متوجہ ہوئے ان بزرگ سے لوگوں نے کہا کہ اگر آپ بھی ان کے پاس جائیں تو کچھ حدیث سن سکیں اور یہ آپ کے لیے اچھا ہو۔ ان بزرگ نے کہا کہ رسول اللہ صلعم کی ایک حدیث مجھ تک پہنچی ہے اور تیس سال سے اس پر عمل کرنے کی کوشش کر رہا ہوں لیکن ابھی تک کامیاب نہیں ہو سکا ہوں۔ اور وہ حدیث شریف یہ ہے ان من جزء اسلام المرء ترک مالا یعنیہ (یعنی انسان کے اسلامی اجزا میں سے ایک

عظیم جز یہ ہے کہ بیکار باتوں کو ترک کر دیا جائے) انشاء اللہ جب اس حدیث پر عمل کر لوں گا۔ اور اس سے عہدہ برآ ہو جاؤں گا پھر دوسری حدیثوں کو سننے کا ارادہ کروں گا۔ اس کے بعد حضرت مخدوم نے یہ غزل پڑھی:

گر با سر زلف تو نہ نازم چہ کنم ورباغم سوز تو نہ سازم چہ کنم
از یار اگر بلا رسد می شاید چوں بوسہ زنم اگر نہ کازم چہ کنم
در بستہ اگر بہ یار بازی شینم گر دست دراں طرف نہ فرازم چہ کنم
گر دست رسد کہ سر نہم در نہہ پا اکنوں نہ کہ خود بہ خود فرازم چہ کنم
آں سر و نوئی کہ سبزہ آرد بار گو سرو بہ گو بد من درازم چہ کنم
گر گویدم خواجگاں فلاں بندۂ ماست انگہ چہ سزد کہ در گدازم چہ کنم
محمود اگر نہ می خرد بندۂ خود بوالفتح اگر چہ من ایازم چہ کنم
گفتم بہ غلط بری نمک دارد خود شرمندہ شدم ہمیں گدازم چہ کنم

پھر یہ تین رباعی پڑھی:

(۱)

پے شمع رخے اگر نہ سوزم چہ کنم صد پارہ دل شدہ نہ دوزم چہ کنم
چوں عکس دی وہمہ در چشم آید اے مردم اگر نہ می فروزم چہ کنم

(۲)

از درد فراق اگر نہ نالم چہ کنم شب و روز اگر نہ در خیالم چہ کنم
می گوئی با تو ام نہ ام ہرگز دور در عین حضور بے وصالم چہ کنم

(۳)

دل در پے دلبرے نہ پوید چہ کند از درد فراق جاں نہ جوید چہ کند
دل آئینہ عکسے ست درد شد پیدا دل خود را عین بت نہ گوید چہ کند

روز شنبہ ۲۹ ذی الحجہ ۸۰۲ھ

حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی کے فضائل اور حسن اخلاق کے بارے میں

اشراق کے وقت شیخ الاسلام

حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی ؒ کے فضائل اور حسن اخلاق کے بارے میں ذکر نکل آیا۔ حضرت مخدوم ؒ نے فرمایا کہ میں پندرہ سولہ سال کا تھا کہ حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر شرف ارادت سے مشرف ہوا تھا۔ اور اس وقت حضرت شیخ کی عمر تقریباً ستر سال تھی۔ میری کم سنی کے باوجود حضرت شیخ کا مجھ پر اتنا مہربان ہونا کہ بہت کم دیکھنے میں آیا ہے لوگوں کے لیے تعجب اور حسرت کی بات تھی حضرت شیخ خلوت میں مجھ سے اتنے واقعات اور حکایات بیان فرماتے کہ اگر میں ان ملفوظات کو لکھنا چاہوں تو ایک سال لگ جائے اور بہت ضخیم کتاب تیار ہو جائے۔ دہلی میں ایک مرتبہ وبا پھوٹ پڑی اور پھر اس کے باعث موت کی وہ گرم بازاری ہوئی کہ غُسال مُردوں کو نہلانے سے تنگ آ گئے تھے۔ کھاٹ، کپڑا اور مُردوں کا سامان پھینکا پھرتا کوئی اٹھانے کا نام نہ لیتا۔ روپیہ پیسہ سے خیرات لینے والوں کا دامن بھاری تھا۔ ہمارے محلہ میں کئی گھر میں تالے لگ گئے کوئی چراغ جلانے والا نہ بچا۔ اسی زمانے میں مَیں بھی اس وبا میں مبتلا ہوا تکلیف اور بیماری نے وہ شدت اختیار کی کہ الاماں کسی کو بھی میری زندگی کی امید باقی نہیں رہی۔ یہاں تک کہ ایک رات کو عورتوں نے جمع ہو کر گریہ و فغاں بھی شروع کر دیا تھا۔ میری والدہ نے میرے بھائی کو حضرت شیخ کی خدمت میں بھیجا کہ تمام حال جا کر عرض کریں۔ صبح کو جب میرے بھائی حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اس وقت اشراق کا وقت تھا اور حضرت شیخ مصلا بچھا کر اشراق کی نماز پڑھنے جا رہے تھے۔ حضرت شیخ نے ان کو دیکھتے ہی پوچھا کہ تمہارے بھائی کی طبیعت کیسی ہے۔ میرے بھائی کی آنکھوں سے باوجود ضبط کے آنسو جاری ہو گئے اور وہ حضرت شیخ کے قدموں پر گر کر رونے لگے۔ حضرت شیخ نے ان کو اٹھا کر پوچھا بتاؤ ہمارا سید کیسا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ اگر واپس پہنچ کر انہیں زندہ دیکھ لوں تو بڑی بات ہے۔ ورنہ کوئی امید باقی نہیں رہی۔ حضرت شیخ تھوڑی دیر سر جھکا کر بیٹھے رہے پھر سر اٹھا کر فرمایا جاؤ اپنی والدہ کو میرا سلام کہو اور اطمینان دلا دو کہ اگر تمہارے لڑکے کو کچھ ہو جائے تو میں ضامن ہوں وہ زندہ رہے گا اور صحت یاب ہو گا۔ میرے بھائی نے دل میں سوچا کہ حضرت شیخ یہ کیا فرما رہے ہیں۔ اب اس کی زندگی کی کیا امید کی جا سکتی ہے بہر حال وہ خانقاہ سے باہر نکلے تو انہیں پھر واپس بلا کر فرمایا کہ ابھی خواجہ جہاں کی بازار سے ہو کر جاؤ گندھیوں کی دوکان تم نے دیکھی ہو گی ان کی دوکان سے دو چنبیل کا چراغ نہ خرید کر لیتے جانا اور اپنے بھائی کو پلا دینا۔ میں دوڑتا ہوا بازار پہنچا اور چراغ نہ خرید کر گھر پہنچا راستہ میں گھر کی طرف کان لگائے تھا کہ کہیں رونے کی آواز تو نہیں آ رہی ہے۔ گھر کے اندر پہنچا تو عورتوں کو اسی طرح

اکٹھے بیٹھا پایا۔ ماں مجھے دیکھ کر دوڑتی ہوئی میرے پاس آئیں اور پوچھا کہ حضرت شیخ نے کیا فرمایا۔ میں نے انہیں حضرت کا ارشاد سنا دیا کہ انہوں نے آپ کو سلام کہا ہے اور فرمایا ہے کہ آپ کا لڑکا صحتیاب ہوگا اگر اسے کچھ ہوگیا تو میں ضامن ہوں۔ تمام لوگوں نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا اب اس کی زندگی کی کیا اُمید باقی ہے۔ پھر بھی حضرت شیخ کا فرمان سر آنکھوں پر۔ میں نے چرائتہ کا سفوف والدہ کو دیا کہ شیخ نے اس کو پانی میں بھگو کر فوراً پلا دینے کو کہا ہے۔ عورتوں نے کہا کہ ہے ہے! اس وقت گلاب اور شکر پلانے کا وقت ہے نہ کہ تلخ دوا۔ بھائی نے ان باتوں کو سُن کر زور دے کر کہا کہ حضرت شیخ نے جس طرح حکم دیا ہے اسی کے مطابق کیا جائے۔ تاکہ یہ افسوس نہ رہ جائے کہ شیخ کے حکم پر عمل نہ کیا گیا۔ یہ سب گفتگو میں سُن رہا تھا۔ حضرت شیخ کا نام بار بار میرے کان میں آرہا تھا۔ میں نے آنکھ کھول کر پوچھا کہ آپ لوگ کیا بول رہے ہیں۔ لوگوں نے بتایا کہ حضرت شیخ نے تم کو چرائتہ پینے کے لیے فرمایا ہے میں نے کہا تو پھر اس میں سوچنا کیا ہے فوراً دیا جائے۔ چنانچہ لوگوں نے اس کو پانی میں بھگو کر چھان کر مجھے پلایا۔ سبحان اللہ اس کڑوی دوا میں آب حیات کی لذت اور اثر تھا۔ اس دوا کے پیتے ہی میں اُٹھ بیٹھا۔ بخار غائب ہوگیا چند روز تک کچھ تکلیف اور نقاہت رہی لیکن زندگی کی امید بندھ گئی۔ حضرت مخدومؒ نے ایک اور واقعہ بیان فرمایا کہ ایک مرتبہ ہمارے شیخ حضرت نصیر الدین چراغ دہلویؒ نے فرمایا کہ میری صحت کے لیے دعا کرو۔ میں اس میں مشغول ہوگیا۔ انہوں نے درمیان میں دریافت کیا کیا دُعا مانگ رہے ہو۔ میں نے کہا حضرت خواجہ کی صحت کی۔ خلاف معمول حضرت شیخ اس روز ہم پر بہت زیادہ مہربان نظر آئے اور فرمایا کہ مانگو جو تم مانگنا چاہتے ہو۔ میں نے عرض کیا کہ میری تمنا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو اپنے شیخ کی موجودگی میں اس دنیا سے اٹھائے۔ یہ سُن کر تھوڑی دیر تک وہ خاموش رہے پھر ٹھنڈی سانس لے کر فرمایا کہ میں بھی یہی آرزو رکھتا تھا کہ اپنے خواجہ کے سامنے مروں لیکن میری وہ آرزو کہاں پوری ہوئی۔ میں رہ گیا اور ہمارے شیخ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ پھر مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ میں بیٹھ گیا لیکن اس روز مجھے یقین ہوگیا کہ ہمارے شیخ مجھے چھوڑ کر چلے جائیں گے اور مجھے ان کی جدائی کا تلخ گھونٹ پینا ہی ہوگا۔

رسول اللہ صلعم کا پسینہ سب سے زیادہ خوشبو تھا

تھوڑی دیر کے بعد خراسان، عرب اور ہندوستان کے مختلف عطریات اور خوشبو کے بارے میں ذکر نکل آیا۔ حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ تمام خوشبوؤں میں سب سے زیادہ

خوشبو عرب میں رسول اللہ صلعم کے زمانہ میں آنحضرت صلعم کا پسینہ مبارک تھا۔ حدیث شریف میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حجرات مطہرات میں سے ایک حجرہ میں سو رہے تھے آپ صلعم کی پیشانی مبارک پر پسینے کے کچھ قطرے جمع ہو گئے تھے۔ وہ حجرہ ام المومنین حضرت حفصہ یا ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا تھا۔ پیشانی سے پسینہ مبارک کے اٹھانے میں حضرت رسول اللہ صلعم کی آنکھ کھل گئی۔ آپ نے پوچھا اس پسینہ کا کیا کرو گی۔ ام المومنین نے فرمایا کہ ہم آپ کے اس پسینہ کو خوشبو میں ملا دیں گے۔ دنیا کی کوئی خوشبو اس خوشبو کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اور نہ مجھے اس سے زیادہ کوئی خوشبو پسندیدہ ہے رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ تم صحیح کہتی ہو۔

امام حسن اور حسین علیہ السلام کی صفات کا ذکر

تھوڑی دیر کے بعد امیر المومنین حسن رضؓ اور حسین رضؓ کی تعریف اور صفات کا ذکر نکل آیا حضرت مخدوم نے فرمایا کہ یہ دونوں جگر گوشان علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ندی کے کنارے سے گزر رہے تھے۔ ان دونوں نے ایک بوڑھے آدمی کو وضو کرتے دیکھا جو کہ اس کے طریقہ سے ناواقف تھا۔ ان دونوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ ہم دونوں بچے ہیں اس بوڑھے آدمی کو کس طرح منہ پر کہہ دیں کہ آپ کو وضو کرنا نہیں آتا۔ کچھ سوچ کر دونوں اس بوڑھے آدمی کے پاس آئے اور کہا کہ آپ کو ہم دونوں نے منصف اور حکم بنایا آپ ہم دونوں کو وضو کرتے دیکھ کر بتائیں کہ ہم دونوں میں سے کون وضو کرنا جانتا ہے۔ اگر ہم لوگوں سے وضو کرنے میں غلطی ہو تو اس کی اصلاح کر دیں دونوں یہ کہہ کر بیٹھ گئے اور وضو کرنے لگے۔ جب وضو ختم ہوا تو وہ بوڑھا آدمی دوڑ کر ان کے قدموں پر گر پڑا اور کہا اے فرزندان رسولؐ آپ دونوں وضو کرنا جانتے ہیں لیکن در حقیقت میں ناواقف تھا آپ نے اس طرح مجھ کو وضو کرنا سکھا دیا۔ آج آپ دونوں کو وضو کرتے دیکھ کر میں وضو کرنا اچھی طرح سیکھ گیا۔

روز یکشنبہ ۳۰ ماہ ذی الحجہ ۸۰۲ھ

ماہ محرم کی پہلی شب کو چھ رکعت نماز کی ترکیب

محرم کی پہلی شب کو عشاء کی نماز کے وقت خاکسار ماہ محرم کی مبارکباد دینے کے لیے خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ آج کی شب کو چھ رکعت نماز اس ترکیب سے پڑھنا چاہیے کہ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد ایک بار آیتہ الکرسی اور گیارہ بار

سورہ اخلاص پڑھا جائے اور ہر رکعت کے آخر میں سبحان اللہ الملک القدوس آخر تک تین بار پڑھا جائے۔ جاؤ خود پڑھو اور دوسروں کو بھی بتا دو۔

روز دوشنبہ ۱ر محرم الحرام ۸۰۳ھ

گریہ و بکا کی قسمیں

عصر کی نماز کے وقت گریہ وزاری کا تذکرہ نکل آیا۔ حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ پہلے مجھے بہت رونا آتا تھا لیکن جب سے اس آیت کریمہ وجاء اباھم عشاء ویبکون۔ (یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی اپنے والد کے پاس عشاء کے وقت روتے ہوئے آئے) کی تفسیر کے سلسلے میں حضرت حسن بصریؒ کا یہ قول دیکھا کہ رونا اٹھارہ قسم کا ہوتا ہے ان میں سے صرف ایک کی بنا پر خلوص ہے اور باقی کی نفاق اور مکر پر تو اس وقت سے رونا میں نے کم کر دیا۔ پھر لکھا ہے اذملک الرجل النفاق ملک عیناہ البکاء (یعنی جب آدمی منافق ہو جاتا ہے تو اس کی دونوں آنکھیں رونے پر قادر ہو جاتی ہیں۔ وہ جب چاہتا ہے گریہ وبکا کرتا ہے) یہ دیکھ کر میں نے کوشش کی کہ کم سے کم رویا جائے اس لیے کہ اسرار گریہ سے واقف ہونا بہت مشکل ہے۔ پس اس سے باز رہنا زیادہ بہتر ہے۔

روز سہ شنبہ ۲ر محرم الحرام ۸۰۳ھ

بزرگان دین کی تنگ دستی اور مالی فراوانی سب برابر ہے

چاشت کی نماز کے وقت حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ہمارے چھوٹے مخدوم زادے نے ایک مرتبہ بیان فرمایا کہ کسی شخص نے ہیبت خاں تک یہ خبر پہنچا دی کہ خانقاہ میں مالی تنگی ہے۔ انہوں نے ایک تھیلی میں کافی روپے پیسے خدمت اقدس میں روانہ کیا حضرت مخدوم نے اسے دیکھ کر فرمایا کہ خان تک میری دعا پہنچا دو۔ اور کہہ دو کہ یہ مال اس شخص کو دے دیا جائے جس نے میری تنگ دستی کی تم کو خبر پہنچائی تھی۔ یہ سچ ہے کہ میں اکثر تنگ دستی میں مبتلا ہو جاتا ہوں۔ کوئی دن ایسا بھی گزرتا ہے کہ صبح سے شام تک میرے پاس خرچ کے لیے کچھ نہیں ہوتا اور کبھی اتنا اللہ بھیج دیتا ہے کہ اس کی انتہا نہیں ہوتی۔ اور اگر یہ بات نہ ہو تو میں درویش کس طرح کہا جا سکتا ہوں۔ جس رات کو میں فاقہ میں گزارتا ہوں وہ میرے لیے عید کی سی خوشی لاتی ہے۔

اسی کے حسب حال حضرت مخدومؒ نے ایک قصہ بیان فرمایا کہ ایک دن حضرت شیخ الاسلام خواجہ نظام الدینؒ دروازہ مندہ کے متصل ایک بڑے برج میں جو کہ دو دروازہ کے درمیان ہے عبادت میں مشغول تھے۔ کئی روز سے ان پر فاقہ تھا۔ کوئی چیز کھانے کو نہیں پہنچی تھی۔ ایک طالب علم کو اس کا پتا چل گیا۔ اس نے گلی کے کئی حائکوں کو خبر کر دی کہ تمہارے پڑوس میں اتنی بزرگ شخصیت کئی روز سے فاقہ سے ہے اور تم کو خبر تک نہیں۔ ان لوگوں نے کھانا تیار کیا اور خدمت اقدس میں پیش کیا۔ حضرت شیخ نے ہاتھ دھونے کے لیے پانی مانگا اور ہاتھ دھو کر کھانے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ غیب سے خبر ہو گئی کہ کھانا لانے والے حائک ہیں۔ آپ نے کھانے سے ہاتھ روک لیا اور پوچھا کہ تم لوگوں کو میرے بارے میں کس نے خبر کی تھی ان لوگوں نے بتایا کہ فلاں طالب علم نے کہا تھا کہ آپ کئی روز سے فاقہ ہیں۔ حضرت شیخ نے کھانے سے انکار کر دیا۔ ان لوگوں نے بہت کوشش کی لیکن حضرت شیخ نے نہیں کھایا پھر لانے والوں میں سے ایک نے لڑکے کے لیے دعا کرنے کی درخواست کی کہ اس کے گھر میں لڑکا نہیں ہے حضرت شیخ نے اس کے لیے دعا فرمائی۔

روز پنجشنبہ ۴ محرم الحرام ۸۰۳ھ

اللہ اپنے بعض دوستوں کو ایسا پوشیدہ رکھتا ہے کہ کسی کو خبر نہیں ہوتی — ۴ محرم کو ذکر نکلا

آیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو ایسا پوشیدہ رکھتا ہے کہ کسی کو خبر تک نہیں ہوتی۔ اس بارے میں حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ کل قیامت کے دن اللہ اپنے بعض دوستوں کو نور کے صندوق میں رکھ کر دوزخ کی گہرائی میں اس جگہ پہنچا دے گا کہ کسی کو ان کی خبر نہ ہو گی کہ وہ کہاں ہیں۔ اور ان کے ساتھ اللہ کیا معاملہ کر رہا ہے۔ بس وہ جانیں اور ان کا اللہ جانے۔ لیکن ان کو کسی طرح کی تکلیف نہیں ہو گی۔ حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ تاریخ عرائس میں لکھا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے دریا کے خازن سے پوچھا کہ دریا کی کوئی عجوبہ اور نادر چیز مجھے دکھاؤ۔ دریا کے خازن نے جواب دیا کہ اللہ سے درخواست کرو مجھے خود اس کا کوئی علم نہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ سے درخواست کی۔ یکایک ایک بڑا اور کشادہ صندوق حجرہ کی شکل کا دریا سے نمودار ہوا اور اس میں سے ایک جوان سفید کپڑے پہنے باہر نکلا۔ وہ بہت گورا چٹا آدمی تھا اور پانی کے قطرے اس کے چہرے سے ٹپک رہے تھے۔ حضرت سلیمان نے پوچھا کہ تم کون ہو؟ کیا تم دریائی انسان ہو؟

اس جوان نے کہا میں دریا کا آدمی نہیں ہوں۔ بلکہ میرا قصہ یہ ہے کہ میری ماں بہت ضعیف تھی میں اس کی خدمت، خوشنودی اور اطاعت میں ہر وقت مشغول رہتا تھا۔ مرنے کے وقت اس نے اللہ سے میرے لیے دعا مانگی کہ خداوندا! میرے لڑکے کو ایسا کر دے کہ کسی کو اس کے بارے میں کچھ پتا نہ چلے سوائے تیرے نہ وہ کسی کو دیکھے اور نہ کسی کی عبادت کرے۔ اللہ تعالیٰ نے میری ماں کی دعا قبول کر لی۔ ایک دن میں دریا کے کنارے آیا ہوا تھا اس کشتی کو دیکھا کہ وہ دریا کے کنارے لگ رہی ہے میں نے دل میں سوچا کہ ذرا اس کے اندر جا کر دیکھیں کہ کیسی ہے۔ چنانچہ میں اندر چلا گیا۔ دریا نے مجھ کو اپنے اندر سمیٹ لیا اور گہرائی میں اس کشتی کو لے کر بیٹھ گیا۔ کتنے سال گزر گئے کہ میں اسی دریا میں ہوں اور سوائے ظلمات بحر کے اور کچھ نہیں دیکھتا ہوں۔ اور اسی جگہ میں عرصہ دراز سے اللہ کی عبادت میں مشغول ہوں۔

حضرت جنید بغدادیؒ کے ایک قول کی وضاحت

تھوڑی دیر حضرت جنید بغدادیؒ کے اس قول کے معنی اور مفہوم پر بات نکل آئی انہوں نے ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ میں اس کے قدموں کو چوموں گا جس نے اس میں "بہ دروغ" یعنی غلطی سے یا دکھانے کے لیے قدم رکھ دیا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ اس دروغ سے دو معنی پیدا ہوتے ہیں ایک تو یہ کہ نیک کام کی عظمت دل میں موجود تھی اور اس کام کی طرف رغبت اور میلان بھی تھا لیکن غلطی سے اس کام سے رک گیا۔ اور دوسرے معنی اس سے یہ نکلتے ہیں کہ اس نے کسی نیک کام میں قدم دکھاوے، اور بری نیت سے رکھا لیکن آہستہ آہستہ اس کی نیت میں صداقت اور راست بازی آگئی اور اس کا دل اللہ کی عبادت کی طرف راغب ہو گیا اور اس کی بری نیت اچھی نیت میں بدل گئی اور پھر وہ اس سے نہیں ہٹا۔ اسی کے حسب حال ایک قصہ بھی بیان فرمایا کہ فوائد الفواد میں لکھا ہے کہ ایک نوجوان ایک عورت پر عاشق ہو گیا اس عورت نے اس جوان سے کہا کہ مجھ تک تیری رسائی ممکن نہیں ہے البتہ اگر تو محلہ کی مسجد میں بیٹھ کر عبادت اور تقویٰ دکھاوے کے لیے شروع کر دے۔ اور اپنے کو بہت صالح اور عابد و زاہد لوگوں پر ظاہر کر دے تو پھر شوہر، سسر، باپ اور بھائی سب چونکہ صالحین اور عابدوں سے بہت اعتقاد رکھتے ہیں اس لیے وہ سب مجھے تیرے پاس جانے کی اجازت دے دیں گے۔ اور منع نہیں کریں گے۔ اس جوان نے اس عورت کے کہنے پر عمل کیا اور مسجد میں بیٹھ کر عبادت میں مشغول ہو گیا یہاں تک کہ بہت جلد عوام میں وہ عابد و زاہد مشہور ہو گیا۔ اس

عورت کے شوہر، سسر، باپ، بھائی سب اس کے معتقد ہوگئے۔ اس عورت نے ان لوگوں سے اس زاہد کی قدمبوسی کی اجازت مانگی اور اجازت لے کر وہاں پہنچ گئی۔ اس جوان کو اللہ تعالےٰ نے اپنی طرف کھینچ لیا تھا کہ اس کو اپنے حال و ماضی کا کچھ شعور اور ہوش باقی نہیں رہا تھا۔ اس عورت نے خلوت میں اس کو ناز و ادا دکھلاکر پچھلی بات یاد دلائی اور کہا کہ تم بھول گئے میں وہی عورت تو ہوں جس کے لیے تم نے یہ سارا عبادت و ریاضت کا کھڑاگ پھیلایا ہے اس جوان نے پچھلی باتوں کو یاد کرکے کہا کہ اے عورت تو سچ کہہ رہی ہے۔ لیکن اب چند دنوں سے عبادت الٰہی میں وہ لذت مجھے مل رہی ہے کہ میں اب اس سے علیحدہ نہیں ہوسکتا ہوں مجھے اپنے خدا سے عشق ہوگیا ہے اور اب اس دل میں کسی کی محبت اور یاد کی گنجائش نہیں رہی اس لیے اب مجھے تم سے کوئی سروکار نہیں میں اب دوسرے عالم میں ہوں تم اپنے گھر واپس جاؤ۔ اور میرا خیال دل سے نکال دو۔ اس نے اپنے کو اللہ کی عبادت میں لگایا اس کی برکت سے اس کی بری نیت اچھی نیت میں بدل گئی۔ اور اللہ نے اپنی محبت اس کے دل میں ایسی ڈال دی کہ پھر اسے کسی کی پرواہ نہ رہی۔

مالک دینارؒ کا قصہ پھر اسی طرح کا ایک اور قصہ حضرت مخدومؒ نے بیان فرمایا کہ مالک دینارؒ تیس سال تک اوقاف کی تولیت کے لیے دمشق کی جامع مسجد میں دکھاوے کے لیے عبادت و ریاضت میں مشغول رہے۔ چونکہ اوقاف کا متولی دمشق میں بادشاہ سے مال و دولت اور جاہ و حشم میں کم نہیں ہوتا اس لیے مالک دینارؒ زور اور دکھلاوے کے طور پر تمام دن تلاوت کلام پاک، نماز و تسبیح میں مشغول رہتے اور رات کو عشا کی نماز کے بعد مسجد سے نکل جاتے اور اپنے ہم مشرب اور ہم پیالہ دوستوں کے ساتھ تمام رات مے نوشی اور نغمہ و سرود میں مشغول رہتے صبح ہوتے ہی پھر مسجد میں چلے آتے۔ ایک رات کو وہ حسب دستور اپنے دوستوں کے ساتھ جشن منا رہے تھے۔ ان کے دوست شراب کے نشے میں مست سوئے ہوئے تھے اور وہ رباب بجا رہے تھے۔ یکایک رباب کے تار سے آواز نکلنے لگی۔ یا مالک ان لاتترب۔ (یعنی اے مالک کب تک توبہ نہیں کروگے) اس آواز کے سنتے ہی ان کے دل کی حالت بدل گئی اور انہوں نے اسی وقت سچے دل سے توبہ کی۔ صبح کو صدق دل اور صدق نیت سے وہ اپنے خدا کی عبادت میں مشغول ہوگئے۔ اسی دن تھوڑی دیر کے بعد خلیفہ نے اپنے وزرا اور عمائدالدین کے ساتھ آکر ان کی خدمت میں وقف نامہ پیش کیا۔ خود مالک دینارؒ نے کہا کہ اے خلیفۃ المومنین! تیس سال تک

اس کاغذ کے لیے میں زور پھیلاتا رہا اور دکھاوے کی عبادت کرتا رہا - آج کی رات سچے دل سے توبہ کر کے میں اپنے خدا کی طرف متوجہ ہوا ہوں اور اپنا دل اس کی طرف لگایا ہے اور اس کے علاوہ ہر چیز سے اپنا دل صاف کر لیا ہے - اب مجھے اس کاغذ کی کیا پروا ہو سکتی ہے - مجھ کو اب آپ میری حالت پر چھوڑ دیں اور اپنے اس وقف نامہ کے کاغذ کو کسی اور کے حوالہ کیجیے - خلیفہ نے بہت اصرار کیا کہ وہ تولیت قبول کر لیں لیکن وہ نہ مانے - اور اپنی ساری زندگی عبادت الٰہی میں مشغول رہے - اور اسی پر ان کا خاتمہ بخیر ہوا -

ہمہ اوست کی آڑ میں شریعت سے گریز کرنے والوں کی جہالت

تھوڑی دیر ان لوگوں کی جہالت کا ذکر نکل آیا جن لوگوں نے "ہمہ اوست" کو بہانہ بنا کر شریعت کی پابندیوں سے روگردانی کی ہے - حضرت مخدوم نے فرمایا کہ میں مانتا ہوں کہ سب کچھ اسی کے حکم سے ہے - وہی ہے جس نے اپنی رحمت سے بہشت بنایا - اور وہی ہے جس نے اپنے قہر سے دوزخ پیدا کیا - اسی نے نیکی اور برائی دونوں پیدا کی - جو مقہور بندے تھے ان پر قہر نازل کیا کیونکہ وہ اسی کے سزاوار تھے اور جو فرماں بردار

. . . . بندے تھے

ان کو مہربانی اور لطف و کرم سے نوازا کہ وہ اسی کے مستحق تھے - رضا نیکی کی صفت میں آئی کہ وہ منبع رحمت اور لطف و کرم ہے کراہیت اور غضب برائی میں شامل ہوا کہ اس سے قہر الٰہی جوش میں آتا ہے پس اے ہوا و ہوس میں گرفتار احمق انسان! اتنا تو سمجھ کہ تجھ سے کیا ہو سکتا ہے، نیکی یا بُرائی، جس پر تو ہے اسی پر رہے گا اور اسی پر خاتمہ ہوگا تیری طاقت اور حقیقت ہی کیا ہے کل میسّر لما خلق لہ (یعنی جو شخص جس کام کے واسطے پیدا کیا گیا ہے اس کو اس کام میں سہولت دی جاتی ہے) مقہور اور دوزخی اپنے اسی طرح کے بُرے کام میں جس سے قہر الٰہی کو جوش آئے مشغول رہتے ہیں - مستحق لطف و کرم اور بہشتی اپنے ان ہی نیک کاموں میں مشغول رہتے ہیں جس سے رحمت الٰہی نازل ہوتی رہے - ان تمام دانش اور عرفان کے باوجود جو تجھ کو ہے تو ان دو حالتوں سے علیحدہ نہیں ہو سکتا - اور نہ کوئی تیسری صورت پیدا ہو سکتی ہے - اور نیکی صرف پیغمبر صلعم کی پیروی اور اطاعت میں ہے - اس کے خلاف جو کچھ ہے غلط اور برائی میں داخل ہے - بہشت صرف نیکی ہی سے مل سکتی ہے عارفان خدا میں سے بہت سے لوگ دوزخی ہوں گے - وہ آہ و زاری کریں گے اور کہیں گے کہ یہ سب اسی الگ کونیوں کی طرف سے ہے - اور خود اللہ بھی ان سے کہے گا کہ

میں ہی تم کو عذاب دے رہا ہوں۔ کافروں اور جاہلوں کو جس طرح عذاب دیا جائے گا اسی طرح عارفوں کو بھی دیا جا سکتا ہے اور اس سے بچنے کی صورت صرف نبی صلعم کی پیروی، اتباع اور اطاعت میں مضمر ہے۔ یہ تمام باتیں جو بیان کی گئیں مسائل شرع اور امور اخروی اور معارف و حقائق سے متعلق ہیں۔

مسئلہ اختیار کے بارے میں

حاضرین میں سے ایک نے پوچھا کہ مسئلہ اختیار کے بارے میں کیا ارشاد ہوتا ہے۔ حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو اور اختیار کو ایک ساتھ پیدا کیا اور میرے تمام کاموں کو روز ازل میں ہی لکھ دیا۔ دوزخ کو پیدا کیا اور دوزخیوں کو بھی۔ بہشت کو بنایا اور بہشتیوں کو بھی۔ اس نے تکلیف و الم کا احساس مجھ میں پیدا کیا اور پھر دوزخ کی آگ اور اس سے پیدا ہونے والی تمام اذیتوں کو مجھ پر مسلط کیا۔ دوزخی کو گریہ وزاری اور آہ و فغاں کرنا سکھایا۔ مبدا اور معاد سب اسی ذات پاک سے ہے۔ اگر وہ بندوں سے پوچھ کر کام کرتا تو برا ہوتا۔ بے شک اگر اللہ چاہتا تو یہ جتنے کافر اور سرکش ہیں وہ کافر اور سرکش نہ ہوتے۔ دوزخی اس کو حجت بنا کر فریاد کریں گے کہ خداوندا! اگر تو چاہتا تو ہم کافر، سرکش اور دوزخی نہ ہوتے۔ اللہ کا جواب ہوگا ہاں میں ہی نے وہ کیا اور یہ بھی کر رہا ہوں۔ تو اس کو ظلم و جفا جو چاہے کہہ۔ اگر تو کوئی حق رکھتا ہے تو میرے سامنے پیش کر میں ہی اول اور میں ہی آخر ہوں۔ میں ہی مبدا اور میں ہی معاد ہوں۔

انا الحق کے معنی کی وضاحت

اس کے بعد لوگوں نے انا الحق کے معنی پوچھا حضرت مخدومؒ نے فرمایا اس جملہ کے معنیٰ لوگوں نے غلط سمجھے ہیں۔ اس کو لوگ خلاف شرع کہتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ منصورؒ از خود رفتہ ہو کر اپنا وجود کھو بیٹھے اور خود اللہ نے ان کے مظہر میں انا الحق پکارا۔ جس طرح درخت کے مظہر میں موسیٰ علیہ السلام سے اللہ نے کہا تھا انی انا اللہ لا الہ الا انا۔ اسی طرح حسین منصورؒ کے مظہر میں اس نے انا الحق کی آواز نکالی۔ لوگوں نے اس کو سن کر خلاف شرع سمجھا اور جمع ہو کر ان کو قتل کر دیا۔ حالانکہ ان کا کوئی جرم اور قصور نہ تھا۔ جس طرح رسول اللہ صلعم نے کلمات قدسی کو بیان فرمایا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مظہر نبی میں کلمات قدسی کو بیان فرمایا ہے اسی طرح بعض وقت غلبہ وقت میں مشائخ سے بھی اسی طرح کے کلمات زبان سے نکل گئے ہیں۔

عشاء کی نماز کے وقت

دنیا کی شفاعت اور برائی اور اہل دنیا کے برے انجام کے بارے میں

دنیا کی شفاعت اور برائی اور اہل دنیا کے بُرے انجام اور مآل کار کا تذکرہ نکل آیا۔ حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ ہمارے خواجہ فرماتے تھے کہ امام غزالیؒ نے ایک جگہ لکھا ہے کہ دنیا کی لذت اور اہل دنیا کا اس لذت میں کھونے کو ایسے حلوے سے تشبیہ دی جا سکتی ہے جو مرغن، شیریں، نرم، خوشبو اور خوش ذائقہ تو ہو لیکن اس میں تھوڑا زہر بھی ملا ہوا ہو۔ بھوکے لوگ اس کو کھانے کا ارادہ کرتے ہیں ایک واقف کار آدمی وہاں پر آجاتا ہے اور انہیں روکتا ہے کہ لوگو! اس حلوے کو مت کھاؤ اس کی شیرینی، لطافت اور روغنیت سے دھوکا مت کھاؤ اس میں زہر ملا ہوا ہے۔ اسے کھا کر ہلاک ہو جاؤ گے۔ ان بھوکے لوگوں میں سے بعض نے اس کی بات مان لی، بھوک برداشت کر لی لیکن حلوا نہیں کھایا۔ وہ ہلاکت سے بچ گئے اور سلامت رہے۔ بعضوں نے اس کی بات نہیں مانی۔ بڑھ بڑھ کر حلوے پر ہاتھ مارا اور خوب کھایا اور سب ہلاک ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے آدمیوں میں خواہشات نفسانی پیدا کی اور اس میں ہلاکت پوشیدہ رکھی۔ اور انبیاء کرام کو بھیجا کہ اس ہلاکت سے ان کو خبردار کریں۔ بعض لوگ ان کی ہدایت مان لیتے ہیں اور بہت شیریں اور لذیذ خواہشات سے رک جاتے ہیں وہ سلامت رہتے ہیں اور ہلاکت سے بچ جاتے ہیں۔ اور اس طرح وہ دوزخ کی آگ سے بھی بچ جاتے ہیں۔ لیکن ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو اپنے ہادی اور پیغمبر کی بات نہیں مانتے اور اپنی خواہشات نفسانی کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ ان کا انجام ہلاکت اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہی ہوگا۔ ایک قصہ میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک آدمی ایک گاؤں میں گیا اور وہاں سے کچھ قیمتی شیشہ کا سامان خرید کر وہیں کے ایک مزدور کے سر پر رکھ کر گھر کی طرف روانہ ہوا۔ اس مزدور کی مزدوری چھ تنکہ طے ہوئی۔ مزدور سامان لے کر شہر کے دروازہ پر آیا تو تکان دور کرنے کے لیے تھوڑی دیر اپنے بوجھ کو رکھ کر بیٹھ گیا۔ آرام کرنے کے دوران وہ سوچنے لگا کہ اس چھ تنکہ کو اگر میں فوراً کھا جاؤں گا تو ختم ہو جائے گا لیکن اگر اس سے ایک مرغی کا بچہ خرید لوں تو وہ بچہ مرغی ہو کر خوب انڈے دے گی اور ان کو جمع کر کے ہم بیچیں گے۔ اور ان انڈوں سے بہت سے بچے بھی ہوں گے۔ ان کی پرورش کے بعد بہت سی مرغیاں جمع ہو جائیں گی۔ ان کو بیچ کر ایک بکری خرید دوں گا۔ اس سے جب بہت سی بکریاں ہو جائیں گی تو ان کو بیچ کر ایک گائے خریدوں گا۔ پھر ان کو بڑھا کر اور بیچ کر ایک گھوڑی خریدوں گا۔

جب اس سے بہت سی گھوڑیاں ہو جائیں گی تو ان کو بیچ کر ترک بچوں کو خریدوں گا۔ ان ترک بچوں کو تیر اندازی اور تیغ زنی سکھاؤں گا پھر میں بہت طاقت ور اور مقتدر آدمی ہو جاؤں گا ان سے ایک لشکر تیار کر کے بادشاہ پر چڑھائی کروں گا۔ اور اس کو قتل کر کے خود بادشاہ ہو جاؤں گا۔ پھر کسی حسین ترین اور اعلیٰ خاندان عورت سے شادی کروں گا۔ اس سے جب لڑکا پیدا ہوگا تو اس کو سواری تیر اندازی اور دوسرے علوم و فنون سکھاؤں گا اس کی ماں میری مرضی کے خلاف کچھ بھی کہے گی میں اس کی کچھ نہیں سنوں گا بلکہ میں اس کو اس طرح لات سے ماروں گا۔ اور یہ سوچتے ہوئے اس نے شیشہ کے سامان پر دو تین لات چلادی۔ وہ سب ٹوٹ کر چور چور ہو گیا اس سامان کے مالک نے اس احمق مزدور کی خوب مرمت کی اور اسے رسّی سے باندھ کر گھر لیتا آیا کہ میرے سامان کی قیمت ادا کرو تب چھوڑوں گا۔ اس احمق مزدور کا تمام ہوائی قلعہ یکایک زمین پر آگرا اور وہ دوسری مصیبت میں گرفتار ہو گیا۔ دنیا کے ہوا و ہوس اور خیالات کی مثال ایسی ہی ہے۔

اولیاء اللہ کی کرامات اور خوارق کے بارے میں

کچھ دیر بعض بزرگان دین اور اولیاء اللہ کی کرامات اور خوارق عادات کا ذکر نکل آیا۔ حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ ہمارے خواجہ فرماتے تھے کہ سلطان علاؤالدین جہاں سوز نے جب غزنی فتح کیا تو اپنے بھائی کو وہاں کا حاکم بنا کر خود اپنے دارالسلطنت کو لوٹ گیا اس کے واپس ہونے کے بعد غزنی کے عوام جمع ہو کر حملہ آور ہوئے اور سلطان علاؤالدین جہاں سوز کے بھائی کو قتل کر کے غزنی پھر واپس اپنے قبضہ میں لے لیا۔ سلطان علاؤالدین کو جب اس واقعہ کی اطلاع ملی تو وہ سخت غیض و غضب میں ایک بڑی فوج کے ساتھ غزنی پر دوبارہ حملہ آور ہوا اور اسے فتح کر کے پورے شہر میں آگ لگادی اس روز سے اس کا خطاب جہاں سوز پڑ گیا۔ اسی جہاں سوز کے لشکر میں ایک ترک تھا۔ تمام فوجی رسم کے مطابق اپنے گھوڑوں کو گندم کے کھیت میں چھوڑ دیتے اور وہ چرتے رہتے۔ لیکن وہ ترک اپنے گھوڑے کو پکڑ کر صرف گھاس چراتا۔ اس کے ساتھی لشکریوں نے اس سے پوچھا کہ اپنے گھوڑے کو پکڑے ہوئے کیوں رہتے ہو آزاد چھوڑ کر کیوں نہیں چرنے دیتے۔ اس نے کہا کہ یہ کاشتکاروں کا کھیت ہے ہمارے لیے بلا اجازت اس پر تصرف جمانا جائز نہیں۔ لشکریوں نے اس کا مذاق اڑایا کہ تم تو اس طرح بات کرتے ہو جیسے ولی اللہ ہو۔ ترک نے کہا میں ولی اللہ ہی سہی تمہارا کیا بگڑتا ہے۔ ان لوگوں نے پھر اس کا مذاق اڑایا کہ تم تو اس طنطنہ سے بات کر رہے ہو جیسے ابھی پہاڑ کو چلنے کے لیے کہو گے تو وہ تمہارے

حکم دیتے ہی چل پڑے گا۔ اس ترک نے جھلا کر کہا ہاں ہاں چل پڑے گا۔ یکایک وہ پہاڑ حرکت میں آگیا۔ اس ترک نے فوراً گھبرا کر کہا اے پہاڑ! میں نے تجھے چلنے کے لیے نہیں کہا تھا میں تو یوں ہی مثال کے طور پر کہہ رہا تھا۔ پہاڑ پھر ساکت اور جامد ہو گیا۔ خاکسار نے عرض کیا کہ ایسے ظالم بادشاہ کے لشکر میں ایسے خدا رسیدہ لوگوں کی کس طرح گزر ہوتی ہے اور وہ وہاں کیا کرتے ہیں۔ حضرت مخدومؒ نے فرمایا اللہ کا کام اللہ ہی جانے اس کا جاننا ہمارے لیے ضروری نہیں۔ اس طرح کے لوگ ایسے ناہنجار بدکردار اور ظالم لوگوں کے درمیان کس لیے بھیجے جاتے ہیں اور وہ ان کے درمیان رہ کر کیا کام کرتے ہیں۔ پھر تھوڑی دیر رک کر فرمایا کہ اس طرح کا ایک قصہ حضرت ابراہیم بن ادھمؒ سے بھی منسوب ہے۔ ایک دن ایک شخص نے ابراہیم بن ادھمؒ سے پوچھا کہ تمہیں اپنی سلطنت چھوڑ دینے سے کیا فائدہ ہوا۔ انہوں نے فرمایا کہ مجھے جو فائدہ ہوا میں تم سے بیان نہیں کر سکتا ہوں۔ سب سے معمولی فائدہ یہ ہے کہ اگر میں چاہوں کہ یہ پہاڑ چلنے لگیں تو وہ چلنے لگیں گے۔ ان کی زبان سے ان الفاظ کے نکلتے ہی ابراہیم بن ادھمؒ جس پہاڑ پر بیٹھے ہوئے تھے چل پڑا۔ حضرت ابراہیمؒ نے اس پر ہاتھ مار کر فرمایا کہ میں نے تجھے چلنے کے لیے نہیں کہا تھا میں تو مثال کے طور پر ایک بات کہہ رہا تھا۔ رک جا۔ وہ پہاڑ پھر اپنی جگہ پر تھم گیا۔

روز دوشنبہ ۸ محرم الحرام ۸۰۳ھ

اللہ کی قربت سے محروم رہنے والوں کا ذکر

چاشت کی نماز کے وقت اللہ تعالیٰ کی قربت سے ان لوگوں کی محرومی کا ذکر نکل آیا جنہوں نے اپنی ہمت کی دنائت سے اللہ کے ماسوا چیزوں سے دل لگایا۔ حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ اے دوستو! بیوی، بچے، مال و مرتبہ، علم و زہد، اجتہاد و درس اور فتویٰ جو کچھ بھی رکھتے ہو اس سے صرف یہی حاصل ہوتا ہے کہ اپنے خدا سے محروم ہو۔ ہم اور تمام دانشوران اس پر متفق ہیں کہ اس دنیا میں نیک کام بہشت پانے اور دوزخ سے نجات حاصل کرنے کے لیے کیا جاتا ہے۔ رویت باری وعدہ کے مطابق ایک یا دو گانہ ہوگا۔ پھر کیا بات ہے کہ حضرت ابو یزیدؒ نے ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ ایک سو تیرہ پیر کی خدمت کے باوجود میں اپنے مطلوب اور مقصود کو حاصل نہ کر سکا۔ جس سے بھی میں نے اپنے مطلوب کا ذکر کیا اس نے یہی فرمایا کہ اے ابو یزیدؒ تمہاری بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔ آخر وہ کون سی بات تھی جس کو ایک سو تیرہ پیر بھی نہ سمجھ سکے

قاصر رہے۔ حضرت ابویزیدؒ کے مطلوب اور بات کی حقیقت اس قصہ سے سمجھ میں آئے گی جو تذکرہ میں لکھا ہوا ہے کہ ایک دن ایک نو وارد حضرت امام جعفر صادق کے پاس آکر ادنی ربی کہنے لگا یعنی اے حضرت مجھے خدا کا دیدار کرا دیجیے۔ حضرت امام جعفر صادق رضؓ نے پہلے اسے بہت سمجھایا کہ اے شخص یہ کیسی بے ادبی اللہ کے حضور تو کر رہا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تو لن ترانی یعنی تم مجھ کو ہرگز نہیں دیکھ سکتے کا جواب ملا تھا۔ تجھ کو کس طرح اللہ کا دیدار ہو جائے گا۔ اس آدمی نے کہا کہ وہ دین موسےٰ تھا اور میں آج دین احمدؐ میں ہو کہ یہ خواہش کر رہا ہوں۔ بے شک موسیٰ علیہ السلام نے نہیں دیکھا ان کی امت نے بھی نہیں دیکھا لیکن ہمارے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کا دیدار فرمایا تھا اس لیے ان کی امت کو بھی دیدار نصیب ہونا چاہیے۔ امام جعفر صادقؓ نے حکم دیا کہ اس آدمی کو دجلہ میں غوطہ دو۔ لوگوں نے اس کو دریائے دجلہ میں ڈال دیا۔ وہ ایک غوطہ کھانے کے بعد اوپر ہوا تو اس نے "یا صادق الغیاث" کا نعرہ لگایا۔ امام جعفر رضؓ نے فرمایا اس کو اور غوطہ دو۔ اس دوسری مرتبہ بھی اس نے وہی آواز بلند کی یعنی مجھ کو بچائیے۔ امام جعفر صادق رضؓ تیسری مرتبہ بھی جب اس نے یہی آواز لگائی تو انہوں نے فرمایا کہ اے دجلہ! تو اس شخص کو اتنا جلد اپنی تہہ سے اوپر نہ پھینک۔ اس مرتبہ اس کے اوپر نکلنے میں دیر ہوئی اور اسے موت کا یقین ہو گیا تو اس نے "یا رب الغیاث الغیاث" کا نعرہ لگایا۔ اور اس کے بعد جب وہ پانی سے اوپر ہوا تو اس نے کہا میرا مطلوب اور مقصود مجھ کو مل گیا۔ امام جعفر صادق رضؓ نے اس کو دجلہ سے باہر نکالنے کا حکم دیا اور اپنے پاس بلا کر پوچھا کہ اے شخص! تجھے کیا مطلوب اور مقصود حاصل ہوا۔ اس نے کہا جب تک میں آپ کی طرف دل لگائے ہوئے تھا مجھے کچھ حاصل نہیں ہوا لیکن جب ہر طرف ناامیدی ہو گئی اور موت سامنے آ گئی تو میرا دل آپ سے ناامید ہو کر اپنے خدا کی طرف مائل ہو گیا اور جزو سے کل پر آ گیا۔ ایک کھڑکی میرے دل میں کھل گئی اور میں نے اس میں اپنے اللہ کو دیکھ لیا۔ حضرت امام جعفر رضؓ نے فرمایا اس کھڑکی کا ہمیشہ اور اچھی طرح خیال رکھنا کیونکہ وہ سارے جہان سے بلند ہے۔ پھر فرمایا کہ اس قصہ کے بارے میں آپ لوگوں کا کیا خیال ہے۔ حاضرین نے جواب دیا کہ امام جعفر صادق رضؓ کے اس قصہ کو شیخ فرید الدین عطارؒ نے تذکرہ میں لکھا ہے۔ اس کے صحیح نہ ہونے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ البتہ ہم لوگ اس کام پر اپنے کو قربان کریں اور اس دولت دارین کو حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

ابو یزیدؒ اور اویس قرنیؓ کا قصہ اس کے بعد حاضرین میں سے ایک نے ابو یزیدؒ کا قصہ

بیان کیا کہ میدان حشر میں لوگوں نے جب ابو یزیدؒ کو دیکھنے کی تمنا کی تو انہوں نے اللہ سے التجا کی کہ خداوندا سوائے تیرے میں نے کسی کی پرستش نہیں کی آج بہشت میں مجھ کو اس طرح داخل کر کہ تیرے بندے مجھے نہ دیکھ سکیں۔ چنانچہ اللہ نے کئی ہزار فرشتوں کو بایزیدؒ کا ہم شکل بنا دیا اور بایزیدؒ کو ان ہی کے جلو میں بہشت میں داخل کیا۔ کسی کو پتا نہیں چلا کہ ان میں اصلی بایزیدؒ کون ہیں۔ حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ اسی طرح کا ایک قصہ حضرت خواجہ اویس قرنیؒ کے بارے میں بھی کہا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلعم نے ان کو دیکھنے کی تمنا کی۔ اللہ تعالیٰ نے کئی ہزار فرشتوں کو ان کی صورت کا بنا کر بھیج دیا۔

ایک سائل نے عرض کیا کہ خواجہ محی الدین ابن اعرابی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ایک دن شیخ پندرہ مقام پر دیکھے گئے۔ ایک شخص ایک ہی وقت میں کئی مختلف مقامات پر کس طرح دیکھا جا سکتا ہے۔ حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ ایک شخص ایک وقت میں ایک ہی مقام پر ہوتا ہے اور دوسرے مقامات پر اس کی جھلکیاں (ارائت) ہوتی ہیں۔ اور یہ حروف کے خواص سے ہوتا ہے جو شیخ محی الدین کو حاصل تھا اس کا اتنا جلال اور زور لوگوں پر اسی وجہ سے تھا۔ وہ خود ایک ہی مقام پر تھے پندرہ مقام پر نہیں تھے۔ ایک کے علاوہ بقیہ مقامات پر ارائت ہے۔ اور وہ ارائت صرف صورتاً اور شکلاً ہی نہیں ہوتا بلکہ وہ بات بھی کرتا ہے۔ کھانا بھی کھاتا ہے اور تمام افعال بشری کو بجا لاتا ہے۔ لیکن حقیقت میں وہ نہیں ہوتا۔

سیمیا اور کیمیا کے بارے میں

اسی سلسلے میں سیمیا اور کیمیا کا ذکر نکل آیا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص سچائی کے ساتھ اس میدان میں قدم رکھتا ہے۔ تو اس کا اللہ امتحان لیتا ہے اور آزماتا ہے۔ کہ یہ آدمی اس متاع کا طالب ہے یا نہیں اگر وہ اس متاع کا طالب ہے تو اس کو اللہ سے کیا غرض وہ اللہ کا طالب نہیں بلکہ وہ مال وجاہ کا طالب اور بندہ ہے۔ اور اگر ترغیب و تحریص کے باوجود وہ اس طرف متوجہ نہیں ہوتا اور اس کا طالب نہیں ہوتا تو پھر اللہ اس کو اپنے دوستوں میں شامل کر لیتا ہے۔ لیکن آدمی کو چاہیے کہ اس پر مغرور نہ ہو جائے۔ اسی کے حسب حال حضرت مخدومؒ نے ایک قصہ بیان فرمایا کہ شیخ الاسلام حضرت خواجہ نظام الدینؒ کے مریدوں میں سے ایک شخص خواجہ فخر الدین نام کے تھے جو علم سیمیا اور کیمیا سے واقف تھے۔ ہمارے شیخ حضرت نصیر الدینؒ نے ان کا ایک قصہ بیان فرمایا جو خواجہ فخر الدین نے دوسروں سے بیان کیا تھا اور انہوں نے کسی سے سنا تھا۔ خواجہ فخر الدین بیان

فرماتے تھے کہ میں اودھ میں روزانہ گھر سے باہر نکل جاتا تھا اور ایک جگہ جو بستان کافور کے نام سے مشہور تھی بیٹھ کر عبادت میں مشغول رہتا تھا میرے ساتھ میرے داماد محمود بھی ہوتے تھے ہم مغرب کی نماز پڑھ کر وہاں سے گھر واپس ہوتے تھے۔ ایک جوگی اس بستان کافور میں وارد ہوا۔ کئی روز تک وہ مجھ کو دیکھتا رہا کہ یہ روزانہ آتے ہیں عبادت کرتے رہتے ہیں لیکن کچھ کھاتے نہیں ہیں۔ ایک دن وہ میرے نزدیک آکر بیٹھا اور بولا کہ کیا بات ہے تم روز آتے ہو ایک ہی جگہ بیٹھے رہتے ہو لیکن کھاتے کچھ نہیں ہو۔ خواجہ فخر الدین نے جواب دیا کہ میں گھر جا کر رات کو کھاتا ہوں۔ اس نے کہا کہ تمہارا چہرہ سوکھا اور فاقہ زدہ معلوم ہوتا ہے۔ میں خاموش رہا پھر اس نے اپنی تھیلی سے ایک دوا نکالی اور میرے سامنے رکھ کر کہا کہ اس کو لے لو۔ میں جانتا ہوں یہ تمہارے لیے بے کار ہے لیکن شاید کسی مجبور اور مفلس فقیر کی یا کسی غریب قرض دار کی تم اس کے ذریعہ مدد کر سکو۔ میں نے اسے لے لیا اور اپنے حجرے کے ایک کونے میں اسے ڈال دیا۔ ایک دن میرے دل میں خیال آیا کہ مجھے اس طرح کی چیز پہ توکل نہیں کرنا چاہیے اور نہ مصرف میں لانا چاہیے۔ چنانچہ میں نے اسے لے کر کہیں پھینک دیا۔ اس کو بہت دن گزر گئے حضرت شیخ الاسلام نظام الدین کا وصال ہو گیا۔ کچھ دنوں کے بعد مجھ پر بہت تنگ دستی طاری ہوئی۔ میرے ساتھ میرے لواحقین بھی تھے۔ میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اگر وہ دوا میرے پاس ہوتی تو آج بہت کام آتی۔ اور تنگ دستی ختم ہو جاتی۔ روپیہ پیسہ کی کوئی فکر نہ رہتی۔ یہی سوچتا ہوا میں مسجد کی طرف نماز کے لیے روانہ ہوا یکایک ایک شخص نے میرے قریب آکر کہا تم کو اپنی اس دوا کا خیال آ رہا ہے۔ اپنی تھیلی لے لو اور دیکھو وہی ہے نا! میں نے دیکھا تو وہ میری ہی تھیلی تھی۔ اس شخص نے ذرا رک کر کہا صرف اس پر منحصر نہیں ہے یہ گھاس فلاں ندی کے کنارے پہاڑ کے نزدیک وافر مقدار میں ہے اگر تم کو خواہش ہو تو اپنی ضرورت کے مطابق جتنا چاہو وہاں سے لے لینا۔ یکایک مجھے ہوش آ گیا میں نے اس کو اسی جگہ پھینک دیا اور توبہ استغفار کیا کہ اللہ تعالیٰ اس طرح کا خطرہ پھر دل میں نہ لائے۔ یہ ایک طرح کی آزمائش ہے جس میں اللہ تعالےٰ اپنے دوستوں کو ڈال کر آزماتا ہے کہ اگر اس کا قدم ڈگمگائے اور پھسلے تو اس کو اپنے مقربین سے نکال باہر کرے۔ جس پہ اس طرح کا حادثہ ہوتا ہے اس کو پہلے فقرا کے زمرہ سے نکال دیا جاتا ہے اس کے بعد اس کا دل تاریک کر دیا جاتا ہے اور پھر تمام واردات اور الطاف و عنایات سے اللہ اسے محروم کر دیتا ہے۔

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ کئی مرتبہ میرے پاس بھی کچھ جوگی آئے اور اس طرح کا عمل مجھے بتانا چاہا لیکن سب کو میں نے یہی جواب دیا کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں (اس کی پوری تفصیل مذکورہ بالا مجالس میں موجود ہے اس لیے اس جگہ کا اعادہ نہیں کیا جاتا)

قصہ اور حضرت فاطمہؓ کا قصہ

ایک اور قصہ حضرت مخدومؒ نے اس طرح بیان فرمایا کہ ایک مرتبہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے گھر میں کئی روز سے فاقہ تھا امیر المومنین کی لونڈی قصہ نے خاتون جنت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سے عرض کیا کہ اگر اجازت ہو تو میں جا کر کچھ لکڑی اور گھاس لے آؤں تاکہ گھر کا کچھ کام چلے اجازت ملنے پر وہ باہر گئی لکڑی کے ساتھ کچھ گھاس اور گل خیدی بھی لیتی آئی۔ مٹی سے ایک بوتہ بنایا اور اس بوتہ میں اپنا کنگن جو جست کا تھا ڈال دیا اور آگ پر گرم کر کے کوٹا اور اس میں لائے ہوئے ایک گھاس کا عرق ٹپکایا۔ اور بوتہ کا منہ بند کر کے بھر کر دیا اور اس بوتہ کو ایک پہر آگ میں ڈال دیا جب آگ ٹھنڈی ہوئی تو بوتہ کو نکال کر توڑا کنگن کے برابر چاندی اس میں موجود تھی۔ اس چاندی کو حضرت فاطمہ زہراؓ کے سامنے لے گئی۔ انھوں نے پوچھا قصہ یہ کیا لائی ہو۔ قصہ نے کہا میں نے یہ عمل جاہلیت کے زمانہ میں سیکھا تھا۔ آج میں نے آپ کے یہاں تنگ دستی دیکھی تو خیال کیا کہ میرا یہ علم کس دن کام آئے گا جب آج نہ آیا۔ حضرت فاطمہ زہراؓ نے فرمایا کہ اس کو خوردہ کرا کر لاؤ۔ جب وہ لائی تو سب کو اس کے ذریعہ غریبوں میں تقسیم کرا دیا اور اپنے گھر کے لیے ایک پیسہ بھی نہ رکھا۔ وہ لونڈی حیران رہ گئی۔ دوسرے دن فاطمہ زہراؓ نے فرمایا کہ قصہ پھر لکڑی وغیرہ لانے کے لیے باہر جاؤ اور فلاں مقام پر ایک گھاس ہے جو اس شکل کی ہے اور اس کی پتیاں اس طرح کی ہیں ان کو لے آؤ۔ اور جس طرح کل بوتہ بنایا تھا اسی طرح بناؤ اور آگ جلاؤ۔ پھر حضرت امیر المومنین علیؓ کا نیزہ لے کر لکڑی اس میں سے نکال دی۔ اور اس نیزہ کے پھل کو آگ میں ڈال دیا یہاں تک کہ اس کی کثافت اور زنگ زائل ہو گیا۔ اس کے بعد اس کو بوتہ میں رکھ کر اس گھاس کا عرق ٹپکانے کے لیے کہا۔ ایسا کرنے پر ایک گھنٹہ کے بعد وہ نیزہ خالص سونا ہو گیا۔ پھر اس کو خوردہ کرا کر سب کا سب غریبوں میں تقسیم کر دیا اور اپنے لیے ایک پیسہ بھی نہیں رکھا۔ قصہ نے پوچھا کہ اے فرزند رسول! جب اللہ نے آپ کو یہ علم دیا ہے تو پھر تھوڑا اس سے مصرف کیوں نہیں لیتیں کہ تنگ دستی باقی نہ رہے حضرت فاطمہؓ نے فرمایا کہ اگر میں یہ عمل کروں تو جو اللہ سے نعمتیں اور عطیات مجھ کو ملتی ہیں وہ نہ ملیں۔ یہ قصہ بیان کرنے کے بعد حضرت مخدوم نے فرمایا کہ

یہ عمل تو صحیح ہے لیکن اس سے دل تاریک ہو جاتا ہے۔ اور اس کو ثبات اور اعتبار نہیں ہے۔ اگر ہو سکے تو اپنے اللہ سے مانگو اور جو وہ دے اس کو غنیمت جانو۔ کیونکہ سیمیا اور کیمیا سے جو دولت آتی ہے وہ فوراً زائل ہو جاتی ہے اور افسوس و پشیمانی چھوڑ جاتی ہے :۔ رباعی

دنیا شد او قیصر و خاقان را دوزخ بد را بہشت مر نیکاں را
تسبیح فرشتہ را آنہا انسان را جاناں مارا و جان ما جاناں را

پیر کی نظر کی تاثیر اور اس کی برکت کے بارے میں

تھوڑی دیر تک پیر کی نظر کی تاثیر اور اس سے ظاہر ہونے والے عجیب و غریب برکات کا ذکر نکل آیا۔ حضرت مخدومؒ نے فرمایا بلاشبہ جس پر پیر کی نظر ہو جائے اگر ظاہری طور پر کوئی خاص بات نمایاں نہ ہو پھر بھی اس کا انجام بخیر ہوگا۔ اور پیر کی نظر اس کو منزلِ مقصود تک پہنچا دے گی۔ اور جس پر اس کے پیر کی نظر شفقت اور لطف و مرحمت نہیں ہے وہ کتنا ہی عبادت و ریاضت، مجاہدہ اور تقویٰ کرے اس کا انجام بخیر نہیں ہوگا اس کا بارہا تجربہ کیا گیا ہے۔ اسی کے حسب حال حضرت مخدوم نے ایک قصہ بیان فرمایا کہ ہمارے خواجہ کے مریدوں میں سے ایک مرید خواجہ عطاء اللہ نامی ایک شخص تھا۔ جو ریاضت و مجاہدہ اور زہد و تقویٰ میں اپنا ایک مقام رکھتا تھا۔ بڑی مشقت اٹھاتا تھا اس نے حضرت خواجہ کے ملفوظات بھی کچھ جمع کیے تھے لیکن حضرت خواجہ کی نظر کرم اور شفقت اس پر نہیں تھی مجھے اس بارے میں بڑی حیرت تھی۔ کیونکہ ہمارے خواجہ اپنے مریدوں پر جو تھوڑا بھی صلاح و تقویٰ کرتا بہت شفقت اور لطف و کرم فرماتے تھے۔ آخر اس کے ساتھ کیا بات تھی۔ یہاں تک کہ حضرت خواجہ کا وصال ہو گیا۔ خواجہ عطا اللہ کئی سال تک شہر میں اسی طرح رہے جس طرح حضرت خواجہ کی زندگی میں رہتے تھے۔ آخر میں انہوں نے سفر خانہ کعبہ کا کیا۔ دوران سفر وہ سامانہ پہنچے جہاں تاتار خاں رہتا تھا۔ لوگوں نے اس سے خواجہ عطاء اللہ کا تذکرہ کیا وہ ان سے ملاقات کا خواہش مند ہوا۔ اس نے ان کو کہلا بھیجا کہ آپ سے ملاقات کا آرزومند ہوں آپ خود تشریف لائیں گے یا میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ انہوں نے جواب میں لکھ بھیجا کہ بئس الفقیر من یاتی باب الامیر و نعم الامیر من یاتی باب الفقیر۔ تاتار خاں خود ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور ملاقات کر کے پوچھا کہ کہاں کا ارادہ ہے۔ انہوں نے جواب دیا خانہ کعبہ کا۔ اس نے کہا زاد راہ اور راحلہ کے لیے اگر آپ چند منزل شہر کی طرف

لوٹیں تو میں سامان کر دوں۔ وہ راضی ہو گئے۔ چنانچہ تاتار خاں نے ان کو ایک ہزار تنکہ دینے کا حکم دیا ان کو جب وہ مل گیا تو وہ اسے لے کر گھر چلے آئے۔ اور خانہ کعبہ جانے کا ارادہ ملتوی کر کے مطرب، ونچہ اور شراب و کباب میں مشغول ہو گئے۔ یہاں تک کہ چند روز میں سب ختم کر دیا۔ اور اس کے بعد وہ پندرہ دن سے زیادہ زندہ نہ رہے۔ ان کے اس انجام کی جب مجھے خبر ہوئی تب مجھے ان کی طرف حضرت خواجہ کی بے التفاتی اور سوء نظری کا راز معلوم ہوا۔ حضرت خواجہ کی شفقت اور نظر کرم جوان کے زہد و تقوے کے باوجود ان پر نہ تھی اس کی یہی وجہ تھی جو ظاہر ہوئی۔ پھر یہ غزل حضرت مخدومؒ نے عنایت فرمائی: ؎

دارد دل من ز من جگر ہا — از جان و تنم بسے حذر ہا
بارے کہ نہادہ ام بدیں تن — من دانم و دل کجا دگر ہا
از کوزۂ دل شرر کہ برخاست — ہفت در کہ ازاں پر از سقر ہا
از دیدن خوب تو بہ حاشا — من دارم بہ ہر طرف نظر ہا
بے روئے کسے است آں جوانمرد — در کوئے اتش کردہ ام گذر ہا
وقتے بہ غلط نہ گفت کیں کیست — افسر وختہ مہر بر خطر ہا
آں جعد و سریں کہ دید استاد — بر حسرت دوست بر کمر ہا
بوالفتح نہ پخت خام تر ماند — کردہ است اگر چہ بس سفر ہا
با ایں کہ خراب و زار و خستہ ست — دارد دل من ز من جگر ہا

محبت کیا ہے؟

تھوڑی دیر تک محبت کے بارے میں ذکر نکل آیا۔ حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ محبت کی علامت یہ ہے کہ کھانا پینا اور سونا اس کا ختم ہو جائے۔ بالکل ختم نہیں بلکہ کم ہو جاوے۔ اور جتنی دیر وہ نیند اور کھانے پینے میں اپنا وقت گزارے گا اتنی دیر وہ اپنے محبوب کے وصل سے محروم رہے گا۔ جیسا کہ ایک جوان کا قصہ ہے کہ وہ کسی عورت پر عاشق ہو گیا تھا۔ لیکن دونوں کو خلوت کبھی میسر نہیں ہوئی تھی۔ ایک مرتبہ اس عورت نے اس جوان سے کہا کہ آج کی رات مجھ کو شوہر نے باپ کے گھر جانے کی اجازت دی ہے۔ میری پالکی فلاں راستہ اور فلاں گلی سے گزرے گی اگر تم اس جگہ میرے منتظر رہو تو کچھ دیر تمہارے ساتھ میں خلوت میں رہ سکتی ہوں۔ وہ جوان انتظار میں تمام رات بیٹھا رہا اور رو رو کر یہ رباعی پڑھتا رہا: ؎

در دیدہ بجائے خواب آب است مرا زیرا کہ بہ دیدنش شتاب است مرا
گویند بخسپ تا بہ خوابش بینی اے بے خبراں چہ جائے خواب است مرا

لیکن قسمت اس سے برگشتہ تھی ٹھیک اسی وقت اس کو نیند آگئی جس وقت اس کی محبوبہ کی سواری اس راستہ سے گزری۔ جب وہ جاگا تو سواری جاچکی تھی اب سوائے ہائے واویلا کرنے اور پشیمانی کے کیا رہ گیا تھا۔ اسی صبح کو حضرت خواجہ ابوسعید ابوالخیر کے وعظ کی مجلس تھی وہ جوان اس وعظ کی مجلس میں شرکت کے لیے گیا۔ ایک شخص نے حضرت خواجہ سے پوچھا کہ محبت کی پہچان کیا ہے آپ نے فرمایا جواب کے لیے انتظار کرو یہاں تک کہ دریائے محبت جوش میں آئے۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر محبت کا تذکرہ نکل آیا۔ ایک سائل نے پھر اٹھ کر پوچھا کہ محبت کی علامت کیا ہے۔ حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ کے جواب دیا کہ محبت کی علامت یہ ہے کہ خواب وخور کم ہوجائے۔ جتنی دیر وہ کھانے اور سونے میں مشغول رہے گا اتنی دیر محبوب سے وہ محروم رہے گا۔ یہ کہتے ہوئے انہوں نے اس جوان کی طرف اشارہ کیا جو اس مجلس میں شریک تھا۔ اور فرمایا جیسا کہ یہ جوان مبتلائے عشق تمام رات معشوقہ کے انتظار میں بیٹھا یہ رباعی پڑھتا رہا، لیکن تھوڑی دیر کے لیے اس کو غنودگی آگئی اور یہ غنودگی ہی اس کی حرماں نصیبی کا سبب ہوگئی۔

روز چہارشنبہ ۱۰ محرم الحرام ۸۰۳ھ

یوم عاشورہ کو سماع مناسب نہیں

چاشت کے وقت آنے والوں کا ہجوم تھا۔ کچھ قوال بھی پہنچے ہوئے تھے۔ اور وہ خانقاہ میں گارہے تھے۔ اور کچھ لوگ سن رہے تھے۔ حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ آج سب لوگ یوم عاشورہ منارہے ہیں اور امام حسنؓ اور حسینؓ کے لیے گریہ وماتم کررہے ہیں آج سماع مناسب نہیں ہے لیکن جب وقت سے کوئی مغلوب ہوجاتا ہے تو پھر اس کو پتا نہیں چلتا۔ ایک دن میں اور مولانا علاؤالدین خطیرہ شیرخاں میں عاشورہ کے دن سماع سن رہے تھے۔ بعد میں ہم لوگوں کو پتا چلا کہ عاشورہ ہے اور ہم لوگوں نے محسوس کیا کہ ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا۔ پھر حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ بعض صوفیا کا خیال ہے کہ سماع مصیبت میں سننا چاہیے۔ لیکن اس کا تعلق اپنے پیر کی اتباع سے ہے یعنی اپنے پیر کے عمل کے مطابق کرنا چاہیے۔ ان صوفیا کے مطابق پیر کی جدائی پر چاہیے وہ

سفر میں جانے کی وجہ سے ہو یا پیر کی موت کی وجہ سے ان کو رقص کرنا اور گریہ وزاری کرنا چاہیے۔ اور یہ ان کے نزدیک بہت اچھا ہے۔ ان کا مقصود پیر کا شہود جمال ہے۔ جس کو پیر کا پتا چل گیا وہ درجہ کمال پر پہنچ گیا۔ ورنہ پھر درجہ کمال پر پہنچنا مشکل ہے۔ اسی سلسلے میں شیخ الاسلام حضرت خواجہ نصیر الدینؒ کے سماع کے بارے میں بات نکل آئی۔ حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ حضرت خواجہ بہت معمر اور ضعیف ہو گئے تھے لیکن سماع کے وقت ان میں ایسی طاقت آ جاتی تھی اور وہ اتنی طاقت سے چلتے، کودتے اور رقص کرتے تھے کہ کوئی طاقتور جوان سے بھی ممکن نہ تھا۔ کسی وقت ان کے پیر میں سماع کے وقت لچک نہیں ہوتی تھی۔ لیکن ایک بار ایسا ہو گیا۔ میرے ہی گھر میں سماع ہو رہا تھا۔ اس روز قوال یہ شعر گا رہا تھا:

سگے دنبال آں محمل طفیل او دواں من ہم منش لبیک می گویم گر او سگ داہمی خواند

یکایک وہ کھڑے ہو کر اتنی تیزی سے دوڑتے کہ جوان بھی نہیں دوڑ سکتا اسی وقت آپ کے پائے مبارک میں لرزش ہوئی اور وہ لڑکھڑا کر بیٹھ گئے۔ اس کے بعد سے پھر وہ کبھی سماع کے وقت نہیں اٹھتے تھے۔ اگر انہیں ذوق ہوتا تو وہ بیٹھ کر اظہار اضطراب کرتے۔ اگر کوئی کھڑا ہو جاتا تو کھڑے ہو جاتے ورنہ بیٹھ کر وجد میں آتے اور بکیف ہوتے، ہندی اشعار یا فارسی اشعار کے مناسب الفاظ پر وہ زیادہ بکیف ہوتے اور اکثر کیف میں اپنی دستار پھینک کر قوال کو دے دیتے۔ وہ کیف واضطراب میں کبھی اپنا جامہ نہیں چاک کرتے ایک مرتبہ شیخ الاسلام حضرت خواجہ نظام الدینؒ کی پرانی خانقاہ میں حضرت شیخ نظام الدینؒ کے وصال کے بعد سماع ہو رہا تھا اور قوال یہ مصرعہ گا رہا تھا ؎ مجلس یار ہماں است ولے یار کجا

حضرت خواجہ پر زبردست کیفیت طاری ہوئی اور انہوں نے اپنی طاقیہ (ٹوپی) زمین پر پھینک دی۔

حضرت خواجہ نصیر الدینؒ کے وصال کے بارے میں

تھوڑی دیر کے بعد حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ ہمارے خواجہ کے وصال کے بارے میں سال کے آخر میں مجھ کو معلوم ہو گیا تھا۔ اس سال وبا پھیلی ہوئی تھی اور اسی وبا کے دوران میں مرض "مراخلہ" میں مبتلا ہو گیا تھا اور مجھے خون آ رہا تھا۔ حضرت خواجہ کو میری طرف سے بہت تعلق تھا۔ بہر حال اللہ نے کرم کیا اور مجھے صحت ہو گئی کئی روز کے بعد میں حضرت خواجہ کی قدم بوسی کے لیے حاضر ہوا۔ اس روز رئیس اقطاع ملک

ابراہیم کا سوم ہو رہا تھا ۔ مولانا زین الدین اور خانقاہ کے تمام ملازمین ان کے گھر گئے ہوئے تھے ۔ اشراق کے وقت میں خانقاہ میں پہنچا تھا ۔ خواجہ بشیر میاں خادم خانقاہ میں موجود تھے ۔ انہوں نے خبر کی ۔ حضرت خواجہ بہت خوش ہوئے اور مجھے اندر طلب فرمایا ۔ مجھے دیکھتے ہی زور سے الحمدللہ کہا ۔ میں قدم بوس ہوا ۔ اور نزدیک جاکر بیٹھ گیا ۔ پھر بڑی مہربانی سے دریافت فرمایا کہ کون سا مرض ہوگیا تھا ۔ میں نے جواب دیا مراخلہ ہوگیا تھا اور خون آتا تھا ۔ یہ سن کر بہت تعجب کیا اور فرمایا یہ تو سخت بیماری ہوگئی تھی اللہ نے کرم فرمایا تم کو صحت ہوگئی ۔ میں نے کچھ عرض کرنا چاہا تو فرمایا ۔ دیکھو آفتاب طلوع ہوگیا ہے میں اشراق پڑھ لوں ۔ تم بھی پڑھ لو پھر آکر دل جمعی سے بات کرنا ۔ میں حسب الحکم اشراق پڑھنے کے لیے حجرہ سے باہر آیا ۔ حضرت خواجہ جیسے ہی اشراق کی نماز سے فارغ ہوئے آنے والوں کا ہجوم قدم بوسی کے لیے دروازہ پر جمع ہوگیا ۔ خواجہ بشیر نے خبر کی کہ سید محمد تو انتظار کر ہی رہے ہیں ان کے علاوہ اور بھی بہت سے لوگ آئے ہوئے ہیں حضرت خواجہ نے فرمایا سید محمد کو انتظار کرنے کے لیے کہو اور جو لوگ آئے ہیں ان کو بھیجو ۔ آنے والوں میں قاضی عبدالمقتدر ، اور سندیلہ کے خواجہ محمود درویش بھی تھے ۔ آنے والوں کو کچھ پھول یا اور اس طرح کا تحفہ دے کر واپس کیا ۔ قاضی عبدالمقتدر اور خواجہ محمود چونکہ مخصوص دوستوں میں سے تھے اس لیے وہ بیٹھے رہے ۔ حضرت خواجہ نے ان سے فرمایا کہ سید محمد کو خلہ ہوگیا تھا اور خون آرہا تھا اللہ نے بڑا کرم کیا کہ ان کو صحت بخشی ۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد یہی بات کہی اور تیسری مرتبہ بھی یہی بات کہی اس کے بعد فرمایا کہ آپ لوگ باہر تشریف رکھیں اور سید محمد کو میرے پاس بھیج دیں ۔ دونوں بالاخانہ سے نیچے چلے آئے ۔ حضرت قاضی عبدالمقتدر کو یہ بات کچھ ناگوار بھی گزری ۔ نیچے آکر انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ سید حضرت خواجہ تم کو طلب فرما رہے ہیں ۔ میں اوپر گیا ۔ قدم بوسی کے بعد کچھ عرض کیا ۔ بہت خوش ہوئے اور دست مبارک چہرے پر پھیر کر الحمدللہ رب العالمین فرمایا ۔ اور اسی طرح کے اور بھی چند لفظ زبان مبارک سے نکلے اس کے بعد پھول اپنے سامنے سے اٹھا کر میرے دونوں ہاتھوں میں دے کر فرمایا کہ جو شخص کسی کے لیے تکلیف اٹھاتا ہے وہ کچھ اس سے توقع بھی رکھتا ہے ۔ پھر فرمایا تم نے قبول کیا ۔ انکار کی کوئی گنجائش نہ تھی اور انہوں نے مجھے اس وقت تک نہ چھوڑا جب تک میں نے قبول نہ کرلیا ۔ اس کے بعد یہ دو وصیت فرمائی ایک یہ کہ اوراد ظاہر کو کبھی ترک نہ کرنا ۔ میری سنت کو ترک نہ کرنا اور میری اتباع کرنا ۔ دوسرے یہ کہ میرے متعلقین کے ساتھ رعایت

اور مہربانی کرنا۔ یہ واقعہ چہار شنبہ کا تھا اور شب جمعہ کو حضرت خواجہ بیمار ہوئے اور ایک ہفتہ بعد دوسری شب جمعہ کو وصال فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ہ

روز پنجشنبہ ۱۱ محرم الحرام ۸۰۳ھ

دنیا کی بے ثباتی اور بے قراری کے بارے میں

چاشت کے وقت دنیا کی بے ثباتی اور بے قراری پر بات نکل آئی۔

حضرت مخدومؒ نے فرمایا دنیا ایک افسانہ ہے اور اس کا حاصل سوائے قصہ کے کچھ نہیں ہے۔ اگر کسی شخص نے دنیا میں اچھے معاملات اور نیکیاں کیں وہ دنیا میں باقی رہ جائے گی اور اگر کسی نے برائی کی تو وہ بھی رہ جائے گی ریکُنْ حدیثاً حسناً ذکرہ فانما الناس احادیث۔ یعنی انسان افسانہ سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا اس لیے جہاں تک ممکن ہو افسانہ کو دلکش اور دلآویز بنانے کی کوشش کرو ایسا کارنامہ چھوڑ جاؤ کہ تم کو اچھے ناموں سے لوگ یاد کریں۔ اسی وقت ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ غلام نے آج ایک خواب دیکھا ہے کہ حضرت مخدومؒ ایک بلند مقام پر بیٹھے ہوئے ہیں اور ایک ضعیف بزرگ آدمی حضرت کے نزدیک کھڑے ہیں۔ پانچ سپارہ حضرت مخدوم کے ہاتھ میں ہے۔ وہ ضعیف آدمی کہہ رہے ہیں کہ یہ پانچوں سپارہ مجھ کو عنایت فرمائیے۔ میں کچھ دوری پر کھڑا ہوا ہوں حضرت مخدومؒ نے میری طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اس آدمی اور تمہارے درمیان یہ تقسیم ہوگا۔ نصف تم لے لو اور نصف اس کو دے دو۔ چنانچہ اس ضعیف آدمی نے نصف مجھ کو دیا اور نصف خود لے لیا۔ اس کا یہ خواب سُن کر حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ تیرا دین سلامت رہے گا اور مراتب دین سے تجھ کو کچھ حصہ ملے گا۔

خواب کی تعبیر کے بارے میں

اسی دوران میں خواب کے تعبیر کا ذکر نکل آیا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ خواب کی تعبیر اور قرآن شریف سے فال نکالنا ایک ہی طرح کی چیز ہے اس پر کوئی حکم تو نہیں لگایا جا سکتا لیکن معتبر آدمی کے الہام سے خاص کر جو اس کو اللہ کی طرف سے ہوا ہو، اکثر حکم صحیح طور پر لگایا جا سکتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ خواجہ حسن بصریؒ کو خواب کی تعبیر کے علم میں اتنا دسترس حاصل نہ تھا جتنا خواجہ محمد بن سیرینؒ کو۔ ایک مرتبہ خواجہ حسن بصریؒ نے خواب میں دیکھا کہ وہ مزبلہ کے کنارے ننگے کھڑے ہو کر رباب بجا رہے ہیں۔ اس خواب کی تعبیر ان کی سمجھ میں نہ آئی انہوں نے ایک آدمی کو خواجہ محمد بن سیرینؒ کے

پاس بھیجا کہ ان سے اس خواب کی تعبیر معلوم کی جائے۔ خواجہ محمد بن سیرینؒ نے اس خواب کو سُن کر فرمایا کہ اس طرح کا خواب حسن بصریؒ کے علاوہ اور کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ دنیا مزبلہ (جہاں گندگی پھینکی جائے) ہے اور وہ ننگے یعنی سارے علائق دنیوی سے علیحدہ ہو کر رباب بجا رہے ہیں یعنی سکون شادمانی کی زندگی گزار رہے ہیں۔

ایک شخص نے ایک مرتبہ خواجہ محمد بن سیرینؒ کے پاس آکر اپنا خواب بیان کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں عورتوں کی شرمگاہ اور مردوں کے منہ پر مُہر لگا رہا ہوں۔ خواجہ محمد بن سیرینؒ نے فرمایا کیا تم موذن ہو۔ اس نے کہا جی ہاں، خواجہ محمد بن سیرینؒ نے فرمایا کہ رمضان کے ماہ میں اذان زور سے دو اور صبح ہونے کے بعد دو۔ کیونکہ اس کے بعد لوگ جماع سے رک جاتے ہیں یعنی عورتوں کی شرمگاہ پر مُہر لگ جاتی ہے۔ اور اسی طرح لوگ کھانے پینے سے بھی باز آ جاتے ہیں یعنی ان کے منہ پر مُہر لگ جاتی ہے۔

پھر حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ایک آدمی نے خواب میں دیکھا کہ آسمان سے چاند اس کی گود میں اتر آیا ہے۔ اور اس نے اس کو دامن سے اٹھا کر آستین میں رکھ لیا ہے اس کی تعبیر بتائی گئی کہ اس کی بیوی حاملہ ہے اور اس کے گھر میں لڑکا پیدا ہوگا لیکن وہ بچے گا نہیں۔ کیونکہ ماہتاب سے مراد لڑکا ہے اور آستین سے مراد قبر ہے۔ چنانچہ واقعی اس کے گھر میں لڑکا پیدا ہوا اور ساتویں روز مر گیا۔

ایک مرتبہ ایک شخص نے خواب میں دیکھا کہ چاند پروین میں داخل ہو گیا ہے، اس کی تعبیر بیان کی گئی کہ وزیر کی موت ہوگی۔ چنانچہ کئی روز کے بعد خلیفہ کا وزیر پر عتاب نازل ہوا اور اس نے اس کو قتل کرا دیا۔ اس جگہ ماہ سے مراد وزیر ہے اور پروین قبر کی شکل کا ہوتا ہے اس لیے اس سے مراد قبر ہے۔

ایک آدمی حضرت شیخ رکن الدین کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میری بیوی کو دردِ زہ لگا ہوا ہے فال دیکھ کر بتائیے۔ حضرت شیخ رکن الدین نے فال دیکھا تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نکلا۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ تیرے یہاں لڑکا پیدا ہوگا لیکن بچے گا نہیں اس لیے کہ بسم اللہ رخصت کرنے کے وقت بولتے ہیں۔ چنانچہ واقعی اس کے یہاں لڑکا پیدا ہوا لیکن زندہ نہیں رہا۔

امام حسین علیہ السلام کا خواب

حضرت مخدوم نے قصہ بیان فرمایا کہ امیر المومنین حسینؓ حرم مدینہ منورہ میں بیٹھے بھائیوں کو بتا رہے تھے کہ آج کی

رات میں نے خواب دیکھا ہے کہ معاویہؓ کا سر صحرا میں پھینکا ہوا ہے اور ایک کتا اس جگہ بیٹھا ہوا ہے - اس کی تعبیر معاویہ کی موت اور یزید کی جانشینی ہے - بھائیوں نے کہا کہ اگر ایسا واقعی ہوا تو آپ کو بیعت کے لیے بہت زور دیا جائے گا آپ کیا کریں گے - حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا کہ میں ایسے شخص کی بیعت کس طرح کر سکتا ہوں جس نے بیت المال میں خیانت کی اور جس کے ہاتھ سے عورتوں کی عصمت محفوظ نہ ہو - یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ گورنر کی طرف سے طلبی کا حکم لے کر آدمی پہنچا - حضرتِ امام حسین علیہ السلام نے فرمایا کہ میری یہ طلبی یزید کی بیعت کے لیے ہے اس آدمی کو حضرت امام نے جواب دیا کہ رات کو آؤں گا - اس کے بعد انھوں نے اپنے بھائیوں اور غلاموں کو ہدایت فرمائی کہ جب میں گورنر کے پاس جاؤں گا اور میں بیعت کرنے سے انکار کروں گا تو یزید کے عمال مجھے قتل کرنے کی کوشش کریں گے - تم لوگ اپنے اسلحہ کے ساتھ میرے قریب رہنا اور جب میں حالت کا اندازہ لگا کر زور سے اُسْکُتْ یا عدو اللہ کہوں تو تم لوگ ایک ساتھ اسلحہ کے ساتھ اندر گھس آنا - چنانچہ ان لوگوں نے ایسا ہی کیا - جب رات کو امام حسین علیہ السلام گورنر کے پاس گئے تو اس نے ان کو یزید کا حکم نامہ دکھلایا اس میں لکھا تھا کہ حسینؓ سے بیعت لو - ان کو مجبور کرو - اگر وہ بیعت کر لیں تو ٹھیک ہے ورنہ ان کو اسی جگہ قتل کر دو نکلنے نہ دو - امام حسین علیہ السلام نے حکم نامہ پڑھ کر بیعت کرنے سے انکار کیا اور کہا بھائیوں سے مشورہ کر کے بتاؤں گا - گورنر نے اپنے آدمیوں کی طرف قتل کرنے کا اشارہ کیا - امام حسین علیہ السلام نے اُسْکُتْ یا عدو اللہ" گرج دار آواز میں کہا - آواز نکلتے ہی ان کے بھائی اور موالی اندر گھس گئے - گورنر پر خوف وہراس طاری ہو گیا - امام حسین علیہ السلام باہر نکل آئے - تمام بہی خواہوں نے امام حسین علیہ السلام کو مشورہ دیا کہ آپ کے لیے مکہ میں قیام کرنا مناسب ہو گا آپ وہیں چلے جائیں - چنانچہ کئی روز بعد وہ مکہ معظمہ روانہ ہو گئے - کہا جاتا ہے کہ مدینہ میں تین مرتبہ قیامت ٹوٹی ایک مرتبہ تو اس وقت جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا دوسرے اس روز جس روز حضرت علی کرم اللہ وجہ شہید ہوئے تیسرے اس روز جب امام حسین علیہ السلام اپنے اہل بیت کے ساتھ مدینہ سے مکہ کو منتقل ہوئے -

حضرت مخدومؒ نے قصہ بیان فرمایا کہ خلیفہ ماموں الرشید کے زمانہ میں ایک شخص نے پیغمبری کا دعوےٰ کیا تھا اس کو گرفتار کر کے ایک حجرہ میں بند کر دیا گیا - منجموں کو بلا کر حاکم نے پوچھا کہ ایک شخص آج کسی امر کا دعویٰ کر رہا ہے - اس کا وہ دعویٰ صحیح ہے یا نہیں اور اسے کامیابی

ہوگی یا نہیں - منجموں نے اپنا حساب لگا کر بتایا کہ اس کا دعوی صحیح ہے اور اس کو اس میں کامیابی ہوگی - اس کے بعد گورنر نے ابو شعر دمشقی کو بلا بھیجا - وہ ان تمام منجموں کا استاد تھا - اس سے بھی یہی سوال کیا گیا - اس نے حساب لگا کر فیصلہ کیا کہ اس آدمی کا دعویٰ جھوٹا ہے وہ دروغ گو ہے اور اس کو ہرگز اس کے دعویٰ میں کامیابی نہ ہوگی - اس کے بعد اس نے دوسرے منجموں کو سمجھایا کہ تم لوگوں کا حساب تو صحیح ہے لیکن چند سکنڈ اور لمحہ کی تم لوگوں سے غلطی ہوگئی ہے اور اس سے اتنے وقت میں دوسرے ستارے کا اثر مسلط ہوگیا اور اس کی خاصیت یہی ہے جو میں نے بتائی - سب لوگ اس کی بات سن کر اور اس علم میں اس کی مہارت دیکھ کر متحیر رہ گئے - اسی وقت گورنر نے حکم دیا کہ اس دعویٰ کرنے والے جھوٹے مدعی کو زندہ دفن کر دو - مقصد اس سے یہ ہے کہ ستاروں کے حساب میں غلطی نہیں ہے بلکہ اس سے نکالے گئے نتیجہ میں غلطی واقع ہوسکتی ہے جیسا کہ ابھی ہوا اور ایک لمحہ کے اُلٹ پھیر سے ستارے کے اثرات اور خاصیت بالکل بدل جاتی ہے -

اسی دوران میں ایک شخص نے درخواست کی کہ وہ اپنی لڑکی کو حضرت مخدوم سے بیعت کرانا چاہتا ہے - حضرت مخدومؒ نے اپنے رومال مبارک کو جو تقریباً اڑھائی گز کا تھا اسے دے کر اسی کو اپنا وکیل بنایا - اور فرمایا کہ ایک کوزہ پانی کا لایا جائے - خادم نے کوزہ بھر کر پانی لایا اور سامنے رکھ دیا - حضرت مخدومؒ نے اس شخص سے فرمایا کہ دیکھو تمہاری زبان میری زبان کی نائب ہے اور تمہارا ہاتھ میرے ہاتھ کا - اپنی لڑکی سے کہو کہ وضو کر کے آئے - اور تمہاری اسی طرح خدمت اور ادب کرے جس طرح پیر کی کی جاتی ہے اس کے بعد وہ اپنی شہادت کی انگلی کو اپنے کپڑے سے چھپائے اور ایک درم کے اندازے انگلی کپڑے سے باہر نکال کر اس کو اس کوزہ کے پانی میں ڈالے اور تم بھی اپنی شہادت کی انگلی کو اس میں ڈالو - اور کہو کہ تم اس ضعیف اور اس ضعیف کے خواجہ سے اس وقت عہد کر رہی ہو اور ان سے اور اس سلسلے کے مشائخ سے اپنی مراد بر آری کی اُمید رکھ رہی ہو اس لیے تم کو لازم ہے کہ اپنی آنکھ اور زبان کی حفاظت کرو - اور شرع کی پابند رہو - کیا تم قبول کرتی ہو اس کو کہنا چاہیے کہ ہاں میں نے ان باتوں کو تسلیم کیا اور پابند رہنے کو منظور کیا - اس کے بعد الحمد للہ کہو اور وہ تکبیر کہے - پھر اس رومال کو اس کے سر پر ڈال دو - اور کہو کہ دو رکعت نماز ادا کرے - اور اس کو تاکید کرو کہ کبھی پانچوں وقت کی نماز قضا نہ کرے - ہر مغرب کی نماز کے بعد چھ رکعت نماز تین سلام کے ساتھ اسی طرح پڑھے کہ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ

کے بعد سات بار قل ھو اللہ احد، ایک بار قل اعوذ برب الفلق اور ایک بار قل اعوذ برب الناس پڑھے۔ سلام کے بعد سجدہ میں سر رکھ کر یا حیّ یا قیوم ثبتنی علی الایمان تین بار کہے۔ عشاء کی نماز کے بعد ایک دوگانہ اسی طرح ادا کرے کہ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد دس مرتبہ سورہ اخلاص پڑھے۔ سلام پھیرنے کے بعد ستر مرتبہ یا وھاب یا وھاب یا وھاب کہے۔ ہر مہینے میں تیرہ، چودہ، اور پندرہ تاریخ کو چاند کی روزہ رکھے۔ اور اکثر و بیشتر یا وھاب یا وھاب و استغفر اللہ کا ورد رکھے۔ زبان کو فحش اور بری باتوں سے بچائے۔ اور واہیات بات بولنے کی بجائے تسبیح پڑھتی رہے۔ کچھ پیسہ تیرے سامنے لائے کہ تو اس کو اللہ کی راہ میں خرچ کر دے۔ خاکسار اور دوسرے حاضرین نے عرض کیا کہ صرف خدا کی راہ میں خرچ کرے اور پیر کی خدمت میں کچھ نہیں حاضر کرے حضرت مخدوم ؒ نے فرمایا کہ اس کے لیے یہی کافی ہے۔ عورت کو مرید کرنے کا یہی طریقہ ہے۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ حجۃ الوداع کے موقع پر جو عورتیں بیعت کرنے کے لیے رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئی تھیں ان سے سرکار دو عالم نے اسی طرح بیعت لی تھی ۔یعنی پانی درمیان میں رکھ کر اور انگلی ڈال کر۔

روز جمعہ ۱۲ محرم الحرام ۸۰۳ھ

شجرہ خواجگان حضرت خواجہ محمد حسینی

شجرہ خواجگان کمترین بندگان و برادران کے بارے میں حضرت مخدوم ؒ نے اسی طرح بیان فرمایا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الٰہی بحرمت خواجہ انبیاء ابو القاسم محمد رسول اللہ الہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الٰہی بحرمت خواجہ اولیا ابو الحسن العلی الوصی الہاشمی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الٰہی بحرمت خواجہ ابو النصر الحسن البصری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الٰہی بحرمت خواجہ ابو الفضل عبد الواحد بن زید

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الٰہی بہ حرمت خواجہ ابو الفضل فضیل بن عیاض

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الٰہی بہ حرمت خواجہ امان الارض سلطان ابراہیم ادھم البلخی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الٰہی بہ حرمت خواجہ سدید الدین حذیفہ المرعشی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الٰہی بہ حرمت خواجہ امین الدین ابو ہبیرہ البصری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الٰہی بہ حرمت خواجہ ابو ابراہیم اسحاق دینوری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الٰہی بہ حرمت خواجہ ابو ابراہیم اسحاق چشتی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الٰہی بہ حرمت خواجہ قدوۃ الدین ابو محمد چشتی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الٰہی بہ حرمت خواجہ ناصر الدین ابو یوسف چشتی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الٰہی بہ حرمت خواجہ ناصح الدین محمد چشتی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الٰہی بہ حرمت خواجہ قطب الدین مودود چشتی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الٰہی بہ حرمت خواجہ حاجی شریف زندانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الٰہی بہ حرمت خواجہ ابو الانوار عثمان ہارونی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الٰہی بہ حرمت خواجہ معین الدین حسن السنجری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الٰہی بہ حرمت خواجہ قطب الدین بختیار وکیل الباب الاوشی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الٰہی بہ حرمت خواجہ فرید الدین گنج شکر بار حریقتہ المحبت المسعود الاجودھنی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الٰہی بہ حرمت خواجہ سلطان العاشقین رحمتہ للعالمین خواجہ نظام الدین محمد بدایونی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الٰہی بہ حرمت خواجہ ابراہیم الثانی نصیر الملت والدین محمود اودھی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الٰہی بہ حرمت خواجہ صدر الدین ابوالفتح الولی الاکبر الصادق سید محمد یوسف الحسنی الملقب بہ گیسو دراز -

حضرت مخدومؒ نے اپنی یہ غزل عنایت فرمائی :-

گر دادہ حق ترا فراغ است — امروز ہوائے کشت باغ است
جز دلبر و یا حکایت او — وہم است وخیال وہزل ولاغ است
وہ دیدن سوئے روئے اغیار — بر سینۂ یار سنگ داغ است
جز بر درے تو سرے ندارم — بر کرسی و عرش ہم دماغ است
مرغ دل من بدام شخصے است — طاؤس بہ نسبتش کلاغ است
ہم سر و بلند و پائمال است — ہم کبک براں خرام زاغ است
بوالفتح بہ نقد وقت خوش باش — گر دادہ حق ترا فراغ است

روز یکشنبہ ۱۴ محرم الحرام ۸۰۳ھ

فضائل اہل بیت چاشت کے وقت اہل بیت کے فضائل کے بارے میں ذکر نکل آیا - حضرت مخدومؒ نے فرمایا سید ابوالحسن جنیدیؒ بارھویں پشت میں ہمارے جد امجد تھے - حصار دہلی کے نیچے "دروازہ شکار" سے متصل حضرت سید کا مقبرہ ہے ہر شب جمعہ کو اس جگہ نور برستا ہے اکثر پڑوس کے لوگوں نے اس کا مشاہدہ کیا ہے اور بیان کیا ہے

لوگ اس کو شہید انار کہتے ہیں۔ اس مقام پر انار کا درخت سب کا سب ڈوری اور کپڑے سے بھرا ہوا رہتا ہے جو حاجت مند لوگ اپنی مراد حاصل کرنے کے لیے باندھتے ہیں اور مراد پاتے ہیں۔ فتح دہلی سے پہلے حضرت سید سولہ آدمیوں کے ساتھ تشریف لائے تھے اور بڑے دروازہ کے سامنے شب باش ہوئے تھے۔ حضرت سید نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا کہ جب مویشی پھاٹک سے صبح سویرے باہر نکلیں اسی وقت ہم لوگ اندر گھس کر حملہ آور ہوں۔ چنانچہ ان لوگوں نے یہی کیا اور اندر بڑی خون ریز جنگ ہوئی بہت سے ہنود مارے گئے۔ ان سولہ ساتھیوں میں سے ایک بھی بہ فضل الٰہی شہید نہیں ہوا اور سب محفوظ شہر سے نکل گئے۔ باہر نکل کر بڑے پھاٹک کے قریب مقیم ہوئے۔ اس جگہ ایک مسجد بنائی۔ کئی پتھر رکھ کر محراب بنایا۔ اذان دی اور نماز پڑھی پھر واپس ہوگئے دوسری مرتبہ پھر آئے اور اسی طرح مویشیوں کے باہر نکلنے کے وقت اندر داخل ہوکر زبردست جنگ لڑی۔ بے شمار ہنود مارے گئے۔ شہر میں ہنگامہ برپا ہوگیا پھر حصار دہلی کے راستے "دروازہ شکار" سے باہر نکل آئے۔ حضرت سید جہاں پر ہنود سے جنگ کر رہے تھے وہاں پر ہنود نے یورش کرکے بہت بڑی تعداد سے ان پر ایک ساتھ حملہ کیا۔ حضرت سید لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ آج اسی جگہ پر حضرت سید کا مقبرہ ہے۔ وہ حضرت رسول اللہ صلعم کے خاندان سے تھے اور انہوں نے جہاد بھی راہِ خدا میں کیا تھا اس لیے وہ یقینی اللہ کے مقرب بندوں میں سے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

روز دوشنبہ ۱۵ محرم الحرام ۸۰۳ھ

۱۵ محرم کو چاشت کے وقت جب حضرت مخدوم نے شہر نہروالہ سے کنبھایت کی طرف مراجعت فرمائی تو اکابر، معارف، مشاہیر، علما اور شہزادوں کی بہت بڑی تعداد ہم رکاب تھی۔ جب موضع پائیں میں پہنچے تو وہاں سے رخصت ہونے کے وقت لوگوں نے اس طرح گریہ وزاری اور آہ و فغاں شروع کیا جس طرح بچے اپنے والدین کے انتقال پر کرتے ہیں۔

روز یکشنبہ ۲۱ محرم الحرام ۸۰۳ھ

مرید ہونے کے فوائد

۲۱ محرم کو قصبہ اساول میں پہنچ کر چار روز وہاں قیام فرمایا۔ قصبہ کے

تمام عمائدین علماء اور صلحا خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت مُرید ہونے کے فائدے کی بات نکل آئی۔ حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ مرید ہونے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ پیر قیامت کے دن اس کی مدد کرے گا اور دوزخ کی آگ سے بچانے کی کوشش کرے گا۔ اس کے حسب حال حضرت مخدومؒ نے ایک قصہ بھی بیان فرمایا کہ ہمارے خواجہ کے مریدوں میں سے ایک نے بہت پریشان حالی میں انتقال کیا تھا۔ عذاب کے فرشتے جب اس کے پاس عذاب دینے کے لیے آئے تو انھوں نے اس کے سر پہ حضرت خواجہ کا طاقیہ دیکھا۔ فوراً رک گئے۔ اور پوچھا کہ یہ طاقیہ کس کا ہے۔ اس مرید نے کہا کہ یہ ہمارے شیخ نصیر الدینؒ کا ہے۔ وہ فرشتے بارگاہِ الٰہی میں واپس جا کر عرض پرداز ہوئے کہ خداوندا! اس کے سر پہ شیخ نصیر الدینؒ کا طاقیہ ہے۔ اس پر کس طرح عذاب نازل کریں۔ اور جب تک کسی درویش صوفی کی عزت بارگاہِ الٰہی میں اتنی نہ ہو کہ وہ اپنے مرید کو دوزخ کی آگ سے بچا سکے پھر اس سے مرید ہونے کا کیا فائدہ۔

خواجہ محمد نام کا ایک شخص تھا جو کہ اودھ کا تھا اور حضرت خواجہ کا خالہ زاد تھا۔ اور ہمارے خواجہ سے مرید بھی تھا۔ ایک دن وہ ہمارے خواجہ کے سامنے آکر رونے لگا۔ حضرت خواجہ نے پوچھا کہ کیا بات ہے کیوں رو رہے ہو۔ اس نے کہا دوزخ کی آگ سے خوف آ رہا ہے۔ حضرت خواجہ نے فرمایا کہ نہ گھبراؤ جس نے کہ اس ضعیف کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ مجھے اللہ کی مہربانی سے اُمید ہے کہ کل قیامت کے دن اس کو دوزخ کی آگ سے نجات مل جائے گی۔

پھر حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ ایک جوان حضرت خواجہ نظام الدینؒ کے سامنے آکر رونے لگا۔ حضرت خواجہ نے پوچھا کہ کیوں روتے ہو۔ اس نے عرض کیا کہ میرے والد بہت فاسق اور گنہ گار آدمی تھے ان کا انتقال ہو گیا ہے۔ پتا نہیں ان پہ کیا گزر رہی ہے۔ حضرت خواجہ نے فرمایا کہ کبھی وہ ہمارے پاس بھی آئے تھے۔ اس جوان نے کہا صحیح معلوم نہیں۔ حضرت خواجہ نے پھر پوچھا کبھی وہ مجھ سے مُرید ہوئے ہیں۔ جوان نے کہا صحیح نہیں معلوم۔ حضرت خواجہ نے پوچھا انھوں نے کبھی مجھ کو دیکھا تھا۔ جوان نے کہا صحیح نہیں معلوم۔ حضرت خواجہ نے پوچھا کبھی وہ ہمارے غیاث پور سے گزرے تھے۔ جوان نے کہا جی ہاں ایک دن وہ اپنے کسی کام سے یہاں آئے تھے۔ حضرت خواجہ نے فرمایا کہ یہ کافی ہے۔ مجھے اللہ کی مہربانی سے اُمید ہے کہ اس پر وہ فضل و کرم فرمائے گا۔

حضرت مخدومؒ نے پھر فرمایا کہ ایک درویش تھے جو پیری مریدی بھی کرتے تھے۔ ایک دن

ان کی طبیعت اس سے تنگ آگئی اور انہوں نے اسے ترک کرنے کا ارادہ کیا۔ اسی حالت میں وہ مسجد گئے وہاں ان کی ایک ابدال سے ملاقات ہوگئی جس نے ان کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ خدا کے لیے اپنے اس ارادہ سے باز آجاؤ۔ اس درویش نے ان سے کہا کہ آپ ضامن ہوتے ہیں کہ جو شخص مجھ سے مرید ہوگا اس کو دوزخ کی آگ سے نجات مل جائے گی۔ ان ابدال نے کہا: ہاں میں ضمانت لیتا ہوں۔ اس کے بعد وہ درویش واپس اپنے گھر آئے۔ اور پھر بیعت کرنا شروع کر دیا۔ خاکسار مرتب ملفوظات عرض کرتا ہے کہ یہ قصہ خود حضرت مخدوم کا ہے جو انہوں نے دوسروں پہ رکھ کر بیان فرمایا ہے۔ اور یہ اس گروہ کی عادت ہے۔

حضرت شیخ بہاؤالدین کا ایک واقعہ

پھر حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ایک مرتبہ شیخ بہاؤالدین اپنے بالاخانہ سے نیچے گر گئے یہ واقعہ اس طرح ہوا کہ کسی کے گھر میں آگ لگ گئی۔ شیخ بالاخانہ پر تھے اور اس بالاخانہ پر منڈیر نہ تھی اس لیے مسطح معلوم ہوتی تھی شیخ کو اندازہ نہ ملا اور وہ بالاخانہ سے نیچے آ رہے۔ گھر کی لونڈیاں جو کوٹ رہی تھیں انہوں نے سمجھا چور کودا ہوگا۔ سب دوڑیں دیکھا کہ یہ تو حضرت شیخ ہیں۔ شیخ نے اسی وقت فرمایا کہ مجھے حکم ربانی ہوا ہے کہ تین دن کے اندر جو شخص تجھے دیکھ لے گا۔ میں اسے بخش دوں گا۔ اس لیے اللہ کی رحمت سے اس کی مخلوق کو کیوں نہ مستفید ہونے کا موقع دوں۔ ڈولہ لاؤ۔ مجھے اس پر سوار کر کے شہر ملتان میں گھوما دو۔ چنانچہ تین روز تک لوگوں نے حضرت شیخ کا ڈولہ شہر میں گھومایا۔ اس کے بعد لوگوں نے چاہا کہ حضرت شیخ کو ان کی قیام گاہ پہ پہنچا دیں۔ اس وقت حضرت شیخ کو جو چوٹ آئی تھی اس میں بہت اضافہ ہوگیا۔ حضرت شیخ نے آہ وزاری شروع کر دی۔ لوگوں کا ہجوم تھا۔ شیخ صدرالدین نے جو حضرت شیخ کو سنبھالے ہوئے تھے کہا کہ حضرت اپنے کو سنبھالیے۔ لوگوں کا ہجوم ہے۔ یہ لوگ کیا کہیں گے۔ اپنے کو خدا کے سپرد کیجیے۔ حضرت شیخ نے فرمایا کیا کہتے ہو؟ اپنے کو خدا کے حوالہ کر دوں؟ شیخ صدرالدین نے زور دے کر کہا جی ہاں اتنا سنتے ہی چشم زدن میں حضرت شیخ غائب ہوگئے۔ لوگوں نے شیخ صدرالدین پر اعتراض کرنا شروع کر دیا کہ درویشوں کو اس طرح کی بات نہیں کہی جاتی۔ اس بات کے کہنے کا کیا موقع تھا۔ یہ بات شیخ الاسلام حضرت بابا فریدالدین گنج شکر کے کان تک پہنچی کہ حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی ایسا فرما رہے تھے تو حضرت بابا فریدالدین گنج شکر نے فرمایا کہ شیخ بہاؤالدین نے تو صرف تین دن کے اندر

کہا تھا لیکن میں کہتا ہوں کہ جو شخص کبھی بھی مجھے دیکھ لے گا، یا میرے مریدوں کو دیکھ لے گا یا میرے مریدوں کے مرید کو دیکھ لے گا اللہ تعالیٰ اس کو بخش دے گا۔ یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد حضرت مخدوم نے فرمایا کہ اس جملہ کی وضاحت اس طرح کی جاسکتی ہے کہ کسی کو بادشاہ نے کوئی علاقہ زمین کا دیا اس کو اس موضع کا حکم نامہ ملتا ہے اور جو کچھ اس کی گزارشات ہوتی ہیں وہ بھی بادشاہ مان لیتا ہے تاکہ اس کو کوئی دشواری نہ ہو۔ اسی طرح جب کسی کو ولی اللہ کے زمرہ میں اللہ شامل کرتا ہے اور اس کو ولایت عطا کرتا ہے تو پھر جو کچھ وہ عرض اور التماس کرے گا اللہ اس کو قبول کرے گا مثلاً ایک التماس کرتا ہے کہ مجھ سے جو مرید ہو اس کو اللہ بخش دے۔ دوسرا عرض کرتا ہے کہ جو مجھ کو دیکھ لے یا جو میرے شہر میں ہو یا جو مجھے دوست رکھے اس کو اللہ بخش دے۔ یہ سب اللہ قبول فرما لیتا ہے۔

روز پنجشنبہ ۲۵ محرم الحرام ۸۰۳ھ

لا الہ الا ہو کے معنی کی وضاحت

۲۵ محرم کو قصبہ اساول سے روانہ ہو کر حضرت مخدوم نے کابھر میں نزول فرمایا۔ عشاء کی نماز کے بعد فرمایا کہ لا الہ الا ہو کے معنی کیا ہیں۔ اس کے معنی کی وضاحت کرنے کے لیے میرے بھائی اور حضرت سید ابوالمعالی کو بھی طلب فرمایا۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی ماہیت اس کی ذات سے زاید نہیں ہے بلکہ وہ عین ذات ہے۔ صاحب لطائف قشیری کے کونہٗ وجودہٗ کے بھی یہی معنی ہیں۔ لطفہ قہرہ، قہرہٗ لطفہٗ، جلالہٗ جمالہ، جمالہ، جلالہٗ۔ کے دو معنی بتائے گئے ہیں ایک تو یہ کہ صفات اعیان ہیں اعتبار نہیں۔ دوسرے یہ کہ ایک ہی چیز ایک موقع پر قہر ہوتی ہے اور دوسرے موقع پر لطف و کرم بن جاتی ہے۔ بلکہ ایک ہی شخص کے لیے وہ چیز کبھی قہر اور کبھی رحمت بن جاتی ہے۔ مثلاً موسلا دھار بارش مسافر کے لیے قہر و زحمت اور کاشتکار کے لیے رحمت کا باعث ہے۔ وہی بارش غلہ اگاتی ہے اور وہی عمارتوں، گاؤں اور شہر کو غرق بھی کر دیتی ہے۔ غرض ایک ہی چیز قہر و لطف دونوں اپنے اپنے وقت پر ہو جاتی ہے اور ہر ایک میں نفع و نقصان دونوں ہے۔ اتنا فرمانے کے بعد حضرت مخدوم نے خاکسار کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ ان دونوں معنی کو ملفوظ میں ضرور لکھو تاکہ ضائع نہ ہو۔ واللہ اعلم بالصواب

۲۶ محرم کو پھر حضرت مخدوم نے شہر کنبھایت میں نزول فرمایا۔

روز جمعہ ۵ صفر المظفر ۸۰۳ھ

بعض مشائخ کی جوانی کے مجاہدے اور ریاضت کے بارے میں

جمعہ کی نماز کے بعد شہزادوں میں سے ایک جوان خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ حضرت مخدومؒ نے جوانی کی فضیلت اور عبادت الٰہی اور اکتساب قربت خداوندی میں جوانوں کی صلاحیت کا ذکر تفصیل سے بیان فرمایا۔ اور مشائخ کے بہت سے قصے جو ان کے آغاز جوانی کے تھے بیان کرتے ہوئے بتایا کہ کس طرح ان بزرگوں نے مہد سے لحد تک اللہ کے راستہ میں محنت شاقہ کی اور معبود حقیقی کی خوشنودی کے لیے ریاضت اور مجاہدہ کیا۔ ان میں سے اکثر قصے اوپر آچکے ہیں اس لیے دوبارہ نہیں لکھے جاتے صرف ایک قصہ اس جگہ درج ذیل ہے۔ حضرت مخدوم نے بیان فرمایا کہ حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلویؒ فرماتے تھے کہ بارہ سال کی عمر میں رات کی نیند کی لذت سے میں ناواقف تھا۔ تمام رات یاد الٰہی میں مشغول رہتا تھا۔ اگر نیند کا زیادہ غلبہ ہوتا تو تھوڑی سیاہ مرچ پیس کر رکھ لیتا تھا اور اسی کو انگلی اور لعاب دہن کی مدد سے آنکھ میں لگا دیتا تھا اس کی تیزی سے آنکھ سے پانی گرنے لگتا تھا اور نیند ختم ہو جاتی تھی۔

ایک اور واقعہ حضرت مخدومؒ نے بیان فرمایا کہ حضرت خواجہ بابا فرید الدین گنج شکرؒ بچپن کے زمانے میں زیادہ تر کھوتیوالی کی جامع مسجد میں بیٹھ کر نوافل پڑھتے رہتے تھے۔ اس وجہ سے لوگ ان کو قاضی بچہ دیوانہ کہہ کر پکارتے تھے۔ ایک دن شیخ جلال الدین تبریزیؒ کھوتیوال پہنچے۔ پوچھا کہ یہاں کوئی درویش رہتے ہیں۔ لوگوں نے ان کو بتایا کہ ایک دیوانہ سا لڑکا تو ہے جو ہر وقت جامع مسجد میں پڑا نمازیں پڑھتا رہتا ہے۔ شیخ جلال الدینؒ اس لڑکے کو دیکھنے کے لیے تشریف لے گئے۔ اس وقت بابا فرید الدین گنج شکرؒ نماز میں مشغول تھے۔ شیخ جلال الدینؒ نے ان کو بلایا۔ اور ایک انار عنایت فرمایا۔ بابا فرید الدین شکر گنج اس وقت روزہ سے تھے اس لیے توڑ کر لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک دانہ جو گر گیا تھا اس سے خود روزہ افطار کیا۔ اس دانہ کی خیر و برکت سے بہت ترقی ہوئی۔ اپنے دل میں انہوں نے ایک روز خیال کیا کہ اگر تمام انار کھا

لیتے تو اور کتنی ترقی ہوتی۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ سے مرید ہونے کے بعد انہوں نے یہ واقعہ اور اپنا خیال بیان فرمایا۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے فرمایا کہ بابا فرید جو کچھ تھا اسی ایک دانہ میں تھا جو کہ تمہارے لیے مقدر تھا۔

خواجہ خضر علیہ السلام کی اصلیت اور نسب کے بارے میں

تھوڑی دیر حضرت خواجہ خضر کی اصلیت اور نسب پر بات نکل گئی۔ حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ بعض اقوال کے مطابق خضر علیہ السلام نبی تھے اور ارمیا نام کے پیغمبر کا جو ذکر آیا ہے کہ بخت ونصر کے حملہ کے وقت وہ بیت المقدس سے غائب ہو گئے تھے وہ یہی ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ بلیا بن ملکا، بن قالغ بن ارفخشد بن سام بن نوح ہی خضر علیہ السلام ہیں ان کا نام خضر اس لیے پڑ گیا کہ وہ بالو کے سوکھے تودہ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے بیٹھنے کی برکت سے وہ سبز ہو گیا اور اس جگہ خضر اخضر نام کا ایک گھاس اُگ گیا بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ ایک بادشاہ کے اکلوتے لڑکے تھے۔ بادشاہ جب بوڑھا ہوا تو اس کے مقربین اور وزراء نے کہا کہ آپ ضعیف ہو گئے ہیں۔ اور شہزادے ولی عہد علم و ہنر سے ہنوز بے بہرہ ہیں وہ سیاست اور سلطنت کا کام کیسے سنبھالیں گے۔ ان کو کسی اچھے معلم کے پاس بھیجنا چاہیے جس سے وہ تعلیم حاصل کریں۔ چنانچہ ان کو بچپن میں تعلیم کے لیے ایک معلم کے پاس بھیجا گیا۔ راستہ میں ایک زاہد کی کٹیا تھی وہ وہیں بیٹھ جاتے اور تمام دن ان کے ساتھ عبادت ریاضت میں مشغول رہتے۔ اور دنیا اور دنیا کے کاموں سے کوئی غرض نہیں رکھتے۔ یہاں تک کہ وہ جوان ہو گئے۔ یہ خبر جب بادشاہ کو ملی کہ شہزادے پڑھنے کے لیے نہیں جاتے بلکہ درمیان میں ایک زاہد کی کٹیا میں ٹھہر کر عبادت و ریاضت میں مشغول ہو جاتے ہیں تو ان کو جانے سے روک دیا گیا۔ اب وہ اپنے محل ہی کے ایک گوشہ میں رہ کر دن رات عبادت اور ریاضت میں مشغول رہنے لگے۔ وزراء اور عمائد الدین سلطنت نے بادشاہ سے التجا کی کہ جہاں پناہ! آپ کے بعد آپ کی سلطنت آپ کے خاندان میں رہنے کی کوئی امید نظر نہیں آتی۔ آپ کے صرف ایک ہی فرزند ولی عہد بہادر ہیں اور ان کو دنیا اور سلطنت کے کاموں سے کوئی مطلب ہی نہیں۔ بادشاہ نے پوچھا تو پھر کیا تدبیر نکالی جائے۔ وزراء نے مشورہ دیا کہ ان کی شادی کر دیجیے تاکہ وہ اس کی لذت میں گرفتار ہو کر دنیا کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ چنانچہ ایک حسین و جمیل عورت ان کے خلوت خانہ میں بھیج دی گئی۔ اس وقت وہ نماز میں مشغول تھے۔ نماز سے فراغت کے بعد

انہوں نے اس عورت سے پوچھا کہ تم کون ہو؟" اس عورت نے جواب دیا کہ آپ کے والد نے آپ کی خدمت کے لیے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے انہوں نے کہا کہ میرے ساتھ تو بھی خدا کے کام میں مشغول ہو جا کہ یہ سب کاموں میں بہتر ہے۔ اس عورت کے دل میں یہ بات اثر کر گئی اور وہ عورت بھی شہزادے ہی کے رنگ میں ڈھل کر یاد الٰہی میں مشغول ہو گئی ہے تو پھر ایک دوسری تیز و طرار، پختہ عقل اور خوب رو عورت کو ان کے پاس بھیجا گیا کہ وہ کسی طرح اپنی طرف مائل کرے چنانچہ جب وہ شہزادے کی خلوت میں پہنچی تو شہزادے نے اس سے بھی وہی سوال کیا کہ تو کون ہے۔ اس نے وہی جواب دیا کہ آپ کے والد نے آپ کی خدمت اور دل بستگی کے لیے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے انہوں نے کہا کہ تو خدا کی عبادت میں میری مددگار ہو۔ وہ بھی عبادت الٰہی میں مشغول ہو گئی۔ جب بادشاہ اور اس کے وزراء کو معلوم ہوا کہ اس عورت کا بھی وہی حشر ہوا یعنی وہاں پہنچ کر وہ بھی یاد الٰہی میں مشغول ہو گئی تو ایک بدکار، مکارہ اور عیار عورت کو ان کے پاس بھیجا کہ ان کو اپنی طرف مائل کرے۔ لیکن شہزادے کی خلوت میں پہنچ کر وہ بھی اللہ والی خدا ترس عورت ہو گئی اور عبادت میں مصروف ہو گئی۔ بادشاہ نے جب دیکھا کہ کوئی صورت کارگر نہیں ہوتی تو ان کو ایک تنگ حجرہ میں بند کر دیا۔ اور کھانا پانی سب روک دیا کہ تکلیف اٹھانے کے بعد ٹھیک ہو جائیں گے۔ کچھ روز کے بعد جب حجرہ کھولا گیا تو معلوم ہوا وہ اس میں سے غائب ہو چکے ہیں۔ اگر اس قول کو مان لیا جائے تو ان کو اولیاء اللہ میں شمار کیا جائے گا۔ انبیاء میں نہیں۔

حضرت الیاس وہ پیغمبر ہیں جو بعلبک پر مبعوث ہوئے تھے۔ اور انہوں نے یونس بن متیٰ کو زندہ کر کے اپنا خلیفہ بنایا اور خود غائب ہو گئے۔ وہ خلق خدا کی خدمت میں غائب رہ کر مشغول ہیں۔ حضرت الیاس علیہ السلام خشکی میں اور خضر علیہ السلام دریا اور سمندر میں خدمت کرتے رہتے ہیں۔ ایک شخص نے سوال کیا کہ حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہیں؟ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ہاں زندہ ہیں۔ پھر اس شخص نے سوال کیا کہ رسول اللہ صلعم کے اس قول کا لو کان الخضر حیًا لزارنی کا کیا مطلب ہے۔ حضرت مخدومؒ نے فرمایا مشہور ہے کہ سکندر نے جب سد یاجوج و ماجوج بنایا تو خضر علیہ السلام اس کی محافظت کے لیے وہاں متعین ہوئے۔ جب رسول اللہ صلعم کی بعثت ہوئی تو خضر علیہ السلام پر عجیب و غریب نیند کا غلبہ ہوا اور سو سال تک سوتے رہے جب وہ بیدار ہوئے تو خاتم النبیین محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بارے میں دریافت کیا

کہ ہوئی یا ابھی نہیں۔ لوگوں نے کہا وہ تو ہم لوگوں میں مبعوث بھی ہوئے اور پھر واصل بحق بھی ہو چکے۔ اس طرح وہ رسول اللہ صلعم کی ملاقات اور دیدار سے مشرف نہ ہو سکے۔ اب رہا یہ سوال کہ احیا اور قوت القلوب میں بعض روایت مسبعات عشر کی ایسی آئی ہیں جن کو ابراہیم تیمی نے خضر علیہ السلام سے اور خضر علیہ السلام نے رسول اللہ صلعم کے حوالہ سے بیان کیا ہے اور اس سے دلیل دی جاتی ہے کہ ان سے رسول اللہ صلعم کی ملاقات ہوئی تھی۔ لیکن اگر اس ملاقات کو روحانی کہا جاتا ہے تو فقہا کے نزدیک احتجاج روایت، روحی ملاقات سے معتبر نہیں ہے اور روایت مسبعات عشر تمام کتاب میں مستند ہے۔ بس حدیث لو کان الخضر حیًا لزارنی کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ نیند موت کا بھائی ہے اور اسی لیے نیند کو موت بھی کہتے ہیں یعنی اگر وہ بیدار ہوتے تو مجھ سے ضرور ملاقات کرتے۔

روز شنبہ ۷، صفر المظفر ۸۰۳ھ

رسم و عادت کی پابندی میں جکڑے ہوئے گروہ کا ذکر

چاشت کے وقت اس جماعت کا ذکر نکل آیا جو رسم و عادت کی پابندی میں جکڑا ہوا ہے۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ یہ گروہ قلندر و حیدری، و براتی وغیرہ کا ہے۔ جو اپنے کو دنیا کے رسم و رواج سے بالاتر سمجھتے ہیں اور اپنے علاوہ سب دنیا والوں کو عالمیان کہتے ہیں لیکن لطف کی بات یہ ہے کہ خود اتنے زیادہ لایعنی اور بے ہودہ رسم و عادت کے جال میں گرفتار ہیں کہ ان کو نہ تحریر میں لایا جا سکتا ہے نہ تقریر میں۔ بس بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ شریعت کی رسوم سے اس لیے دُور رہتے ہیں کہ ان کو ان رسوم و عادات کی پابندی کا موقع ملے جن سے کوئی فائدہ نہیں اور جو شریعت طریقت اور حقیقت تمام مسلک سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ مثلاً وہ خانقاہ میں کسی کو تکیہ نہیں دیتے سوائے اس کے جو پوست بالا ہو پھر تکیہ دینے کے بعد یہ مسئلہ سامنے آتا ہے کہ سامنے، پیچھے اور دائیں بائیں کیا رکھیں۔ اور جو ان چھوٹی چھوٹی باتوں کا خیال نہ رکھے وہ درویش نہیں ہے۔ ان کے لیے یہ بہت اہمیت رکھتا ہے کہ ان کو کچکول اور کنگ کس نے دیا؟ اور فلاں ملک میں جو گئے تھے تو کیا دیکھا؟ اس شہر کا منارہ کیسا ہے؟ کتنے مزارات

ہیں؟ اور مسجد کیسی ہے؟ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ یہ سب ایسی خرافات اور بے ہودہ بکواس ہے جس کا کوئی تعلق اہل تحقیق سے نہیں ہے۔ پھر حضرت مخدوم نے اس کے حسب حال ایک قصہ بیان فرمایا کہ پرانی دہلی کی نماز گاہ کے پیچھے ایک درویش رہتے تھے وہ قصہ بیان کرتے تھے کہ میں نے ایک گنبد دیکھا جس کے اندر ایک درویش رہتے تھے۔ وہ ہاتھ اپنے سر پر مارتے تھے آہ سرد بھرتے تھے اور روتے تھے۔ میں انہیں دیکھ کر متحیر ہوا۔ میں نے ان سے پوچھا کہ آپ اپنے اوپر اتنی سختی کیوں کر رہے ہیں اور آہ وزاری کی وجہ کیا ہے؟ انہوں نے مجھے بڑی شفقت سے اپنے نزدیک بٹھایا اور کہا کہ اے نوجوان، جب تم پوچھتے ہو تو میں تمہیں اپنا قصہ سناتا ہوں۔ میں ایک سوداگر کا لڑکا تھا۔ مال واسباب اور روپیہ پیسہ کی فراوانی تھی۔ میں نے چاہا کہ اللہ کا راستہ اختیار کروں اور عوام جس رسم ورواج میں مبتلا ہیں ان کو چھوڑ دوں۔ میں نے ایک دن قلندروں کی ایک جماعت کو دیکھا جو اپنا سر اور داڑھی منڈا کر دنیا کے رسم ورواج کے پابند نہیں رہے تھے۔ میں بھی ان ہی میں شامل ہو گیا اور ان ہی کی وضع اور صورت اختیار کر لی۔ اس گروہ میں شامل ہونے کے بعد اے جوان میں تم سے کیا بیان کروں کہ کیسی کیسی لایعنی اور بے ہودہ رسوم وعادات کا میں نے ان کو پابند پایا۔ اب میں سر پیٹتا ہوں، اور اپنے حال زار پہ روتا ہوں کہ کہاں جاؤں اور کیا کروں جو مجھے اس بلا سے رہائی اور نجات ملے۔ پھر فرمایا کہ طالب خدا کو رسم وعادت سے کیا کام۔ دنیا میں جس کام کے کرنے سے دوست تک رسائی ہو جائے اسی کو اختیار کرے۔ اور جو کام اللہ کے راستہ سے دور کرتا ہو اس سے بچے اور دور بھاگے۔ اس کے حسب حال حضرت مخدومؒ نے ایک قصہ بیان فرمایا کہ ایک درویش ابدالوں کے درمیان صحرا سے گزر رہا تھا۔ ایک درخت کے سایہ میں اس نے ایک شخص کو بیٹھے دیکھا اس کے قیافہ سے اندازہ لگایا کہ وہ اولیاء اللہ میں سے ایک ہے، وہ ان سے ملاقات کرنے کے لیے کھڑا ہو گیا۔ ادھر ادھر پھرتا رہا اس سے ملاقات کی کوئی سبیل نہ نکلی کیونکہ وہ عبادت الٰہی میں اس طرح مشغول تھا کہ اس کو ابدال کے ملاقات کی بھی کوئی پروا نہ تھی۔ اس درویش نے بہت کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ اس نے اپنے دل میں کہا کہ جب سایہ ڈھل جائے گا تو آفتاب کی شعاع اس شخص کی آنکھ پر سیدھی پڑے گی پھر ممکن ہے اس میں کچھ تبدیلی ہو، اور وہ اپنی حالت میں آئے اس وقت اس سے ملاقات کر سکوں گا۔ وہ انتظار کرنے لگا یہاں تک کہ سایہ درخت سے گھوم گیا اور آفتاب اس کے چہرے پہ پڑنے

لگا۔ وہ اُٹھ کر دوسری طرف بیٹھ گیا۔ اس نے بڑھ کر سلام کیا اس درویش نے اشارے سے سلام کا جواب دیا اور زانو کو اوپر کر کے سر کو مراقبہ کے لیے جھکا لیا۔ اس نے دیکھا کہ یہی وقت کچھ کہنے کا ہے۔ پھر موقع نہ ملے گا۔ اس نے بڑھ کر کہا کہ اے درویش! ہم لوگ بھی اللہ کے مخصوص اور نیک بندے ہیں جو اس سے چاہتے ہیں مل جاتا ہے۔ یہ سُن کر اس نے سر اٹھایا اور کہا اگر تم اللہ کے ایسے نیک بندے ہو کہ جو اس سے مانگتے ہو مل جاتا ہے تو پھر اللہ سے کہو کہ درخت کا سایہ نہ گھومے اور میرا اتنا وقت بھی ضائع نہ ہو جو وہاں سے اُٹھ کر دوسری جگہ بیٹھنے میں ہوتا ہے۔

کاہلوں کا ایک لطیفہ

پھر حضرت مخدوم نے فرمایا کہ مضاحک میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں ایک کاہل آدمی ہوں۔ کاروبار نہیں کر سکتا خدا کے لیے میرے لیے دو روٹی مقرر کر دیجیے تاکہ میری گذر بسر ہو بادشاہ نے کہا ایسا کس استحقاق پر کیا جائے۔ وزیر نے بڑھ کر عرض کیا کہ جہاں پناہ، استحقاق تو اس کو کوئی نہیں لیکن اگر آپ نے اس کی درخواست رد کر دی تو عوام میں سبکی ہو گی کہ ایک شخص نے بادشاہ سے دو روٹی کی درخواست کی اور بادشاہ نے نہیں منظور کیا۔ آخر بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کو اتنی روٹی مقرر کر دی جائے کہ وہ شکم سیر ہو کر کھا لے۔ کئی روز کے بعد ایک دوسرا آدمی بھی حاضر ہوا اور اس نے بھی وہی درخواست کی کہ میں کاہل ہوں مجھ سے کوئی کام نہیں ہوتا میرے لیے بھی روٹی کا سامان کیا جائے کہ میں کھاؤں اور پڑا رہوں۔ بادشاہ نے اس کے لیے بھی روٹی مقرر کر دی۔ پھر تو سلسلہ بندھ گیا ایک کے بعد دوسرا دوسرے کے بعد تیسرا وارد ہونے لگا۔ یہاں تک کہ کاہلوں کی روٹی کا انتظام کرنے کا ایک محکمہ قائم ہو گیا اور خزانہ خالی ہونے لگا۔ وزیر نے کہا ان بدبختوں نے گداگری کو شیوہ بنا لیا ہے سارے لوگوں کو بیٹھ کر کس طرح کھلایا جا سکتا ہے ان لوگوں کا ایک امتحان لیتا ہوں اس میں جو کاہل ثابت ہو جائے گا وہ رہے گا اور بقیہ جن لوگوں نے اپنے کو غلط طور پر کاہل بنا لیا ہے ان کو نکال دیا جائے گا چنانچہ وزیر نے اس مکان میں جہاں یہ کاہل رہتے تھے آگ لگانے کا حکم دے دیا۔ لوگوں نے آگ لگا دی۔ جب آگ ان کاہلوں کے قریب پہنچی تو سب دیوار پھاند کر بھاگے۔ ان میں سے صرف پانچ اشخاص رہ گئے۔ ایک نے صرف اتنا کہا کہ آگ لگ گئی ہے گھر جل رہا ہے پھر چپ چاپ پڑا رہا۔ دوسرے نے

کہا افسوس، تجھ کو بات کرنے میں آ سکت نہیں معلوم ہوتی جو بول رہا ہے۔ تیسرے نے کہا بس کہ یار چپ بھی رہ۔ چوتھے نے آگ کی طرف سے منہ پھیر کر کروٹ بدل لی۔ پانچواں بے حس و حرکت پڑا رہا۔ فوراً وزیر نے آگ بجھانے کا حکم دیا۔ جب آگ بجھ گئی تو صرف ان پانچ افراد کو کاہل مان کر رہنے دیا اور بقیہ سب کو نکال دیا۔ یہ لطیفہ بیان کرنے کے بعد حضرت مخدومؒ نے فرمایا خدا کا طالب اللہ کے راستہ میں کم از کم ان کاہلوں کی طرح ہو جائے۔ پھر یہ دوبیت پڑھے :

نہ بیند چند مرادہ برائے مستی را	کہ بیر گشتم ازیں زیر کی و ہشیاری
نہ ہم رہی تو مرادہ خویش گیرد برد	ترا سعادت بادا مرا نگوں ساری

پھر یہ غزل پڑھی :

شادباش اے عاشق دیدار یار	فارغ از نابود و بود روزگار
غرقہ در دریائے مستی وخوشی است	آنکہ او میگوں بسے دارد کنار
ہر کہ با خوباں نشستہ خاستہ است	از سر زہد و صلاح و رسم و عار
جعد او دیدم رسیدہ بر سریں	وہم بردم بر کہی بر رفتہ مار
ہر چہ از یاراں رسد خوش تر بود	گر چہ باشد محنت و درد و فگار
جرعہ یابم اگر از جام عشق	جاں و دین و دل کنم بروئے نثار
اے کہ پندم می دہی از یار دل را باز دار	باز می آرم و لے بے یار دل آمد چہ کار

ہر کہ با خوباں نشیند خیز داز جاں وجہاں
عاشق و دیوانہ گردد کم کند صبر و قرار

روز یکشنبہ ۷ صفر المظفر ۸۰۳ھ

چالیس ابدال کا قصہ

چاشت کے وقت اس آیت ولیستبدل قوماً غیرکم ثم لا یکونوا امثالکم کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ ایک دن منصور ابدال کو، جو کہ تمام ابدال میں طویل العمر، اور امیر المومنین حسینؓ کے اتابک اور حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر لانے والے اور جنگ کربلا میں امام حسین علیہ السلام

کے دوش بدوش کھڑے رہنے والے تھے، حکم ہوا کہ درزی، حائک اور جوتا سینے والے تمام طبقہ سے چالیس آدمیوں کو جمع کر کے اور بے ہوش کر کے صحرا کی آخری مسجد میں لے جاؤ۔ ان چالیس نفر میں ایک عمران نام کے قطب ابدال تھے۔ سیر کرنے کے درمیان ان کی نظر ایک لڑکی پر پڑ گئی جو صحرا میں ایک طرف بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے نزدیک آ کر انہوں نے پوچھا کہ تم کون ہو۔ اس لڑکی نے جواب دیا کہ میرا باپ لکڑی لانے جنگل میں گیا ہے اور مجھے اس جگہ بٹھا دیا ہے تھوڑی دیر میں وہ آئے گا تو مجھے اپنے ساتھ گھر لے جائے گا۔ وہ لڑکی غیر معمولی حسین و جمیل تھی اس کو دیکھ کر عمران کے دل میں یہ بات پیدا ہوئی کہ اگر میں ابدال کی جماعت میں سے نہ ہوتا تو اس لڑکی کو ضرور حاصل کرتا۔ اچانک ایک ڈھیلے سے جو ان کے پیر کے نیچے تھا ان کا پیر لڑکھڑایا اور وہ گر کر واصل بہ حق ہو گئے۔ یہی حال چالیسوں ابدال کا ہوا وہ گر گر کر واصل بہ حق ہو گئے۔ صرف ایک منصور ابدال رہ گئے۔ انہوں نے سفر تمام کیا پھر بارگاہ ایزدی میں التجا کی کہ خداوندا! ان چالیسوں کے بارے میں کیا حکم ہوتا ہے۔ حکم باری ہوا کہ جاؤ ان چالیسوں کو جمع کر کے لاؤ۔ پھر ان میں سے ہر ایک کی جگہ اسی نام کے اشخاص متعین ہوئے اور ان کو دھکا دے دے کر چلایا اور پھر ان میں سے ہر ایک عارف کامل ہو گیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کسی شخص کو اپنی کسی خوبی اور فضیلت پر مغرور نہیں ہونا چاہیے کہ مجھ میں بھی کوئی وصف ہے۔ پھر حضرت مخدوم نے اپنے یہ اشعار مجھے عنایت فرمائے: ے

سرورا استاد بہتر چوں تو رفتارے کنی طوطیاں را بہ خموشی چوں تو گفتارے کنی

ہر چہ بر ما می کنی می کن ہمہ مطلوب ماست لیک یارا می کشاید گر دگر یارے کنی

یارا گر فرمود لطفے بوسہ را گشتی مجاز حفظ حرمت را تنک کاز ی آزارے کنی

ہر کہ در کوئے تو آید گاہ بے گہ بے ادب حق او انصاف فرمود است سنگسارے کنی

عقد ملجی بر سر ولیس دعوی عشق ایانہ آہ محمود ایں بلا از عشق بیزارے کنی

نے آنکہ غران جواں مردست باجاہ و جلال سر نہد بر آستانِ تو و تو خوارے کنی

اے پسر لب را بپوش و برقعہ بر روئے بکش چند مردم زہد را سرگشتہ مے خوارے کنی

جعد را خوش بر سریں افگندہ اے خوش نگار چند کس را پس روایں کار درکارے کنی

اے محمد عشق بازی را یکے رمزے کنی ماہ در خور بنگری پس عکس انوارے کنی

عشق آں صورت ندارد نقش آں مانی کند عشق در ہر صورتے با فیض اظہارے کنی

قاضی عین القضات کے فضائل کا ذکر

ظہر کی نماز کے بعد قاضی عین القضات رحمۃ اللہ کے فضائل کا ذکر نکل آیا حضرت مخدوم نے فرمایا کہ جب ان لوگوں نے جلا دیا تو گھر میں تلاشی لینے کے لیے آئے کہ جو جو ملحدانہ کلمات ان کے گھر میں موجود ہوں ان کو دور کر دیا جائے۔ ایک فریم میں ایک کاغذ پر خوش خط لکھی ہوئی یہ رباعی ان لوگوں کی نظر سے گذری :۔ رباعی

بامرگ شہیدی ز خدا خواستہ ایم	از دوست سہ چیز کم بہا خواستہ ایم
گر دوست ہماں کند کہ ما خواستہ ایم	ما آتش و نفت و بوریا خواستہ ایم

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ہمارے خواجہ فرماتے تھے کہ میں اور قاضی عین القضاۃ چھ ماہ تک ایک جگہ رہے تھے لیکن ایک دوسرے درویش کا دعوے تھا کہ وہ قاضی عین القضات سے ایک دن بھی جدا نہ ہوا۔ واللہ اعلم۔

روز یکشنبہ ۱۲، صفر المظفر ۸۰۳ھ

سماع کے ارباب ذوق کے بارے میں

عشاء کی نماز کے بعد سماع کے ارباب ذوق کا ذکر نکل آیا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ والد فرماتے تھے کہ ہمارے خواجہ کے مریدوں میں سے ایک صوفی تھے۔ ان کو ایک ہندی گانے "او منوسہ ما دیہ کھن شہ اما کہ ہوا۔" پر ذوق پیدا ہوا وہ گھر آکر اپنے حجرے میں بند ہو گئے اور وہاں یہ نغمہ گانے اور رقص کرنے لگے۔ اس حجرہ کے اندر ایک صندوق تھا اس کے تالہ کے پیچھے بہت تیز کیل سا نکلا ہوا تھا۔ وہ رقص کے دوران ان کے پیر میں چبھ گیا غایت ذوق اور کیف کی وجہ سے ان کو کچھ پتا نہ چلا وہ اسی طرح رقص کرتے رہے اور وہ کیل ان کے پیر میں اندر دھنستا رہا یہاں تک کہ ہڈی تک پہنچ گیا۔ پھر وہ بے ہوش ہو کر گرے اور جان جان آفریں کو سپرد کر دی۔ کچھ دیر کے بعد گھر کے لوگوں کو خیال ہوا کہ حجرہ بند ہوئے بہت دیر ہو گئی اور وہاں سے کچھ آہٹ بھی نہیں ملتی لوگ دروازہ توڑ کر اندر گئے تو دیکھا کہ وہ واصل بہ حق ہو چکے تھے۔ اور اس تالا کی ایک کیل ان کے پیر میں ہڈی تک چبھی ہوئی ہے۔ اور پورا حجرہ خون سے بھرا ہوا ہے۔

اسی طرح رسالہ قشیری میں مذکور ہے کہ حضرت ابوالحسن نوری ایک مرتبہ سماع کے دوران کسی شعر پر ذوق وکیف سے بے خود ہو کر گھر سے باہر نکل گئے، پھر محلہ سے بازار کی طرف اور بازار سے بیابان کی طرف بھاگے۔ ایک نیستان میں، جس کے نئے کاٹ لیے گئے تھے اور جڑ سے لگے ہوئے سیخ باقی رہ گئے تھے، پہنچے اور اس پر لوٹنے لگے۔ نرکٹ کے سیخ پورے جسم میں چبھ کر ایک پہلو سے دوسرے پہلو کی طرف نکل گئے۔ اور اسی حالت میں ان کا وصال ہوا۔ اس واقعہ کو بیان کرنے کے بعد حضرت مخدوم نے فرمایا کہ اس کو موت بہ سماع نہیں کہیں گے۔ کیونکہ جس طرح کوئی آدمی راستہ سے گزر رہا ہے اور اس پر دیوار گر جائے تو وہ شہید ہوگا اور اس کی موت کو راستہ میں چلنے کے سبب نہیں کہا جائے گا۔ اسی طرح سیخ نے اور قفل کی کیل ہلاکت کا سبب ہوئی۔

پھر غلبہ عشق پر بات نکل آئی کہ عاشق اپنی جان معشوق کی راہ میں کس طرح قربان کر دیتا ہے۔ حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ شہر مالوہ میں ایک مقام سیبرہ ہے وہاں سات برہمن بھائی رہتے تھے۔ ان میں سے ایک بھائی کا نام گنگا تھا۔ وہ اتفاق سے سلہی نام کی ایک فاحشہ پر عاشق ہو گیا۔ اور اس کو اپنی بیوی بنا لیا۔ برہمنوں کا دستور ہے کہ ان میں اگر کوئی شخص غیر جنس یعنی دوسری ذات سے شادی کر لیتا ہے تو اس کو اپنے سماج سے نکال دیتے ہیں اور اپنے ساتھ کھانے اور بیٹھنے کی اجازت نہیں دیتے۔ چنانچہ برہمنوں نے گنگا کو بھی اپنے سماج سے نکال دیا گنگا چونکہ سلہی کے دام محبت میں گرفتار ہو چکا تھا اور اس سے جُدا نہیں ہو سکتا تھا اس لیے اس نے سماج سے کٹ جانا منظور کر لیا۔ ایک مرتبہ وہ ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں جا رہا تھا راستہ میں دشمنوں نے اس کو مار دیا۔ اس کے بھائیوں کو خبر ہوئی لیکن سلہی کو اس کی کوئی خبر نہ تھی وہ حسب قاعدہ بن سنور کر اپنے پڑوس کی عورتوں سے بات کر رہی تھی کہ ٹھیک اسی وقت گنگا کا ایک بھائی اس کے پاس پہنچا اور بڑے احترام اور تعظیم سے پیش آیا۔ سلہی خلاف معمول اس کی یہ تعظیم و تکریم دیکھ کر بہت حیران ہوئی کہ ایک فاحشہ کے گھر میں برہمن کا کیا کام۔ اور پھر اتنی نفرت اور بیزاری کے بعد یہ عزت و احترام کے کیا معنی۔ اس نے گنگا کے بھائی سے پوچھا کہ آپ تو ہم لوگوں سے اتنی نفرت کرتے ہیں کہ بھائی کو بھی نکال دیا اس وقت آپ کے آنے کا کیا مقصد ہے اس نے جواب دیا مجھ کو تم سے آج بہت ضروری کام ہے اتنا سننا تھا کہ سلہی چیخ مار کر گر پڑی پھر

بولی میں سمجھ گئی گنگا مر گیا۔ اچھا اب فرمائیے مجھ سے کیا کام ہے گنگا کے بھائی نے کہا مجھے امید ہے کہ تم اسے تنہا نہیں چھوڑو گی۔ اس عورت نے کہا کہ فاحشہ عورت کا برہمن سے کیا جوڑ اور ان دونوں کا کس طرح اجتماع ہو سکتا ہے۔ گنگا کے بھائی نے کہا کہ ہاں ہو سکتا ہے۔ یہ آگ ہر چیز کو جلا کر پاک کر دیتی ہے اور سارے گناہ دھو دیتی ہے۔ سلھی نے کہا اچھا ٹھیک ہے میں آپ کی بات مانوں گی لیکن مہربانی کر کے آپ لوگ مجھ کو زہر نہ دیں۔ برہمنوں کے یہاں دستور ہے کہ جو عورت جلنے کے لیے آمادہ نہیں ہوتی اس کو پانی میں زہر دے کر کھلا دیتے ہیں۔ گنگا کے بھائی نے وعدہ کیا کہ میں تمہیں زہر نہیں دوں گا۔ پھر سلھی نے کہا کہ اب آپ لوگ جائیں جس جگہ گنگا مارا گیا ہے وہاں پر اس کا کوئی کپڑا یا اسلحہ مل جائے تو اسے لا کر مجھے دیں، میں اسے لے کر جل مروں گی لوگوں نے وہاں جا کر تلاش کیا لیکن کچھ نہ ملا۔ ادھر سلھی کھانا پینا چھوڑ کر جل مرنے کے انتظار میں بیٹھی تھی کہ اپنے محبوب شوہر پر جان فدا کر دے۔ جب کوئی چیز ان برہمنوں کو گنگا کی نہ ملی تو پھر ان لوگوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ اب کیا کیا جائے۔ ان لوگوں نے طے کیا کہ "چکیسہ" بنا لیا جائے۔ سلھی نے پوچھا چکیسہ کیا ہوتا ہے۔ ان لوگوں نے بتایا کہ ایک من دس سیر جو کو بھون کر پیس کر اس سے ایک پتلا گنگا کی شکل کا بنا لیا جائے گا اور اس کا نام بھی گنگا ہی رکھا جائے گا تم اس کو گود میں لے کر کود دو گی لوگوں نے یہی کیا۔ لیکن جب وہ چکیسہ لے کر آگ میں کودنے لگی تو اس نے رو کر کہا کہ افسوس میرے محبوب کی کوئی چیز نہ ملی جسے لے کر میں جلتی۔ پھر اس نے تمام حاضرین سے مخاطب ہو کر کہا کہ آپ لوگ اس قصہ کو یاد رکھیں گے اور گواہ رہیں گے کہ سلھی فاحشہ نے گنگا کے بعد اپنے کو آگ میں جلانا چاہا۔ جب گنگا کی کوئی چیز اسے نہ ملی تو پھر چکیسہ کو گود میں لے کر اپنے محبوب کی محبت کی یاد میں جل کر راکھ ہو گئی۔ اور پھر آگ میں کود کر جل مری۔

واللہ اعلم۔

روز سہ شنبہ ۲۳ صفر المظفر سنہ ۸۰۳ھ

مشائخ کے شجرہ کے بارے میں

۲۳ صفر کو مشائخ کے شجرہ پر بات نکل آئی۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ یہ رسول اللہ صلعم سے امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کو اور علی رضؓ سے امیر المومنین حسن اور حسین علیہم السلام کو اور ان سے امام حسنؓ بصری

اور کمیل زیادؒ کو پہنچی اور امیر المومنین حسینؓ سے حضرت زین العابدینؓ کو اور حضرت زین العابدین سے حضرت محمد باقرؓ کو اور حضرت محمد باقرؒ سے حضرت جعفر صادقؓ کو اور ان سے حضرت معروف کرخیؒ کو پہنچی اور ان سے حضرت سری سقطیؓ کو اور ان سے حضرت جنید کو پہنچی - یہ شجرہ سہروردیوں کا ہے - لیکن حضرت حسن بصریؒ سے شجرہ چشتیوں کا چلتا ہے - اور حضرت کمیلؒ زیادؒ سے کبرویوں کا - بہت سے ایسے اسرار حقانی امیر المومنین علیؓ حضرت کمیل زیادؒ کے ساتھ رکھتے تھے جو دوسروں کے ساتھ کم تھا - اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ان کو حضرت علیؓ کی صحبت میں رہنے کا بہت زیادہ موقع ملا تھا - بہت سے وہ اسرار فوائد، کمیل زیادؒ سے لوگوں تک پہنچے۔

۲۴ صفر آخری چہار شنبہ کے روز چاشت کے وقت جب اور مختلف آدمی جمع تھے۔

حضرت مخدومؒ نے خاکسار کاتب جوامع الکلم سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ آج تعویذ حرز یمانی لکھنا چاہتے ہیں - اس کا نسخہ لاؤ اور ہم بتاتے ہیں لکھو - وہ بہت مجرب تعویذ ہے - دہلی میں اس کے بہت سے نسخے تھے لوگ بچوں کے گلے میں ڈالتے تھے سب ضائع ہو گئے - نسخہ حسب الحکم خاکسار نے پیش کیا اس کے بعض حروف مٹے ہوئے تھے ان تمام لفظوں کو حضرت مخدوم نے صحیح فرمایا پھر لکھنے کو کہا وہ نسخہ یہ ہے :-

دعا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللّٰھم انی اسئلک الامان والایمان یکفی بک عیشنا اللّٰھم اعطنی صلاح الدنیا والاخرۃ واقفض دینی من خزانتک یا اجود الاجودین برحمتک یا ارحم الراحمین اھیا اشرا ھیا اذونی اصبیاؤت یا مجلی عظائم الامور یا حی یا قیوم یا حیّ حین لا حیّ یا شفیق یا رفیق انت ربّی علی التحقیق خلصنی عن کل مضیق ھرمن و ۷۸۱ یا حیّ یا قیوم یا حکیم یا جلیل برحمتک یا ارحم الراحمین وسلّم تسلیمًا کثیرًا کثیرا برحمتک یا ارحم الراحمین ۝

الله الله الله	الله الله الله الله	الله الله الله	الله الله الله الله	الله الله الله الله	الله الله الله الله	الله الله الله الله
الله الله	الله الله	الله الله الله الله	الله الله	الله الله	الله الله	الله الله
الله الله الله	الله الله الله	الله الله الله	الله الله الله	الله الله	الله الله	الله الله
الله الله	الله الله	الله الله	الله الله	الله الله الله الله	الله الله	الله الله
الله الله	الله الله	الله الله	الله الله	الله الله الله	الله الله الله	الله الله الله الله
الله الله	الله الله	الله الله	الله الله	الله الله الله	الله الله	الله الله

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یا حیّ یا قیوم یا حکیم یا جلیل برحمتک یا ارحم الراحمین ہ

عصر کی نماز کے وقت کاتب جوامع الکلم چند نسخہ اس تعویذ کا اور تعویذ سرخ بادہ کا لے گیا۔ تعویذ سرخ بادہ کا نسخہ یہ ہے :۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قلنا یا نارو کونی برداً وّ سلاماً علی ابراھیم۔

حضرت مخدومؒ نے حکم دیا کہ ان کو میرے مصحف میں رکھو کیونکہ مصحف میں رکھنے سے تعویذ میں بہت اثر آجاتا ہے۔ تعویذ کو مصحف میں ضرور رکھنا چاہیے۔ اور حضرت مخدوم کی یہ عادت تھی کہ وہ ہمیشہ تعویذ لکھ کر مصحف میں رکھ دیتے تھے۔ جب کوئی حاجت مند آتا تو اس میں سے نکال کر مرحمت فرماتے۔ اور بے شک ان کے تعویذ میں بہت اثر تھا۔

۲۶ صفر جمعہ کے روز نماز جمعہ کے بعد اس آیت لھم مایشاء ون فیھا والدنیا مزیدٌ کی وضاحت فرماتے ہوئے حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ لطائف قشیری میں لکھا ہے کہ جو کچھ اللہ نے حکم دیا اور جس میں اس کی خوشنودی تھی اس کے دوستوں نے کیا۔ اس کی جزا ان کو یہ ملے گی کہ آج وہ جو کچھ چاہیں گے ان کو مرحمت ہوگا اور مزید علیہ کی کوئی حد اور حساب نہیں ہوگا۔ جیسا کہ حضرت شیخ الاسلام بابا فرید الدین گنج شکرؒ فرماتے ہیں کہ چالیس سال تک جو کچھ خدا نے حکم دیا بندہ مسعود اس کو بجا لاتا رہا آج سالوں سے بندہ مسعود جو

کچھ چاہتا ہے اللہ وہی کرتا ہے۔

روز دوشنبہ ۲۹ ، صفر المظفر ۸۰۳ھ

غیر کعبہ کے طواف کے بارے میں

عصر کی نماز کے وقت غیر کعبہ کے طواف کے بارے میں ذکر نکل آیا۔ خاکسار نے علی رضی اللہ عنہ سے ایک روایت پڑھی روایتٌ رسول اللہ صلعم والحلاق یحلقہٗ واصحابہ یطوف بہ حولہٗ ویقصدون ان لا یقع شعرۃً من شعرانہ علی الارض یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حجۃ الوداع کے موقع پر جب رسول اللہ صلعم نے سر کا بال اور حلق صاف کرایا تو صحابہ کرام رسول اللہ صلعم کے چاروں طرف گھوم رہے تھے اور کوشش کر رہے تھے کہ موئے مبارک کا ایک بال بھی زمین پر نہ گرے۔

روز شنبہ ۱۱ ربیع الاوّل ۸۰۳ھ

ایک آیت کی وضاحت

۱۱ ربیع الاول کو اس آیت ذالک مبلغھم من العلم کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت مخدوم نے فرمایا کہ جس کی ہمت نے دینی یا دنیاوی لذت حسی کے دائرے سے تجاوز نہیں کیا اس کا مبلغ علم وہی ہوتا ہے اس کے کام کی انتہا نہیں ہوتی۔ اور وہ آخرت کی خواہش قلیہ اور حلوا کے لیے کرتا ہے اگر دنیا کے لیے کرے تو وہ زیادہ بہتر ہے، پھر یہ شعر پڑھا :

خم کہ کردی پشت ایں مست مقلد در رکوع گر نہ در جنت امید قلیہ و حلوا ستی

پھر حضرت مخدوم نے فرمایا کہ افسوس ہے ان ناقصان عقل و دین پر جو کہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ بہشت کے لیے پڑھتے ہیں۔ اللہ والے لاکھوں بہشت کو ایک مرتبہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ پڑھنے کے شوق میں قربان کر دیتے ہیں۔

اہل دنیا اور ان کے حُسنِ معاملہ پر

اس کے بعد اہل دنیا اور ان کے حسن معاملہ پر گفتگو نکل گئی۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ دنیا زہر کی

طرح ہے اور درویش کی دلجوئی اس کی کاٹ ہے۔ دنیا دین سے ہے اگر دولت کا صحیح استعمال کیا جائے اور اس کو نیک کاموں میں خرچ کیا جائے تو پھر اس کی خوش بختی کا کیا کہنا جس کو دین اور دنیا کی دولت حاصل ہو جائے۔ کیونکہ اس سے وہ آخرت کا کام بھی کرے گا اور دنیا کا بھی اس طرح اس کو سعادت دارین حاصل ہو گی۔ اس کو دنیا بھی ملے گی اور دین بھی۔

اسی کے حسب حال حضرت مخدوم نے ایک قصہ بیان فرمایا کہ ایک ابدال شہر میں گھوم رہا تھا۔ گلی میں کچھ بچے کھیل رہے تھے۔ اس نے دیکھا کہ ان بچوں میں بڑا بچہ جو قوت اور توانائی میں بھی اپنے ساتھیوں سے زیادہ تھا اپنے ساتھیوں سے پٹ رہا تھا۔ لڑکے اسی کو ستا رہے تھے مار رہے تھے اور وہ صرف برداشت کیے جا رہا تھا کسی سے بدلہ نہیں لے رہا تھا ابدال نے اپنے دل میں کہا کہ یہ بڑا بچہ طاقت ور ہے اور اس کے ساتھی سب اس سے کمزور ہیں پھر بھی وہ ان کی شرارتوں کا کوئی جواب نہیں دیتا۔ اور خاموشی سے مار کھائے جاتا ہے آخر اس کی وجہ اس کی بہترین سمجھ اور دانائی ہے یا کم ہمتی اور دنائت طبع ہے۔ اس نے آگے بڑھ کر اس بڑے لڑکے سے پوچھا کہ یہ سب تم کو مار رہے ہیں اور تم ان سے بڑے اور مضبوط ہوتے ہوئے بھی ان کو کچھ نہیں کہتے۔ تم بھی تو بدلہ لے سکتے تھے۔ اس لڑکے نے کہا درویش! مجھے یہ بتائیے کہ یہ لوگ اچھا کر رہے ہیں یا بُرا ابدال نے جواب دیا۔ بُرا۔ اس لڑکے نے کہا پھر کیا آپ کی رائے ہے کہ میں بھی بُرا کام کروں۔ ابدال سمجھ گیا کہ یہ لڑکا بڑا اعلیٰ ظرف اور دانا ہے اور اسی لیے تحمل سے کام لیتا ہے پھر اس کے دل میں یہ بات آئی کہ بچپن میں جس لڑکے کی ایسی غیر معمولی سمجھ اور دانائی ہے معلوم نہیں بڑا ہو کر وہ کیا کرے گا۔ اس لیے اس کے بارے میں کچھ مزید تحقیقات کرنا چاہیے وہ کہاں جاتا ہے۔ اور کیا کیا کرتا ہے۔ تھوڑی دیر تک وہ ابدال اس کا مطالعہ کرتا رہا پھر اس کو معلوم ہو گیا کہ یہ لڑکا آگے چل کر اس شہر کا بادشاہ ہو گا۔ ابدال نے اس لڑکے سے پوچھا تم کیا کام کرتے ہو۔ اس لڑکے نے بتایا کہ ہم پشم بنتے ہیں۔ ابدال نے کہا میں ایک جھنڈا یہاں چھوڑ جاؤں ایک دن آئے گا کہ وہ نشان یادگار ہو گا۔ ابدال نے اس لڑکے سے پوچھا کہ اگر ہم تم کو پشم (اُون) دیں تو مجھ کو ایک نشان بُن دو گے۔ لڑکے نے کہا جی ہاں، میں بُن دوں گا۔ ابدال نے ایک مندہ پشم کا اس کو دیا اور پوچھا کہ کب بُن کر دو گے۔ لڑکے نے کہا کل۔ دوسرے دن وہ درویش آیا۔ اس لڑکے نے حسب وعدہ نشان اس کو بن کر دے دیا۔ درویش نے اس کو اجرت

دی اور اپنے لنگوٹ سے چنا کے چند دانے بھی دیے۔ اور کہا کہ یہ میری طرف سے تحفہ ہے تم کھالو وہ لڑکا گھر گیا اور اُجرت ماں باپ کے حوالہ کی اور چنا کے کچھ دانے بھی ان کو دیے۔ ان لوگوں نے پوچھا یہ چنا تم کو کہاں سے ملا۔ اس نے کہا کہ جس درویش نے مندہ دیا تھا اسی نے یہ چنا میرے کھانے کے لیے دیا تھا۔ اس لڑکے کے والدین نے کہا معلوم نہیں وہ درویش کون ہے اور کیسا آدمی ہے اس لیے اس کا دیا چنا نہ کھاؤ۔ اس لڑکے نے کہا درویش نے مجھے دیا ہے میں ضرور کھاؤں گا۔ اور سب کھا گیا۔ کچھ عرصہ گزر جانے کے بعد وہ درویش اس شہر میں آیا اور اس کا گزر اس گلی میں ہوا۔ ان کو اس بچہ کی یاد آگئی انہوں نے پتا چلایا کہ اس کا کیا حال ہے وہ بادشاہ ہوا یا نہیں۔ تحقیقات سے ان کو معلوم ہوا کہ آج کل اس شہر کا بادشاہ وہی ہے ان کو اس سے ملنے کی خواہش ہوئی کہ اس کی سمجھ اور طبیعت ویسی ہی ہے یا حالات زمانہ نے اس میں تبدیلی لادی ہے اس نے دریافت کیا کہ وہ کس وقت سوار ہو کر محل سے باہر سیر کے لیے نکلتا ہے اور کس طرف جاتا ہے۔ جب اسے معلوم ہو گیا تو وقت معینہ پر اسی طرف ایک بلند جگہ پر کھڑا ہو کر بادشاہ کی سواری کے گزرنے کا انتظار کرنے لگا۔ جب فوج کے ساتھ بادشاہ اس بلندی کے پاس سے گزرا تو وہ درویش کھڑا ہو گیا بادشاہ کی نظر فوراً اس پر پڑی اس نے انگلی سے اشارہ کیا جیسے کچھ گزری بات یاد دلا رہا ہو۔ بادشاہ اس کو پہچان گیا۔ اس کو فوراً اپنے نزدیک بُلا کر کان میں کہا آپ کے پاس اُون ہو تو بُن دوں۔ درویش نے کہا تم وہی اُون بننے والے لڑکے ہو نا ؟ لڑکے نے جواب دیا جی ہاں میں وہی اون بننے والے کا لڑکا اور اُون بننے والا ہوں بلکہ اس سے بھی کم تر اور بدتر۔ درویش نے کہا الحمدللہ تم کو روزانہ ترقی ہو رہی ہے میں آج رات کو تمہارے پاس آؤں گا اور تم سے ملاقات کروں گا بادشاہ نے کہا میرے ساتھ آیئے۔ ورنہ آپ کا میرے پاس پہنچنا مشکل ہو جائے گا۔ دربان روکیں گے۔ درویش نے کہا میں اس گروہ سے ہوں جس کو کوئی چیز روک نہیں سکتی میں آجاؤں گا۔ بادشاہ نے کہا جیسی آپ کی مرضی۔ پھر اس نے اپنے محل میں آکر شام کی نماز پڑھی۔ یکایک اس جگہ جہاں بادشاہ بیٹھا ہوا تھا وہ درویش آگیا۔ اور سلام کر کے بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر ادھر ادھر کی بات کرنے کے بعد بادشاہ نے کہا میں اپنا کھانا لانے جا رہا ہوں۔ درویش نے کہا کھانا لانے کے لیے آپ خود کیوں جاتے ہیں۔ بادشاہ نے کہا میرا کھانا مخصوص ہے جس کو صرف میں ہی کھاتا ہوں اور کوئی نہیں کھاتا۔ پھر اس نے حجرہ کے اندر جا کر ایک پرانی گدڑی پہن لی اور ایک ٹیڑھی

بانکی چھڑی ہاتھ میں لے لی باہر نکل کر کئی دروازے سے گھوم کر چند نوالہ جمع کیا اور پھر لنگڑاتا ہوا واپس آیا۔ درویش نے پوچھا تمہیں یہ کیا ہوا۔ اس نے کہا یہی میرا کھانا ہے۔ کہ روزانہ رات کو میں خرقہ پہن کر ایک دریچہ سے باہر نکل جاتا ہوں اور کئی دروازے سے گھوم پھر کر اپنے کھانے کے لیے چند نوالے جمع کر لیتا ہوں اور یہی میری غذا ہے۔ درویش نے پوچھا اور یہ لنگڑا کر کیوں چل رہے ہو۔ بادشاہ نے جواب دیا آج ایک دروازہ پہ مجھے آپ کے قدم کی بدولت ایک کتے نے کاٹ لیا ہے۔ درویش نے کہا اس میں قدم کی برکت کیا ہوئی۔ اس نے کہا میں ایک مرتبہ اللہ سے کچھ مانگا تھا اللہ کی طرف سے مجھے جواب ملا تھا کہ جس دن بھیک مانگنے میں کتا کاٹ لے گا تمہاری یہ مراد حاصل ہو جائے گی، آج کی رات وہ مبارک رات ہے جس میں بھیک مانگتے ہوئے کتے نے میرے پیر میں کاٹ لیا ہے۔ اس کے بعد اس نے وہ چند لائے ہوئے نوالے سامنے رکھ دیے اور درویش کو بھی کھانے کے لیے مدعو کیا۔ درویش نے کہا سالوں سے میں نے کھانا اور پانی چھوڑ دیا ہے لیکن تمہارا یہ کھانا میں کھاؤں گا۔ یہ کہہ کر ایک ٹکڑا روٹی کا توڑ کر منہ میں رکھ لیا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد رخصت ہوا۔ روانہ ہونے کے وقت بادشاہ نے التجا کی کہ مجھے کچھ نصیحت فرمائیے۔ درویش نے کہا عالم اور درویش کی عزت کرو اور جو مانگے اس کو دو۔ بادشاہ نے اس کی یہ بات مان لی۔ دوسرے روز بادشاہ کا امتحان لینے کے لیے درویش نے ایک مفلوک الحال طالب علم کا لباس پہن لیا۔ اسی پھٹے اور پرانے کپڑے میں وہ بادشاہ کے حضور حاضر ہوا۔ اور ادب سے سلام کر کے کھڑا ہو گیا بادشاہ نے پوچھا کیا چاہتے ہو، اس نے جواب دیا میں ایک غریب مفلوک الحال طالب علم ہوں اور مجھ پر بڑا برا وقت آیا ہوا ہے اس کے باوجود آرزو ہے کہ بادشاہ ہو جاؤں۔ کیا آپ اپنی سلطنت مجھے بخش سکتے ہیں بادشاہ نے کہا خدا تجھ پر رحمت نازل کرے۔ جلدی سے آ کر میرے تخت پر بیٹھ جا۔ اور میرا شاہی لباس زیب تن کر لے۔ مجھ کو اس مصیبت اور بلا سے نجات دلا۔ بادشاہ کے اس جواب کے بعد درویش اپنی اصلی صورت اور لباس میں آگیا اور بولا میں وہی درویش ہوں جو تمہارے پاس آیا تھا تم نے مجھے پہچان لیا ہوگا۔ اللہ تم کو تمہارا تخت اور سلطنت مبارک کرے۔ تم عرصہ تک حکمرانی کرو تاکہ تمہارے انصاف اور رعایا پروری سے خدا کی مخلوق خوش رہے اور ملک بارونق ہو۔ اور اس کو دعا دے کر وہ درویش رخصت ہو گیا۔

حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ ایک ضرورت مند فقیر نے اپنی ضرورت ایک دوسرے فقیر

سے پیش کی۔ فقیر تہی دست تھا وہ کیا مدد کر سکتا تھا۔ پھر اس نے اپنی ضرورت ایک دولت مند کے سامنے پیش کی اس نے اس کی ضرورت پوری کر دی۔ اب آپ لوگ یہ بتائیں کہ دونوں میں آپ کس کو فضیلت دیں گے اس فقیر کو یا دولت مند کو۔ حقیقت یہ ہے کہ برمحل خرچ کرنا اور اپنے کو خواہشات نفسانی سے روکنا بہت مشکل کام ہے بہت ہی کم لوگ ہیں جو اس منزل سے صحیح و سالم گزر جاتے ہیں۔ اس لیے سلامتی اور امن کا راستہ فقیری ہی کا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے صاحب القمیصین لا یجد حلاوۃ الایمان یعنی دو کپڑا رکھنے والے آدمی کو ایمان کی لذت نہیں حاصل ہوتی۔ دو کپڑا سے مراد یہ ہے کہ ایک کپڑا پہنے اور دوسرے کو محفوظ رکھے کہ جب یہ پھٹ جائے گا تو پہنا جائے گا اس سے پتا چلتا ہے کہ اس کو پورا یقین ہے کہ ایک کپڑے کے پھٹنے کے بعد تک وہ زندہ رہے گا حالانکہ مومن کو ایک سانس کے بعد دوسرے سانس تک زندہ رہنے کا بھی یقین نہیں ہونا چاہیے۔ اس کے حسب حال حضرت مخدوم نے ایک قصہ بیان فرمایا کہ ایک درویش کو حرم کعبہ میں چار سو دینار کسی نے نذر پیش کیے۔ وہ وقت ظہر کا تھا شام ہوتے ہوتے تک اس نے سب راہِ خدا میں تقسیم کر دیا۔ جب افطار کا وقت ہوا تو لوگوں نے دیکھا کہ وہ جنگل میں افطار کے لیے کچھ جڑی یا پھل وغیرہ تلاش کر رہا ہے۔ لوگوں نے اس سے پوچھا کہ اے درویش! تمہارے پاس ابھی اتنا مال آیا کیا وجہ ہے کہ تم نے اس میں سے اپنے افطار کے لیے ایک درہم بھی نہیں رکھا اگر رکھتے تو اس وقت پریشانی اور تردد سے بچ جاتے۔ اس نے کہا اگر مجھے یقین ہوتا کہ میں شام تک زندہ رہوں گا تو کچھ افطار کے لیے رکھ لیتا۔

چوری چھپے کسی کی بات سُن لینا

پھر چوری چھپے کسی کی بات سُن لینے کی خرابی یہ بات نکل آئی حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ کسی کی بات یا راز چوری سے سُننے اور جاننے کی ہرگز کوشش نہیں کرنی چاہیے اس سے بھلا نہیں ہوگا پھر اس کے حسب حال حضرت مخدومؒ نے ایک قصہ بیان فرمایا کہ خواجہ حسین منصور حلاج کے پیر خواجہ ابو عثمان مغربی نے آدم اور ابلیس کے راز پر ایک رسالہ لکھا تھا اس کو مصلّے کے نیچے رکھ کر وضو کے لیے چلے گئے۔ جاتے وقت خادم کو کہہ دیا کہ ہوشیار رہنا ابن منصور حلاج اسے لے نہ جائے۔ خواجہ حسین ابن منصور حلاج اس رسالہ کے بہت متلاشی تھے۔ شیخ کی عدم موجودگی میں ان کے سرہانے سے وہ رسالہ نکال کر لے گئے۔ جب خواجہ ابو عثمان وضو کر کے

واپس آئے تو دیکھا غائب ہے خادم سے پوچھا خادم نے بتایا کہ حسین ابن منصورؒ حلاج آئے تھے۔ شیخ کو جلال آگیا انہوں نے غائت غضب میں فرمایا کہ یہ حلاج ہی کا لڑکا لے گیا ہے اس کا ہاتھ پیر کاٹ کہ ٹکڑے ٹکڑے کر دو اور دار پر چڑھا دو زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ لوگوں نے دیکھا جو کچھ ان پر گزر گیا۔

پرندوں کی گفتگو کے بارے میں

تھوڑی دیر پرندوں کی گفتگو پر بات نکل آئی حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ منزل ماینتہج پر ایک گاؤں ہے۔ نہروالہ کی طرف قصبہ اساول کے اس گاؤں میں ہم لوگ مقیم تھے۔ چارہ کی کمیابی اور قحط کی وجہ سے بہت سے مویشی مرے پڑے تھے۔ مجھے افسوس اور تردد ہوا کہ اس قدر مویشی مرگئے اس ملک کا کیا حال ہوگا۔ اور تقریباً ہر دیہات میں یہی حال تھا۔ کوّے اور چیل اس پر بہت بڑی تعداد میں بیٹھے ہوئے کھا رہے تھے۔ مجھے انہیں دیکھ کر ایسا محسوس ہوا جیسے وہ کھا رہے ہوں اور خدا کی حمد میں یہ پڑھ رہے ہوں الحمد للہ الذی وسع علینا اذا قتنا۔ میں سمجھ گیا کہ اللہ کے سارے بندے ہیں اور اسے سارا جہاں دیکھتا ہے۔ اس کی حکمت ہر شخص کی سمجھ سے بالاتر ہے واللہ اعلم۔

روز پنجشنبہ ۱۶ ربیع الاوّل ۸۰۳ھ

فراغ وقت کے بارے میں

ظہر کی نماز کے بعد صوفیوں کی ایک جماعت حاضرِ خدمت تھی فراغ وقت کے بارے میں گفتگو نکل آئی۔ اس کی وضاحت اور مباحثہ میں لوگ مبالغہ سے کام لے رہے تھے۔ ایک صوفی نے کہا میں حجاز کا سفر کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ حجاز کے سفر کے تشویشات سے واقف ہو؟ اس نے کہا ہاں۔ لیکن یہ سب فراغ وقت کے لیے میں کرنا چاہتا ہوں تاکہ بیت اللہ میں چند روز فراغ خاطر کے ساتھ خدا کی بندگی کروں۔ حضرت مخدومؒ نے فرمایا اگر تم فراغ خاطر کی قدر جان لو تو خانہ کعبہ کی ہزاروں زیارت کو چھوڑ کر ایک لمحہ فراغ خاطر کے ساتھ اپنے خدا کے حضور رہنے کو ترجیح دو۔ مشاہدۂ حق مشاہدۂ خانہ کعبہ سے بالاتر ہے: ؎

بہ فراغ دل زمانے نظرے بہ ماہ روئے بہ از انکہ چتر شاہی ہمہ عمر ہائے ہوئے

پھر اسی کے حسب حال حضرت مخدومؒ نے ایک قصہ بیان فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت جنیدؒ خانہ کعبہ جا رہے تھے راستہ میں ایک جنگل کے مقام پر جہاں وحشی اور جنگلی جانوروں کا بسیرا تھا ایک جوان کو بہت مغموم، اور اداس بیٹھا دیکھا۔ حضرت جنیدؒ نے اس کا حال پوچھا کہ اس بیابان میں بیٹھے کیا کر رہے ہو۔ اس نے کہا اے جنیدؒ! کیا کہوں کبھی میرے پاس بھی وقت تھا اور فراغ خاطر میسّر تھا اب تو سب غائب ہے اور اسی جگہ میں نے اپنا سب کچھ کھویا ہے۔ اب کہاں جاؤں اور کس طرح یہاں سے اٹھوں نہ پیر میں چلنے کی سکت ہے نہ کمر میں اُٹھنے کی طاقت۔ آپ خانہ کعبہ جا رہے ہیں اگر آپ پر خوش وقتی ہو تو میرا بھی خیال رکھیے گا اور میرے حال پر نظر کیجیے گا شاید میری کھوئی ہوئی چیز مجھے مل جائے۔ حضرت جنیدؒ نے وعدہ کر لیا۔ طواف کعبہ کے درمیان جنیدؒ کو خوش وقتی نصیب ہوئی اور اس جوان کا خیال آیا۔ انہوں نے اس کا حال پوچھا اس نے کہا اے جنیدؒ! آپ کی برکت سے میری گم شدہ چیز مجھے مل گئی۔ جس مقام کو میں اپنے وقت کو کھو کر نہیں چھوڑ سکتا تھا اب اسی مقام پر جب مجھے میری گم شدہ چیز مل گئی ہے تو اس کو کس طرح چھوڑوں۔

روز شنبہ ۱۸ ربیع الاوّل ۸۰۳ھ

کل یوم ھو فی شان کی وضاحت

۱۸ ربیع الاوّل کو چاشت کے وقت اس آیت کل یوم ھو فی شانٍ۔ پر بحث چھڑ گئی۔ حضرت مخدوم نے فرمایا۔ ایک بادشاہ نے اپنے وزیر سے اس آیت کی وضاحت اور معنی پوچھا۔ وزیر نے ایک دن کی مہلت مانگی کہ کل بیان کروں گا۔ وزیر نے گھر جا کر ہر ایک سے اس کے معنی پوچھا۔ اس کے ایک حبشی غلام نے عرض کیا کہ مجھے اس کے معنی سمجھ میں آتے ہیں لیکن میں اسے آپ کے سامنے نہیں بیان کروں گا بلکہ خود ہی بادشاہ کے سامنے عرض کروں گا۔ دوسرے روز وزیر اس حبشی غلام کو بادشاہ کے سامنے لے گیا۔ بادشاہ نے اس سے معنی پوچھا اس نے عرض کیا کہ کل یوم ھو فی شانِ کے معنی یعزّ ذلیلاً ویذل عزیزاً یمرض صحیحًا ویصح سقیمًا یفقر غنیًا ویغنی فقیرًا ہے (معنی: وہ ذلیل کو عزت اور معزز کو ذلت دیتا ہے، تندرست کو بیمار، اور بیمار کو تندرست کر دیتا ہے۔ دولت مند کو فقیر اور

فقیر کو دولت مند بنا دیتا ہے ۔

بادشاہ کو اس آیت کی وضاحت صحیح معلوم ہوئی وہ بہت خوش ہوا ۔ وزیر کو حکم دیا کہ وزارت اور خلعت کے لائق یہ ہے تم نہیں ۔ اپنا قلمدان وزارت اور خلعت اس کے حوالہ کرو ۔ غلام نے خلعت وزارت پہننے کے بعد کہا کہ خواجہ یہ بھی شیوُن اللہ سے ایک ہے ۔ اس قصہ کو بیان کر کے حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ یہ قصہ میں نے اپنے خواجہ سے سُنا تھا اور پھر بالکل لفظ بہ لفظ اس کو کشاف میں لکھا دیکھا ۔ بلکہ اسی پہ کیا موقوف ہے حضرت خواجہؒ سے اکثر قصے جو میں نے سنے ہیں وہ سب معتبر کتابوں میں موجود ہیں ۔ صوفیوں کے حکایات بیان کرنے کا یہی طریقہ ہے وہ کوئی قصہ ایسا نہیں بیان کرتے جو معتبر کتابوں میں موجود نہ ہو ۔ پھر حضرت مخدوم نے یہ غزل عنایت فرمائی : ؎

تو از سر تا قدم حسنی و نازی !	فریفتہ گشت مارا عشقبازی !
ہمہ عالم اسیر جعد تو گشت	ترا زیبد نگارا سرفرازی
سراں سرو راں را بر درت سر	ضرورت خاست از تو بے نیازی
ترا چوں تو نظیرے نیست دیگر	سزو بر شکل خوب خود نیازی
نہ باشد زیورے زیبا ترا اے یار	برائے دلبرے از دل نوازی
محمد را نظر جز بہ خدا نیست	مپندار عشق بازی او مجازی
محمد را مداں محمود غزنی !	تو خود را ہم مپندار ی ایازی
محمد را محبت قصد و الحالست	تو از سر تا قدم حسنی و نازی
رسد بر مہ کسے کبر و کرشمہ	سزد بر سر و بستانی کرازی
قمر بالاست بالائی ندارد	کجا ہست آں سرو دیں ترک تازی

(۲)

شبے باماہ روئے خوش غنودم	ہمہ شب در کنار و بوسہ بودم
لبے بالب بہم چسپیدہ ماندہ	ہمہ سینہ بہ سینہ باز سودم
چہ لذت داشت آں دشنام او داد	کہ گاہ اعتساف از وے شنودم
در افتادے میاں ما گزشت است	مرا گفت آں بد و من می شنودم
دراں حالت محمد را بہ پرسند	مغم ترسا دیا مسلم جہودم

من او او من و من در میانہ | بحکم الوقت در رقص و سرودم
ابوالفتحا گر از آں می خرامی | شبے باماہ روئے خوش غنودم

روز جمعہ ۲۴ ربیع الاوّل ۸۰۳ھ

استقامت توبہ کے بارے میں

نماز جمعہ کے بعد استقامت توبہ کے بارے میں ذکر نکل آیا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ صوفیا کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص کو حرم میں احتلام ہو جائے تو اس کا توبہ مستقیم نہیں ہوگا۔

سماع کے ضوابط اور قواعد کے بارے میں

تھوڑی دیر کے بعد سماع کے بارے میں صوفیا کے وضع کیے ہوئے ضابطے اور قواعد کا ذکر نکل آیا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ صوفیوں کو سماع میں ہوش نہیں رہتا لیکن صوفیوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اگر صوفی کے مٹھی بھرے سرسوں میں سے ایک دانہ گر جائے اور اس کو اس کی خبر نہ ہو تو وہ صاحب وقت مالک حال اور اہل ذوق میں شمار کیے جانے کے لائق نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

روز شنبہ ۲۵ ربیع الاوّل ۸۰۳ھ

دین دار آدمی کے تحفّظ اور تیقظ کے بارے میں

چاشت کے وقت دین دار آدمی کے تحفظ اور تیقظ کا ذکر نکل آیا۔

حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ عقل مند اور دین دار آدمی کو ہر وقت اور ہمہ دم غور و فکر کرتے رہنا چاہیے کہ چند دن کے بعد اس جسم کا کیا حال ہوگا اور اس کی کیا صورت ہو جائے گی۔ جو شخص کہ اس پر غور و فکر کرے گا اور جس کے پیش نظر انجام کار ہوگا وہ بہت سی ناشائستہ اور بری باتوں سے دور رہے گا۔ اور اچھے برے قول و فعل میں تمیز کرے گا وہ جانے گا کہ ان اجزا کو ایک دن پریشان ہونا ہی ہے اور جس جسم کو اتنے ناز و نعمت سے پال رہے ہیں اس کو مٹی میں مل جانا اور کیڑوں کی خوراک بننا ہے۔ اس لیے اس فنا ہونے والی

دنیا سے کچھ ایسے کارنامے سر انجام دے جاتا ہے جو اُس دنیا میں کام دیں اور مونس و مددگار ہوں پھر حضرت مخدومؒ نے زور دے کر فرمایا کہ یہ بات تو سب پر ظاہر اور روشن ہے کہ دینی امور دنیاوی امور سے زیادہ بہتر، مقدم اور عزیز ہیں لیکن پھر بھی یہ عجیب بات ہے کہ اگر کسی شخص کو دنیاوی امور سے ایک پائی کا بھی نقصان ہو جاتا ہے تو وہ اتنا شور مچاتا ، گریہ و زاری کرتا اور رنج و افسوس کرتا ہے کہ اس کی حد اور انتہا نہیں ہے لیکن اگر اس کی نماز قضا ہو جائے یا دن بھر میں سینکڑوں بار چغلی ، بدگوئی اور منہیات شرعی کرتا رہے اور یہ فعل اس سے متواتر سرزد ہوتا رہے ۔ تو غائت سے غائت وہ استغفر اللہ کہہ کر دوبارہ ایسا نہ کرنے کا وعدہ کر لیتا ہے ۔ لیکن پھر اسی لمحہ اگر موقع آگیا تو وہی حرکت کرنے لگتا ہے اور یہ ان لوگوں کا حال ہے جو اپنے کو دین دار اور ہوشیار کہتے ہیں اور جو دین دار نہیں ہیں ان کا کیا پوچھنا وہ جو کچھ چاہتے ہیں کرتے رہتے ہیں ان کے دل اور زبان کسی پر روک نہیں ہے ۔ پھر حضرت مخدوم نے فرمایا کہ خواجہ داؤد طائی موسم گرما میں دوپہر کے وقت آفتاب کے سامنے تیز اور گرم ہوا میں پڑے ہاتھ پیر کھینچ رہے تھے ایک شخص نے ان کو اسی حالت نزع اور تکلیف میں دیکھ کر کہا کہ اگر حضرت کا حکم ہو تو دیوار کے سایہ میں آپ کو لوٹا دوں ۔ انھوں نے فرمایا میری یہی آرزو ہے اس شخص نے کہا تو پھر میں آپ کو کاندھے پر اٹھاتا ہوں حضرت خواجہ نے فرمایا کہ میں خود بھی چل سکتا ہوں ۔ اس شخص نے کہا حضرت ، آپ دیوار کے سایہ میں جانے کو اپنی آرزو بتاتے ہیں اور پھر وہاں تک چل بھی سکتے ہیں ، آخر کیا بات ہے کہ آپ اب تک یہیں پڑے رہے دیوار کے سایہ میں نہیں گئے ۔ حضرت خواجہ نے جواب دیا کہ مجھے شرم آتی ہے کہ آخر عمر میں اپنی خواہش کے کہنے پر چند قدم کیوں چلوں ۔ یہ قصہ بیان کرنے کے بعد حضرت مخدوم نے فرمایا کہ دین کا حق ادا کرنا اور اس کے ساتھ انصاف کرنا تو اسی کو کہتے ہیں جو داؤد طائیؒ نے کیا لیکن آج کون کر سکتا ہے ۔ پھر مندرجہ ذیل چند غزلیں جو حضرت مخدوم نے مختلف اوقات میں لکھی تھیں میرے حوالہ فرمائیں : ~

(۱)

نہ می دانم کہ آں بدخو بریں دل تا چہا بازد	سوارہ مست می آید سمند حسن می تازد
غبار از سینہ می خیزد و جاں از درد می سوزد	مگر آں شہسوار من بہ میداں گوے می بازد
ہمہ عالم نظر دارد بجاہ و مال خود آخر	چہ عیب است گر جواں من بہ حسن خویش می نازد

تعالیٰ اللہ نگارِ ما چناں موزوں و زیبائی ! توانذ جز خدائے من چنیں نقش دگر سازد
لب لعل سیہ خالے حبش با روم یکجا شد زہے مسکین دل بیدل دو لشکر یک طرف دارد
اجازت بوسہ گر یابد محمد عاشق بیدل ہمیں معذور میدارش ز مستی گر لبش گازد

(۲)

ترا از حال من آگہ نباشد سبیل درد را ہم رہ نہ باشد
کسے را کو ہدایت عشق کرد است ہمی گمراہ را بد راہ نہ باشد
بیاید خود رود بے موجبے عشق ولے در عاشقے یک رہ نہ باشد
جفائے یار بر چشم و سر ماست ز جور یار نالہ رہ نہ باشد
بریں شکل و روش سروے نہ دیدم چنیں حسن و نمک در مہ نہ باشد
بہ جان و دل اگر حکمے کند یار حریف سوز غم را نہ باشد
چہ کوہ دارد زنخداں تو یارا بداں غورے بہ بابل چہ نہ باشد
بہ عاشق ہر چہ از معشوق آید بجز بخ بخ بجز خہ خہ نہ باشد
اگر طوفاں آتش سر بر آرد بہ تاب او تنے چوں کہ نہ باشد
محمد نیستی مرداں عشقش دوائے درد تو جز وہ نہ باشد

(۳)

شاد باش اے عاشق دیدار یار فارغ از نابود و بود روزگار
غرقہ در دریائے مستی و خوشی است آنکہ او میگوں لبے دارد کنار
ہر کہ با خوباں نشستہ خاستہ است از سر زہد و صلاح و رسم و عار
ہر چہ از یاراں رسد خوش تر بود گر چہ باشد محنت و درد و فگار
جرعۂ یابم اگر از جام عشق جاں و دیں و دل کنم بر وے نثار
گر ترا با سرو بالائی فتد پست گردد زیر پائش شد غبار
جعد او دیدم محمد بر سریں وہم بردم بر کہے بر رفتہ مار

(۴)

ترا حق داد روئے پُر جمالے مرا بخشید عشق پر کمالے
ز حسن خویش آنجا بہ خوری تو کہ عشق من ز تو خواہد وصالے

بدیں حسن و نمک ناز و کرشمہ — نمی بینم بہ تو دیگر مثالے
ترا ناز و کرشمہ داد چنداں — کہ ما را بر داند حالے بہ حالے
لبت باریک بس نازک تنک تر — نہ دارد احتمال قیل و قالے
اگر کردی اشارت بوسہ لعلش — یقیں گشتے نماندے احتمالے
سوال بوسہ از لعل لب شاہ — محالے ہست بل فرض محالے
درخت سرو و نخل و نیشکر ہم — نہ باشد ہم چو بالائش مثالے
محمد در جبلت عشق بازم — نمی آید ز من دیگر خصالے

(۵)

یک جرعۂ مے بجام ماکن — یک بار لبے بہ کام ماکن!
ساقی قدحے بدست مادہ — یک چشمک زن مدام ماکن
گر بر گذرے بہ بام آں شاہ — اے بادیکے سلام ماکن
آہستہ ترے بہ گوشش برخواں — گستاخی کن بہ بام ماکن
اے شاہد غیب یک کرشمہ — بس ہر دو جہاں بہ کام ماکن
دشنام دہی تو چاکراں را — مخصوص بدیں بہ نام ماکن

(۶)

امروز آں ہلالے جمال دگر نمود — عارض زدہ است وسمہ و پردہ زرخ کشود
یک خندئی کشاد جہاں را حیات داد — یک چشمکے بہ لبت جہاں را نمک فزود
رخسار گلبن است لبش شکر لطیف — اے اہل دل بگوے تو بر مصطفےٰ درود
سوز فراق شمع رخ جان و دل لبوخت — پروانہ وش بہ آرد آتش ز سینہ دود
ہر جا کہ ہست اہل دلے مبتلاء اوست — ہر جا کہ خوب روئے اورا کند سجود
خالے رخش کہ دید کہ از دین خود نہ گشت — ترسا شود مسلماں مسلم شود جہود
یک بوسۂ کہ یافت ازاں لعل مۓ چکاں — مستاں بہ گشت ہر دم در رقص و در سرود
گر اہل ہند بیند ترک خطا ختن را — از دیں بت پرستی تو بہ کند ہنود
از قامتش چہ پرسی سرو لیست راست او — جعد و سرین چہ گوئم مارے بہ کوہ جود
یک چشمک نہانی بوالفتح را بہ بخش — پے کوری رقیب علی الرغم آں حسود

(۷)

کف پائت ہلالے یا جلالت　　لب لعلت شراب بے ملالت

حکایت امرد شاب احسن الوجہ　　نہ باشد جز وجودت را مثالت

جہاں تا بود خوباں نیز بودند　　بر بودست ہیچ خوبے بہ کمالت

نہ باشد سرو را ایں حسن و رفتار　　نہ باشد قامتے بر اعتدالت

بسے حور و پری دیوانۂ تو　　بسے انس و ملک ہم در خیالت

دمے بے تو جہانے حاشَ للّٰہ　　زمانے بے تو بودن دہ خجالت

مرا علمے کہ روئے یار نہ نمود　　مخواں علمے کہ ہست عین جہالت

شبے با ماہ روئے خوش غنودم　　محمد بودہ در ذوق خیالت

روز چہار شنبہ ۲۹ ربیع الاوّل ۸۰۳ھ

مشائخ کا خلق خدا کے ساتھ حسن معاشرت کے بارے میں

۲۹ ربیع الاوّل کو مکروہات

شرعی سے بچتے ہوئے مشائخ کا خلق خدا کے ساتھ حسن معاشرت کا ذکر نکل آیا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ایک مرتبہ سلطان تغلق نے سونے چاندی کے برتن میں کھانا ہمارے خواجہ کے پاس بھیجا۔ شیخ الاسلام بھی ساتھ تھے۔ اس کھانا بھیجنے کا مقصد صرف حضرت خواجہ کو ایذا رسانی کا بہانہ ڈھونڈھنا تھا کہ اگر وہ سونے چاندی کے برتن میں کھانے سے انکار کریں گے تو سلطان کی بے ادبی کا بہانہ نکال کر ان کو ایذا پہنچائی جائے گی۔ اور اگر اس میں کھالیں گے تو خلاف شرع کام کرنے پر ان کے خلاف حد شرعی جاری کیا جائے گا۔ حضرت خواجہ کے پاس جب کھانے کا خوانچہ پہنچا تو آپ خاموش رہے اور خوانچہ کا سرپوش اٹھا کر سونے کے پیالہ میں سے اچار کا ایک ٹکڑا اٹھا کر روٹی پر رکھ لیا اور تھوڑا کھا کر چھوڑ دیا۔ شیخ الاسلام جب دربار میں واپس ہوئے تو بادشاہ نے حال دریافت کیا انہوں نے فرمایا وہ بہت سخت مذہبی اور ہوشیار آدمی ہیں ان سے کوئی غلطی سرزد نہیں ہوئی۔ سلطان اپنا سامنہ لے کر رہ گیا۔

اولیا اللہ کی نظر میں دنیا اور آخرت کی قدر کے بارے میں

تھوڑی دیر اولیا اللہ کی نظر میں دنیا اور آخرت کی قدر کا تذکرہ نکل آیا۔ حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ ہمارے خواجہ فرماتے تھے کہ ایک دن سلطان الاولیا ابراہیم بن ادہمؒ مکہ کے قریب ایک جنگل سے گزر رہے تھے۔ دیکھا کہ ایک آدمی لکڑی کا گٹھر کو نہ میں رکھ کر نماز پڑھ رہا ہے۔ حضرت ابراہیم بن ادہمؒ نے نور باطن سے پتا چلا لیا کہ یہ شخص اولیاء اللہ میں سے ہے۔ وہ کھڑے ہو گئے اور سلام کر کے پوچھا کہ حضرت اگر کسی شخص کے دل میں دنیا کا خیال آئے تو اس پر کیا واجب آتا ہے اور اگر آخرت کا خیال آئے تو کیا لازم آتا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ اگر دنیا کا خیال آتا ہے تو وضو واجب آتا ہے اس لیے کہ دنیا فانی ہے اس کا خیال آنے میں تھوڑا گناہ ہے اور اگر بہشت اور آخرت کا خیال آتا ہے تو غسل واجب ہوتا ہے اس لیے کہ وہ باقی اور دائم ہے۔ اور اس میں خطرات کا پیدا ہونا بڑا گناہ ہے۔

طالبانِ دنیا کے مراتب کی قسمیں

تھوڑی دیر طالبان دنیا کے مراتب کی اقسام کا ذکر نکل آیا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ طالبان دنیا کی مختلف قسمیں ہیں ایک راغب دنیا ہوتا ہے لیکن لوگوں کے درمیان مصلحتاً دنیا کی مذمت کرتا پھرتا ہے وہ بھی دنیا کے طلب کرنے والوں اور رغبت رکھنے والوں میں سے ہے۔ حقائق سلمی میں لکھا ہے کہ ایک آدمی حضرت رابعہ بصریؒ کے سامنے دنیا کی بہت زیادہ مذمت کر رہا تھا۔ حضرت رابعہ بصریؒ نے کہا کہ اے شخص دُور ہو جا تو دنیا سے سخت رغبت رکھنے والا اور اس کا طالب ہے۔ ورنہ تو دنیا کا اتنا بار بار ذکر کیوں کرتا۔ جس چیز کا اعتبار دل سے اُٹھ جاتا ہے اس کی مذمت کی طرف ہرگز دل مائل نہیں ہوتا۔ اور تیرا دنیا کی مذمت میں مشغول رہنا بتاتا ہے کہ ابھی تک تیرے دل سے اس کا اعتبار ساقط نہیں ہوا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ تو طالب دنیا ہے۔

بخشش وسخاوت کے بارے میں

تھوڑی دیر بخشش اور سخاوت کے بارے میں ذکر نکل آیا۔ حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ لطائف قشیری میں لکھا ہے البخیل من یعطی عند السوال۔ (یعنی بخیل وہ ہے جو کسی کے مانگنے پر کچھ دے۔ بے مانگے نہ دے) پھر فرمایا کہ بذل وسخا کے بارے میں مشائخ سے

عجیب عجیب قصے منقول ہیں۔ ایک شخص شیخ ابو عبدالرحمٰن سلمی کے پاس آیا اور کہا میں ضرورت مند ہوں۔ شیخ نے فرمایا کہ میرے پاس وضو کرنے کا ایک لوٹا ہے اس سے کچھ درہم مل جا سکتے ہیں لیکن اگر میں تجھ کو دے دوں تو بعد میں لوگ مجھ سے بہت ناراض ہوں گے اس لیے تم اسے لے کر بھاگ جاؤ اور اس راستہ سے بھاگو جب تم دور چلے جاؤ گے تو میں لوگوں کو بتاؤں گا کہ کوئی شخص مجھ سے لوٹا چھین کر لے بھاگا۔ اور دوسرے راستہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتادوں گا کہ وہ ادھر بھاگا ہے لوگ تمہارے پیچھے غلط راستہ سے دوڑیں گے۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ شیخ کے عزیزوں کو جب خبر ہوئی تو وہ سب غلط راستہ پر دوڑ کر واپس آ گئے۔ لے جانے والے کا کوئی پتا نہ چلا۔

اسی طرح کا ایک اور قصہ بیان فرمایا کہ شیخ ابو علی دقاقؒ کے پاس ایک شخص آیا اور بولا کہ میں دس ہزار تنکہ کا مقروض ہوں۔ شیخ نے فرمایا کہ میرے پاس کچھ نہیں ہے اور تم اتنی زیادہ رقم کے مقروض ہو۔ اچھا ایک کام کرو مجھ پر دس ہزار تنکہ کا دعویٰ عدالت میں دائر کر دو۔ میں اقرار کر لوں گا۔ لیکن ظاہر جب قاضی کے حکم دینے پر رقم ادا نہ کر سکوں گا تو مجھے قید خانہ میں ڈال دیا جائے گا۔ ایسی حالت میں یقینی میرے عزیز و اقارب اور مریدین و معتقدین مجھے قید خانہ میں پڑا نہ رہنے دیں گے۔ کسی نہ کسی سبیل سے وہ اتنی رقم کا سامان کر کے تم کو دیں گے اور مجھ کو قید خانہ سے چھڑا لے جائیں گے۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ مریدوں اور معتقدوں کو جیسے ہی حضرت شیخ کے جیل جانے کی خبر معلوم ہوئی سبھوں نے مل کر دس ہزار تنکہ عصر کی نماز کے وقت تک اکٹھا کر لیا اور اس شخص کو دے دیا۔ اور شیخ کو رہا کرا کر گھر لے آئے اس طرح کے معاملات اور قصے مشائخ کے اتنے زیادہ ہیں کہ بیان نہیں کیے جا سکتے۔ اس طرح کے کچھ قصے شیخ ابو القاسم نے رسالہ قشیری کے باب السخا میں لکھا ہے۔

گنہ گاروں کے لیے اولیاء اللہ کی شفاعت کا ذکر

تھوڑی دیر گنہ گاروں کے لیے اولیاء اللہ کی شفاعت کا ذکر نکل آیا۔ حضرت مخدومؒ نے فرمایا ولی اللہ اگر کسی گنہ گار کی سفارش اس کی موت کے بعد کرنا چاہے تو اس کو میت کی حالت پر نظر کرنا چاہیے۔ کہ اس کی کیا ہیئت ہے اگر پورا جسم سیاہ ہو گیا، آنکھیں سبز، چہرہ سیاہ، اور پیٹ پھولا ہوا دیکھے تو سمجھ لے کہ یہ شخص دنیا سے بے ایمان رخصت ہوا ہے۔ کسی سفارشی کی شفاعت اس کے بارے میں کارگر

نہ ہوگی۔ لاحاصل کام کے پیچھے مشقت اٹھانا فضول ہے اور اگر اس کی پیشانی پر تل کے برابر پسیدی ہو یا اس کے جسم کے کسی حصہ پر سپیدی ہو تو سمجھ لے کہ اس کا ایمان باقی ہے۔ اور وہ اس قابل ہے کہ اس کے لیے شفاعت کی جا سکتی ہے۔ وہ دوزخ کی آگ سے نجات پا سکتا ہے۔

ظہر کی نماز کے بعد مشائخ کی غیرت کے بارے میں ذکر نکل آیا۔ حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ غیور مرشد سے اللہ محفوظ رکھے اس میں مریدان قابل اور طالبان صادق کا نقصان ہے۔ شیخ بہاؤالدین نے کسی کی تربیت نہیں کی اور اگر کیا بھی تو کسی کو پروان نہیں چڑھایا۔ کہا جاتا ہے سات سو کوئی گوشہ نشین صوفی حضرت شیخ بہاؤالدین کی خانقاہ میں رہتے تھے۔ لیکن کسی کو بھی انہوں نے تربیت کر کے کمال تک نہیں پہنچایا۔ ایک دن ان سے شیخ جلال الدین تبریزیؒ نے فرمایا کہ مولانا بہاؤالدین یہ آپ کیا کرتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا آپ نہیں سمجھتے ان لوگوں کے لیے یہی بہتر اور مناسب ہے۔ شیخ بہاؤالدین کے صاحبزادے شیخ صدرالدین نے شیخ جلال الدین تبریزی کی صحبت میں تربیت حاصل کی تھی۔ اور ان کو فقر و درویشی ان ہی سے ملی تھی۔ حضرت شیخ بہاؤالدین کے وصال کے بعد نو من سونا علاوہ اور اجناس کے اُن کے صاحبزادے شیخ صدرالدین کو وراثت میں ملا تھا لیکن انہوں نے ان سب کو بلکہ جو کچھ اور قبل سے ان کے گھر میں تھا سب کو ایک دن میں کھڑے کھڑے حاجت مندوں میں لٹا دیا اور خود ایک لنگوٹ باندھ کر گوشہ نشین ہو گئے دن رات اللہ کی عبادت اور ریاضت میں مشغول رہتے اور کثرت سے فاقہ کرتے۔ غرض اپنے والد ماجد کے خصائل میں سے انہوں نے کچھ نہیں اختیار کیا۔

شیخ رکن الدینؒ کی سجادہ نشینی

حضرت مخدومؒ نے پھر فرمایا کہ شیخ صدرالدین اپنے صاحبزادے شیخ رکن الدین کو بارہ سال کی عمر میں چھوڑ کر واصل بحق ہوئے تھے۔ ان کے عزیز و اقربا اور مریدین و معتقدین نے بالاتفاق فیصلہ کیا کہ ان کو اپنے والد ماجد کی جگہ پر سجادہ نشین بنایا جائے کیونکہ ایک مرتبہ شیخ صدرالدین بیٹھے ہوئے تھے اور ان کی دستار سامنے رکھی ہوئی تھی۔ شیخ رکن الدین کھیلتے ہوئے کسی طرف سے آئے اور اپنے والد ماجد کی دستار سر پر رکھ لی۔ مریدین دوڑے کہ دستار کو ان سے لے کر اپنی جگہ احترام سے رکھ دیں لیکن حضرت شیخ صدرالدینؒ نے فرمایا چھوڑ دو۔ اس نے اپنا حق سمجھ کر سر پر رکھا ہے۔ اس جملہ پر شیخ صدرالدین کے وصال کے بعد خلافت اور سجادگی ان کو ملی جب کہ

وہ صرف بارہ سال کے تھے۔

حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ مولانا برہان الدین غریب کے ایک مرید تھے جن کا نام شیخ فرید تھا۔ مولانا غریب کے نسخہ کو بھی انہوں نے ترتیب دیا تھا۔ ایک دن وہ مولانا سے بولے کہ آج رات کو میرے لیے غیب سے کھانے کا خوانچہ آیا ہے۔ مولانا نے یہ بات سُن کر فرمایا کہ یہ تو درویشوں کے لیے غیرت کی بات ہے۔ وہ بے چارہ اس کے بعد زیادہ دن نہیں زندہ رہا۔ ایک ہی ماہ بعد چل بسا۔

حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ ہمارے خواجہ کے سامنے ان کا کوئی مرید اگر غیب سے ولائت خلافت اور شیخی ملنے کا اشارہ کرتا تو وہ اس سے بہت ناراض ہوتے اور فرماتے کہ یہ بلا تیرے سر پر کب سے نازل ہوئی۔ اور یہ دن تجھے کس طرح دیکھنا پڑا۔ اور پھر تمام نعمتوں سے اس کو محروم کر دیتے اور پھر اس میں کوئی صلاحیت نہیں پیدا ہوتی چنانچہ یہی وجہ ہے کہ میں نے اپنے خواجہ کے سامنے زندگی بھر کوئی ایسا واقعہ نہیں بیان کیا۔ جس میں ان کا واسطہ نہ ہو۔ جیسے حضرت خواجہ نے یہ عنایت فرمایا حضرت خواجہ کو میں نے اس حال میں دیکھا۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ میں ڈرتا تھا کہ کہیں کسی بات سے حضرت خواجہ کو میری طرف سے کوئی بدگمانی نہ پیدا ہو۔ البتہ ایک مرتبہ جب کہ میں کم عمر تھا اور شروع شروع حضرت خواجہ نے مجھ کو عبادت ریاضت میں لگایا تھا وہ رمضان کی اکیس تاریخ تھی میں گھر کے اندر ریاضت میں مشغول تھا۔ میری والدہ میری اس ریاضت کو خاموشی اور تشویش کے ساتھ دیکھ رہی تھیں جب نیند نے مجھ پر غلبہ کیا تو انھوں نے محبت مادری سے بے قرار ہو کر فرمایا کہ اے محمد! تم ابھی بچہ ہو۔ تم نے ابھی اس دنیا میں دیکھا ہی کیا ہے اور کیا لطف اٹھایا ہے۔ تم نہ آسودہ ہو کر کھانا کھاتے ہو نہ پانی پیتے ہو اس کم عمری میں تم اپنے کو اتنی کڑی ریاضت میں گھلائے ہو تمہارے اس عمل سے میرا دل بہت پریشان ہے۔ خدا کے لیے میری بات مانو اور تھوڑی دیر کے لیے لیٹ جاؤ۔ اس وقت استراحت کرنا میرے لیے بہت خراب تھا اور اس سے سخت بلا میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ لیکن میں نے اپنی والدہ کی خواہش اور حکم کو رد نہیں کیا۔ انہیں خوش کرنے کے لیے تھوڑی دیر کے لیے لیٹ گیا اور جو کچھ میں نے نعمتیں اللہ کی طرف سے پائیں وہ سب اسی رات کو پائیں اور آج تک وہی نعمتیں مجھے کام آ رہی ہیں صبح کے وقت جب میں حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو رات کے تمام واقعات ان

سے بیان کیے۔ حضرت خواجہ نے الحمد للہ رب العالمین پڑھ کہ دونوں دست مبارک اپنے چہرے پر پھیرا۔ بچپن میں مجھ سے یہ غلطی تو ہو گئی تھی لیکن انہوں نے مجھے معاف کہ دیا اور سابقہ عنائت و کرم سے مجھے محروم نہ فرمایا۔ میں اپنے شیخ کی طرح دستار باندھنا ان کی زندگی میں ہی سیکھ گیا تھا۔ لیکن کبھی میں نے اُس طرح دستار باندھنے کی جراُت نہ کی۔ معلوم نہیں ان کے دل میں کیا خیال گزرے۔ کوئی کتاب اور رسالہ بھی میں نے ان کی زندگی میں نہیں تصنیف کیا مبادا وہ کتاب نظر سے گزرے اور دل میں کوئی خیال پیدا ہو۔ اپنے شیخ کی وفات کے بعد جب میں نے تقریر و تحریر سے کام لیا اور کچھ کتابیں تصنیف کیں اور اپنے شیخ کی طرح دستار بھی باندھنے لگا۔ اور اُٹھنے بیٹھنے میں بھی ان ہی جیسا انداز اختیار کیا تو میرے دوست مولانا علاؤالدین نے مجھ سے کہا کہ تمہاری یہ سب باتیں اور کمالات شیخ کے وصال کے بعد ظاہر ہوئیں۔ میں نے جواب دیا کہ حضرت شیخ کے صدقہ میں مجھے یہ تمام باتیں ان کی زندگی ہی میں معلوم تھیں لیکن ان کے احترام کی وجہ سے میں نے اسے ظاہر نہیں ہونے دیا۔ اور تمام باتوں کو چھپایا مبادا حضرت شیخ کو ناگوار گزرے اور ان کو بد گمانی پیدا ہو۔

حضرت مخدومؒ نے پھر فرمایا کہ مولانا برہان الدین غریب کے خلیفہ سید نصیر الدین ایک مرتبہ سماع کے دوران اپنے شیخ کے سامنے خوب اچک کود رہے تھے اور رقص کر رہے تھے۔ حضرت شیخ برہان الدین غریب کھڑے گوشہ چشم سے ان کی طرف دیکھ رہے تھے ان کی تیز نظروں کو دیکھ کر میں اسی وقت سمجھ گیا تھا کہ سید نصیر الدین کی خیر نہیں ہے۔ شیخ برہان الدین جب گھر آئے تو فرمایا کہ یہ سید نصیر الدین بہت اچھا رقاص ہے اس کے پیر میں بڑی طاقت ہے۔ اس واقعہ کے چند دنوں کے بعد سید نصیر الدین کے پیر میں درد ہوا اور اس کی اتنی تکلیف بڑھی کہ اسی مرض میں جاں بحق ہوئے۔ اس روز کے بعد سے پھر ان کو مجلس سماع میں رقص کرنا نہیں نصیب ہوا۔ یہاں تک کہ اس پیر پر کھڑے بھی نہیں ہو سکتے تھے۔ ایک مرتبہ اسی مرض کے دوران میں ان کی عیادت کے لیے گیا۔ انہوں نے بڑی انکساری اور عاجزی سے التجا کی کہ میری طرف سے میرے شیخ سے عرض کیجیے کہ اپنی گزشتہ مہربانی اور کرم کی بنا پر آپ نے جو اپنے کھانے کا بچا ہوا میرے لیے بھیج دیا تھا اس کو کھا کر مجھے درد میں بہت کمی محسوس ہوئی تھی اور مرض میں افاقہ ہوا تھا اسی طرح کا کرم ایک بار پھر فرمایا جائے کیونکہ ہم آپ ہی کے پناہ اور ولائت میں ہیں۔ ان کے کہنے کے مطابق حضرت خواجہ برہان الدین غریب کے سامنے میں نے ان کی عرضداشت

کی حضرت خواجہ نے جواب دیا کہ زندگی اور موت اللہ کے ہاتھ میں ہے کسی شخص کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔ یہ سُن کر میں نے اسی وقت اپنے دل میں کہا کہ سید نصیر الدین کا وقت آپہنچا اور اب ان کا بچنا مشکل ہے۔ شاید اس کے ایک ہی ہفتہ بعد ان کا انتقال ہوگیا۔ اسی طرح کا واقعہ شیخ رکن الدین کے مرید عثمان سیاح کے ساتھ بھی ہوا تھا۔ ایک دن وہ بھی مجلس سماع میں اپنے شیخ کی طرف سے بے توجہی کر کے سماع سُن رہے تھے اور حضرت شیخ ایک لکڑی پر ٹیک لگائے ہوئے انہیں تیز نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ اس دن کے بعد سے پھر ان کو مجلس سماع میں شریک ہونا اور سماع سننا نصیب نہ ہوا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

روز پنجشنبہ یکم ربیع الآخر ۸۰۳ھ

ایک حدیث کی وضاحت

یکم ربیع الآخر کو رسول اللہ صلعم کی حدیث احب الثیاب الی رسول اللہ القمیص پر گفتگو چھڑ گئی۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ چونکہ تمام جسم کی ستر پوشی اس سے ایک ساتھ ہو جاتی ہے جب کہ فرغل اور چادر میں یہ بات نہیں ہے لیکن اس پر بھی طریقہ اور آداب یہ ہے کہ غسل کے بعد پہلے پیراہن پہنا جائے پھر جامہ، پھر ازار اور اس کے بعد دوسرا جامہ۔ اس لیے کہ پیراہن سے تمام جسم کی ستر پوشی ایک بار ہو جاتی ہے۔

صوفیا کے احوال سے علما کی ناواقفیت

تھوڑی دیر کے بعد صوفیا کے احوال اور وجدانی کیفیات سے علما کی ناواقفیت کا ذکر آگیا حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ ہمارے خواجہ کو ایک دن خانقاہ میں اس شعر پر ذوق پیدا ہوگیا: ؎

جفا بر عاشقاں گفتی نخواہم کہ دہم کردی   قلم بر بے دلاں گفتی نخواہم راند ہم راندی

مولانا مغیث نے ایک رسالہ لکھا اور اس میں اس مجلس کا ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ اس شعر کو حقیقت کی طرف نہیں لے جایا سکتا۔ اگر جور و جفا کی نسبت خدا کی طرف ہے تو کفر لازم آتا ہے اور اسی طرح کے کئی جملے ایک جگہ جمع کیے۔ مولانا معین الدین عمرانی نے اس کو حضرت شیخ کے پاس بھیج دیا۔ حضرت شیخ نے اس کو دیکھ کر مولانا مغیث کو بلا بھیجا اور اس رسالہ کو ان کے ہاتھ پر رکھ دیا پھر

دستار اور دراع پہنا کہ ان کو واپس بھیج دیا۔ زبان سے ایک لفظ نہیں کہا۔ مولانا مغیث حیران کہ حضرت شیخ کی یہ کیسی کرم فرمائی اور عنایت ان پر ہو رہی ہے۔ دوسرے دن مجلس سماع منعقد تھی حضرت خواجہ کو ان دو اشعار پر وجدانی کیفیت طاری ہو گئی اور وہ حالت اضطراب میں رقص کرنے لگے:

ماطبل مغابہ دوش چہ بے باک زدیم عالی علمش بر سرِ افلاک زدیم

از بہر یکے مغ بچۂ میخوارہ صد بارہ کلاہِ توبہ بر خاک زدیم

بہت اضطراب کے بعد جب اس میں کچھ کمی ہوئی تو حضرت شیخ اوپر اپنے حجرے میں تشریف لے گئے اور مولانا مغیث کو بلا بھیجا۔ مولانا مغیث پریشان حیران آکر کھڑے ہو گئے۔ چہرے کا رنگ زرد پڑ گیا تھا۔ حضرت شیخ نے ان کی طرف دیکھ کر فرمایا مولانا لکھیے کہ یہ کون عمل تھا۔ بس اتنا کہہ کر ان کو پھر واپس کر دیا۔

عصر کی نماز کے بعد غائب کے ظاہر ہونے پر بات نکل آئی۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ جس شخص پر کوئی غائب عالم غیب سے ظہور پذیر ہوتا ہے اور ان لوگوں کے درمیان بات چیت بھی ہوتی ہے تو اس کا احتمال ہے کہ اس وقت دوسرا آدمی بھی اس کو دیکھے اور اس کی بات سُنے خواہ وہ آدمی اس لائق نہ ہو۔ برادرم سید السادات سید یوسف اطال اللہ عمرہ نے بیان کیا کہ حضرت مخدوم کی ایک کنیز بیان کرتی تھی کہ میں حضرت مخدوم کو وضو کرانے کے لیے ان کی خدمت میں حاضر تھی یکایک میں نے ایک بزرگ کو دیکھا کہ وہ عمامہ باندھے ہوئے آ کھڑے ہوئے۔ حضرت مخدوم کو سلام کیا۔ حضرت مخدوم نے سلام کا جواب دیا۔ مجھ پر ان بزرگ کو دیکھ کر بڑی ہیبت طاری ہو گئی تھوڑی دیر تک دونوں گفتگو کرتے رہے جس کو میں نہ سمجھ سکی اس کے بعد وہ بزرگ غائب ہو گئے۔ خاکسار مرتب عرض کرتا ہے کہ حضرت مخدوم کے اس طرح کے واقعات اگر قلم بند کیے جائیں تو کتنی جلدی تیار ہو جائیں۔

حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میں نے ایک گدھے کے برابر کتے کو دیکھا کہ وہ بالاخانہ سے نیچے اتر رہا ہے۔ اس کو میں نے کتنا دھتکارا لیکن وہ کھڑا نہیں ہوا سیدھا صحن میں آکر کھڑا ہو گیا اور پھر یکایک غائب ہو گیا میں سمجھ گیا کہ افسوس اس شہر پر کوئی ایسی خوفناک بلا نازل ہونے والی ہے جس کی کوئی کاٹ نہیں ہو سکتی۔ اس کے بعد میں نے بہت تفصیل سے سارے شہر والوں میں اعلان کرا دیا کہ اس شہر پر اس طرح کی بلا آنے والی ہے کہ پورا شہر تہ و بالا ہو جائے گا اور بہت کم گھر ہو گا جس کو مغل اکھاڑ نہ پھینکیں گے

اگرچہ میرا طریقہ یہ نہیں ہے کہ میں جو کچھ دیکھوں عوام کو کہہ دوں لیکن اس واقعہ کو میں نے بہ بانگ دہل ہر خاص و عام وضیع و شریف تک پہنچا دیا کہ شاید کوئی اس سے باخبر ہو کہ اس بلا سے بچنے کی کوشش کرے اور کسی دوسرے شہر یا ملک میں چلا جائے۔

روز شنبہ ۳ ربیع الآخر ۸۰۳ھ

ایک خواب کی تعبیر

ظہر کی نماز کے وقت برادرم سید یوسف اطال اللہ عمرہ نے ایک واقعہ بیان کیا کہ میں اور میرے بھائی یعنی کاتب جوامع الکلم ایک جگہ بیٹھے شراب پی رہے ہیں اور اس دوران میں کسی شخص نے ایک کتاب میرے ہاتھ میں دے دی۔ یکایک میری آنکھ کھل گئی۔ حضرت مخدومؒ نے اس کی تعبیر بیان فرمائی کہ جو کچھ تم لوگوں کے پاس ہے اس کے علاوہ علم سے بھی خالی نہ رہو گے۔ اور پھر اس کے حسب حال ایک قصہ بیان فرمایا کہ ایک مرتبہ میں نے اپنے خواجہ کے سامنے واقعہ بیان کیا کہ میں نے دیکھا کہ میں ایک استاد سے سبق پڑھ رہا ہوں۔ اور اس میں ایک لغت کی کتاب ہے۔ اس دوران میں میں نے دیکھا کہ تمام سبق میں اللہ اللہ لکھا ہوا ہے۔ اس کے علاوہ کوئی لفظ نہیں ہے۔ حضرت مخدوم نے یہ سُن کر فرمایا کہ ہم نہیں کہتے تھے کہ تعلیم سے جلد فارغ ہو اور اس کے بعد اللہ اللہ کرو۔ پھر بیان فرمایا کہ ہمارے خواجہ فرماتے تھے کہ خواجہ سیف الدین باخرزیؒ کا معمول تھا کہ وہ ہر رات کو دو جز تصنیف کر کے سوتے تھے۔ ایک رات کو انہوں نے تصنیف کر کے دونوں جُز کو سرہانے رکھا اور سو گئے۔ صبح کو اُٹھ کر دیکھتے ہیں کہ جو کچھ انہوں نے لکھا تھا سب مٹ گیا ہے۔ اور تمام صفحہ پر اللہ اللہ لکھا ہوا ہے۔ انہوں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ یہ اشارہ غیبی تصنیف و تالیف کو چھوڑنے اور گفت و شنود سے توبہ کرنے کا ہے۔ اور اب وقت آگیا ہے کہ میں خدا میں مشغول ہو جاؤں اور مکمل طور پر اس کی طرف متوجہ ہو جاؤں۔ چنانچہ اس کے بعد سے انہوں نے تصنیف و تالیف کا کام ترک کر دیا۔

اللہ کی بندگی کے حق کے بارے میں

تھوڑی دیر تک اللہ کی بندگی کے حق کے بارے میں ذکر نکل آیا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ جو لوگ دوزخ کے خوف اور بہشت کی لالچ کی وجہ سے اللہ کی عبادت کرتے ہیں وہ اللہ

کو نہیں پوجتے بلکہ وہ دوزخ اور بہشت کو پوجتے ہیں اور جو لوگ اللہ کو کسی اور غرض سے پوجتے ہیں وہ اپنی اس غرض اور مفاد کو پوجتے ہیں خدا کو ہرگز نہیں پوجتے۔ کوئی آدمی اگر کسی کے سر سے اس کی دستار لے کر بھاگتا ہے اور وہ آدمی اس کے پیچھے دوڑتا ہے تو وہ آدمی اس آدمی کے پیچھے نہیں دوڑتا ہے بلکہ اپنی دستار کے پیچھے دوڑتا ہے۔ اسی طرح عاشق اگر معشوق کے پیچھے دوڑتا ہے تو وہ درحقیقت معشوق کے پیچھے نہیں دوڑتا ہے بلکہ اپنے دل کے پیچھے دوڑتا ہے کیونکہ معشوق اس کا دل لے بھاگا ہے۔ لیکن جو خالصتہ اللہ کی پرستش کرتا ہے بانہ الٰھہ وھو عبدہ (معنی یہ خیال کرکے کہ بے شک خدا اس کا معبود ہے اور وہ خدا کا بندہ ہے) اور کوئی مطلوب اور مقصود درمیان میں نہیں رکھتا سوائے اس کے کہ میں بندہ ہوں اور بندہ کو سوائے بندگی کے اور کوئی کام نہیں ہے۔ وہ مالک مختار ہے۔ اس کو اپنے مالک سے کام ہے اگر رحمت کرے تو بہت اچھا اور اگر نہ کرے تو بھی اچھا۔ رسول اللہ صلعم نے صہیب رضؓ کے ذریعہ یہی خبر دی ہے کہ نعم العبد صہیب لو لم یخف اللّٰہ لم یعصیہُ۔ یہاں پر لَوْ کے معنی اِنْ یعنی اگر کے ہیں۔ یعنی اگر اللہ سے وہ نہیں ڈرتے اور نہ اس کی نافرمانی کرتے ہیں بالکل انہ الٰھہ وھو عبدہ کے مطابق۔

پھر حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ ایک دن رابعہ بصریؒ نے اپنے ایک ہاتھ میں پانی لیا اور دوسرے میں آگ اور وقت سے مغلوب ہو کر باہر نکل آئیں ہر شخص پوچھنے لگا کہ یہ کیا حال ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں چاہتی ہوں کہ اس آگ سے اللہ کے آٹھوں بہشت کو جلا دوں اور اس پانی سے دوزخ کے ساتوں دروازوں کا خاتمہ کر دوں تاکہ کوئی بندہ اللہ کی پرستش بہشت کی لالچ اور دوزخ کے خوف سے نہ کرے۔ صرف اللہ کی خالصتہً اللہ کے لیے پرستش کرے۔

روز شنبہ ۱۷ ربیع الآخر ۸۰۳ھ

مشائخ کے ادب کی رعائت کے بارے میں

عشاء کی نماز کے وقت حضرات مشائخ کے ادب کی رعایت کے بارے میں ذکر نکل آیا۔ حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ صوفیوں کے حضور ادب کی رعایت کی سختی اور دشواری میں کوئی کلام نہیں ہے۔ اور ان کے جزئیات کی نگہداشت انسان کی طاقت سے

باہر ہے اس لیے بہتر صورت یہ ہے کہ ان سے دُور رہا جائے اور ان کی صحبت سے پرہیز رکھا جائے اور یہ حقیقت ہے کہ اگر ان کا کرم نہ ہوتا تو کوئی شخص اس راہ سے سلامت نہ گزرتا - لیکن یہ لوگ صفات الٰہی سے متصف ہیں اور اللہ نے اپنے بارے میں فرمایا ہے سبقت رحمتی علی غضبی (یعنی میری رحمت غضب پر سبقت رکھتی ہے) لیکن بعض موقع پر وہ صفت قہر کا مظہر بھی ہوتے ہیں - جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ حضرت شیخ الاسلام قطب الدین کی خدمت میں ایک شخص دستار چہ گردن میں لپیٹ کر اور زلف سنوار کر حاضر ہوا - حضرت شیخ نے ان کی طرف دیکھ کر فرمایا یہ کیا سر کو تن سے جدا کر کے درویشوں کے سامنے آتے ہو - اس واقعہ کو زیادہ دن نہیں گزرا تھا کہ بادشاہ نے اس کا سر تن سے جدا کرا دیا - ایک دن ہمارے خواجہ کے سامنے مولانا محمود معلم مسجد روات بغیر آستین کا لباچہ پہن کر چلے گئے - حضرت خواجہ نے فرمایا مولانا تم نے یہ کون سی وضع اختیار کی ہے - جو اس شکل میں تم میرے سامنے آئے ہو مولانا کی تو خوف سے حالت خراب ہو گئی لیکن اس جگہ حضرت خواجہ کے خادم ابراہیم موجود تھے انہوں نے فوراً عرض کیا حضرت، مولانا لباچہ پہن کر وضو کر رہے تھے میں نے طلبی کی خبر دی تو وہ اسی حالت میں آ گئے - حضرت شیخ نے ان کے اس عذر کو قبول فرمایا اور ان کو معاف کر دیا - اور ہدایت کی کہ آستین کے ساتھ پہن کر آئیں -

صوفی کو بعض شے کی اطلاع ہو جاتی ہے

تھوڑی دیر تک اس موضوع پر گفتگو ہوتی رہی کہ صوفی کو بعض شے کی اطلاع ہو جاتی ہے تاکہ اس پر عمل پیرا ہو سکے - اس کے حسب حال حضرت مخدوم نے ایک قصہ بیان فرمایا کہ حبیب نامی ایک شخص حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض پرداز ہوا کہ دس ماہ قبل گورنر نے میرے گھر پر حملہ کیا - اور وہ میری بیوی کو گرفتار کر کے لے گیا ہے میں اپنی بیوی کا عاشق زار ہوں جدائی کی طاقت نہیں رکھتا - کچھ ایسی تدبیر کیجیے کہ میری پریشانی اور بے قراری دُور ہو - حضرت خواجہ نے اسے باہر بیٹھنے کی ہدایت کی - تھوڑی دیر بعد اس کے لیے کھانا بھیجا - اس نے کہا حضرت مجھے ہجر میں کھانا اچھا نہیں معلوم ہوتا - حضرت خواجہ نے فرمایا میری بات مانو تم کھانا کھا لو - ظہر کی نماز کے بعد پھر اس نے آہ و فغاں شروع کیا - حضرت خواجہ نے اسے سمجھایا صبر سے بیٹھے رہو - فکر مند نہ ہو - اسی درمیان میں ایک پرچہ نویس کو کسی الزام اور تہمت کے تحت گرفتار کر کے دہلی سے اس گورنر کے پاس لے جایا جا رہا تھا۔ اس پرچہ نویس

نے کسی طرح حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی مصیبت سنائی اور رہائی کے لیے دعا کی درخواست کی۔ حضرت خواجہ نے فرمایا اگر تم کو جانتے ہی رہائی مل جائے بلکہ گورنر تم پر مہربان ہو کر ایک چھوٹا مکان، ایک عصا اور ایک لونڈی عطا فرمائے اور تم کو تمہاری ملازمت پر بھی برقرار رکھے تو کیا تم وہ لونڈی مجھ کو دے دو گے اس نے کہا میں خوشی دل سے دے دوں گا۔ پھر حضرت خواجہ نے اس حبیب کو بلا کر اس پرچہ نویس سے ملا دیا اور کہا کہ وہ لونڈی اس کو دے دینا۔ حبیب نے کہا حضرت، میں اس کی لونڈی لے کر کیا کروں گا۔ مجھے تو میری بیوی چاہیے۔ حضرت خواجہ نے فرمایا تم فضول بات نہ سوچ جو میں کہتا ہوں کرو۔ چنانچہ حبیب اس پرچہ نویس کے ساتھ ہو گیا۔ حضرت خواجہ نے جیسا کہ اشارہ فرمایا تھا پرچہ نویس کے وہاں پہنچتے ہی گورنر نے اس کو عنایات خصوصی اور مہربانیوں سے نوازا۔ فوراً قید سے رہا کر کے ایک گھر ایک عصا اور ایک لونڈی عنائت فرمایا۔ جیسے ہی کہ وہ لونڈی اس پرچہ نویس کے گھر آئی حبیب نے اس کو دور سے دیکھ کر نعرہ مارا اور اس کی طرف دوڑا کہ یہ تو میری بیوی ہے۔ حضرت خواجہ کے حکم کے مطابق اس پرچہ نویس نے اپنی لونڈی کو حبیب کے حوالہ کر دیا۔ اور وہ اپنی بیوی کو گھر لے کر چلا آیا۔ غرض حضرت خواجہ کو اطلاع ہو گئی تھی کہ اس طرح حبیب کی بیوی اس کو ملے گی اور انہوں نے اسی کے مطابق عمل کیا۔

گوشہ نشینی اور خلوت گزینی کی فضیلت

ظہر کی نماز کے بعد لوگوں سے کنارہ کشی اور خلوت گزینی کی فضیلت پر گفتگو نکل آئی۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ جو مزا اللہ تعالےٰ نے گوشۂ تنہائی، خلوت گزینی اور صحرانوردی میں بخشا ہے وہ کسی دوسری چیز میں نہیں۔ جو مصیبت غم اور پریشانی لوگوں کے ساتھ وقت گزارنے میں صوفی کو اٹھانی پڑتی ہے وہ احاطہ تحریر میں نہیں لائی جا سکتی۔ پھر حضرت مخدوم نے فرمایا کہ مولانا وحید نامی ایک درویش تھے جو خطیرہ اوانبہ میں رہتے تھے۔ ان دنوں اس جگہ پر آبادی نہیں تھی۔ انہوں نے ایک چھپر ڈال کر جھونپڑی بنا لی تھی ۔ ان کے پاس ایک بوڑھی کنیز اور دو دوست تھے۔ ان دوستوں میں سے ایک بقال اور دوسرا درزی تھا۔ مولانا وحید حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکرؒ کے خلیفہ تھے۔ بعض لوگ ان کو شیخ صدرالدین کا اور بعض شیخ سلیمان کا خلیفہ بھی بتاتے ہیں لیکن درحقیقت وہ خواجہ فریدالدین گنج شکرؒ ہی کے خلیفہ تھے۔ حضرت خواجہ نظام الدین جب شیخ الاسلام حضرت خواجہ قطب الدینؒ کی زیارت

کے لیے آتے تھے تو خاص کر مولانا وحید سے بھی ملاقات کرنے کے لیے ضرور جاتے تھے۔ اور مولانا وحید اس سے بہت خوش ہوتے۔ اور اگر ان کی خواہش سماع سننے کی ہوتی تو وہ اپنی کنیز کو حکم دیتے کہ کئی سیر کھچڑی پکاؤ اور گھی لاؤ ہم آج سماع سننا چاہتے ہیں اور پھر ان دونوں دوستوں کے گھر جاکر ان کو بلاتے، قوال بلاتے، گھر کو بند کر کے سماع سنتے سماع کے بعد اچانک اگر کوئی آجاتا اور کہتا کہ حضرت، میں ان قوالوں کو کچھ دینا چاہتا ہوں تو فرماتے ضرور دو لیکن کیا دو گے۔ اگر اس نے پانچ تنکہ دینے کو کہا تو ناخوش ہوتے اور اگر کوئی دس تنکہ دینے کے لیے کہتا تو بہت خوش ہوتے پھر وہ کھچڑی نکالتے اپنے ان دونوں دوستوں کے ساتھ کھاتے اور قوال کو بھی دیتے۔ یہی سماع مجموع تھا۔ ایک دن حضرت خواجہ نظام الدین مولانا وحید کی ملاقات کے لیے تشریف لائے وہ گھر میں موجود نہ تھے۔ ان کی لونڈی نے بتایا کہ حضرت فلاں باغ میں گئے ہوئے ہیں خواجہ نظام الدینؒ اس باغ میں تشریف لے گئے دیکھا کہ مولانا وحید اپنے دونوں یاروں اور قوال کے ساتھ لوگوں سے کنارہ کش ہو کر سماع سن رہے ہیں۔ یکایک حضرت خواجہ نظام الدین کو دیکھ کر انہوں نے سماع بند کر دیا۔ اور کہا مولانا نظام الدین آپ کو کس نے کہا تھا کہ آپ اس وقت تکلیف فرمائیں۔ جیسے ہی شاہزادگان، امرا اور ملوک سنیں گے کہ آپ اس جگہ تشریف فرما ہیں وہ فوراً آجائیں گے یا مجھے دربار میں طلب کریں گے اور فضول میں میرا ذوق خراب ہوگا۔ حضرت خواجہ نظام الدینؒ نے فرمایا میرا عذر قبول کریں۔ میں خیال رکھوں گا کہ اس طرح کے وقت میں دوسری مرتبہ آپ کے پاس نہ آؤں۔ یہ سن کر وہ بہت خوش ہوئے۔ اور پھر سماع سننے لگے۔

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ قصبہ خسرو خاں میں حضرت خواجہ کے لیے جب فتوحات بھیجے جاتے تھے تو جہاں ایک لاکھ حضرت خواجہ کے لیے ہوتے تھے وہاں کم از کم دس ہزار کمترین غلام کے لیے بھی ہوتے تھے ایک مرتبہ خسرو خاں نے اپنے بھائی صوفی خاں کی معرفت حضرت خواجہ کی خدمت میں ایک لاکھ تنکہ بھیجا۔ حضرت خواجہ نے اس کو دیکھتے ہی کہنا شروع کیا کہ میں اتنی دولت کو کیا کروں گا میرے لیے ایک چیتل کافی ہے۔ صوفی خاں نے بہت آرزو منت کیا کہ قبول کرلیں لیکن وہ نہ مانے صوفی خاں کی بہت گریہ وزاری اور اصرار کے بعد انہوں نے فرمایا اچھا میرے لیے سماع کا انتظام فلاں روز کرو۔ صوفی خاں نے خسرو خاں سے تذکرہ کیا خسرو خاں بہت خوش ہوا طرح طرح کے کھانے پکوا کر ڈیرا خیمہ اونٹوں پہ لاد کر صوفی خاں کی معرفت

روانہ کیا جب یہ قافلہ گھر کے نزدیک پہنچا تو لوگوں کا ہجوم اور ساتھ ہی ان کا شور و غوغا ان کے کان تک پہنچا انہوں نے پوچھا کہ اے کنیز یہ شور کیسا ہے۔ اس نے بتایا کہ اس روز آپ نے صوفی خاں سے سماع کرانے کی فرمائش کی تھی وہی انتظام کیا جا رہا ہے۔ اتنے میں صوفی خاں بھی دروازہ پہ آکر کھڑا ہو گیا۔ مولانا وجید اس کو دیکھ کر سخت غضب ناک ہو گئے۔ عصا لے کر اس کے پیچھے دوڑے کہ اتنا شور و غوغا اور ہنگامہ میرے دروازہ پر کیوں لایا ہے صوفی خاں دستارچہ منہ پہ رکھ کر ہائے ہائے کر کے رونے لگا۔ وہ بھاگتا جاتا تھا۔ اور یہ اس کے پیچھے ڈنڈا لے کر برا بھلا کہتے ہوئے دوڑتے جاتے تھے۔ اتنا کہنے کے بعد حضرت مخدوم نے فرمایا کہ سبحان اللہ وہ بھی درویش ہوتے ہیں جو ہمیشہ اس فکر میں رہتے ہیں کہ لوگ ان کے پاس آتے ہیں اور خلق خدا کا ہجوم ان کے گرد جمع ہوتا رہے درویشوں نے ہجوم سے بچنے کے لیے بہت کوشش کی ہے تاکہ زیادہ لوگ ان کے گرد جمع نہ ہوں۔ لیکن سبحان اللہ آج تو وہ لوگ بھی نہیں ملتے۔ جو اس گروہ کی سیرت کو جانیں اور سمجھیں کہ کیا تھا۔ اور اس پر چلیں آج کل صرف یہ جھگڑا رہتا ہے کہ فلاں امیر اور شاہزادہ آج اس کے گھر کیوں گیا میرے گھر کیوں نہیں آیا۔ اس کے پاس بہت فتوحات لے گیا اور میرے پاس اتنا کم لایا۔ اب اس گروہ کے بارے میں کیا کیا جائے۔

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ میری والدہ فرماتی تھیں کہ آج مشائخ دنیا میں کہاں۔ یہ شیخی نہیں ہے کہ کسی خاص جگہ پہ بیٹھ گئے اور متوقع رہے کہ لوگ اس کے پاس کچھ لائیں اور وہ کھائے اور کھلائے۔ پھر میری طرف مخاطب ہو کر بولیں کہ تمہارے والد کہتے تھے کہ اگلے وقت کے صوفیا بھنگ کی دوکان پر جاتے تاکہ لوگ جانیں کہ یہ بھنگ کھاتے ہیں اور پھر لوگ انہیں برا سمجھ کر ان کے پاس جانے سے باز رہتے۔ اور ان کے اوقات میں کوئی مزاحمت نہ ہوتی اور وہ فراغ خاطر سے اپنے خدا کی عبادت میں مشغول رہتے۔ اور آٹھ آٹھ دس دس دن تک ان کے پیٹ میں کوئی غذا نہ جاتی۔

خواجہ حمدون قصار اور ایک عیار کے درمیان گفتگو

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ خواجہ حمدون قصار نے جو کہ فرقہ ملامتیاں کے سرگروہ تھے ایک عیار سے پوچھا کہ جوانمردی کیا ہے۔ عیار نے جواب دیا کہ میں جوانمردی کی تعریف آپ کے لحاظ سے بتاؤں یا اپنے لحاظ سے۔ حمدون قصار نے کہا میرے اور اپنے دونوں لحاظ سے۔ عیار نے کہا کہ میری جوانمردی تو یہ ہے کہ اپنے کام کو چھوڑ

کہ آپ کا کام کر دوں اور آپ کی جوانمردی یہ ہے کہ جو کام آپ کر رہے ہیں اسے میرے لباس میں کیجیے یہ بات خواجہ حمدون قصارؒ کے دل میں اُتر گئی۔ اور انہوں نے عیار کا کپڑا زیب تن کر کے ملامتیوں کا راستہ اختیار کیا۔

اسرار باری سے لوگوں کی عدم واقفیت

پھر تھوڑی دیر اسرار باری سے لوگوں کی محرومی اور مشاہدہ جمال وجلال کا ذکر نکل آیا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ سبحان اللہ اس سے بڑھ کر کون سی دولت ہو سکتی ہے اور اس سے محرومی سب سے بڑی محرومی ہے۔

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ اہل اسلام کا اس پر اجتماع ہے اور تمام کتب سماوی کا اس پر اتفاق ہے کہ بلاشبہ مقام محبت سے بڑھ کر اور افضل کوئی مقام نہیں ہے ورنہ افضل الانبیاء کو اس سے مخاطب نہ کیا جاتا۔ محبت میں محب اور محبوب کا مقام دُور نہیں ہے ایک ہی ہے اور ان کا اتحاد اصلی وحقیقی ہے۔ مقام محبت صرف رسول اللہ صلعم پر منحصر نہیں ہے بلکہ ان کی پیروی اور اتباع کی بدولت اور ان کے لطف وکرم کے صدقہ میں محبت کے چند قطرے دوسروں کے کام و دہن میں بھی ٹپک جاتے ہیں۔ اور وہ قطرہ ایسا ہوتا ہے کہ اس کا مقابلہ دریا بھی نہیں کر سکتا۔ جو کہ اس قطرہ کا طالب ہوا اور جس نے اپنے کو محبوب مرشد کے پلہ باندھ دیا اور اس کے حکم پر چلتا رہا اور ساتھ ساتھ پاکی نفس بھی قائم رکھا تو شراب محبت سے وہ ضرور شاد کام ہو گا۔ خم کا خم لنڈھانے پر بھی اس کو سیری نہ ہو گی۔ لیکن عیاذاً باللہ اگر وہ شرائط مذکورہ پر قائم نہ رہا تو اس کو پشیمانی ہو گی اور وہ ہدف ملامت بنا رہے گا۔

پھر حضرت مخدوم نے فرمایا کہ میرے بڑے بھائی ایک عورت پر عاشق ہو گئے تھے ایک رات اس عورت کو بچھو نے ڈنک مارا میرے بھائی کو تمام رات پیر کے اس حصہ میں سوزش اور تکلیف رہی جس جگہ پر بچھو نے اس عورت کو کاٹا تھا۔ اور میرے بھائی درد سے تڑپتے رہے۔ آخر جب بچھو کے کاٹے کا زہر اس عورت کے پیر سے ختم ہوا تو میرے بھائی کے پیر کے درد کی تکلیف بھی جاتی رہی یہ سب کیفیات تو ہوا پرستی کی صورت میں ظاہر ہوئی خدا پرستی میں اور کیا کچھ نہیں ہو سکتا۔ یہ کیسی حرماں نصیبی ہے کہ دعویٰ تو خدا کی بندگی کا کرو اور اس کی بندگی کو چھوڑ کر اپنی خواہشات کے غلام ہو جاؤ۔

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ یہ کیسی پر اسرار حکائتیں اور مخفی اشارات ہیں کہ حضرت صہیبؓ

سلمانؓ، ہلالؓ اور بلالؓ افضل صحابہ حضرت ابوبکرؓ اور عمر رضی اللہ عنہما کے دروازہ پہ آکر پکارتے ہیں کہ تعالوا نؤمن ساعۃً (یعنی آؤ تھوڑی دیر ہم لوگ مسلمان ہو جائیں) حضرت ابوبکرؓ اور عمر رضی اللہ عنہما یہ جملہ سن کر افسردہ حضرت رسالت مآب کے دربار میں حاضر ہوتے ہیں اور شکایت کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ کیا ہم دونوں مسلمان نہیں ہیں حضرت رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ رب کعبہ کی قسم تم دونوں مسلمان ہو۔ ان دونوں صحابہ کرام نے سوال کیا کہ پھر کیا وجہ ہے کہ یہ موالی ہم لوگوں کے دروازے پہ آکر تعالوا نؤمن ساعۃً کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلعم نے جواب دیا کہ یہ لوگ ایمان سے دوسرا ایمان مراد لیتے ہیں۔ یہ سن کر دونوں خاموش ہو گئے اور یہ نہیں پوچھا کہ وہ کون سا ایمان ہے۔ پھر رسول اللہ صلعم نے ان چاروں موالی کو بلا کر فرمایا کہ یہ کیسی بات ہے کہ تم لوگ شراب تو دوسری جگہ پیتے ہو اور بدمستی دوسری جگہ کرتے ہو۔ تم لوگ اپنے رکاب پر قائم رہو۔ یہ عجب پر اسرار قصے ہیں جن کے بارے میں کسی کو خبر نہیں۔

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ہمارے خواجہ کی مجالس میں زیادہ تر باتیں مشائخ کی عبادات اور مجاہدات کے متعلق ہوتیں۔ محبت اور عشق کی باتیں کم ہوتی ہیں سولہ برس کی عمر میں اپنے خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ کس مجلس بھی ایسی نہیں ہوئی ہوگی جس میں محبت کا ذکر آیا ہو وجہ اس کی یہ ہے کہ عام آدمیوں کی سمجھ سے یہ باتیں بالا ہیں۔ اور اگر کسی وقت محبت پہ کچھ جملے بولتے تو اس وقت ان پر استغراق اور از خود رفتگی کا عالم ہوتا اور جب وہ اپنے آپ میں آتے تو پوچھتے کہ میں نے کیا کہا تھا۔ حاضرین مجلس ان کی باتوں کو یاد دلاتے پھر وہ کوئی دوسرا جملہ کہتے اور از خود رفتہ ہو جاتے۔

اس حدیث میں عجیب راز پنہاں ہے

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ یہ کیسا عجیب راز ہے جو اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے پھر اس کو عربی ہی میں پڑھا اور فرمایا کہ یہ حدیث نہیں بلکہ حدیث کے معنی ہیں۔ اذا مضی سنوت کثیرۃ علی اھل الجنۃ واھل النار ارسل اللہ جبریل الیھما بان بلغت سلامی الی الفریقین فیاتی الجنۃ فلا یجد اھلیھا و یاتی النار فلا یجد اھلیھا فیرجع الی الرب ویقول یا رب انی ما وجدت احداً منھما من ابلغ سلامک فقال اللہ تعالیٰ ای جبریل الانسان سری وسل بی ٥

(یعنی جب اہل جنت اور دوزخیوں پر بہت سال گزر گئے تو اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کو بھیجا کہ دونوں گروہ پر میرا اسلام پہنچا دو۔ جبریل علیہ السلام حکم کی متابعت میں جب وہاں پہنچے تو وہاں نہ جنت اور دوزخ دیکھی اور نہ اس کے اندر رہنے والوں کو۔ وہ پھر بارگاہ باری میں حاضر ہو کر بولے۔ خداوندا! تو بہتر جانتا ہے لیکن میں تے تو وہاں دونوں گروہ میں سے کسی ایک کو بھی نہیں پایا میں تیرا اسلام کس کو پہنچاتا۔ اللہ فرماتا ہے اے جبریل انسان میرا سرّ تھا وہ مجھ تک پہنچ گیا) سبحان اللہ کیسا بازی گر تھا جس نے تماشا دکھلایا اور پھر سب کو سمیٹ لیا۔ اس حدیث میں محدثین نے عجیب اشارے اور احوال بیان فرمائے ہیں۔ اس حدیث کے راوی عمر بن عاص ہیں ان کی روایت معتمد نہیں ہے۔

اسی درمیان میں ایک سید قدمبوسی کے لیے حاضر ہوئے حضرت مخدومؒ نے ان سے پوچھا کہاں رہتے ہو۔ انہوں نے جواب دیا ایک گاؤں ہے اس میں زندگی کے دن گزار رہا ہوں۔ حضرت مخدوم نے فرمایا یہ عجیب بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو تمام تعلقات دنیوی یعنی بیوی بچے، ماں باپ سے فراغت دی ہے اور تم دیہات میں پڑے ہو۔ خدا کی طرف کیوں نہیں متوجہ ہوتے اور اس کی عبادت میں کیوں نہیں مشغول ہوتے۔ اپنی زندگی کو برباد کر کے خسارہ اٹھا رہے ہو۔ لوگ تمہاری حالت پر افسوس کرتے ہیں اور تم خود اس سے بے خبر ہو۔

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ایک مرتبہ دہلی میں سخت قحط پڑا۔ ایک پہلوان ایک بنیے کی دکان پر آکر کھڑا ہوا تو دیکھا اس کے کھانے پینے کی ساری چیزیں وہاں موجود ہیں پہلے نظر اس کی آٹے پر پڑی اس نے بقال سے پوچھا یہ آٹا تمہارا ہی ہے۔ بقال نے جواب دیا ہاں میرا ہی ہے پھر گھی دیکھ کر پوچھا یہ گھی بھی تمہارا ہی ہے۔ بقال نے جواب دیا ہاں یہ بھی میرا ہی ہے۔ پھر شکر اور لکڑی دیکھ کر اس نے وہی سوال کیا اور بقال نے بھی وہی جواب دیا کہ ہاں میرا ہی ہے۔ اتنا سننے کے بعد پہلوان نے کہا واہ پھر مالیدہ بنا کر کیوں نہیں کھاتے۔ اس وقت تمہارا حال اس بقال کی طرح ہے۔ اور تمام لوگ پہلوان کے مانند بقال کے ایک ایک لفظ پر حیران پر آرزو ہیں۔ لیکن تم اس سے کچھ نہیں لطف اور فائدہ اٹھا رہے ہو۔

روز پنجشنبہ ۲۲ ربیع الثانی ۸۰۳ھ

دنیا کا اجتماع اور جدا ہونا عجب تماشا معلوم ہوتا ہے | ۲۲ ربیع الثانی کو حضرت شیخ الاسلام

خواجہ نظام الدینؒ کا عرس تھا لوگوں کا ہجوم حضرت مخدومؒ کی خدمت میں حاضر تھا۔ سب کو رخصت کرنے کے وقت حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ یہ دنیا کا اجتماع اور جدا ہونا، اس کے اندر رہ کر عزت و ذلت اور فقر و غنا سے ہم کنار ہونا یہ سب عجب تماشا معلوم ہوتا ہے۔ یکایک چند روز یا چند ساعت کے لیے لوگ کسی کام پر متفق ہوتے ہیں پھر جب وہ کام ختم ہو جاتا ہے تو پھر سب اپنی اپنی جگہ پر چلے جاتے ہیں وہ عزیز ترین ہستی جس کے گرد سب لوگ جمع ہو گئے تھے۔ اسے کبھی تنہا بھی بیٹھا دیکھتے ہو گویا اس کے نزدیک کوئی بھی نہ تھا۔ مرنے کے بعد دنیا اور دین میں کوئی عزت بادشاہی اور شیوخت سے بڑھ کر نہیں ہے۔ مولانا صدر الدین اور مولانا علاؤ الدین عصر کی نماز کے لیے مجھ کو بلاتے تو میں کہتا کہ کوئی عزت شیوخت سے بڑھ کر نہیں ہے اور کسی شیخ کی عزت میرے خواجہ سے بڑھ کر نہیں ہے۔

یہ ہے "جواہر غیبی" جو کہ ایک سال کی مدت میں مکمل ہوا اور حضرت بندگی مخدوم جہانیاںؒ کی نظر سے کئی بار گزرا اور اس سے اس کی صحت کا ثبوت ملتا ہے۔

الحمد للہ علیٰ ذالک

(حبیب اللہ خوشنویس)

صفحات ۵۳۶ قیمت ۳۰ روپے

حصہ سوم خلافت راشدہ حصہ دوم

سنہ ۱۶ھ تا سنہ ۳۵ھ

ترجمہ :- مولانا رشید احمد ارشد ایم اے

صفحات ۵۴۴ قیمت ۳۵ روپے

حصہ سوم کا حصہ دوم خلافت حضرت علیؓ

سنہ ۳۵ھ تا سنہ ۴۰ھ

ترجمہ :- مولانا حبیب الرحمن صدیقی

صفحات ۵۱۲ قیمت ۳۰ روپے

حصہ چہارم امیر معاویہؓ سے شہادت حسینؓ تک

سنہ ۴۱ھ تا سنہ ۶۶ھ

ترجمہ :- سید حیدر علی طباطبائی

صفحات ۵۶۰ قیمت ۳۵ روپے

حصہ پنجم اموی دور حکومت

سنہ ۶۷ھ تا سنہ ۹۹ھ

ترجمہ :- محمد ابراہیم ایم اے ندوی

صفحات ۵۴۴ قیمت ۳۰ روپے

حصہ ششم حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ تا مروان ثانی

سنہ ۹۹ھ تا سنہ ۱۳۲ھ

ترجمہ :- محمد ابراہیم ایم اے ندوی

صفحات ۵۲۸ قیمت ۳۰ روپے

حصہ ہفتم عباسی دورِ حکومت

سنہ ۱۳۲ھ تا سنہ ۱۷۰ھ

ترجمہ :- محمد ابراہیم ایم اے ندوی

صفحات ۵۴۴ قیمت ۳۰ روپے

حصہ ہشتم ہارون الرشید اور اس کے جانشین

سنہ ۱۷۱ھ تا سنہ ۲۳۱ھ

ترجمہ :- سید محمد ابراہیم ایم اے ندوی

صفحات ۵۴۴ قیمت ۳۰ روپے

حصہ نہم خلافت بغداد کا دور انحطاط حصہ اول

ترجمہ :- علامہ عبداللہ العمادی

صفحات ۳۸۴ قیمت ۲۸ روپے

حصہ دہم خلافت بغداد کا دور انحطاط حصہ دوم

ترجمہ :- علامہ عبداللہ العمادی

صفحات ۴۰۰ قیمت ۲۷ روپے

کل قیمت مکمل سیٹ /۳۴۰ روپے

کل صفحات ۵۶۴۰

تاریخ تمدن اسلام

مصنفہ :- علامہ جرجی زیدان

حصہ اول صفحات ۳۳۲ قیمت ۱۰ روپے

حصہ دوم صفحات ۲۷۶ قیمت ۱۰ روپے

تاریخ ابن خلدون

مکمل چودہ حصوں میں

مقدمہ ابن خلدون حصہ اول

ترجمہ :- مولانا راغب رحمانی

صفحات ۵۰۴ قیمت ۳۰ روپے

مقدمہ ابن خلدون حصہ دوم

ترجمہ :- مولانا راغب رحمانی

صفحات ۵۶۸ قیمت ۳۰ روپے

تاریخ ابن خلدون قبل از اسلام

تاریخ الانبیاء حصہ اوّل صفحات ۴۳۰ قیمت ۲۰/۵۰

〃 حصہ دوم 〃 〃 〃 〃 〃

تاریخ ابن خلدون

ترجمہ:- حکیم احمد حسین الہ آبادی

پہلا حصّہ رسول اور خلفائے رسول

صفحات ۵۶۰ قیمت ۳۵ روپے

دوسرا حصّہ خلافت معاویہؓ اور آل مروان

صفحات ۵۱۲ قیمت ۳۲ روپے

تیسرا حصّہ خلافت بنو عباس حصہ اوّل

صفحات ۳۵۲ قیمت ۲۵ روپے

چوتھا حصّہ خلافت بنو عباس حصہ دوم

صفحات ۴۲۴ قیمت ۳۰ روپے

پانچواں حصّہ امیران اندلس اور خلفائے مصر

صفحات ۵۸۴ قیمت ۳۰ روپے

چھٹا حصّہ غزنوی اور غوری سلاطین

صفحات ۴۸۸ قیمت ۲۸ روپے

ساتواں حصہ سلجوقی اور خوارزم شاہی سلاطین

صفحات ۴۰۰ قیمت ۲۵ روپے

آٹھواں حصّہ زنگی اور صلاح الدین ایوبی

ترجمہ حافظ رشید احمد ارشد قیمت ۲۸ روپے

نواں حصّہ سلاطین ممالک بحریہ حصہ اوّل

ترجمہ:- حافظ رشید احمد ارشد

قیمت ۱۷ روپے

کل صفحات ۵۴۶۴ قیمت ۳۶۸/- روپے

مغلیہ دور حکومت

(منتخب اللباب) مصنفہ:- خافی خاں نظام الملک

حصہ اوّل بابر سے جہانگیر تک

صفحات ۳۸۴ قیمت ۲۴ روپے

حصّہ دوم دور شاہجہانی

صفحات ۳۲۱ قیمت ۲۰ روپے

حصہ سوم دور عالمگیری

صفحات ۴۸۰ قیمت ۲۸ روپے

حصہ چہارم شاہ عالم سے ناصر الدین محمد شاہ تک

صفحات ۴۰۰ قیمت ۲۵ روپے

کل صفحات ۱۵۷۶ مکمل سیٹ -/۹۷ روپے

تاریخ اسلام

مکمل تین حصوں میں

مصنفہ:- اکبر شاہ خاں نجیب آبادی

حصہ اوّل صفحات ۵۹۲ قیمت ۳۶ روپے

حصہ دوم صفحات ۶۷۲ قیمت ۳۶ روپے

حصہ سوم صفحات ۶۰۰ قیمت ۳۳ روپے

کل صفحات ۱۸۶۴ قیمت مکمل سیٹ -/۱۰۵ روپے

غنیۃ الطالبین

اردو ترجمہ معہ عربی متن

حضرت غوث الاعظم شیخ عبد القادر جیلانیؒ

اُردو ترجمہ :- مولانا راغب رحمانی (آفسٹ ایڈیشن)

صفحات ۵ سو حصہ اوّل قیمت ۳۵ روپے

" " حصہ دوم " " "

کل صفحات ۱۰۰۰ قیمت مکمل سیٹ -/۷۰ روپے

مآثر عالمگیری

مصنفہ :- محمد ساقی مستعد خاں

صفحات ۴۳۲ قیمت ۲۵ روپے

خلافت بنو اُمیّہ

(کامل ابن اثیر) ترجمہ : مولانا ہاشم ندوی

حصہ اوّل سنہ ۴۱ھ تا سنہ ۴۷ھ صفحات ۴۳۲

حصہ دوم سنہ ۴۷ھ تا سنہ ۱۳۲ھ " ۴۳۲ قیمت -/۲۵

تاریخ فاطمین مصر

مصنفہ :- ڈاکٹر زاہد علی ڈی فل آکسفورڈ

حصہ اوّل صفحات ۲۳۴ قیمت -/۲۰ روپے

حصہ دوم صفحات ۲۳۴ قیمت ۲۰ روپے

مکمل سیٹ ۴۰ روپے

زاد المعاد

(سیرت آنحضرت صلعم) مصنفہ :- حافظ ابن قیم

حصہ اوّل صفحات ۴۸۰ قیمت ۳۰ روپے

حصہ دوم " ۳۶۸ قیمت ۳۰ روپے

حصہ سوم " ۵۲۸ " ۳۲ روپے

حصہ چہارم صفحات ۵۱۲ قیمت ۳۲ روپے

کل صفحات ۱۸۸۸ مکمل سیٹ -/۱۱۲ روپے

تاریخ غرناطہ

محمد لسان الدین الخطیب

ترجمہ :- حکیم سید احمد ندوی

حصہ اوّل صفحات ۴۶۴ قیمت ۳۰ روپے

حصہ دوم صفحات ۴۲۲ قیمت ۲۸ روپے

مکمل سیٹ ۵۸ روپے

سفرنامہ ابن بطوطہ

مکمل دو حصّے

حصہ اوّل صفحات ۴۰۰ قیمت ۳۰ روپے

حصہ دوم صفحات ۲۸۸ قیمت ۲۰ روپے

حیات سیّد احمد شہید بریلویؒ

مصنفہ :- مولانا جعفر تھانیسری

مکتوبات سیّد احمد شہید بریلویؒ

مصنفہ :- مولانا جعفر تھانیسری

سیر المتاخرین (زوال سلطنت مغلیہ)

اُردو ترجمہ :- علامہ غلام حسین طباطبائی

صفحات ۴۰۰ قیمت ۲۵ روپے

عبرت کدہ

مصنف :- ایسٹ وک - ترجمہ :- ضامن کنتوری

صفحات ۴۰۰ قیمت ۲۵ روپے

طبقات الاولیاء

عبدالوہاب شعرانی

صفحات ۵۶۰ قیمت ۳۳ روپے

ہزار سال پہلے

مناظر احسن گیلانی

آفسٹ ایڈیشن قیمت ۱۳/۵۰ روپے

ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام

مصنف :- علامہ عباس محمود العقاد

صفحات ۳۱۶ قیمت ۱۸ روپے

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ

مصنفہ / عبدالعزیز سید الاہل

آفسٹ ایڈیشن - صفحات ۳۰۴ قیمت ۲۵ روپے

ذکرِ یار چلے

مصنف : مرزا ظفر الحسن (آفسٹ ایڈیشن)

صفحات ۴۳۲ - قیمت ۲۲/۵۰ روپے

صحابیات

نیاز فتحپوری

صفحات ۲۷۲ قیمت ۱۵/- روپے

حضرت ابوبکر صدیقؓ
اور
حضرت فاروق اعظمؓ

ڈاکٹر طہٰ حسین - صفحات ۲۵۶ قیمت ۲۲/-

(آفسٹ ایڈیشن)

حضرت عثمانؓ

تاریخ اور سیاست کی روشنی میں

مصنفہ ڈاکٹر طہٰ حسین

صفحات ۲۸۸ قیمت ۱۷ روپے

آج ہی طلب فرمائیے

نفیس اکیڈمی - اسٹریچن روڈ کراچی ۱